

معارف القرآن

جلد اول

شیخ الفیاض ابو حفص عمر بن محمد بن ابی قحطاف محمد بن ابی شمس محمد بن ابی بکر بن
رحمۃ اللہ علیہ، رکن جامعہ اسلامیہ لاہور

جلد اول، حصہ اول، باب اول

بہ ترجمہ حقیقت گو، علامہ ابو حفص عمر بن محمد بن ابی قحطاف محمد بن ابی شمس محمد بن ابی بکر بن

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم حسینیہ، شہداد پور

سندھ، پاکستان

پوزٹ: مکتبہ عثمانیہ، پتہ ۳۳، مہر ن بنگلہ، نزد قلعہ، لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

الحمد لله ولله المنة ته که درین زمان مبینت اقتران تفسیر سر پائیز گنجینه حقائق و معارف و
خزینہ اسرار و لطائف کشف مشکلات قرآنیہ و وصف مخدرات فرقانیہ
مُسْتَعْنٰی بِهِ

مَعَارِفُ الْقُرْآنِ

شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد دریش صاحب کاندھلوی

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً شَيْخُ الْحَدِيثِ جَامِعَهُ أَشْرَفِيَّةَ لَاهُورِ

جلد اول مشتمل بر تفسیر پارہ ① ② ③

○

به ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر برین شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

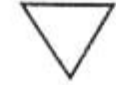
نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۷
 نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
 مکمل سیٹ :- ۸ جلد
 صفحات جلد ۱ :- ۷۰۳
 کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
 کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
 کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ
 تعداد طبع اول :- ۱۳۱۹ھ
 تعداد طبع دوم :- ۱۳۲۲ھ
 پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی
 ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان
 فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس - المنظر پارٹمنٹس ۲۵۸ گارڈن ایسٹ
 نزد سبیلہ چوک کراچی - پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰
 لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
 شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔
 لہذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ
 اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

اہم نوٹ



خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

(احوال و آثار)

ہندوستان کے صوبہ یوپی میں شاہدرہ دہلی اور سہارنپور ریلوے لائن پر مظفرنگر سے ۵۰، دہلی سے ۶۴ اور سہارنپور سے ۶۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ایک قصبہ ہے جسے "کاندھلہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چالیس پچاس ہزار نفوس پر مشتمل یہ قصبہ برگ و گل کے اعتبار سے زرخیز اور افراد کے اعتبار سے مردم خیز ہے۔

بارہویں، تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں جس قدر اہل علم و فضل اس قصبہ کی خاک سے اٹھے، وہ شرف کسی اور قصبہ کو حاصل نہ ہو سکا۔ بقول احسان دانش "کاندھلہ میں متعدد شاعر بھی تھے، اور مجید مولوی بھی، انگریزی کے فارغ التحصیل فضلا بھی اور اصول و عقیدہ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحب نظر بھی، نیز پرانی فیشن کے وہ علماء بھی جن کی علمیت کے باعث بڑی بڑی درس گاہیں، اور دنیا بھر کے دارالعلوم کاندھلہ کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ جس روشن ضمیر نے مثنوی مولانا نے روم کا ساتواں دفتر لکھا وہ بھی اسی قصبہ کی خاک سے اٹھا تھا۔"

کاندھلہ کے ارباب علم و فضل کی ایک طویل فہرست ہے، جسے اس وقت چھیڑنا طوالت کا باعث ہوگا، کاندھلہ کے انہی علماء و فضلا کے باعث دنیائے علم و دانش میں دیوبند اور علی گڑھ کی طرح کاندھلہ کا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا تعلق بھی اسی مردم خیز قصبہ سے ہے۔ اگرچہ آپ کی جائے پیدائش بھوپال ہے لیکن آپ کا وطن مالوف کاندھلہ ہے۔ مقدمۃ التفسیر میں مولانا نے خود اس بات کی صراحت فرمائی۔

"بھوپال میری جائے ولادت اور کاندھلہ میرا وطن ہے"

شہر بھوپال میں مولانا ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۶ھ ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اس طرح آپ صدیقی النسب ہیں، آپ مثنوی مولانا روم کے ساتویں دفتر کے مؤلف مولانا مفتی الہی بخش کی اولاد میں ہیں۔

تعلیم و تربیت

خاندانی روایات کے مطابق مولانا نے قرآن کریم حفظ کیا۔ کاندھلہ میں قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ کے والد مولانا حافظ محمد المصطفیٰ کاندھلوی آپ کو تھانہ بھون لے گئے اور وہاں مولانا شرف علی تھانوی کے مدرسہ اشرفیہ میں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولوی عبداللہ، مؤلف تیسر المنطق سے آپ نے کسب فیض کیا۔ مولانا تھانوی کے مدرسہ میں چونکہ صرف ابتدائی تعلیم کا اہتمام تھا اس لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے مولانا آپ کو بہار بنپور لائے اور مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم میں داخل کیا۔ مظاہر العلوم میں آپ نے مولانا خلیل احمد بہار بنپوری، مولانا حافظ عبداللطیف، مولانا ثابت علی جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا اور ۱۹ برس کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔ مظاہر العلوم سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد ذوق پیدا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں بھی جو عالم اسلام کی مقتدر ہستیوں کا مرکز تھا، دورہ حدیث کیا جائے چنانچہ مظاہر العلوم سے سند فراغ حاصل کر کے دوبارہ دورہ حدیث کیا، اور مولانا علامہ النور شاہ کا شمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، میاں اصغر حسین دیوبندی، اور مفتی عزیز الرحمن رحمہم اللہ جیسے اجلار محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

تدریسی زندگی | مدرسہ امینیہ دہلی سے آپ نے تدریس شروع کی اور ایک سال بعد ہی ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو دیوبند میں تدریس کی دعوت دی۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی تدریس ایک بڑا اعزاز تھا، مولانا نے اس پیش کش کو قبول کیا اور دیوبند فرودکش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز کو اس طرح دے دیا کہ ایک سال قبل جن کبار اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا، انہی کے پہلو میں بیٹھ کر ان سے حاصل کردہ فیض کو عام کرنا شروع کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے سال اول ہی میں آپ نے فقہ کی اعلیٰ ترین کتاب الہدایہ، ادب کی ایک اہم کتاب مقامات حریری جیسی مشکل کتب پڑھائیں۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو سال قائم رہا۔ اس دوران نماز فجر کے بعد نو درہ میں درس قرآن دیتے جس میں دارالعلوم کے متوسط اور اعلیٰ درجات کے طلباء حتیٰ کہ بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ اسی درس کی بنا پر آپ کو بیضاوی اور تفسیر ابن کثیر پڑھانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم چھوڑ کر حیدر آباد دکن آ گئے۔

حیدر آباد دکن میں قیام | حیدر آباد دکن کا نو برس پر مشتمل قیام آپ کی زندگی میں اس اعتبار سے تاریخی گردانا جاتا ہے کہ وہاں قیام کے دوران آپ نے عظیم الشان کتب التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح تالیف کی۔ حیدر آباد دکن میں قیام کے دوران دنیا سے علم کے ایک عظیم کتب خانہ، کتب خانہ آصفیہ میں موجود بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا جن میں توربشی کی المفاتیح شرح مصابیح سب سے اہم ہے جس سے آپ نے تعلیق میں استفادہ کیا اور بعض مقامات پر سیرۃ المصطفیٰ میں بھی اس کے حوالہ جات موجود ہیں۔ حافظ توربشی کی یہ کتاب مصابیح کی ایک بلند پایہ شرح ہے جس کا مخطوط نسخہ دنیا میں صرف کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں | علامہ شبیر احمد عثمانی، صدر مہتمم اور قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہوئے تو ان حضرات نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم آنے کی دعوت دی جو آپ

نے قبول کر لی اور حیدر آباد دکن کے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ پر ستر روپے ماہانہ کی دارالعلوم کی تدریس کو ترجیح دی۔ اور ۱۹۳۹ء میں دوبارہ دارالعلوم آگئے۔ دارالعلوم میں یہ قیام، ہجرت پاکستان تک (دس سال) رہا اور وہاں آپ نے تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، سنن ابی داؤد اور عطاوی کی مشکل الآثار جیسی امہات المکتب پڑھائیں۔

پاکستان، ہجرت | مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور اس کے بعد پورے برصغیر میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کے حصول کے لیے بھرپور تحریک شروع ہو گئی۔ مولانا نے اگرچہ عملاً تو سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے، سیرۃ المصطفیٰ میں بھی جہاد کی بحث میں دو قومی نظریہ پر مدلل اور علمی گفتگو کی ہے۔ ۱۹۴۰ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ مئی ۱۹۴۹ء میں مولانا نے پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ کر کے بادل ناخواستہ دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا۔ اس موقع پر آپ کو دارالعلوم ہاتھ ہزاری چانگام، مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی جانب سے بحیثیت شیخ الحدیث آنے کی دعوت دی گئی لیکن آپ نے مغربی پاکستان آنے کو ترجیح دی اور دسمبر ۱۹۴۹ء میں ریاست بھادلوپور کی دعوت پر آپ پاکستان آگئے اور جامعہ عباسیہ بھادلوپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ تدریسی خدمات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

جامعہ عباسیہ بھادلوپور سے وابستگی | ۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ نے جامعہ عباسیہ میں بحیثیت شیخ الجامعہ چارج لیا۔ جامعہ عباسیہ میں عصری و دینی تعلیم کے اختلاط کی وجہ سے روحانیت اور للہیت نہ تھی جو دینی مدارس کا خاصہ ہوتی ہے، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو وہاں کا یہ ماحول اور مادی دوڑ پسند نہ آئی اور جلد ہی طبیعت میں تکرر پیدا ہو گیا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق | ۱۹۵۱ء کے اوائل میں مولانا جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے اور یہاں خطاب فرمایا، مولانا مفتی محمد حسن کی نظر انتخاب نے مولانا کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے طور پر منتخب کر لیا۔ چنانچہ بھادلوپور واپس جانے کے بعد ایک خط میں مولانا کو جامعہ اشرفیہ آنے کی دعوت ان الفاظ میں دی۔

”میں آپ کو پلاؤ اور بریانی چھوڑ کر دال روٹی کی دعوت دے رہا ہوں“
مولانا نے دال روٹی کی اس مخلصانہ دعوت کو بصدا خالص قبول کیا۔ مفتی صاحب نے دل کی گہرائیوں سے جوابات کہی تھی، مولانا کے دل پر اثر کر گئی اور مولانا ۱۶ اگست ۱۹۵۱ء کو جامعہ عباسیہ سے کم مشاہرہ پر جامعہ اشرفیہ آگئے اور پھر عمر عزیز کے آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ سے اپنا تعلق قائم رکھا۔

وفات حسرت آیات

۲۱ اگست ۱۹۷۳ء کی شب اچانک ہچکیاں آنی شروع ہوئیں۔ ڈاکٹر اور اطباء معائنہ کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ معده بہت کمزور ہو گیا ہے اور جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۲۱ اگست ۱۹۷۳ء سے جولائی ۱۹۷۴ء تک کا یہ تمام سال اسی طرح کمزوری اور نقاہت میں گزرا۔ لیکن شدید مرض اور اضمحلال میں بھی درس بخاری کا سلسلہ بند نہ کیا۔ ۱۶ جولائی ۱۹۷۴ء کو شدید دورہ پڑا اور طبیعت پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اخیر وقت میں جب ذرا ہوش آتا تو کلمہ طیبہ کا ورد ہوتا اور یہ آیت تلاوت کرتے: اِنَّمَا اَشْكُو ابْتِیَّ وَحَزْنِیْ اِلٰی اللّٰہِ۔ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء ۸ رجب ۱۳۹۴ھ کو صبح صادق کے وقت طلوع آفتاب سے قبل علم کا یہ آفتاب و ماہتاب اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوئی۔ خلف الرشید، والد محترم مولانا محمد مالک کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس طرح اس پیکر علم و عرفان کو سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا کی وفات حسرت آیات برصغیر میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اہل علم پر غم کا ایک پہاڑ بن گئی۔ مولانا کی وفات سے ایک ایسا علمی خلا پیدا ہوا کہ جو بعد میں پورا نہ ہوا۔

تصنیفی خدمات

تدریسی خدمات کا ایک مختصر خاکہ گذشتہ اوراق میں پیش کیا جا چکا ہے، درس تدریس اور وعظ و خطبات کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی مولانا نے دین متین کی لازوال خدمات سرانجام دی ہیں۔ تصنیف و تالیف میں مولانا کسی خاص میدان کے شہسوار نہیں بلکہ ہر میدان علم میں شہسوار کا ایسا ملکہ رکھتے ہیں کہ گویا زندگی ہی اس میدان میں گزری ہے۔ علم تفسیر، حدیث، عقائد و کلام، سیرت بنی کریمؐ، رد فریق باطلہ، غرض کہ ہر علمی میدان میں مولانا نے اپنی لازوال خدمات کے ایسے سنگ میل نصب کیے ہیں کہ جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے۔ مولانا کی تصانیف کے مفصل تذکرہ کا تو یہ موقع نہیں لیکن اختصار کے ساتھ آپ کی چند تصانیف کا تعارف پیش خدمت ہے۔

علم تفسیر - معارف القرآن

علوم و معارف کا ایک بھرپور خزانہ اور علماء متقدمین کے علوم کا ایک بہترین مجموعہ ہے، مطالب قرآنہ کی توضیح و تشریح، ربط آیات کا بیان، احادیث صحیحہ اور اقوال و آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل تفسیری نکات، ملاحظہ اور زنادقہ کی تردید، ان کے شبہات اور جوابات کلام الہی کی عظمت و شوکت، اس کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا بیان، یہ چند خصوصیات ہیں جو معارف القرآن میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء میں اس تفسیر کی تالیف کا آغاز کیا گیا اور ابھی سورۃ صافات کے اختتام تک پہنچے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ پھر سورۃ صٰ سے آخر تک بطور تکملہ مولانا محمد مالک کاندھلوی نے تحریر فرمائی۔ مولانا محمد مالک صاحب نے بھی مولانا ہی کے طرز و اسلوب کا تتبع کیا ہے۔

الفتح السامی بتوضیح تفسیر البیضاوی

ساتویں صدی ہجری کے مفسر قرآن قاضی ناصر الدین ابوالخیر عبد بن عمر الشیرازی البیضاوی ۶۸۵ھ کا نام علم تفسیر میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ کی مرتب کردہ تفسیر الزوار التنزیل و الامرار التاویل

ہمیشہ علماء مفسرین کی توجہ کا مرکز بنی رہی ہے اور اس پر متعدد تعلیقات کی گئیں اور بہت سی شروحات لکھی گئیں۔ ۲۔ سوال ۱۳۶۰ھ کو اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا گیا یہ تفسیر ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی اور اس کا واحد مخطوطہ ادارہ اشرف التحقیق میں موجود ہے۔

بیضاوی کی توضیح اور اس کے ادق نکات کی تشریح میں یہ کتاب ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ طوالت و اطناب سے گریز کیا گیا ہے اور نہ اس قدر اختصار سے کام لیا گیا کہ بیضاوی کے دقیق نکات وضاحت طلب رہ جائیں۔ اس مسودہ کی تدوین کے بعد اگر موزوں سائز پر طبع کرایا جائے تو تقریباً چار ہزار صفحات اس کی ضخامت ہوگی۔

اصول و تاریخ تفسیر پر ایک جامع اور مفصل رسالہ ہے جو ابھی تک مخطوط شکل میں ہے۔

مقدمۃ التفسیر

بخاری کے مشکل مقامات خصوصاً تراجم ابواب جو امام بخاری کی ایک امتیازی شان ہے، کی توضیحات پر مشتمل ہے۔ اس کے

علم حدیث: تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری

تین اجزاء طبع ہو چکے ہیں جبکہ بقیہ اجزاء ابھی طبع نہیں ہو سکے۔

ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح مجموعہائے حدیث میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ علامہ نے اس کتاب کی

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح

جس قدر شروح لکھی ہیں، شاید کسی اور کتاب کو یہ سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔ مولانا نے اس کتاب میں مشکوٰۃ کی عمدہ اور آسان زبان میں تبلیغ پیرایہ میں توضیح و تشریح کی ہے۔ مولانا کی حیات میں اس کتاب کے چار اجزاء دمشق اور باقی چار اجزاء پاکستان میں شائع ہوئے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد یہ کتاب از سر نو سات جلدوں میں مکمل طبع ہوئی ہے۔

حدیث کی قطعیت، اس کی حجیت اور اس کا مصدر شرعی ہونا اس پر مولانا نے اپنی اس کتاب میں دلائل عقلیہ و نقلیہ سے بڑی بھرپور بحث کی ہے اور یہ کتاب منکرین حدیث کے لئے ایک مکت جواب ہے

حجیت حدیث

علم عقائد و کلام: الکلام الموثوق فی ان کلام اللہ غیر مخلوق ۲ | قرآن کے کلام الہی ہونے اور کلام الہی کے غیر مخلوق اور قدیم ہونے پر مولانا نے

اس رسالہ میں بھرپور علمی، تحقیقی اور مدلل گفتگو کی ہے اور معتزلہ و فلاسفہ کے غلط نظریات کی تردید کی ہے۔

احسن الحدیث فی ابطال التثلیث | عیسائیت کے نظریہ تثلیث کی تردید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و بشریت پر ایک عظیم تحقیق ہے عیسائیت کے خلاف مولانا کے متعدد

رسالے ہیں جن کو تدوین و تعلیق کے بعد شائع کیا جائے اور قوم کے ان بد نصیبوں کو پڑھایا جائے جو عیسائی مشنری سکولوں میں پڑھ کر اپنے ایمان و اسلام کو ضائع کر رہے ہیں۔

عقائد اسلام | دین اسلام کے بنیادی و اساسی عقائد جن میں توحید و رسالت، قیامت اور ملائکہ پر ایمان شامل ہیں، پر مشتمل اردو زبان میں ایک منفرد کتاب ہے جو اس مسئلہ میں علمی بحث پر

مشتمل ہے۔

علم الکلام | مذہب اسلام کی خصوصیات، احوال قیامت، جنت و جہنم عالم برزخ، حوض کوثر کے وجود پر مدلل و محکم بحث پر مشتمل ہے۔

دستور اسلام | اسلامی نظام حکومت کے بیان پر مشتمل ایک عمدہ کتاب ہے جس میں اسلامی نظام انتخاب، اقتصادی نظام اور تعلیمی نظام پر بحث کی گئی ہے اور نظام حکومت

کی بنیادوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

خلافت راشدہ | صحابہ کی عظمت پر ایمان، عقائد اسلامی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، مولانا نے اپنی اس کتاب میں خلافت راشدہ پر علمی بحث کی ہے۔

سیرۃ المصطفیٰ | مولانا کی خدمات دینی و علمی میں سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ایک تابندہ ستارہ کی مانند ہے۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ قبولیت عامہ سیرۃ المصطفیٰ کو حاصل ہوئی۔

اس کتاب کے متعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں ”جو شخص اردو کی ضروری استعداد رکھتا ہو کتاب مذکور کے مطالعہ یا درس سے محروم نہ رہے۔“ ان کتب کے علاوہ مولانا کی بہت سی دیگر مولفات ہیں جن کو خوف طوالت سے ترک کر دیا گیا

محمد سعد صدیقی

حضرت کا نڈھلوی کے دست مبارک سے لکھا ہوا صفحہ

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنٰ عَلَيْكَمُ لِبَاسًا يُّوَارِي سَوْآتِكُمْ
وَرِيْثًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ
اٰيَةِ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ يَذْكُرُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكَ
الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اٰبَوٰكُمُ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا
لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاَتَهُمَا اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَتَبِيْعُهُ مِنْ
حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۚ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاءَ لِلَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحْشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا
عَلَيْهَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمْرًا نَّيْبَهُمْ اَقُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

حضرت کا نڈھلوی کے دست مبارک سے لکھا ہوا صفحہ

لطائف و معارف

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق کی جو فضیلت نکلتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ واقعی دعوۂ غار میں انکی جان نثار کا بل جہد آفریں ہے۔ یارِ غار کی نسل جو دنیا میں مشہور ہے وہ ہیں جسے جل سے حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوبکر مجھے موت غار کی فضیلت دیریں اور مجھ سے تمام عمر کی مبارک اور نیکیاں دیں تو میں اس پر راضی ہوں۔

امت مرحومہ کا ~~تاریخ~~ اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رفیق غار موت حضرت صدیق تھے حتیٰ کہ مخالفین بھی اس قدر اور معترف ہیں کہ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت صدیق کی شان عظمت کو واضح کر رہی ہے۔ اور اگر عند اللہ پاک شرف قبولیت حاصل نہ ہوتا تو آپ کی اس فضیلت

معارف القرآن اور اس کے مؤلف کے بارے میں

زیر نظر تفسیر (جس کی پہلی جلد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے ہاتھوں میں ہے) حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ درجۃ وسعۃ کے علمی جلالت شان و اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تفسیر اور صاحب تفسیر کے بارے میں میرا کچھ کہنا سورج کو چرخ دکھانے والی بات ہے تاہم تفسیر ہذا میں غور کرنے والوں کو علوم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آئے گا۔ اس بات کا اندازہ اہل علم حضرات مطالعہ کے بعد کر سکیں گے۔ اس بارے میں اگر مختصراً یوں کہا جائے تو جامع تبصرہ ہوگا کہ یہ تفسیر سلف صالحین اور علمائے متاخرین کے علوم و معارف کا خلاصہ اور پختہ ہے۔ اس میں ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شامل کیا ہے۔ لفظی ترجمہ کے بعد رواں ترجمہ ہے جس میں ضروری تشریح کی گئی ہے۔

حضرت مولفؒ کو آیات اور سورتوں میں ربط کا خاص ذوق تھا اس ذوق کو اپنی تفسیر میں پورے طور پر ملحوظ رکھا ہے آیات کی ضروری تشریح کے بعد فائدہ کے عنوان سے اسرار و نکات بیان کیے ہیں اور جابجا فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی ہے حضرت مولفؒ جہاں ایک طرف حافظ ابن کثیر، امام قرطبی، امام فخر الدین رازی اور علامہ سید محمود آلوسی رحمہم اللہ کے اقوال نقل کرتے ہیں وہاں شیخ محی الدین ابن عربی، حضرت حسن بصریؒ اور مولانا رومؒ کے صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی نقل کرتے ہیں۔ نیز جابجا شکوک و شبہات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام کتب تفسیر آپ کے پیش نظر ہیں اور مختلف ائمہ تفسیر اور مفسرین کے اقوال نقل کر کے آخر میں قول راجح بیان کرتے ہیں مآخذ میں سب سے زیادہ علامہ آلوسیؒ کی روح المعانی اور امام رازیؒ کی تفسیر کبیر پر بھروسہ کیا ہے۔

حضرت مولفؒ کی تفسیر و حدیث اور علم کلام میں گرفتہ تصانیف اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہیں کہ ہر فن میں آپ کا مقام بہت بلند تھا لیکن اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تفسیر قرآن کریم اور علوم کتاب اللہ کی شرح و تحقیق کا رنگ سب پر غالب تھا اسی جذبہ و شوق میں تفسیر معارف القرآن شروع فرمائی جو اپنے موضوع پر ایک بے مثال تفسیر ہے اور تمام متقدمین کے علوم و معارف کا ایک جامع خزانہ ہے۔ اس تفسیر کے ساتھ حضرت مولفؒ کے قلبی لگاؤ اور شغف کا یہ عالم تھا کہ اخیر حیات میں جب کہ ضعف و نقاہت کی کوئی حد نہیں رہی تھی حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ تھی لیکن اس ضعف کے باوجود بھی تفسیر کا سلسلہ برابر جاری رہا دن رات یہی فکر تھی کہ کسی طرح تفسیر مکمل کر لوں وفات سے کچھ عرصہ قبل کی بات ہے کہ جب مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولف کے صاحبزادے) رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے جا رہے تھے تو ان کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں والہانہ انداز میں تکمیل تفسیر کے لیے دعا کا ذکر فرماتے ہوئے یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے ”میرا دل از حد پریشان ہے سوائے تفسیر کے کسی چیز میں دل نہیں لگتا اس لیے سب سے فارغ اور یکسو ہونا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تفسیر اور شرح بخاری کو جلد مکمل فرما دیں اور اس کی طباعت کا غیب سے انتظام

فرمادیں "اللہ تعالیٰ حضرت مولفؒ کی اس عظیم خدمت کو قبول فرمادیں آمین
حضرت مولفؒ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ کو بھوپال شہر میں (جب کہ آپ کے والد صاحب وہاں مقیم تھے) پیدا ہوئے آپ کا
اصل وطن کاندھلہ تھا آپ کے والد صاحب کا نام مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی صدیقی ہے۔ والد کی طرف سے آپ کا شجرہ
نسب خلیفہ اول یارِ غار سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

آپ نے ۹ برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا اور ۱۹ برس کی عمر میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (انڈیا) سے
سند فراغ حاصل کی اور پھر دوسری مرتبہ دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث کر کے سند حاصل کی۔

ایک سال مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس رہے پھر ۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوئے اور پھر بعض وجوہات
کی بنا پر وہاں سے حیدرآباد دکن تشریف لے گئے کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ التفسیر آپ کا
تقرر ہوا عرصہ دس سال آپ اس منصب پر فائز رہے قیام پاکستان کے بعد جب آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے
تو جامعہ عباسیہ بھاؤپور میں بحیثیت شیخ الجامعہ (پرنسپل) آپ کا تقرر ہوا وہاں کے ماحول میں آپ جو توقعات لے کر گئے تھے
جب وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں تو آپ نے اسے بھی خیر باد کہہ دیا اور پھر مستقل طور پر جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور تشریف لائے
یہاں تک کہ جب ۴۷ برس کی عمر میں جولائی ۱۹۷۴ء کو آپ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی تو آپ مدرسہ ہذا کے روح
رواں اور شیخ الحدیث والتفسیر تھے۔

غرض حضرت مولفؒ اس صدی کے مایہ ناز محدث و شیخ الحدیث والتفسیر تھے آپ کی تمام زندگی ہی علم اور دین کے
خدمت میں گزری علوم اسلامیہ میں شغف و انہماک اور تصنیف و تالیف ہمیشہ سرمایہ حیات رہی۔ حضرت مولف کی علمی جلالت
شان کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ اپنی مشہور و معروف کتاب التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کے
طباعت کے سلسلہ میں دمشق تشریف لے گئے اور وہاں ایک سال قیام کیا تو شام و عراق اور مصر کے اکابر علماء نے اپنی بے
پناہ عقیدت کا اظہار کیا اور اپنی تحریرات میں خصوصیت کے ساتھ اعتراف کیا کہ آپ عرب و عجم کے ایک مایہ ناز محدث
و مفسر ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ حافظ قرآن تھے، مجود تھے، مفسر و شارح تھے اسپر وارد ہونے والے شکوک و شبہات کے جواب
دینے والے تھے، واعظ تھے، صوفی تھے، آخر میں اس قطعہ پر بات ختم کرتا ہوں۔

قطعہ:

اللہ اللہ کیا شہوں تھے حضرت ادریسؒ میں
علم کے دریا رواں تھے آپ کی تدریس میں

علم میں تھے شاہِ انورؒ فکر میں اشرف علیؒ
درس قرآن میں وہ بیضاویؒ پہ سبقت لے گئے

عبدالمنان

خادم الاقار و التدریس دارالعلوم حسینیہ شہداد پور سندھ پاکستان
۲۶ شعبان ۱۴۱۹ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا
وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ عَبْدِهِ وَرَسُولِهِ سَيِّدِ
الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَنزَلَ وَاجِبَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَجْمَعِينَ
وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

حمد بے حد اور سپاس بے قیاس خاص تیرے ہی لئے ہے اے خداوند ذوالجلال کہ تو نے ہم کو
وجود عطا کیا اور ایمان اور اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی امت میں ہم کو پیدا کیا اور قرآن سکھایا تاکہ دل روشن ہو اور اظہار مافی الضمیر اور بیان کے لئے زبان عطا کی
تاکہ تیرا کلام پڑھ سکیں اور تیرا نام لے سکیں اور تیرے حکموں کو گاتے اور بجاتے پھر سکیں۔ اور ہزاراں ہزار
صلوات و سلام ہو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کے ذریعہ ہم نابکاروں اور ناہنجاروں کو تیرا پیغام پہنچا
اور جن کے ذریعہ ہم گم گشتگانِ راہ کو تجھ تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا اور ہزاراں ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں حضور پر نور
کے آل و اصحاب پر جنہوں نے بلام و کاست نہایت امانت و دیانت اور کمال حفاظت کے ساتھ تیرے کلام کو اور
تیرے پیام اور تیرے دین کو اور تیرے رسول کی شریعت کو لوگوں تک پہنچایا اور دنیا میں تیرے دین کا ڈنکا بجایا
اور تیرے دشمنوں سے جہاد و قتال کیا اور تیری راہ میں اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو پانی کی طرح بہایا اور اپنے
اہل و عیال کو تجھ پر اور تیرے رسول پر قربان کیا حتیٰ کہ تیرے دین کو سر بلند کیا اور کفر کو سرنگوں کیا۔ رضی اللہ
عنہم ورضوا عنہ۔

اور ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں ان علمائے دین پر جنہوں نے تیرے عطا کردہ نور فہم اور نور تقویٰ سے کتاب
و سنت کے حقائق و دقائق کو اور شریعت کے لطائف و معارف کو ایسا روشن کیا کہ جس کو دیکھ کر دنیا حیر
ہے اور کسی امت میں یہ جرات نہیں کہ وہ امت محمدیہ جیسے مفسرین اور محدثین اور فقہاء و متکلمین اور اولیاء
اور عارفین کے مقابلہ میں توریت و انجیل کا مفسر اور محدث اور فقیہ اور متکلم اور صوفی اور مفتی پیش کر سکے
کہ وہ علماء اسلام کی طرح توریت و انجیل کی تفسیر کرتا ہو اور توریت و انجیل کی روشنی میں اپنے ہم مذہبوں کو
فتوے دیتا ہو اور حلال و حرام سے انکو آگاہ کرتا ہو۔ یہود اور نصاریٰ میں اگر کچھ ہمت ہے تو کمرۂ ارضی کے
کسی گوشہ میں توریت اور انجیل کا کوئی پکا کچا حافظ یا چھوٹا موٹا مفسر اور محدث اور مفتی ہو تو نکال کر

لائیں اور دنیا کو دکھلائیں۔

اے اللہ تو اپنی رحمت اور عنایت سے اس نابکار و ناہنجار سحر فنگار کو ان علماء ربانین کے زمرہ میں داخل فرما جنہوں نے تیرے کلام کی خدمت کی اور اس کی تفسیریں لکھیں اور میرے والدین پر بھی رحمت فرما جنہوں نے اس ناپچیز کو قرآن کریم حفظ کرایا اور دین کا علم سکھایا۔

روح پدرم شاد کہ می گفت با شاد

فرزند مرا عشق بیاموز و در گریہ

اور اے اللہ مجھ کو اور میری اولاد کو اور اولاد الاولاد کو اپنے علم کا صحیح وارث بنا اور ہمارے ظاہر و باطن کو اپنے دین کے رنگ سے رنگین فرما اور صبغة اللہ من احسن من اللہ صبغة کا صحیح مصداق بن۔ آمین یا رب العالمین۔

اتالیف

بندہ ناپچیز حافظ محمد ادریس بن مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ جو نسباً صدیقی اور ذہباً مخفی اور شراباً پستی ہے۔ اہل اسلام کی خدمت میں عرض پر داز ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے سرور عالم سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا پس عام بندوں پر اس کا سمجھنا اور علماء پر اس کا سمجھنا فرض ہوا تاکہ خدا تعالیٰ کے حکموں اور اس کی اتاری ہوئی ہدایتوں پر عمل کر کے فریضہ بندگی بجالا سکیں جو بندہ خدا تعالیٰ کے حکموں کو نہ جانے اور بندگی نہ بجالائے تو وہ بندہ نہیں بلکہ وہ گندہ ہے۔ قرآن کریم عربی زبان میں اتر ا جس کا ہندوستان کے عوام کو سمجھنا بہت مشکل تھا اس لئے ہندوستان میں سب سے پہلے عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ۱۱۵۰ھ میں کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جس کا نام "فتح الرحمن" رکھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے مسلمان بکثرت فارسی زبان سمجھتے تھے اور خط و کتابت اکثر و بیشتر فارسی میں ہوتی تھی اور سرکاری مراسلے سب فارسی میں ہوتے تھے اس لئے شاہ صاحب نے لوگوں کی سہولت کے لیے فارسی میں ترجمہ کیا بعد ازاں فارسی کا رواج کم ہوتا چلا گیا اور ضرورت اس کی ہوئی کہ اردو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ کے ترجمہ کے پچپن سال بعد ۱۲۰۵ھ میں ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر دہلوی نے اردو میں قرآن کریم کا با محاورہ ترجمہ کیا مگر اس کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ محاورہ۔ مدلول قرآنی کے تابع رہے ایسا نہ ہو کہ مدلول قرآنی کو محاورہ زبان پر قربان کر دیا جائے۔ یہ اردو میں سب سے پہلا ترجمہ تھا جو نہایت عمدہ ہے اور بے مثال

علہ والد صاحب مرحوم یعنی مولانا حافظ محمد اسماعیل نے تاریخ ۱۹ شوال شب جمعہ ۱۳۶۱ھ بمقام قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر انتقال فرمایا اور جمعہ کی نماز کے بعد عید گاہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب آمین

اور بے نظیر ہے اور ہر طرح سے قابل اطمینان اور قابل وثوق واعتماد ہے اور علماء ربانین کے نزدیک مستند اور معتمد ہے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے علاوہ ترجمہ کے مختصر اور ضروری فوائد بھی لکھے ہیں جو مشکلات میں مشعل راہ کا کام دیتے ہیں اور جن مشکل مقامات میں اکابر علماء کا قلم خاموش نظر آتا ہے وہاں شاہ عبدالقادر کا قلم بولتا ہے اور بالبداهت اس شعر کا مصداق نظر آتا ہے ۔

بسی اندر خود علوم اولیاء ۛ بے کتاب و بے معید و اوستا

اور اس ترجمہ کا نام ”موضح القرآن“ رکھا جو اس کی صفت بھی ہے اور تاریخ بھی۔ شاہ عبدالقادرؒ نے ۱۲۳۰ھ میں بمقام دہلی وفات پائی۔

دوسرا اردو ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحبؒ دہلوی متوفی ۱۲۳۲ھ نے کیا مگر شاہ رفیع الدین کا ترجمہ تحت اللفظ تھا کہ جو ترتیب الفاظ قرآنی کی ہے وہی ترتیب اردو ترجمہ کے الفاظ کی رہے تاکہ کم استعداد والے کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے اس امر کو ملحوظ رکھ کر شاہ رفیع الدین نے لفظی ترجمہ فرمایا اور یہ امر ایک درجہ میں بہت مشکل ہے کہ اردو ترجمہ میں الفاظ قرآنی کی ترتیب بھی ملحوظ رہے اور تا حد امکان اردو زبان کی فصاحت بھی ملحوظ رہے الغرض اس مصلحت کی بنا پر شاہ رفیع الدین کا ترجمہ لفظی تھا اور شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ با محاورہ تھا تاکہ قرآن کا سمجھنا آسان ہو جائے اور مطلب بخوبی ذہن میں آجائے اس لیے کہ جو سہولت فہم با محاورہ ترجمہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہ لفظی ترجمہ سے حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ تحت اللفظ ترجمہ کرنا اور ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا یہ بھی بہت بڑا کمال ہے لیکن آسانی سے مطلب سمجھنا جو با محاورہ ترجمہ سے ممکن ہے وہ تحت اللفظ ترجمہ سے ممکن نہیں غرض یہ کہ شاہ عبدالقادرؒ نے با محاورہ ترجمہ کیا جو عجب شان رکھتا ہے کہ جس کے الفاظ - فصاحت و بلاغت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے تحت معانی کا ایک سمندر موجزن ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ اگر قرآن اردو زبان میں نازل ہوتا تو انہی محاورات اور الفاظ کے لباس میں نازل ہوتا جو شاہ عبدالقادرؒ نے استعمال کیے ہیں اسی عرصہ میں شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادہ شاہ عبدالعزیز نے ۱۲۵۵ھ میں فارسی زبان میں ایک مبسوط تفسیر لکھنی شروع کی جو حقائق و معارف میں بلاشبہ امام رازی کی تفسیر کبیر کا نمونہ تھی کاش کہ مکمل ہو جاتی مگر افسوس کہ مکمل نہ ہو سکی ایک حصہ میں صرف پارہ آلم اور پارہ سیقول کی آیت وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ تفسیر آئی اور دوسرے حصہ میں پارہ تبارک الذی اور پارہ عم کی تفسیر آئی۔ درمیان قرآن کی تفسیر نہ ہو سکی اگر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو بسط ارض پر اس تفسیر کی نظیر نہ ہوتی جیسا کہ تفسیر عزیزی کے موجودہ حصہ کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے دقیق اور عمیق علوم کسی اور تفسیر میں نظر نہیں آتے۔

علیہ راۃ التفسیر ص ۶۷ مصنف مولانا ذوالفقار احمد میں شاہ عبدالقادر کی تاریخ وفات ۱۲۳۰ھ لکھی ہے اور صاحب حدائق الحنفیہ نے یہ لکھا ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی اور منظور الہی تاریخ وفات ہے۔ دیکھو حدائق الحنفیہ ص ۷۷ واللہ اعلم

شاہ عبدالعزیزؒ نے ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی نماز جنازہ بیرون شہر دہلی ادا کی گئی۔ اطراف و اکناف سے آنے والوں کے ہجوم کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا پچپن مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور دہلی کے ترکمان دروازہ کے باہر اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

غرض یہ کہ ہندوستان میں فارسی اور اردو میں ترجمہ اور تفسیر لکھنے کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہؒ سرہ کے وقت سے شروع ہوا۔ شاہ ولی اللہؒ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۵۰ھ میں فارسی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا جس کا نام ”فتح الرحمن“ رکھا اور ۱۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ ”مقتدائے دقیقہ شناس“ تاریخ وفات ہے۔

تفسیر قرآن کا پہلا وہ بنیادی پتھر اس کا وہ صحیح ترجمہ ہے جو قواعد عربیت اور قواعد شریعت کے پورا پورا مطابق ہو ہندوستان میں تفسیر قرآن کا یہ سنگ بنیاد یعنی صحیح ترجمہ قرآن۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے دونوں بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ہاتھوں رکھا گیا اور ہندوستان میں یہ خیر کثیر (ترجمہ قرآن کریم) اس مبارک باپ اور مبارک بیٹوں کے ہاتھوں سے جاری ہوئی اور یہی تین ترجمے اردو زبان میں تفسیر قرآن کے لئے سنگ بنیاد بنے اور ہندوستان میں کوئی عالم ان ترجموں سے بہتر ترجمہ نہ کر سکا۔ ہذا ہم اللہ تعالیٰ بہ عن الاسلام وسائر المسلمین خیرا آمین یا رب العالمین۔

غرض یہ کہ یہ حضرات ترجمہ قرآن کے بانی اور امام ہیں اور علوم دینیہ میں تمام ہندوستان کے استاد ہیں اور حق تو یہ ہے کہ اگر یہ تین ترجمے نہ ہوتے تو ہر کس و ناکس کو ترجمہ کا حوصلہ بھی نہ ہوتا اس لیے کہ کسی کے کلام اور مطلب کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ادا کرنے کا نام ترجمہ ہے اور یہ کام نہایت دشوار ہے جب تک مترجم دونوں زبانوں کے لغات اور محاورات اور استعارات و کنایات اور حقیقت و مجاز اور اسالیب کلام سے پورا واقف نہ ہو تو ترجمہ نہیں کر سکتا ہر کس و ناکس کا تو کیا ذکر ہے۔ اگر ان حضرات کے یہ تراجم نہ ہوتے تو بڑے بڑے علماء کو ترجمہ دشوار ہو جاتا اور شاید بڑی بڑی تفاسیر کے مطالعہ کے بعد بھی ایسا ترجمہ نہ کر سکتے۔ ان حضرات جیسا نور فہم اور نور تقویٰ کس کے پاس ہے جو ان جیسا ترجمہ کر سکے۔ ان تین ترجموں کے بعد جس کسی نے بھی قرآن کا ترجمہ کیا سو اس نے شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کی مدد اور سہارے سے کیا۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام پاک کی اس خدمت یعنی ترجمہ کے لیے سرزمین ہند سے شاہ ولی اللہؒ اور اس کے بیٹوں کو منتخب فرمایا اذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

بمجدہ تعالیٰ جب فہم قرآن کی یہ پہلی منزل یعنی ترجمہ کی منزل گزر گئی اور ہندوستان کے مسلمانوں

علہ شاہ عبدالعزیزؒ کا تاریخی نام غلام حلیم ہے جس سے ۱۱۵۹ھ نکلتا ہے یہی آپ کا سن ولادت ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ کے دیباچہ میں غلام حلیم کے نام سے اپنے کو مؤلف کتاب ظاہر کیا ہے علوم و فنون اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہؒ سے حاصل کیے اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

کے ہاتھوں میں ان تین علماء ربانین اور اسخین فی العلم کے تین نہایت صحیح اور بے مثال ترجمے پہنچ گئے تو اب اس منزل کے طے ہو جانے کے بعد ضرورت اس کی تھی کہ اردو زبان میں قرآن کریم کی کوئی مختصر اور جامع تفسیر لکھی جائے جس میں فقط حل مطالب اور ربط آیات کا خاص اہتمام کیا جائے اور شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح اقوال مختلفہ میں سے ارجح الاقوال پر اکتفا اور اقتصار کیا جائے اور لطائف اور نکات اور مذاہب باطلہ کی تردید کی تفصیل سے گریز کیا جائے تاکہ خاص و عام اس سے نفع اٹھا سکیں۔

یہ خدمت اور یہ سعادت من جانب اللہ حکیم الامت حضرت مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ قدس اللہ سرہ کے حصہ میں آئی اور بیان القرآن کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں ایک تفسیر لکھی جو اپنی افادیت اور جامعیت اور مقبولیت میں شری سے ثریا تک پہنچ گئی۔

اور اسی زمانہ میں ”بیان القرآن“ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے ”فتح المنان“ کے نام سے ایک تفسیر لکھی جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے جس میں مختصر حل القرآن و توضیح مطالب کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید پر بھی کلام فرمایا اور فلسفہ قدیم و جدید کے اعتراضات کے تلی بخش جوابات دیتے یہ تفسیر بھی بحمدہ تعالیٰ بہت مقبول ہوئی اور گم گشتگان راہ کے لیے مشعل ہدایت بنی مگر تفسیری حیثیت سے مطالب قرآنیہ کی بالاستیعاب و توضیح اور مسلسل تشریح اور ربط آیات اور حل مشکلات اور بیان معانی میں جو نرالی شان ”بیان القرآن“ کو حاصل ہوئی وہ اردو زبان میں کسی اور تفسیر کو حاصل نہیں ہوئی وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اور اسی طرز پر ایک نہایت مختصر اور جامع تفسیر جو جدید شہادت کے قلع قمع کے لیے کافی اور شافی ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی قدس اللہ سرہ نے لکھی جو نہایت مقبول ہوئی۔ اور فصاحت و بلاغت اور حسن تعبیر کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے۔

بحمدہ تعالیٰ جب فہم قرآن کی یہ دو منزلیں اور طے ہو گئیں اول صحیح ترجمہ دوم مختصر اور جامع تفسیر جس سے قرآن کریم کے مطالب اور معانی بخوبی و آسانی سمجھ میں آسکیں تو اب ضرورت اس کی ہوئی کہ بیان القرآن کے طرز پر ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالب قرآنیہ کی توضیح و تشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ و تابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف و معارف اور نکات اور مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ و زنادقہ کی تردید اور ان کے شہادت اور اعتراضات کے جوابات پر بھی مشتمل ہو تاکہ کلام خداوندی کی عظمت و شوکت اور اس کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا کچھ نمونہ نظروں کے سامنے آجائے پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر ہٹا ہو نہ ہو عہد نبوت اور عہد صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک امت کے علماء ربانین اور اسخین فی العلم نے جس طرح قرآن کریم کا مطلب سمجھا ہے اسی طرح اس امانت کو بلا کسی خیانت کے مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے اور کسی جگہ بھی اپنی رائے اور خیال اور نظریہ کو قرآن کے بہانہ سے پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب نہ دیا جائے جیسا کہ

آج کل آزاد منشوں کا یہ طریقہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیریں لکھ کر اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ تاویل و تحریف کے ذریعہ قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب و تمدن کے مطابق کر دیں ان آزاد مفسروں کی ہمت تن یہ کوشش ہوتی ہے کہ لفظ تو عربی ہوں اور معنی مغربی ہوں اور یورپ کے محدین کے خیالات باطلہ کو قرآن کے نام سے مسلمانوں میں پھیلا جائے۔ غرض یہ کہ یہ گروہ قانون خداوندی کو مسخ کر رہا ہے اور اپنے حسب منشاء قرآن کے معنی گھڑ کر لوگوں میں شائع کر رہا ہے۔ اللہم احفظنا منہم۔

اے مسلمانو! خوب سمجھ لو یہ گروہ قرآن کریم کا مترجم اور مفسر نہیں بلکہ یورپ کے نفسانی تمدن کا مترجم اور مفسر ہے ان سے بچتے رہنا ناچیز نے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لیے تفسیر لکھنی شروع کی کہ جیسا مطلب قرآن کریم کا اللہ کے رسول نے اور صحابہ و تابعین نے سمجھا ہے وہی مسلمانوں کے سامنے پیش کر دے تاکہ لوگ صحیح طور پر قرآن کو سمجھ سکیں اور صحیح طور پر اس پر عمل کر سکیں بغیر علم صحیح کے عمل صحیح ناممکن ہے یہ ناچیز سلف صالحین کے اتباع کو سعادت سمجھتا ہے اور سلف کے مسلک سے ہٹ کر تفسیر کو ضلالت اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت سمجھتا ہے۔

تو مباشرتاً اصل کمال اینت ولس تو دروگم شو وصال اینت ولس
بحمد تعالیٰ اس فقیر و حقیر نے اسی التزام کے ساتھ تقریباً ۱۳۶۰ھ میں تفسیر لکھنی شروع کی مگر دیگر مشاغل کی بنا پر پم پابندی نہ ہو سکی جب موقع ملا کچھ لکھ لیتا۔ اور ارادہ یہ کیا کہ جس طرح صحابہ و تابعین اور سلف صالحین نے قرآن کریم کو سمجھا ہے بعینہ اسی طرح اس کو مسلمانوں تک پہنچا دیا جائے مغربیت اور عصریت کے نفی تقاضوں سے مرعوب ہو کر قرآن کریم کے مدلول اور مفہوم کو نہ بدلا جائے۔

اور ”معارف القرآن“ اس تفسیر کا نام رکھا جو اس رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں سورہ نساء کے ختم تک پہنچی واللہ الحمد والمنة اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عنایت سے باقی کی تکمیل فرمائے اور قبول فرمائے۔ آمین
اس حقیر و فقیر کی یہ تفسیر گدا گروں کی جھولی کی طرح ہے جو قسم قسم کے کھانوں اور طرح طرح کے لواؤں سے لبریز ہے اور فقیروں کی گڈڑی کی طرح ہے جس میں ناظرین کو رنگ برنگ کے بیوند نظر آئیں گے۔ اگر کوئی اس گدائے بے نوا سے پوچھے کہ تیرے پاس یہ قسم قسم کے کھانے اور رنگ برنگ کے اطلس و کخواب کے ٹکڑے کہاں سے میسر آئے تو یہ ناچیز جواب میں یہ عرض کرے گا کہ میں تو گدائے بے نوا ہوں مگر بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر بھیک مانگنے کے لیے جاتا ہوں وہاں سے بھیک میں جو کھانے مل جاتے ہیں وہ لا کر دوستوں کے سامنے رکھ دیتا ہوں جس کو جو لقمہ اور نوالہ خوش ذائقہ معلوم ہو نوش جان کرے اور جو مرغوب طبع نظر آئے وہ تناول کرے یہی حال اس علم کے گدائے بے نوا کا ہے کہ اس تفسیر میں جو کچھ بھی علم ہے وہ سب کا سب خسروان علم و حکمت کے دروازوں سے ملی ہوئی بھیک ہے جو ایک درپوزہ میں جمع کر دی گئی ہے اور اکثر و بیشتر ان دروازوں کے نام بھی بتلا دیئے ہیں جہاں سے یہ فقیر بھیک مانگ کر لایا ہے تاکہ جسے اور کچھ مانگنا اور لینا ہو تو وہ خود ان دروازوں پر پہنچ جائے اس اظہار

حقیقت کے بعد امید ہے کہ احباب کرام اس ہیچداں کو اس تالیف میں ایک دسترخوان بچھانے والے سے زیادہ نہ سمجھیں گے۔ اور گاہ بگاہ اس سفرہ چین کو جو غرق معصیت ہے دعا مغفرت سے نواز دیا کریں گے۔ آخر جو خدام دسترخوان بچھائے اور اس پر کھانے لاکر چنے اس کا بھی کچھ حق ہے۔ علمی سفرہ چین کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازیں اور آخرت کی ذلت اور ندامت سے محفوظ رکھیں۔ آمین

عرض حال کے بعد اب یہ ناچیز اپنے خدائے پروردگار سے بصد ہزار عجز و نیاز ملتجی ہے کہ اس تفسیر کو اس فقیر و حقیر کے ہاتھ سے تکمیل کو پہونچائے اور اس کو قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے اور میری اولاد جسمانی اور روحانی کے لیے خصوصاً اور عام مسلمانوں کے لیے عموماً مفید اور نافع اور مشعل ہدایت بنائے آمین۔ اور اس تحریر پر اپنا تقصیر کو اس فقیر و حقیر کے لیے زاد معاد اور توشہ آخرت اور خیر جاری اور ذریعہ مغفرت اور سرمایہ سعادت بنائے آمین یا رب العالمین

ع و یرحمہ اللہ عبد اقبال آمینا

در قیامت ہر کسے در دست آرد نامہ من نیز حاضری شوم تفسیر قرآن در بغل
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ط

بندہ ناچیز

محمد ادریسؒ کان اللہ وکان ہوللہ ووفقہ، لما یحب

دیرضاه و جعل آخرتہ، خیر امن اولاہ۔ آمین

۲۴ شوال المکرم ۱۳۸۲ھ ہجری

جامعہ اشرفیہ لاہور
پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت تفسیر معارف القرآن

مُقرآن بابر معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبِ جو کہ دارالعلوم المحمڈیہ (حیدر)
مشہد دلپور وائے صفات خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھاپا ہے ۔

ہماری طرف سے اجازت ہے ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو

چھپائیں اور فروخت کریں ۔
نور محمد صاحب

۲۶/۱/۹۹



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین جلد اول تفسیر "معارف القرآن"

سُورَةُ فَاتِحَةٍ وَبَقَرَةِ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون (سُورَةُ فَاتِحَةٍ)
۴۷	ایمان اور کفر کی تعریف و تشریحات	۱	سُورَةُ فَاتِحَةٍ کی تفسیر
۴۹	مسئلہ تکفیر اہل قبلہ	۲	اسماءِ سُورَةُ فَاتِحَةٍ
۵۳	ایمان کیلئے کفر سے برأت اور بیزاری شرط ہے	۶	استعاذہ
۵۶	ایمان کی صورت اور اس کی حقیقت	۱۲	خلاصہ
۵۹	ایمان کے وجودی مراتب	۱۷	مالک اور ملک کی وجوہات ترجیح
۶۰	غیب سے کیا مراد ہے	۲۱	سوال در بارہ استعانت بغیر اللہ و جواب
۶۱	ایک لطیفہ	۲۵	ہدایت کا معنی اور ضراطِ مستقیم کی وضاحت
۶۱	یقینون الصلوٰۃ کی تفسیر	۳۲	اسرار مجموعہ سورت
۶۲	و موارقہم یتفقون کی تفسیر اور مصارفِ سبعہ	۳۳	فائدہ (ختم فاتحہ پر ایمین کا حکم)
۶۵	صفات کفرین	۳۴	صلوٰۃ مسلمین و صلوٰۃ نصاریٰ کا تقابل
۶۶	کفر کی تعریف		سُورَةُ الْبَقَرَةِ
۶۷	اقسام کفر	۳۶	تفسیر سورہ بقرہ
۶۸	نکتہ ختم اللہ علی قلوبہم کی تفسیر کہ ختم اور غشاوہ سے کیا مراد ہے	۳۸	سورہ بقرہ کا سورہ فاتحہ کیساتھ ربط
۷۳	لطائف و معارف (قلب کی تعریف)	۴۲	الم (حروف مقطعات کی تحقیق)
۷۴	سمع، البصار، ختم و غشاوہ کی تحقیق	۴۵	صفات مؤمنین مخلصین
۷۸	قبائح منافقین - پہلی قباح	۴۶	مراتب تقویٰ = پہلا مرتبہ، دوسرا مرتبہ
			تیسرا مرتبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۷	ذکر تخلیق سامان حیات روحانی و اعطاء خلافت ربانی	۷۹	فوائد
	حقیقت ملائکہ	۸۱	منافقین کی دوسری قباحت
۱۲۱	جواب تفصیلی بعد جواب اجمالی	۸۳	منافقین کی تیسری قباحت
۱۲۲	فائدہ	۸۴	منافقوں کی چوتھی قباحت
۱۲۴	ایک شبہ اور اسکا ازالہ	۸۷	منافقین کی دو مثالیں
۱۲۵	فائدہ	۸۸	مثال اول منافقین
۱۲۶	فائدہ	۹۲	منافقین کی دوسری مثال
۱۲۷	مناظرہ عدو اللہ دربارہ خلافت خلیفۃ اللہ	۹۴	تعلیم توحید
۱۲۸	فائدہ	۹۶	فائدہ
۱۳۰	خلاصہ کلام	۹۸	اثبات رسالت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم
۱۳۲	فائدہ	۱۰۱	بضمن اثبات حقیقت قرآن عظیم۔
	فائدہ ۱ ۲ ۳		پچھلی آیات سے ربط اول و ربط دیگر
۱۳۴	ازالہ اشتباہ از لغزش سیدنا و ابیہا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و تحقیق مسلک علماء اسلام دربارہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام	۱۰۲	فائدہ
۱۳۵	عصمت کے معنی	۱۰۳	ذکر معاد یعنی قیامت کا بیان و بشارت
۱۳۷	معصیت کے معنی	۱۰۴	مومنین صالحین
۱۳۹	متعلقات عصمت = قسم اول	۱۰۵	ربط
۱۴۰	قسم دوم، قسم سوم، قسم چہارم	۱۰۷	ف
۱۴۵	ولی اور رسول میں فرق	۱۰۸	قرآن کریم کے کلام الہی ہونے پر ایک شبہ اور
۱۴۶	فائدہ: عصمت انبیاء اور حفاظت اولیاء میں فرق	۱۰۹	اور اسکا جواب
۱۴۷	دلائل عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	۱۱۰	مراتب ہدایت = مرتبہ اولی
۱۴۸	دلیل اول	۱۱۱	مرتبہ ثانیہ
۱۴۹	دلیل دوم	۱۱۲	مراتب اضلال = معنی اول
۱۵۰	دلیل سوم، دلیل چہارم، دلیل پنجم	۱۱۳	معنی ثانی
			استعجاب بر کفر و نافرمانی و تذکیر انعامات
			ربانی اور مبدء و معاد کی یاد دہانی
			ذکر تخلیق سامان حیات جسمانی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۶	العام اول	۱۴۹	دلیل ششم، دلیل ہفتم، دلیل ہشتم
۱۷۷	فائدہ	۱۵۰	دلیل نہم، دلیل دہم، دلیل یازدہم
۱۷۸	تنبیہ - العام دوم - العام سوم	۱۵۱	دلیل دوازدہم، دلیل سیزدہم، دلیل چہار دہم
۱۷۹	العام چہارم	۱۵۲	دلیل پانزدہم
۱۸۲	العام پنجم - حکایت - العام ششم	۱۵۳	دلیل شانزدہم، دلیل ہفدہم -
۱۸۳	العام ہفتم - فائدہ	۱۵۴	اعادہ حکم یہود فائدہ
۱۸۴	العام ہشتم	۱۵۵	فائدہ - یہود آدم علیہ السلام کے اسرار و حکم
۱۸۵	العام نہم	۱۵۶	فوائد مستنبط از قصہ آدم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و بارک و شرف و کرم - فائدہ ۱
۱۸۶	فائدہ - العام دہم	۱۵۸	فائدہ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶
۱۸۸	تمتہ العام دہم - فائدہ	۱۵۹	فائدہ ۷ ۸ ۹ ۱۰
۱۸۹	فائدہ ۱ ۲	۱۶۰	فائدہ ۱۱ فائدہ جلیلہ ترک اطاعت و ارتکاب
۱۹۰	ذکر شنائع بنی اسرائیل و بیان لغت ایشاں	۱۶۱	معصیت میں فرق -
۱۹۱	بانیار رب جلیل - شنائع اول کفران	۱۶۲	تذکرہ اجمالی انعامات خاصہ براسلاف یہود
۱۹۲	نعمت بنا بردنارت و حساست	۱۶۳	وامر ایشاں با یقار یہود و نہی از دین فروشی
۱۹۳	فائدہ	۱۶۴	و حق پوشی یعنی ان نعمتوں کا بیان جو خاص
۱۹۴	فائدہ	۱۶۵	بنی اسرائیل پر مبذول ہوئیں -
۱۹۵	فائدہ	۱۶۶	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۱۹۶	طریقہ = تنبیہ	۱۶۷	تو بیخ عالم بے عمل
۱۹۷	فائدہ (صابین کی تفسیر)	۱۶۸	تنبیہ
۱۹۸	شنائع دوم، فائدہ	۱۶۹	اصلاح نفس کا طریقہ اور حبت مال و حبت جاہ
۱۹۹	شنائع سوم	۱۷۰	کاعلاج
۲۰۰	فائدہ (مسخ کی قسمیں)	۱۷۱	فائدہ
۲۰۱	فائدہ (مسخ شدہ ہلاک ہوئے)	۱۷۲	تفصیل انعامات و عنایات خداوند جلیل و شرح
۲۰۲	شنائع چہارم - معاندانہ سوالات	۱۷۳	جنایات و تقصیرات قوم بنی اسرائیل و حکم مراقبہ عنایات
۲۰۳	فائدہ ۱	۱۷۴	و ملاحظہ جنایات کہ در حیار اکیر دارد
۲۰۴	فائدہ ۲ شنائع پنجم -		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۶	شناخت ہفتم	۲۰۷	فائدہ ۱ فائدہ ۲
=	فائدہ (گوسالہ پرست حولیہ یا مجسمہ تھے)	۲۰۹	استعجاب بر قساوت بعد مشاہدہ عجائب قدرت
۲۳۷	شناخت ہشتم	۲۱۰	فائدہ (سبب قساوت در دل) ایک شبہ
۲۳۹	شناخت نوزدہم		اور جواب
۲۴۰	فائدہ (لایات تمنوا الموت)	۲۱۳	شناخت ششم متضمن بدفع کلفت ناصحین
	فائدہ ۲ تمنوا الموت کا خطاب عام ہے		و مشفقین از انتظار و طمع ایمان معاندین
۲۴۱	فائدہ ۳ یہود نے زبان سے یہ تمنا نہ کی	۲۱۴	فائدہ - (توریت میں تحریف)
	شبہ مع ازالہ موت کی تمنا کا شرعی حکم	۲۱۵	شناخت ہفتم
۲۴۲	شناخت ہشتم	۲۱۶	تحقیق یہود بے بہبود - تنبیہ
۲۴۴	نکتہ (نزول کلام کے دو طریقے)	۲۱۷	شناخت ہشتم، شناخت نہم -
۲۴۶	شناخت ہست و یکم	۲۱۹	شناخت دہم
	فائدہ شیاطین کا سحر کفر ہے و	۲۲۰	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۲۴۹	قصہ ہاروت و ماروت	۲۲۱	فائدہ ۳ (کافر متحد فی النار ہے)
۲۵۰	تحقیق قصہ ہاروت و ماروت	۲۲۲	شناخت یازدہم
۲۵۲	خلاصہ کلام (در بارہ قصہ ہاروت و ماروت)	۲۲۳	فائدہ اولی
۲۵۳	ایک شبہ اور ازالہ ایک اور اشکال و جواب	۲۲۴	فائدہ دوم، فائدہ سوم، فائدہ چہارم
	فائدہ -		فائدہ پنجم در بیان فرق مارت و مداہنت
۲۵۴	شناخت ہست و دوم متضمن بتلقین احباب	۲۲۶	شناخت دوازہم
	باداب خطاب فائدہ ۱ امت محمدیہ کو اٹھاسی جگہ	۲۲۷	فائدہ
	خطاب	۲۲۸	شناخت سیزدہم
۲۵۵	فائدہ (ہوہم توہین الفاظ کا استعمال)	۲۲۹	فائدہ کذبتم ماضی اور تقتلون مضارع
	فائدہ ۳ نبی کی تحقیق اشارۃ و کنایہ بھی کفر ہے	=	کافرق
	شناخت ہست و سوم شان نزول آیت مذکورہ	=	شناخت چہارم
۲۵۶	فائدہ (رحمت سے مراد) شناخت ہست و چہارم	۲۳۰	فائدہ (غلف کی تحقیق)
	مشتمل بر تحقیق نسخ - شان نزول تفصیل	۲۳۲	شناخت پانزدہم
۲۵۸	فائدہ اولی (نسخ کے معنی) فائدہ ثانیہ نسخ آیات کی	۲۳۵	شناخت شانزدہم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۵	فائدہ مقام ابراہیم کی تحقیق - نکتہ	۲۵۸	فائدہ سوم (نسب کی قسمیں) فائدہ چہارم (نسب اولاد نہیں ہیں)
۲۸۶	دعائے ابراہیم برائے حرم و ساکنان حرم	۲۵۹	فائدہ پنجم (نسب باعتبار کثرت ثواب)
۲۸۷	دعائے ابراہیم و اسمعیل برائے قبولیت خدمت تعمیر بیت اللہ	۲۵۹	شناخت بست و پنجم
۲۸۸	فائدہ ۱ (قبول و تقبل میں فرق) فائدہ ۲ (قبولیت عمل کیلئے فضل خداوندی شرط ہے)	۲۶۰	شناخت بست و ششم
۲۸۸	دعائے ابراہیمی برائے وجود امت مسلمہ و قوم مسلمانان و ظہور رسول محترم از ساکنان حرم کہ صاحب قرآن و خاتم پیغمبران باشد	۲۶۲	شناخت بست و ہفتم با شتر اک نصاری
۲۹۲	لطائف و معارف	۲۶۳	شناخت بست و ہشتم با شتر اک نصاری و مشرکین
۲۹۲	ترغیب و تاکید اتباع ملت ابراہیمی کہ عین توحید و وعین ملت اسلام است و فضائل ملت اسلام	۲۶۴	فائدہ تشبیہ با قول و مقولہ
۲۹۶	یہودیت اور نصرانیت کی طرف دعوت دینے والو کو جواب	۲۶۵	شناخت بست و نہم با شتر اک نصاری و مشرکین
۲۹۷	فائدہ جلیلہ (لفظ مسلم کا انتخاب)	۲۶۷	شناخت سی ام ایضا با شتر اک نصاری و مشرکین
۲۹۸	فائدہ دیگر (ہر شریعت میں تین چیزیں)	۲۷۰	فائدہ مسیح ابن اللہ کے بارے میں نصاری کی تاویل جواب عذر لنگ مع جواب
۲۹۹	تعلیم طریقہ ایمان	۲۷۱	شبه (موجود کو وجود کا حکم) جواب
۳۰۰	تفریع بر مضمون سابق مع توبیخ و تقریر	۲۷۲	شناخت سی و یکم ایضا با شتر اک نصاری و مشرکین
۳۰۱	فائدہ "صبغة اللہ" کا اعراب	۲۷۳	فائدہ تشبیہ اور تشابہ میں فرق
۳۰۲	تلقین جواب از مجادلہ اہل کتاب	۲۷۴	خاتمہ کلام و اتمام حجت و الزام و تسلیہ سیدانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام
۳۰۴	فائدہ آیت مذکورہ کا تکرار	۲۷۶	فائدہ
	پارہ دوم سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ	۲۷۸	تکریر تذکر و اعادہ تحذیر
۳۰۵	اثبات فضیلت قبلہ ابراہیمی و اسرار تخیل قبلہ و آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ کے بارے میں قول اول و قول ثانی شان نزول	۲۷۹	قصہ کامیابی ابراہیم خلیل علیہ السلام در امتحان خداوند جلیل و تخیل کلام از ذکر بنی اسرائیل بسوء ذکر بنی اسمعیل علیہ السلام
۳۰۶		۲۸۱	فائدہ ظلم و فسق بمقابلہ عدالت و تقویٰ
		۲۸۲	اقوال مفسرین در تفسیر کلمات ابتداء
		۲۸۴	قصہ بنائے خانہ تجلی آشیانہ و فضائل قبلہ اسلام و تلقین آداب بیت حرام (فائدہ مشابہہ کا معنی)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۱	رجوع بخطاب یہود و وعید برکتمان حق و تجدد	۳۰۸	تمام امتوں پر امت محمدیہ کو فضیلت
۳۳۲	اعلان توحید	۳۰۹	فائدہ اُمت وسطا کی وضاحت
۳۳۳	دلائل توحید	۳۱۰	تحويل قبلہ پر ایک شبہ مع الجواب
۳۳۶	حکایت	۳۱۱	ایک شبہ اور اسکا ازالہ
۳۳۷	استعجاب استبعاد براتخاذ انداد بعد واضح	۳۱۲	تحويل قبلہ کا حکیمانہ جواب، حکمت اول
۳۳۹	شدن وحدانیت رب عباد	۳۱۴	عنا دہل کتاب در بارہ قبلہ
۳۴۰	انجام شرک - فائدہ	۳۱۵	عنا دہل کتاب در بارہ صاحب قبلتین و رسول
۳۴۱	خطاب عام و تذکیر العام و البطلان رسوم شرکیہ		ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم و حکمت اول
	و تفصیل حلال و حرام		در تحويل قبلہ
۳۴۱	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳	۳۱۶	حکمت دوم در تحويل قبلہ و حکمت سوم در
۳۴۲	فائدہ ۴		تحويل قبلہ
۳۴۳	خطاب خاص بہ اہل اختصاص	۳۱۷	حکمت چہارم، حکمت پنجم تحويل قبلہ کا حکم کر
۳۴۹	ذکر محرمات معنویہ مثل دین فروشی و		لانے کی حکمت
	حق پوشی	۳۱۸	بیان وظائف رسول اعظم کہ از قبلہ ابراہیمی و حرم
۳۵۱	البواب البر والصلۃ اصول بر		محترم مبعوث باشد
۳۵۲	فائدہ (آیت ہدایں بر کی چھ قسمیں)	۳۲۰	تلقین ذکر و شکر (فائدہ غفلت قلب کے لئے ذکر)
۳۵۴	فروع بر یعنی احکام عملیہ و فرعیہ کا بیان -		نکتہ
	حکم اول در بارہ قصاص -	۳۲۱	طریقہ تحصیل ذکر و شکر و بیان فضیلت صبر
۳۵۶	فائدہ - مساوات در قتل نہ در کیفیت قتل	۳۲۲	بیان حیات شہداء کہ از ثمرات صبر است
۳۵۸	حکم دوم وصیت	۳۲۳	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۳۵۹	حکم سوم صوم	۳۲۴	بیان امتحان صبر و بشارت صابرین و جزا صبر
۳۶۲	تعیین ایام معدودہ	۳۲۵	فائدہ اناللہ الا اسی امت کیساتھ مخصوص ہے
۳۶۳	نزول قرآن اور صیام رمضان میں مناسبت	۳۲۶	فائدہ ۱ (اناللہ کی منفعت)
۳۶۵	فائدہ جلیلہ (فرضیت رمضان سے پہلے صیام	۳۲۷	فائدہ ۲ فائدہ ۳
	کی فرضیت)	۳۲۸	استشہاد بر فضیلت صبر شان نزول
۳۶۶	اقوال علماء کرام در بارہ تفسیر آیت فدیہ صیام	۳۲۹	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰۲	فائدہ اول	۳۶۶	گروہ اول
۴۰۳	فائدہ دوم	۳۷۰	دوسرا گروہ توجیہ اول
۴۰۴	فائدہ سوم	۳۷۱	دوسری توجیہ
۴۰۵	تنبیہات و تہدیدات	۳۷۲	تیسری توجیہ خلاصہ کلام
۴۰۸	حکم یزدہم متعلق بمصارف الفاق	۳۷۲	ترغیب بعد تلقین تکبیر و شمار
۴۱۰	حکم چہار دہم متعلق بفرضیت جہاد و قتال در شہر حرام	۳۷۳	فائدہ ۱ فائدہ ۲
۴۱۱	شان نزول	۳۷۴	فائدہ ۳ فائدہ ۴
۴۱۳	انجام ارتداد مسئلہ ۱	۳۷۵	حکم چہارم متعلق بسحور و افطار
۴۱۴	مسئلہ ۲ حکم پانزدہم متعلق بشراب و قمار	۳۷۶	فائدہ ۱ فائدہ ۲ (خیط ابیض کا استعارہ)
۴۱۵	فائدہ شراب کی ممانعت بتدریج نازل ہوئی	۳۷۷	فائدہ ۳ - حکم پنجم در بارہ اعتکاف
۴۱۶	حکم شانزدہم متعلق بمقدار الفاق	۳۷۸	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳ - فائدہ ۴
۴۱۸	حکم ہفدہم مخالفت یتیم	۳۷۹	حکم ششم منع از مال حرام
۴۱۹	حکم ہش دہم مناکحت کفار	۳۸۰	مسئلہ
۴۲۰	فوائد	۳۸۱	حکم ہفتم اعتبار حساب قمری
۴۲۱	حکم نوزدہم حرمت جماع در حالت حیض	۳۸۳	حکم ہشتم اصلاح بعض رسوم جاہلیت
۴۲۳	حکم بستم متعلق بہ احترام نام پاک خداوندانام	۳۸۶	حکم نہم متعلق بقتال کفار
۴۲۴	شان نزول	۳۸۷	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳
۴۲۵	فائدہ ۱ اقامت یسین قسم اول، دوم، سوم	۳۸۹	حکم دہم انفاق فی الجہاد - فائدہ -
۴۲۶	فائدہ ۲ فائدہ ۳	۳۹۲	حکم یازدہم متعلق حج و عمرہ
۴۲۷	حکم بہت و یکم ایلاہ فائدہ ۱ فائدہ ۲	۳۹۳	تتمہ احکام حج
۴۲۸	فائدہ ۳، فائدہ ۴، فائدہ ۵	۳۹۵	اباحت تجارت در زمانہ حج -
۴۲۹	حکم بہت و دوم و سوم عدت، طلاق، عدت حجت	۳۹۶	اہل ذکر و اہل دعاء کے اقام
۴۳۰	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳	۳۹۸	فائدہ ایام معدودات کی تحقیق
۴۳۱	حکم بہت و چہارم عدت طلاق رجعی	۳۹۹	تقسیم دیگر
۴۳۲	حکم بہت و پنجم خلع	۴۰۰	فائدہ - (یشری کے معنی)
			حکم دوازدہم استلام تام و قبول جمیع احکام اسلام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۰	خاتمہ احکام معاشرت بر تذکیر آخرت، حکایت	۴۳۳	حکم بست و ششم حلالہ در طلاق ثلاث
۴۶۱	قصہ گریزندگان از موت و دوبار برائے تنبیہ	۴۳۴	فائدہ
۴۶۲	شیفتگان حیات دنیا و تمہید تشجیع بر جہاد و	۴۳۵	نصیحت
۴۶۳	قتال و ترغیب النفاق مال	۴۳۶	حدیث ابن عباسؓ
۴۶۴	نکتہ (یہ موت، موت عقوبت تھی) فائدہ	۴۳۷	اہل سنت و الجماعت کے دلائل
۴۶۵	پانچ فائدے	۴۳۸	اجماع صحابہ کرامؓ
۴۶۶	تشجیع کرین بر جہاد و قتال کفرین	۴۳۹	حدیث ابن عباسؓ کا جواب جواب اول
۴۶۷	ترغیب النفاق مال در راہ خداوند ذوالجلال	۴۴۰	جواب دوم، جواب سوم
۴۶۸	فائدہ ۱ (خدا کی راہ میں دینیکو مجازاً قرض کہا)	۴۴۱	حکم بست و ہفتم منع از اضرار نسأ و زجر از لعب
۴۶۹	فائدہ ۲ (حضرت ابوالدرداءؓ کا اللہ تعالیٰ کو قرض دینا)	۴۴۲	باحکام خداوندی
۴۷۰	فائدہ قرض دینے کا اجر	۴۴۳	حکم بست و ہفتم منع از اضرار نسأ و زجر از عدت
۴۷۱	قصہ طالوت و جالوت برائے ترغیب جہاد و قتال	۴۴۴	حکم بست نہم متعلق بہ رضاع
۴۷۲	در عایت آداب جہاد	۴۴۵	پانچ فوائد
۴۷۳	فائدہ نبی نبوت سے پہلے ولی ہوتا ہے	۴۴۶	حکم سی ام عدت و قات زوج
۴۷۴	بیان حکمت مشروعیت جہاد	۴۴۷	فائدہ ۱، ۲، ۳
۴۷۵	اثبات رسالت محمدیہ	۴۴۸	حکم سی یکم متعلق پیغام نکاح در اثنائے عدت
۴۷۶	پاسرہ ۳ تِلْكَ الرُّسُلُ	۴۴۹	حکم سی و دوم بابت مہر
۴۷۷	ذکر فضائل رسل و بیان حال امم	۴۵۰	فائدہ (مہر کی چار صورتیں)
۴۷۸	فائدہ ۱ (رفع بعضہم درجات سے کون مراد ہے)	۴۵۱	حکم سی و سوم محافظت صلوات عموماً و صلوة
۴۷۹	فائدہ ۲ (ایک لایت کے تکرار کی حکمت)	۴۵۲	وسطی خصوصاً
۴۸۰	فائدہ ۳ (انبیاء کے درمیان تفصیل و مفاضلہ کی وضاحت)	۴۵۳	فائدہ ۱ (صلوة وسطی کی تعیین) فائدہ ۲
۴۸۱	ترغیبات و ترہیبات در بارہ صدقات و نفقات	۴۵۴	عصر کی تخصیص
۴۸۲	اثبات توحید ذات و کمال صفات (ایۃ الکرسی)	۴۵۵	فائدہ (ام صاحب کے نزدیک صلوة خوف)
۴۸۳	فوائد و لطائف	۴۵۶	حکم سی و چہارم وصیت برائے سکونت بیوہ
۴۸۴	فائدہ ۱ (کرسی کی تحقیق)	۴۵۷	فائدہ دعوتوں کے لئے سال کی وصیت کا حکم منسوخ
۴۸۵		۴۵۸	حکم سی و پنجم متعہ برائے مطلقات فائدہ ۱، ۲

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲۵	احکام ربا (سود)	۴۹۱	فائدہ ۲ (آیت الکوسی سید الایات)
۵۲۶	فائدہ (انما الیبع مثل الربا)	=	فائدہ ۳ الحی القیوم پر شاہ عبدالعزیز کا کلام
۵۲۷	بیع اور سود میں فرق	۴۹۲	حق و باطل اور نور و ظلمت کا فرق واضح ہے
۵۲۸	سود خوار کے استدلال کی ایک مثال و	۴۹۵	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
	ربا کی اقسام	۴۹۶	فائدہ
=	سود کے حرام ہونے کی وجہ	۴۹۷	ذکر مبداء و معاد
۵۳۰	سود تمام شریعتوں میں حرام رہا ہے	۴۹۸	قصہ اول در بارہ اثبات وجود باری عز اسمہ
۵۳۱	سود ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ تنزل کا ذریعہ	۴۹۹	فائدہ (قصہ ابراہیم با نمرود آگ میں ڈال جانے کے بعد)
۵۳۲	فوائد و لطائف		کا ہے)
۵۳۷	احکام قرض و رہن	۵۰۰	قصہ دوم برائے اثبات معاد یعنی اثبات حشر و نشر
۵۴۰	فائدہ ۱ فائدہ ۲ پانچ مسائل	۵۰۲	فائدہ حضرت عزیر کو چار نشانیاں دکھائی گئیں
۵۴۳	خاتمہ سورت ۱۱۱ مثل بر تذکیر جلال خداوندی	۵۰۳	قصہ سوم نیز برائے اثبات حشر و نشر
	و عظمت و تحذیر از محاسبہ آخرت و تلقین ایمان	۵۰۵	فوائد و لطائف
	و سمع و طاعت و تعلیم دعا و فلاح دارین در	۵۰۸	حکایت رجوع با حکام صدقات
	آخرت عفو و مغفرت در دنیا فتح و نصرت	۵۱۰	فضیلت انفاق فی سبیل اللہ و ذکر بعض شرائط قبول
۵۴۵	مدح اہل ایمان		فائدہ
۵۴۶	بیان مدار تکلیف بعد از بیان مدح و توصیف	۵۱۲	مثال نفقات مقبولہ
=	تعلیم دعا جامع متضمن بصلاح دارین	۵۱۳	فائدہ ۱ (تبلیتاً من انفسہم) کے معنی
۵۹۷	فائدہ (خطا اور سیان کا حکم)	۵۱۴	فائدہ ۲ فائدہ ۳
۵۹۸	فائدہ (لا تحمل ولا تحمل کا فرق)	۵۱۵	مثال نفقات و طاعات غیر مقبولہ
۵۹۹	فائدہ (سورہ بقرہ کے خاتمہ پر ایمان)	۵۱۶	بیان بقیہ آداب صدقات و ذکر مصارف خیر
		۵۱۹	فائدہ
	تفسیر سورۃ ال عمران	۵۲۱	حکایت (فلا نفسمک پر) فائدہ کفار کو صدقا
		۵۲۲	کا حکم
۵۵۰	سورہ بقرہ کے ساتھ ربط پانچ وجوہ سے		فائدہ مسلمانوں کو صدقا سوچ کر خرچ کرنا چاہیے
۵۵۳	اثبات توحید و بیان محکم در ابطال الوہیت	۵۲۳	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۹۰	بشارت غلبہ مومنین براعداء بعنوان مناجات و علم	۵۵۹	عیسیٰ ابن مریم و مناظرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۵۹۱	شان نزول	۵۶۱	بالنصاری نجران
۵۹۲	چار فائدے	۵۶۲	فوائد و لطائف
۵۹۳	ممانعت دوستاں از دوستی دشمنان	۵۶۳	تقسیم آیات بسوئے محکمت و متشبیہات مع تقسیم
۵۹۴	شان نزول	۵۶۴	سامعین بسوئے زائفین فہم و اسخین علم
۵۹۵	تین فائدے	۵۶۵	لطائف و معارف
۵۹۶	آغاز مضمون رسالت و بیان آنکہ معیار محبت	۵۶۶	مال و اولاد کے نشہ میں حق سے استغفار پر
۵۹۷	خداوندی اتباع رسول است	۵۶۷	وعید و تہدید
۵۹۸	نکتہ	۵۶۸	ذکر استشہاد برائے دفع استبعاد
۵۹۹	ذکر اصطفاء بعض گزیدگان خداوندانام علیہم السلام	۵۶۹	فائدہ (دوایتوں میں رفع تعارض)
۶۰۰	فائدہ — نکتہ	۵۷۰	فائدہ (یرونہم مثلیہم کی تفسیر میں اقوال)
۶۰۱	قصہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام	۵۷۱	بیان حقارت لذات دنیویہ
۶۰۲	فائدہ	۵۷۲	لطائف و معارف
۶۰۳	فوائد	۵۷۳	بیان نفاست نعمائے اخرویہ و متحقین انہا
۶۰۴	قصہ دعا زکریا علیہ السلام برائے فرزندارجمند	۵۷۴	نکتہ
۶۰۵	فائدہ ۱ فائدہ ۲ فائدہ ۳ — نکتہ	۵۷۵	صفات متقین
۶۰۶	تتمہ قصہ حضرت مریم علیہا السلام	۵۷۶	فائدہ (قنوت کا معنی)
۶۰۷	نکتہ (واما کعوا مع الراکعین کے معنی)	۵۷۷	فائدہ ۱ شب اخیر کی تخصیص
۶۰۸	آغاز قصہ عیسیٰ علیہ السلام	۵۷۸	رجوع بسوئے مضمون توحید
۶۰۹	نکتہ	۵۷۹	بیان حقانیت اسلام و جواب مجادلہ
۶۱۰	حضرت مریم کا تعجب اور اسکا جواب	۵۸۰	مخالفین اسلام
۶۱۱	خوارق عادات کے متعلق فلاسفہ اور ملاحدہ	۵۸۱	فائدہ (عنادی کیساتھ بحث بیکار ہے)
۶۱۲	کے شبہات کے جوابات	۵۸۲	ذکر بعض احوال شنیعہ یہود بے بہبود
۶۱۳	فضائل و کمالات عیسیٰ علیہ السلام — نکتہ	۵۸۳	تین فوائد
۶۱۴	ذکر عداوت یہود با عیسیٰ علیہ السلام و حفاظت	۵۸۴	استعجاب بر اعراض اہل کتاب
۶۱۵	خداوندانام و بشارت رفع الی السما و محفوظیت	۵۸۵	فائدہ یتولی فریق منهم اور وہم معرضون میں فرق

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۶۲	تذکیر ميثاق انبیاء و توبیخ بر انحراف ازاں	۶۲۲	از کمر اعداد
۶۶۳	تشریح کمر رسول میں قول اول کی تشریح	۶۲۳	بشارت اول بشارت دوم
۶۶۴	تشریح قول دوم - دونوں میں فرق	۶۲۴	بشارت سوم، بشارت چہارم، بشارت پنجم -
۶۶۵	فائدہ (یہ عہد کب لیا گیا)	۶۲۴	استدلال بر نبوت محمد یہ بقصہ مذکورہ
۶۶۸	خلاصہ حقیقت اسلام و عدم قبول غیر دین اسلام	۶۲۵	نصاری کے ایک استدلال یا شبہ کا جواب
۶۶۹	فائدہ احکام کی دو قسمیں تشریحی، تکوینی	۶۲۵	نکتہ
۶۷۰	بیان حکم مرتدین	۶۲۶	لطائف و معارف
	فائدہ (کافروں کی تین قسمیں ہیں)	۶۲۶	حکایت
		۶۲۸	نکتہ (توفی کے معنی)
		۶۳۱	نکتہ
		۶۳۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ پانچ وعدے
		۶۳۵	دعوت مباہلہ برائے اتمام حجت براہل مجادلہ
		۶۳۷	فائدہ (روافض کا ایت مذکور سے استدلال)
		۶۳۸	جواب
		۶۳۹	دعوت اہل کتاب بطف و عنایات
		۶۴۳	ابطال دعوائے اہل کتاب و بارہ ملت ابراہیم
		۶۴۵	ضروری تنبیہ (حضرت ابراہیم کے مسلم ہونیکا معنی)
		۶۴۹	یہودیوں کی شرارتوں، خیانتوں اور افترا پر دازیوں
			کا بیان
		۶۵۰	فائدہ (آیات اللہ سے مراد)
		۶۵۳	اہل کتاب میں سے اہل امانت کی مدح اور
			اہل خیانت کی مذمت
		۶۵۶	مسئلہ تحریف
		۶۵۹	ایک ضروری تنبیہ
		۶۶۰	اہل کتاب کا حضرات انبیاء پر افترا اور اس کی تردید
		۶۶۱	فائدہ (عبادت اور اطاعت میں فرق)

اِقْرَأْهَا ۝ ا: سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۝ رُكُوعُهَا ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مشروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿٣﴾

سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا بہت مہربان نہایت رحم والا

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۖ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

مالک انصاف کے دن کا
تجھ ہی کو ہم بندگی کریں اور تجھ ہی سے

نَسْتَعِينُ ۝۵۱ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝۵۲

مرد چاہیں چلا ہم کو راہ سیدھی

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٤٤﴾

غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے۔

سُورَةُ فَاتِحَةٍ کی تَفْسِیْر

سورۃ فاتحہ جمہور علماء کے نزدیک مکیؑ ہے بعض علماء اس کے مدنی ہونے کی طرف

۱۰ مترجم گوید یعنی عالم انس و عالم جن و عالم ملائکہ و علیٰ ہذا القیاس ۔ فتح الرحمن

گئے ہیں مگر یہ قول شاذ ہے۔ ابتداء بعثت میں سب سے پہلے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي
چند آیتیں نازل ہوئیں جیسا کہ صحیحین میں ہے اور چند روز کے بعد پوری سورۃ فاتحہ مع بسم اللہ
کے نازل ہوئی جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور ابو نعیم اور بیہقی کی دلائل النبوت میں عمرو بن
شیرین سے مرسل مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے یہ فرمایا
کہ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو غیب سے کچھ آوازیں سناتا ہوں خدا کی قسم مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ
ہے۔ حضرت خدیجہ نے فرمایا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کبھی آپ کے ساتھ ایسا نہ کرے گا۔ خدا
کی قسم آپ امانتیں ادا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اتفاق سے
اسی وقت ابوبکر آگئے۔ حضرت خدیجہ نے کہا اے ابوبکر تم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم) کو ساتھ لیکر ورقہ کے پاس جاؤ اور یہ واقعہ بیان کرو۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ہاتھ پکڑ کر ورقہ کے پاس لے گئے۔ ورقہ نے آپ سے
حال دریافت کیا اس پر آپ نے یہ فرمایا۔

کہ جب میں تنہا ہوتا ہوں تو پیچھے سے
غیبی آواز یا محمد یا محمد کی سناتا ہوں، جس
کی دہشت سے بھاگنے لگتا ہوں۔ ورقہ
نے کہا ایسا مست کروٹھہر کر اس کی بات
سنو اور پھر جو کہے۔ اس کی آکر مجھ کو خبر
دو۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ایک جگہ
تنہا تھے کہ آواز آئی۔ اے محمد یہ پڑھئے
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین
الی آخر السورۃ اس کے بعد کہا لا الہ الا اللہ
کہو آپ یہ سب سن کر ورقہ کے پاس
آئے اور سارا واقعہ ذکر کیا۔ ورقہ نے
کہا اے محمد تم کو بشارت ہو اور پھر
بشارت ہو تحقیق میں گواہی دیتا ہوں کہ
تم بلاشبہ وہی نبی ہو کہ جن کی مسیح بن مریم
نے بشارت دی ہے اور تمہاری
شرعیّت موسیٰ کی شرعیّت کے طرز کی ہے
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یقیناً نبی مرسل ہو۔

فَقَالَ إِذَا خَلُوتَ وَحْدِي
سَمِعْتُ نِدَاءَ خَلْفِي يَا مُحَمَّدُ
يَا مُحَمَّدُ فَانْطَلِقْ هَارِبًا فِي الْأَرْضِ
فَقَالَ لَا تَفْعَلْ إِذَا أَتَاكَ فَاتَتْهُ
حَتَّى تَسْمَعَ مَا يَقُولُ ثُمَّ أَتَنِي
فَاخْبِرْنِي فَلَمَّا خَلَا نَادَاهُ يَا
مُحَمَّدُ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ
الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ حَتَّى بَلَغَ وَ
لَا الضَّالِّينَ قَالَ قُلْ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ فَاتَى وَرَقَةَ فَذَكَرَ
ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ الْبَشَرُ ثُمَّ
الْبَشَرُ فَاتَى أَشْهَدُ أَنَّكَ الَّذِي
بَشَرَنِي بِهِ ابْنُ مَرْيَمَ وَ
أَنَّكَ عَلَى مِثْلِ نَامُوسَ
مُوسَى وَ أَنَّكَ نَبِيٌّ مَرْسَلٌ
الْحَدِيثُ تَفْسِيرٌ دُرِّ مَنْثُورٌ ص ۲ ج ۱ و تفسیر قرطبی
ص ۱۱ ج ۱

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سورت ابتداء بعثت کے چند روز بعد اتری ہے کہ جب خدیجہ الکبریٰ اور ابوبکر صدیق مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اور ورقہ بن نوفل بھی بقید حیات تھے۔ ابتداء بعثت میں نزول وحی کی شدت اور اس کی عجیب و غریب کیفیت کی وجہ سے جو اس سے پہلے نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی تھی آپ پر ایک خاص خشیت اور دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب آدمی پر کوئی خاص کیفیت اور شدت طاری ہوتی ہے تو دل کی تسلی اور تشفی کے لیے اپنے محرم خاص اور محب باختصاص سے ذکر کرتا ہے تاکہ دل کو سکون اور اطمینان ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہؓ سے ذکر کرنا اور ورقہ کے پاس جانا محض اس لیے تھا کہ یہ محرم راز اور ہمدم و ہم ساز ہیں۔ حبیب اور لبیب ہیں۔ ہوشمند اور دانش مند۔ ذی علم اور ذی فہم ہیں ان سے مل کر تسلی ہوگی۔ معاذ اللہ آپ کو اپنی نبوت و رسالت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا اور نہ ورقہ سے کوئی تعلیم و تلقین مقصود تھی۔ ورقہ تو صرف توریت اور انجیل کے ایک عالم تھے۔ اور حضرت تو اوتیت علو الاولین والآخرین کے مصداق تھے حضور ورقہ سے کیا علم اور فیض حاصل کرنے جاتے۔ اصل بات یہ تھی کہ ورقہ اگرچہ عالم تھے مگر صاحب حال اور صاحب کیفیت نہ تھے آپ کے قلب مبارک پر جو وحی کی کیفیت گزر رہی تھی۔ اس کی حقیقت اور اس کی لذت کی کیفیت تو آپ ہی کو معلوم تھی۔ ورقہ ذوقی طور پر نہیں جانتے تھے۔ بلکہ محض علمی طور پر اتنا جانتے تھے کہ حضرات انبیاء پر نزول وحی کے وقت یہ کیفیات گزرتی ہیں۔ اس لیے وہ آپ کی تسلی کرتے تھے اور ایسے وقت میں تسلی اور تشفی دہی کر سکتا ہے کہ جس پر یہ حالت اور یہ کیفیت نہ گزر رہی ہو اور کچھ اجمالی طور پر اس قسم کی چیزوں سے واقف اور باخبر ہو۔ جیسے بیمار دار بیمار کی تسلی کرتا ہے۔ ورنہ جس پر یہ کیفیت گزرے گی اور جس پر یہ حالت طاری ہوگی وہ خود ہی خوف زدہ اور دہشت زدہ ہو جائے گا۔ اسے اپنی ہی خبر نہ رہے گی۔ دوسرے کی تسلی اور تشفی کرے گا۔ اور عقلاً یہ ضروری نہیں کہ تسلی دینے والا صاحب حال سے افضل اور اکمل یا اعلم اور افہم ہو۔ فانہم ذلک واستقم۔ ورقہ بن نوفل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ انجیل متی کے باب سوم میں یوحنا حواری کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی دینا مذکور ہے۔ اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا جائے۔

چونکہ سب سے پہلے اَقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا نزول ہوا جس میں یہ حکم تھا کہ اللہ کے نام سے پڑھو اس لیے اس کے چند روز بعد بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰہِ کا نزول ہوا یعنی ہم اسی حکم سابق کے مطابق اللہ ہی کے نام سے پڑھتے ہیں۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔ مگر صحاح ستہ

کی تمام روایتوں میں سورۃ اقرار کی ابتدائی آیتوں کا سب سے پہلے نازل ہونا مذکور ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ عجب نہیں کہ ان بعض علماء کی مراد یہ ہو کہ سب سے پہلے پوری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ اقرار ابتداءً پوری نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی چند آیتیں اتریں اور بقیہ سورت بعد میں نازل ہوئی اور سورۃ فاتحہ پہلی ہی مرتبہ میں پوری نازل ہوئی جیسا کہ روایت مذکور سے ظاہر ہے۔

اسما سورۃ فاتحہ

اس سورت کے بہت سے نام ہیں مشہور نام فاتحہ ہے اس لئے کہ قرآن شریف اسی سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ الحمد ہے۔ اس لیے کہ ابتداءً میں یہ لفظ حمد واقع ہے اور اس سورۃ کو فاتحۃ الکتاب اور فاتحۃ القرآن بھی کہتے ہیں اس لیے کہ کتاب الہی کا آغاز اور شروع اسی سورت سے ہوتا ہے اور اس کا ایک نام ام الکتاب بھی ہے یعنی تمام کتاب الہی کا خلاصہ اور اجمال۔
حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عالم کی ہدایت کے لیے ایک سو چار کتابیں مختلف انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر اتاریں اور تمام علوم اور حکمتوں کو ان میں ودیعت رکھا اور پھر ان سب کا خلاصہ توریت و انجیل و زبور و قرآن حکیم میں درج فرمایا اور پھر ان سب علوم کو قرآن حکیم میں بھر دیا اور پھر قرآن کے تمام علوم کو مفصل میں اور علوم مفصل کو فاتحۃ الکتاب میں ودیعت فرمایا اور فاتحۃ الکتاب کے علوم کو اپنی حکمت بالغہ سے بسو اللہ الرحمن الرحیم میں بھر دیا۔

کہتی ہے سوز بان سے قرآن کی خامشی
لا ریب ذات پاک کی سچی کتاب ہوں
مجھ میں بھرے جہاں کے علوم و فنون ہیں
قرآن میرا نام ہے ام الکتاب ہوں

اور اس سورۃ کا نام سورۃ الکنز بھی ہے۔ یعنی یہ علوم الہی کا ایک عظیم خزانہ ہے ایک حدیث میں ہے کہ یہ سورت ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہے اور چونکہ اس سورت میں حق جل شانہ نے بندوں کو اپنی بارگاہ میں عرض و معروض کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام تعلیم المسئلہ بھی ہے یعنی جب ہمارے دربار میں حاضر ہوا کرو تو اس طرح معروض کیا کرو کہ اپنی التجا پیش کرنے سے پہلے خدا کی حمد و ثناء کرو اور اس کی عظمت اور طاقت اور اس کی قدرت اور ربوبیت کا دل اور زبان سے اعتراف کرو اور پھر اس کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرو اور اسی کو اپنی حاجتوں کا بر لانی والا اور معین و مددگار سمجھو اور یہ دعا مانگو کہ اے اللہ

ہمیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تیرا فضل و کرم ہو چکا ہے نہ ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تیرا قہر و غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا راستہ۔ سبحان اللہ کیسی دعا ہے جو دین و دنیا کی ایسی تمام نعمتوں کو شامل ہے جو قہر و غضب اور گمراہی سے پاک صاف ہوں یعنی سعادت عطا فرما اور شقاوت سے بچا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل انعام کی طرح ہم کو فضائل سے آراستہ فرما اور اہل غضب اور اہل ضلال کے ذمائم اور رذائل سے ہم کو بچاتا کہ نابکار و ناہنجار بندے تیرے مقبول بندوں کی صف میں کھڑے ہو کر تیرے انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اہل عقل غور کریں کہ کیا اس سے بڑھ کر کوئی دعا ہو سکتی ہے جو لاکھوں امیدوں اور آرزوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہو۔ اور اس سورت کا ایک نام سورۃ الشفار اور سورۃ شافیہ بھی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ سورۃ فاتحہ ہر مرض کے لیے شفا دے اور ایک نام اسکا کافیہ اور وافیہ بھی ہے کہ خیرات بركات کے لیے کافی اور وافی ہے اور اس سورت کا ایک نام سورۃ الصلاۃ بھی ہے کہ نماز میں اسکا پڑھا جانا ضروری ہے جاننا چاہیے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھا جانا ضروری ہے۔ مگر ہر نمازی کے لیے نہیں بلکہ جو امام ہو یا منفرد ہو یعنی اپنی تنہا نماز پڑھتا ہو۔ اس کے لیے نماز میں فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سننا اور خاموش رہنا فرض و لازم ہے مقتدی کو امام کے پیچھے کچھ پڑھنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے فَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لِلَّهِ وَالصَّوْتُ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو نہایت غور اور توجہ کے ساتھ امام کی قرأت کی طرف کان لگا کر سنو اور بالکل خاموش رہو۔ امید ہے کہ اگر تم نے امام کی قرأت کو سنا اور خاموش کھڑے رہے اور امام کے ساتھ قرآن میں کوئی منازعت اور مخالفت نہ کی تو تم پر رحم کیا جائے گا۔ یعنی مقتدیوں سے رحمت خداوندی کا وعدہ استماع اور انصات کے ساتھ مشروط ہے ورنہ پھر یہ وعدہ نہیں اور یہ آیت بالا جماع قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ امام بیہقی اور زر قانی نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ اِذَا قَرَأَ فَانصتُوا (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ لا صلاۃ الا بفاتحۃ الكتاب کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ سو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ سے ترمذی اور ابو داؤد میں ہے کہ یہ حکم امام اور منفرد کا ہے۔ احادیث دو قسم کی ہیں ایک وہ قسم ہے کہ جس میں امام اور منفرد کے احکام وارد ہوئے ہیں ان میں یہ آیا ہے کہ نماز میں فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور دوسری قسم احادیث کی وہ ہے کہ جس میں مقتدی کے احکام آئے ہیں ان تمام احادیث میں صرف یہی حکم آیا ہے اِذَا قَرَأَ فَانصتُوا کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو امام کے احکام الگ ہیں اور مقتدی کے احکام الگ اپنی اپنی جگہ دونوں ٹھیک ہیں امام پڑھے اور مقتدی خاموش رہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں

استعاذہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
پناہ پکڑتا ہوں اور حمایت ڈھونڈتا ہوں خدا تعالیٰ کی بہکانے
اور پھسلانے سے شیطان مردود کے

جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تلاوت قرآن کی ابتداء سے پہلے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنا سنت ہے جس کے معنی ہیں کہ میں شیطان مردود کے فتنہ سے
اللہ کی پناہ میں آنے کی درخواست کرتا ہوں۔ کما قال تعالیٰ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ
بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ اس لیے کہ استعاذہ شیطان کے مکر اور شر سے بچنے
کے لیے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَإِنَّمَا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ أَقُولُ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ
الشَّيْطَانِ تَذَكُّرًا فَإِذَا هُم مَّبْصُورُونَ اور عطار یہ کہتے ہیں کہ ہر قرأت کے شروع
میں استعاذہ واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں استعاذہ کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے
جال میں پھنسنے سے محفوظ ہو جائے اور بسم اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی رحمت میں داخل
ہو جائے اسلئے استعاذہ بسم اللہ پر مقدم ہوا۔ کیونکہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔ نیز
قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی تلاوت سے پہلے زبان اور قلب کی طہارت ضروری
ہے۔ اس لیے تلاوت قرآن سے پہلے استعاذہ کا حکم دیا گیا تاکہ زبان اور قلب کو ایک گونہ
طہارت حاصل ہو جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی کی اعانت اور امداد سے کہ جو بے حد مہربان اور نہایت
رحم والا ہے۔ اس کے کلام کو شروع کرتا ہوں اور اسکے کلمات قدسیہ کے انوار و تجلیات اور
ظاہری اور باطنی ثمرات و برکات کا امیدوار ہوں۔

۱۔ نام نامی۔ یہ ترجمہ اسم کی اصل کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسم کی اصل سم ہے جو علو اور رفعت پر
دلالت کرتی ہے اور شروع کرتا ہوں اخیر تک بسم اللہ کے متعلق کی طرف اشارہ ہے کہ تقدیر کلام اس طرح سے ہے بسم
اللہ اشرع کلام اللہ اور جو بیکہ اسم انوار کلمات القدسیہ و تجلیات اور اس طرف اشارہ ہے کہ جاری مجرور کی تقدیر مؤخرًا مناسب
ہے تاکہ فائدہ صحت اور اخلاص کا حاصل ہو اور اسی صحت کے ظاہر کرنے کے لیے ترجمہ میں ”ہی“ کا لفظ بڑھایا اللہ ہی کے نام نامی الخ

بِسْمِ اللّٰهِ بعض علماء کے نزدیک سورۃ فاتحہ اور ہر سورت کا جزو ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سوائے سورۃ نمل کے کسی سورۃ کا جزو نہیں دو سورتوں میں محض فصل کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ تبرکاً ہر سورت کے ابتداء میں اسکو لکھا جاتا ہے۔
سنن ابی داؤد میں باسناد صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان لا یعرف فصل السورۃ
حتی ینزل بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو
سورتوں میں فصل نہ جانتے تھے یہاں
تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی۔

اسی وجہ سے بسم اللہ الخ کو نماز میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ جہراً نہیں پڑھا جاتا تاکہ جزو فاتحہ ہونے کا وہم نہ ہو۔ اور اسی لیے بسم اللہ الخ کو کسی سورۃ کے ساتھ ملا کر نہیں لکھتے بلکہ ہمیشہ سورۃ سے علیحدہ دو خطوں کے درمیان میں لکھتے ہیں تاکہ جزو سورت ہونے کا شبہ نہ ہو مگر سورۃ نمل میں بسم اللہ بالاتفاق سورت کا جزو ہے اس لیے اس کو مثل دیگر آیات کے ملا کر لکھا جاتا ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کی مستمرہ سنت یہ تھی کہ بسم اللہ کو نماز میں آہستہ پڑھتے تھے۔ (ابن کثیر - ترمذی - زاد المعاد)

امام ابو بکر رازی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں اس مسئلہ کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور امام اعظم نغان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک کا خوب مدلل اور مبرہن ہونا ثابت کیا ہے حضرات اہل علم اسکی طرف مراجعت فرمائیں۔

بسم اللہ کے شروع میں جو با ہے بعض علماء کے نزدیک وہ مصاحبت اور الصاق کے لیے ہے اور بعض علماء کے نزدیک استعانت کے لیے ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں ابتداء ہی سے اپنی عبودیت اور عجز و استکانت کا اظہار اور پہلے ہی وہلہ میں اپنی حول اور قوت سے تبری کا اعلان ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی اعانت اور توفیق سے ہم شروع کرتے ہیں۔ حاشا اپنی حول اور قوت سے نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور بارگاہ الوہیت کا ادب بھی اسی کو مقتضی ہے کہ وہاں عبودیت اور تذلل ہی کا اظہار ہو۔ اور ادعا مصاحبت نہ ہو۔ تَعْلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً اور یہی معنی اِیَّاكَ لَسْتَعِیْنُ کے زیادہ مناسب ہیں اور یہی معنی لا حول ولا قوۃ الا باللہ کے مراد ہونے کی وجہ سے کُنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ (یعنی جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ) کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں اور بسم اللہ کی با کا کسرہ بھی انکسار اور ذل عبودیت ہی کی طرف مشیر ہے۔

اللہ اس ذات واجب الوجود کا علم ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے اور ہر قسم کے عیب اور نقص کے شائبہ اور واہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے اور اسی وجہ سے لفظ جلالت ہمیشہ موصوف

ہی واقع ہوتا ہے اور اسماء حسنی کو بطور صفت اس اسم عظیم کے بعد ذکر کیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ
 هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
 هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ
 الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ
 الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ فِي السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ط۔

اور یہ اسم عظیم رب اعلیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اسکا اطلاق ہمیشہ سے صرف اسی وحدہ
 لا شریک لئے کی ذات پاک کے لیے ہوا ہے جس طرح کوئی اس کی ذات اور صفات میں اسکا شریک
 و سہیم نہیں۔ اسی طرح اس اسم عظیم میں بھی اسکا کوئی قسیم نہیں۔ اسی وجہ سے تمام اولیاء اللہ کا
 مسک یہ ہے کہ اسم ذات ہی اسم اعظم ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بھی لفظ اللہ ہی کو اسم اعظم فرمایا ہے
 جیسا کہ امام طحاوی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

محمد بن حسن نے روایت کیا امام ابو حنیفہؒ
 سے کہ اسم اعظم وہ لفظ اللہ ہے کہا محمد
 بن حسن نے اس لیے کہ رحمن مشتق
 ہے رحمت سے اور رب مشتق ہے
 ربوبیت سے اور اس قسم کی مثالیں
 ذکر فرمائیں اور لفظ اللہ کسی شئی سے
 مشتق نہیں۔

(مشکل الآثار)

خوشتر از آب حیات ادراک تو
 ہر بُن مواز عسل جوئے شود
 شیر و شکر می شود جانم تمام
 حرف حرفش میدہد جان را رواق
 جان جان و می عظم رمیم

(خاتمہ مثنوی از مفتی الہی بخش کاندھلوی قدس اللہ سرہ)

اسم اللہ کے بعد تمام اسماء حسنی میں اسم رحمن کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ
 قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ
 بظاہر اسی وجہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے

زیادہ محبوب یہ دو نام ہیں۔ عبد اللہ اور عبد الرحمن۔ عبد اللہ میں عبد۔ اسم اعظم کی طرف مضاف ہے اور عبد الرحمن میں اسم رحمن کی طرف مضاف ہے جس کا مرتبہ اسم اعظم کے بعد ہے اسی وجہ سے حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کو پہلے ذکر فرمایا اور عبد الرحمن کو بعد میں۔

رحمن اور رحیم دونوں رحمت سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اختلاف اس میں ہے کہ کس میں مبالغہ زیادہ ہے جمہور کا قول یہ ہے کہ رحمن میں بہ نسبت رحیم کے زیادہ مبالغہ ہے اس لیے کہ لفظ رحمن اللہ کے ساتھ مخصوص ہے اور رحیم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قرآن کریم میں رحیم کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ پس رحمن کے معنی ایسا انعام کرنے والا کہ کوئی اس جیسا انعام نہ کر سکے اور یہ معنی حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور رحیم مطلق منعم کو کہتے ہیں خواہ دوسرا اس جیسا انعام کر سکے یا نہ کر سکے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دونوں ہم معنی ہیں جیسے ندمان اور ندیم تاکید کے لیے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ان صفتوں کا اطلاق حق جل و علاء پر ایسا ہی حقیقی ہے جیسا علیم و قدیر اور سمیع و بصیر کا اطلاق اس پر حقیقی ہے۔ اور جس طرح اس کی حیات ہماری حیات کی طرح نہیں اور اس کا سننا اور دیکھنا اور کلام کرنا ہمارے سننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کے مشابہ نہیں اسی طرح اسکی رحمت بھی ہماری رحمت کے مماثل نہیں۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ
کوئی شے اُس کے مثل نہیں وہ
خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَ أَنْتُمْ
وہ اپنے سننے اور دیکھنے میں اور ادراک اور علم میں ہوا رح کا محتاج نہیں۔

الْفُقَرَاءُ
اللہ ہی ہر طرح سے بے نیاز ہے اور
تم ہی ہر طرح سے اس کے محتاج ہو۔

اسی طرح وہ اپنی صفت رحمت میں بھی نہ رقت قلب کا محتاج ہے۔ اور نہ افعال نفس کا جیسے اُس کی ذات بے چون و چگون ہے اسی طرح اس کی صفت علم و قدرت اور صفت رافت و رحمت وغیرہ بھی بے چون و چگون ہے۔

اُسکی بے چون و چگون رحمت حقیقیہ۔ علماء کی مجاز و تاویل اور استعارہ و تمثیل کی ذرہ برابر محتاج نہیں۔

اے برون از وہم و قال و قبل من خاک بر فرق من و تمثیل من
صفات باری تعالیٰ میں صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا یہی مسلک تھا اور وہ
حضرات اس لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے اسما و حسنٰ میں تاویل کو بدعت سمجھتے تھے۔
امام ابوالحسن اشعری نے اخیر عمر میں متکلمین کے طریق تاویل و تمثیل کو چھوڑ کر مذہب سلف

ہی کی طرف رجوع فرمایا جیسا کہ امام موصوف نے اپنی آخری تصنیف کتاب الابانہ میں اُسکی تصریح کی ہے قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ رحمت کے حقیقی معنی رقت قلب کے ہیں۔ باری تعالیٰ کی شان میں رحمت کا اطلاق مجاز ہے حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بحال جہاں رحمت حقیقی تھی وہاں تو مجاز بنادیا اور جہاں مجاز سرتاپا مجاز تھا وہاں حقیقت بنادی یعنی حقیقت کے اعتبار کو دیکھا جائے تو رحمت بارگاہ خداوندی میں حقیقت ہے اور بندہ میں سراسر مجاز مگر ارباب تاویل نے معاملہ برعکس کر دیا۔

اور ابتداء کے لیے ان تین ناموں کو یعنی اللہ اور رحمن اور رحیم کو اس لیے خاص فرمایا کہ انسان پرتین حالتیں گزرتی ہیں۔ اول اُسکا عدم سے نکل کر وجود میں آنا۔ دوم۔ اس کا باقی رہنا اور جس قدر خلاق علیم نے اُس کے لیے مدۃ بقا مقرر فرمائی ہے اس کو پورا کرنا جسکو عرف میں حیات دنیا اور زندگی کہتے ہیں۔ سوم اس نشاۃ دنیا کے ختم ہونے کے بعد حیات دنیویہ پر ثمرات کا مرتب ہونا۔ عمل نیک پر جزا اور عمل بد پر سزا پانا۔

پس ابتداء میں تین نام ذکر فرمائے تاکہ تینوں حالتوں کی جانب اشارہ ہو جائے لفظ اللہ پہلی حالت کی جانب اشارہ ہے اس لیے کہ تخلیق و تکوین بارگاہ الوہیت سے متعلق ہے اور لفظ رحمن سے دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ دنیا دار ابتلا اور دار امتحان ہے جو اس جگہ ٹھیک راستہ پر چلا اس کے لیے آخرت کی تمام منزلیں آسان ہیں۔ شیطان اور نفس امارہ ہر وقت اس کی تاک میں ہے اس لیے بندہ ایسی حالت میں بے پایاں اور بے انتہا رحمت کا محتاج ہے۔

اور لفظ رحیم کو تیسری حالت یعنی نشاۃ آخرت کے باد دلانے کے لیے ذکر فرمایا۔ دار دنیا چونکہ مومن و کافر سب کے لیے باعث رحمت ہے۔ مومن کے لیے تو ظاہر ہے کافر کے حق میں دنیا اس لیے رحمت ہے کہ وہ اپنے کفر سے توبہ کر سکتا ہے اور اگر سو و اختیار سے توبہ بھی نہ کرے تو فی الحال اسکا عذاب جہنم سے رہا رہنا ہی بہت بڑی رحمت ہے نیز بعثت انبیاء اور ارسال رسل اور انزال کتب ایک ایسی عظیم رحمت ہے کہ جو مومن اور کافر سب کے لیے ہے یہ امر آخر ہے کہ کوئی اس رحمت سے متمتع اور ملتفع ہوا اور کوئی نہ ہوا۔ الحاصل دار دنیا مومن اور کافر سب کے لیے باعث رحمت ہے اور دار آخرت صرف مومنوں کے لیے باعث رحمت ہے اور کافروں کے واسطے باعث عذاب و نفقت۔ کما قال تعالیٰ۔

جب صور پھونکا جائیگا تو وہ دن کافروں پر نہایت سخت اور دشوار ہوگا۔ کسی قسم

فَإِذَا نُفِخَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ
يَوْمَئِذٍ يَوْمُ عَسَیْرٍ عَلَى الْكَافِرِیْنَ

غَيْرُ كَيْسِيٍّ۔ کی اس میں آسانی نہ ہوگی۔

اس لیے نشاۃ دنیا کے یاد دلانے کے لیے لفظ رَحْمَن ذکر فرمایا کہ جس میں بہ نسبت رحیم کے زائد مبالغہ ہے اور نشاۃ آخرت کے یاد دلانے کے لیے رحیم کا لفظ استعمال فرمایا اس لیے کہ رَحْمَن مبالغہ کا صیغہ ہونے کی وجہ سے عموم رحمت پر دلالت کرتا ہے اور عموم رحمت کا محل صرف دار دنیا ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا اور دار آخرت صرف مومنوں کی رحمت کے لیے ہے۔

نیز رَحْمَن فعلان کا وزن ہونے کی وجہ سے کچھ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ کلام عرب میں وزن فعلان اکثر صفات عارضہ اور اوصاف متجددہ اور حادثہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے عطشان اور غضبان اور ریان اور لہمان وغیرہ لفظ رَحْمَن سے اس دار حدوث و تجدد اور دار فانی کی طرف اشارہ مناسب ہوا۔ اور لفظ رَحْمَن چونکہ عموم رحمت پر دلالت کرتا ہے اس لیے قرآن کریم میں استواء علی العرش کو صفت رَحْمَن کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ اَللّٰهُ حَمْدٌ عَلٰی الْعَرْشِ اَسْتَوٰی اس لیے کہ عرش تمام مخلوقات کو محیط ہے جیسا کہ اسکی رحمت تمام مخلوق کو محیط اور واسع ہے۔ کما قال تعالیٰ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ پس الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اَسْتَوٰی سے یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ وسیع مخلوق یعنی عرش پر سب سے زیادہ وسیع صفت رَحْمَن کے ساتھ استواء فرمایا ہے اور صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قضائے خلق کے بعد ایک کتاب میں یہ لکھ کر ان رحمتی تغلب غضبی۔ یقیناً میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اپنے قریب عرش پر رکھا۔ حضرت مولانا انور شاہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سبقت رحمتی غضبی مراحم خسروانہ کا قانون ہے جو عرش پر آویزاں ہے۔

رحیم صفت مشبہ کا صیغہ ہے یا اسکے ہم وزن ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے فعل کا وزن کلام عرب میں معانی ثابتہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ علیم و حکیم و جمیل، لہذا لفظ رحیم سے دارِ باقی اور عالم جاودانی کی طرف اشارہ مناسب ہوا۔ علامہ آلوسی کے کلام سے رَحْمَن اور رحیم میں یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ رَحْمَن سے عام رحمت مراد ہے خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ صورت اور معنی ظاہر اور باطن ہر طرح سے رحمت ہو یا فقط معنی اور باطن رحمت ہو۔ اگرچہ صورت اور ظاہر کے لحاظ سے وہ عذاب ہو۔ جیسے مریض کو تلخ دوا کا پلانا صورت ایلام اور تکلیف ہے مگر معنی سراسر رحمت ہے پس رَحْمَن سے ایسی ہی عام رحمت مراد ہے کہ جو ان تمام انواع و اقسام کو شامل ہو۔ یہ دار فانی اسی قسم کی رحمت کا محل ہے اسکی رحمت راحت و انعام کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی مصائب و آلام کی شکل میں۔ کما قال تعالیٰ عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوا

شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لِّكَ اور رحیم سے وہ رحمت مراد ہے جو بلا واسطہ ہو۔ اور ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے رحمت ہی رحمت ہو۔ دارِ آخرت میں اسی قسم کی رحمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ بھی ہوگی اور کسی قسم کا اس میں شائبہ رنج و الم کا بھی نہ ہوگا۔

خلاصہ

یہ کہ لفظ اللہ میں جس کے معنی یہ ہیں کہ جو ذات تمام صفات کمال کی جامع اور تمام نقائص و عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ تمام مباحث الہیات کی طرف اشارہ ہے۔ اور لفظ رحمن میں مباحث نبوت و شریعت کی طرف اشارہ ہے کہ جنکے بغیر خدا کی مرضی کے موافق ایک لمحہ گزارنا محال ہے۔

اور لفظ رحیم میں اجمالاً تمام امور آخرت کی طرف اشارہ ہے اور یہی وہ تین امر ہیں کہ جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا لباب اور عطر ہیں۔ اور تفتازانی اور جرجانی انہیں تین مقاصد اور مواقف کی شرح میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علامہ تفتازانی اور علامہ جرجانی اور تمام متکلمین کو تمام اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ کہ دین کے مقاصد اصلیہ کو خوب واضح فرمایا اور امت کے لیے صحیح موقف کو خوب واضح اور روشن کر دیا۔ آمین۔ یارب العالمین۔ سورہ فاتحہ میں بھی انہی تین باتوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ میں صفات الہیہ کو بیان فرمایا ہے اور مَا لِكِ يَوْمَ الدِّينِ۔ سے احوال آخرت کی طرف اشارہ فرمایا اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ الخ سے مباحث نبوت و رسالت۔ ایمان اور کفر۔ سعادت اور شقاوت۔ ہدایت اور ضلالت کے فرق کی جانب اشارہ فرمایا۔

اور تمام قرآن انہیں مضامین ثلاثہ کی تفصیل ہے جو سورہ فاتحہ میں اجمالاً ذکر فرمائے اسی وجہ سے اس سورت کا نام ام الكتاب ہے یعنی تمام کتاب الہی کا خلاصہ اور اجمال اور چونکہ کتاب الہی کی ہر سورت انہی مضامین ثلاثہ کی تفصیل ہے جو اجمالاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ میں درج ہیں۔ اس لیے ہر سورت کی ابتداء میں بسم اللہ کا لکھنا اور پڑھنا مسنون قرار دیا گیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

حقیقی ستائش اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے

۱۔ جو فعل علم اور اختیار اور قدرت اور ارادہ سے صادر ہو اس کی واقعی خوبی بیان کرنے کو حمد کہتے ہیں۔ مدح میں نہ فعل کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور نہ اس خوبی کا واقعی ہونا لازمی ہے اسی وجہ سے مدح کسی وقت ممنوع بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

احثوا التراب وجوه الملاحین مدح کرنے والوں کے منہ پر خاک

ڈال دو۔

مگر حمد سے کسی وقت منع نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اس میں واقعی خوبی کا اظہار ہوتا ہے بعض علماء نے تعریف حمد سے قید اختیار کو حذف کر دیا ہے اس لیے کہ اس قید کے ہوتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ کی صفات ذاتیہ کی شمار کو حمد کہنا دشوار ہوگا۔ اس لیے کہ صفات ذاتیہ جیسے علم و قدرت افعال خداوندی کی طرح اختیاری نہیں۔ اگرچہ یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ یہ صفات اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر ان کے ثمرات ضرور اختیاری ہیں یا ان کے موصوف کا فاعل مختار ہونا حمد کے لیے کافی ہے۔ حمد اور مدح میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ حمد انہی صفات کمال پر ہو سکتی ہے جن کا صفات کمال ہونا قطعی اور یقینی ہو۔ اور ان میں کسی قسم کے نقص اور عیب کا شائبہ بھی نہ ہو بخلاف مدح کے کہ اس میں نہ یہ ضروری ہے کہ وہ صفت قطعاً اور یقیناً صفت کمال ہو، ظناً بھی صفت کمال ہونا مدح کے لیے کافی ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ صفت کمال شائبہ نقص سے پاک ہو، بلکہ اگر اس میں کچھ نقص بھی ہو تب بھی مدح ہو سکتی ہے۔

نیز حمد میں یہ ضروری ہے کہ محاسن و کمالات کا ذکر محبت اور اجلال کے ساتھ ہو اور مدح میں یہ ضروری نہیں۔ مطلقاً محاسن اور کمالات کے بیان کرنے کو خواہ وہ محبت اور اجلال سے ہو یا نہ ہو مدح کہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک برابر والا دوسرے برابر والے کی مدح کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ لفظ حمد سے جو تعظیم و تفضیم مترشح ہوتی ہے وہ لفظ مدح سے نہیں ہوتی اس لیے کہ حمد کا اکثر اطلاق اس غنی حمید ہی پر ہوتا ہے۔ نیز حمد زندہ ہی کی ہوتی ہے اور مدح زندہ اور غیر زندہ دونوں کی ہوتی ہے اور حمد کے بعد سب سے پہلے اسم ذات کو ذکر فرمایا اور اس کے بعد پھر دیگر اسماء صفات و افعال کو ذکر کیا، تاکہ ذاتاً اور صفتاً اور فعلاً ہر طرح سے اس کا مستحق حمد و ثناء ہونا معلوم

لے قولہ حقیقی ستائش اشارۃ الی ان الاولی ان یکون لام التعریف فی الحمد للجنس والحقیقة کما اختارہ جار اللہ العلامة وھو بلغم من الاستغراق۔ کمالاً یخفی علی ارباب الذوق فافہم ذلک استتم قولہ مخصوص ہے۔ هذه ترجمة لام الاختصاص فی اللہ۔

ہو جائے۔

۲۔ ربوبیت بمعنی پرورش کرنا اور کسی شئی کو بتدریج حد کمال تک پہنچانا تربیت اگرچہ والدین سے بھی ظہور میں آتی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

قُلْ تَرَبَّیْتُ اَرْحَمَهُمَا كَمَا رَبَّیْنِیْ
صَغِيرًا۔

اور یہ دعا مانگ کہ اے اللہ میرے
مال باپ پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے
خورد سالی میں مجھ کو پالا۔

مگر والدین کی تربیت نور آفتاب کی طرح اصلی اور ذاتی خانہ زاد نہیں بلکہ نور زمین کی طرح مستعار اور عطار غیر ہے۔ جس طرح نور زمین آفتاب کا فیض اور عطیہ ہے اسی طرح والدین کی تربیت بھی عطیہ الہی ہے۔

نیز حقیقی تربیت جب ہو سکتی ہے کہ کسی شے کو نیست سے ہست کیا جائے۔ اور پھر اس کے تمام اسباب تربیت کو پیدا کیا جائے۔ اور پیدا کرنے کے بعد انتفاع کے تمام موانع دور کر دیئے جائیں۔ تب تربیت مکمل ہو سکتی ہے۔ والدین اولاد کی تربیت کرتے ہیں مگر نہ اولاد ان کی مخلوق ہے اور نہ وہ سامان تربیت کی خالق ہیں بلکہ سب کا سب خدا ہی کا پیدا کیا ہوا ہے نیز والدین کی تربیت چند اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے۔ تمام عالم کے لیے عام اور محیط نہیں اور حق تعالیٰ شانہ کی تربیت غیر محدود اور عام اور محیط ہے پس قابل ستائش وہی ربوبیت ہو سکتی ہے۔ جو اصلی اور ذاتی ہو۔ مستعار اور عطار غیر نہ ہو۔ ہر طرح سے کامل اور مکمل ہو کسی قسم کا اس میں نقص نہ ہو۔ تمام عالمین کے لیے عام اور محیط ہو اس لیے ارشاد ہوا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

یعنی حقیقی ستائش خدا تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے کہ جس کی ربوبیت اصلی اور ذاتی اور کامل ہونے کے علاوہ تمام جہانوں کے لیے عام اور محیط ہے اسی وجہ سے جب فرعون نے کہا۔

وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔

تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَیْنَهُمَا

یعنی رب وہ ہے کہ جس کی تربیت سبع سموات
اور سبع ارضین اور کل عالم کو محیط ہے۔

۱۔ اشارہ اس طرف ہے کہ الحمد کا لام تعریف۔ لام حقیقت اور لام جنس ہے یعنی حمد کی حقیقت اور جنس ہی اللہ کیلئے مخصوص ہے اور جن علمائے لام کو استغراق کیلئے لیا ہے انہوں نے اس طرح ترجمہ کیا کہ سب تعریف واسطے اللہ کے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد شاید فرعون کو یہ تردد ہوا ہو کہ تربیت کو صرف ذات خداوندی میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم والدین اور آفتاب اور مہتاب کی تربیتوں کا بھی روزانہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دوبارہ جواب کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

رَبُّكُمْ وَ رَبُّ آبَائِكُمْ
الْأَوَّلِينَ۔
وہ رب ہے تمہارا اور تمہارے اگلے
آباؤ و اجداد کا۔

یعنی تمہارے آباؤ اجداد کی تربیت اصلی اور ذاتی نہیں بلکہ عطیہ الہی ہے، تمہارا اور تمہارے تمام آباء اولین کا حقیقی رب اور پروردگار وہی ہے اور تیسری بار یہ فرمایا۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا
إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ط۔
وہ رب ہے مشرق اور مغرب کا اور
انکے درمیان کا اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔

یعنی آفتاب اور مہتاب کو اپنی کھیتوں کا مربی سمجھنا غلط ہے اس لیے کہ خود آفتاب و مہتاب اور ان کے نور کو اسی رب العالمین نے پیدا کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً
وَالْقَمَرَ نُورًا۔
اسی نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو
روشن بنایا۔

اگر وہ رب العالمین شمس و قمر کو روشنی نہ بخشتا یا کھیتیاں پکانے کی خاصیت ان میں نہ رکھتا تو کہاں سے کھیتیاں پکاتے۔

رب العالمین میں ربوبیت خداوندی کا تمام اجناس و انواع اور تمام افراد و اشخاص کو محیط ہونا بیان فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی آیت یعنی رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ میں اس کی ربوبیت کا تمام امکان مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا۔ اور دوسری آیت رَبُّكُمْ وَ رَبُّ آبَائِكُمْ الْأَوَّلِينَ میں اس کی ربوبیت کا ماضی اور حال اور مستقبل اور تمام اوقات اور ازمینہ مختلفہ کو محیط ہونا بیان فرمایا اور تیسری بار رب المشرق والمغرب فرما کر اس کی ربوبیت کا تمام اوضاع اور حالات تمام تغیرات اور کیفیات کو محیط ہونا بیان فرمایا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کسی شخص اور کسی مکان اور کسی حالت اور وضع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب کو عام اور محیط ہے اس لیے ہی لائق عبادت اور استحقاق حمد و ثناء ہے۔

حضرات صوفیہ کرام قدس اللہ اسرارہم فرماتے ہیں کہ ارجح کے کانوں میں سب سے پہلے وصف ربوبیت ہی کا نغمہ جانفزا پہنچا ہے اور اسی وصف سے اول خدا کو پہچانا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ
مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ
اس وقت کو یاد کرو کہ تیرے رب نے
بنی آدم کی پشت سے انکی ذریت کو نکالا

اَشْهَدُهُمْ عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوا
بلٰی ۔

اور خود انکو انکی جانوں پر گواہ بنایا گیا میں
تمہارا رب نہیں میرے کہا ہے شک
آپ ہمارے رب ہیں ۔

حق تعالیٰ شانہ نے سب سے پہلے اسی اسم رب کے ساتھ ارواح کو مخاطب کیا اور اسی نام سے اُن سے عہد اور میثاق لیا اور بظاہر یہی وجہ ہوگی کہ اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء و مرسلین اور عباد مخلصین کی جو دعائیں حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں ذکر فرمائی ہیں ۔ وہ اکثر و بیشتر کلمہ رَبَّنَا سے وارد ہوئی ہیں اور ایک مقام پر یعنی رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِیًا ۔ اَلْحِ ان آیات میں کلمہ رَبَّنَا سے دعا کرنے والوں کو اولوالالباب فرمایا ہے ۔ (۳) عالم اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے خالق کا علم حاصل ہوتا ہو ۔ عالم علامت سے مشتق ہے ۔ عالم کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ علامت ہے اسماء الہی اور صفات خداوندی کے لیے عالم میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اسی کے کسی اسم کا مظہر اور آئینہ ہے مومن و کافر اس کی شان اور انعام اور انتقام کے مظہر ہیں ۔ صاحب عزت اور صاحب ذلت اس کی شان تُعِزُّهُ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذِلُّهُ مَنْ تَشَاءُ کے آئینہ میں ہیں ۔ عالم غیب اور عالم شہادت اُسکے نام نامی ہوا الظاہر والباطن کے لیے آئینہ ہیں ۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بے حد مہربان ۔ نہایت رحم والا

عجب نہیں کہ بسم اللہ میں وہ شان رحمت مراد ہو کہ جو تکوین اور تربیت عالم کے لیے باعث ہوئی ۔ اور الحمد میں الرحمن سے وہ رحمت مراد ہو جو خاص حالت تربیت میں مبذول ہوتی ہے اگر یہ رحمت روک لی جائے تو تربیت اور پرورش ناممکن ہو جائے ۔

اور الرحیم سے وہ رحمت مراد ہو کہ جو تربیت اور پرورش کے بعد جزائر اور سنار کی شکل میں ظاہر ہوگی ۔ اس لیے کہ تربیت اور تکمیل کے بعد آثار اور ثمرات کا نہ مرتب ہونا اس تربیت کے ضائع کرنے کے مرادف ہے ۔

کھیتی پک جانے کے بعد اگر اس پر درانتی نہ چلائی ۔ گندم اور بھوسہ الگ الگ نہ کیا جائے تو کھیتی کو ضائع کرنا ہے ۔

اسی طرح اگر اس عالم کی تربیت ختم ہو جانے کے بعد مومن اور کافر ۔ سعید اور شقی کو جدا جدا نہ کیا جائے ۔ تو عالم کی تربیت کا ضائع اور بیکار ہونا لازم آئے گا ۔ اور آئندہ آیت یعنی مالک یوم الدین میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے ۔

امام رازی فرماتے ہیں ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ کا تکرار اسکی رحمت کے مکرر اور مضاعف ہونے کی طرف مشیر ہے لیکن مبادا رحمت کی یہ فراوانی کہیں بندوں کو مغرور نہ بنادے اس لیے

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔ کا اضافہ فرمایا تاکہ رغبت کے ساتھ رہبت کا ضروری ہونا معلوم ہو جائے جیسے۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ کے بعد شَدِيدِ الْعِقَابِ کی صفت کا ذکر فرمایا۔
۱۷ کلامہ

اور عجب نہیں کہ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ کا مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ سے پہلے ذکر کرنا سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي کی جانب مشیر ہو۔

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ

روز جزاء کا مالک

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت اور جزاء کے دن کا مالک ہے جس میں فرمانبرداروں اور نافرمانوں کی جزاء کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس لیے کہ نیکی اور بدی اور فرمانبردار اور نافرمان اور موافق اور مخالف میں فرق کرنا عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ اَمْ يَجْعَلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْاَرْضِ اَمْ يَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ وَقَالَ تَعَالَى لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اَسَاؤُا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ اَحْسَنُوا بِالْحُسْنٰی وَقَالَ تَعَالٰی۔ اِنَّ السَّاعَةَ اَتَتْهُ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِيَجْزِيَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰی۔ نیز دنیا میں کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم اور مظلوم کا ظالم سے انتقام عین عدل اور عین حکمت ہے اور دنیا میں یہ انتقام نہیں لیا گیا تو آخرت میں لامحالہ لیا جائے گا۔

اس آیت میں دو قرار تیس ہیں اور دونوں صحیح اور متواتر ہیں ایک مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ یعنی روز جزاء کا بادشاہ اور دوسری قرارت مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ یعنی روز جزاء کا مالک۔ اور اسکی مالکیت اور ملکیت یعنی بادشاہت کے لیے روز جزاء کو اس لیے خاص کیا گیا کہ اسکے جلال و جمال کا بلا واسطہ ظہور علی وجہ التماہ و الکمال۔ عالم کے ہر ہر فرد کے لیے ایک ہی آن میں صرف اسی روز ہو گا۔ دنیا میں بھی وہی حقیقی مالک اور حقیقی بادشاہ ہے مگر دنیا میں اس کی مشیت اور حکمت سے کچھ مجازی بادشاہت اور مجازی مالکیت نظر آتی ہے۔ قیامت کے دن سارے مجاز ختم ہو جائیں گے اور صرف حقیقت ہی حقیقت رہ جائے گی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں قرار توں میں سے کون سی قرارت افضل ہے بعض علماء مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی قرارت کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اور وجہ ترجیح یہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ کہ ملکیت یعنی بادشاہت میں جو عظمت ہے وہ وصف ملکیت میں نہیں۔ مالک تو ہر ایک ہوتا ہے مگر بادشاہ ہر ایک نہیں ہوتا۔

۲۔ مالک کا حکم فقط اپنے مملوک پر چلتا ہے اور بادشاہ کا حکم تمام ملک اور تمام رعایا پر جاری اور نافذ ہوتا ہے۔

- ۳۔ بادشاہ کی اطاعت سب پر واجب ہے اور مالک کی اطاعت فقط اسکے مملوک پر واجب ہے۔
- ۴۔ نیز لفظ رَبِّ الْعَالَمِينَ بھی مالکیت پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر ملک کے بجائے مالک پٹھا جائے تو تکرار لازم آتا ہے۔
- ۵۔ قرآن کریم کی آخری سورت میں هَلِكِ النَّاسُ آیا ہے لہذا قرآن کی پہلی سورت میں بھی هَلِكِ يَوْمَ الدِّينِ۔ پڑھنا چاہیے تاکہ اول قرآن اور آخر قرآن ایک دوسرے کے مناسب اور ہم رنگ ہو جائے۔
- ۱۔ اور جو حضرات علماء هَلِكِ کی قرارت کو ترجیح دیتے ہیں وہ یہ وجوہ بیان کرتے ہیں۔
کہ ملکیت یعنی بادشاہت انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور مالکیت انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔
- ۲۔ مالک اپنی مملوک کو فروخت کر سکتا ہے۔ بادشاہ رعایا کو فروخت نہیں کر سکتا۔
- ۳۔ رعیت بادشاہ کے ملک اور سلطنت سے بھاگ کر نکل سکتی ہے اور مملوک بھاگ کر مالک کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔
- ۴۔ غلام پر مولیٰ کی خدمت واجب ہے۔ رعایا پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں۔
- ۵۔ غلام بغیر آقا کی اجازت اور اذن کے کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور رعیت بغیر بادشاہ کی اجازت کے کام کر سکتی ہے۔ اور مملوک چونکہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کو سوا مولیٰ کے کسی چیز سے تعلق بھی نہیں ہوتا۔ غلام کے پیش نظر ہر وقت آقا کی خوشنودی رہتی ہے رعایا چونکہ اپنی چیزوں کی مالک بھی ہوتی ہے اس لیے ان کو بادشاہ سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔
- ۶۔ غلام کو آقا سے توقع رحم و کرم کی ہوتی ہے اور رعیت کو بادشاہ سے عدل و انصاف کی امید ہوتی ہے۔ اور بندہ رحم و کرم کا زیادہ محتاج ہے۔
- ۷۔ بادشاہت میں ہمیت زیادہ ہے اور مالکیت میں شفقت اور عنایت زیادہ ہے۔
- ۸۔ بادشاہ کے سامنے جب لشکر پیش ہوتا ہے تو ضعیفوں اور کمزوروں اور بیماروں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اور مالک ضعیف اور کمزور غلاموں پر اور مزید توجہ کرتا ہے اور ان کی اعانت اور خبر گیری میں مشغول ہوتا ہے۔
- ۹۔ مالک کو مملوک سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کو رعایا سے اتنی محبت اور تعلق نہیں جتنا کہ آقا کو غلام سے ہوتا ہے اور عاشقوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مژدہ جاننا نہیں کہ محبوب کو ہم سے محبت اور تعلق ہے۔

۱۰۔ ھَلَاکَ میں ھَلَاکَ سے ایک حرف زیادہ ہے۔ لہذا ھَلَاکَ کی قرأت میں ثواب بھی زیادہ ہو گا۔ اس لیے کہ ایک حرف کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دس نیکیاں اور زیادہ ہوں گی۔ فِتْلَکَ عَشْرَۃٌ کَامِلَۃٌ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

(خاص تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے ہر کام میں مدد چاہتے ہیں)

اس لیے کہ بغیر تیری اعانت اور مدد کے کچھ نہیں ہو سکتا)

یعنی اجسام علویہ اور سفلیہ اور کواکب اور نجوم اور نور اور ظلمت کسی کو تیرا شریک نہیں ٹھہرتے ہیں ہر خیر و شر اور سعادت و نحس کا تجھے ہی مالک سمجھتے ہیں پہلی آیت میں حق تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت کو بیان کیا اور معرفت ربوبیت کے بعد معرفت عبودیت کا درجہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد عبادت کا ذکر کیا گیا۔

۱۔ کسی کی نہایت درجہ تعظیم کے لیے دل و جان سے غایت درجہ کا تذلل اختیار کرنا اسکا نام عبادت ہے لہذا جو تذلل اختیاری نہ ہو بلکہ اضطراری یعنی بلا اختیار کے ہو وہ عبادت نہیں کہلائے گا اور اسی طرح جو تذلل کسی کے جبر اور قہر اور زور سے ہو وہ بھی عبادت نہ کہلائے گا اور جس تذلل سے تعظیم مقصود نہ ہو وہ استہزار اور تمسخر کہلائیگا اور لائق عبادت اور مستحق بندگی وہی ذات ہوگی، جو غایت درجہ کی عظمت اور جلال اور نہایت درجہ خوبی اور کمال اور انتہائی انعام و اکرام اور انتہائی بخود و نوال کے ساتھ متصف ہو کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی درجہ اور مرتبہ عقل اور خیال میں نہ آ سکے۔ اور جو انتہائی عظمت و جلال کے ساتھ موصوف نہ ہو اس کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنا سرسری بے موقع اور بے محل ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے شرک کو ظلم عظیم کہا ہے۔ اور کسی چیز کو بے محل رکھنے ہی کا نام ظلم ہے۔ خداوند ذوالجلال کو اگرچہ کسی کی عبادت اور بندگی کی ذرہ برابر حاجت نہیں۔ مگر مقتضائے حکمت یہ ہے کہ صاحب نقصان صاحب کمال کے سامنے تذلل اور پستی اختیار کرے ورنہ کمال اور نقصان کی مساوات لازم آئے گی جو سرسری خلاف حکمت ہے ابتدائے آفرینش عالم سے اس وقت تک دنیا کے تمام عقلاء اور عالم کے تمام حکماء اس پر متفق رہے ہیں کہ ہر صاحب کمال کی تعظیم اور اسکا احترام عقلاً واجب اور فرض ہے یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ناقص کامل کی تعظیم کو اس لیے ضروری نہ سمجھے کہ اس ناقص کو اپنے زعم میں اس کامل کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ احتمال خداوند ذوالجلال میں جاری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ مخلوق کا خالق سے مستغنی ہونا ناممکن اور محال ہے۔ ممکن کا وجود ہی واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

اسی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو شخص وجود باری یا توحید باری کا منکر ہو وہ ناجی نہیں

بلکہ ناری ہے۔ اگرچہ اُسکو کسی نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ اس لیے کہ وجود باری اور توحید باری کا مسئلہ فطری اور عقلی اور بدیہی ہے اور عقلائے عالم کا اجماعی ہے۔ بعثت انبیاء پر موقوف نہیں، حجت پوری ہو چکی ہے لہذا اب کوئی عذر مسموع نہیں۔

اور اسی وجہ سے کہ عبادت اختیاری تذلّل کا نام ہے حضرات فقہاء نے عبادت کے لیے نیت کا ہونا بالاجماع شرط قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ کمال محبت کے ساتھ کمال اعانت کا نام عبادت ہے۔ کمال عظمت کے ساتھ کمال محبت بھی عبادت کے مفہوم میں داخل ہے جس درجہ کی محبت اور عظمت ہوگی اسی درجہ کی عبادت ہوگی عظمت کے ساتھ جب تک محبت نہ ہو عبادت نہیں کہلائے گی اور ایاک جو نَعْبُدُ کا مفعول ہے اسکی تقدیم حصر کے لیے ہے یعنی خاص تیری بندگی کرتے ہیں کسی اور کی نہیں نیز تقدیم مفعول میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عابد کی نظر اپنی عبادت پر نہ ہونی چاہیے بلکہ معبود پر ہونی چاہیے۔ نیز عبادت سے فقط معبود کی رضا اور خوشنودی مقصود و مطلوب ہونی چاہیے۔

خلاف طریقت بود کا ولیا ۛ تمنا کنند از خدا جز خدا

گر از دوست چہشت بر احسان دوست ۛ تو در بند خویشی نہ در بند دوست

اور نَعْبُدُ صیغہ جمع ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ ہم سب تیری بندگی کرتے ہیں بجائے اَعْبُدُ کے صیغہ جمع لانے میں التزام جماعت کی طرف اشارہ ہے نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بندگی کرنے والا اپنی عبادت پر ناز نہ کرے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ عبادت کرنے والا صرف وہی ایک نہیں بلکہ بے شمار بندگی کرنے والوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ابتداء سورت میں طرز کلام غائبانہ تھا۔ اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں بجائے غائبانہ کے حاضرانہ طرز کلام اختیار کیا گیا اور اس طرح غیبت سے خطاب کی طرف انتقال کیا گیا وجہ اس کی یہ ہے ۱۔ کہ شروع سورت میں حمد اور ثناء کا ذکر تھا اور تعریف اور ثناء غائبانہ زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ غائبانہ حمد زیادہ اخلاص کی علامت ہے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت اور خدمت حضوری میں ہوتی ہے۔

۲۔ نیز نمازی نے جب نماز شروع کی تو شروع نماز میں بمنزلہ اجنبی کے آکر کھڑا ہو گیا اور خداوند ذوالجلال کی غائبانہ حمد و ثناء شروع کی یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہا یعنی اسم ظاہر کے ساتھ اس کی حمد و ثناء کی اور اسم ظاہر حکم میں غائب کے ہے اور جب حمد و ثناء حد کمال کو پہنچی تو جو حجابات درمیان میں تھے وہ اٹھ گئے اور بعد قرب سے اور اجنبیت یگانہ سے بدل گئی اور یہ شخص اس قابل ہو گیا کہ خداوند ذوالجلال کے حضور بصیغہ خطاب عرض معروض کر سکے۔

۳۔ نیز اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد ہدایت کے سوال کا ذکر ہے اور سوال اور درخواست حضوری ہی میں زیادہ بہتر اور مناسب ہوتی ہے اس لیے کہ جب سخی کے سامنے سوال کیا جائے تو سخی

اور کریم اُس کے رد کرنے سے شرماتا ہے۔
 اور اِيَّاكَ لَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ کو اس لیے ذکر فرمایا کہ اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت پر قوت اور قدرت بدون اس کی اعانت اور توفیق کے حاصل نہیں ہو سکتی اور توفیق کا طلب کرنا یہی استعانت ہے مطلب یہ ہے کہ عبادت کے لیے بندہ کی حول اور قوت کافی نہیں جب تک خدا کی اعانت حاصل نہ ہو۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ غرض یہ کہ اِيَّاكَ لَعْبُدُ کے بعد اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ کا ذکر کرنا عجیب (گھمنڈ) کو زائل کرتا اور نخوت اور کبر کو فنا کرتا ہے۔ اِيَّاكَ لَعْبُدُ میں فرقہ جبریہ کے رد کی طرف اشارہ ہے۔ جبریہ بندہ کو جماد کی طرح مجبور محض بتاتے ہیں۔ اِيَّاكَ لَعْبُدُ سے اس فرقہ کا رد ہو جاتا ہے کیونکہ عبادت کے معنی اختیار و تدبیر کے ہیں۔ فی الجملہ بندہ کے لیے اختیار ثابت ہوا اور جبر محض کی نفی ہوئی اور اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ میں فرقہ معتزلہ کے رد کی طرف اشارہ ہے۔ ارباب اعتزال بندہ کو اپنے افعال کا خالق اور فاعل مستقل قرار دیتے ہیں۔ اِيَّاكَ لَسْتَعِيْنُ سے اس فرقہ کا رد ہو جاتا ہے اس لیے کہ مطلب یہ ہے کہ بندہ اگرچہ عبادت اور بندگی اپنے اختیار سے کرتا ہے لیکن جماد کی طرح مجبور محض اور اختیار سے عاری اور کورا نہیں مگر ایسا فاعل مستقل بھی نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کی اعانت سے مستغنی اور بے نیاز ہو جائے بندہ فاعل مختار ضرور ہے مگر اپنے اس خداداد اختیار میں مختار نہیں ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسکی اعانت اور امداد کا محتاج ہے۔ فافہم ذلک فانہ دقیق و لطیف و سیاقی تفصیل ذلک النشار اللہ تعالیٰ۔

(سوال) درباره استعانت بغير الله

اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے مدد نہ مانگی جائے حالانکہ قرآن و حدیث میں جا بجا اس کا ذکر ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرو۔ بیمار ہو تو علاج کرو۔ آخر یہ طبیب اور دوا سے استعانت اور استمداد نہیں تو اور کیا ہے لہذا یہ بتلایا جائے کہ وہ کون سی استعانت ہے جو غیر اللہ سے جائز ہے اور کون سی کفر اور شرک ہے۔

جواب

جاننا چاہیے کہ غیر اللہ سے مطلقاً استعانت حرام نہیں استعانت بغير الله بعض صورتوں میں کفر اور شرک ہے اور بعض صورتوں میں جائز ہے۔ ضابطہ اس کا یہ ہے کہ اگر سوائے خدا تعالیٰ

کے کسی کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھ کر یا بعد عطار الہی اور تفویض خداوندی اس کو قادر مختار جان کر اس سے مدد مانگے تو بلاشبہ کفر اور شرک ہے یا اس شئی کو تاثیر اور فاعلیت میں مستقل بالذات یا مستقل بالعرض تو نہیں سمجھتا لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا سا نہیں کرتا لیکن دوسروں کو اسکے استقلال کا تو ہم ہوتا ہے تو یہ استعانت بالغیر ناجائز اور حرام ہوگی۔ اور بعض صورتوں میں کفر اور شرک کا اندیشہ ہے۔ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا۔

پہلی صورت جبکہ غیر اللہ کو فاعل مستقل اور قادر بالذات سمجھے اسکے شرک ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر کو قادر بالذات تو نہیں سمجھتا لیکن قادر بعطائے الہی سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قدرت اور اختیار عطا کیا ہے کہ جو امور طاقت بشری سے باہر ہیں۔ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جسکو چاہے دے اور جسکو چاہے نہ دے جیسے بادشاہ اپنے وزراء اور حکام کو کچھ اختیارات عطا کر دیتا ہے اور وہ بعد عطاء اختیارات مستقل سمجھے جاتے ہیں۔ اور پھر بادشاہ کے علم اور ارادہ کو دخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح معاذ اللہ۔ خدا تعالیٰ نے بھی کچھ اختیارات انبیاء اور اولیاء کو عطا کیے ہیں اور وہ بعد عطار الہی مستقل اور مختار ہیں۔ مشرکین عرب۔ ملائکہ اور اصنام کے متعلق بعینہ یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مَا نُعْبُدُ هُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ ذٰلِیْ الْمَشْرِکِیْنَ انکو مستقل بالذات نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ انکو فاعل مستقل بعطائے الہی سمجھتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا ہی کا دیا ہے قرآن کریم میں جا جا اسی عقیدہ کو باطل کیا گیا کہ قَالَ تَعٰلٰی۔ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ وَ قَالَ تَعٰلٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ۔ یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ خدائی اور خدائی اختیارات کا کسی طرف منتقل ہونا یا عطا کیا جانا نہ اختیاراً ممکن ہے اور نہ اضطراراً۔ کفار بغیر عطار الہی کسی چیز پر انکو قادر نہیں سمجھتے تھے۔ وَ قَالَ تَعٰلٰی قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَ لَا رَشَدًا وَ قَالَ تَعٰلٰی قُلْ لّٰی اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ان آیات میں بالذات نفع اور ضرر کے مالکیت اور اختیار کی نفی نہیں اس لیے کہ نہ کوئی نفع اور ضرر کے بالذات مالک اور مختار ہونے کا مدعی تھا اور نہ کوئی عاقل اسکو تسلیم کر سکتا ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نفع اور ضرر کا بالذات مالک ہو۔ مشرکین بھی اسکے قائل تھے۔ اصل مالک اور خالق وہی اللہ ہے۔

تیسری صورت کہ جب اس غیر کو نہ مستقل بالذات سمجھے نہ مستقل بالعرض لیکن معاملہ اس کے ساتھ مستقل بالذات کا سا کرے مثلاً اسکو یا اسکی قبر کو سجدہ کرے یا اسکے نام کی نذر مانے تو یہ بھی حرام اور شرک ہے لیکن یہ شرک اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہے۔ اسکا مرتکب حرام کام مرتکب سمجھا جائیگا۔ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ چوتھی صورت کہ جب استعانت بالغیر میں اس غیر کے استقلال کا ایہام

ہوتا ہو جیسے روحانیات سے مدد مانگنا۔ اگرچہ یہ شخص مستقل نہ سمجھتا ہو لیکن مشرکین چونکہ ارواح کو فاعل مستقل سمجھ کر مدد مانگتے ہیں اس لیے ارواح سے مدد مانگنا قطعاً حرام ہوگا۔ حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں تردد اس میں ہے کہ اس شخص کو دائرۃ اسلام سے خارج کیا جائے یا نہیں یہ فعل چونکہ مشرک کا منظر اتم ہے اس لیے دائرۃ اسلام سے خارج ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے خلاصہ کلام یہ کہ اول کی دو صورتیں قطعاً کفر اور مشرک ہیں اور ان کا مرتکب دائرۃ اسلام سے خارج ہے اور اخیر کی دو صورتیں قطعاً حرام ہیں تردد اس میں ہے کہ ایسے شخص کو کافر اور دائرۃ اسلام سے خارج مانا جائے یا نہیں لیکن اگر ایسی شے سے مدد مانگے کہ جس سے مدد مانگنا کفار اور مشرکین کے شعائر سے ہو تو ایسی صورت میں اگر کوئی فقیر اور مفتی زنتار باندھنے والے کی طرح اس پر بھی ظاہر کے اعتبار سے کفر اور مشرک کا فتویٰ دے اور کافر ہونے کا حکم لگائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چونکہ وہ شے شعائر کفر اور مشرک سے ہے اس لیے اس کی نیت کا اعتبار نہ کیا جائیگا البتہ امور عادیہ جو طاقت بشریہ کے تحت داخل ہوں اور کارخانہ عالم اسباب ان کے ساتھ مربوط اور متعلق ہو اور کسی شخص کو ان کے فاعل مستقل ہونے کا توہم بھی نہ ہوتا ہو۔ جیسے روٹی کی امداد سے بھوک دفع کرنا اور پانی کی امداد سے پیاس دفع کرنا تو یہ استعانت بالغیر جائز ہے بشرطیکہ اعتماد محض اللہ پر ہو اور غیر کو محض ایک ذریعہ اور وسیلہ اور عون الہی کا ایک منظر سمجھے جیسے نل محض پانی کے آنیکا راستہ ہے اسی طرح اسباب فیض خداوندی کے راستے ہیں اصل دینے والا وہی ہے اور مشرک یہ سمجھتا ہے کہ یہ نل ہی مجھ کو پانی دے رہا ہے۔ اس لیے نل ہی سے پانی مانگتا ہے اور نل ہی کی خوشامد کرتا ہے مثلاً جو شخص دوا کو محض ایک وسیلہ سمجھے اور طبیب کو محض معالج جانے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر دوا کو مستقل مؤثر سمجھے اور طبیب کو صحت بخشنے والا جانے تو یہ مشرک ہوگا جاننا چاہیئے کہ اسباب شرعیہ کا بھی وہی حکم ہے کہ جو اسباب عادیہ کا حکم ہے صرف فرق اتنا ہے کہ اسباب عادیہ کا اسباب ہونا عادیہ سے معلوم ہوا اور اسباب شرعیہ کا سبب ہونا شریعت سے معلوم ہوا۔ پس جس طرح اسباب عادیہ سے استعانت اور استمداد جائز ہے اسی طرح اسباب شرعیہ مثل دعا اور رقیہ صبر اور نماز وغیرہ سے بھی استعانت جائز ہے اس لیے کہ ان امور کا اسباب ہونا شریعت سے معلوم ہوا۔ اور امور غیر عادیہ میں اگرچہ غیر کو منظر عون الہی سمجھے اور اصل اعتماد بھی اللہ ہی پر ہو مگر چونکہ امور غیر عادیہ کا سبب نہ عادیہ ثابت ہے نہ من جانب اللہ اور بالفرض اگر ثابت بھی ہو تو قطعی اور دائمی نہیں اس لیے امور غیر عادیہ میں استعانت بغیر اللہ کفر اور مشرک تو نہ ہوگی۔ مگر بدعت ضلالت ضرور ہوگی حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ فرماتے ہیں

دریغاً باید فهمید کہ استعانت از غیر بود چہ اس جگہ جاننا چاہیئے کہ غیر اللہ سے استعانت کہ اعتماد بر آن غیر باشد و اورا منظر عون الہی نہ اند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے

اس جگہ جاننا چاہیئے کہ غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام ہے کہ جب اعتماد اور بھروسہ اس غیر پر ہو اور اس غیر کو امداد الہی کا منظر نہ سمجھے۔ اور اگر التفات اور

از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ
اسباب و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ
بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان
نخواہد بود و در شرع نیز جائز و رواست
و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت
بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع
استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت
بحضرت حق است لا غیر۔

(فتح العزیز صفحہ ۸)

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

استعانت یا بچیز سے است کہ تو ہم
استقلال آپخیز دروہم و فہم ہیچ کس از
مشرکین و موحدین نمے گزرد۔ مثل استعانت
بمحبوب و غلات در دفع گرسنگی و استعانت
بآب در دفع تشنگی و استعانت برائے
راحت بسایہ درخت و مانند آں و در
دفع مرض بآدویہ و عقاقیر و در تعیین وجہ
معاش بامیر و بادشاہ کہ در حقیقت معاوضہ
خدمت بمال است و موجب تذلل
نیست یا بآطباء و معالجان کہ بسبب
تجربہ و اطلاع زائد از انہا طلب مشورہ
است و استقلالے متوہم نمی شود پس
ایں قسم استعانت بلا کراہت جائز است
زیرا کہ در حقیقت استعانت نیست
و اگر استعانت است استعانت ب خدا
است و یا بچیز نیست کہ تو ہم استقلال در
مدارک مشرکین جا گزرتہ مثل استعانت

نظر صرف خدا پر ہو۔ اور اس غیر کو اعانت
الہیہ کا محض مظہر جان کہ کارخانہ اسباب
پر نظر کرتے ہوئے اس غیر سے ظاہری طور
پر مدد چاہے تو خلاف عرفان نہیں اور
شریعت میں بھی جائز ہے اور حضرات انبیاء
اور اولیاء نے بھی غیر اللہ سے اس قسم کی
استعانت کی ہے اور چونکہ نظر صرف حق
تعالیٰ پر ہے اس لیے یہ استعانت بالغیر
نہیں بلکہ در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے

استعانت ہے۔
استعانت اور استمداد یا تو ایسی چیز سے
ہے کہ موحدین اور مشرکین کو بھی اس کے
مستقل ہونے کا شبہ نہیں ہوتا جیسے بھوک
دفع کرنے کے لیے غلہ اور اناج سے مدد
حاصل کرنا اور پیاس دفع کرنے کے لیے
پانی اور شربتوں سے مدد حاصل کرنا اور راحت
آرام حاصل کرنے کیلئے درخت کے سایہ سے مدد
حاصل کرنا اور بیماری دفع کرنے کیلئے دواؤں اور بوٹیوں سے مدد حاصل کرنا
معاشی امور میں امیر اور بادشاہ سے
مدد چاہنا کہ جو در حقیقت معاوضہ خدمت
ہے موجب تذلل نہیں۔ یا اطباء اور معالجین
سے اُن کے تجربہ اور زیادتی و اقصیت کی
بنیاد پر مشورہ لینا ان صورتوں میں استقلال
کا وہم بھی نہیں ہوتا پس اس قسم کی استعانت
بلا کراہت جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ استعانت
حقیقتہً نہیں محض ظاہری استعانت ہے
حقیقتہً استعانت خدا تعالیٰ سے ہے۔
یا ایسی چیز کے ساتھ استعانت ہے کہ جس
کا مستقل بالتاثر ہونا مشرکین کے ذہنوں

بارواح و روحانیات فلکیہ یا عنصریہ
یا ارواح سائرہ مثل بہوانی و شیخ
سدر و زین خاں و اس نوع استعانت
عین شرک است و منافی ملت حنفی
(فتح العزیز ص ۳۷)

میں جگہ لیے ہوئے ہے جیسے ارواح
سے یا روحانیات فلکیہ اور عنصریہ سے
استعانت کرنا یا ارواح سائرہ یعنی چلنے
پھرنے والی ارواح سے مدد طلب کرنا
جیسے بہوانی اور شیخ سدر و زین خاں
اس قسم کی استعانت عین شرک ہے اور
ملت حنفیہ اسلامیہ کے بالکل منافی اور
مباہین ہے۔

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔

ہم کو راہِ راست دکھا اور اس پر چلا اور منزل مقصود تک پہنچا

۱۔ ہدایت کے معنی لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں اسی وجہ سے یہ لفظ حقیقتہً ہمیشہ
خیر ہی کے موقع پر مستعمل ہوتا ہے اور فَاَهْدُوهُمْ اِلَى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ۔ میں بطور تہکم
اور بطریق استہزاء آیا ہے۔

۲۔ ہدایت کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے اگر ہدایت سے کسی شئی کی نشان دہی اور رہنمائی مراد
ہو تو لفظ الی کے ساتھ متعدی ہو گا۔ اور اگر ہدایت سے منزل مقصود تک پہنچنا مراد ہو تو لام کے
ذریعے سے متعدی ہو گا۔ اور اگر راستہ کا قطع کرنا اور منزل مقصود تک پہنچنا مراد ہو تو بلا واسطہ
متعدی ہو گا جیسا کہ اس آیت میں بلا واسطہ متعدی ہے۔ اس لیے ہم نے اس کے ترجمہ میں دکھانا اور
چلانا اور پہنچانا تینوں چیزوں کا ذکر کیا۔

۳۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ صراط اصل میں اس راستہ کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں۔

۱۔ مستقیم یعنی سیدھا ہو۔ (۲) اور موصل الی المقصود ہو یعنی مقصد تک پہنچانے والا ہو (۳) اور سب
سے زیادہ قریب اور نزدیک ہو۔ (۴) اور وسیع اور کشادہ ہو۔ (۵) اور مقصد تک پہنچنے کے
لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو۔ جس راستہ میں یہ پانچوں باتیں پائی جائیں اسکو صراط کہتے ہیں
جب تک یہ پانچ باتیں نہ پائی جائیں اس وقت تک صراط کا اطلاق نہیں کیا جائیگا۔

اس جگہ صراط کی صفت مستقیم ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے
سب سے قریبی راستہ یہی ہے اس لیے کہ اقلیدس کا قاعدہ ہے کہ جب دو نقطوں میں مختلف اور
متعدد خطوط ملائے جائیں تو تمام خطوط میں سب سے قریب اور سب سے چھوٹا خط ہی خط مستقیم ہو گا
اور سیدھا ہی راستہ منزل مقصود تک پہنچاتا ہے نیز خط مستقیم متغیر نہیں ہوتا اور غیر مستقیم متغیر ہو جاتا ہے
اور اسی ایک راستہ کا تمام عالم کے مرور اور عبور کے لیے کافی ہونا اس کے وسیع ہونے کی دلیل ہے اور خدا

تک پہنچنے کے لیے یہی ایک راستہ ہے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہا قال تعالیٰ
 وَ أَتَ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمًا
 فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
 فَتَفْتَرَوْا بِكُم مِّن سَبِيلٍ
 اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی
 راستہ پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو
 مبادا تم کو خدا کے سیدھے راستہ سے نہ ہٹا دیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اے پروردگار میں عاجز اور ناتواں ہوں مجھ کو قریب اور سیدھے راستہ سے اپنے تک پہنچا دے ٹیڑھے راستہ پر چلنے سے خطرہ ہے کہ
 منزل مقصود تک نہ پہنچوں اور دور کے راستہ میں مشقت ہے۔

۴۔ عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ صراطِ مُسْتَقِيمٌ۔ سے دین
 اسلام مراد ہے اور بعض احادیث صحیحہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ
 فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے اسلام مراد ہے جو ما بین السماء والارض سے بدرجہا زائد وسیع
 ہے محمد بن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے اللہ کا دین مراد ہے جس کے سوا اور کوئی دین مقبول نہیں (ابن کثیر)
 ۵۔ اس آیت میں صراط کو اہل انعام کی طرف مضاف فرمایا اس لیے کہ سیدھے راستہ پر چلنے والے
 یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا اور متعدد آیات میں صراط کو اللہ کی طرف مضاف
 فرمایا کما قال تعالیٰ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ صِرَاطِ اللّٰهِ۔ وَ اِنَّ
 هَذَا صِرَاطٌ۔ اس لیے کہ وہ صراطِ مستقیم اللہ ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ سنا ہے کہ قادیان کے دہقان
 یوں کہتے ہیں کہ نبیؐ کے راستہ پر چلنے سے آدمی نبی بن جاتا ہے۔ اللہ اکبر اگر یہی قاعدہ ہے تو پھر خدا
 کے راستہ پر چلنے سے خدا بن جانا چاہیے اور تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۹ میں ابن عباسؓ سے منقول
 ہے کہ اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلَاطِنَةٍ اَوْ اَنْبِيَاۡرٍ اَوْ صِدِّقِيْنَ اَوْ شُهَدَاۡءٍ اَوْ صَالِحِيْنَ
 سب مراد ہیں لہذا قادیانیوں کے نزدیک فرشتوں کے راستہ پر چلنے سے فرشتہ بن جانا چاہیے۔
 ۶۔ استقامت کے معنی توسط اور اعتدال کے ہیں جو ٹھیک افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے
 حق تعالیٰ کی محبت اور اطاعت پر قدم کا ٹھیک جم جانا کہ اب ڈگمگانے کا احتمال نہ رہے اس کا
 نام استقامت ہے اور استقامت کا مقام نہایت بلند ہے اسی وجہ سے حضرات عارفین استقامت
 کو کرامت سے فوق اور برتر سمجھتے ہیں۔

۷۔ ہدایت اور استقامت کے مراتب نہایت مختلف اور متفاوت ہیں۔ ہدایت اور استقامت کا کوئی
 مرتبہ ایسا نہیں کہ اس کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور افضل مرتبہ نہ ہو۔ اور صراطِ مستقیم اگرچہ ایک
 ہے لیکن وسیع ہونے کی وجہ سے اور سالک کے سرِ لیج اور بطی ہونے کی وجہ سے اس میں بھی قرب
 اور بعد کا تفاوت ہو سکتا ہے اس لیے طلبِ ہدایت کا ہر شخص مامور ہے۔ طالب کو اگر ہدایت و استقامت
 کے بعض مراتب حاصل بھی ہوں تب بھی وہ ہدایت کے اعلیٰ مراتب سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔
 ۸۔ اے برادر بے نہایت درگہ نیست ہرچہ بروے میرسی بروے بالیست

علاوہ ازیں ہدایت پر قائم اور ثابت رہنے کے لیے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسکی اعانت اور توفیق کی حاجت ہے جیسا کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**۔ اے ایمان والو ایمان لاؤ۔ اس آیت میں ایمان داروں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے اسلام پر ثابت اور مستقیم رہنا مراد ہے۔ اسی طرح **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**۔ میں مزید ہدایت کی طلب اور ثابت قدمی اور استقامت کی دعا تعلیم کرنا مقصود ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لَا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔
یعنی ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنا ایسا خاص انعام فرمایا کہ اسی خاص انعام اور خاص فضل کی بنا پر وہ نہ تیرے مغضوب اور محتوب ہیں بلکہ تیرے مقرب اور محبوب ہیں۔ تیری رضا اور خوشنودی کا ثمنہ اور پروانہ حاصل کیے ہوئے ہیں اور نہ وہ گمراہ ہیں۔ صحیح راستہ انکو معلوم ہے منزل مقصود سامنے ہے بصد ذوق و شوق خطِ مستقیم کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ یمن و یسار کی طرف التفات بھی نہیں کرتے مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار عالم ہم نابکاروں کو انعام اور اہل انعام کی راہ پر چلا اور دارِ انعام میں پہنچا اور غضب اور ضلال کی راہ سے محفوظ اور دور رکھ اور اپنی توفیق اور اعانت کو ہمارا ہادی اور معین اور دستگیر بنا اور انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کو رفیق طریق بنانا کہ انکی معیت اور رفاقت میں اُفتال و خیزاں تیری بارگاہ میں پہنچ سکیں آمین۔
پس قول اللہ تعالیٰ۔ **الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**۔ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور قولہ **غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ**۔ مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ **الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ**۔ سے ملائکہ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین مراد ہیں۔ جن کو حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور عبادت کی نعمت سے سرفراز فرمایا (ابن کثیر) اور انعام کی خاص نوع اور کسی خاص قسم کو نہ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اے اللہ ہم پر ہر قسم کا انعام فرما اور وہ تمام الطاف و کرم اور وہ تمام آثار و نعم

لَا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ چونکہ الذین انعمت کی صفت ہے اس لیے ہم نے ترجمہ میں اسکا لحاظ رکھا ہے کہ ترجمہ ہی سے اسکی صفت موضوع ہونا معلوم ہو جائے اور بعض نے اس طرح ترجمہ کیا ہے نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو رستہ سے گم ہوئے۔ انتہی یہ ترجمہ بتقدیر المضاف ہے۔ کما قال ابو حیان وقد رعبہم فی غیر المغضوب محذوفا قال التقدير غیر صراط المغضوب علیہم و اطلق هذا التقدير فلم یقیده بحی غیر ولا نصبہ وهذا لا یتأتی الا بنصب غیر فیکون صفة لقوله الصراط وهو ضعيف الخ کذا فی البحر المحیط جلد ۳

جو تو نے اپنے تمام انعام والے بندوں پر متفرقاً نازل فرمائے وہ ہم پر مجتمعاً نازل فرما۔ آمین
نیز لفظ صراط کو الذین انعمت علیہم کی طرف مضاف کرنے میں سالکین راہ حق اور
راہروان منزل آخرت کے لیے ایک عظیم الشان تسلیہ ہے کہ وہ سفر اور راستہ کی تنہائی سے ہرگز نہ ڈریں
نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین انکے رفیق سفر ہیں۔ وَحَسْبُكَ دَرَفِيقًا۔
نیز مقام سوال میں منعم کے انعامات و احسانات کا تذکرہ۔ اجابت اور قبول میں خاص اثر رکھتا ہے
اسی طرح سوال ہدایت کے وقت حق جل و علا کے انعام عام کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اے رب
العالمین اور اے رحم الراحمین تو نے اپنی رحمت و اسعہ سے بہت بندوں پر ہدایت کا انعام فرمایا ہم
کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز اور اس پر استقامت نصیب فرما۔ اور ہم گنہگاروں کو بھی اپنے لطف
عیم سے اہل انعام کے زمرہ میں داخل فرما۔ آمین۔

مَغْضُوبٌ عَلَیْہِمْ سے وہ فریق مراد ہے جو دیدہ و دانتہ راہ راست کو چھوڑ دے اور علم
صحیح کے باوجود ہوائے نفس کی پیروی میں غلط راستہ اختیار کرے۔ اس نوع کے کامل ترین افراد یہود
بے بہود ہیں کہ باوجود تورات کے عالم ہونے کے کتمان حق اور استکبار اور اتباع ہوی جیسے امراض
میں مبتلا رہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہمیشہ معاندانہ رویہ رکھا، جان بوجھ کر قتل انبیاء اللہ کے
مرتکب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اب تک ذلت و مسکنت کی ہر لگا دی گئی غضب اور لعنت
کا طوق انکی گردنوں میں ڈال دیا گیا۔ مَنْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَیْہِ۔
اور ضالّین سے وہ گروہ مراد ہے جو سوار السبیل سے بھٹک کر غلط راستہ پر جا پڑا۔
اس نوع کے کامل ترین افراد نصاریٰ ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

وَاَضَلُّوا کَثِیْرًا وَّصَلُّوا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔
بہتوں کو گمراہ کیا اور خود سیدھے راستے
سے بھٹک گئے۔

یہود اور نصاریٰ کے کامل ترین افراد ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغضوب
علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی تفسیر نصاریٰ سے فرمائی۔ اسکا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مغضوب علیہم
اور ضالین کے مصداق صرف یہود اور نصاریٰ ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان دو قسموں کے تحت میں ہر
قسم کے گمراہ اور کافرا اور فاسق و فاجر عاصی اور مبتدع علی اختلاف المراتب داخل ہیں مگر یہود
مغضوب علیہم کے کامل ترین فرد اور نصاریٰ ضالین کے اولین مصداق ہیں۔ سلف صالحین یہ فرمایا
کرتے تھے کہ اس امت کے علماء میں سے جو بگڑا وہ یہود کے مشابہ ہوا اس لیے کہ وہ اپنی اغراض کی
وجہ سے کلمات الہیہ کی تحریف اور کتمانِ ہا انزل اللہ اور تبلیس الحق بالباطل اور اہل علم و
فضل کے حسد میں گرفتار ہوا کہ یہود کے اخلاق ہیں اور اس امت کے عباد اور زیادہ سے جو بگڑا وہ

نصاری کے مشابہ ہوا۔ اس لیے کہ اس نے اپنی عبادت میں بجائے شریعت غرام اور سنت بیضا کے ہوائے نفس کا اتباع کیا اور نصاریٰ کی طرح تعظیم مشائخ میں اس درجہ کا غلو کیا کہ اعتقاداً نہ سہی عملاً تو ضرور ان کو رب اور انکی قبور کو مساجد بنا لیا۔ بعض مرتبہ چونکہ نعمت ہی علم و عمل کے فساد کا باعث ہوتی ہے اکثر عیش اور تنعم ہی میں پڑ کر انسان خدا کو بھول جاتا ہے، احکام الہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے اس لیے الَّذِينَ اَلْعَمَتْ عَلَيْهِمْ کے بعد غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کا اضافہ مناسب ہوا کہ اے رب العالمین اپنی نعمتوں پر حمد و شکر کی توفیق عطا فرما خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ تیرے انعام کے بعد غرور اور تکبر میں مبتلا ہو کر سیدھے راستہ سے بہک جائیں اور تیری لعنت و غضب کے مستحق بنیں۔ اپنی نعمت کو اطاعت کا ذریعہ بنا۔ معصیت کا سبب نہ بنا۔

آیت موصوفہ میں صرف انعام کو اپنی جانب منسوب فرمایا۔ غضب اور ضلال کو اپنی جانب منسوب نہیں فرمایا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ انعام محض اسکا فضل ہے بلا کسی استحقاق کے بندوں پر مبذول فرماتا ہے۔ مگر غضب ابتداءً نازل نہیں فرماتا۔ بلکہ ان کی نافرمانی اور دیدہ و دانستہ عدول حکمی کے بعد اور علی ہذا گمراہ جب ہوتے ہیں کہ جب صراط مستقیم کو چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں۔

نیز ادب الہی کا اقتضایہ یہ ہے کہ جب افعال احسان و رحمت کا ذکر ہو تو صراحۃً اللہ جل جلالہ کی طرف اُس کی اسناد ہونی چاہیے۔ اور جب افعال جزاء اور عقوبت کا ذکر ہو تو پھر فاعل کا حذف اور فعل کا مبنی للمفعول لانا مناسب ہے مثلاً ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي۔
جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔

خلق اور ہدایت اور اطعام اور اسقار اور شفا ان تمام افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا۔ مگر مرض کو شئی مکروہ ہونے کی وجہ سے ادباً اپنی جانب منسوب کیا اور یہ کہا۔

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي۔
جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔

اور یہ نہیں کہا
وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي
اور مومنین جن نے کہا۔
کہ جب وہ مجھ کو بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے۔

وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرُّ
أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ.

اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے
ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا یا انکے رب
نے ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کا ارادہ
کیا ہے۔

میں ارادہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا اور صیغہ مجہول کے ساتھ اس کو ذکر کیا۔
یعنی شَيْءٌ أُرِيدَ کہہا اور اَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔ میں ارادہ رشد کو رب العزت
کی جانب منسوب کیا۔

اور علی ہذا خضر علیہ السلام نے فَارَدْتُ أَنِّ أَحْبَبَهَا (میں نے ارادہ کیا اس کشتی کو عیب دار
بنادوں) عیب اور ارادہ عیب دونوں کو اپنی جانب منسوب کیا اور۔

فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا
أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا
رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ ط

تیرے رب نے ارادہ کیا وہ دونوں اپنی
جوانی کو پہنچیں۔ اور خدا کی مہربانی سے
اپنا خزانہ نکالیں۔

اس آیت میں ارادہ رحمت کو رب العالمین کی جانب منسوب کیا اور وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ
أَمْرِي (میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا) کہہ کر اس کو اور مؤکد کر دیا۔

اور اسی طرح

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَاهِ الرَّفَثِ
إِلَىٰ نِسَائِكُمْ وَأُحِلَّ
لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ.

روزہ کی راتوں میں اپنی عورتوں سے
مخالطت تمہارے لیے حلال کر دی گئی۔
ان محرمات کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے
حلال کر دی گئیں۔

میں اس خاص احلال کو چونکہ اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب تھا۔ اس لیے
دونوں جگہ أُحِلَّ کو مبنی للمفعول ذکر کیا گیا۔

اور أَحَلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا میں یہ مانع نہ تھا۔ اس لیے اس احلال اور
تحریم کی اسناد صراحتہ اللہ کی طرف کی گئی۔

نیز منعم حقیقی صرف وہی تبارک و تعالیٰ ہے کما قال تعالیٰ۔ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ
فَمِنَ اللَّهِ اس لیے انعام کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا۔ اور غضب خدا کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ملائکہ
اور انبیاء اور عباد صالحین کی طرف سے بھی خدا کے نافرمان اور سرکش بندوں پر ہو سکتا ہے۔

نیز مغضوب علیہم کے فاعل کا حذف اہل غضب کی تحقیر اور تذلیل کی طرف مشیر ہے اور انعام کے
فاعل کی تصریح اہل انعام کے تشریف و تکریم کی طرف مشیر ہے۔ مثلاً کسی شخص کی نسبت یہ کہنا ہذا

الَّذِي أَكْرَمَهُ السُّلْطَانُ وَخَلَعَ عَلَيْهِ (بادشاہ نے اس شخص کا اکرام کیا اور اس کو خلعت عطا کیا) بہ نسبت هذا الَّذِي أُكْرِهُمُ وَخُلِعَ عَلَيْهِ (اس شخص کا اکرام کیا گیا اور اس کو خلعت دیا گیا) کے بدرجہا بلیغ ہے اور ذکر فاعل کی وجہ سے یہ پہلا کلام جس قدر مدح کی طرح و شمار اور تشریف و تکریم پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا کلام اس دلالت میں اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ نیز حذف فاعل کچھ اعراض اور ترک التفات پر دلالت کرتا ہے جو اہل غضب کے مناسب ہے، اہل انعام کے مناسب نہیں اس لیے انعام کا فاعل ذکر کیا گیا اور غضب کا فاعل حذف کیا گیا اور چونکہ انعام کی ضد غضب ہے۔ ضلال انعام کا مقابل نہیں بلکہ رشد اور ہدایت کا مقابل ہے اس لیے اہل انعام یعنی الَّذِينَ أَلْعَمْتُ عَلَيْهِمْ کے بعد متصلاً ہی اہل غضب یعنی غَيْرِ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کا ذکر فرمایا اور اہل ضلال کو بعد میں ذکر کیا۔ کیونکہ ایک ضد کے بعد دوسری کا ذکر کلام میں ایک خاص شان اور خاص تناسب پیدا کر دیتا ہے۔

اور اہل غضب کی تقدیم کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ یہود بہ نسبت نصاریٰ کے اسلام سے زیادہ دور ہیں۔ اس لیے کہ نصاریٰ نے صرف ایک نبی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور یہود نے دو پیغمبروں کی یعنی مسیح بن مریم اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حق تعالیٰ شانہ نے غیر المغضوب علیہم کو لفظ غیر کے ساتھ ذکر فرمایا اور حرف لا کے ساتھ یعنی لا المغضوب علیہم نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ حرف لا فقط ماقبل کی نفی کے لیے آتا ہے اس صورت میں کلام کے یہ معنی ہوئے کہ اے اللہ ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا نہ اہل غضب کا۔ اور لفظ غیر ماقبل کی نفی اور مغایرت دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مغایرت پر صراحت اور نفی ماقبل پر ضمناً۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ اے اللہ ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا جن کا راستہ اہل غضب اور اہل ضلال کے راستہ سے بالکل مغایر اور مباین ہے خود اہل انعام اور انکار راستہ غضب اور ضلال کے شائبہ سے بالکلیہ پاک ہے۔ اہل فہم غور کریں کہ یہ معنی بہ نسبت پہلے معنی کے کس قدر لطیف ہیں اور کیا یہ لطافت بجائے لفظ غیر کے حرف لا لانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کلاً، ہرگز نہیں۔ نیز لفظ غیر کے لانے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہ زعم کہ ہم ہی اہل انعام ہیں جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ غلط ہے بلکہ اہل انعام ان کے سوا اور غیر ہیں۔ کما قال تعلق

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ
رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر
دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے
لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور وَلَا الضَّالِّينَ میں حرف عاطف یعنی واؤ کے ہوتے ہوئے حرف لا کا اس لئے اضافہ

فرمایا تاکہ اہل انعام کے راستہ کا اہل غضب اور اہل ضلال کے راستہ سے فرداً فرداً اور علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم ہو جائے وَلَا الضَّالِّینَ سے اگر حرف لا کو حذف کر کے خَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَ الضَّالِّینَ کہا جائے تو مجموعہ فریقین کے راستہ سے اہل انعام کے راستہ کا مغایر ہونا مفہوم ہوگا۔ اہل انعام کے راستہ کا ہر واحد سے علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مجموع من حیث المجموع کی مغایرت ہر واحد کی مغایرت کو مستلزم نہیں۔ ہاں ہر واحد کی مغایرت مجموع من حیث المجموع کی مغایرت کو بالاولویت مستلزم ہے فافہم ذلك واستقم۔

اسرار مجموعہ سورت

۱۔ اس سورت میں دس چیزیں مذکور ہیں۔ پانچ چیزیں خدا تعالیٰ کے متعلق ہیں اور پانچ بندوں کے متعلق ہیں۔ خدا تعالیٰ کے متعلق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں۔ الوہیت۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت بندہ کے متعلق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں۔ عبادت۔ استعانت۔ طلب ہدایت۔ طلب استقامت طلب نعمت۔

بندہ کی یہ پانچ صفیں اسی ترتیب سے خدا تعالیٰ کی پانچ صفتوں سے متعلق ہیں اور معنی کلام یہ ہیں کہ اے خدا تعالیٰ ہم خاص تیری عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ تو ہمارا اللہ یعنی معبود ہے اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اس لیے کہ تو ہی تمام جہانوں کا مربی اور پرورش کرنے والا ہے اور تجھ ہی سے ہدایت کی درخواست کرتے ہیں۔ اس لیے کہ تو رحمن ہے تیری رحمت اور مہربانی عام ہے اور تجھ ہی سے استقامت کی التجا کرتے ہیں اس لیے کہ تو رحیم ہے۔ تیری خاص رحمت خاص اہل ایمان اور اہل ہدایت ہی پر مبذول ہے اور تجھ ہی سے انعام کے امیدوار ہیں۔ اس لیے کہ تو ہی جزاء اور سزا کا مالک ہے اسی کا بل نعمت ہم کو عطا فرما کہ جو غضب اور ضلال کے شائبہ سے بالکل پاک ہو (تفسیر کبیر ص ۱۵۱ جلد ۱)

۲۔ نیز بندہ جب مقام مناجات میں کھڑا ہوا اور خدا کی صفات کمال بیان کرتا ہوا ھَالِكٌ یَوْمَ الدِّینِ تک پہنچا تو بے اختیار سیر الی اللہ کا شوق دامنگیر ہوا۔ ارادہ سفر کا مصمم کیا تو سفر کے لیے عبادت کا توشہ لیا۔ اور استعانت اور امداد خداوندی کی سواری پر سوار ہوا۔ زاد اور راحلہ کے مکمل ہوجانے کے بعد راستہ معلوم کیا۔ جب میدھا راستہ معلوم ہو گیا تو رفقاء طریق کی فکر ہوئی کہ جن کی رفاقت اور معیت سے راستہ سہولت سے قطع ہو اور راہزنوں یعنی اہل غضب اور اہل ضلال کا کوئی خدشہ اور دغدغہ باقی نہ رہے۔ (تفسیر عزیزی ص ۵۸)

۳۔ جن علوم کی حضرات انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت دی۔ وہ تین علم ہیں۔ علم شریعت۔ علم

طریقت - علم حقیقت اور پھر علم شریعت کی دو قسمیں ہیں۔ اول علم عقائد۔ دوم علم احکام۔ سو الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین میں البیات یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان ہے اور اھدنا الصراط المستقیم الخ میں ہدایت اور ضلالت سعادت اور شقاوت کا بیان ہے اور چونکہ الذین انعمت علیہم سے انبیاء و صدیقین شہداء اور صالحین مراد ہیں اس لیے اس آیت میں مباحث نبوت و امامت کی طرف اشارہ ہے اور ایاک نعبد میں علم احکام کی طرف اشارہ ہے علم طریقت جس میں نفس اور قلب کے امراض اور معالجات سے بحث کی جاتی ہے۔ اسکے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ توحید فی العبادۃ ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کرے۔ دوسرا مرتبہ توحید فی الاستعانت ہے یعنی سوائے خدا کے کسی سے مدد نہ مانگے۔ تیسرا مرتبہ استقامت ہے یہ سلوک کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ طریق عبودیت اور جادۂ اخلاص و محبت پر قدم ایسا ٹھیک جم جائے کہ ذرہ برابر ادھر ادھر پھٹنے نہ پائے ان مراحل اور مقامات کے طے ہو جانے کے بعد درجہ ہے مکاشفات اور تجلیات کا کہ قلب پر سحاب الہام کی بارش ہونے لگے اور علوم اور معارف اسرار اور لطائف منکشف ہونے لگیں۔ یہ علم حقیقت ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا انعام فرمائے۔ صراط الذین انعمت علیہم میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

فاتحہ

اس سورت کے ختم پر آمین کہنا مسنون ہے اور لفظ آمین اسم فعل ہے یعنی یہ کلمہ دراصل تو اسم ہے مگر معنی میں فعل کے ہے یعنی افعل (ایسا ہی کر) کے معنی میں ہے جیسے رُوید اور حیہل اور ہلک۔ اسماء افعال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو ہم نے تجھ سے مانگا ہے وہی کر دے یعنی اہل انعام کے راستہ پر چلا اور اہل غضب اور اہل ضلال سے ہم کو الگ رکھ اور لفظ آمین بالاتفاق سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں بلکہ جس طرح عام دعاؤں کے بعد آمین کہنا سنت ہے اسی طرح الحمد کے بعد بھی آمین کہنا باتفاق سنت ہے۔ اختلاف صرف اسمیں ہے کہ آمین آہستہ کہنا بہتر ہے یا آواز سے جھوڑنا یا بے کایہی مذہب ہے کہ آہستہ کہنا بہتر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری کا قول ہے کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا کے آہستہ مانگنے کا حکم قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ اُدْعُوا رَبَّکُمْ تَضَنُّ عَاوْخَیۃً اِنَّہٗ لَا یُجِبُ الْمُعْتَدِلِیۡنَ۔ اور صحیح حدیثوں میں قولوا آمین کہنے کا حکم آ رہا ہے جس سے جہر ثابت نہیں ہوتا ورنہ قولوا التحیات للہ الخ اور قولوا ربنا للک الحمد (متفق علیہ) میں بھی جہر کا قائل ہونا پڑے گا حالانکہ امت کا کوئی عالم اس کا قائل نہیں دلائل کی تفصیل شرح بخاری اور شروح ہدایہ میں دیکھیں۔

صلوۃ مسلمین اور صلوۃ نصاریٰ کا تقابل

کلام الہی کے دقائق و اسرار کا تو کون احاطہ کر سکتا ہے۔ بڑے سے بڑے فہیم اور ذکی اور صاحب فہم ثاقب کی بھی وہاں تک رسائی نہیں۔ یہ مختصر سورت یعنی سورہ فاتحہ جس کے معارف و لطائف کا ایک نمونہ ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے اس کے وہ اسرار و معارف جو اللہ رب العزت کے علم میں ہیں وہ تو درکنار علما اسلام اور حضرات مفسرین نے جو اس مختصر سورت کے حقائق و معارف بیان فرمائے ہیں۔ ہم انہیں کے استیعاب اور استقصاء سے عاجز اور درماندہ ہیں۔ جسکی تصدیق علماء اسلام کے تفاسیر سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ سورہ فاتحہ جیسی سورت نہ توریت میں اتاری گئی اور نہ زبور میں اور نہ انجیل میں (اخرجہ الترمذی و صحیحہ)

اسی وجہ سے ہر نماز میں اس سورت کا پڑھنا لازم قرار دیا گیا۔ اس وقت ہم انجیل کی وہ عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جس کو نصاریٰ اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ تاکہ دونوں کے موازنہ اور مقابله سے اہل اسلام کے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو اور نصاریٰ کے لیے اگر وہ خدا سے ڈریں اور غور و فکر سے کام لیں تو ان کے لیے موجب ہدایت ہو۔

انجیل متی باب ششم آیت نہم میں ہے کہ اس طرح نماز پڑھا کرو۔

أَبُونَا الَّذِي فِي السَّمَوَاتِ لِيَتَقَدَّسَ اسْمُكَ لِتَأْتِ مَلَائِكَةُ
اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے۔ تیرا نام پاک ہو۔ تیری بادشاہت آئی چاہیے تیری
لِتَكُنْ مَشِيَّتُكَ كَمَا فِي السَّمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ خَبْرُنَا كَفَافْنَا أَعْطِنَا
مشیت جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے ایسے ہی زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی
الْيَوْمَ وَاعْفُ دُنَا خَطَايَا كَمَا نَعْفُو مَنْ أَخْطَأَ إِلَيْنَا. وَلَا تَدْخُلْنَا
آج ہمیں دے اور ہماری خطاؤں کو معاف کر جیسا کہ ہم اپنے خطاکاروں کی خطا میں معاف
فِي التَّجَارِبِ لَكِنْ نَجِّنَا مِنَ الشَّيْءِ الْهَيْنِ۔

کرتے ہیں اور ہم کو آزمائش میں نہ لالہ بلکہ بڑے لوگوں سے بچا آمین۔ یعنی قبول فرما۔

ارباب فہم و بصیرت اگر سورہ فاتحہ کے بعد اس عبارت پر ایک نظر ڈالیں تو انکو بخوبی منکشف ہو جائیگا کہ اس عبارت کو سورہ فاتحہ کیساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ثریٰ (خاک) کو ثریا سے ہے۔ صیغہ امر سے تقدیس اسم اور اتیان ملکوت کو طلب کرنا محض لاطائل اور تحصیل حاصل ہے وہ ہمیشہ سے قدوس اور سلام اور ملک مقتدر اور عزیز و حکیم ہے اس ملک الملکوت اور قدوس و حکیم کی شان میں یہ لفظ

کہنا کہ چاہئے کہ تیرا نام پاک ہو اور تیری بادشاہت آئے سراسر خلاف ادب ہے اور علیٰ ہذا یہ کہنا (لَتَكُنْ مَشِيَّتَكَ كَمَا فِي السَّمَاءِ عَلَى الْأَرْضِ) چاہئے کہ تیری مشیت جیسے آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں بھی ہو۔ یہ بھی سراسر خلاف ادب ہے کیا اس کی مشیت سبع سموات اور سبع ارضین میں جاری اور ساری نہیں؟ اور کیا کوئی ذرہ اس کی قدرت اور مشیت سے مستثنیٰ ہے؟ حاشا وکلا۔ بَلَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ اور علیٰ ہذا آج کی روٹی کے سوال کو ہدایت اور صراطِ مستقیم کے سوال (جو دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح اور سعادت دارین کو علی وجہ الائم شامل ہے۔ اس سے کیا نسبت؟ اور پھر اس غفور رحیم اور کیسے کیسے شے سے یہ سوال کرنا کہ ایسی مغفرت عطا فرما جیسا کہ ہم اپنے گنہگاروں اور خطاکاروں کی مغفرت کرتے ہیں۔ کھلی ہوئی سفاہت اور صریح گستاخی ہے اس کی کامل و عظیم اور وسیع و عیم مغفرت کو اپنی ناقص اور محدود اور برائے نام مغفرت کے ساتھ تشبیہ دینا اور درپردہ اپنے خطاکاروں کو خدا کے خطاروں کے ساتھ مماثل بتلانا اور ضمناً اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی کے ہم پلہ قرار دینا کیا یہ کھلی ہوئی گستاخی نہیں؟

اُس رب العالمین اور اس حنان و منان کے تمام آلاؤں و نعم میں سے صرف آج کی روٹی کا سوال کرنا۔ رب غفور اور ارحم الراحمین سے اپنی ناقص اور محدود مغفرت کے مماثل مغفرت طلب کرنا۔ نصائے کے فہم و فراست کو خوب واضح کرتا ہے۔ اخیر میں لفظ آمین مذکور ہے۔ جو اہل اسلام سے سرقہ ہے سوائے اہل اسلام کے دنیا میں کوئی بھی آمین کو نہیں جانتا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ.

آیتھا ۲۸۶ ۱۲ سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ رُكُوعَاتُهَا ۲۰

سورۃ بقرہ مدنی ہے اسکی دوسو چھیاسی آیتیں ہیں اور چالیس رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

الْمَّ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِیْهِ

الم اس کتاب میں کچھ شک نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ بَقَرَةٍ كِی تَفْسِیْرُ

اس سورۃ کو سورۃ بقرہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح بقرہ کا واقعہ مذکور ہے جو حق جل و علا کی الوہیت اور کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ ایک مقتول کا محض ایک مذبحہ گائے کا ایک ٹکڑا لگا دینے سے زندہ ہو جانا فقط اس فَعَالٍ لِّمَآ یُرِیْدُ کے ارادہ اور مشیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضار کو اس میں اصلاً دخل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ منکرین حشر اجساد کے لیے ایک عظیم الشان حجت ہے کہ وہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی مردوں کو اسی طرح زندہ فرمائے گا۔ جس طرح اس مقتول کو زندہ فرمایا۔ نیز یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے ایک معجزہ تھا جو اُن کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کے لیے من جانب اللہ ظاہر کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ بقرہ کا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور احیاء موتی اور قیام قیامت، تینوں کی دلیل ہے اور یہی تین امور قرآن کریم کے اعظم مقاصد ہیں۔ نیز اس واقعہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صراطِ مستقیم کا اقتضار یہی ہے کہ بغیر تفتیش اور تفحص کے انبیاء کرام کی اطاعت کی جائے جس چیز کا حضرات انبیاء حکم دیں اس کو بے چون و چرا قبول کیا جائے۔ حضرات انبیاء کے حکم کے بعد تفتیش میں پڑنا شک اور لفاق کی علامت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پر اطمینان ہو تا تو اس تفتیش کے خلجان میں نہ پڑتا

لے سورۃ بقرہ اور سورۃ فاتحہ کے باہمی ربط کی طرف اشارہ ہے فافہم ذلک واستقم ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

اور حضرات انبیاء کی اطاعت سے انحراف ضلال مبین (کھلی گمراہی) ہے۔ اور ان حضرات سے جتنیں کرنا موجب غضب اور لعنت ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک آمین۔ نیز دنیا کی محبت ہی تمام فتنہ اور فساد کی جڑ ہے۔ جب دنیا کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اعزہ اور اقارب کی محبت بھی دل سے نکل جاتی ہے اللہ جل جلالہ کی ہدایت اور انبیاء کرام کی نصیحت جب ہی نفع دیتی ہے کہ دل میں خدا کا خوف اور کچھ ڈر ہو۔ جب خدا کا خوف دل میں ہوتا ہے تب ہی صراطِ مستقیم اور راہِ حق کی تلاش اور خداوند ذوالجلال کے غضب اور لعنت سے بچنے کی فکر ہوتی ہے ورنہ جس شقی اور بد بخت کا دل خدا کے خوف سے خالی ہے اس کے حق میں انبیاء کا ڈرانا اور نہ ڈرنا مناسب برابر ہے۔ نیز سورہ فاتحہ میں ہدایت اور صراطِ مستقیم کا ذکر تھا اور سورہ بقرہ میں شروع ہی سے ہدایت اور صراطِ مستقیم کا ذکر فرمایا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ ابتداء ہی میں ہدایت کا ذکر فرمایا اور پھر یہ بتلایا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔ وہ ایمان اور تقویٰ اور اعمالِ صالحہ کی راہ ہے پھر یہ بتلایا کہ یہ ہدایت کی نعمت کس کو نصیب ہوئی۔ اور کون اس دولت و سعادت سے محروم رہا۔ هُدًى سَے اُولَئِكَ عَلٰی هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَاُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ تک اس فریق کا ذکر فرمایا جس کو ہدایت نصیب ہوئی اور جو ظاہراً اور باطناً اللہ کی ہدایت اور صراطِ مستقیم پر چلنے والے تھے۔ اور پھر اہل غضب اور اہل ضلال کے دو فرقوں کا ذکر فرمایا ایک کافرین مجاہرین جو ظاہراً اور باطناً صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے تھے۔ دوم منافقین جو ظاہراً صراطِ مستقیم پر تھے اور باطناً غضب اور ضلال کی راہ پر تھے۔ اور جو تنہی قسم یعنی جو ظاہراً تو غضب اور ضلال کی راہ پر ہو اور معنی صراطِ مستقیم پر ہو یہ قسم عقلاً اور شرعاً باطل ہے اس لیے اس قسم کو ذکر نہیں فرمایا۔ نیز سورہ فاتحہ میں حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر تھا اس لیے سورہ بقرہ کے شروع ہی میں صحیفہ ہدایت کا ذکر فرمایا کہ جس سے بڑھ کر کوئی تربیت اور رحمت نہیں پھر کَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَئًا فَاحْيَاكُمْ۔ الخ میں اس ظاہری ربوبیت اور رحمت کا ذکر فرمایا جس کا تمام نوع انسانی سے تعلق ہے اور يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا فِيْهِ تَمَامَ لَوْگوں کو اپنی عبادت اور بندگی کا خطاب عام فرمایا۔ بعد ازاں اس خاص ربوبیت اور اس خاص رحمت کا ذکر فرمایا کہ جو دو خاص فرقوں سے متعلق تھی۔ ایک فرقہ بنی اسرائیل دوم فرقہ بنی اسماعیل پھر مسئلہ ملت اسلام اور قبلہ اسلام کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ ملتِ ابراہیمی اور قبلہ ابراہیمی کا اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے اور اس راہ سے اعراض سراسر سفاهت اور حماقت ہے اور آیت۔ لَيْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولُوْا وُجُوْهُكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

۱۰ اسمیں بھی ربط کی طرف اشارہ ہے کہ ہدی للمتقین اور سواء علیہم الذر تھو اہل تم تندرھو کو مغضوب علیہم اور ضالین کے ساتھ کیا ربط ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔ ۱۱ یعنی ذلک الکتاب کا ریب فیہ ۱۲ منہ۔

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالصَّلَاةِ وَالْحِجَابِ - میں جو ٹھیک سورہ بقرہ کے نصف پر ہے صراطِ مستقیم کی تفصیل فرمائی کہ صراطِ مستقیم اللہ اور یومِ آخرت اور ملائکہ اور انبیاء پر ایمان لانا ہے گویا کہ یہ آیت الذِّینَ یُؤْمِنُونَ بِالْغِیْبِ کی تفسیر ہے کہ غیب سے یہ چیزیں مراد ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں بعد ازاں اخیرِ سورت تک احکام کا سلسلہ چلا گیا۔ اخیرِ سورت میں اَمِنْ الرَّسُولِ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمِنْ بِاللّٰهِ وَهَدٰیْکَہٗ وَکُتِبَہٗ وَرُسُلُہٗ الْاٰیۃِ میں پھر صراطِ مستقیم کی حقیقت اور ایمان بالغیب کی کیفیت کو واضح فرمایا اور مغفرت اور رحمت اور نصرت کی دعا پر سورت کو ختم فرمایا خلاصہ کلام یہ کہ سورہ بقرہ کے شروع میں بھی ہدایت اور صراطِ مستقیم اور رحمت اور ربوبیت کا ذکر فرمایا اور درمیان میں بھی اور اخیر میں بھی گویا کہ یہ تمام سورت سورہ فاتحہ کی تفسیر اور تشریح ہے۔

السَّوْرَاتِ

اس قسم کے حروف جو سورتوں کے ابتداء میں ذکر کیے جاتے ہیں ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں اس لیے کہ یہ کلمات حروفِ تہجی کی طرح جُدا جُدا پڑھے جاتے ہیں اس لیے مقطعات (جُدا جُدا) کہلاتے ہیں انکے بارہ میں حضراتِ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ خلفاء راشدین اور جمہور صحابہؓ اور تابعینؓ کے نزدیک یہ حروف تشابہات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

وَمَا یَعْلَمُوْا تَاْوِیْلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ

ان تشابہات کی حقیقت سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں؟

(۲) بعض سلف اور جمہور متکلمین اور خلیل اور سیبویہ کے نزدیک حروفِ مقطعات اُن سورتوں کے نام ہیں جنکے شروع میں یہ مذکور ہیں جو مضامین اس سورت میں بالتفصیل مذکور ہیں یہ حروف مقطعات اس تفصیل کا اجمال ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کا نام (الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ وایامہ) کتاب موصوف کے تمام مفصل مضامین کا اجمال ہے جس طرح مرکبات کلامیہ کا مفید معنی ہونا انکے اجزاء یعنی کلمات مفردہ کے مفید معنی ہونے پر موقوف ہے اسی طرح کلمات مفردہ کا مفید معنی ہونا حروفِ ہجائیہ کے مفید معنی ہونے پر موقوف ہے جس درجہ کلام میں ترکیب ہوگی اسی درجہ معنی میں بھی ترکیب ہوگی یہی وجہ ہے کہ مرکبات اصنافیہ اور مرکبات توصیفیہ کے معنی میں اتنی ترکیب نہیں جتنی کہ مرکبات تامہ خبریہ کے معنی میں ترکیب ہے ترکیب لفظی کے انحطاط سے ترکیب معنوی میں بھی انحطاط آگیا

مرکبات اصنافیہ اگرچہ فی حد ذاتہ مرکبات ہیں مگر

مرکبات تامہ خبریہ کے لحاظ سے فی الجملہ بسیط ہیں اور اسی نسبت سے ان کے معنی میں بھی بساطت اور اجمال ہے مگر حروف ہجائیہ مادہ کلمات ہونے کی وجہ سے انتہا درجہ کے بسیط ہیں پس اسی نسبت سے ان کے معنی میں بھی انتہا درجہ کی بساطت اور غایت درجہ کا اجمال ہو گا۔ جن کا بغیر تفہیم الہی اور بدون تائید غیبی کے سمجھنا ناممکن اور محال ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ”فوز الکبیر“ میں اسی مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے اسرار اور رموز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہی حضرات پر منکشف ہوتے ہیں جو من جانب اللہ خاص طور پر علوم نبوت کے وارث بنائے گئے بلکہ کسی وقت حروف مقطعات خود بخود اُن وارثین علوم نبوت کے سامنے اپنے اندرونی اسرار اور غوامض بولنے لگتے ہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر سنگریزے تسبیح پڑھتے تھے اور صحابہ کرام اپنے کانوں سے سنگریزوں کی اس تسبیح کو سنتے تھے۔ اور گوہ اور ہرن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتے تھے باقی ہم جیسوں کا حروف مقطعات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہنا ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو ہو سکتا۔ کہ نفس الامر اور واقع میں یہ حروف معانی اور حقائق سے عاری ہیں۔ (روح المعانی) حدیث میں ہے کہ ہر آیت کے لیے ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے یعنی ظاہری معنی کے علاوہ اس آیت کے کچھ باطنی اور معنوی اسرار اور لطائف بھی ہوتے ہیں جنکو ارباب باطن ہی سمجھتے ہیں اور وہ باطنی اسرار۔ مدلول لفظی کے ماتحت ہوتے ہیں مخالف نہیں ہوتے ہیں بلکہ باطنی اسرار کے حق اور باطل ہونے کا معیار ہی یہ ہے کہ وہ آیت کے ظاہری مدلول کے مطابق ہوں نہ کہ مخالف۔ کیونکہ شرط یہ ہے کہ وہ باطنی معنی ظاہری مدلول کے ماتحت ہوں اور ظاہر ہے کہ ماتحت ہو کر مافوق کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ حروف مقطعات ظاہر کے اعتبار سے مجہول الکنہ اور غیر معلوم المراد ہوں اور باطن کے اعتبار سے ارباب باطن کے نزدیک معلوم المراد ہوں۔

۳۔ علامہ زنجشیری اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ حروف مقطعات۔ حروف تہجی کے اسماء ہیں اور ظاہر ہے کہ کلام کا مادہ اور عنصر ہی حروف تہجی ہیں۔ انہی سے مل کر کلام بنتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض سورتوں کو ان حروف سے شروع کرنے میں اعجاز قرآن کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن جس کے کلام الہی ہونے کا تم لوگ انکار کرتے ہو وہ انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام کو ترکیب دیتے ہو پس اگر یہ قرآن خدا کا کلام نہیں تو تم اس جیسے کلام کے بنانے سے کیوں عاجز ہو پھر اس ذاتی اعجاز کے علاوہ اس پر بھی تو نظر کرو کہ ان مقطعات کا پیش کرنے والا شخص محض امی ہے جس نے نہ کبھی کسی مکتب کا دروازہ جھانکا اور نہ کسی استاد اور کاتب کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور تم فصحاء اور بلغار اور ادباء اور خطباء ہو اور اس نبی امی نے جن حروف کو پیش کیا ہے ان میں ایسے ایسے دقیق اور نکات کی رعایت کی گئی ہے کہ جن کی بڑے سے بڑا ادیب اور ماہر عربیت بھی رعایت

نہیں کر سکتا۔

صد ہزاراں دفتر اشعار بود : پیش حرف اُمیش آل عار بود
مثلاً یہ کہ قرآن مجید کی انتیس سورتوں میں جو شمار کے اعتبار سے حروف تہجی کے برابر ہیں۔ چودہ حروف لائے گئے ہیں جو حروف تہجی کا نصف ہیں۔ نیز حروف کی تمام اقسام یعنی مہوسہ اور مہورہ۔ شذیہ اور رخوہ۔ مطبکہ اور منفحہ وغیرہ میں سے ہر قسم کے نصف نصف حروف لائے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے کشاف اور بیضاوی کی مراجعت فرمائیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حروف مقطعات کی تفسیر میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ یہ تمام اقوال اپنی اپنی جگہ پر سب درست ہیں حروف مقطعات لغت عربیہ کے اعتبار سے حروف تہجی کے اسماء ہیں۔ جیسا کہ علامہ زنجشیری اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں اور یہی خلیل بن احمد اور سیبویہ اور دیگر ائمہ عربیت کا مذہب ہے اور ظاہر شریعت کے اعتبار سے منشا بہات اور خداوند ذوالجلال کے مخفی اسرار ہیں جنکے معانی سے عام طور پر لوگوں کو اطلاع نہیں دی گئی اور نہ ان میں اسکی استعداد ہے اس لیے ان پر ایمان لانا لازم ہوا اور ان کی تحقیق اور تفتیش کرنا ممنوع ہوا اور اگر یہ شبہ کیا جائے کہ جب حروف مقطعات کو سر الہی مانا گیا تو قرآن مفہوم المعنی نہ رہے گا تو پھر نزول سے کیا فائدہ؟ جواب یہ کہ نزول قرآن کا فائدہ۔ ہم معانی میں منحصر نہیں۔ بلکہ بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ جہاں مکلفین سے فقط ایمان لانا مطلوب ہے اسی طرح حروف مقطعات کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کے من جانب اثر ہونے کا یقین کریں تاکہ بندوں کا کمال انقیاد ظاہر ہو۔

زباں تازہ کردن باقرار تو : نینگختن علت ازکار تو

یہ حضرات مفسرین اور محدثین (بکسر الدال) کا مذہب ہے اور حضرات محدثین (بفتح الدال) یعنی جو حضرات محدث من اللہ اور ملہم من اللہ ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ حق تعالیٰ شائد کبھی کبھی اپنے مخصوص بندوں کو حروف مقطعات کے معانی اور اسرار سے بذریعہ الہام کے مطلع فرمادیتے ہیں۔ محدثین (بکسر الدال) اور محدثین (بفتح الدال) میں حقیقی نزاع نہیں محض لفظی نزاع ہے۔ محدثین جو علم اور ادراک کی نفی کرتے ہیں وہ عوام کے اعتبار سے ہے اور اس نفی سے بھی علم یقینی کی نفی مراد ہے علم ظنی اور وجدانی کی نفی مراد نہیں اور محدثین (بفتح الدال) جو حروف مقطعات کے معانی کے علم اور ادراک کے قائل ہیں وہ خواص کے لیے قائل ہیں نہ کہ عوام کے لیے اور پھر خواص کو بھی جو علم ہوتا ہے وہ ظنی اور وجدانی ہوتا ہے قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور عجب نہیں کہ حروف مقطعات عالم غیب میں ذوالوجہ ہوں کسی پر کوئی معنی اور کسی پر کوئی معنی منکشف ہوں۔ مثلاً کسی پر یہ منکشف ہوا ہو کہ حروف مقطعات اسماء الہی ہیں اور کسی پر یہ منکشف ہوا ہو کہ یہ اسماء سور ہیں جس کسی نے جو کچھ کہا وہ اپنے مکاشفہ اور مشاہدہ کے لحاظ سے کہا اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو عربی زبان میں اتارا عربی

زبان کے اعتبار سے حروف مقطعات حروف تہجی کے اسماء ہیں۔ سورتوں کے شروع میں طرح طرح کے لفظ اور معارف اور قسم قسم اعجاز کی رعایت کے ساتھ ان کو لایا گیا ہے لہذا ائمہ عربیت اور علامہ زنجیزی اور قاضی بیضاوی کا یہ قول محدثین اور محدثین کے قول کے ہرگز منافی اور مخالف نہیں علامہ زنجیزی اور بیضاوی کا قول لسان عربی، عربین کے قواعد پر مبنی ہے اور محدثین (بکسر الدال) کا قول کہ حروف مقطعات متشابہات سے ہیں ظاہر شریعت پر مبنی ہے اور محدثین (بفتح الدال) یعنی اولیاء اللہ اور عارفین کا قول باطن شریعت پر مبنی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر آیت کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور پھر ہر ظاہر اور ہر باطن کے لیے کچھ وجوہ ہوتے ہیں کوئی عالم کسی وجہ کو اختیار کرتا ہے اور کوئی کسی وجہ کو۔ وَلِكُلِّ وَجْهَةٌ مِّنْهُ مَوْلَاً ۚ فَاسْتَبَقُوا الْخَيْرَاتِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اَعْلَمُوْا عَلِمَهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُوْا

ذَلِكَ الْكِتَابُ

یہی کتاب حقیقت میں کتاب ہے کہ تمام کتب الہیہ اور صحف سماویہ کے متفرق علوم اور مضامین کی جامع ہے اور اسی وجہ سے اسکا اتباع تمام کتب سماویہ کا اتباع ہے اور اسکا انکار تمام کتب الہیہ کا انکار ہے کتاب کا اصل مادہ لغت میں جمع کرنے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اس کے مناسب معنی بیان کیے گئے اور ذَلِكَ اسم اشارہ اس لیے لایا گیا کہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس کتاب کی جامعیت محسوس اور مشاہدہ ہے۔ ارباب معنی تو علوم اور معارف کی روشنی میں اسکی جامعیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اصحاب لفظ۔ فصاحت اور بلاغت کے آئینہ میں اسکی جامعیت کا جلوہ دیکھتے ہیں۔

بہارِ عالم حُشْنِ دِل و جاں تازہ می دارد
برنگ اصحاب صورت را بہوار باب معنی را
اور بجائے لفظ ہذا کے جو اشارہ قریب کے لیے مستعمل ہوتا ہے لفظ ذَلِكَ کا استعمال فرمایا جو اشارہ بعیدہ کے لیے وضع ہوا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ کتاب اپنی بے مثال جامعیت اور عجیب و غریب حقائق و معارف اور اسرار و غوامض اور دقائق اور لطائف پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نظر و فکر کی جولانگاہ سے بہت ہی دور اور بلند اور برتر ہے۔ یعنی قرآن اگرچہ باعتبار صورت کے حاضر و قریب ہے مگر اسرار و حقائق کے اعتبار سے ہمارے فہم و ادراک سے بہت بعید ہے۔ اس لیے بجائے ہذا کے ذَلِكَ اسم اشارہ بعید لایا گیا۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ

اور اس کتاب کے کامل اور بی مثال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے تمام مطالب مدلل اور

مہرین ہیں اس میں کسی قسم کے شک اور تردد کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ایسی جامع اور مکمل۔ اور واضح اور مدلل کتاب میں بھی اگر کسی کو کوئی شک اور شبہ پیش آئے تو وہ اسکے فہم کا تصور ہے اس کتاب میں تو کوئی شبہ نہیں یہ نا فہم اپنی نا فہمی سے شبہ میں پڑ گیا ہے۔ قرآن کریم کی کوئی بات بھی عقل سلیم کے خلاف نہیں۔

یہ پہلی سورت ہے جو ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ مگر ایک آیت وَالْقَوْمُ يَوْمًا تَرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ۔ بالاتفاق حجتہ الوداع میں دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں اتری۔ تبیح کے زمانہ سے یہودی نبی آخر الزمان کے انتظار میں مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے تھے ان آیات میں انہیں کو خطاب ہے کہ یہ وہی کتاب ہے، جس کی خبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام دیتے چلے آئے ہیں۔ مالک بن صیف یہودی مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا تھا کہ یہ وہ کتاب نہیں کہ جس کی خبر اگلی کتابوں میں دی گئی ہے اور اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ علماء بنی اسرائیل میں سے جو حقیقت میں علماء تھے۔ وہ قرآن کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور جن کے دل ثمن قلیل اور دراہم معدودہ کی محبت میں گرفتار تھے وہ اس سعادت سے محروم رہے کما قال تعالیٰ۔

قرآن کو ہم نے بتفریق نازل کیا تاکہ
آپ اسکو لوگوں کے سامنے آہستہ آہستہ
پڑھیں اور بتدریج ہم نے اس کو نازل
کیا آپ کہہ دیجیئے کہ اس قرآن پر ایمان
لاؤ یا نہ لاؤ مگر وہ لوگ جنکو اس کے
نازل ہونے سے پہلے اس کا علم دیا
گیا ان کی حالت تو یہ ہے کہ جب ان
پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو ٹھوڑوں
پر سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے
ہیں کہ سبحان اللہ بیشک خدا کا وعدہ
(جو اس کتاب کے نازل کرنے کے
متعلق تھا) وہ پورا ہو کر رہا اور گریہ
وزاری کرتے ہوئے ٹھوڑیوں پر گرتے
ہیں اور انکے خشوع میں اور اضافہ
ہو جاتا ہے۔

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ
عَلَى النَّاسِ عَلَى مَكْثٍ
وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۚ قُلْ
إِٰمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا
إِنَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ
مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ
يَخِرُّوْنَ لِلْآذِقَانِ سُجَّدًا
وَيَقُولُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا
إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا
وَيَخِرُّوْنَ لِلْآذِقَانِ
يَسْكُوْنَ وَيَزِيدُهُمْ
خُشُوْعًا۔

✽ ✽ ✽
✽ ✽ ✽
✽ ✽ ✽

۱) اس روایت سے ذلک اسم اشارہ بعید لانے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ ذلک کا اشارہ اس کتاب کی طرف ہے کہ جس کی انبیاء سابقین خبر دیتے چلے آئے تھے۔ یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کی خبر کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔

۲) یہ خصوصیت قرآن کریم ہی کی ہے کہ اسکے تمام مضامین عقل سلیم کے مطابق اور سب کے سب یقینی ہیں۔ تقلیدی اور ظنی نہیں کہیں ریب اور تردد کی گنجائش نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس کتاب کے مضامین اور مطالب اس درجہ قطعی اور یقینی ہوں کہ اس میں کہیں شک اور شبہ کی گنجائش نہ ہو تو اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں کیا شک اور شبہ ہو سکتا ہے تو ریت اور انجیل کو دیکھیے کہ اصل ہی سے مشکوک ہے تثلیث اور الوہیت مسیح اور کفارہ کے مضامین فقط اس درجہ ہی میں نہیں کہ عقل کو ان میں کوئی شک اور تردد ہو بلکہ عقل قطعاً انکو لغو اور باطل سمجھتی ہے تو ریت میں الیاذ باللہ حضرات انبیاء کا بت پرستی کرنا اور جھوٹ بولنا اور الیاذ باللہ حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا مذکور ہے اسکو کون عقل باور کر سکتی ہے۔ وید اور دساتیر میں جا بجا عناصر اور کواکب پرستی کے مضامین مذکور ہیں جن سے عقل نفرت کرتی ہے لنگ اور بہک (فرج) کی پوجا کا ذکر ہی عقل کے لیے باعث صد عار و ننگ ہے۔ شرک اور بے شرمی کی بھی حد ہو گئی کہ شرمگاہ کو بھی پرستش سے نہ چھوڑا۔

مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ص ۶۱ ج ۲ گبن جو کہ انگلستان کا بڑا مشہور مورخ اور مقلن ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

محمد کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک ہے مکہ کے پیغمبر نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا ہے کہ جو شئی طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہے اور جو قابل زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے الخ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا الخ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے عقائد مذکورہ بالا کو کہہ سکتا ہے کہ وہ عقائد ہمارے ادراک اور قوائے عقلی سے بڑھ کر ہیں وہ اصل کہ جس کی بناءً عقل اور وحی پر ہے محمد کی شہادت سے استحکام کو پہنچی انتہی ملخصاً۔ اور سبیل باوجود سخت تعصب کے اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں اقرار کرتا ہے کہ تھوڑے سے دنوں میں جو محمد کا دین مشرقاً و غرباً روئے زمین پر پھیل گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے جملہ امور وہ امور ہیں کہ جن کو عقل بہت جلد تسلیم کرتی ہے جو لوگ تلوار کے زور سے اس دین کا پھیلنا خیال کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں۔ انتہی ملخصاً۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝۲۰ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَ

راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو جو یقین کرتے ہیں بن دیکھے اور درست

يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝۲۱

کرتے ہیں نماز کو اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

صِفَاتِ مُؤْمِنِينَ مُخْلِصِينَ

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کے لیے جس درجہ کا تقویٰ ہے اس درجہ کی ہدایت ہے یہ جملہ خَالِكَ الْكِتَابُ کی دوسری دلیل ہے یعنی کتاب حقیقت میں یہی ہے اس لیے کہ اول تو اس میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں دوم یہ کہ یہ کتاب خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ایک نور مبین اور مشعل ہدایت ہے۔ جب تک دل میں خدا کا خوف نہ ہو اس وقت تک راہ ہدایت نظر نہیں آتی یا یہ کہو کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ لَا دُيُوبَ فِيهِ۔ کی دلیل ہے یعنی اس جامع کتاب میں اس لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتاب تو مشعل ہدایت ہے لوگوں کے شبہات اور توہمات کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے اتاری گئی ہے ہر بات اسکی میزان عقل میں تلی ہوئی ہے ہر بیان اسکا شافی اور کافی مدلل اور مبرہن ہے۔ اوہام پرستوں کے لیے سیف قاطع ہے۔ بھلا ایسی کتاب میں کہاں شک اور شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے چند سال میں جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بھیجا تو ریت انجیل اس کی نظیر تو کیا عشر عشر بھی نہیں پیش کر سکتی۔ چند ہی روز میں عرب جیسے وحشی ملک کو خدا پرستی کا گہوارہ بنا دیا۔ عرب کے درندے سے یسوع مسیح نبوت کا پروانہ بن گئے حواریین کی بے وفائی کے خود نصاریٰ معترف ہیں کہ حضرت مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور یہود نے تیس درہم رشوت لیکر حضرت مسیح کو گرفتار کر دیا۔ سورہ فاتحہ میں بندوں کی جانب سے خدا کی حمد و ثناء کا ذکر تھا۔ سورہ بقرہ میں اس کے برعکس خدا نے عز و جل کی جانب سے عباد متقین کی مدح و ثناء کا ذکر ہے۔ سبحان اللہ۔ خود اپنی رحمت اور فضل سے ایمان اور تقویٰ کی صفت عطا فرمائی اور پھر خود ہی اسکی توصیف فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُخْصِي ثَنَاءَ عَلَيَّكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

لغت میں تقویٰ کے معنی صیانت اور حفاظت کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ان چیزوں

سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں جو آخرت کے لحاظ سے ضرر رساں ہوں۔ خواہ از قبیل عقائد و اخلاق ہوں یا از قبیل اقوال و افعال و احوال ہوں۔ اور چونکہ ضرر کے درجات مختلف ہیں اسی اعتبار سے تقویٰ کے درجات بھی مختلف ہیں۔

پہلا مرتبہ

یہ ہے کہ کفر سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو اور اپنے کو عذاب دائمی کی مضرت سے بچالے۔ وَالَّذِينَ مَهَّمُوهُمُ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ مِمَّا فِي تَقْوَىٰ سَعِیٍّ مَعْنٰی مَرَادِہِیْنَ۔

دوسرا مرتبہ

یہ ہے کہ اپنے نفس کو ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر کی مضرت سے محفوظ رکھے کہا قال تعالیٰ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا۔ اہل شریعت کی اصطلاح میں جب تقویٰ کا لفظ بولا جاتا ہے تو یہی معنی مراد ہوتے ہیں اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

خَلَّ الذُّنُوبَ صَغِيرَهَا ۖ وَكَبِيرَهَا ذَاكَ التَّقَىٰ
چھوٹے اور بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ یہی تقویٰ ہے۔

وَاصْنَعْ كَمَا شِ فَوْقَ أَرْضِ الشَّوْلِ يَحْذَرُ مَا يَرَىٰ

خدا کی راہ میں اس طرح چل جس طرح کہ خاردار جنگل میں ڈر ڈر کر اور سنبھل سنبھل کر کوئی چلتا

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيرَةً ۚ إِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصَىٰ

چھوٹے چھوٹے گناہ کو بھی حقیر مت سمجھ۔ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے پہاڑ بنتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی تو یہ جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کبھی کسی پر خار راستہ سے بھی گزرے ہیں فرمایا کیوں نہیں۔ ابی بن کعب نے کہا کہ اے امیر المؤمنین پھر آپ نے اس وقت کیا کیا۔ فرمایا کہ میں نے دامن چڑھائے بچا کر قدم رکھے کانٹوں سے بچنے کے لیے اپنی تمام جدوجہد کو خرچ کر ڈالا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہی تقویٰ ہے یعنی حق جل و علا کی معصیت اور نافرمانی سے بچنے کے لیے اپنی پوری

لے یہ قید اس لیے لگائی کہ اگر دنیاوی ذلت و ندامت سے ڈر کر معصیت کو چھوڑا تو وہ تقویٰ نہیں خدا کے ڈر سے گناہ کو چھوڑنے کا نام تقویٰ ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

ہمت اور طاقت کو خرچ کر دینے کا نام تقویٰ ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا۔
 اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
 اَتْقٰكُمْ
 یقیناً خدا کے نزدیک سب سے زیادہ
 عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ
 خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی
 سے بچنے والا ہے۔

تیسرا مرتبہ

یہ ہے کہ قلب کو ہر اس چیز سے محفوظ کر لیا جائے جو خدا تعالیٰ سے غافل کرتی ہو اور
 یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقَاتِهِ۔ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ
 اس سے ڈرنے کا حق ہے) اس آیت میں تقویٰ کا یہی مرتبہ مراد ہے۔ خدا کا خوف ہی ہدایت
 کا مہدار اور ہر قسم کے فوز و فلاح کا سرچشمہ ہے اسی لیے حضرت نوح اور حضرت ہود اور حضرت
 صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے اپنی قوم کو یہی
 نصیحت فرمائی۔ اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم کو خدا کا خوف نہیں۔ اور فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اطِيعُوْا۔ اللہ سے
 ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس لیے کہ بغیر خدا کے خوف کے کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوتی کما قال
 تعالیٰ سَيَذَكِّرْ مَنْ يَّخْشٰی۔ یعنی نصیحت وہی قبول کرے گا جو خدا سے ڈرتا ہوگا۔
 حق جل و علانے دوسرے موقع پر بجائے هُدٰی لِلْمُتَّقِیْنَ، هُدٰی لِلنَّاسِ
 (یعنی ہدایت ہے انسانوں کے لیے، ارشاد فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو متقی نہیں وہ حقیقت
 انسان نہیں انسانیت اور آدمیت کا اقتضایہ ہے کہ اپنے خالق اور مالک سے ڈرے اور جو اس
 احکم الحاکمین سے نہیں ڈرتا وہ انسان نہیں بہائم کے مثل ہے بلکہ بہائم سے بدتر قال تعالیٰ اُولٰٓئِکَ
 کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

سفر آخرت کے لیے تقویٰ ہی کا توشہ اور تقویٰ ہی کا لباس کارآمد ہو سکتا ہے کما قال تعالیٰ
 وَ تَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ النَّاسِ
 السَّیِّئِ۔
 سفر کے لیے توشہ لے لو پس تحقیق سب
 سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔

جس طرح بغیر زاد راہ کے مسافر کا دنیاوی سفر ناممکن ہے۔ اسی طرح بغیر تقویٰ کے توشہ کے آخرت
 کا سفر ناممکن ہے اور جس طرح ایک معمولی راستہ سے برہنہ اور عریاں گزرنا خلاف حیا اور خلاف شرم ہے
 اسی طرح اس عظیم الشان شاہراہ سے جو ایک لمحہ کے لیے بھی بے شمار ملائکہ اللہ سے خالی نہیں رہتی
 لباس تقویٰ سے برہنہ اور عریاں گزرنا کس طرح بے حیائی اور بے شرمی نہ ہوگا۔ اعَاذَ نَا اللّٰهُ مِنْ

ذٰلِكَ اٰمِيْنَ

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ایمان بالغیب متقیوں کا خاص شعار ہے یہ کلمہ المتقین کی صفت ہے یا یوں کہو کہ پرہیزگاروں کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ پرہیزگار وہ ہیں جو خدا پر اور خدا کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور عبادت گزار ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں المتقین میں تمام بُری باتوں کے ترک کی طرف اشارہ تھا۔ اب امور خیر کا ذکر فرماتے ہیں چونکہ اجزاء انسانی میں سب سے اعظم اور اشرف جزر قلب ہے۔ اس لیے سب سے پہلے قل قلب یعنی ایمان کا ذکر فرمایا جو درست اعتقاد کا نشان ہے اور آئندہ آیت وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ اَلْمِیْنَ اَعْمَالِ بَدَنیہ کا ذکر فرمایا جو درست اعمال کی نشانی ہیں۔

ایمان اور کفر کی تعریف

لغت میں ایمان کے معنی تصدیق اور تسلیم کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں۔ ایمان اسکو کہتے ہیں کہ جو چیز۔ اللہ کا نبی۔ اللہ کی طرف سے لیکر آئے نبی کے اعتماد اور بھروسہ پر دل سے اسکی تصدیق کرنا یعنی دل سے اسکو سچا جاننا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا یہ تو ایمان ہے اور دین کی کسی ایک چیز کا نہ ماننا اور انکار کرنا کفر ہے۔

تشریحات

۱۔ تصدیق قلبی سے محض علم اور معرفت مراد نہیں۔ تصدیق اور چیز ہے اور علم اور معرفت اور چیز ہے اور علم کے معنی جاننے کے ہیں۔ اور معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں اور تصدیق کے معنی ماننے کے ہیں اور ایمان نام ماننے کا ہے۔ جاننے کا نام ایمان نہیں۔ کفار مکہ دلائل نبوت کو دیکھ کر جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں اور علماء یہود آپ کو خوب پہچانتے تھے کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی انبیاء کرام بشارات دیتے چلے آئے آپکی جو علامتیں توریت اور انجیل میں تھیں وہ تمام علامتیں اپنی آنکھوں سے آپ میں دیکھتے تھے۔

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ
اَبْنَاءَهُمْ۔

یہود اپنے بیٹوں کی طرح حضور کو پہچانتے تھے۔ مگر مانتے نہ تھے اس لیے ایمان سے بے بہرہ تھے۔ ایمان محض جاننے اور پہچاننے کا نام نہیں بلکہ اپنے اختیار اور ارادہ اور رضا و رغبت سے ماننے کا نام ایمان ہے وقال تعالیٰ۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا
الْأَنفُسُ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۱۰

آپ کی نبوت کا محض تکبر کی وجہ سے
انکار کرتے ہیں مگر دل ان کے یقین

کیے ہوئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ محض علم اور ایمان - ایمان کی حقیقت نہیں بلکہ ایمان کی حقیقت تسلیم اور اذعان ہے یا بالفاظ دیگر - ایمان جاننے اور پہچاننے اور یقین کرنے کا نام نہیں بلکہ ماننے کا نام ایمان ہے۔ ایمان کی تعریف میں نبیؐ کے بھروسہ اور اعتماد کی قید اس لیے لگائی گئی کہ ایمان وہی معتبر ہے جو اللہ کی باتیں محض نبیؐ کے کہنے سے اور محض نبیؐ کے اعتماد اور بھروسہ پر مانے مثلاً کوئی شخص توحید اور رسالت دونوں کا اقرار کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ میں توحید خداوندی کا فلاسفہ کی طرح محض دلائل عقلیہ کے بناء پر قائل ہوں۔ رسول اللہؐ کے کہنے سے توحید کا قائل نہیں تو ایسے شخص کا ایمان معتبر نہیں اسکی توحید فلاسفہ یونان کی توحید ہے اہل ایمان کی توحید نہیں جیسا کہ عارف جامی شواہد النبوت کے پہلے ہی صفحہ میں حمد و نعت کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

”تحسین رکن ازارکان اسلام اقرار بکلمہ شہادت است و حقیقت ایمان تصدیق بمضمون اں و اں مشتملہ دو امر است یکے اقرار بوحدانیت حق سبحانہ تعالیٰ و گردیدن باں و دوم اقرار نبوت و رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و گردیدن باں۔ و اما اول وقتے معتبر است کہ مقتبس از مشکوٰۃ نبوت باشد اگر مجرد دلائل عقلی اکتفا رکند چوں فلاسفہ و از مشکوٰۃ نبوت نیکر و مفید نجات نیست“ انتہی کلامہ۔

۳۔ دین کی باتوں کا ماننا وہی معتبر ہے کہ جب ان کو اسی طرح مانا جائے کہ جس طرح اور جس ہیئت سے انکا دین ہونا ثابت ہوا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز کا شعار اسلام اور فریضہ دین ہونا تو تسلیم کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ صلوٰۃ سے مطلق دعا اور خشوع و خضوع مراد ہے اور نماز کی فرضیت بہ ہیئت مخصوصہ یعنی بطریق قیام و قعود اور رکوع و سجود۔ تسلیم نہیں کرتا تو ایسا شخص قطعاً دائرۃ ایمان سے خارج ہے یا مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت کو تسلیم کرے مگر یہ کہے کہ زکوٰۃ سے محض تزکیہ اور تطہیر مراد ہے یہ خاص نصاب اور مال کی خاص مقدار ضروری نہیں تو ایسا شخص مؤمن نہیں۔ طہر اور زندقہ ہے۔ اصطلاح شریعت میں طہر اور زندقہ اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے الفاظ کو بحال اور برقرار رکھے اور اس کی حقیقت کو بدل دے یہ ایمان نہیں بلکہ دین کا مستحضر اور مذاق ہے اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا
آمَنَ النَّاسُ۔

اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ ایمان لاؤ
جیسا کہ یہ لوگ یعنی صحابہ ایمان لائے۔

اسی طرف مشیر ہے کہ ایمان میں وہی تصدیق اور اذعان معتبر ہے جو صحابہ کرام کے قبول اور تسلیم اور اُن کے تصدیق اور اذعان کے ہم رنگ ہو۔ یہ نہیں کہ نام تو وہی ہو اور حقیقت کچھ اور ہو۔

۴۔ اصل ایمان تو تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار حقیقت ایمان کی حکایت ہے اگر حکایت محکی عنہ

کے مطابق ہے تو فہما۔ ورنہ سوائے مکروہ فریب کے کوئی شے نہیں۔ محض ایک جھوٹ ہے جو صدق اور راستی کے لباس میں نمودار ہے۔

۵۔ حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ ایمان کی اصل حقیقت تو تصدیق قلبی ہے اور اقرار لسانی۔ دنیوی احکام کے جاری کرنے کے لیے شرط ہے کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے بغیر زبان کے دل کا حال کیسے معلوم ہو تصدیق قلبی چونکہ ایک پوشیدہ چیز ہے ہر شخص اس کو نہیں جان سکتا اس لیے بطور علامت اقرار لسانی اس کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ ظاہری احکام جاری ہو سکیں ورنہ اگر کوئی شخص گونگا ہو یا کسی کے اکراہ اور زبردستی سے محض زبان سے کلمہ کفر کہے اور دل میں تصدیق موجود ہو تو کافر نہیں یا تصدیق قلبی کے بعد مر جائے اور زبانی اقرار کی نوبت نہ آئے تو اس کے ایمان میں کوئی خلل نہیں۔ حضرات محدثین اگرچہ اقرار باللسان اور عمل بالارکان کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں لیکن ایمان کی اصل اور جڑ تصدیق قلبی ہی کو بتاتے ہیں اور یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان بغیر عمل صالح کے ناقص ہے کفر نہیں۔ حضرات متکلمین اور حضرات محدثین میں محض صوری نزاع ہے حقیقی اور معنوی نزاع نہیں۔ امام غزالی قدس سرہ فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة میں ایمان اور کفر کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں

الْكَفْرُ هُوَ تَكْذِيبُ الرَّسُولِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ
مِمَّا جَاءَ بِهِ وَالْإِيمَانُ تَصْدِيقُهُ فِي جَمِيعِ مَا جَاءَ بِهِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی تکذیب کر دینے کا نام کفر ہے اور تمام امور میں آپ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

امام غزالی قدس سرہ کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے فقط ایک دو امر کی تصدیق کافی نہیں۔ تمام امور میں رسول اللہ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ ہاں کفر میں تمام امور کی تکذیب ضروری نہیں۔ ایک شے میں بھی رسول کی تکذیب کفر ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

یہ مسئلہ مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں۔ سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ شرعیت کی اصطلاح میں اہل ایمان اور اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام متواترات اور ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہوں گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انکی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ فقط قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے اہل ایمان اور اہل قبلہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک رسول کی تمام باتوں کی تصدیق نہ کرے

کما قال اللہ تعالیٰ .

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا
وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ .

نیکی اور بھلائی اس میں منحصر نہیں کہ فقط تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی جانب پھیر لو لیکن نیکی اور بھلائی یہ ہے کہ ایمان لائے اللہ پر اور یوم قیامت پر اور تمام فرشتوں پر اور اللہ کی ہر کتاب پر اور تمام پیغمبروں پر الحاصل اصطلاح شریعت میں اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتے ہوں اور کسی امر دینی کے مُکَذَّب اور منکر نہ ہوں اور ضروریات دین سے وہ امور مراد ہیں کہ جو شریعت میں ایسے معلوم اور مشہور ہوں کہ خواص و عوام سب انکو جانتے اور پہچانتے ہوں جیسے توحید اور رسالت اور جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک امر کا بھی انکار کر دے کہ جس کا دین سے ہونا قطعی اور بدیہی طور سے ثابت ہے تو وہ شخص قطعاً دائرۃ ایمان اور زمرۃ اہل قبلہ سے خارج ہے اگرچہ وہ شخص قبلہ رو ہو کر دن میں پچاس نمازیں ادا کرتا ہو . قال تعالیٰ .

أَفْتَوْ مِنْهُمْ بِنَعْصِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ
بِبَعْضِ مَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ
ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيًا فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ
إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ
بِغَافِلٍ حَمَّا تَعْمَلُونَ ط .

کیا تم لوگ کتاب الہی کی بعض باتوں کو مانتے اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ ایسے شخص کی جزا سوائے اسکے کچھ نہیں کہ دنیا میں زلی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ محض بعض احکام کو مان لینا کافی نہیں جب تک تمام احکام کی تصدیق نہ کرے۔ ایسے ہی لوگوں کی بابت پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفَتْ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
وَلَهُمْ يُنْصَرُونَ ه وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى
الْكِتَابَ وَ قَفَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ
وَ آتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ
وَ آيَدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ
أَفَلَا تَكَلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ
بِمَا لَا تَهْوَاهُ أَنْفُسُكُمْ

ایسے ہی لوگوں نے حیات دنیاویہ کو آخری حیات کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ پس ان پر سے نہ عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ انکی کوئی مدد کی جائے گی اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسکے بعد پے درپے رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے ہوتے نشانات دیئے اور روح القدس سے ان کی تائید کی تو پھر کیا تم ایسے ہو گئے کہ جب

عہ یہ قید اس لیے لگائی کہ جن امور کا ثبوت ظنی ہے انکے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔

اَسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ
وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ۝ وَقَالُوا
قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
بِكُفْرِهِمْ فَفَعَلْنَا مَا
يُؤْمِنُونَ ۚ ط ۝

کبھی کوئی رسول تمہارے پاس تمہاری
خواہشات کے خلاف کچھ لیکر آیا تو تم نے
سرکشی کی۔ پھر کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل
کرنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے دل
غلافوں میں محفوظ ہیں۔ نہیں بلکہ اللہ نے
انکے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی

پس وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں جس خاص کفر پر لعنت فرمائی ہے وہ یہی کفر ہے کہ جب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام من جانب اللہ ایسی چیز لیکر آئے جو نفسانی خواہشوں کے خلاف ہو تو یہود بے مہود نے اس کے ماننے سے سرکشی کی اور حضرات انبیاء کی تکذیب کی۔

”امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ فلاسفہ یونان جو سموات و کواکب کے فنا و فساد کے قائل نہیں وہ قطعاً کافر ہیں۔ جیسا کہ امام غزالی نے اپنے رسائل میں اس کی تصریح کی ہے اس لیے کہ یہ لوگ نصوص قطعیہ اور اجماع انبیاء کرام کے منکر ہیں کما قال تعالیٰ - اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَ اِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَ قَالَ تَعَالٰى اِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ - وَ قَالَ تَعَالٰى وَ فُتِحَتْ السَّمَاءُ فَكَانَتْ ابْوَابًا ۚ“

نہیں جانتے کہ محض کلمہ شہادت پڑھ لینا
مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں ان تمام
امور کی تصدیق ضروری اور لازمی ہے کہ
جن کا دین سے ہونا قطعی اور یقینی طور
پر ثابت ہو گیا ہو۔

نہیں اند کہ مجرد تفوہ بکلمہ شہادت
در اسلام کافی نیست تصدیق جمیع ما
علم بحیث من الدین بالضرورة باید
”مکتوبات ص ۳۲۳ ج ۱“

البتہ جو امور ظنی طور پر ثابت ہوئے ہوں ان کی تصدیق جزر ایمان نہیں اور نہ انکار کفر کے
درجہ تک پہنچاتا ہے۔ ہاں جو امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور تو اتر کے درجہ کو نہ پہنچے ہوں ان
کے انکار سے اگرچہ کفر لازم نہیں لیکن گمراہی یقیناً ہے اور کفر کا اندیشہ ہے اور یہ گمراہی کا حکم بھی اس شخص
کے لیے ہے جو کسی ایسے خاص امر کا انکار کر دے جو خبر واحد سے ثابت ہوا ہو اور جو شخص سرے
ہی سے حدیث کا منکر ہو اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال کو حجت نہ سمجھتا ہو وہ بلاشبہ

۱۔ یعنی جب سورج بے نور ہو جائیگا اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔ ۲۔ جب آسمان پھٹ جائے گا۔
۳۔ اور آسمان کھل جائیگا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے۔

کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شبہ کرے وہ بھی کافر ہے کما قال تعالیٰ۔

تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ بین میں ایک راہ نکالیں۔ ایسے لوگ بکے کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور کسی میں فرق نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور انکا ثواب عطا کریں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور رسول کے درمیان تفریق کرنا اللہ کے کلام کو حجت سمجھنا اور پیغمبر کی حدیث کو حجت نہ سمجھنا قطعاً کفر ہے اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھے وہ پکا کافر ہے۔ و قال تعالیٰ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ شُحًّا لَا يَجِدُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ط

قسم ہے تیرے پروردگار کی لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپکو آپس کے جھگڑوں میں حکم اور منصف نہ بنائیں۔ اور پھر آپکے فیصلہ کے بعد ذرہ برابر قلب میں کوئی القباض نہ پائیں اور برضا و رغبت آپکے فیصلہ کو اچھی طرح تسلیم کر لیں۔

معلوم ہوا کہ ایمان محض اقرار کرنے کا نام نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ پیغمبر کے حکم اور فیصلہ پر دل و جان سے راضی ہو اور بہر ارر رضا و رغبت اسکو تسلیم کرے۔ اور اگر کسی ایک بات کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دے تو قطعاً کافر ہے۔ کفر کے لیے یہی ضروری نہیں کہ توحید و رسالت ہی کا انکار کرے جب ہی کافر ہو۔ جو حکم بھی دین کا نبی سے قطعی طور سے ثابت ہوا ہو اس کا انکار کفر ہے۔ مثلاً جس شئی کی حلت یا حرمت نص قرآنی یا حدیث متواتر سے ثابت ہو جیسے زنا اور لواطت اس کا انکار بھی

کما قال تعالیٰ:

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
لَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ.

ان لوگوں سے ضرور جہاد و قتال کرو
جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت
پر اور نہ حرام سمجھتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ
اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔

ایمان مکملیے کفر سے برائت اور بیزاری شرط ہے

امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ و نفعنا بعلمہ و برکاتہ۔ آمین اپنے ایک
طویل مکتوب میں جو عقائد اسلامیہ کی تحقیق میں قلم مبارک سے نکلا ہے فرماتے ہیں۔

ایمان عبارت از تصدیق قلبی است
آنچه از دین بطریق ضرورت و تواتر باریز
است و اقرار لسانی نیز رکن ایمان گفته
اند کہ احتمال سقوط دارد و علامت این
تصدیق تبری است از کفر و بیزاری از
کافری و آنچه در کفر نسبت از خصائص
و لوازم آل ہمنجاں بستن زنا و مثل آل و
اگر عیاذ باللہ سبحانہ باد عوائے این
تصدیق تبرا از کفر نماید مصدق دینین
است کہ بداع ارتداد متسم است و فی
الحقیقت حکم منافق است لا الی ہو لا یر
ولا الی ہو لا یر پس در تحقیق ایمان
از تبری کفر چارہ نبود و ادنائے
آں۔ تبری قلبی است و اعلائے
آں تبری قلبی و قلبی و
تبری عبارت از دشمنی
است با دشمنان حق جل و
علا، آں دشمنی خواہ بقلب

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے ان
چیزوں کی تصدیق کی جائے جو دین سے
بطریق بداہت اور تواتر ہم تک پہنچی
ہیں۔ علماء نے اقرار لسانی کو بھی ایمان
کا جزو اور رکن کہا ہے مگر یہ ایسا رکن
ہے کہ بعض حالات میں مثلاً اجبار اور
اکراہ کی حالت میں ساقط ہو جاتا ہے
اور اس تصدیق کی علامت یہ ہے کہ
کفر اور کافری اور کفر کے تمام خصائص
و لوازم جیسے زنا و باندھنا ان سب سے
تبری اور بیزاری کا اظہار کرے اور اگر
کوئی شخص باوجود دعویٰ ایمان کے معاذ اللہ
کفر سے تبری اور بیزاری نہ ظاہر کرے
تو وہ دو متضاد دینوں کی تصدیق کرنے
والا ہے جو داغ ارتداد سے داغی ہے
اور درحقیقت ایسا شخص منافق کے حکم
میں ہے نہ ادھر نہ ادھر۔ پس ایمان کے
ثابت کرنے کے لیے کفر سے تبری اور

بود اگر خوفِ ضررِ ایشاں داشتہ باشد
وخواہ بقلب وقلب ہر دور و وقت عدم
آں خوف و آیتِ کریمہ -

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ
الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ
عَلَيْهِمْ - مؤید ایں معنی است
چہ محبتِ خدا ئے عز و جل و محبت
رسول او علیہ و علی آلہ الصلوٰت
والتسلیمات - بے دشمنی دشمنان
صورت نہ بند

ع

تو لے بے تبرا نیست ممکن

ایں جا صادق است حضرت ابراہیم
خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ
والسلام ایں ہمہ بزرگی کہ یافت و شجرہ
انبیاء گشت بواسطہ
تبری از دشمنان او
تعالے بودہ -

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَدْ كَانَتْ لَكُمْ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي الْأَبْرَارِ هُمُ
وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لَتُؤْمِنُنَّهُمْ
إِنَّا نَبْرَأُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ
دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ
بَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ
وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا
بِاللَّهِ وَحْدَهُ - مکتوبات ص ۳۲۵ دفتر اول مکتوب
۲۶۶

بیزاری ضروری اور لایہدی ہے جسکا ادنیٰ
مرتبہ یہ ہے کہ کم از کم دل سے بیزاری ہو
اور اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ قلب اور قالب
یعنی زبان اور قلب اور ظاہر اور باطن
دونوں سے کفر سے تبری اور بیزاری ظاہر
کمرے اور تبری کے معنی یہ ہیں کہ خدا
کے دشمنوں سے دشمنی رکھے خواہ فقط
دل سے ہو اگر اظہار میں ضرر کا اندیشہ ہو
اور خواہ زبان اور دل دونوں سے اس
دشمنی کا اظہار ہو اگر کسی ضرر کا اندیشہ نہ
ہو اور یہ آیت یا ایہا النبی جاهد
الکفار اسی معنی کی مؤید ہے اسلئے کہ
خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اس
وقت تک ممکن نہیں جب تک اس
کے دشمنوں سے دشمنی اور عداوت نہ
ہو (تو لے بے تبرا نیست ممکن) دوستی
اور محبت بغیر دشمنوں سے بیزاری کے
ممکن نہیں۔ یہ مقولہ ایسے ہی موقع پر صادق
آتا ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جو کچھ بزرگی
پائی اور شجرہ انبیاء ہوئے یہ سب حق
تعالے کے دشمنوں سے تبری اور بیزاری
ہی کی وجہ سے انکو حاصل ہوئی۔ چنانچہ
حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو
تحقیق تمہارے لیے ابراہیم اور اسکے ساتھ
ایمان لانے والوں میں اسوۂ حسنہ ہے جبکہ

لے یعنی اے نبی کفار و منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

انہوں نے اپنی قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم بالکل بری اور بیزار ہیں تم سے اور ان تمام چیزوں سے جن کی تم سوائے خدا کے پرستش کرتے ہو۔ ہم تمہاری تکذیب کرتے ہیں۔ یعنی ہم اللہ کے مؤمن اور تمہارے کافر ہیں اور ظاہر ہوئی ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ہمیشہ کے لیے یہاں تک کہ ایمان لاؤ تم اللہ وحدہ لا شریک لہ پر۔

یہ آیتیں سورہ ممتحنہ کی ہیں۔ بظاہر یہ سورت اسی مسئلہ کی تحقیق کے لیے نازل ہوئی جیسا کہ اس کے شان نزول سے ظاہر ہے۔ تفصیل کے لیے اس سورہ کی تفسیر مطالعہ کریں۔ وقال تعالیٰ۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ
أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ
إِلَيْكَ وَمَا نُزِّلَ مِنْ
قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ
يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ
أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ
﴿۱﴾

کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوئی اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی مگر باوجود اس دعوے کے حالت یہ ہے کہ اپنا مقدمہ شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انکو اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ شیطان کو ہرگز نہ مانیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کے بعد طاغوت کیساتھ کفر اور اس کی تکذیب بھی ضروری اور لازم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو سوتے ہوئے بیدار ہو جائے اگر وہ دس بار بسم اللہ اور دس بار سبحان اللہ اور دس بار اَمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرْتُ بِالطَّاغُوتِ (تصدیق کی میں نے اللہ کی اور تکذیب کی میں نے طاغوت یعنی شیطان کی) پڑھے تو وہ ہر خوفناک چیز سے محفوظ رہے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر (حسن حصین ص ۶۷))

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منشاء ربوبی یہ ہے کہ خدائے عزوجل کی تصدیق اور اس کے دشمنوں کی دشمنی اور برارت اور بیزاری قلب میں اس درجہ راسخ ہو جائے کہ غفلت کے وقت میں بھی اس سے ذہول اور غفلت نہ ہو۔ وقال تعالیٰ۔

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا
بِاللّٰهِ وَحَدَّةٌ وَكَفَرْنَا بِمَا
كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ فَلَمْ يَكُنْ
يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا
رَأَوْا بَأْسَنَا.

پس جب ہمارے قہر کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے خدا وحدہ لا شریک لہ پر اور اس چیز کے منکر ہوئے جس کو خدا کے ساتھ شریک گردانتے تھے۔ پس یہ ایمان ان کو نفع بخش نہ ہوا کہ ہمارے قہر کو دیکھ کر ایمان لائے

معلوم ہوا کہ اگر مشاہدہ عذاب سے پہلے شرک اور مشرکین سے تبری اور بیزاری کا اظہار کرتے تو مفید اور نافع ہوتا۔ ناظرین غور کریں کہ کافروں نے مشاہدہ عذاب کے وقت فقط ایمان پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ایمان کے ساتھ خدا کے دشمنوں کی تکذیب اور ان سے تبری اور بیزاری کو بھی ظاہر کیا۔ معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ کفر اور کافری سے تبری اور بیزاری بھی ضروری ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں جا بجا مہاجرین کی جو مدح اور ثناء فرمائی ہے وہ بھی اس تبری اور کفر سے بیزاری کی بدولت ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں کفر سے اس قدر بیزار ہوئے کہ اپنے وطن مالوف اور آباد و آبادنا، بیوی اور بچے، خویش اور اقارب، دوست احباب سب ہی کو چھوڑ دیا۔ اور علیٰ ہذا اصحاب کہف کا سوائے ہجرت اور اعتزال عن الکفار کے کوئی اور عمل ایسا نمایاں نہیں کہ اس کی جانب اس منقبت کبریٰ کو منسوب کیا جاسکے۔ اصحاب کہف کو یہ تمام درجات و فضائل صرف دشمنانِ حق سے ہجرت کی بدولت حاصل ہوئے۔

غلبہ اعداء اور ہجوم دشمن کے وقت سپاہیوں کی معمولی نقل و حرکت بھی بہت وقعت رکھتی ہے بخلاف زمانہ امن و سکون کے کہ اس وقت کی غیر معمولی نقل و حرکت بھی کسی شمار میں نہیں۔ زمانہ جنگ میں معمولی وفاداری کا اظہار بھی حکومت کی نظر میں غیر معمولی شمار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عنفوان شباب کی عبادت زمانہ پیری کی عبادت سے ہزار درجہ افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ زمانہ شباب میں اعداء دین یعنی نفس امارہ اور شیطان لعین کا غلبہ اور ہجوم ہوتا ہے۔ شیاطین اور شہوات کا لشکر ہر طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ دشمنان دین کے مقابلہ ہی کی وجہ سے زمانہ شباب کی عبادت پر قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ دینے کا وعدہ آیا ہے۔

ایمان کی صورت اور اس کی حقیقت

حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ایمان کی صورت ہے اور اطمینان نفس یعنی نفس کا مطمئن ہو جانا یہ ایمان کی حقیقت ہے۔ اطمینان نفس سے مراد یہ ہے کہ مقتضائے شریعت، مقتضائے طبیعت بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ
يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا
جِئْتُ بِهِ

تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب
تک کہ اس کی طبعی خواہش میری لائی ہوئی
شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

اس حدیث میں ایمان سے یہی اطمینان نفس مراد ہے یعنی نفس اس درجہ مطمئن ہو جائے کہ اللہ اور اس کے

رسول کا ہر حکم اس کو لذیذ اور شیریں معلوم ہو اور اس کی معصیت اور نافرمانی کا ادنیٰ سا خیال اور معمولی سا وسوسہ بھی آگ میں جلنے سے بدرجہا زائد اس پر شاق و گراں ہو۔ ایمان کی اس کیفیت اور حالت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذاک صریح الايمان (یہی کھلا ہوا ایمان ہے) فرمایا ہے۔

حاشا وکلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر گز ہر گز یہ مراد نہیں کہ معصیت کا وسوسہ صریح ایمان ہے ورنہ ہم نالائقوں کے ایمان کا صحابہ کے ایمان سے زیادہ صریح اور جلی ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ ہمارے نفوس تو ہر وقت وساوس کی جولان گاہ بنے رہتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جب قلب میں کفر اور فسوق اور عصیان کی کراہت اور ناگواری اس درجہ راسخ ہو جائے کہ معصیت کا وسوسہ اور خیال بھی اس قدر شاق اور گراں ہو کہ آگ میں جلنا اس سے آسان معلوم ہوتا ہو تو اس کیفیت اور حالت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صریح ایمان فرمایا۔

اور علیٰ ہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک ”اذا زنى العبد خرج منه الايمان“ (بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے۔ اس حدیث میں ایمان سے اسی یقین اور اطمینان کا زائل ہونا مراد ہے اور حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ (اے ایمان والو ایمان لاؤ) ایمان اول سے تصدیق قلبی مراد ہے اور دوسرے ایمان سے ایمان نفس یعنی نفس کا مطمئن ہو جانا مراد ہے۔ کیا قال اللہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّنْضِيَّةً۔

حق سبحانہ و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ایمان بمعنی اطمینان نفس کو مدار نجات نہیں قرار دیا بلکہ اپنی بے پایاں رحمت سے ایمان کی صورت یعنی تصدیق اور اقرار لسانی ہی کو قبول فرما کر عذاب جہنم سے نجات اور دخول بہشت کا وعدہ فرمایا۔ ہاں تقرب اور وصول الی اللہ کا مرتبہ بغیر اطمینان نفس اور یقین کامل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

ایمان صوری اور ظاہری اگرچہ ایمان حقیقی کے لحاظ سے بہت معمولی اور ادنیٰ شے ہے مگر کفر اور شرک کے اعتبار سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود لیک بس عالی ست پیش خاک تود

اسی وجہ سے حدیث میں ہے مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَانْزَلَ وَانْ سَرَقَ۔ جس نے لََا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ زنا اور چوری کرے بمعاذ اللہ

۱۔ اشارۃً الی قولہ تعالیٰ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (فائدہ) عجب نہیں کہ خلفاءِ خدین اس معنی کی بنا پر پرکھا جاتا ہو۔ فافہم واستقم۔ ۲۔ اے نفس مطمئنہ تو اپنے خدا کی طرف لوٹ جا کہ تو خدا سے راضی اور خدا تجھ سے راضی۔

اس حدیث سے زنا اور سرقت کی اجازت مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے اے لوگو تم کسی طرح لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ کر کفر اور شرک کے دائرہ سے نکل آؤ۔ زنا اور سرقت اگرچہ فی حد ذاتہ کتنے ہی بُرے کیوں نہ ہوں مگر کفر اور شرک کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ بخار اور زکام اگرچہ فی حد ذاتہ مرض اور بیماری ہے مگر سل اور جذام کے مقابلہ میں عافیت ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ بخار کی طرح زنا اور سرقت کا مرض ہونا بیان فرمایا وہاں یہ ارشاد فرمایا۔ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا إِذَا زَنِى الْعَبْدُ خُرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ أَوْ جَسَّ جَسْمُهُ زَنًا أَوْ سَرَقَةً كَوَافِرًا وَشُرَكَاءُ نَارِي وَان سَرَقَ۔ یعنی زنا اور سرقت کو کفر اور شرک کے ساتھ وہی نسبت ہے جو بخار اور زکام کو سل اور جذام کے ساتھ ہے۔

ہر قل شاہ روم نے جب ابوسفیان سے بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات دریافت کیے تو اس میں یہ بھی دریافت کیا کہ کوئی شخص آپ پر ایمان لانے کے بعد آپ کے دین سے بیزار ہو کر مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ اس پر ہر قل نے کہا

و كَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ
تَخَالَطَ بِشَاشَتِهِ الْقُلُوبَ۔
ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ جب اس
کی مسرت دلوں میں رچ جاتی ہے تو وہ پھر
کسی طرح نکل نہیں سکتی۔

اس جگہ بشاشت سے وہی اطمینان نفس اور انشراح صدر مراد ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں یہی حقیقی ایمان ہے کہ جس کے بعد مرتد ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیہ کا ارشاد ہے۔ إِنَّمَا رَجَعُ مَنْ رَجَعَ مِنَ الطَّرِيقِ۔ جزا میں نیست کہ جو شخص واپس ہوتا ہے وہ راستہ ہی سے واپس ہوتا ہے۔ منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد واپسی ناممکن ہے اور اس دعا ماثورہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ۔ (اے اللہ تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں کہ جس کے بعد ارتداد نہ ہو سکے) میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ ایمان صوری کے بعد مرتد ہونا ممکن ہے۔ وہ ایمان جس کے بعد ارتداد ناممکن ہو وہ یہی ایمان ہے کہ جس سے نفس مطمئن ہو جائے۔

اِنَّا نَسْأَلُكَ اِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَ يَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ اَوْ هَيْبَتٌ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

۷ حالت ایمان میں زانی زنا نہیں کرتا۔ ۸ جب بندہ نے زنا کیا تو اس سے ایمان نکل گیا۔

ایمان کے وجود کی مراتب

علامہ نیسابوری تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین وجود ہیں۔ ایک وجود عینی دوسرا وجود ذہنی تیسرا وجود لسانی۔ اصل ایمان وجود عینی یعنی وجود خارجی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان حجابات مرتفع ہو جائیں تو اس وقت مومن کے دل میں ایک نور حاصل ہوتا ہے۔ یہی نور ایمان کا وجود عینی ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا
يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ۔
اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا
نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی
طرف۔

جب کوئی جدید حجاب مرتفع ہوتا ہے اتنا ہی یہ نور کامل اور قوی ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام کے متعلق اس کو مشرح صدر ہو جاتا ہے اور نبی کریم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا صدق اس کے نزدیک آفتاب سے زیادہ روشن اور جلی ہو جاتا ہے۔ و قال تعالیٰ۔

أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ
مِّن رَّبِّهِ۔
جسکا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے
کھول دیا وہ اپنے پروردگار کی جانب
سے ایک نور پر ہے۔

اور یہی نور قیامت کے دن پل صراط پر اہل ایمان کی رہنمائی کرے گا۔ کما قال تعالیٰ۔
نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَبِأَيْمَانِهِمْ۔
ان کا نور سامنے اور دائیں جانب
دوڑتا ہو گا۔

ایمان کا نور علی نور ہونا اہل ایمان قیامت کے دن آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور جو شخص دنیا میں نور ایمان سے محروم رہا وہ قیامت کے دن بھی نور ایمان سے محروم رہے گا۔
وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ
نُورًا فَلَا لَهُ مِن نُّورٍ۔
جسے اللہ نے نور نہیں دیا پھر اس کے
لیے کہیں نور نہیں۔

قیامت کے دن تو سب ہی کو ایمان کا نور ہونا معلوم ہو جائے گا لیکن اس دار دنیا میں بھی جب ہمیں کسی عارف اور صاحب بصیرت کو رو یا تے صالحہ یا کشف سے ایمان مکشوف ہوا تو وہ نور ہی کی شکل میں منکشف ہوا۔

اور اس نور کا مطالعہ اور تصور یہی ایمان کا وجود ذہنی ہے اور زبان سے توحید و رسالت کا اقرار یہ ایمان کا وجود لسانی ہے یاد رکھنا چاہیے کہ ایمان کا محض لسانی وجود بغیر نور کے مفید اور

کار آمد نہیں جیسا کہ بیا سے کے لیے آب زلال کا فقط تلفظ اور تصور کافی نہیں۔ جب تک کہ اس سے سیراب نہ ہو۔ اَللّٰهُمَّ اشرحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ وَ تَوَسَّلْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ طَاعَتِكَ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بِالْغَيْبِ

یعنی جو چیزیں اس کے عقل اور حواس سے پوشیدہ ہیں جیسے جنت اور جہنم اور ملائکہ وغیرہ عرف اللہ اور اس کے رسول کے فرمانے سے ان سب چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور انکو حق جانتے ہیں اور جو لوگ ان امور غیبیہ کے منکر ہیں وہ کفر ایمان اور ہدایت سے محروم ہیں اور انکی مثال ایسی ہے جیسے شاعر نے کہاہے

چو آں کرے کہ در سنگے نہان است زمین و آسمان او ہماں است

اور ایمان بالغیب کو تقویٰ کی علامت اس لیے قرار دیا کہ محسوسات کی تصدیق ایمان اور تقویٰ کی علامت نہیں اس لیے کہ جو چیز ظاہری یا باطنی حواس سے محسوس اور مدد رک ہو اس کی تصدیق اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے اور شرعاً ہی تصدیق معتبر ہے جو ارادہ اور اختیار سے ہو۔

غیب سے کیا مراد ہے

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ بظاہر غیب سے وہ امور مراد ہیں جن کا ذکر حدیث جبریل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ۔ ملائکہ۔ کتب الہیہ۔ رسل۔ یوم آخرت۔ قضا و قدر۔ ایمان بالغیب سے ان چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ کتاب اور رسول اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے محسوس ہیں غیب نہیں لیکن کتاب کا منزل من اللہ ہونا اور پیغمبر کا مرسل من اللہ اور فرستادہ خدا ہونا ایک غیبی امر ہے اس اعتبار سے کتب اور رسل بھی ضرور غیب میں داخل سمجھے جائیں گے اور صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ایمان بالغیب ہی کہلائیگا۔ اس لیے کہ رسول کی ذات اگرچہ محسوس اور مشاہد ہے مگر وصف رسالت اور فرستادہ خدا ہونا یقیناً غیب ہے۔ یہ کسی نے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور ایمان کا اصل تعلق اسی وصف رسالت کے ساتھ ہے۔

بعض اہل علم نے غیب اور غائب میں فرق بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ

اَلْغَائِبُ مَا لَا يَرَاكَ وَلَا تَرَاهُ غَائِبٌ تَوَدُّهُ مِمَّنْ لَا تَرَاهُ وَلَا تَرَاهُ

اور نہ تو اس کو دیکھے اور غیب وہ ہے

۷۔ اس کیڑے کی مانند جو پتھر میں پوشیدہ ہے اور وہی اسکا زمین و آسمان ہے۔

کہ تو اسکو نہ دیکھتا ہو اگرچہ وہ تجھ کو دیکھتا ہو۔
 اسی وجہ سے حق تعالیٰ پر غیب کا اطلاق درست ہے غائب کا اطلاق درست نہیں۔
 اس لیے کہ وہ ہر شے کو دیکھتا ہے کوئی شے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

لطیفہ

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ بالغیب سے ہمدی موعود اور امام غائب مراد ہیں جن کا شیعہ انتظار کر رہے ہیں۔ واہ واہ

وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

اور قائم اور درست رکھتے ہیں نماز کو یعنی خشوع اور خضوع اور تمام آداب کے ساتھ نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں۔ سورۃ لقمان میں ہے۔

هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ
 الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

ہدایت اور رحمت ہے ان نیکی کرنے والوں کے لیے جو نماز کو قائم کرتے ہیں
 اس آیت میں الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ کو المحسنین کی صفت گردانا ہے اور غالباً جبریل امین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ما الاحسان (احسان کیا چیز ہے) کہہ کر اسی احسان کی حقیقت دریافت کی ہے جو آیت موصوفہ میں مذکور ہے جسکا جواب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیں الفاظ ارشاد فرمایا کہ

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

یعنی نماز اور عبادت کا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہی خیال رکھ کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے
 مطلب یہ ہے کہ تعظیم کا دار و مدار تیسے کر دیکھنے پر نہیں بلکہ اس کے دیکھنے پر ہے کما قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَمْ يَخْلُقْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ کیا نہیں جانتا کہ اللہ اس کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ دربار میں بادشاہ کی تعظیم سب ہی پر فرض ہے خواہ کوئی بادشاہ کو دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو۔ قریب ہو یا بعید ہو۔

يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ میں اسی قسم کی نماز مراد ہے جو حق تعالیٰ شانہ نے عباد متقین کی عبادت اور بندگی کو جب کبھی مقام مرح میں ذکر فرمایا ہے تو مقیمین الصلوٰۃ کے ساتھ فرمایا ہے مصلین کا لفظ صرف ان لوگوں کے لیے استعمال کیا ہے جن کی نماز میں اس سرسری ہیئت اور محض ظاہری قیام و قعود کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ایک جگہ مقام مذمت میں ارشاد ہے۔ فَلَا صَدَقَ

وَلَا صَلَّیٰ لِعِنِّیْ اِسْ شَخْصٌ نَّهْ تَصْدِیْقُ کِیْ اُوْر نَمَاز کُو قَایِم کَرنا اُوْر ٹھیک طَرَح سَے ادا کَرنا تو درکنار اِس نَے تو کبھی نَمَاز کِی سَیِّئَت اُوْر صَوْرَت بَھی نَہیں بَنائی۔

بعض علماء کے نزدیک اِس مقام پر صلوٰۃ سے مطلق نماز مراد ہے۔ فرض ہو یا نفل۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ فرض نماز مراد ہے۔ اِس لیے کہ فلاح جو کہ اَوَّلَئِکَ هُوَ الْمُفْلِحُونَ میں مذکور ہے وہ فقط فرض نماز پر موقوف ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کے کچھ مسائل اور احکام دریافت کیے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازیں تم پر فرض کی ہیں۔ اعرابی نے کہا کیا اور بھی کوئی نماز ان پانچ کے علاوہ مجھ پر فرض ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ اِس کے بعد اِس شخص نے زکوٰۃ اور صوم کے متعلق دریافت کیا اور یہ کہتا ہوا رخصت ہوا۔ وَاللّٰہُ لَا اُرِیدُ عَلٰی هٰذَا وَلَا الْقَصْ مِنْہُ خُذْ اِکْ قِسْمَ اِنِّیْ طَرَفٌ سَے اِس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرونگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنَّ صَدَقَ فلاح پائی اِس شخص نے اگر سچ کہا۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ

اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ حصہ ہمارے لیے خاص کر لیتے ہیں جسے وقتاً فوقتاً ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

انفاق سے اِس جگہ عام معنی مراد ہیں۔ جو زکوٰۃ اور صدقات نافلہ اور ہر قسم کے انفاق فی سبیل اللہ کو شامل ہے بعض اہل علم نے باطنی اور معنوی رزق یعنی علم نافع کے انفاق کو بھی اِس آیت شریفہ کے عموم میں داخل فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے سب سے اوّل ایمان کا ذکر فرمایا جو تمام اعمال صالحہ کی جڑ ہے۔ پھر نماز کا ذکر فرمایا جو عبادات بدنیہ میں سب سے افضل ہے۔ پھر عبادات مالیہ زکوٰۃ اور صدقات کا ذکر فرمایا یا یوں کہو کہ وَ یُقِیْمُونَ الصَّلٰوۃَ میں متقین کے حسن اعمال کا ذکر تھا۔ اور مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنْفِقُونَ میں حسن اخلاق کا ذکر ہے اور مِمَّا میں من تبعیضہ ہے یعنی مال کا بعض حصہ خرچ کرتے مسرف اور فضول خرچ نہیں اور مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کی اپنے عامل یعنی ینفقون پر تقدیم کچھ اہتمام اور اختصاص کی طرف مشیر ہے یعنی ان کے مال کا کچھ حصہ ہمیشہ تصدق اور انفاق فی سبیل اللہ کے لیے مخصوص رہتا ہے۔

ف | جانتا چاہیے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی سات قسمیں ہیں۔

۱۔ یہ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کی تقدیم کے نکتہ کی طرف اشارہ ہے تفصیل کثاف میں ہے۔ ۱۲

(۱) زکوٰۃ مفروضہ۔

(۲) صدقہ فطر۔

(۳) خیرات و مبرات جیسے فقراء کو دینا اور یمہانوں کی ضیافت اور حاجتمندوں کو قرض دینا۔

(۴) وقف جیسے بنارس مسجد و مدارس اور کنواں اور یمہان سرائے اور مسافر خانہ۔

(۵) مصارف حج۔

(۶) مصارف جہاد۔

(۷) نفقات واجبہ جیسے نفقہ عیال اور نفقہ زوجہ اور نفقہ محارم۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر اور جو اترا تجھ سے

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَيَا الْآخِرَةَ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۷﴾

پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں۔ انہوں

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی

الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾

مراد کو پہنچے

قَالَ تَعَالَىٰ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ... اِلَىٰ... اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور وہ متقی لوگ ایسے ہیں جو ایمان لائے اس کتاب پر جو تیری طرف نازل ہوئی اور ان کتابوں پر

جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اس سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں۔ جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی

اللہ عنہ اسی لیے اس جگہ والذین کو مکرر لائے کہ یہ متقین کا دوسرا گروہ ہے۔ اور پہلی آیت

میں اہل عرب اور امیین کا ذکر تھا وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ اور متقین کے یہ دونوں گروہ

آخرت پر یقین رکھتے ہیں آخرت کا تذکرہ اور استحضار متقین کا خاص شعار ہے بخلاف کافروں

کے کہ وہ ہر وقت دینا ہی کی فکر میں رہتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں۔ اُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى

مِّن رَّبِّهِمْ ایسے ہی لوگ ہدایت پر قائم ہیں جو ان کو خدا کی توفیق اور فضل سے ملی ہے کلمہ

علیٰ جو استعمار کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس سے اس جانب اشارہ ہے کہ یہ لوگ ہدایت پر حاوی اور متمکن ہیں اور ہدایت پر جم گئے ہیں اور مِنْ دَرَبِہُمْ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ نور ہدایت محض اس رب العالمین کی رحمت اور مہربانی اور اس کی توفیق سے ان کو عطا ہوا ہے جس سے انکی تربیت اور اصلاح مقصود ہے وَ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ اور ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ یعنی مومنین کے یہ دونوں گروہ دنیا میں حق تعالیٰ کی توفیق سے نور ہدایت سے سرفراز ہوئے اور آخرت میں اسکی رحمت اور فضل سے مراد کو پہنچیں گے اور مفلح اس کو کہتے ہیں کہ جو اپنی مراد کو بخوبی پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ اور کمی واقع نہ ہو پہلے جملہ یعنی اُولَٰئِكَ عَلٰی ہُدٰی مِّنْ دَرَبِہُمْ ایمان اور تقویٰ کے دنیاوی ثمرہ کا ذکر ہے اور دوسرے جملہ یعنی اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ میں اخروی ثمرہ ذکر ہے مبنیٰ کا مسافر اگر غلطی سے کلکتہ میں بیٹھ جائے اور ریل چھوٹنے کے بعد معلوم ہو کہ یہ گاڑی بجائے مبنیٰ کے کلکتہ جا رہی ہے تو اس مسافر کی پریشانی کی کوئی حد نہیں رہتی اور کلکتہ کے مسافروں کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے۔ ان کو اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارا راستہ صحیح ہے۔ اور ہم دیر یا سویر میں ضرور منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

اور اُولَٰئِكَ۔ کو مکرر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ان متقین کو ہدایت پر متمکن اور استعمار کی خصوصیت حاصل ہے اسی طرح ان کو فلاح کی بھی خصوصیت حاصل ہے یہ لوگ غیروں سے ان دو خصوصیتوں کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہُمْ ؕ اَنْذَرْتَهُمْ

وہ جو منکر ہوئے برابر ہے کہ تو ان کو ڈرا دے

اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑥ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی

یا نہ ڈرا دے وہ نہ مانیں گے مہر کر دی ہے اللہ

قُلُوْبِہُمْ وَّ عَلٰی سَمْعِہُمْ ط وَّ عَلٰی اَبْصَارِہُمْ غِشَاوَةٌ ؕ

نے اُن کے دل پر اور اُنکے کان پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑦

اور اُن کو بڑی مار ہے

صفاتِ کافرین

قَالَ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى عَذَابِكَ عَظِيمٌ
یہاں تک گمراہہ اتقیا رکاز ذکر فرمایا کہ جو قرآن کریم کی ہدایت سے متمتع اور منتفع ہوئے
اب آئندہ اتقیا رکاز ذکر فرماتے ہیں کہ جو اپنی شقاوت اور فسادِ فطرت کی وجہ سے اس
چشمہ ہدایت سے منتفع نہیں ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا یعنی جو لوگ
اللہ کے علم میں کافر ہیں ان کے حق میں آپکا ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے
آپ اس قسم کے لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں قرآن کی ہدایت اور آپ کی
تبلیغ اور دعوت کا قصور نہیں بلکہ ان کی فاسد اور بگڑی ہوئی استعداد اور فطرت کا قصور ہے
اصل کافر وہی ہے کہ جسکا خاتمہ اور موت اللہ کے علم میں کفر پر مقرر ہو چکا ہو۔ جیسے ابو جہل
اور ابولہب و امثالہم۔ ورنہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہے وہ فی الحال محض ظاہر کے
اعتبار سے کافر ہے حقیقت اور انجام کے اعتبار سے مومن ہے۔

بُدِ عَمْرًا نَامَ اَيْنَا بَتِ پُرسِت لیک مومن بود نامش دراست
جو لوگ محض ظاہر کے اعتبار سے کافر تھے ان میں سے بہت سے مشرف باسلام ہوتے اور
ہوتے رہیں گے لیکن جو اللہ کے علم میں کافر تھے ان میں سے کوئی ایمان نہیں لایا۔ ایسے کافروں
کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔

گزشتہ آیات میں اہل الغام کا ذکر تھا یعنی جنکو حق تعالیٰ نے ایمان اور ہدایت اور
تقویٰ کی نعمت سے سرفراز فرمایا اب اہل غضب اور اہل ضلال کا ذکر فرماتے ہیں۔ ان دو آیتوں میں
خالص کافروں کا ذکر ہے اور اس کے بعد تیرہ آیتوں میں منافقین کا ذکر ہے۔

حرف تحقیق یعنی کلمۃ اِن کا استعمال اکثر ان مواقع میں ہوتا ہے کہ جہاں مخاطب کو کسی قسم کا
کوئی تردد ہو مگر کبھی کبھی ایسے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے کہ جہاں متکلم یا مخاطب کے گمان
کے خلاف کوئی شئی ظاہر ہو جیسے حضرت مریم کی والدہ کا بطور حسرت یہ فرمانا۔
رَبِّ اِنِّیْ خِشْتُ وَصَعْتُهَا اُنْثٰی۔
اے پروردگار تحقیق میں نے تو یہ لڑکی
جنی ہے۔

۱۔ یہ آیت نازل ہوئی ان کے حق میں جن کی موت کفر پر اللہ تعالیٰ نے اپنے علم قدیم میں جانی تھی جیسا کہ عتبہ
و شیبہ و ابی جہل و ولید بن مغیرہ (موضح القرآن)

خلاف اُمید لڑکی کی ولادت کو بطور حسرت حرفِ اِنّ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور علیٰ ہذا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی قوم سے یہ اُمید تھی کہ وہ میری تصدیق کریں گے۔ جب خلاف اُمید انہوں نے تکذیب کی تو بطور حسرت یہ فرمایا۔

اے پروردگار تحقیق میری قوم نے تو میری
رَبِّ اِنَّ قَوْمِي
كَذَّبُوْنِ۔

اسی طرح اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمید کے خلاف کفار کے نہ ایمان لانے کو حرفِ اِنّ کے ساتھ ذکر فرمایا کہ اے ہمارے نبی آپ ان کافروں کے ایمان کی اُمید نہ رکھیں۔ ان کے حق میں آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے یہ ایمان نہ لائیں گے اور سَوَّ آءٍ عَلَیْہُمْ۔ اس لیے فرمایا کہ کافروں کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں آپ تو مامور من اللہ ہیں۔ آپ کو تبلیغ اور دعوت کا اجر ہر حال میں ملے گا اس آیت سے یہ مقصود نہیں کہ آپ ان کو تبلیغ اور ہدایت نہ فرمائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین اور ملول نہ ہوں۔

کفر کی تعریف

ہم یَوْمُنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں ایمان کے ساتھ کفر کی حقیقت بھی امام غزالی سے نقل کر چکے ہیں لیکن امام رازی نے جو کفر کی تعریف فرمائی ہے وہ زیادہ واضح ہے اور کفر کی تمام اقسام کو حاوی اور جامع ہے وہ یہ ہے۔

یعنی کفر کے معنی یہ ہیں کہ رسول اور پیغمبر کی اس چیز میں تصدیق نہ کرنا جس کا بدیہی اور قطعی طور پر دین سے ہونا معلوم ہو چکا ہے۔

اَلْکُفْرُ عَدُوٌّ تَصْدِیْقِ الرَّسُوْلِ
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ
فِیْمَا عَلِمَ بِالْضَّرُوْرَةِ بِحِیْثُہٗ
یہ (تفسیر کبیر ص ۱۵۹ ج ۱)

کیونکہ کفر کی یہ تعریف یعنی عدم تصدیق الرسول تکذیب اور ترک تصدیق دونوں کو شامل ہے اور امام غزالی نے جو تعریف کی ہے یعنی تکذیب الرسول وہ بظاہر اس شخص کے کفر پر صادق نہ آئے گی۔ کہ جو نہ تصدیق کرتا ہے اور نہ تکذیب حالانکہ وہ شخص بالاجماع کافر ہے نبی کی تصدیق نہ کرنا ہی کفر ہے خواہ تکذیب کرے یا نہ کرے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کفر کی تعریف بجائے تکذیب کے ترک تصدیق کے ساتھ کی جائے تاکہ کفر کی دونوں صورتوں پر صادق آ سکے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔

وَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِہِ فَاُولٰٓئِکَ اُمَمٌ لِّدُوْنِہِمْ اَللّٰہُ یُخَوِّدُہُمْ فَاَنظُرُوْا اَنۡ تَکُوْنُوْا مِّنۡہُمْ

وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا۔
 اس آیت شریفہ میں نہ تصدیق کرنے والوں کو کافر کہا گیا۔ وقال تعالیٰ۔
 وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ
 سورہ صافات میں ہے کہ اہل جنت اہل نار سے یہ کہیں گے۔
 بَلْ لَّعَنُوا تَكْفُورًا مُّؤْمِنِينَ۔
 بلکہ تم تصدیق کرنے والے نہ تھے۔
 فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى۔
 اس کافر نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔
 بَلْ لَّعَنُوا تَكْفُورًا مُّؤْمِنِينَ۔
 بلکہ خود ہی آیت یعنی إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَسَوَاءٌ عَذَابُهُمْ أَتَذَذْتَهُمْ
 اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ امام رازی کی تائید کرتی ہے اس لیے کہ اس آیت
 میں نہ ایمان لانے والوں اور نہ تصدیق کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔

اقسام کفر

علماء نے کفر کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ کفر تکذیب :- یعنی انبیاء و رسل کو جھٹلانا کما قال تعالیٰ۔

وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سِحْرٌ كَذَابٌ
 انْ كُلُّهُ إِلَّا كَذَبَ الرَّسُولُ
 فَخَقَّ عِقَابُ۔
 (۲) کفر استکبار :- تکبر کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہ ماننا اور اس کے قبول سے
 انکار کر دینا۔

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ
 مِنَ الْكَافِرِينَ۔
 (۳) کفر اعراض :- یعنی پیغمبر کی نہ تصدیق کرے اور نہ تکذیب بلکہ اعراض اور روگردانی کرے کما
 قال تعالیٰ۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا
 مُّعْرِضُونَ۔
 اور کافر جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا
 ہے اس سے اعراض کرتے ہیں۔
 شاہ عبدالقادر صاحب معروضون کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں کہ ”دھیان نہیں کرتے“ یعنی نبی
 کی نصیحت کی طرف توجہ اور التفات نہیں کرتے۔ وقال تعالیٰ۔
 قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ
 کہہ دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اس

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا
يُحِبُّ الْكَافِرِينَ۔

کے رسول کی۔ اور اگر روگردانی کریں تو کہہ دیجئے
کہ اللہ کافروں کو محبوب نہیں رکھتا۔

اس آیت میں روگردانی کرنے والوں کو کافر بتایا گیا ہے اور اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں۔
(۴) کفر اریاب یعنی پیغمبر کے نہ صادق ہونے کا یقین ہے نہ کاذب ہونے کا۔ بلکہ شک اور
تردد ہے۔ یہ بھی کفر ہے۔ چنانچہ وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ۔ کی علت حق تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی
ہے۔ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّبِينٍ۔ (یعنی بیشک تھے وہ شک میں متردد)
(۵) کفر نفاق :- یعنی زبان سے اقرار اور قلب سے انکار کرے اور مِنَ النَّاسِ مَنْ
يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ۔ سے دور تک اسی کفر نفاق
کا بیان ہے۔

حق جل شانہ کا یہ ارشاد خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ۔ پہلے جملہ کی دلیل ہے یعنی
ان کافروں کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا اس لئے برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تہ و عناد
اور سرکشی کے سزا میں ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور انکی آنکھوں پر ایک خاص
قسم کا پردہ ہے جو ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور عناد
کے سزا میں ان پر علم اور ہدایت کے دروازے بند کر دیئے ہیں نہ آنکھ کے راستہ سے ہدایت
پہنچ سکتی ہے۔ اور نہ کان کے راستہ سے لہذا اب کوئی صورت نہیں کہ ہدایت ان کے دلوں تک
پہنچ سکے۔ دل کا دروازہ اگر کھلا ہوا ہوتا تو پھر شاید ہدایت اندر داخل ہو جاتی مگر وہ بند کر دیا
گیا۔ یہ دنیا میں ہوا۔ اور آخرت میں ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے جو فلاح کی سراسر
ضد ہے۔

نکتہ

عَلَى قُلُوبِهِمْ اور عَلَى سَمْعِهِمْ۔ میں کلمہ علی کو مکرر لانے میں اس طرف
اشارہ ہے کہ قلوب اور اسماع ہر ایک کی مہر جدا گانہ اور مستقل ہے جمہور

علماء مفسرین و متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آیت شریفہ میں ختم اور غشاوہ سے مراد نہیں کہ حق تعالیٰ
نے حقیقتہً ان کے دلوں اور کانوں پر کوئی مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ ڈال
دیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ متکبرین اور معاندین اور ہوا پرست اور دشمنان حق و ہدایت
اپنی طبعی زینخ اور جلی کج روی کی وجہ سے اس درجہ اور اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ اخلاق
ذمیمہ اور رذائل ان کے دلوں میں اس درجہ راسخ اور پختہ ہو چکے ہیں کہ ہر فحشاء اور منکر ان
کو مستحسن نظر آتا ہے اور حق جل و علا کی ہر نافرمانی ان کو لذیذ معلوم ہوتی ہے ان کی حالت
نجاست کے کیڑے کی طرح ہے کہ جس کو گندگی سے طبعی رغبت ہوتی ہے اور خوشبو سے اس
کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ نجاست کا کیڑا عطر کی تیز خوشبو کو برداشت بھی نہیں

کر سکتا اور بعض اوقات عطر کی خوشبو سے مر بھی جاتا ہے یہی حالت ان کافروں کی ہے کہ کفر کی نجاست پر فریفتہ ہیں اور حق اور ہدایت کے عطر سے انکو نفرت ہے۔

حق تعالیٰ نے کافروں کی اس حالت کو بطور استعارہ ختم اور غشاوہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح مہر اور پردہ بیرونی اشیاء کے وصول اور نفوذ سے مانع ہوتے ہیں اسی طرح ان کی یہ حالت ایمان اور ہدایت کو ان کے دلوں تک نہیں پہنچنے دیتی اور اندرونی کفر کو اندر سے باہر نہیں آنے دیتی اور نہ ان کے کان کسی حق بات کی طرف التفات کرتے ہیں اور نہ ان کی آنکھیں کسی امر حق کو دیکھنا چاہتی ہیں ایسے لوگوں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔

قدوة الاولیاء امام حسن بصریؒ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ختم اور غشاوہ (مہر اور پردہ) ظاہر اور حقیقت پر محمول ہے کافروں کے دلوں پر حقیقت ایک مہر ہے اور حقیقت انکی آنکھوں پر ایک پردہ ہے جو مجہول الکلیفیت ہے اور ہماری نگاہوں سے مستور ہے۔ اللہ کے فرشتے اس ختم اور غشاوہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی مہر اور پردہ کو دیکھ کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان پر لعنت کرتے ہیں جس طرح قلوب مؤمنین پر نقش ایمان لکھا ہوا دیکھ کر ان کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں کما قال تعالیٰ **أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ** یہی لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے پس جس طرح مؤمنین کے دلوں پر ایمان کی کتابت حقیقت ہے اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ بھی حقیقت ہے اگرچہ کتابت ایمان کی طرح اس کی کیفیت مجہول ہے ملائکہ اللہ جس طرح قلوب مؤمنین پر کتابت ایمان کا حسنا اور عیاناً مشاہدہ کرتے ہیں اسی طرح وہ قلوب کافرین پر مہر اور ان کی ابصار پر پردہ کا بھی حقیقتاً معائنہ کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۹ ج ۱)

و اخرج البزار والبيهقي في
الشعب وضعفه عن ابن عمر
عن النبي صلى الله عليه وسلم
قال الطابع معلق بقائمة العرش
فاذا انتهكت الحرمه وعمل
بالمعاصي واجترأ على الله بعث
الله الطابع فطبع على قلبه
فلا يقبل بعد ذلك شيئاً
(تفسیر در منثور ص ۲۳۸) تفسیر سورۃ
نساء تحت تفسیر قوله تعالى

امام بزار اور امام بیہقی شعب الایمان
میں عبد اللہ بن عمرؓ سے راوی ہیں اور
امام بیہقی نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے
کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
مہر لگانے والا فرشتہ عرش کا پایا پکڑے
کھڑا رہتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے
حکم کی بجمرتی کرتا ہے اور کھلم کھلا اس
کی نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ
کے مقابلہ میں گستاخ اور دیر ہو جاتا ہے
تو اللہ تعالیٰ اس مہر لگانے والے فرشتے

بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا
يَكْفُرُ بِهِمْ

کو حکم دیتے ہیں وہ فوراً اس گستاخ
اور بیباک کے دل پر مہر لگا دیتا ہے
جس کے بعد وہ کسی حق کو قبول نہیں کرتا۔
(تفسیر درمنثور ص ۲۳۸ ج ۲)

اور احادیث صحیحہ اس معنی کی تائید کرتی ہیں چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے
قلب پر لگ جاتا ہے پس اگر توبہ کر لی اور اس گناہ سے باز آ گیا تو دل کو صیقل کر دیا جاتا ہے اور اگر
کوئی اور گناہ کیا تو وہ نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے اور یہی وہ رین
(زنک) ہے جس کی حق تعالیٰ نے کَلَّا بَلْ دَسَّانَ عَلَيَّ قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ میں
نمبر دی ہے۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔

پس جس طرح ہم ظاہری سیاہی اور سفیدی اور زنک کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس سے
ہمیں زائد ملائکہ اللہ قلوب بنی آدم کی سیاہی اور سفیدی اور زنک کا معائنہ کرتے ہیں مجاہد فرماتے
ہیں کہ رین یعنی زنک کا درجہ ختم اور طبع سے کم ہے۔ اور ختم اور طبع کا درجہ۔ اقبال سے کم ہے
اور اقبال سب سے زائد سخت ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ عَلَيَّ قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا كَمَا
ان کے دلوں پر قفل ہیں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث رین اور مجاہد کا قول اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں جس ختم
کا ذکر ہے وہ امر حقیقی ہے تفسیر قرطبی ص ۱۸۸ ج ۱۔

عبداللہ بن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے
یہ ارشاد فرمایا کہ بندہ جب جھوٹ بولتا
ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے
فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

عن ابن عمر قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم اذا
كذب العبد تباعد عنه
الملاك ميلا من نتن
ما جاء به رواه الترمذی۔

حضرت جابر راوی ہیں کہ ہم ایک سفر میں

و عن جابر قال كنا مع النبي

لے امام قرطبی حدیث رین کو نقل کر کے فرماتے ہیں قلت وفي قول مجاهد هذا - وقوله عليه السلام ان في الجسد مضغة
اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب - دليل
على ان الختم يكون حقيقيا والله اعلم تفسیر قرطبی ص ۱۸۸ ج ۱۔

صلی اللہ علیہ وسلم فارقت
ریح منتنة فقال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اترت
ما هذه الريح هذه ریح
الذين یغتربون المؤمنین

رواہ احمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے
ایک ایک ایک بدبو اٹھی آپ نے ارشاد
فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے پھر فرمایا
یہ بدبو ان لوگوں کے منہ سے آرہی ہے
جو اس وقت مسلمانوں کی غیبت کر
رہے ہیں۔ (مسند احمد)

ہم اگر تصور بصیرت کی وجہ سے کذب اور غیبت کے رائج کر دیں اور اس کی بدبو کا احساس نہ کر سکیں
تو ہمارا یہ عدم احساس محاذ اللہ۔ ملائکہ مکرمین اور انبیاء و مرسلین کے عدم احساس کی ہرگز ہرگز دلیل نہیں بن
سکتا۔

اسی طرح اگر ہم اپنی در ماندہ اور قاصر بصیرت سے قلوب کافرین کی ہر اور ان کی آنکھوں کا پردہ نہ دیکھ
سکیں۔ تو ملائکہ اللہ کے نہ دیکھنے کی کیسے دلیل ہو سکتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ
امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ختم اور طبع حق جل شانہ کی جانب سے ابتداء نہ تھا بلکہ ان کے اعراض
اور استکبار اور تکذیب اور انکار کی یاد اس اور سزا میں تھا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

پس بسبب ان کے عہد توڑ دینے اور
آیات الہی کے انکار کر دینے اور انبیاء
کو دیدہ و دانستہ ناحق قتل کرنے کی وجہ
سے کہ ہمارے دل پردہ میں ہیں۔ اللہ نے
ان کے دلوں پر ان کے کفر اور عناد کی وجہ
سے ہر لگادی پس یہ لوگ ایمان نہیں
لائیں گے مگر ان میں کے بہت تھوڑے۔
پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی اور
حق سے انحراف کیا تو اللہ نے ان کے دلوں
کو بالکلیہ حق سے پھیر دیا اور اللہ نہیں
توفیق دیتا حد سے نکلنے والوں کو۔

فَمَا نَقْضِهِمْ قِيْلًا قَهُمْ
وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ
وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بَغْيٌ حَقٌّ
وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ
طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا

وقال تعالى فَلَمَّا زَاخُوا
أَزَاخَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفَاسِقِينَ۔

وقال تعالى وَ لَقَدْ أَفْضَدْتَهُمْ وَ أَبْصَرْتَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ نَذَرْتَهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔
آیات مذکورہ میں اس امر کی تصریح ہے کہ اللہ کی جانب سے یہ ختم اور طبع ان کے نقض میثاق

اور قتل انبیاء اللہ اور ذلیف اور انحراف کی پاداش اور سزا تھی ان کی دیدہ دلیری اور علی الاعلان نافرمانی کی ان کو یہ سزا ملی کہ ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم کر دیئے گئے اور مہر لگا کر ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہی سلب کر لی گئی۔ اور معرفت اور ہدایت کی سب راہیں ان پر بند کر دی گئیں اب وہ نہ حق کی باتوں کو سمجھ سکیں گے اور نہ سُن سکیں گے۔ اور نہ دیکھ سکیں گے اس لیے اب اکوڑانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے۔

اور اگر بالفرض حق تعالیٰ جل شانہ ابتداء ہی کسی کے دل پر مہر لگا دیں اور اپنی توفیق اور ہدایت سے محروم کر دیں تب بھی ذرا برابر کوئی ظلم نہیں جیسا کہ عطار بن ابی رباح سے منقول ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے یہ سوال کیا کہ اگر حق تعالیٰ مجھ سے اپنی ہدایت کو روک لیں اور گمراہی اور ہلاکت کو میرے لیے مقدر فرما دیں تو کیا یہ ظلم نہ ہو گا حضرت ابن عباسؓ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیری کسی مملوک شئی کو روک لیا ہے تو بے شک تجھ پر ظلم کیا اور اگر خدا نے اپنی مملوک شئی کو روک لیا ہے تو وہ اس کی ملک ہے اس کو اختیار ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ وَقَالَ تَعَالَى قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

اسی طرح ہدایت بھی اس کی ملک ہے اور اسکی رحمت ہے جس سے اپنے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو نوازتا ہے اور متکبرین اور سرکشوں کو اس سے محروم کرتا ہے۔ (کتاب الحجرتین للمحافظ ابن القيم ص ۹۹)

حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے لوگوں کو مختلف الاستعداد بنایا کسی کو غبی اور کسی کو ذکی کسی کو خوبصورت اور کسی کو بد صورت کسی کو بینا اور کسی کو نابینا۔ کسی کو صحیح سالم تندرست اور کسی کو معذور اور اپاہج اور گونگا اور بہرا۔ جس کسی کو جو کمال اور خوبی عطا کی وہ محض اسکا فضل ہے اس پر کسی کا کوئی حق اور قرضہ نہیں اور جس کو نہیں دیا اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اسی طرح اس نے اپنی قدرت اور حکمت بالغہ سے کسی کی طینت میں تکبر اور عصیان اور اباہ اور سرکشی کی استعداد رکھی اور کسی کی فطرت میں اطاعت اور فرمانبرداری کی استعداد رکھی اور اپنے احکام کو ان استعدادوں کے ظہور کا ذریعہ بنایا حکم کے بعد استعدادوں کا ظہور ہوا۔ جس میں عصیان اور اباہ کی استعداد تھی اس نے نافرمانی کی اور جس میں اطاعت اور فرمانبرداری کی استعداد تھی وہ حکم خداوندی سنتے ہی سر بسجود ہو گیا۔ جیسے بیج میں برگ و بار سب نہاں ہوتے ہیں اور جب وقت آتا ہے تو سب باہر نکل آتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اس نے بندوں کو مختلف الاستعداد کیوں بنایا سو یہ سوال بالکل بھل ہے وہ مالک مطلق اور فَاعَالٍ لَّمَّا يُرِيدُ ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
 زباں تازہ کردن باقرار تو بینگختن علت از کار تو
 حق تعالیٰ نے جس زمین کو چاہا ایسا شور بنایا کہ جو تخم اس میں ڈالا جائے وہ سوخت ہو جائے
 اور کسی زمین کو مرغزار اور لالہ زار بنایا کوئی فلسفی اور سائنس دان اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا کہ
 خدا تعالیٰ نے زمین کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں یہ فرق کیوں رکھا وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ
 نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكَبًا ۝۷
 ایں زمین پاک و آں شور است و بد
 ہر دو گوں ز بنور خوردند از محل
 ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب
 ہر دو نے خوردند از یک آب خورد
 صد ہزاراں ایں چنین اشباہ ہیں
 ایں خورد گردد پلیدی ز وجہ جدا
 ایں فرشتہ پاک و آں دیوست و دود
 یک شد زان نیش و زان دیگر غسل
 زیں یکے سرگین شد و زان مشکاب
 آں یکے خالی و آں پر از شکر
 فرق شال ہفتاد سالہ راہ ہیں
 و اں خورد گردد ہمہ نور خدا

لطائف و معارف

۱۔ (قلب) :- لغت میں اس صنوبری گوشت کے ٹکڑے کا نام ہے جو سینہ کے بائیں جانب ایک
 خالی جگہ میں رکھا ہوا ہے اور یہی مضغہ لحم۔ روح حیوانی کا منبع اور سرچشمہ ہے اسی میں روح حیوانی پیدا ہوتی
 ہے جسکے وجود پر بدن کی حس و حرکت موقوف ہے اور جو شرائین کے ذریعہ تمام اعضاء میں پہنچتی
 ہے مگر اصطلاح شرح میں اس لطیفہ ربانی کو قلب کہتے ہیں جو اس مضغہ لحم میں من جانب اللہ رکھا ہوا
 ہے اور انسان کی انسانیت اسی سے قائم ہے اور اسی کی وجہ سے احکام شرعیہ کا مکلف اور مخاطب
 بننا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ
 قَلْبٌ اَوْ اَلْفَى السَّمْعَ وَ هُوَ سَهِيْدٌ اور اسی لطیفہ ربانی کو قرآن کریم میں کہیں نفس سے
 تعبیر کیا گیا ہے۔

کما قال تعالیٰ۔ وَ نَفْسٍ رَّوَّاهَا فَالْتَهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوَاهَا۔ اور کبھی روح کے
 ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ قُلِ الشُّرُوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ
 مِنْ رُّوْحِیْ۔ اس قسم کی آیات میں روح سے وہی لطیفہ انسانی مراد ہے انسان کا بدن عالم خلق
 سے ہے اور یہ لطیفہ انسانی عالم امر سے ہے اور الہام نیردانی کا محل اور مورد ہے اس لطیفہ پر جب
 مہر لگ گئی تو استدلال اور کشف اور الہام کے سبب دروازے بند ہو گئے۔

۲۔ (سمیع) :- سمیع کے معنی کان کے ہیں جو ایک عضو ہے اور کبھی اس کا اطلاق قوت سامعہ پر بھی آتا ہے آیت میں یہی معنی مراد ہیں اس قوت پر جب مہر لگ گئی تو کان کے ذریعہ سے جو ہدایت دل تک پہنچ جاتی تھی اسکا دروازہ بند کیا ۔

(۳۶) (البصار): - جمع بصر کی ہے آنکھ کی روشنی کو بصر کہتے ہیں۔ جس طرح دل کی روشنی کو بصیرت کہتے ہیں۔

(۴۷) (ختم اور غشاوہ) : ختم کے معنی مہر کرنا تا کہ وہ چیز بند ہو جائے اور چیزیں باہر سے اندر کی طرف نہ پہنچ سکیں۔ اور غشاوہ پردہ کو کہتے ہیں آنکھ پر غشاوہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ پردہ آنکھ کی شعاع کو باہر سے روک دے۔

(۵)۔ معتزلہ کا گمان یہ ہے کہ کسی کے دل پر مہر لگا دینا ایک امر قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قبیح سے پاک اور منزہ ہے اس لیے معتزلہ قرآن کریم کے اس قسم کی تمام آیتوں کی تاویل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ختم اور طبع کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف اسناد مجازی ہے۔ اہل حق کہتے ہیں کہ یہ اسناد حقیقی ہے قلوب بنی آدم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے قلوب کو پلٹیں دیتا رہتا ہے۔ اور پھر تار ہوتا ہے کبھی خیر کی طرف اور کبھی شر کی طرف کما قال تعالیٰ -
وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَعَنُوا مِنْنَا بِأَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَنذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ اس قسم کی آیات سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تمام قلوب اس کی انگلیوں میں ہیں قلوب کی ہدایت اور ضلالت اور ان کی سعادت اور شقاوت اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے بغیر اس کی تو فنیق اور عنایت کے ایمان اور ہدایت ممکن نہیں۔ یُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَدَىٰ وَقَلْبِهِ۔

تمام کائنات اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اسی نے اپنی قدرت سے ان کو عدم کے پردہ سے نکال کر وجود کی مسند پر بٹھلایا ہے لہذا یہ ناممکن ہے کہ عالم کا کوئی ذرہ بدوں اس کے ارادہ اور مشیت کے حرکت کر سکے ایمان اور ہدایت کفر اور ضلالت سب اسی کی مخلوق ہیں تخلیق و تکوین کے اعتبار سے ہر چیز کی اسناد اس کی طرف ہوگی۔ اور اسناد حقیقی ہوگی۔

البتہ کسب اور حصول کے اعتبار سے بندوں کی طرف اسناد ہو سکتی ہے چونکہ یہ ختم اور غشیہ بندوں کے اختیاری تمرد اور سرکشی کا نتیجہ اور اس کی سزا ہے اس لیے متمردين اور معاندین کے تفتیح اور تشنیع کے لیے اسکو ذکر کیا لہذا مورد مذمت اور مستحق ملامت صرف وہی لوگ ہوں گے جو ان غشیہ استعدادوں کے ظرف اور محل ہیں مذہب اور سنکھیہ کا پیدا کرنا تو کمال ہے مگر اسکا استحصال قبیح اور مذموم

ہے اسی طرح روحانی زہر (کفر و ضلالت) اور روحانی تریاق (ایمان و ہدایت) کو پیدا کرنا تو کمال ہی کمال ہے مگر اس کو اپنے اختیار سے استعمال کرنے کا حکم دوسرا ہے زمین اچھی ہو یا بُری۔ شور اور بنجر ہو یا گلزار اور مرغزار ہو پیدا کرنا تو دونوں ہی کا حکمت ہے مگر برائی کیساتھ شور اور بنجر زمین ہی کو موصوف کیا جائے گا۔ پیدا کرنے والا تو ہر حال میں قابل حمد و ستائش و لائق صد آفرین و تحسین ہے۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَجَسًا۔ جس زمین کو حق تعالیٰ نے شور اور بنجر بنایا اور انبات کی صلاحیتوں سے اسے محروم کر دیا تو خداوند ذوالجلال نے زمین کے اس ٹکڑے پر کوئی ظلم نہیں کیا، اسی طرح خداوند علیم و حکیم نے اگر کسی کے دل پر مہر لگا کر اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر اس کی زمین قلب کو ہدایت کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا تو کوئی ظلم نہیں کیا اہل حق کہتے ہیں کہ یہ ختم اور غشاوہ۔ اُن کی سرکشی اور عناد کی سزا ہے یہ مہر اُن کو کفر پر مجبور نہیں کرتی اس مہر کا توڑ نا ان کے اختیار میں ہے حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں ابھی مہر ٹوٹتی ہے۔

حق جل شانہ نے گمراہی کے قفل پیدا کیے اور کافروں کے دلوں پر ڈال دیئے۔ کما قال تعالیٰ اَهْرِ عَلَىٰ قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا۔ مگر اس علیم و حکیم نے ان قفلوں کے کھولنے کے لیے مفاتیح (کنجیاں) بھی پیدا کیں تاکہ اگر کوئی قفل ضلالت کو کھولنا چاہے تو کلید ہدایت اور مفتاح سعادت اس کے ہاتھ میں ہے اس سے بسہولت قفل کھل سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی بدنصیب کنجی کا استعمال نہ کرے تو قفل خود بخود تو کھلنے سے رہا۔

(۶) امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ کفر اور کافروں کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کو ذاتی عداوت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اس حق جل و علا کے بالذات دشمن ہیں۔ اسی وجہ سے انکا عذاب دائمی ہے اور ان کی مغفرت ناممکن ہے اس لیے کہ صفت رافت و رحمت جو کہ صفات افعال میں سے ہے وہ ذاتی غضب اور ذاتی عداوت کے مقتضا کو ہرگز نہیں بدل سکتی۔ ایک صفت فعل کا مقتضا دوسری صفت فعل کے مقتضا سے متغیر اور متبدل ہو سکتا ہے مثلاً صفت احیاء سے صفت امانۃ کا مقتضا بدل سکتا ہے مگر مقتضائے ذات مقتضائے فعل سے نہیں بدل سکتا۔ اس لیے کہ اقتضائے ذاتی بلاشبہ اقتضائے فعلی اور اقتضائے صفاتی سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس لیے قیامت میں کافروں کو اس کی صفت رافت و رحمت سے کوئی حصہ نہ ملے گا۔ کیونکہ وہ اس وحدۃ لا شریک لہ کے بالذات دشمن ہیں اور حدیث قدسی میں جو سبقت (رحمتی علی غضبی)۔ (میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے) وارد ہوا ہے۔ اس سے ذاتی غضب مراد نہیں جو کفار و مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے۔ بلکہ صفاتی اور فعلی غضب مراد ہے جو گنہگار مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے عصاة مؤمنین (گنہگار مؤمنین) کے ساتھ ذاتی عداوت اور ذاتی

غضب متعلق نہیں مومنین مذنبین کے حق میں جو عقاب اور عتاب بھی آیا ہے وہ ان کے افعال سیئہ کی طرف راجع ہے بلکہ گنہگاروں کے ساتھ ایمان کی وجہ سے ذاتی محبت متعلق ہے اور اسی ذاتی محبت کی وجہ سے اہل ایمان جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور گناہوں کی وجہ سے جو صفاتی اور فعلی غضب ان سے متعلق ہو گیا ہے۔ اسکی وجہ سے چند روز عذاب میں رہیں گے اور پھر اسکے بعد ہمیشہ ہمیشہ روح و روحان اور نعیم مقیم میں رہیں گے۔ رہا یہ سوال کہ کافر کیلئے آخرت میں تو رحمت سے کوئی حصہ نہیں مگر دنیا میں بھی کیا اسکے لیے کوئی رحمت ہے یا نہیں جواب یہ ہے کہ دنیا میں کافر کے لیے کسی رحمت کا حاصل ہونا نقطہ ظاہر اور صورت کے لحاظ سے ہے ورنہ حقیقت میں وہ استدراج اور کید متین ہے اور دار آخرت کی طرح دار دنیا میں بھی کفار سے ذاتی عداوت اور ذاتی غضب رحمت کے فیضان سے مانع ہے۔ کما قال تعالیٰ

کیا یہ کافر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مال اور اولاد سے امداد کیے جا رہے ہیں تو انکے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ یہ استدراج ہے ہم بتدریج انکو جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ایسی طرح سے کہ ان کو معلوم بھی نہیں۔ اور انکو ڈھیل دے رہا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بہت مضبوط ہے۔

اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ
مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ
فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا
يَشْعُرُونَ
وَقَالَ تَعَالَى سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ
لَا يَعْلمُونَ وَ اُمْلِي لَهُمُ
الْاَسْفَلَ كَيْلًا مَّتِيْنًا ۝

✽ ✽ ✽
✽ ✽ ✽

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

اور ایک لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں ہم یقین لائے اللہ پر اور

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يَخْدَعُوْنَ

پچھلے دن پر اور ان کو یقین نہیں دغا بازی کرتے

اللّٰهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا

ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور کسی کو دغا نہیں دیتے مگر

اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِیْ قُلُوْبِهِمْ

آپ کو اور نہیں بوجھتے ان کے دل میں

مَرَضٌ ۚ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ

آزار ہے پھر زیادہ دیا ہم نے ان کو آزار اور ان کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ يَمَّا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝۱۰ وَإِذَا قِيلَ

دکھ کی مار ہے اس پر کہ وہ جھوٹ کہتے تھے اور جب کہنے

لَهُمْ لَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں کہیں ہمارا کام تو

مُصْلِحُونَ ۝۱۱ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ

سنوارنا ہے سن رکھو وہی ہیں بگاڑنے والے پر نہیں

لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۲ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ

سمجھنے اور جب کہئے ان کو ایمان میں آؤ جس

النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۚ أَلَا

طرح ایمان میں آئے سب لوگ کہیں کیا ہم اس طرح مسلمان ہوں جیسے مسلمان بیوقوف سنا ہے

إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۳ وَإِذَا الْقَوَا

وہی ہیں بیوقوف پر نہیں جانتے اور جب ملاقات

الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَا إِلَىٰ شَٰطِئِنِهِمُ

کریں مسلمانوں سے کہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب اکیلے جاویں اپنے شیطانوں

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ ۝۱۴ أَلَا اللَّهُ

پاس کہیں ہم ساتھ ہیں تمہارے ہم تو ہنسی کرتے ہیں اللہ

يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝۱۵

ہنسی کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے انکو انکی شرارت میں بہکے ہوئے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ

وہی ہیں جنہوں نے خرید لی راہ کے بدلے گمراہی سو نفع نہ لائی

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾

ان کی سوداگری اور نہ راہ پائی۔

قبائح منافقین

قَالَ تَعَالٰی وَهِنَّ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ... اَلے... وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔

رابط | ابتداء سورۃ میں حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح فرمائی جنہوں نے دل سے اللہ کی کتاب اور اس کے دین کو مانا اور زبان سے اسکا اقرار کیا۔ یہ اقیانہ کا گروہ تھا بعد میں اشیقار کا حال ذکر کیا۔ اشیقار میں دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ وہ تھا جو دل اور زبان دونوں سے منکر تھے۔ ان کا ذکر ہو چکا۔ اب آئندہ آیات میں اشیقار کے دوسرے گروہ کا ذکر ہے جو کسی دباؤ اور مصلحت کی بناء پر زبان سے تو مانتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے۔ ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں منافق کہتے ہیں۔ کافروں میں سب سے بدتر یہی فرقہ ہے کہ جس نے کفر کے ساتھ جھوٹ کو جمع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اوس اور خزرج کے اکثر قبائل سچے دل سے اسلام میں داخل ہو گئے مگر بعض قبائل جو یہود سے تعلق رکھتے تھے وہ اسلام کی قوت اور شوکت کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان بنے تاکہ انکے جان و مال اور اہل و عیال محفوظ رہیں مگر اندرونی طور پر یہود اور مشرکین کے ساتھ رہے اللہ تعالیٰ نے انکے بارہ میں یہ آیتیں نازل کیں اور ان آیتوں میں منافقین کے اخلاق ذمہ اور افعال قبیحہ کو بیان کیا۔

پہلی قباحت

یہ ہے کہ وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور تعجب ہے کہ بعضے لوگ باوجود انسان ہونے کے ایسے کبدینہ اور کج فہم ہیں کہ محض زبان سے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر حالانکہ وہ کسی درجہ میں بھی مؤمنین نہیں یعنی اللہ اور یوم آخرت کی

کیا تخصیص وہ تو کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ ان کی ذوات کو ایمان اور اہل ایمان سے ذرہ برابر الصاق اور اتصال نہیں۔ الحاق اور اتصاف کا تو ذکر ہی فضول ہے۔

خاص اللہ اور یوم آخرت کو ذکر کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ سلسلہ ایمان بالغیب میں سب سے زائد مہتمم بالشان اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا ہے یا یہ وجہ ہے کہ بعض مرتبہ کسی سلسلہ کی پہلی اور آخری چیز کا ذکر کر دیتے ہیں اور مقصود استیعاب اور احاطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم اہل ایمان کی طرح اول سے آخر تک تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور سلسلہ ایمان کو اول سے آخر تک پکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکے جواب میں فرماتے ہیں۔ یُخَذِّعُونَ اللہَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْذَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ۔ یہ منافقین اپنے زعم میں اللہ اور مومنین سے فریب اور دھوکہ کرتے ہیں۔ حالانکہ نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے نفسوں کو اس لیے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ ہیں۔ ان سے کوئی شے مخفی نہیں اور مومنین کو بذریعہ وحی انکی دغا بازی کی اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ ان کے اس فریب سے اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اللہ انہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ف انما دعوت مفاعلت کا وزن ہونے کی وجہ سے مشارکت کو مقتضی ہے۔ سو منافقین کی طرف سے تو خداع اور مکر ظاہر ہے مگر حق جل شانہ کی طرف سے ان پر ظاہر احکام اسلام کا جاری ہونا یا دنیوی نعمتیں دیکر استیلاج اور امہال میں مبتلا کرنا یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خداع ہے۔ کہ ظاہر میں تواغزاز اور اکرام ہے اور درپردہ ارادۂ تذلیل و تحقیر ہے۔ وَمَا يَشْعُرُونَ۔ یعنی یہ منافقین اس قدر احمق اور بدحواس ہیں کہ اس امر کا ذرہ برابر احساس نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ پر کسی کا کوئی فریب اور دھوکہ کسی طرح نہیں چل سکتا۔

فائدہ (۱) اگر زبان سے اسلام اور ایمان کا اقرار ہو اور دل میں انکار ہو تو یہ اعتقادی نفاق کہلاتا ہے اور اگر دل میں بھی اقرار ہو مگر اعمال اسلام کے پورے مطابق نہ ہوں تو یہ عملی نفاق کہلاتا ہے اس سے کافر نہیں ہوتا اگر حال حال کے مطابق نہ ہو تو سلف صالحین اس کو بھی نفاق کہتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ عبد اللہ بن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کو پایا کہ ہر ایک اپنے نفس پر نفاق سے ڈرتا تھا۔ حضرت صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ ذرا قلب کی نورانیت میں فرق پایا تو اس کو نفاق سمجھتے تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپؐ حضوری میں قلب کی جو حالت ہوتی ہے وہ اہل وعیال میں جا کر نہیں رہتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ حالت ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اگر ہمیشہ یہی حالت رہتی تو گلی کو چوں میں اور بستروں پر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

۱۲ لفظ الصاق سے مومنین کے بار کے ترجمہ کی طرف اشارہ ہے فان البار للالصاق ۱۲

(۲) جاننا چاہئے کہ شیعوں کا تقیہ بھی کھلا ہوا نفاق ہے۔ اگرچہ وہ اس کو ایمان کہیں کما قالوا اَلَا لَا اِيْمَان لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ۔ اور کیوں نہیں منافق تو اپنے نفاق کو ایمان اور اخلاص ہی سمجھتا ہے۔

(۳) تفسیر ابن کثیر میں امام مالک سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں ملحد اور زندیق حکم میں منافق کے ہے انتہی۔

(تشریح) جو شخص شریعت کے الفاظ تو بجا رکھے مگر معنی ایسے بیان کرے جس سے اسکی حقیقت ہی مل جائے ایسے شخص کو قرآن کی اصطلاح میں ملحد اور حدیث کی اصطلاح میں زندیق کہتے ہیں ایسا شخص دعویٰ تو اسلام کا کرتا ہے مگر دل میں کفر مضمر ہے اور آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں تاویلات فاسدہ کر کے مسلمانوں کو دھوکا دیتا ہے وجہ یہ ہے کہ دل میں زیغ اور کجی کی بیماری ہے جو اس کو تاویلات فاسدہ پر آمادہ کرتی ہے اور جتنی تاویلات فاسدہ زیادہ کرتے جاتے ہیں اتنی ہی انکی دل کی بیماری میں زیادتی ہوتی جاتی ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے۔

اور ان منافقین کا اپنے نفسوں کو دھوکہ اور فریب دینا بالکل ظاہر ہے مگر ان کو اس لیے ظاہر نہیں ہوتا کہ فی قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَ اللَّهُ مَرَضًا۔ انکے دلوں میں ایک خاص قسم کا مرض ہے جس سے ان کی قوت ادراکیہ ماؤف ہو چکی ہے اور یہ کتاب بلاشبہ پیغام شفاء اور نسخہ ہدایت تھی۔ اگر دلوں کو بغض اور عناد سے صاف کر کے اس نسخہ شفا کو استعمال کرتے تو شفا یاب ہو جاتے۔ مگر اس کتاب ہدایت کے ساتھ ان کا بغض اور عناد زیادتی مرض کا سبب بن گیا۔ پس اللہ نے انکے مرض کو اور بڑھایا۔ جو عضو اور جو حاسہ جس غرض اور جس مقصد کے لیے وضع کیا گیا ہے اس حاسہ سے اس غرض کے نہ حاصل ہونے کا نام مرض ہے۔ زبان کے حق میں نطق اور گویائی اور آنکھ کے حق میں نظر اور بینائی کا۔ اور جسم کے حق میں گرفت اور احساس کا دشوار ہو جانا یہ زبان اور آنکھ اور جسم کا مرض ہے علیٰ ہذا قلب کے حق میں اللہ جل جلالہ کی معرفت اور اسکی محبت اور اسکی اطاعت کا دشوار ہو جانا کہ جس کے لیے یہ پیدا کیا گیا ہے۔ یہ قلب کا مرض ہے۔

ہرچہ جز عشق خدا ہے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کنون است
حالت مرض میں مرغ تلخ اور بہتر سے بہتر غذا بھی مفید نہیں ہوتی بلکہ اور مرض اور بیماری میں قوت اور شدت پیدا کر دیتی ہے۔ ط

ہرچہ گیرد علتی علت بود
اول ازالہ مرض کی فکر چاہئے اسکے بعد مناسب غذا دیجائے۔ اسی طرح باطنی اور روحانی مرض کو ایمان و ہدایت کی تلقین کوئی نفع نہیں دیتی بلکہ اور مرض میں اضافہ کر دیتی ہے۔

جو شخص صفراء کے مرض میں مبتلا ہے اس کو قند اور نبات بھی تلخ معلوم ہوتی ہے اور قند اور نبات کے استعمال سے اس کا صفرا اور زیادہ ہو جاتا ہے

وَمَنْ يَلِكْ ذَافِعٌ مُرٍّ مَرِيضٌ يَجِدُ مُرَّابِهِ الْمَاءَ الزَّلَّالَ

جس کے منہ کا مزہ تلخ ہو اس کو آب زلال بھی تلخ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کفر اور نفاق کے مرض میں مبتلا ہو اس کو ایمان کی حلاوت اور شیرینی کہاں محسوس ہو سکتی ہے۔ کفر اور نفاق کے صفراء نے اس کی قوت ذائقہ کو تلخ بنا دیا ہے اس لیے اس کو ایمان اور ہدایت کی حلاوت محسوس نہیں ہوتی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک آزار یہ تھا کہ جس دین کو دل نہ چاہتا تھا ناچار قبول کرنا پڑا اور دوسرا آزار اللہ نے زیادہ دیا کہ حکم کیا جہاد کا جن کے غیر خواہ تھے۔ ان سے لڑنا پڑا۔ (موضح القرآن) وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ دعوائے ایمان میں جھوٹ بولتے تھے۔ اور پھر طرفہ یہ کہ اس جھوٹ کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ مردوں کی طرح اپنے عقیدہ کو کھول کر نہیں بیان کرتے۔ عورتوں کی طرح ڈرتے ہیں اسی وجہ سے منافق کھلے کافر سے بدتر ہے۔ اس لیے کہ کافر فقط کفر کرتا ہے مگر جھوٹ تو نہیں بولتا۔ اور نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے بخلاف منافق کے کہ وہ کفر بھی کرتا ہے اور زبان سے جھوٹ بھی بولتا ہے۔ کہ مسلمان ہوں اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو منافق تھا وہ اس زمانہ میں زندیق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یعنی زندیق وہ ہے جو منافقوں کی طرح دعویٰ تو اسلام کا کرے مگر دل میں کفر مضمر ہو۔

منافقین کی دوسری قباحت

قال تعالیٰ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ إِلَى وَلَكِنْ لَا يَسْتَعِزُّونَ ۔ اور یہ منافقین اپنے باطنی مرض کی وجہ سے اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں کہ فساد کو صلاح اور صلاح کو فساد اور مرض کو صحت سمجھنے لگے ہیں۔ کیونکہ جب اسے یہ کہا جائے کہ زمین میں فساد مت کرو تو یہ کہتے ہیں کہ جزا میں نیست کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ منافقین کئی طرح سے فساد پھیلاتے تھے کبھی مسلمانوں کے راز فاش کرتے کبھی کافروں کو مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کرتے اور کبھی کافروں کے اعتراضات ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تاکہ وہ مذہب اور متزلزل ہو جائیں ان سب کو حق تعالیٰ نے فساد سے تعبیر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں نفاق خواہ دین کا ہو یا دنیا کا خود ایک مستقل فساد ہے۔ دو رویہ ہونے سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں۔ ایسا شخص ہمیشہ فساد

پھیلاتا ہے اور کسی کا خیر خواہ نہیں ہوتا۔ مسلمان جب ان کو اس قسم کے فسادوں سے منع کرتے تو جواب میں یہ کہتے کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ۔ جزایں نیست کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ سب شیر و شکر ہو جائیں۔ آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ نئے دین کی وجہ سے جو جھگڑا اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کے در پے قتل و غارت اور ایذا اور ہتک حرمت ہو گیا ہے وہ سب یک لخت ختم ہو جائے اور ملک اور ملت پہلی حالت پر لوٹ آئے اور سلسلہ معاش و تجارت حسب سابق جاری ہو جائے۔ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلَا اِنَّهُمْ الْمُفْسِدُونَ اَکَاہُ ہو جاؤ کہ یقیناً یہی لوگ مفسد ہیں۔ کہ کفر اور ایمان اور شرک اور توحید کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور جس کفر و شرک کے فتنہ اور فساد کی اصلاح کے لیے حق تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے یہ فتنہ پر داز۔ پھر اسی فساد کو دوبارہ اپنی جگہ پر لانا چاہتے ہیں۔ اور لیکن قلبی مرض کی وجہ سے ان کا باطنی احساس اس درجہ مختل ہو گیا ہے کہ اصلاح اور فساد کے فرق کو بھی محسوس نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ دین حق فتنہ نہیں بلکہ کفر اور شرک ہی فتنہ اور فساد ہے۔ اسی کے مٹانے اور اسی کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء مبعوث ہوئے اور کفر اور شرک ہی کے فتنہ کے استیصال کے لیے جہاد و قتال کرنا عین اصلاح ہے۔ جہاد کو فساد بتانا یہی فتنہ اور فساد ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

کافروں سے قتال و جہاد کرو یہاں تک کہ کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

لوگ آپس سے ماہ حرام میں قتال کرنے کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ماہ محرم میں ابتداءً قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو تنگ اور پریشان کرنے کا لانا ماہ حرام میں قتال کرنے کے جرم سے کہیں زیادہ ہے۔ اور کفر اور شرک کا فتنہ قتل و غارتگری کے فتنہ سے بہت بڑا ہے۔

وَ قَاتِلُوهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ۔

و قال تعالیٰ یَسْأَلُونَکَ عَنِ الشَّہْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ کُفْرٌ بِہِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَہْلِہِ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔

اگر کسی مریض کا ہاتھ گل یا مڑ گیا ہو تو اس عضو کا کاٹ دینا اور اس کا داغ دے دینا ہی حاذق طبیب کے نزدیک اصلاح ہے۔ ورنہ اگر اس عضو کو قطع نہ کیا گیا تو تمام بدن کے خراب ہونے کا

اندیشہ ہے۔ اسی طرح سے اگر اعداء اللہ سے جہاد و قتال نہ کیا جائے تو روحانی طور پر تمام عالم کے خراب ہونے کا اندیشہ بلکہ ظن غالب ہے۔ اب آئندہ آیت میں ان کی بے شعوری کی ایک دلیل بیان فرماتے ہیں کہ وہ اہل عقل اور حق تعالیٰ کا اتباع کرنے والوں کو بے وقوف اور احمق سمجھتے ہیں۔

یہی حال ملاحدہ اور زنادقہ کا ہے کہ آیات اور احادیث میں تاویلات فاسدہ کر کے مسلمانوں کو فتنہ اور فساد میں ڈالتے ہیں اور بے عقلی سے اس فساد کو اصلاح سمجھتے ہیں۔

منافقین کی تیسری قباحت

قال تعالى وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ... إلخ... أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ جیسا کہ ایمان لائے وہ لوگ جو حقیقتہً انسان اور آدمی ہیں۔ انسان حقیقت میں وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر اخلاص کے ساتھ ایمان رکھنا ہو ورنہ وہ شخص نہ ابن آدم بل غلاف آدمی کا مصداق ہے۔ ناس سے اس جگہ مطلقاً صحابہ کرام مراد ہیں یا علماء بنی اسرائیل مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اور تاریخ ابن عساکر میں ابن عباسؓ سے کہا آمَنَ النَّاسُ کی تفسیر اس طرح منقول ہے۔ کہا آمَنَ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ اور ان چار کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ ایمان وہی معتبر ہے جو خلفائے راشدین کے منہاج اور منوال پر ہو اور کہا آمَنَ النَّاسُ کے لفظ سے اس طفرہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور تصدیق اسی قسم کی معتبر ہے جس قسم کی صحابہ کرام اور خلفاء راشدین نے تصدیق کی۔ ورنہ جو شخص ملائکہ اور جنت اور جہنم وغیرہ کی تصدیق اس معنی کے لحاظ سے نہ کرے کہ جس معنی سے صحابہ کرام تصدیق کرتے تھے۔ بلکہ اپنی ہوائے نفسانی اور شیطان قرین کے القاری کیے ہوئے معنی کے لحاظ سے کرے تو وہ اصلاً معتبر نہیں۔ ایسی تصدیق تکذیب کے مترادف ہے اور ایسا ایمان بلاشبہ کفر کے ہم معنی ہے۔ الحاصل جب منافقین سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ایسا ایمان لاؤ کہ جیسا صحابہ کرام ایمان لائے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ ایمان لائے یہود و نصاریٰ کے دیوانے بنے ہوئے ہیں اور زمانہ کے انقلابات سے نہیں ڈرتے ممکن ہے کہ دوسری طرف کا غلبہ ہو جائے دین کی محبت میں دنیاوی مصالح کو نظر انداز کر دیا۔ روافض اور خوارج بھی صحابہ کرام کو احمق اور کافر اور منافق کہتے ہیں۔ سفیہ اس کو کہتے ہیں جو اپنے نفع اور ضرر کو نہ پہچانتا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ آخرت کے نفع اور ضرر کے فکر میں اس درجہ سرشار اور منہمک

تھے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے کسی نفع اور ضرر کی ذرہ برابر انکو پرواہ نہ رہی تھی۔ اس لیے دنیا کے کتے اُن کو دیوانہ اور بیوقوف کہتے تھے۔

اوسست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
اوسست فرزانه کہ فرزانه نشد
منافقین کا مخلصین کو دیوانہ اور سفیہ کہنا بھی ان کے عقل اور سمجھ دار ہونے کی دلیل ہے۔
وَإِذَا اتَّكَلْتُمْ مَذْمُومًا مِّنْ نَّاقِصٍ فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِي بِأَنِّي كَامِلٌ

ناقص العقل کا میری مذمت کرنا یہی میرے مکمل العقل ہونے کی شہادت ہے اس لیے اگے ارشاد فرماتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہی لوگ احمق اور بیوقوف ہیں جنہوں نے باقی کو چھوڑ کر فانی کو اختیار کیا ہے۔ اور عاقلوں کو احمق سمجھتے ہیں۔ اور حق کو باطل اور ہدایت کو ضلالت سمجھتے ہیں شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الکيس من دان نفسه
وعمل لما بعد الموت
والاحمق من اتبع نفسه
هو اها و تمنى على الله
(رواه الترمذی وابن ماجہ)
عاقل اور سمجھ دار وہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور ما بعد الموت یعنی آخرت کے لیے عمل کیا اور احمق اور بیوقوف وہ ہے کہ جس نے ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اللہ پر آرزوئیں اور تمنائیں باندھیں

(ترمذی شریف ابن ماجہ)

علاوہ ازیں لیل و نہار آپ کے معجزات کا مشاہدہ کیا اور جو لغت اور صفت آپ کی آسمانی کتابوں میں دیکھی اور پڑھی تھی وہ ہو ہو آپ پر منطبق پائی اور پھر بھی ایمان نہ لائے۔ اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہو گی۔ اور یہ منافق ایسے احمق اور بیوقوف ہیں کہ وہ اپنی حماقت اور بیوقوفی کو بھی نہیں جانتے۔ جو احمق اپنی حماقت کو جانتا ہو وہ غنیمت ہے لیکن جو احمق اپنی حماقت اور سفاهت کو دانائی اور فراست سمجھتا ہو اس کا مرض لا علاج ہے۔ ان آیات میں یہ بیان فرمایا کہ منافقین اہل اخلاص کو زبان سے بیوقوف بتلاتے ہیں۔ آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ محض زبان سے نہیں دل سے بھی انکو بیوقوف سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

منافقوں کی چوتھی قباحت

قَالَ تَعَالَى وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا... الْحَى... وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

اور جب وہ منافقین ملتے ہیں اہل ایمان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب

اپنے شیاطین الانس یعنی اپنے رؤسا کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ سوائے اسکے نہیں کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ تمسخر اور تمسخر کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر مسلمانوں کی سفاہت اور بیوقوفی ظاہر ہو کہ محض زبانی اقرار سے ہم کو دعوائے ایمان میں سچا سمجھتے ہیں۔ شیاطین سے منافقین کے پیشوا اور سردار مراد ہیں جو دین الہی کے مقابلہ میں ہر قسم کے فتنہ اور فساد کے سرغنہ بنے ہوئے تھے۔ شیطان لغت میں سرکش اور حد سے گزرنے والے کو کہتے ہیں۔ خواہ جنوں میں سے ہو خواہ انسانوں میں سے ہو۔ کما قال تعالیٰ شَیَاطِیْنُ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ اہل لفاق کو چونکہ ایمان سے دلی رغبت نہ تھی محض قتل سے جان بچانے کے لیے ایمان کا ظاہر اقرار کرتے تھے۔ اس لیے اُمّنا کہنے میں کسی حرف تاکید کا استعمال نہ کیا۔ اور جب اپنے شیاطین اور ائمۃ الکفر کی معیت اور مسلمانوں کے استہزاء کو بیان کیا تو حرف ان اور انما اور جملہ اسمیہ سے اس کو مؤکد کیا۔ یہ تاکیدی کلمات انکار کی بنا پر نہیں بلکہ اظہار شوق و رغبت کے لیے تھے۔ کما فی المطول۔ آئندہ آیت میں ان کے استہزاء اور تمسخر کا جواب ہے کہ یہ نادان کیا اہل ایمان کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ لوگ خداوند علام الغیوب کے استہزاء اور تمسخر کا محل بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ کیا اہل ایمان اور اہل اخلاص کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِہُمْ وَیَمُدُّہُمْ فِی طَغٰیَہُمْ یَعْمَلُوْنَ۔ ان کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً تمسخر کرتا رہتا ہے اور انکی سرکشی اور گمراہی میں انکو ترقی دیتا رہتا ہے در آخر لیکہ وہ اس میں سرگشتہ اور سرگرداں ہیں۔ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہے کہ ان کو خوب مال و دولت دیا تاکہ خوب مغرور اور مسست ہو جائیں اور پھر دفعۃً انکو پھوٹ لیا جائے۔ کافر اس مال و دولت کو نعمت سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ عذاب اور نعمت ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

اَیَحْسَبُوْنَ اَنْہُمْ لَمُدُّہُمْ
بِمِنْ مَّالٍ وَبَنَیْنُ سُبُحِ
لَہُمْ فِی الْخَیْرَاتِ
بَلْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جس مال اور
اولاد سے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اور ان
کے لیے خیر اور بھلائی کے لیے سعی کر رہے
ہیں۔ نہیں بلکہ ان کو اس کا احساس نہیں

کہ (یہ استدراج اور اہمال ہے)

بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ کافر جب کوئی مصیبت کرتا ہے تو اللہ جل شانہ ظاہراً اس کے لیے کوئی دنیوی نعمت پیدا فرماتے ہیں۔ اور وہ حقیقت میں بلا و عظیم اور نعمت یعنی مصیبت ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُکِّرُوا بِہِمْ
فَتَحْنًا عَلَیْہِہُمْ اَبْوَابَ کُلِّ

پس جب کہ وہ بھول گئے اس نصیحت
کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ہر چیز کے

شَتَّىٰ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا
أُولُوا أَخَذْنَا هُم بِغَتَّةٍ
فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ۔

دروازے سے ان پر کھول دیتے یہاں
تک کہ جب وہ خوش ہو گئے اس شے
سے جو ان کو دی گئی تھی تو ہم نے ناگہانی
طور پر ان کو پکڑ لیا پس وہ ناامید رہ گئے

اور آخرت کا استہزار اور تمسخر وہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قیامت کے دن
ان کے لیے ایک جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ جب وہ اس دروازے تک پہنچیں گے تو وہ دروازہ
فوراً بند کر لیا جائے گا۔ اور ان کو آگ میں دھکیل دیا جائیگا۔ اہل جنت انکی یہ حالت دیکھ کر ہنسیں
کما قال اللہ تعالیٰ۔

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ
يَضْحَكُونَ عَلَى الْأَعْيُنِ
يَنْظُرُونَ۔

پس آج کے دن اہل ایمان کفار پر ہنسیں
اور تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھیں گے
(اخرجہ البیہقی فی الاسماء والصفات) (درمنثور)

اور ایک استہزار اور تمسخر قیامت کے دن یہ ہوگا کہ ہل صراط پر اہل ایمان کے لیے ایک نور پیدا
کیا جائیگا جب منافقین پہنچیں گے تو اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی
جائے گی۔

كما قال الله تعالى فَضْرَبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ
يَعْمَهُونَ۔ عَمَّ دَلَّ بِنْيَانِ صَانِعِ هُونِ كَوْنِهِ هِي۔ جِيسَا كَهْ أَنْكُحَ كِي بِنْيَانِي جَاتِي رَهْمَنِي كَو
عَمِي كَيْتِي هِي۔ قَالَ تَعَالَى فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي
فِي الصُّدُورِ۔ (در اصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو
جاتے ہیں)۔

اُنندہ آیت میں ان کے قابل استہزار ہونے کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کیوں قابل استہزاء
نہ ہوں۔ یہ لوگ تو ایسے بوقوف اور نادان ہیں کہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا
ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ۔ ايسے ہی لوگوں نے یعنی جن کے دل
نابینا اور اندھے ہو گئے۔ نہایت خوشی اور رغبت سے گمراہی کو ہدایت کے عوض خرید لیا۔ اشتراء
کے معنی خوشی اور رضامندی سے خریدنے کے ہیں۔ تجارت اور خرید و فروخت میں خریدنے والے
کی رضا شرط ہے۔

كما قال الله تعالى إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ لِمَا
اس مقام پر بجائے لفظ استبدال کے لفظ اشتراء لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے گمراہی

کو ہدایت کے عوض میں نہایت خوشی سے قبول کیا ہے۔
 فَمَا رَیَحْتُ تِجَارَتَهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِیْنَ۔ پس نہ سود مند ہوئی ان کی تجارت
 اور وہ آخرت کی تجارت سے واقف بھی نہیں۔ آخرت کی تجارت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے
 رسول پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور جان و مال سے اس کی راہ میں کوئی دریغ نہ ہو۔
 کما قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَتَاكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ
 تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ۔ اور یہ لوگ تجارت میں نفع تو کہاں سے
 حاصل کرتے انہوں نے تو اصل سرمایہ ہی کو ضائع کر دیا۔ یہاں اصل سرمایہ سے فطرتِ سلیمہ اور
 قبول حق کی استعداد مراد ہے۔

مَثَلُ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ

اُن کی مثال جیسے ایک شخص نے سلگائی آگ پھر جب روشن کیا اس کے

مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا

گرد کو لے گیا اللہ ان کی روشنی اور چھوڑا انکو اندھیروں میں نظر

يُبْصِرُونَ ۝۱۷ صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝۱۸

نہیں آتا بہرے ہیں گونگے اندھے سودہ نہیں پھریں گے۔

منافقین کی دو مثالیں

قال تعالى مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا... الى... فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔
 (ربط م حق جل شانہ جب منافقین کے قبائح بیان کر چکے تو مزید ایضاح کے لیے دو مثالیں
 بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح ان کی سفاہت اور بے وقوفی واضح ہو جائے۔ جس کا ماقبل میں
 بیان ہوا۔

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں بار بار ایمان اور ہدایت کو نور فرمایا ہے اور مردہ دلوں کے
 لیے حیات اور زندگی فرمایا ہے اور کفر اور ضلالت کو ظلمت اور تاریکی اور دلوں کی موت اور بربادی

بتایا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے منافقین کے مناسب جہنوں نے ہدایت کے عوض میں ضلالت اور گمراہی کو اختیار کیا دو مثالیں بیان فرمائیں ایک ناری اور دوسری مائی اس لیے کہ نار مادہ نور ہے اور مار یعنی پانی مادہ حیات ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔

مثال اول منافقین

مثال ان منافقین کی کوئی نظری اور غلط فہمی اور نور ہدایت کے بدلہ میں ظلمات ضلالت کو خرید کر خسارہ اٹھانے میں اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی پس جب آگ نے اس کے آس پاس کو خوب روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو سلب فرمایا اور چھوڑ دیا ان کو ایسی تاریکیوں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی مشعل کو روشن کیا جس کی وجہ سے حق اور باطل اور ہدایت اور ضلالت خوب واضح اور روشن ہو گئے اور تمام مخلوق نے اس میں راہ پائی لیکن منافق اس وقت اندھے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے نور فطرت اور نور بصیرت کو سلب فرمایا۔ آفتاب نبوت و ہدایت نے اگرچہ تمام عالم کو روشن اور منور کر دیا مگر جب تک آنکھ میں نور اور بینائی نہ ہو تو آفتاب کی روشنی کیا کام آوے گی۔ کاش کہ نرے اندھے ہوتے تب بھی غنیمت تھا کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اس کی بات سن سکتا ہے مگر جب بہرا اور گونگا بھی ہو تو پھر راہ پر آنے کی کوئی امید نہیں۔ نابینا ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتا بہرا ہونے کی وجہ سے کسی کی نصیحت بھی نہیں سن سکتا اور گونگا ہونے کی وجہ سے کسی سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتا۔ اسی طرح منافقوں کو نہ عقل کی آنکھ ہے کہ جس سے خود سیدھا اور غلط راستہ پہچانیں اور دیکھ سکیں اور نہ مرشد اور کسی اللہ والے کی طرف رجوع ہے کہ وہ انکی دستگیری کرے اور ان کا راہنما بن جائے۔ اور نہ خود حق کی طرف کان لگاتے ہیں۔ پھر ایسے شخص کی راستہ پر آنے کی کیونکر امید ہو۔ هذا توضیح ما قالہ الشاہ عبد القادر الدہلوی فی موضع القرآن۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ مترجم گوید حاصل مثل آنست کہ اعمال منافقان ہمہ جہت شدہ چنانکہ روشنی آں جماعتہ دور شد۔ انتہی خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے بعد گمراہی میں چلا جانا ایسا ہے جیسا کہ روشنی کے بعد اندھیرے میں جا پھنسنا۔

عبداللہ بن مسعود اور دیگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت شریفہ کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور بعد چندے منافق بن گئے تو ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ظلمت اور تاریکی

میں تھا اس نے آگ سلگائی اسکی روشنی سے اس پاس کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں اور جو چیزیں بچنے کے قابل تھیں۔ وہ اس کو معلوم ہو گئیں۔ یکایک وہ آگ بجھ گئی اور راستہ کے کانٹے اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ اب وہ حیران اور سرگرداں ہے کہ کس چیز سے بچے اور کس چیز سے نہ بچے۔ اسی طرح یہ منافقین پہلے سے کفر اور شرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں تھے کہ اسلام لے آئے جن کی وجہ سے حلال و حرام خیر اور شر سب معلوم ہو گیا۔ اور یہ سمجھ گئے کہ کس چیز سے بچیں اور کس چیز سے نہ بچیں۔ اسی حالت میں تھا کہ منافق ہو گیا۔ اور مثل سابق پھر ظلمات کفر میں جا پھنسا اب اس کو حلال اور حرام، خیر اور شر کی کوئی تمیز نہیں۔ (ابن کثیر)

امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ تشبیہ نہایت صحیح ہے اول ایمان لا کر نور حاصل کیا۔ پھر نفاق کر کے اس نور کو ضائع کیا۔ اور ہمیشہ کے لیے حیرت میں پڑ گئے۔ راہ دنیا میں جو ظلمت کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوتی ہے اس کو اس پریشانی اور حیرت سے کہ جو راہ آخرت میں باطنی ظلمات کی وجہ سے پیش آتے۔ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہے۔ دنیا کی ہر پریشانی محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی پریشانی غیر محدود اور غیر متناہی۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کسی وقت میں بھی ایمان نہیں لاتے۔ ابتداء ہی سے منافق تھے کسی وقت بھی دل سے ایمان نہیں لاتے یہ لوگ از اول تا آخر منافق رہے تو اس صورت میں آیت کا مطلب وہ ہو گا جو حضرت ابن عباسؓ اور ابو العالیہ اور ضحاک اور قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ منافقین نے محض زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور محض ظاہر اسلام لائے تو انکو یہ نفع ہوا کہ اس کلمہ طیبہ کی روشنی میں دنیا میں خوب امن سے رہے۔ جان و مال محفوظ رہا۔ مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت میں شریک رہے جب تک زندہ رہے کلمہ شہادت کی روشنی سے یہ دنیوی منافع حاصل کرتے رہے۔ مرتے ہی ان کا یہ نور جاتا رہا اور عقاب سرمدی کے ظلمات میں جا پھنسنے (ابن کثیر) کلمہ توحید اور کلمہ شہادت اگر اخلاص سے کہا جائے تو سبحان اللہ نور علی نور ہے۔ لیکن یہ کلمہ اگر نفاق سے بھی کہا جائے تب بھی اس میں ایک نور ہے اگرچہ وہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے ناتمام اور ناکافی ہے۔ اس لیے کہ یہ کلمہ سراسر حق ہے اگرچہ منافق اس کو اپنی حماقت سے حق نہ سمجھے۔ اور ہر حق میں نور اور روشنی ہے۔ بہر حال منافق کو اس کلمہ طیبہ کے اعتراف و اقرار کی وجہ سے ایک درجہ کا نور ضرور حاصل ہو جاتا ہے ظلمت اور تاریکی جو کچھ ہے وہ نفاق کی وجہ سے ہے۔ اور اس کلمہ حق کی روشنی سے دنیاوی فوائد اور منافع حاصل کیے جن کو حق جل شانہ نے ماحول سے تعبیر فرمایا۔ ہر منافق اور خود غرض کا طریق یہی ہے کہ ہر وقت اس کی نظر ماحول پر رہتی ہے۔ اسی طرح ان منافقین نے ظاہری ماحول کو دیکھ کر فقط زبانی قول پر اکتفا کیا اور بجائے مغز کے خول کو کافی سمجھا اور یہ نہ سوچا کہ ظاہری ماحول کو دیکھنا آخول (بھینگا) کا کام ہے۔ چونکہ دنیاوی منافع چند روز ہوتے ہیں اس لیے اس کو تشبیہ اس جلانے والی آگ سے دی گئی جو تھوڑی دیر میں بجھ

گئی اور اسکا نفع جاتا رہا اور دائمی حیرت و حسرت نے اس کو آگھرا۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ۔ امام غزالی قدس اللہ سرہ مشکوٰۃ الانوار میں فرماتے ہیں کہ نور اس کو کہتے ہیں جو بذاتہ اور بنفسہ ظاہر ہو اور دوسرے کے لیے مظہر ہو۔ علامہ سہیلی روض الالف ص ۱۲۶ میں فرماتے ہیں کہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو نور سے منتشر ہو۔ نور ضیاء کے لیے اصل مبدار اور سرچشمہ ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا۔ میں شمس کو ضیاء اور قمر کو نور فرمایا۔ اس لیے قمر کی روشنی میں وہ انتشار اور پھیلاؤ نہیں جو آفتاب کی روشنی میں ہے اور حدیث میں ہے کہ الصلوٰۃ نور و الصبر ضیاء نماز نور ہے اور صبر ضیاء ہے۔ نماز چونکہ عمود اسلام ہے اور فحشا اور منکر سے بچاتی ہے اس لیے اس کو نور فرمایا کہ یہی نماز اس صبر کی اصل اور جڑ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ضیاء فرمایا ہے۔ فحشا اور منکر سے بچنا ہی صبر کا سرچشمہ ہے صبر کے معنی یہ ہیں کہ اپنے نفس کو خدا کی اطاعت پر روکنا اور اس کی معصیت سے بچانا۔ اس لیے صبر اسلام اور ایمان کے اکثر شعبوں کو حاوی اور شامل ہے لہذا صبر میں بہ نسبت نماز کے بہت زائد وسعت اور انتشار ہے جو نماز کی محافظت اور پابندی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو نور اور صبر کو ضیاء فرمایا اور چونکہ نور اصل اور مبدار ہے اور ضیاء اس کے تابع ہے۔ اس لیے حق جل و علا پر نور کا اطلاق درست ہے (بحا قال اللہ تعالیٰ اللّٰهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ) اور ضیاء کا اطلاق جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس کا نور تمام روشنیوں کی اصل ہے اس کا نور کسی کے تابع نہیں۔ آہ کلامہ

حکما نے نور اور ضیاء میں یہ فرق کیا ہے کہ جس روشنی میں حرارت اور گرمی ہو اس کو ضیاء کہتے ہیں اور جس روشنی میں ٹھنڈک ہو اس کو نور کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آسان اور نرم شریعت کو نور فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ هَٰذَا جَاءَكُمُ مِنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ۔ (بیشک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک عظیم نشان نور اور ایک روشن کتاب) اور شریعت موسویہ کو احکام شاقہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ضیاء فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً۔ بیشک دی ہم نے موسیٰ کو حق اور باطل میں فرق کرنے والی کتاب اور تیز روشنی اور اسی وجہ سے کہ نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور صبر میں حرارت اور گرمی ہے نماز کو نور اور صبر کو ضیاء فرمایا۔

اور اس مقام پر حق تعالیٰ شانہ نے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ فرمایا اور ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْعِهِمْ نہ فرمایا اس لیے کہ مقصد یہ ہے کہ نور ان سے بالکلیہ زائل ہو گیا اور روشنی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ہر طرف سے ظلمت اور تاریکی نے ان کو آگھرا لہذا اگر اس مقام پر بجائے ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ کے ذَهَبَ اللّٰهُ بِضَوْعِهِمْ کہا جاتا تو یہ معنی ہوتے کہ اللہ نے ان کی ضیاء یعنی نور کی شدت اور اس کے انتشار کو زائل کر دیا۔ اور اصل نور باقی رہ گیا۔ اور یہ معنی مقصود کے خلاف ہیں۔

اس لیے کہ مقصود تو یہ ہے کہ نور ان سے بالکل زائل ہو گیا۔ اور یہ مقصد نہیں کہ اصل نور تو باقی رہا محض اس کی شدت اور اس کی تیزی زائل ہو گئی۔ فافهم ذلك فانه دقيق و لطيف۔
ابتداء آیات میں چونکہ تذکرہ نار کا تھا اس لیے بظاہر اس کا اقتضاء یہ تھا کہ ذہب اللہ بنورہم میں بجائے نور کے نار کا ذکر کیا جاتا اور اس طرح کہا جاتا۔ ذہب اللہ بنارہم (اللہ نے ان کی آگ کو بجھا دیا) لیکن بجائے نار کے نور کو اس لیے ذکر کیا گیا کہ نار میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک نور اور ایک حرارت اور احراق (جلانا) لہذا اشارہ اس طرف ہے کہ اس نار میں سے نور (روشنی) کو تو سلب کر لیا گیا اور حرارت اور احراق کو باقی چھوڑ دیا گیا۔

وَتَرَكُهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ۔ اور چھوڑا ان کو ایسی تاریکیوں میں کہ کسی شے کو بھی نہیں دیکھتے۔ حدیث میں ہے کہ الایمان بضع و سبعة ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان کا ہر شعبہ ایک نور اور مشعل ہے۔ علی ہذا کفر اور نفاق کا ہر شعبہ ظلمت اور تاریکی ہے پس کفر اور نفاق کے شعبوں کے بقدر یہ لوگ ظلمات اور تاریکیوں میں مبتلا ہیں۔ صُحُوفُ بُكْرٍ عَمِيٍّ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ اب کسی صورت سے حق کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ اس لیے کہ جب ان کی روشنی چھین لی گئی اور اندھیروں میں چھوڑ دیئے گئے تو ایسے مدہوش ہو گئے کہ سارے حواس مختل ہو گئے لہذا اب نہ حق کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور نہ زبان سے کسی سے پوچھ سکتے ہیں پس ضائع کردہ نور ہدایت کی طرف کیسے لوٹ سکتے ہیں۔

یہ مثال ان منافقین کی ہے جن کے دلوں میں نفاق خوب راسخ ہو چکا ہے اب وہ کسی طرح ہدایت کی طرف رجوع کرنے والے نہیں جیسا کہ صُحُوفُ بُكْرٍ عَمِيٍّ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ سے معلوم ہوتا ہے اور دوسری آنے والی مثال ان منافقین کی ہے جو ابھی متروک اور مذہب نہیں کبھی اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں اور کبھی کفر کی طرف حیران ہیں کہ کیا کریں۔

تنبیہ

أَوْكَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ

یا جیسے مینہ پڑتا آسمان سے اس میں اندھیرے اور گرج

وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ

اور بجلی ڈالتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے

الصَّوَاعِقُ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۱۹

کڑک کے ڈر سے موت کے اور اللہ گھیر رہا ہے منکروں کو

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ

قریب ہے بجلی کہ اُچک لے ان کی آنکھیں جس بار چمکتی ہے

مَشَوْافِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

ان پر چلتے ہیں اس میں اور جب اندھیرا پڑا کھڑے رہے اور اگر چاہے اللہ

لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

لے جاوے ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۲۰

پر قادر ہے

منافقین کی دوسری مثال

قال تعالى أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ الے إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ
یا مثال ان منافقین کی گمراہی کو ہدایت کے بدلہ خرید کر خسارہ اٹھانے میں ایسی ہے جیسے آسمان
سے زوردار پانی پڑ رہا ہو۔ من السماء کا لفظ بڑھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بارش آسمان کے
تمام اطراف اور جوانب کو محیط ہے جس طرح پورے آسمان کو سمار کہتے ہیں اسی طرح آسمان کی جانب
کو بھی سمار کہتے ہیں۔ نیز من السماء کے لفظ میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ اس بارش کو کوئی روک
نہیں سکتا۔ کس کی مجال ہے کہ آسمان سے آنے والی چیز کو روک سکے۔ اس میں اندھیرے اور گرج اور

لے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ مترجم گوید حاصل مثل آں سست کہ منافقان در ظلمت
لفسانی افتادہ اندوچوں مواعظ بلیغہ شنوندہ فی الجملہ ایشاں را تنبیہ می شود و آل فائدہ نکند مانند مسافران
کہ در شب تاریک و ابر حیران باشند و در برق دوسہ قدم بروند و باز بنشینند۔ واللہ اعلم۔

بجلی ہے۔ جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں۔ خوف کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہے کہ انگلیوں کے پورے نہیں بلکہ پوری انگلیاں اپنے کانوں کے انتہائی سوراخ تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ ہولناک آواز کی وجہ سے موت کے ڈر سے اور اس خوف کی شدت میں یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تو کافروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔ کانوں میں انگلیاں دینا اس کے عذاب سے کسی طرح نہیں بچا سکتا۔ قریب ہے کہ بجلی اُن کی آنکھیں اچک لے جب وہ برق ان کے لیے چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں وہ چلنے لگتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی دین اسلام بمنزلہ بارانِ رحمت کے ہے جو مردہ دلوں کے لیے آبِ حیات سے کہیں بڑھ کر ہے اور سراسر رحمت ہی رحمت اور نعمت ہی نعمت ہے مگر ابتداء میں کچھ محنت اور سختی ہے جیسے بارش رحمت ہی رحمت ہے اور مردہ زمین کی حیات اور زندگی ہے۔ مگر اول میں کچھ کڑک اور بجلی بھی ہے۔ منافق اول کی سختی سے ڈر گئے اور وہ برائے نام مصائب جو حقیقت میں ان کے تزکیہ نفس کے لیے تھیں ان سے گھبرا گئے۔ اور جس طرح بجلی کی چمک سے روشنی پیدا ہو کر راستہ نظر آ جاتا ہے اور بادل کی کڑک سے دل کانپ جاتا ہے۔ اسی طرح منافق جب دنیوی منافع (جیسے جان و مال کی حفاظت، مال غنیمت میں سے حصہ ملنا) ان منافع پر نظر کرتا ہے تو اسلام کی طرف جھک جاتا ہے اور مثلاً جب جہاد کی سختی پر نظر کرتا ہے تو پھر اسلام سے بدک جاتا ہے بہر حال جس طرح بجلی میں کبھی روشنی اور اجالا اور کبھی تاریکی اور اندھیرا۔ اسی طرح منافق کے دل میں کبھی اقرار ہے اور کبھی انکار۔ کما قال تعالیٰ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَغْبِطُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَاللَّهُ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ مِّنْ أَمْرِ الْقَلْبِ عَلَىٰ وَجْهِهِ

ان آیات شریفہ میں دین اسلام کو بارانِ رحمت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور اُن کے شبہات اور نفسانی اغراض کو ظلمات کے ساتھ اور عذاب الہی سے ڈرانے والی

الحاصل

آیات کو رعد کے ساتھ اور فتوحات اسلام اور غلبہ دین حق کو برق کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب عذاب سے ڈرانے والی آیتیں نازل ہوتی ہیں تو یہ منافق ان کو سننا نہیں چاہتے کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں اور جب کبھی غلبہ اسلام کی برق کو ندے لگتی ہے اور اسلام کا نور چمکنے لگتا ہے تو اسلام کی طرف چلنے لگتے ہیں اور جب اغراض نفسانی کی ظلمت اور تاریکی کا غلبہ ہوتا ہے مثلاً کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم آتا ہے تو پھر اسلام کی طرف چلنے سے رک جاتے ہیں وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اور اگر خدا چاہتا تو بغیر بجلی اور کڑک ہی کے ان کے کان اور آنکھیں سب ہی لے جاتا۔ بیشک اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ کسی سبب کا محتاج نہیں اور نہ اس کے لیے کوئی مانع ہے۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ابھی اس فریق کو پہلے فریق کی طرح بالکل اندھا اور بہرہ نہیں بنایا۔ اس فریق سے ابھی ایمان کی امید بالکل قطع نہیں ہوئی ہے شاید یہ ایمان لے آئیں۔ بخلاف پہلے فریق کے کہ جن کی مثال مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا مِّنْ ذِكْرِ كِتَابٍ۔ ان کے ہدایت پر آنے کی کوئی امید نہیں اس لیے کہ اللہ نے ان کے

نور کو بالکل سلب فرمایا کہ قال تعالیٰ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ ۖ وَهُوَ بِهِرٌ ۚ وَأَنزَلْنَا لَهُمُ الْغُطَّةَ ۖ فَلَا يَرَوْنَ نَارًا ۚ وَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۚ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف لوٹنے والے نہیں اسی وجہ سے اس فریق کے لیے ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ ۖ نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ اللہ نے ان کے نورِ فطرت کو ابھی بالکل زائل نہیں فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ

لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے بنایا تم کو

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝۲۱ الَّذِي جَعَلَ

اور تم سے اگلوں کو شاید تم پر ہیزگاری پکڑو جس نے بنا دیا

لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا ۖ وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنزَلَ

تم کو زمین بچھونا اور آسمان عمارت اور اتارا

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَآخَرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا ۖ

آسمان سے پانی بھر نکالے اس سے میوے کھانا

لَكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا ۚ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۲۲

تمہارا سو نہ ٹھہراؤ اللہ کے برابر کوئی اور تم جانتے ہو

تعلیم توحید

قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي... إلخ... وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (رابطہ) یہاں تک مومنین اور کافرین اور منافقین کے احوال علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے اب اس آیت میں علی العموم سب کو خطاب فرماتے ہیں۔ نیز وہ ہدایت جس کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی وہ دو اصولوں پر منقسم ہے ایک توحید اور دوسرے رسالت۔ اس لیے اول توحید اور عبادت کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری کی جڑ ہے۔ یعنی یہ کتاب متقین کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے۔

لیکن تقویٰ کے حاصل کر نیکا طریقہ یہ ہے کہ صرف خدائے وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو اسی وجہ سے
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ كَمَا بَدَأَكُمْ تَتَّقُونَ۔ فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ مشروع سورت میں
 اس کتاب متقین کے لیے موجب ہدایت ہونا بیان فرمایا تھا اب ان آیات میں تحصیل تقویٰ کا طریقہ بتلاتے
 ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو اگر واقع میں تم انسان ہو اور اپنی انسانیت کی حفاظت چاہتے ہو تو اپنے
 پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا یعنی تم کو اور تمہارے اصول
 (آباء و اجداد) کو پردہ عدم سے نکالا اور وجود کا عجیب و غریب خلعت تم کو پہنایا تاکہ تم اس غیر
 مترقب نعمت اور عمدہ مرحمت کا شکر کرو اور متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ متقی بننے کا طریقہ یہی ہے کہ
 ہر وقت تم اس امر کو پیش نظر رکھو کہ وہ تمہارا پروردگار ہے ایک لمحہ اور ایک لحظہ کے لیے تم
 اس کی تربیت سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتے اسی نے تم کو اور تمہارے آباء و اجداد کو جن سے
 تم پیدا ہوئے ہو محض اپنی قدرت سے کتم عدم سے نکال کر وجود کا خلعت پہنایا ہے۔ اپنے امکان
 کو سوچو تاکہ اس کا وجوب معلوم ہو۔ اپنی عاجزی اور درماندگی کو سوچو تو اس کا قادر مطلق ہونا معلوم ہو
 اپنی ذلت اور خواری کو سوچو تو اس کا عزیز مطلق اور ذوالجلال والا کرام ہونا معلوم ہو۔ اپنے مملوک
 ہونے کو سمجھو تاکہ اس کا مالک ہونا سمجھ میں آئے۔ و علیٰ ہذا القیاس غایت محبت اور نہایت تعظیم
 و اجلال کے ساتھ انتہائی تذلل کا نام عبادت ہے مطلق محبت اور مطلق تعظیم اور مطلق تذلل کا نام
 عبادت نہیں۔ اسی وجہ سے اولاد کی محبت اور والدین اور ساتھ کی تعظیم اور ان کی تواضع عبادت
 نہیں کہلائے گی۔ تمام عالم عبادت ہی کے لیے پیدا کیا گیا اور سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے
 اسی عبادت کی دعوت دی۔ حضرت نوح، ہود، صالح اور شعیب وغیرہم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہی
 فرمایا۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ۔ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی
 معبود نہیں۔ وقال تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْهِ إِلَيْهِ أَنَّهُ
 لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی
 بھیجتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں) پس میری ہی عبادت کرو۔ اس لیے اب آئندہ آیت میں معرفت
 معبود کا طریقہ بتاتے ہیں کہ معبود وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو بنایا۔ الْخِ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ
 الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ
 الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَشْدَادًا ۚ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ وہ پاک
 ذات کہ جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس
 پانی سے تمہارے کھانے کے لیے قسم قسم کے کچھ پھل اور میوے نکالے پس خدا کے لیے اس کے مقابل
 اور مماثل ہمتا اور شریک نہ بناؤ اور حالانکہ تم خوب جانتے ہو۔ کہ تمہارا اور ان سب چیزوں کا پیدا
 کرنے والا صرف ایک وحدہ لا شریک لہ ہے اور ان الغامات اور انتظامات میں کوئی اس کا شریک اور

سہیم نہیں پس ان انعامات کے شکر میں خاص اسی کی عبادت کرو اور کسی دوسرے کو شریک نہ کرو یعنی یہ سارا عالم بمنزلہ ایک مکان کے ہے۔ آسمان اس کی چھت ہے اور زمین اس کا فرش ہے اور شمس و قمر اور نجوم و کواکب اس گھر کے شمع اور چراغ ہیں۔ قسم قسم کے پھل اور الوان نعمت اس کے دسترخوان پر پختہ ہوئے ہیں۔ عالم کے تمام شجر و حجر اور تمام چرند پرند انسان کی خدمت کے لیے حاضر اور مسخر ہیں اور یہ مکان اس کے رہنے کے لیے ہے پس جس خدا نے یہ تمام نعمتیں پیدا کیں وہی قابل پرستش ہے جب ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں تو اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہو۔

ابرو باد و مہ و نور و شید و فلک در کارند تا تو نمانے بکف آری و بغفلت بخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ہوں شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبوی

خلاصہ کلام یہ کہ جو بارانِ رحمت آسمان سے برس رہی ہے وہ بندہ کی زندگی اور حیات ہے اور رزق اسکی غذا ہے عاقل اور دانا کا کام یہ ہے کہ بارانِ رحمت کو نعمتِ عظمیٰ سمجھے نہ یہ کہ اس سے بھاگے۔ اسی طرح اہل ایمان اور اہل اخلاص کو چاہیئے کہ ہدایتِ خداوندی کی جو بارش آسمان سے ہو رہی ہے اس کو اپنی روحانی زندگی کا آبِ حیات سمجھیں۔ منافقوں کی طرح نہ اس سے بھاگیں اور نہ کانوں میں انگلیاں دیں۔ مسند احمد بن حنبل میں باسناد حسن حارث اشعری سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کے متعلق حکم فرمایا کہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کریں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کو حکم کرنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ ان احکام کا یا تو خود آپ بنی اسرائیل کو جلد حکم کریں یا مجھ کو اجازت دیں کہ میں بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم کروں۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ نے سبقت کی تو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ کوئی عذاب نہ آجائے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فوراً ہی بنی اسرائیل کو مسجد اقصیٰ میں جمع فرمایا اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ کہا کہ اللہ نے مجھ کو پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی ان پر عمل کروں اور تم کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم کروں پہلی بات یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے اپنے خالص مال سے بغیر کسی کی شرکت کے ایک غلام خریدا وہ غلام دن میں جو کچھ کماتا ہے وہ بجائے آقا کے کسی اور کو دے دیتا ہے کیا کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ حاشا ہرگز نہیں اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہی تمہارا خالق اور رازق اور مالک ہے پس اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو (بقیہ حدیث کے لیے تفسیر ابن کثیر کی طرف رجوع کریں)

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اگر ہزار اطاعت اور عبادت بھی کرے تو ذرہ برابر ثواب کا مستحق نہیں اس لیے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے

ف

کہ عبادت اس لیے واجب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اول تو تم کو پیدا کیا اور پھر بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ لہذا اس منعم حقیقی کا شکر بذریعہ عبادت کے تم پر واجب اور لازم ہے بادشاہ کے انعام و اکرام کے بعد اگر کوئی بادشاہ کا شکر کرے تو اس شکر کی وجہ سے وہ شخص اپنے کو کسی انعام کا مستحق نہیں سمجھتا بلکہ محض فریضہ شکر سے عہدہ برآ ہو جانے کو غنیمت سمجھتا ہے اور یہ خوب سمجھتا ہے کہ میرا یہ شکر بادشاہ کے انعام و احسان کے مقابلہ میں، یہ سچ ہے اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کے شکر کو سمجھو کہ بندہ کتنی ہی عبادت کرے۔ اسکی ایک نعمت کا بھی شکر نہیں ادا کر سکتا۔ استحقاق تو درکنار مگر اس نے محض اپنی رافت و رحمت اور اپنے فضل عظیم سے ہماری ناقص عبادتوں پر بھی اجر اور ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا هَا وَ عَدَّتْنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تَخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تَخْلُفُ الْمِيعَادَ۔ امین۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں عبادت کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ معبود کی معرفت کے پانچ طریقے بتلائے یا یوں کہو کہ پانچ قسم کے دلائل بیان کیے دو تو نفس کے متعلقات میں سے ہیں اور تین آفاق سے متعلق ہیں اول خلقکم فرمایا کہ تم اپنے نفسوں میں غور کرو کہ تم کو عدم کے بعد وجود کی نعمت عطا کی۔ دوم یہ کہ تمہارے آباؤ اجداد کو وجود عطا کیا۔ اور نیست سے ہست کیا جس کو وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے ذکر فرمایا۔ سوم یہ کہ زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا چہارم یہ کہ آسمان کو تمہارے لیے چھت بنایا۔ پنجم یہ کہ آسمان اور زمین کی شرکت سے تمہارے رزق کے لیے قسم قسم کے پھل اور میوے پیدا کیے۔ پس جس خداوند ذوالجلال نے یہ عجیب و غریب نعمتیں تم کو عطا کی ہیں اس سے تم اس کی قدرت و عظمت کا اندازہ لگا لو۔ اور ہمہ تن اس کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرو کیونکہ عبادت خالص اسی منعم حقیقی کا حق ہے۔

غرض یہ کہ اعبدوا اس سورت میں پہلا حکم ہے اور وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰہِ اَنْدَادًا پہلی نہی ہے اور یہی اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے کہ صرف خدا کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور کسی کو اس کا شریک اور مثل نہ جانو حق تعالیٰ نے اس آیت میں عبادت کا حکم دیا اور ساتھ ہی ساتھ استحقاق عبادت کے وجہ اور دلائل بھی بیان کیے جو سب کے سب فطری اور عقلی ہیں۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا

اور اگر ہو تم شک میں اس کلام سے جو اوتارا ہم نے اپنے بند پر

فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ ۚ وَ ادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

تو لے آؤ ایک سورۃ اس قسم کی اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو

مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ

اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر

لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

نہ کرو اور البتہ نہ کرو گے تو بچو آگ سے

وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

جس کی پھپھٹیاں ہیں آدمی اور پتھر تیار ہے منکروں کے واسطے

اثبات رسالت نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام
بضمن اثبات حقیقت قرآن عظیم

قال تعالى وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا..... إِلَى..... أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں عبادت اور معرفت معبود کے طریقے بتلائے اور محکم دلائل سے وجود صالح
اور اس کی توحید کو ثابت کیا اور شرک کو باطل کیا اب ان آیات میں دلائل نبوت بیان کرتے ہیں جس سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی معرفت حاصل ہو۔ اور معرفت نبوت کا طریقہ معجزہ ہے
اس لیے ان آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت ثابت کرنے کے لیے آپ کے
سب سے اعلیٰ اور افضل معجزہ کو ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کی نبوت و رسالت میں منکرین کو کوئی شبہ
باقی نہ رہے۔

علاوہ ازیں گزشتہ آیات میں عبادت کا حکم فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک
وہی عبادت مقبول ہے جو اس کی نازل کی ہوئی کتاب سے معلوم ہو لہذا آئندہ
آیات میں اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل ذکر فرمائی کہ اگر تم اس کتاب کو کتاب اللہ
نہیں سمجھتے بلکہ معاذ اللہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف اور بنائی ہوئی کتاب سمجھتے ہو تو اس کتاب کی ایک سورت
ہی کے مثل ایک سورۃ بنا کر پیش کرو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا
نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ۔ اور اس کتاب کے کتاب الہی ہونے
میں ذرہ برابر کوئی شک اور تردد نہیں جیسا کہ ابتداء سورت میں ارشاد ہوا۔ ذَلِكَ الْكِتَابُ

رابطہ دیگر

لَا رَيْبَ فِيهِ لَكِن اِذَا قُمَ قَصُورُ فِہِم بِاِعْنَادِ کِی وَجہ سے اس کتاب کے بارہ میں جسکو ہم نے اپنے بندہ پر بتدیرج نازل کیا۔ تم کسی شک اور خلجان میں مبتلا ہو گئے تو تم بھی اسی طرح ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت جو فصاحت و بلاغت اور ہدایت و ارشاد اور علوم اور معارف میں اس کتاب کے مماثل اور مشابہ ہو لے آؤ قرآن کریم کا وقتاً فوقتاً ضرورت اور واقعات کے لحاظ سے بتدیرج نازل ہونا یہی مشرکین کے شک کا زیادہ سبب تھا کہ اگر یہ کلام الہی ہے تو تورات و انجیل کی طرح دفعۃً کیوں نہیں نازل کیا گیا کما قال تعالیٰ وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّ اِحْدَا تَدْرِیجٌ تو بشر کے کلام میں ہوتی ہے جیسا کہ شعراء اور خطباء وقتاً فوقتاً حسب موقعہ اور ضرورت اشعار اور خطبات لکھتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم ان کافروں سے یہ کہہ دو کہ اگر تم اس زعم فاسد اور خیال باطل کی وجہ سے اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں متردد ہو تو تم بھی اسی طرح ایک ہی مرتبہ اس جیسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنالادو جو فصاحت و بلاغت اور حسن معانی اور لطائف اور احکام معاش و معاد میں قرآن کا نمونہ ہو اور یہ قرآن اگرچہ بتدیرج نازل ہوا ہے مگر اول تا آخر مربوط اور مسلسل ہے۔

کلام عرب میں تحقیق اور یقین کے لیے کلمہ اِذَا۔ اور شک اور تردد۔ ظن اور تخمین کے لیے کلمہ اِنْ مستعمل ہوتا ہے اس مقام پر بجائے۔ وَ اِذَا کُنْتُمْ فِی رَیْبٍ کے وَ اِنْ کُنْتُمْ فِی رَیْبٍ میں کلمہ اِنْ استعمال کرنے میں بظاہر اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ابھی اس میں بھی تردد ہے کہ تم کو اس کتاب کے کتاب الہی ہونے میں واقعی شک اور تردد ہے۔ یا دل سے تو تم اس کو کتاب الہی سمجھتے ہو اور ظاہر میں محض عناد کی وجہ سے اس کے کتاب الہی ہونے میں شک اور تردد ظاہر کرتے ہو۔ اور رَیْب کی تنوین تحقیر کے لیے ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا شبہ کوئی قوی نہیں بلکہ ایک نہایت معمولی اور مہمل اور حقیر شبہ ہے جو سراسر قصور فہم اور عناد پر مبنی ہے۔ اس عجیب و غریب بے مثل اور بے نظیر کتاب میں بھی اگر تردد اور شک کی گنجائش ہے تو پھر تورات و انجیل کے کتاب الہی تسلیم کرنے کا کوئی امکان ہی نظر نہیں آتا۔

جس شہر چشم کو عین نصف النہار کے وقت نور آفتاب میں شک اور تردد لاحق ہوتا ہو۔ وہ شب و بجور میں کو اکب اور نجوم کا نور کہاں تسلیم کر سکتا ہے۔ رہا وید سو آج تک اسکا بھیید کسی کو معلوم نہیں ہوا کہ اس کی کیا مراد ہے اور اس کے کیا معنی ہیں۔ لہذا جس کتاب کا کوئی مفہوم ہی معلوم اور متعین نہ ہوا اس کے بارہ میں شک اور تردد کا سوال ہی عبث ہے علی عبدنا (اپنے خاص بندے پر) اس سے سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ اس اضافت میں (یعنی ہمارے عبد کہنے میں) ایک

لہ اشارۃ الی ان الامر بالاثبات فی قوله تعالیٰ فاتوا بسوۃ من مثله لا یقتضی التکرار ۱۲ غافہ

تو اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

لا تدعنی الٰہیا عبدا
فانہ اشرف اسمائی
مت پکارا کر مجھ کو مگر اس محبوب کا عبد اور غلام کہہ کر میرے نام سب ناموں سے افضل اور بہتر ہے
اگر یکبار گوید بندہ من
از عرش بگذرد خندہ من

دوسرے اس اضافت میں آپ کے مطیع ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ ہمارے نہایت ہی مطیع اور فرمانبردار بندہ ہیں اور علی عبدنا میں کلمہ علی کے لانے میں جو کہ کلام عرب میں استعلاء، غلبہ اور احاطہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ کلام الہی کے انوار و برکات اور وحی ربانی کے تجلیات خدا کے اس خاص بندہ کو ہر طرف اور ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

بِسُورَةٍ - لفظ سورت قرآن کریم کی ہر سورت کو شامل ہے خواہ وہ طویل ہو یا قصیر جس طرح قرآن کی طویل سورتیں معجز ہیں اسی طرح چھوٹی سورتیں جیسے سورۃ اخلاص اور سورۃ کوثر اور سورۃ عصر بھی معجز ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگ اگر فقط سورۃ والعصر میں تدبر اور تامل کریں تو ان کے لیے کافی اور کافی ہے۔ آھ۔ بلکہ قرآن کا جملہ تامہ معجز ہے۔ تمام عالم کے فصحاء اور بلغا رمل کر بھی اگر چاہیں کہ قرآن کریم جیسا ایک جملہ بنا لائیں تو ناممکن اور محال ہے۔

اول حق تعالیٰ شانہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمام جن اور انس مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے جیسا کہ سورۃ اسرار میں ہے۔ اسکے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ تمام قرآن کا مثل اگر نہیں لاسکتے تو دس سورتیں ہی اس جیسی بنا کر پیش کر دو۔ جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت اس سورت کے مماثل بنا لاؤ جیسا کہ سورۃ یونس میں ہے اور یہ تمام اعلانات مکہ مکرمہ ہی میں کیے گئے اس لیے کہ یہ تمام سورتیں مکہ ہی میں یعنی سورۃ اسرار جس میں تمام قرآن کے مثل لانے کا ذکر ہے اور سورۃ ہود جس میں دس سورتوں کے لانے کا اور سورۃ یونس جس میں ایک سورت کے لانے کا ارشاد ہے یہ تمام سورتیں مکہ ہی میں نازل ہوئیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچ کر پھر ایک سورۃ کے مثل لانے کا اعلان کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت یعنی وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ میں مذکور ہے اس لیے کہ یہ سورت یعنی بقرہ مدنی ہے

۱۱۔ لے کہا قال تعالیٰ قُلْ لِّیْنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ
كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۱۲۔ لے کہا قال تعالیٰ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُورٍ مِّثْلِهٖ مِّمَّا نَزَّلْنَا
وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ۱۲

۱۳۔ لے کہا قال تعالیٰ۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ اَفْتَرَاہُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ۱۳

اور ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی۔ **فَاذْكُوا شُهَدَاكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ** **اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُودُهَا** **النَّاسُ وَالْجَارَةُ۔ اَعَدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ۔** اور اگر تم تنہا اس کے مثل لانے پر قادر نہیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم سوائے خدا تعالیٰ کے اپنے تمام اعوان و انصار کو بلا لو اگر تم اپنے اس اعتقاد میں سچے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں تاکہ وہ تمہاری اس کام میں مدد کر سکیں اور اس مشکل کو حل کر سکیں اور سب مل کر قرآن کے ہم پلہ کلام لاسکیں۔ پس اگر تم سب مل کر بھی ایسا نہ کر سکو۔ یعنی اس کے مثل کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی نہ لاسکو اور ہم پیشینگوئی کیے دیتے ہیں کہ تم ہرگز نہ لاسکو گے۔ قرآن کا ایک اعجاز تو یہ تھا کہ کوئی اس کے مثل نہیں لاسکتا۔ دوسرا اعجاز یہ ہے کہ پہلے ہی پیشینگوئی کر دی گئی اور غیب کی خبر دے دی گئی کہ قیامت تک کوئی شخص اس کے مثل نہ لاسکے گا۔ بحمد اللہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر گئے اور کوئی شخص اس کے مثل نہ لاسکا۔ بالفرض اگر کوئی شخص قرآن کا معارضہ کرتا تو ضرور نقل ہوتا اس لیے کہ ہر زمانہ میں قرآن کے مخالفوں کا عدد ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ اگر کسی نے قرآن کریم کا معارضہ کیا ہوتا تو اس کا مخفی رہنا ناممکن تھا۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم اسکا مثل نہ لاسکو اور ہرگز نہ لاسکو گے تو پھر میری نبوت کی تصدیق کرو۔ اور اس کو کلام ربانی اور وحی رحمانی سمجھو۔ تم ذرا تو غور کرو کہ ایک یتیم بیکس اور امی جسکا سارا عرب مخالف اور دشمن ہو وہ ایسا عظیم الشان دعویٰ بغیر تائید الہی کیسے کر سکتا ہے کہ تمام جن اور انس بھی اس کا مثل نہیں لا سکتے اور اگر تم اس کی تصدیق نہیں کرتے تو پھر اس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس جگہ پتھر سے یا تو عام پتھر مراد ہیں یا گندک کے پتھر مراد ہیں یا وہ بت مراد ہیں جن کو کافر پوجتے تھے۔ کما قال تعالیٰ۔ **اِنَّكُمْ وَاٰتِکُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبٌ جَہَنَّمِۭ ؕ لَّعَنَہُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ اُولَٰئِکَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَ اللَّهِ اُولَٰئِکَ الَّذِیْنَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔** یعنی تم اور وہ بت جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ جو دراصل خاص کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ البتہ گناہوں کا میل کچیل صاف کرنے کے لیے گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے لیے جہنم میں رکھا جائیگا۔ پھر جو اصل ذات ہی سے نجاست اور گندگی ہیں وہ تو دوزخ میں رہ جائیں گے اور جو اصل سے پاک ہیں یعنی مومن ہیں اور گناہوں کی عارضی نجاست ان پر لگ گئی (کما فی حدیث البخاری ان المؤمن لا ینجس) وہ پاک صاف ہونے کے بعد نکال لیے جائیں گے اس آیت سے اور آئندہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے صاف ظاہر ہے کہ **ف** دوزخ ابھی موجود ہے جو لوگ اس کے قائل ہوئے کہ جنت و جہنم ابھی موجود نہیں بلکہ قیامت کے دن موجود ہوگی۔ صریح غلطی پر ہیں اور یہ قول سراسر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ علامہ زبیری اتحاد شرح احیاء ص ۲۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ اسی پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حادی الارواح الی بلاد الافراح میں فرماتے ہیں۔

جنت تیار کی جا چکی ہے مگر اس میں کچھ خالی میدان ہیں جن میں بندوں کے اعمال صالحہ سے باغات اور محل تیار ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے مسجد بنا کرے اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار ہو جاتا ہے یا جو شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ایک مرتبہ الحمد للہ، ایک مرتبہ اللہ اکبر یا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے تفصیل کسی اور موقع پر کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو رسول اللہ کی رسالت میں شک ہے اور ہماری وحی کو انسانی کلام جانتے ہو تو اٹھو اور میدانِ معارضہ میں آ جاؤ۔ مگر ہم پہلے ہی پیشینگوئی کیے دیتے ہیں کہ تم سب مل کر بھی اسکا معارضہ نہیں کر سکتے پس اگر تم معارضہ نہ کر سکو اور تم پر اپنا عجز اور قصور واضح ہو جائے تو بہتر یہی ہے کہ ایمان لے آؤ ورنہ سخت عذاب میں گرفتار ہو گے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ

اور خوشی سنا ان کو جو یقین لائے اور کام نیک کیے کہ ان

لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا

کو ہیں باغ بہتی نیچے ان کے ندیاں جس بار

رَزَقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي

ملے ان کو وہاں کوئی میوہ کھانے کو کہیں یہ وہی ہے جو

رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ

ملا تھا ہم کو آگے اور ان پاس وہ آویگا ایک طرح کا اور انکو ہیں

فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ^(۲۵)

وہاں عورتیں ستھری اور ان کو وہاں ہمیشہ رہنا

ذکرِ معاد یعنی قیامت کا بیان

بشارتِ مؤمنین صالحین

قَالَ تَالِي وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا اے وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

رابط

حق تعالیٰ شانہ کی یہ سنت ہے کہ جب کبھی ترغیب اور وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ترہیب اور وعید اور انذار کو بھی ذکر فرماتے ہیں تاکہ خوف اور رجاء سے مل کر ایمان میں ایک اعتدالی کیفیت پیدا ہو جائے اسی سنت کے مطابق حق تعالیٰ نے ان آیات میں جب انذار اور کافروں کی وعید کو ذکر فرمایا تو آئندہ آیات یعنی وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا الْآيَةَ میں مومنین صالحین کے لئے بشارت کا ذکر فرمایا۔ نیز وہ انذار اور تہدید اگرچہ دشمنوں کو تھی مگر عاشقانِ جاں نثار میں تو اس کے سننے کی بھی سہار نہیں وہ تو سن کر گھبرا جاتے ہیں۔ اس لیے ان کی تسلی اور دل تھامنے کے لیے بشارت ذکر فرمائی۔ تاکہ بشارت کی مسرت اور مخاطبت کی لذت سے وہ پریشانی، مبدل بہ شادمانی ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور خوشخبری دید تبحیے آپ اُن لوگوں کو جو اس کتاب پر ایمان لائے اور اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کی اور اس کتاب کی ہدایت کے مطابق نیک عمل کیے کہ ان کے لیے عجیب قسم کے باغات ہیں ہر ایک کا باغ اسکے ایمان اور عمل صالح کے مطابق ہوگا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی عثمان غنی فرماتے ہیں کہ عمل صالح اس عمل کو کہتے ہیں جو خالص اللہ کے لیے ہو اور ریاء سے بالکل پاک ہو کما قال تعالیٰ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ عمل صالح وہ عمل ہے جس میں چار چیزیں جمع ہوں۔

(۱) علم (۲) نیت (۳) صبر (۴) اخلاص (معالم التنزیل) ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بشارت کا پورا استحقاق جب ہے کہ جب ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ہوں۔ اس آیت میں متعلقات ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیل نہیں فرمائی صرف بالا جمال اتنا کہد یا کہ جو لوگ ایمان دار اور نیک کردار ہوں گے ہم انہیں اُن کے وہم و خیال سے بڑھ کر انعام دیں گے۔

جنت لغت میں باغ کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں ایک خاص مکان کا نام ہے جو نشاء آخرت میں ہمیشہ کے لیے ابرار و متقین کو عنایت ہوگا۔ جیسا کہ جہنم اس مخصوص مکان کا نام ہے جس میں کفار کو ہمیشہ کے لیے اور گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے لیے رکھا جائیگا۔ جنت اور جہنم پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور اسکی حقیقت کی تحقیق کے درپے نہیں۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے جس قدر جنت اور جہنم کے احوال و اوصاف بیان کیے ہیں ان پر ان سے ایک حرف بھی زیادہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ عالم غیب میں قیاس نہیں چلتا۔

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ جن کے نیچے سے نہریں نہایت تیزی سے بہتی ہیں۔

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَزَقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ أُنْزِلَ بِهِ مُتَشَابِهًا۔ جب کبھی دیئے جائیں گے ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کے لیے تو یہ

کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہم پہلے دیتے گئے اور دیتے جائیں گے وہ ایسا پھل کہ جو محض دیکھنے میں ایک دوسرے کے مشابہ اور ہمرنگ ہوگا۔ مگر ذائقہ میں مختلف ہوگا۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر حضرات صحابہ سے منقول ہے کہ یہ تشابہ اور تماثل محض لون اور صورت کے اعتبار سے ہوگا۔ مزہ اور لذت میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوگا۔ یہ اس لیے ہوگا کہ ہر مرتبہ جدید مسرت اور نئی خوشی حاصل ہو۔ خلاصہ یہ کہ جنت کے میوے شکل اور صورت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے مگر مزے میں جدا اور مختلف ہوں گے۔ اہل جنت جب کسی پھل کو دیکھیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ وہ پہلا ہی پھل ہے۔ مگر جب چکھیں گے تو مزہ اور ہی پائیں گے وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ اور ان کے لیے وہاں ایسی عورتیں ہوں گی جو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی گندگی سے پاک ہوں گی۔ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی یہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گی۔ دنیا کی نعمتوں کی طرح انکو زوال اور فنا نہیں۔ نعمت کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو مگر زوال اور فنا کا اندیشہ اسکو مکدر کر دیتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے ۔

مراد منزل جاناں چہ من وعیش چوں ہر دم جبرس فریادی دارد کہ بر بندید مجملہا
اس لیے ارشاد ہوا کہ تم مطمئن رہو۔ ہمیشہ تم انہیں نعمتوں میں رہو گے تنعم اور لذائذ کا مدار تین چیزوں پر ہے (۱) عمدہ مکان (۲) لذیذ کھانے (۳) حسین و جمیل عورتیں اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے جَنّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ میں عمدہ مکان کا اور کُلَّمَا دُرُقُوا الخ میں لذیذ کھانوں کا اور وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ میں حسین و جمیل ازواج کا ذکر فرمایا۔

ف | انسان کے لیے تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے (۱) کہاں سے آیا ہے (۲) اور کہاں رہتا ہے (۳) اور کہاں جاتا ہے۔ الَّذِي خَلَقَكُمْ فِي اس طَرَفٍ اشارہ ہے کہ تم عدم سے آئے ہو اور الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ چند روز زمین میں قیام ہے اور فَالْتَقُوا النَّارَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ عالم آخرت کو جانا ہے عذاب الہی سے بچنے کی کوشش کرو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَى أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا

اللہ کچھ شرماتا نہیں کہ بیان کرے کوئی مثال ایک بچھریا اس سے

فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنََّّهُ الْحَقُّ

اوپر پھر جو یقین رکھتے ہیں سو جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے

لے کافران ہوں ذکر عنکبوت در قرآن شنیدند طعن کردند و گفتند کہ خدا تعالیٰ بے کراں چیز یا نئے محسوس چہ ارادہ کردہ است ایس آیت نازل شد واللہ اعلم (فتح الرحمن)

مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا

انکے رب کا کہا اور جو منکر ہیں سو کہتے ہیں کیا غرض

أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۙ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي

تھی اللہ کو اس مثال سے گمراہ کرتا ہے بہتیرے اور راہ پر

بِهِ كَثِيرًا ۖ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۚ (۲۶) الَّذِينَ

لا تہے اس سے بہتیرے اور گمراہ کرتا ہے انہیں کو جو بے حکم ہیں جو

يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۚ وَيَقْطَعُونَ

توڑتے ہیں عہد اقرار اللہ کا مضبوط کئے پیچھے اور توڑتے ہیں

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ

جو چیز اللہ نے فرمائی جوڑنی اور فساد کرتے ملک میں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۚ (۲۷)

انہیں کو آیا نقصان

قرآن کریم کے کلام الہی ہونے پر کافروں کا ایک شبہ اور اس کا جواب

قال تعالى إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا... إلخ... أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔
گزشتہ آیات میں اعجاز قرآن کی دلیل مذکور تھی۔ یہاں منکرین کے ایک شبہ کا جواب مذکور ہے۔
شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں کہیں نکھی اور کہیں مکڑی کی مثال دی ہے
اس پر کافروں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو اس میں ایسی حقیر اور خسیس چیزوں
کا ذکر نہ ہونا چاہیے کیونکہ ایسی خسیس اور حقیر چیزوں کا ذکر کلام الہی کی عظمت کے لائق نہیں یعنی اگرچہ
ہم قرآن کا مقابلہ نہ کر سکیں لیکن اس کتاب میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ
کی کتاب نہیں ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا

مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنََّّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ
وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا - بَيْتُكَ إِنَّهُ
نہیں بشرط اس بات سے کہ کوئی مثال بیان کرے کسی مچھر کی یا اس چیز کی جو حقارت میں مچھر سے بھی بڑھ کر ہو
پس اہل ایمان خوب جانتے ہیں کہ یہ تمثیل بالکل حق ہے اور درست ہے ان کے رب کی طرف
سے اس لیے کہ تمثیل سے مثل لے (جس کی مثال دی گئی) کی توضیح اور تفصیل مقصود ہوتی ہے۔ لہذا
حقیر اور ذلیل چیزوں کی حقارت اور ذلت کی توضیح اور تشریح کے لیے اس کے مناسب مچھر، مکھی اور
مکڑی اسی قسم کی حقیر و ذلیل چیزوں کی مثال ذکر کی جائے گی تاکہ اُس شئی کی حقارت اور ذلت واضح ہو
جائے عزیز اور عظیم چیزوں کی مثال سے حقیر اور خسیس چیزوں کی حقارت اور ذلت کو کس طرح سمجھایا
جاسکتا ہے۔ مثال کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ مثال دینے والے کے مطابق ہو۔ بلکہ مثل لے کے
مطابق ہونی چاہیے حقیر کی مثال حقیر سے اور عزیز کی مثال عزیز سے دینی چاہیے۔ ورنہ ہر عاقل
جانتا ہے کہ حقیر کو عزیز سے مثال دینا محمول کا کام ہے۔ تو ریت اور انجیل اور کلام حکما میں اس
قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہے لوگوں
کے لیے اس قرآن میں ہر مثال تاکہ نصیحت
پکڑیں۔

یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے
ہیں تاکہ وہ تفکر اور تامل کریں۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ جب میں قرآن کی کسی مثل کو سنتا ہوں اور اس کو نہیں سمجھتا
تو میں اپنے اوپر روتا ہوں اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا لِلنَّاسِ
وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ مچھر کی مثال اللہ نے دنیا کے لیے بیان فرمائی ہے مچھر جب تک
بھوکا رہتا ہے زندہ ہے اور جب کھا کر موٹا ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے اسی طرح اہل دنیا جب دنیا
سے خوب سیر اور سیراب ہو جاتے ہیں تو اللہ ان کو پکڑتا ہے پس وہ ہلاک ہوتے ہیں کما قال تعالیٰ۔

پس جب بھول گئے وہ اس نصیحت کو جو
ان کو کی گئی تھی تو کھول دیئے ہم نے ان
پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب
وہ خوش ہو گئے اس سے جو ان کو دیا گیا

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ
الْبَابَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا
أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ
مُبْلِسُونَ۔

پس پکڑ لیا انکو ناگہاں پس وہ ناامید ہو کر
رہ گئے (تفسیر ابن کثیر)

خلاصہ یہ کہ اہل ایمان مثالوں کو حق سمجھتے ہیں کہ اشیاء کی خست اور حقارت بیان کرنے کے لیے یہ مثالیں دی گئی ہیں۔ اور کافر لوگ اپنی حماقت سے یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ان حقیر مثالوں سے کیا غرض ہے۔ اور کیا ارادہ خداوندی ایسی حقیر چیزوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ آئندہ آیت میں اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا**۔ مگر اہل حق اللہ اس مثال سے بہتوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتوں کو۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ اہل حق اور اہل باطل۔ اہل ہدایت اور اہل ضلالت میں فرق ہو جائے۔ قرآن اور اس کی تمثیلات سب حق اور عین ہدایت ہیں صحیح المزاج اور سلیم الطبع اشخاص (یعنی اہل ایمان) جب ان تمثیلات کو سنتے ہیں اور ان میں تفکر اور تامل کرتے ہیں تو ان کی ہدایت میں اور اضافہ ہوتا ہے اور ان تمثیلات سے انکو صراطِ مستقیم اور حق کا راستہ خوب واضح ہو جاتا ہے اور جن کی روح کا مزاج بالکل فاسد اور خراب ہو چکا ہے ان کو ان تمثیلات سے کوئی نفع نہیں ہوتا بلکہ ان کی گمراہی میں، اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ فاسد المزاج کو جس قدر بہتر غذا دی جائے گی اسی قدر اسکے فساد اور مرض میں اضافہ ہوگا۔

قرآن عزیز میں جس طرح ہدایت اور اضلال کو حق جل شانہ کی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح ہدایت کو انبیاء و مرسلین اور علماء ربانین اور ائمہ مجتہدین کی جانب اور اضلال کو شیاطین اور اخوان شیاطین کی جانب بھی منسوب کیا گیا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ہدایت اور اضلال کے معانی اور مراتب کو ذکر کیا جائے تاکہ خدا کی ہدایت اور انبیاء و مرسلین کی ہدایت میں فرق معلوم ہو اور جو اضلال حق تعالیٰ جل شانہ کی جانب منسوب ہے اس کی کیا حقیقت ہے اور جو اضلال شیاطین اور اخوان شیاطین کی جانب منسوب ہے اسکی کیا ماہیت ہے۔

مراتب ہدایت

مرتبہ اولیٰ | ہدایت بیان۔ یعنی حق کو بیان کرنا اور واضح کرنا اور لوگوں کو حق کی تعلیم اور دعوت دینا۔ اس معنی سے ہدایت اللہ کی طرف اور اس کے انبیاء و مرسلین اور ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہو سکتی ہے۔
اللہ نے بھی حق کو بیان کیا اور اس کی طرف اپنے بندوں کو دعوت دی اور اس کے حکم سے انبیاء و مرسلین اور علماء نے بھی حق کو بیان کیا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور اس کی طرف بلایا۔
قال تعالیٰ۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا
وَإِمَّا كَفُورًا -

تحقیق ہم نے انسان کو راستہ بتایا تو شکر
کرے یا ناشکری کرے۔

وَقَالَ تَعَالَى وَإِمَّا تَمُودُ فَهَدَيْنَاهُ
فَأَسْتَجِبُوا أَلْعَنَى عَلَى الْهَدَى -

قوم ثمود کو ہم نے سیدھا راستہ بتایا لیکن
انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔

اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب فرماتے ہیں۔
وَقَالَ تَعَالَى وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَمَةً
يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا -

ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہماری
حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔

ان تمام آیتوں میں ہدایت بمعنی البیان مراد ہے اور یہ ہدایت اللہ رب العزت کے ساتھ مخصوص
نہیں۔ انبیاء اور علماء کی طرف بھی اسکی اسناد ہو سکتی ہے۔ نیز یہ ہدایت اہل ایمان کے ساتھ مخصوص
نہیں بلکہ مؤمن اور کافر سب کے لیے ہے۔

ہدایت توفیق۔ یعنی خدا کا اپنے فضل و کرم سے بندہ کے لیے اپنی اطاعت
اور فرمانبرداری کو اس کی خواہش اور طبعی میلان کے ایسا موافق بنادینا کہ

اس کی اطاعت لذیذ اور شیریں معلوم ہو اور اس کی معصیت حنظل سے بھی زیادہ تلخ معلوم ہو۔ خیر
کے اسباب اور دواعی کو اس کے لیے جمع کر دینا اور اُسکے تمام عوائق اور موانع کو یکلخت اٹھا دینا۔ یہ
ہدایت اللہ جل جلالہ کے ساتھ مخصوص ہے اس ہدایت پر نہ کوئی ملک مقرب قادر ہے نہ کوئی نبی مرسل
کما قال تعالیٰ۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ
اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ اللَّهُ

تحقیق آپ جس کو چاہیں راہ پر نہیں چلا
سکتے۔ لیکن اللہ ہی جسکو چاہے راہ پر لائے۔

اس آیت میں اللہ کے لیے جس ہدایت کو ثابت کیا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس
ہدایت کی نفی کی گئی وہ یہی ہدایت بمعنی التوفیق ہے اور إِنَّكَ لَا تَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
میں جس ہدایت کو نبی کریم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ ہدایت بمعنی البیان و دعوة الحق ہے۔ نبی کا کام
یہ ہے کہ حق کو بیان کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے اور اسکی طرف بلائے مگر خداوندی اطاعت
کا ہولائے نفسانی کے مطابق بنادینا۔ اور خدا کی عبودیت اور بندگی کی حلاوت اور شیرینی کسی کے دل
میں اتار دینا یہ سوائے اسی ملک مقتدر کے کسی کے قبضہ میں نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے لَا يَتَوَفَّقُ
عَبْدٌ حَتَّى يُوَفِّقَهُ اللَّهُ۔ بندہ خود بخود توفیق نہیں پاتا یہاں تک کہ خدا اسکو توفیق دے۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوہ احزاب میں خندق میں کھودتے وقت یہ پڑھتے تھے۔ اللَّهُمَّ
لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَاَنْزِلْ سَكِينَةً عَلَيْنَا۔ (۱) اے اللہ اگر تیری
توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ اور نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ پس تو ہم پر سکینت اور طمانینت

نازل فرما۔ اور یہ ہدایت اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہے۔ حق تعالیٰ اس نعمت کبریٰ اور رحمت عظمیٰ سے ان بندوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اس کی رضا اور خوشنودی کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی سلطنت کی جانب گوشہ چشم سے ایک ادنیٰ التفات کو بھی روانہ رکھتے ہوں۔ کما قال تعالیٰ

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ
رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ
يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيَهُمْ إِلَى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيمٍ۔

جو اللہ کی رضا مندی کا تابع ہو اس کو اللہ
تعالیٰ سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ظلمت
سے نکال کر نور کی طرف لاتے ہیں اور سیدھے
راستہ پر اس کو چلاتے ہیں۔

مراتبِ اضلال

اضلال، ہدایت کا مقابل ہے۔ جس طرح ہدایت کے دو معنی ہیں اسی طرح اضلال کے بھی دو معنی ہیں۔

معنی اول | اضلال کے ایک معنی یہ ہیں کہ خدا نے عزوجل کی معصیت کی دعوت دینا اور اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کو قبیح کر کے بتلانا اور اس کی نافرمانی کو مزین اور مستحسن کر کے ظاہر کرنا اور حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنا۔ حق تعالیٰ نے اسی اضلال کو شیطان کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ۔ وقال تعالیٰ۔

زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ
فَضَلَّاهُمْ عَنِ السَّبِيلِ

اور شیطان نے ان کے کاموں کو ان کے
سامنے خوبصورت بنا کر دکھایا۔ پس اس طرح
سے انکو سیدھے راستہ سے روکا۔

اور ایک مقام پر اسی اضلال کو فرعون کی طرف منسوب کیا ہے۔
وَ اضْلَلْ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ وَ مَا هَدَىٰ
اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ان
کو سیدھا راستہ نہ بتایا۔

اور ایک جگہ سامری کی طرف منسوب کیا۔
وَ اضْلَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ

اس معنی کہ اضلال ہمیشہ شیاطین اور انخوان شیاطین اور ائمۃ الکفر کی طرف منسوب ہوتا ہے۔
حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب کبھی اس اضلال کی اسناد نہیں کی جاسکتی۔ وہ قدوس حکیم اس سے پاک
اور منزہ ہے کہ وہ معاذ اللہ اپنے بندوں کو شر، فحشاء اور منکر کی طرف بلائے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ
وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُونَ

تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم کرتا ہے انصاف
کا اور بھلائی کا اور صلہ رحمی کا اور منع
کرتا ہے تم کو ہر بے حیائی اور نامعقول
بات اور سرکشی سے اللہ تعالیٰ تم کو
سمجھاتے ہیں شاید تم یاد رکھو۔

معنی ثانی

اضلال کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی توفیق اور لطف و رحمت
سے کسی کو محروم فرما دیں۔ توفیق اور لطف سے اس شخص کو محروم فرماتے ہیں جو
اللہ کی آیتوں کی تکذیب اور انبیاء و مرسلین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرے قال تعالیٰ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ
مُسْرِفٌ كَذَّابٌ -

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ -
وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ -

یہ اضلال حقیقت میں انکے اسراف، تکذیب، ظلم اور تعدی کی سزا ہے حق تعالیٰ شانہ کی طرف یہی
اضلال منسوب ہوتا ہے اور یہ آیت یعنی یُضِلُّ بِہ کَثِيرًا وَيَهْدِي بِہ کَثِيرًا جس کی اس
وقت تفسیر کی جا رہی ہے۔ اس میں ہدایت اور اضلال کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی خدا اپنی خاص
ہدایت اور توفیق اور لطف و رحمت سے بہت سے بندوں کو سرفراز فرماتا ہے جو اس حق جل و علا کے
کلام کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کی تمثیل کو حق اور عین ہدایت جانتے ہیں۔ اور اس کے کلام اور تمثیل
کا استہزاء اور تمسخر نہیں کرتے۔ اور بہتوں کو ان تمثیلات سے گمراہ کرتا ہے یعنی اپنے توفیق اور لطف و
رحمت سے محروم کرتا ہے۔ محروم ان لوگوں کو کرتا ہے جو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے
نکل جاتے ہیں اور خدا سے پختہ عہد کر کے توڑ ڈالتے ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں۔
وَمَا يُضِلُّهُ إِلَّا الْفُسْقَيْنِ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ الْخ
اور نہیں گمراہ کرتا اللہ تعالیٰ ان تمثیلات سے مگر نافرمانوں کو نافرمانی اور سرکشی کی نحوست سے عقل
ماری جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کو باطل سمجھنے لگتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے۔ اطاعت سے خارج
ہونے والوں کو فاسق کہتے ہیں۔ فاسق کا لفظ کافر اور مؤمن عاصی دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق
مؤمن عاصی کے فسق سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مگر اس آیت میں فاسق سے کافر ہی مراد ہے۔ قرآن
کریم میں فاسق کا لفظ دونوں معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ

نوط، اگر ہدایت و اضلال کی اور زیادہ تفصیل درکار ہو تو امام رازی قدس اللہ سرہ کی تفسیر کبیر کی طرف مراجعت کریں۔

الْفٰسِقُوْنَ۔ اس آیت میں منافقین کو فاسقین کہا گیا ہے اور بئسّ الّٰسْمُ الْفٰسِقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔ اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ جَاۤءَكُمْ فَاۡسِقٌ بٰنِيًا فَبَيِّنُوْا۔ ان دونوں آیتوں میں فاسق سے مؤمن عاصی مراد ہے کافر فاسق تو حدود ایمان سے ہی خارج ہو جاتا ہے۔ اور مؤمن عاصی حدود ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر حدود اطاعت سے خارج ہو جاتا ہے الحاصل حق تعالیٰ شانہ ان اشیاء حقیرہ کی تمثیل سے صرف انہی لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جو بدکار اور نافرمان ہیں۔ اور ان لوگوں کو جو خدا کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں۔ عہد سے اس جگہ وہ وصیت مراد ہے جس کی حق تعالیٰ نے اپنے تمام پیغمبروں کی زبانی تاکید کی کہ خدا کو ایک جانور اور ایک مالو اور اسکے پیغمبروں کی تصدیق کرو۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ عہد سے وہ عہد مراد ہے جو حق تعالیٰ نے توریت میں یہودیوں سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ عہد سے عہد السنّت مراد ہے یا یوں کہو کہ عہد سے عام مراد ہے خواہ وہ عہد السنّت ہو یا توریت و انجیل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد ہو۔ اور توڑتے ہیں اس چیز کو جس کا اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اس آیت کے عموم میں ان تمام علائق کا قطع داخل ہے جنکے وصل کا خدا نے حکم دیا ہے۔ قطع رحمی اور خدا اور اس کے پیغمبروں سے قطع تعلق کرنا یہ بھی اس میں شامل ہے اور فساد کرتے ہیں زمین میں جو قول اور عمل اور جو حرکت اور سکون خدا کی رضامندی کے خلاف ہو وہ سب فساد اور فتنہ ہے۔ یہ لوگ وہی ہیں جو خسارہ اور نقصان اٹھانے والے ہیں۔ دنیا میں آخرت کی تجارت کے لیے آئے تھے نفع تو کیا حاصل کرتے اصل راس المال یعنی عقل اور فطرت سلیمہ کا جو سرمایہ ان کے پاس تھا اسکو بھی ضائع اور برباد کر دیا۔ اور صلاح اور رشد اور ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا اور منعم حقیقی کو چھوڑ بیٹھے اور اس سے اپنا تعلق قطع کر لیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خسارہ اور نقصان ہو گا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَانًا فَاَحْيَاكُمْ

تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مرنے پھر اس نے تم کو جلایا

ثُمَّ يُمِيْنُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر تم کو مارتا ہے پھر جلا دے گا پھر اسی پاس اٹے جاؤ گے۔

استعجاب بر کفر و نافرمانی و تذکیر العمار ربّانی اور مبداء و معاد کی یاد دہانی

قال تعالیٰ کَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ اِلٰی ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

حق جل شانہ، جب دلائل توحید و نبوت و معاد بیان کر چکے اور عبادت کا حکم دے چکے تو اب آئندہ آیات میں اس پر تفریح فرماتے ہیں کہ ایسے قدیر و عظیم اور رحیم و کریم پروردگار سے سرکشی سراسر تعجب و غیر ہے ان انعامات و احسانات کا مقتضی تو یہ تھا کہ تم شکر کرتے نہ کہ کفر۔ حیرت ہے کہ ان انعامات اور احسانات کے بعد تم کو کفر پر جرأت کیسے ہوئی اور اس تو بیخ اور عتاب میں دوسرے عنوان اور دوسرے رنگ میں اس دلیل سابق کا اعادہ فرمایا پھر اس سلسلہ تذکیر میں اولاً نِعْمَ عامۃً کو بیان فرمایا یعنی ان نعمتوں کا ذکر کیا جس کا تعلق عام بنی آدم سے ہے۔ اور ثانیاً نِعْمَ خاصۃً کو بیان فرمایا یعنی ان نعمتوں کا ذکر کیا جن کا خاص بنی اسرائیل سے تعلق ہے اور دور تک سلسلہ کلام چلا گیا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کس طرح اور کیسے نِعْمَ اللہ جل شانہ کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے۔ پس اس نے تم کو حیات اور زندگی عطا کی اور پھر تم کو موت دیکھا اور پھر قیامت کے وقت تم کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر تم سب حساب و کتاب کے لیے اسی کی طرف لوٹاؤ گے تاکہ دنیاوی زندگی میں تم نے جو کچھ کیا ہے تم کو اس کی جزا اور سزا ملے۔ پہلی آیت (وَ كُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ) میں وجود صانع کو ثابت کیا کہ خدا وہ ہے جس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور نیست سے ہست کیا اور دوسری آیت (ثُمَّ يُحْيِيكُمْ) میں حشر و نشر کو ثابت کیا اور ساتھ ساتھ دلیل عقلی بھی بیان کی کہ جو ذات پاک پہلی مرتبہ تم کو موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کرنے پر قادر اور یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ موت کسی کو چارہ نہیں۔ مناسب کو ضرور ہے تو سمجھ لو کہ مگر خدا ہی کے پاس جانا ہے پس ان تمام باتوں کے جاننے کے بعد تم خدا کا کیسے انکار کرتے ہو۔

الحاصل۔ كُنْتُمْ أَهْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ۔ میں وجود صانع کی دلیل بیان فرمائی کہ تم کو خدا کا انکار نہ کرنا چاہیے کیونکہ تم پہلے مردہ اور معدوم تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو وجود عطا کیا۔ اور جو خود بخود موجود ہو اور دوسروں کو وجود عطا کرے وہی خدا ہے اور ثُمَّ يُحْيِيكُمْ سے حیات ثانیہ کی حجت اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس قادر مطلق نے پہلی مرتبہ تم کو چھوٹے چھوٹے ذروں اور حقیر و ذلیل لطفوں اور خون کے لوتھڑوں اور خون کے ٹکڑیوں سے پیدا کیا اور احسن تقویم کا خلعت تم کو پہنایا کیا اس کی نسبت تمہارا یہ گمان باطل ہے کہ وہ دوبارہ بکھرے ہوئے ذرات کو جمع کر کے تم کو حیات عطا نہیں کر سکتا۔ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ تمہیں خدا کی قدرت کے انکار سے شرم نہیں آتی۔



هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ

وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر

اُسْتَوٰی اِلٰی السَّمَآءِ فَسَوَّلَهُنَّ سَبْعَ سَمُوٰتٍ ۖ وَهُوَ

چڑھ گیا آسمان کو تو ٹھیک کیا انکو سات آسمان اور وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۹

ہر چیز سے واقف ہے

ذکر تخلیق سامان حیات جسمانی

قال تعالیٰ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ اِلٰی وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔
حق تعالیٰ نے نعمت حیات کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں سامان حیات کا ذکر فرماتے ہیں
جس پر حیات اور زندگی کا بقا موقوف ہے۔ اول حیات جسمانی کے سامان کا ذکر فرمایا یعنی تمہاری
اس ظاہری اور جسمانی حیات کے بقا کے لیے زمین اور آسمان کو پیدا کیا اور پھر زمین سے مطعومات
ومشروبات اور لذائذ و طیبات اور قسم قسم کے طبوسات تمہارے لیے پیدا کیے۔ اس کے بعد حیات روحانی
کے سامان کا ذکر فرمایا یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور منصب خلافت پر سرفراز فرمایا اور ہدایت کے
علوم عطا فرمائے۔ اور انبیاء و مرسلین کا سلسلہ جاری فرمایا۔ انبیاء و مرسلین اللہ کی طرف سے جو ہدایت
اور رشد کے علوم اور معارف لیکر آتے ہیں وہی لوگوں کی روحانی حیات کا سامان ہوتے ہیں۔ کما
قال تعالیٰ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِیْبُوْا
لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ
لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔
اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور اس کے
رسول کا جبکہ وہ تم کو ایسی شئی کی طرف بلائے
کہ جو تم کو روحانی اور معنوی حیات اور
زندگی عطا کرے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ وہی ایک پاک ذات ہے کہ جس نے پیدا کیا تمہارے منافع اور فوائد کے
لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب حتیٰ کہ سمیات اور نجاسات بھی نفع سے خالی نہیں، جاننا چاہیے
کہ کسی چیز سے انتفاع یعنی نفع حاصل کرنا اور چیز ہے اور کھانا اور چیز ہے۔ انتفاع کی اجازت اور
اباحت سے کھانے کی اجازت اور اباحت لادم نہیں۔ پھر وہ رب العزت متوجہ ہوا۔ آسمانوں کی تخلیق
وتکوین کی طرف پھر ٹھیک انکو سات آسمان بنائے کہ کہیں ان میں سوراخ اور شکاف اور ٹیڑھاپن نہیں
اور وہ پروردگار ہر چیز کو خوب جانتے والا ہے کہ کیوں اور کس کے لیے پیدا کیا۔ امام جلیل و کبیر حافظ

عماد الدین ابن کثیر قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ فرماتے ہیں کہ اس آیت اور حم سجدہ کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول زمین پیدا کی گئی۔ اور پھر آسمان پیدا کیے گئے۔ اور تعمیر کا طریقہ بھی یہی ہے کہ نیچے سے بنا نا شروع کرتے ہیں جب تختانی حصہ مکمل ہو جاتا ہے تب چھت ڈالتے ہیں اور عمار کا اس بارے میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں۔ یعنی سب علماء کی یہی رائے ہے۔ صرف قتادہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ قتادہ کا گمان یہ ہے کہ آسمان پہلے پیدا کیے گئے جیسا کہ بظاہر سورۃ والنار عات کی اس آیت سے متبادر ہوتا ہے۔

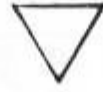
کیا تم بنانے میں مشکل ہو یا آسمان۔ اسے آسمان
بنایا اور اس کی بلندی کو بہت اونچا کیا پھر
اس کو صاف کیا اور اس کی رات کو تاریک
بنایا اور پھر اس میں سے کھول کر دھوپ
نکالی اور اس کے بعد زمین کو بچھایا اور
اس سے اسکا پانی اور چار اشکالا۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خُلُقًا اَمْ السَّمَاءُ
بَنَاهَا رَفَعَ سَمَكَهَا فَسَوَّاهَا
وَاعْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحَاهَا
وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا
اَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَاَمْرَعَاهَا۔

اس آیت میں آسمان کی پیدائش کو زمین کی پیدائش سے پہلے ذکر فرمایا ہے جو بظاہر سورۃ بقرہ اور حم سجدہ کی آیات سے متعارض معلوم ہوتا ہے صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس تعارض کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اول زمین پیدا کی گئی۔ اور پھر آسمان (جیسا کہ سورۃ بقرہ اور حم سجدہ کی آیات سے ظاہر ہے) اور آسمان بنانے کے بعد زمین کو پھیلا یا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ زمین کا محض مادہ تو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ مگر زمین حالت موجودہ پر آسمان بنانے کے بعد پھیلائی گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ زمین اسی حالت موجودہ پر آسمان سے پہلے پیدا کی گئی اور پھر آسمان بنائے گئے تاکہ ان کے ذریعہ سے زمین پر بارش ہو اور پھر اس بارش سے وہ اثمار و اشجار اور فواکہ و طیبات زمین سے نمودار ہوں جن کا مادہ قدرت ازلیہ نے زمین میں ودیعت رکھا ہے۔ پس زمین کو آسمان کے بعد بچھانے کا یہ مطلب ہے کہ آسمان بنانے کے بعد زمین سے فواکہ اور ثمرات اور قسم قسم کے لذائذ و طیبات کو اگایا۔ خود قرآن نے زمین کو آسمان کے بعد بچھانے کی یہی تفسیر کی ہے کما قال تعالیٰ۔

۱۔ سورۃ حم سجدہ کی وہ آیت جس سے زمین کا پہلے پیدا ہونا معلوم ہوتا ہے یہ ہے۔ قُلْ اَتُنْكُحُ لَتَكْفُرُنَ بِالَّذِي
خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَرَكَ فِيهَا
وَقَدَّرَ فِيهَا اَقْوَامًا فِي ۴ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَاءٌ لِّلسَّائِلِينَ ثَوًّا اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ۔ الا یہ۔ ۱۲۔

وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا
 أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا۔
 اور اسی جواب کو علماء سلف اور خلف نے اختیار کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ زمین کے پچھانے سے ان
 اشجار و نباتات کا اگانا مراد ہے جو زمین میں بالقوہ موجود ہیں۔ اسی معنی کمر زمین کا پچھانا آسمان بنانے کے
 بعد ہولہ باقی زمین بحالت موجودہ آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔



وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةًۦۙ

اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو مجھ کو بنانا ہے زمین میں ایک نائب

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَۚ

بولے کیا تو رکھے گا اس میں جو شخص فساد کرے وہاں اور کرے خون اور

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ إِنِّي

ہم بڑھتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو کہا مجھ کو

أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا

معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور سکھائے آدم کو نام سارے

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَآءِ

پھر وہ دکھائے فرشتوں کو کہا بتاؤ مجھ کو نام

هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ

ان کے اگر سوچتے سچے بولے تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم

لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ

نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا تو ہی ہے اصل دانا پختہ کار کہا

يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۙ

اے آدم بتادے ان کو نام ان کے پھر جب اس نے بتا دیئے نام ان کے

قَالَ أَنْتُمْ أَقَلُّ لَكُمْ إِلَيَّ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْ

کہا میں نے نہ کہا تھا تم کو مجھ کو معلوم ہیں پردے آسمان اور

الْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۚ

زمین کے اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرو اور جو تم چھپاتے ہو

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کر پڑے مگر

إِبْلِيسَ ط ۖ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۚ

ابلیس نے قبول نہ رکھا اور تکبر کیا اور وہ تھا منکروں میں کا اور

قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

کہا ہم نے اے آدم بس تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ

سے محفوظ ہو کر جس جگہ چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے

فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۚ ۝۳۵ فَأَنزَلْنَاهُمَا الشَّيْطَانَ عَنْهَا

پھر تم بے انصاف ہو گئے پھر ڈگایا ان کو شیطان نے اس سے

فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ

پھر نکالا ان کو وہاں سے جس آرام میں تھے اور کہا ہم نے تم سب اترو تم سب

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ لِّبَعْضٍ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ

ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تم کو زمین میں ٹھہرنا ہے اور کام چلانا

إِلَىٰ حَيِّنٍ ۖ فَتَلَقَّىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ

ایک وقت تک پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے کئی باتیں پھر متوجہ ہوا

عَلَيْهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۳۷

اس پر برحق وہی ہے معاف کرنے والا مہربان



ذکرِ تخلیق سامانِ حیاتِ روحانی و عطا بر خلافتِ ربانی

قال تعالیٰ وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ... اِلٰی... اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
گزشتہ آیات میں زمین و آسمان اور دیگر مخلوقات کی پیدائش کو بیان فرمایا کہ ہم نے ان تمام مخلوقات کو تمہارے نفع کے لیے پیدا کیا ہے۔ آئندہ آیات میں ان مخلوقات سے منتفع ہونے والی مخلوق یعنی انسان کا ذکر فرماتے ہیں۔ انسان سے پہلے دو قسم کی مخلوق موجود تھی۔ ایک فرشتے دوسرے جن اور یہ دونوں قسمیں علوی اور سفلی۔ ارضی اور سماوی اشیاء سے متمتع اور منتفع نہیں ہو سکتیں۔ فرشتوں کا نہ منتفع ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ فرشتوں کو نہ زن اور فرزند کی ضرورت اور نہ طعام و شراب اور نہ طعام و شراب کے لوازم یعنی شہوت اور غضب کی انکو حاجت۔

جنات اگرچہ بعض چیزوں سے متمتع اور منتفع ہوتے ہیں۔ مگر لطافتِ بدنی اور غلبہٴ ناریت کی وجہ سے بہت سے سامانِ حفاظت سے مستغنی ہیں۔ نہ انکو کسی مکان اور عمارت کی ضرورت اور نہ کسی قلعہ اور برج کی حاجت ہے اور نہ وہ اپنی حفاظت میں تیر و تلوار اور کسی قسم کے ہتھیار کے محتاج ہیں۔ پس اگر وہ عالم کی بعض اشیاء سے منتفع بھی ہیں تو وہ انتفاعِ ناتمام اور ناقص ہے۔ علاوہ ازیں جنات کی قوتِ خیالیہ انکی قوتِ عقلیہ پر اس درجہ غالب ہے کہ جس چیز کا وہ خیال کر لیتے ہیں۔ اس کو واقعی سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کا انتفاع حقیقی اور واقعی نہیں بلکہ خیالی ہے۔ بخلاف انسان کے کہ وہ ان تمام چیزوں سے حقیقتاً اور علی وجہ الکمال منتفع ہو سکتا ہے اس لیے منصبِ خلافت کے لیے انسان ہی کو خاص کیا گیا۔ جسمانی حیثیت سے تمام عناصرِ اربعہ اور عالمِ سفلی کی تمام اشیاء سے نفع اٹھا سکتا ہے اور روحانی حیثیت سے عالمِ علوی کی تمام چیزوں سے متمتع اور متخلق باخلاق الہیہ اور متصف بصفاتِ ربانہ ہو سکتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اٰمُرُوْا اٰدَمَ اَنْ يُّخْرِجَ مِنْهَا ذٰلِكَ جَدُّكَ وَآدَمُ خَرَجَ مِنْهَا كَآفٍ يَّوْمَ تَبٰٓءَسَ الشَّجَرُ بِمَا عَلَّمَهَا وَهِيَ تَلْمِزُ الْمُنٰفِقِيْنَ اَنْ يَّهْتَدُوْا سَبِيْلَ الْاٰمِنِيْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَمْلُكُوْا لَكُمْ شَيْئًا فَاِنَّكُمْ لَعَنَآ الْاٰفٰكِيْنَ ۝۱۰۰

میکده

گدا ئے مصطفیٰ ام لیک وقت مستی میں کہ ناز بر فلک وحکم بر ستارہ کنم
حضرت آدمؑ کی خلافت کا تذکرہ ملائکہ سے اس لیے فرمایا کہ کائنات ارضی اور سماوی کے منافع
فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں۔ آسمان سے پانی کا بر سانا۔ زمین سے اشجار و نباتات کا اگانا۔ گرم اور سرد ہواؤں
کا چلانا وغیرہ فلک۔ من جانب اللہ ان تمام چیزوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے۔ اور یہ تمام امور فرشتوں ہی کی
محافظة اور نگرانی میں ہیں۔ پس جب تک فرشتے اللہ کے خلیفہ کی اطاعت نہ کریں اس وقت تک
خلافت کا کام سرانجام نہیں پاسکتا۔ اسی لیے حق تعالیٰ شانہ نے اول فرشتوں کے سامنے حضرت آدمؑ کا علمی
فضل و کمال ظاہر فرمایا اور پھر انکو سجدہ کا حکم دیا۔

سلاطین عالم جب کسی کو منصب وزارت پر سرفراز کرتے ہیں تو حکومت کی تمام فوجیں اس کی ماتحتی میں دیدی جاتی ہیں اور وہ آکر سلامی دیتی ہیں۔ اسی طرح حق جل شانہ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو منصب خلافت پر سرفراز فرمایا تو اپنے تمام جنود و عساکر (یعنی ملائکہ) سے حضرت آدم علیہ السلام کو اطاعت اور فرمانبرداری کا سجدہ کرا دیا۔ تاکہ خلافت کے کام میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ پیش آئے اور چونکہ یہ تمام عالم بمنزلہ ایک شہر کے ہے اور فرشتے اسکے عامل اور کارکن ہیں اس لیے خلافت کا تذکرہ فرشتوں ہی سے فرمایا۔ کسی اور مخلوق سے ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ اور سب فرشتوں ہی کے ماتحت ہیں۔

حقیقت ملائکہ | اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ اللہ کے محترم اور مکرم بندے ہیں جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ معاصی سے معصوم۔ خطار اور نسیان سے محفوظ ہیں۔ لَا یَقْصُونَ اللہَ مَا أَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُونَ مَا یُؤْمَرُونَ۔ کھانے اور پینے سے پاک۔ تذکیر و تانیث سے منزہ اور متبرا ہیں۔ قرآن میں ملائکہ کے حق میں ضمیر مذکر کا استعمال محض تشریف و تکریم کی وجہ سے ہے مذکر ہونے کی وجہ سے نہیں جیسے حق جل و علا کے لیے ضمیر مذکر کا استعمال محض عظمت و اجلال کی وجہ سے ہے جس طرح بعض انسانوں کو حق تعالیٰ نے اپنی رسالت اور پیغمبری کے لیے برگزیدہ فرمایا ہے

٤ اشارة الى ما اخرجہ مسلّم عن عائشة مرفوعاً خلقت الملائكة من نور ١٢ فتح الباری ص ٢١٦ ج ٢
٥ قال المحافظ وفي قصة الملائكة مع ابراهيم وسارة ما يؤيد انه لا ياكلون ١٢ فتح الباری ص ٢١٦ ج ٢

اسی طرح بعض ملائکہ کو رسالت پیمبری کے لیے برگزیدہ فرمایا ہے کما قال تعالیٰ اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رُسُلًا وَ مِنْ النَّاسِ۔

فرشتوں نے اِخْتِ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً سے یہ سمجھا کہ جب وہ خلیفہ زمین سے پیدا ہوگا تو اس میں لذات سفلیہ سے منتفع ہونے کی خواہش اس کی جبلت میں مرکوز ہوگی جب ان لذتوں کی اسکو ضرورت ہوگی تو قوت شہویہ جوش میں آئے گی اور جو شخص ان لذات اور منافع میں اسکی مزاحمت کرے گا تو قوت غضبیہ جوش میں آئے گی۔ اور مدافعت کے لیے جنگ و جدال اور قتل و قاتل کی نوبت آئے گی۔ اس لیے فرشتوں کو یہ شبہ ہوا کہ زمین کی عمارت اور اصلاح کے لیے ایسے شخص کو خلیفہ بنانا بظاہر خلاف حکمت معلوم ہوتا ہے۔ قَالُوا أَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَلْيُسْهِكُ اللَّهُ مَا وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ۔ فرشتوں نے کسی اعتراض کے طور پر نہیں بلکہ محض حکمت دریافت کرنے کے لیے بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کیا کہ زمین میں آپ اس شخص کو خلیفہ بناتے ہیں جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے۔ حالانکہ ہم سب ہر لمحہ تیری ذات پاک کی تسائش کے ساتھ مسلسل تسبیح کرتے ہیں تاکہ حق تیری ذات اور صفات کا ادا ہو اور نیز ہم خاص تیرے لیے تقدیس کرتے ہیں۔ یعنی ہم تیرے افعال کو اس بات سے پاک جانتے ہیں۔ کہ تیرا کوئی فعل معاذ اللہ خلاف حکمت ہو یا معاذ اللہ اس میں سفاہ اور عبث کا شائبہ ہو۔ بخلاف بنی آدم کے کہ اگر وہ تیری تسبیح و تقدیس بھی کریں گے تو بسا اوقات ریا اور حرص و ہوا کی آمیزش اور شرکت سے پاک نہ ہوں گی۔ رہا یہ سوال کہ ملائکہ کو بنی آدم کا مفسد اور خون ریز ہونا کیسے معلوم ہوا۔ سو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود اور دیگر حضرات صحابہ سے مروی ہے کہ جب اللہ نے یہ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً تو فرشتوں نے یہ عرض کیا کہ وہ خلیفہ کیسا ہوگا تو اللہ رب العزت نے یہ فرمایا کہ اس خلیفہ کے ذریت ہوگی اور زمین میں فساد کرے گی۔ اور ایک دوسرے پر حسد کرے گی۔ اور ایک دوسرے کو قتل کرے گی (تفسیر ابن کثیر) اس پر ملائکہ نے یہ سوال کیا۔ أَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا۔ الخ اور ملائکہ کا یہ سوال محض حکمت دریافت کرنے کے لیے تھا کہ فساد اور خون ریزی کرنے والوں کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ حاشا بطور اعتراض نہ تھا۔ اس لیے کہ ملائکہ کی تو یہ شان ہے کما قال تعالیٰ لَا یَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ۔ یعنی بغیر اذن الہی کے کوئی بات بھی نہیں کہہ سکتے و قال تعالیٰ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ خدا کے محترم بندے ہیں۔ مقصد فقط یہ تھا کہ اس قسم کی مخلوق پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ اگر عبادت اور بندگی مقصود ہے تو ہم اس کے لیے حاضر ہیں۔ ہر وقت تیری اطاعت اور بندگی میں سرشار ہیں اور تیری معصیت اور نافرمانی سے بالکل پاک اور بری ہیں۔ اس لیے حق جل شانہ نے جواب ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ تحقیق میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے یعنی تمکو معلوم نہیں کہ منصب خلافت کے لیے ایسی ہی حقیقت جامعہ مناسب ہے جو جسمانیّت اور روحانیّت دونوں کی جامع

ہو اور قوت عقلیہ کے ساتھ اس میں قوت شہویہ اور غضبیہ بھی ہو۔ جس نوع کا مزاج ان مختلف قوتوں سے مرکب ہو گا وہی عالم کے انتظام اور تدبیر و تصرف پر قادر ہو گا۔ کائنات ارضیہ کے حقائق اور منافع کو بخوبی سمجھے گا اور طرح طرح کی صنعتیں ایجاد کرے گا۔ تاکہ منافع ارضیہ قوت سے نکل کر فعلیت میں آجائیں اور ظاہر ہے کہ فرشتوں میں یہ استعداد اور صلاحیت نہیں۔

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند
جاننا چاہیے کہ ہر انسان میں دو قوتیں ہیں ایک تو قوت شہویہ جس سے زنا وغیرہ صادر ہوتا ہے جس کو فرشتوں نے مَنْ يَفْسِدُ فِيْهَا سے تعبیر کیا ہے۔ اور دوسری قوت غضبیہ جس سے قتل اور ضرب اور خونریزی ظہور میں آتی ہے جسکو ملائکہ نے وَلَيْسُفَكَ الدِّمَاءُ سے تعبیر کیا ہے۔ فرشتوں نے انسان کے یہ دو عیب ذکر کر کے اشارۃً ان دونوں عیبوں کی اپنے سے نفی کی اس لیے کہ مَنْ يَفْسِدُ فِيْهَا کے مقابلہ میں وَخَنَّ نَسَبَتُمْ بِحَمْدِكَ کہا اور يَسْفِكُ الدِّمَاءُ کے مقابلہ میں وَنَقَدِسُ لَكَ کہا۔ اس میں شک نہیں کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ بہت سے مفاسد کا سرچشمہ ہیں لیکن ان دو قوتوں میں منافع اور مصالح اور فوائد بھی نہایت عجیب و غریب ہیں۔ ملائکہ نے قوت شہویہ اور غضبیہ کے مفاسد کا تو ذکر کیا لیکن ان دونوں قوتوں کے منافع اور فوائد سے ان کو ذہول ہوا۔ فرشتوں کا خیال اس طرف نہ گیا کہ یہی قوت شہویہ جب اس کا رخ خداوند ذوالجلال کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تو اس سے وہ ثمرات و نتائج ظہور میں آتے ہیں کہ انکو دیکھ کر فرشتے بھی عشقش کرنے لگتے ہیں یعنی غلبۂ عشق خداوندی اور اس کی محبت کا جوش اور ولولہ خدا کی محبت اور اسکے عشق میں قلب کا بیچین اور بیتاب رہنا یہ وہ نعمت ہے کہ جس پر ملائکہ بھی رشک کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ملائکہ میں قوت شہویہ نہ ہونے کی وجہ سے عشق کا مادہ نہیں اطاعت میں اگر فرشتوں کا پلہ بھاری ہے تو عشق اور محبت میں آدم اور بنی آدم کا پلہ بھاری ہے اور علیٰ مذا جب قوت غضبیہ کو کارخانہ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب و غریب نتائج و ثمرات ظاہر ہوتے ہیں یعنی خدا کی راہ میں جان بازی اور سرفروشی اور اسکے دشمنوں سے جہاد و قتال۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیخت
سردوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
یہی وجہ ہے کہ صحابہ بدر میں کی طرح وہ ملائکہ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے ان ملائکہ سے افضل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جانا یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ ملائکہ اس سے بالکل محروم ہیں۔ نیز جب تک قوت عقلیہ کے ساتھ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ نہ ہو تو تنہا قوت عقلیہ تجارت و زراعت اور صنعت و حرفت اور تمدن و معاشرت کے اصول اور قوانین مرتب نہیں کر سکتی جن پر تمام کارخانہ عالم کا دار و مدار ہے۔ لہذا خلیفہ کے لیے یہ ضروری ہوا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کا بھی حامل ہو۔ نیز اگر جہاں میں

برائیاں اور قباحتیں موجود نہ ہوں تو بعثتِ رسل اور انزالِ کتب و شرائع و احکام و اوامر و نواہی سب معطل و بیکار ہو جائیں۔ ۷

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کربسوز دگر بولہب نباشد
شیخ اکبر قدس اللہ سرہ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں کہ ملائکہ نے علی الاطلاق تسبیح و تقدیس کا دعویٰ کیا حالانکہ انکی تسبیح و تقدیس فقط ان اسماء و صفات کے ساتھ مقید اور مخصوص ہے جن اسماء و صفات کا انکو علم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ سے معلوم ہوتا ہے مگر ملائکہ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے ایسے اسماء بھی ہیں کہ وہاں تک ملائکہ کے علم کی رسائی نہیں اور اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان اسماء و صفات کا علم عطا فرمایا خصوصاً وہ اسماء و صفات جنکا تعلق نعمت اور عذاب، موت اور ہلاک، صحت اور مرض سے ہے جیسے رزاق اور مطعم اور مہصور محی اور ممیت، ملائکہ ایسے اسماء و صفات کے ساتھ حق سبحانہ و تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتے جنکا تعلق عالم اجسام سے ہے اس لیے ملائکہ کی تسبیح و تقدیس بنی آدم کی تسبیح کے لحاظ سے مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ انتہی کلامہ۔ علاوہ ازیں بنی آدم کی تسبیح و تقدیس، شیطان اور نفس، قوہ شہویہ اور قوہ غضبیہ کے معارضہ اور مقابلہ کی وجہ سے زیادہ اکمل اور بہتر ہے، بخلاف ملائکہ کے کہ ان کی تسبیح و تقدیس بمنزلہ سانس کے اضطراری ہے اور اختیاری تسبیح و تحمید اضطراری تسبیح و تحمید سے بہتر ہے۔

جواب تفصیلی بعد جواب اجمالی

گزشتہ آیات اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں فرشتوں کے شبہ کا اجمالی جواب تھا۔ اب آئندہ تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور زیادتی بیان فرمائی تاکہ فرشتوں پر انکی فوقیت اور افضلیت ثابت ہو اور یہ ظاہر ہو جائے کہ جو شخص علوی اور سفلی کائنات کے اسماء و صفات سے واقف ہو وہی مستحقِ خلافت ہے یا یوں کہو کہ پہلا جواب حاکمانہ تھا اور یہ جواب حکیمانہ ہے۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا الخ اور سکھائے اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام مع ان کے خواص اور آثار کے اس لیے کہ جب تک کہ عالم کی تمام چیزوں کے نام اور ان کی حقیقت اور اوصاف اور خواص اور آثار اور طریقہ استعمال معلوم نہ ہو تو انکا انتظام اور ان میں تصرف کیسے کر سکتا ہے۔ محض نام جاننے سے نہ تو حضرت آدم کی فوقیت ثابت ہوگی اور نہ محض نام جاننے سے انتظام ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قیامت کے روز اول اہل ایمان شفاعت کے لیے حضرت آدم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور یہ کہیں گے۔
انت الہ الناس — خلقک آپ سب انسانوں کے باپ ہیں اللہ نے

اپنے ہاتھ سے آپ کو پیدا کیا اور فرشتوں
سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے
نام آپ کو سکھائے۔

اللہ بیدہ و اسجد لك
ملائكتہ و علمك اسماء
كل شئ۔

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتوں کو بھی بعض چیزوں کے نام کا علم تھا مگر ان کا علم انہیں چیزوں میں منحصر تھا جن کی خدمت پر وہ مامور تھے دوسری چیزوں سے ان کو کوئی تعلق اور سروکار نہ تھا۔ خلافت کے لیے علم تام اور عام چاہیے۔ بخلاف حضرت آدم کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم تام اور عام عطا فرمایا۔ مفردات اور مرکبات کے اسماء اور خواص اور آثار بتلائے صنعتوں اور حرفتوں کا علم عطا فرمایا۔ حفظان صحت اور معالجہ امراض کے اصول و قواعد بتلائے۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کو ان چیزوں کا علم نہیں دیا گیا۔ لہذا وہ خلافت کا کام کیسے انجام دے سکتے ہیں۔ اس لیے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے اور اسی آیت میں **وَعَلَّمَهُ اَدَمُ الْاَسْمَاءَ** کے بعد جو لفظ **كَلَّمَا** بڑھایا گیا وہ اسی عموم کی تاکید ہے کیونکہ آدم اور فرشتوں میں یہی ماہہ الامتیاز ہے کہ فرشتوں کو تمام اسماء کا علم نہیں اور حضرت آدم کو اسماء کی تعلیم بذریعہ الہام کے تھی کہ ان کے دل میں ڈال دیا کہ فلاں چیز کا فلاں نام ہے اور فلاں چیز کا فلاں نام ہے۔ اور اس تعلیم میں کلمہ اور کلام اور صوت اور حرف درمیان میں نہ تھی بلکہ واسطہ حرف اور صوت کے اور بغیر کلمہ اور کلام ان کے دل میں ڈالا اور یہ تعلیم بواسطہ الفاظ کے نہ تھی بلکہ بطریق **الْقَارِ فِي الْقَلْبِ** تھی جیسے **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكَ** میں تعلیم بواسطہ الفاظ کے نہ تھی۔ بلکہ القار فی القلب کے ذریعہ سے تھی کہ ان کے دل میں زہرہ بنانے کا طریقہ ڈال دیا۔ پھر جن چیزوں کے نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھائے ان چیزوں کی تصویروں کو فرشتوں پر پیش کیا پھر فرمایا کہ تم مجھے ان چیزوں کے نام ٹھیک ٹھیک بناؤ اگر تم اس بارہ میں سچے ہو۔ کہ تم میں خلافت کی صلاحیت ہے اور تم خلافت کی خدمت انجام دے سکتے ہو۔ اس لیے کہ جب تک کہ حقائق اشیاء اور ان کی صفات اور خواص اور آثار اور طریقہ استعمال کا علم نہ ہو اس وقت تک ان میں تصرف اور ان کا انتظام ناممکن ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا تو پاک اور منزہ ہے ہم کو کسی شئی کا بھی علم نہیں مگر فقط اس چیز کا جس کا تو نے ہم کو جتنا علم عطا کر دیا ہے شک حقیقت میں تو ہی علم والا اور حکمت والا ہے تو اس سے منزہ ہے کہ تر کوئی کا عبث اور خلاف حکمت ہو ہمارا علم ہماری استعداد کے مطابق ہے اور آدم کا علم انکی استعداد کے مطابق ہے اور استعدادوں اور صلاحیتوں کا تفاوت اور اختلاف تیرے علم اور حکمت پر مبنی ہے آپ مالک مطلق ہیں جس میں جو استعداد چاہیں وہ پیدا کر دیں فرشتوں پر جب یہ بات واضح ہو گئی کہ آدم علیہ السلام خلافت کی استعداد اور صلاحیت میں ہم سے بہتر اور برتر ہیں تو بصد عجز و زاری بارگاہ خلدی میں یہ بولے۔ **سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيُّ الْحَكِيمُ**۔

فائدہ

جاننا چاہیے کہ عرض ہم کی ضمیر اسماء کی طرف باعتبار مسمیات کے راجع ہے ظاہر کا مقفی

یہ تھا کہ ضمیر مؤنث کی لاتے اور یوں کہتے تھَوَّ عَرَضَهَا جیسا کہ ایک قرارت میں تھَوَّ عَرَضَهُنَّ ضمیر مؤنث کے ساتھ آیا ہے لیکن بجائے ضمیر مؤنث کے ذوی العقول کی ضمیر لائے یعنی هُمْ کی ضمیر لائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ عرض باعتبار وجود خارجی اور جسمانت ظاہری کے نہ تھا بلکہ باعتبار وجود روحی اور ملکوتی یا بطور وجود مثالی کے تھا اور اس وجود کے اعتبار سے تمام مخلوقات عاقل اور مدبرک ہیں اور تذکرہ و تانیث سے برابر ہیں حق جل شانہ نے فرمایا اے آدم تم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام مع خواص اور آثار کے بتلا دو کیونکہ اے آدم ہم نے تمکو اَ دِیْم اَرْض (یعنی روئے زمین) کی تمام اقسام کے مٹیوں سے ملا کر اور مختلف قسم کے پانیوں میں گوندھ کر بنایا ہے اور پھر برابر بنا کر تم میں روح پھونکی ہے جو جنس ملائکہ سے ہے اس لیے تم میں یہ استعداد اور صلاحیت ہے کہ تم ان چیزوں کے نام اور خواص اور آثار بتلا سکو اس لیے کہ ساری استعدادیں اور صلاحیتیں تم میں جمع ہیں جسمانی حیثیت سے تم زمینی ہو اور روحانی حیثیت سے تم علوی ہو اس لیے تم علوی اور سفلی چیزوں کو جس قدر سمجھ سکتے ہو دوسروں کو لیس نہیں سمجھ سکتا۔ غرض یہ کہ تمہارے ضمیر میں زمینی اور آسمانی دونوں قسم کی استعدادیں اور صلاحیتیں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ پس ان چیزوں کے نام مع خواص اور آثار کے فرشتوں کے سامنے بیان کرو تاکہ تمہارا فضل و کمال ظاہر ہو اور تمہاری فطرت میں جو عجیب و غریب استعدادیں اور صلاحیتیں ہم نے ودیعت کر رکھی ہیں وہ بروئے کار آجائیں اور فرشتوں پر یہ امر منکشف ہو جائے کہ یہ استعداد بشر کے ساتھ مخصوص ہے ملائکہ کو میسر نہیں پس جب بتائے آدم نے ان تمام چیزوں کے نام جو بے شمار اور بے انتہا تھیں۔ اور اس بیان میں کوئی غلطی بھی نہیں کی تو فرشتے حضرت آدم کے اس کمال علمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے تو اس وقت اللہ جل جلالہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے پہلے ہی کہا نہ تھا کہ میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتا ہوں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسکو بھی خوب جانتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ خلافت کے لیے ایسے حاوی اور کلی علم کی ضرورت ہے بغیر ایسے علم کے خلافت ناممکن ہے۔ فرشتوں کا علم حاوی اور کلی نہیں جس خدمت پر وہ مامور ہیں فقط اسی کے قواعد اور ضوابط ان کو معلوم ہیں کسی دوسری خدمت اور نظام کا ان کو علم نہیں۔ اور علیٰ ہذا ملائکہ کی قدرت و مشیت ان کے اختیار اور مرضی کے تابع نہیں بلکہ حق جل شانہ کی مرضی کے تابع ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی قدرت و مشیت خود اسکی مرضی کے تابع ہے انسان ہی کا علم اور قدرت حق تعالیٰ شانہ کے علم اور قدرت کا نمونہ ہے جو ضدین اور نقیضین سے متعلق ہو سکتا ہے۔ نیز بہت سی چیزوں کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا جب

لہ اور اسی وجہ سے کہ حضرت آدم کو تمام روئے زمین کی مٹیوں سے بنایا گیا ہے انکی اولاد میں کوئی مرغ رنگ ہے اور کوئی گورا اور کوئی بین بین اور کوئی نرم خوا اور کوئی ترش خوا اور کوئی نیک طینت اور کوئی بد طینت جیسا کہ مسند احمد اور ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے ۱۲

تک قوت شہویہ اور غضبیہ عقل کی معین اور مددگار نہ ہو اس لئے ایسی چیزوں کا نام وہی بتلا سکتا ہے جس میں قوت عقلیہ اور ادراکیہ کے علاوہ قوت شہویہ اور غضبیہ بھی ہو اور علیٰ ہذا جنات کا علم بھی ناقص ہے اور علاوہ ناقص ہونے کے غلبہ ناریت اور قوت خیالیہ کے غلبہ کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے اس لیے یہ خدمت انکے سپرد نہیں کی جاسکتی۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب فرشتوں نے یہ عرض کیا کہ اَلْجَعْلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا اِلٰهٌ تَوْحٰقُ تَعَالٰی شانہ نے دو جواب ارشاد فرمائے ایک حاکمانہ اور ایک حکیمانہ۔ حاکمانہ جواب تو یہ فرمایا کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ”موز مملکت خویش خسرواں دانند“ اور حکیمانہ جواب یہ ارشاد فرمایا۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کہ آدم علیہ السلام کو اشیاء کے تمام اوصاف اور خواص اور اسماء کی تعلیم دی تاکہ وہ ان اشیاء میں تصرف کرنے پر قادر ہوں۔ اس سے حضرت آدم کا بمقابلہ ملائک فضل و کمال ظاہر ہوا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جو چیزیں آدم علیہ السلام کو بتلائیں اگر فرشتوں کو بھی بتلا دیتے تو وہ بھی اسی طرح بتلا سکتے یہ تو ایسا ہوا کہ دو طلبہ کو شریک امتحان کریں اور ایک کو خلوت میں جواب سکھلا دیں اور پھر امتحان لیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تنہائی میں اسماء وغیرہ بتلا دیئے تھے اور جب یہ ثابت نہیں تو یہ بھی احتمال ہے کہ فرشتوں کے سامنے بھی بتلایا ہو اور یہی احتمال خدا تعالیٰ کے لطف کے اعتبار سے راجح ہے تو اب وہ مثال صحیح نہیں ہو سکتی ہے بلکہ اب اس کی مثال ایسی ہے کہ استاد نے اقلیدس کی کسی شکل کی دونوں طلبہ کے سامنے تقریر کی مگر امتحان کے وقت ایک تو بوجہ مناسبت کے بتلا سکا اور دوسرا نہ بتلا سکا۔ کیونکہ علم کے لیے استعداد کی ضرورت ہے اور یہ استعداد حضرت آدم علیہ السلام ہی میں تھی۔ مثلاً بھوک کی حقیقت جبریل علیہ السلام نہیں سمجھ سکتے تو فرشتے باوجود سننے کے بھی اس لیے نہ بتلا سکے کہ ان میں اس کی استعداد نہ تھی جو حق تعالیٰ شانہ نے اس امتحان سے یہ بتلا دیا کہ تم میں وہ استعداد نہیں اور وہی شرط تھی خلافت کی رہا یہ شبہ کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کو بھی بتلا دیا تو وہ ضرور سمجھے ہونگے تو ان میں بھی استعداد ثابت ہو گئی مگر یہ عرض لغو ہے کیونکہ بتلانے کیلئے مخاطب کا سمجھنا لازمی نہیں۔ اس لیے اَنْبِیَاءُ فرمایا۔ عِلْمٌ نِّہِیْں فرمایا۔ تعلیم کے معنی سمجھا دینے کے ہیں اور اَنْبِیَاءُ کے معنی اخبار یعنی تقریر کرنے کے ہیں گو مخاطب نہ سمجھا ہو اور یہ استعداد خاصہ بشر کا ہے۔ اگر فرشتوں کو یہ استعداد عطا کر دی جائے تو فرشتے فرشتے نہ رہیں جیسے حس و حرکت خاصہ حیوان کا ہے اگر جماد میں یہ صفت پیدا فرمادیں تو جماد۔ جماد نہ رہے گا بلکہ حیوان بن

جائیگا۔ لہذا اس سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ فرشتوں کو بشر کیوں نہ بنا دیا سو ظاہر ہے کہ یہ سوال بے معنی ہے جواب اسکا ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرشتوں کے پیدا کرنے میں جو حکمت ہے وہ معطل ہو جائے گی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اول ہی فرشتوں کو بشر بنا کر خلیفہ بنا دیتے تو یہ مسئلہ تقدیر کا ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ انکو بشر کیوں نہیں بنایا اس کی نسبت صرف یہی کہا جائیگا۔

حدیث مطرب دمی گو دراز دھر کمتر جو کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت این معمارا
(ہذا کلمہ ملخص من وعظ نفی الحرج پندرہواں وعظ از سلسلہ تبلیغ) خلاصہ کلام یہ کہ جب حضرت آدم کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو فرشتوں کو ان کی تعظیم کا حکم ہوا چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ اور اے بنی آدم تم خاص طور پر اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جس وقت ہم نے تمام فرشتوں کو تمہارے باپ کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا کہ سب مل کر آدم کو سجدہ کرو تاکہ تمہارے باپ کی فیضیت اور فوقیت عملی طور پر علی الاعلان ظاہر ہو جائے بادشاہ جب کسی کو اپنا خلیفہ بناتا ہے تو ارکان دولت کو حکم دیتا ہے کہ اس کو ندریں پیش کریں اور فوج کو سلامی کا حکم دیتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اس خلیفہ کی فرمانبرداری کرنا ہوگی تو سب سجدہ میں گر گئے، بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے اسرافیل علیہ السلام نے سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ تمام قرآن انکی پیشانی پر لکھ دیا۔ رواہ ابن ابی حاتم و ابوالشیخ وابن عساکر غرض یہ کہ سب فرشتے حکم الہی بجالائے اور سب نے آدم کو سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا اور اللہ کے علم میں وہ پہلے ہی سے کافروں سے تھا اگرچہ ظہور اسکے کفر کا اب ہوا اس لیے کہ حکم خداوندی کے امتثال سے انکار کرنا ایک کفر تو یہ ہوا۔ دوسرا کفر یہ کیا کہ حکم خداوندی کو خلاف حکمت اور خلاف مصلحت سمجھا۔ تیسرا کفر یہ کیا کہ اپنے تہود اور سرکشی کو حکم خداوندی کے تعمیل سے بہتر سمجھا میں نے سنا ہے کہ اس زمانہ کے بعض ملحد شیطان کو موحد اعظم کہتے ہیں۔ اللہ اکبر جو خبیث ذات اپنے کو خداوند ذوالجلال کا ہم پلہ اور ہم رتبہ سمجھتی ہو وہ تو مشرک اعظم ہے شیطان کو موحد اعظم کہنا یہ اس شخص کے نادان اعظم اور احمق اعظم ہونے کی روشن دلیل ہے۔

ابلیس اصل میں جنات سے ہے مگر ابتداء میں ملائکہ کے ساتھ اختلاط رکھتا تھا۔ فساد اور خونریزی کی وجہ سے جب جنات کو زمین سے نکال کر جزائر اور جبال میں منتشر کیا گیا تو ابلیس ان میں بہت بڑا عالم اور عابد تھا۔ فساد اور خونریزی سے اپنا بے لوث ہونا ظاہر کیا تو فرشتوں کی سفارش سے بچ گیا اور فرشتوں میں رہنے کی اجازت ہوئی مگر دل میں یہ طمع لگی رہی کہ کسی طرح زمین کی فرمانروائی مجھ کو مل جائے اس طمع میں خوب عبادت کرتا رہا جب حضرت آدم کی خلافت کا وقت آیا اور تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا۔ تو ابلیس اس وقت ناامید ہوا اور استکبار اور حسد نے اس کو حق جل شانہ

کے مقابلہ اور معارضہ پر آمادہ کیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون و مطرود و درجیم و مردود ہوا۔ ابلیس اگرچہ ملائکہ میں سے نہیں کما قال تعالیٰ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (اور تھا ابلیس جنات میں سے) مگر خطاب سجود میں بتبعیۃ ملائکہ بالاولیٰ داخل تھا۔ بادشاہ جب سپاہیوں کو حکم دیتا ہے تو سائیس اور فراش بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مامور ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ شیطان کو علاوہ ملائکہ کے سجدہ کا کوئی صریح حکم کیا گیا ہو جیسے اَلَا تَسْجُدُ اِذْ اَمَرْتُكَ۔ سے متبادر ہے۔

سجدہ کی دو قسمیں ہیں ایک سجدۂ عبادت یعنی کسی کو خدا اور مجبور و سمجھ کر سجدہ کرنا اس قسم کا سجدہ تمام ملتوں میں کفر ہے اور شرک ہے۔ اس قسم کا سجدہ کسی ملت اور شریعت میں کسی وقت میں جائز نہیں رکھا گیا۔ دوسرا سجدۂ تحیت و تکریم یعنی بطور تعظیم کسی کے سامنے سر جھکانا جیسے ابتداء ملاقات میں سلام کرتے ہیں۔ اسی طرح شرائع سابقہ میں بطور تسلیم یہ سجدہ تکریم مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ نے اب اسکو بھی ممنوع اور حرام قرار دیا ہے جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے، دونوں سجدوں میں فرق اتنا ہے کہ سجدۂ عبادت تو کفر ہے اور سجدۂ تعظیم حرام ہے یا یوں کہو کہ سجدۂ عبادت شرک اعتقادی اور سجدۂ تعظیم شرک عملی ہے تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سجدۂ عبادت نہ تھا اس لیے کہ سجدۂ عبادت سوائے خدا کے کسی کو کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتا یہ سجدۂ تعظیم و سلام تھا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے خَرُّوا لَهُ سُجَّدًا۔

مناظرہ عدو اللہ درباره فضیلت خلیفۃ اللہ

ابلیس علیہ اللعنة الخ یومہ القیام نے جب سجدہ سے انکار کیا تو علت یہ بیان کی۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ۔
اے خدا میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور آگ مٹی سے بہتر ہے اس لیے میں آدم سے بہتر ہوا مگر اسکا یہ دعویٰ کہ آگ مٹی سے بہتر ہے بالکل غلط ہے بلکہ عنصرترابی کا عنصرترابی سے بہتر ہونا متعدد وجوہ اور دلائل سے ثابت ہے۔
(۱) آگ بالطبع مفسد اور مہلک ہے، احراق اور اتلاف اسکا خاصہ ہے بخلاف تراب کے کہ وہ

۱۔ یعنی تجھ کو سجدہ کرنے سے کیا چیز مانع ہوئی جبکہ تجھ کو میں نے حکم دیا تھا۔ ۱۲ مدیر
۲۔ یہ مناظرہ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الفوائد ص ۱۳۹ ج ۴ میں ذکر فرمایا ہے۔

نہ ہلک ہے اور نہ محرق۔

(۲) آگ کی طبیعت ہی خفت اور حدت اور طیش سے بھری ہوئی ہے بخلاف تراب کے کہ اس میں رزانت و وقار سکون اور ثبات ہے۔

(۳) زمین ہی حیوانات کے اُزاق و اقوات اور انسانوں کے لباس اور زینت اور تمام سامان معیشت کا معدن اور منبع ہے، بخلاف آگ کے کہ وہ ان تمام نفع رسائیوں سے بالکل بیگانہ ہے۔

(۴) عنصر ترابی کی ہر حیوان کو ضرورت ہے کوئی حیوان زمین سے مستغنی نہیں، بخلاف عنصر ناری کے کہ وحوش بہائم تو اس سے بالکل مستغنی ہیں، انسان بھی بعض اوقات آگ سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

(۵) زمین میں کسی شے کا اگر ایک تخم بھی ودیعت رکھ دیا جاتا ہے تو زمین ایک تخم کو اضعا فاضعا عطف بنا کر واپس کر دیتی ہے۔ آگ میں جو کچھ بھی رکھا جائے جلا کر سب کو خاکستر بنا دیتی۔

(۶) حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں بحضرت زمین اور زمین کے منافع کا ذکر فرمایا ہے کہ زمین کو ہم نے مہاد اور فراش بساط اور قرار احیاء اور اموات کا مادی اور ملجاء بنایا زندہ اس پر زندگی بسر کرتے ہیں اور مر کر اس میں دفن ہوتے ہیں اور بار بار زمین اور زمین کے عجائب میں تفکر اور تدبر کا حکم دیا۔ بخلاف آگ کے کہ اکثر و بیشتر اسکو موقع عقاب و عذاب اور مقام تخویف و ترہیب میں ذکر فرمایا۔ صرف ایک دو جگہ یہ ارشاد فرمایا ہے۔ تَذَكُّرًا وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ کہ یہ آگ آخرت کی آگ کی یاد دہانی اور مسافروں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

(۷) حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بار بار زمین کا منبع برکات اور سرچشمہ ہونا بیان فرمایا ہے کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ - اٰیٰنُكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهُ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رِوٰسِيْ مِنْ فَوْقِهَا وَ بَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَامًا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ - اس آیت میں برکت عامہ کا ذکر فرمایا۔ اور آیت وَ بَجَّيْنٰهُ وَ نُوطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ اور آیت وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْفُرُجِ الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظٰهِرَةً اور آیت وَلَسْلِمْنَا السَّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرٰى بِاَمْرِ الْحَبْلِ الْاَرْضِ الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا فِيْ اَنْبِيَاۡئِ الْاَرْضِ ان برکات کو ذکر فرمایا کہ جو زمین کے خاص خاص قطعوں کو حاصل ہیں۔ بہر حال زمین برکات عامہ اور برکات خاصہ دونوں کا معدن اور منبع ہے، بخلاف آگ کے کہ وہ منبع برکات تو کیا ہوتی۔ اس کے برعکس وہ تو برکات کی مٹانے والی اور فنا کرنے والی ہے۔

(۸) مساجد اور وہ بیوت کہ جن میں صبح و شام اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ ہر وقت اس کی عبادت اور بندگی سے معمور رہتے ہیں وہ سب زمین ہی پر واقع ہیں۔ تمام روئے زمین پر اگر سوائے اس بیت حرام کے جس کو خدا نے مبارک اور ہادی لِلْعٰلَمِيْنَ اور قِيَامًا لِلنَّاسِ فرمایا ہے اور کچھ

بھی نہ ہوتا تو یہ زمین کے شرف اور فضیلت کے لیے کافی اور وافی تھا۔

(۹) جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ آگ ان کی خدمت کے لیے ہے۔ جب ضرورت ہوتی ہے تب آگ سلگائی جاتی ہے، ضرورت ختم ہوتے ہی آگ کو بجھا دیا جاتا ہے، آگ زمین کے لیے بمنزلہ ایک خادم کے ہے اور زمین بمنزلہ مخدوم کے ہے۔

علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نار تراب سے بہتر ہے تب بھی یہ استدلال فاسد ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے کا مادہ دوسری شے کے مادہ سے مفضول اور کمتر ہو مگر وہ شے بہ ہیئت موجودہ دوسری شے سے افضل اور بہتر ہو مثلاً انبیار و مرسلین نطفہ اور علقہ سے پیدا کیے گئے اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے مگر خدائے عز و جل نے انبیار و مرسلین کو ملائکہ مقررین پر فضیلت دی آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا اور جبرئیل اور میکائیل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر وزیر بنایا اور ابوبکر و عمر کو زمین میں آپکا وزیر اور مشیر بنایا اور اگرچہ آدم کو ہم نے زمین کی خلافت اور اسکی عمارت کے لیے پیدا کیا ہے مگر سردست ہم نے ان کو حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ تاکہ بہشت کے محلات اور باغات اور چشموں اور نہروں کو دیکھ کر دنیا میں اس کا نمونہ قائم کر سکو اور فقط سیر پر اکتفا نہ کرو بلکہ چند روز وہاں کی رہائش اختیار کرو اور فی الحال اسکو وطن سکونت بناؤ۔ تاکہ اس کی تعمیر کی کیفیت خوب ذہن نشین ہو جائے۔ اور حضرت حواری کو جنت میں رہنے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ وہ بہشت کے محلوں کی آرائش اور انکی زیب و زینت اور وہاں کے زیورات اور حریری لباس کو خوب غور سے دیکھ لیں۔ اور سمجھ لیں تاکہ دنیا کی عورتوں کو اس طریق پر چلا سکیں اور کھاؤ و نعم اس بہشت سے خوب وسعت اور فراغت کے ساتھ جہاں سے چاہو تاکہ تمام ماکولات اور مشروبات کے خواص اور آثار، منافع اور مضار تم کو معلوم ہوں اور پھر اس علم کے مطابق دنیا کے ماکولات و مشروبات میں تصرف کر سکو اور زمین میں جو شجر اور ٹھہارے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان سے نفع اٹھا سکو۔ مگر باوجود اس عام اجازت کے بطور ابتلا اور امتحان جس میں تمہارے لیے سرسبز خیر ہی خیر ہے ہم تم کو بعض چیزوں کے استعمال سے منع بھی کرتے ہیں تاکہ تم لذائذ اور مرغوبات کے خوگر نہ ہو جاؤ اور وہ یہ کہ تم اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ درخت کے تعین میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ وہ کیا درخت تھا۔ گہوں کا تھا کہ انجیر کا۔ زیتون کا تھا یا انگور کا۔ سلف اور خلف میں مشہور یہی ہے کہ وہ گہوں کا درخت تھا اور اصل حقیقت خدای کو معلوم ہے کہ وہ کیا درخت تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کا علم کچھ مفید اور نافع نہیں اور اس کا جہل کچھ مضر نہیں۔ غرض یہ کہ تم کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

ف حضرت آدم اور حوا کو جس جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا اس سے وہی جنت الخلد

مراد ہے جسکا قیامت کے بعد متقین سے وعدہ ہے جیسا کہ قرآن کریم کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے پیشتر آیت وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَحَمِلُوا الصَّلَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ میں اسی جنت الخلد کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بعد حضرت آدمؑ اور حواؑ کو یاد دہا کر اِذْ اَسْكَنْتُ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ کا حکم ہوا اور الجنتہ کو معروف باللام ذکر فرمایا جسکا صاف مطلب یہی ہے کہ اس مقام پر الجنتہ سے مہرود اور معروف جنت مراد ہے جسکا سابق میں ذکر ہو چکا ہے پھر اس کے بعد جب حضرت آدمؑ کے سہو کا ذکر فرمایا اور سہو کے معنی اوپر سے نیچے اترنے کے ہیں بعد ازاں یہ فرمایا وَلَكُمُ فِي الْأَرْضِ مَسْكَنٌ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو ابتداء میں جس جگہ رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ زمین کے علاوہ کوئی اور جگہ تھی۔ ورنہ اگر پہلے ہی سے زمین پر تھے تو پھر اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ تم زمین پر اترو اور وہاں جا کر ٹھہرو۔

صحیح مسلم میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ اقول حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور یہ عرض کریں گے۔

یا ابانا استفتح لنا الجنة
فیقول و هل اخرجکم
من الجنة الا خطیئة
ابیکم۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ اسی جنت سے نکالے گئے تھے کہ جس جنت کا دروازہ مومنین کھلوانا چاہتے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

احتج آدم و موسى
عند ربهما فخرج آدم
موسى قال موسى انت آدم
الذى خلقك الله بيلا و
لفخ فيك من روحه و
اسجد لك ملائكتہ واسكنك
فی جنتہ ثم اهبطت
الناس بخطیئتک

عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ کے سامنے
حضرت آدم و موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ
ہوا۔ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام
پر غالب آگئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ تو
وہی آدم ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے
دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنی خاص
روح تم میں بھونکی۔ اور فرشتوں سے تم
کو سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں تم کو سکونت

الارض الى اخر
المحدث

عطا فرمائی اور پھر تم ہی نے لوگوں کو اپنی
خطار سے جنت سے زمین کی طرف

اتارا۔

یہ حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ یا ادم اسکن انت و زوجک الجنة میں
الجنة سے وہی جنت مراد ہے جو آسمان پر ہے حاشا جنت سے زمین کا کوئی باغ مراد نہیں رہا
کہ بعض کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ آدم کو جس جنت میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ دنیا ہی کے باغوں میں سے کوئی
گھنا اور گنجان باغ تھا یہ بالکل غلط ہے پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آیت میں جنت سے کوئی
دنیاوی باغ مراد ہے جہاں حضرت آدم و حوا آرام سے رہتے تھے اس باغ میں شیطان نے جا کر حضرت
آدم و حوا کو دھوکہ دیا یہ قول بالکل غلط ہے اور ذرہ برابر قابل التفات نہیں رہا۔ یہ سوال کہ جنت میں جانے
کے بعد وہاں سے نکلنا نہیں تو حضرت آدم جنت میں جانے کے بعد کیسے نکلے، جواب یہ ہے کہ قیام قیامت
کے بعد جنت میں داخل ہو گا وہ کبھی جنت سے نہ نکالا جائے گا، اللہ نے دخول جنت پر جو خلود اور
دوام کا وعدہ فرمایا اس دخول سے وہ دخول جنت مراد ہے جو قیام قیامت اور جزاء اور سزا کے
بعد ہو گا۔ کیا احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں جنت
کی بھی سیر فرمائی، اور پھر صبح سے قبل ہی اس عالم میں تشریف لے آئے اسی طرح حضرت آدم کے دخول
کو سمجھیے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ حق جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آئین خلافت سکھنے کے
لیے قسم قسم کی اشیاء سے تمتع اور انتفاع کے طریقے معلوم کرنے کے لیے
اپنے حرم خاص جنت میں چند روزہ سکونت کے لیے حکم دیا اور تمام اشیاء سے تمتع اور انتفاع کی
عام اجازت عطا فرمائی۔ صرف ایک قسم کے درخت سے منع فرمایا۔ شیطان تاک میں تھا کہ ان سے کوئی
گناہ اور لغزش صادر ہو مگر گناہ اور لغزش اسی وقت ہو سکتی ہے جب کوئی قید اور ممانعت ہو
جب کسی چیز کی ممانعت ہی نہ ہو تو معصیت کیسے سرزد ہو۔ شیطان کو جب لا تقربا ہذا الشجرۃ
کی نہی اور ممانعت کا علم ہوا تو سمجھا کہ شاید اس راہ سے آدم پر میرا کوئی وار چل جائے اور اس
طرح اپنی دشمنی نکالنے کا موقع مل جائے۔ چنانچہ حضرت آدم کے بہکانے اور پھسلانے کی فکر شروع
کی۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کے پاس گیا اور یہ کہا کہ تم اپنی اس تعظیم و تکریم پر مغرور نہ ہونا۔ انجام کو
بھی سوچو۔ انجام تمہارا موت ہے۔ حضرت آدم نے پوچھا کہ موت کیا ہے۔ شیطان نے مردہ جانور کی صورت
بنا کر نزع اور قبض روح کی طرح کچھ کیفیت اور شدت اور غرغہ کی حالت ان کو دکھائی دیکھتے
ہی گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو کر پوچھا کہ اچھا اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر کیا ہے۔
شیطان نے کہا۔

هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةٍ
الْمُخْلَدِ وَ مُلْكٍ لَا يَبْلَى
کیا میں تم کو اس درخت کی نشان دہی نہ
کروں کہ جس کے کھانے سے موت اور
فنا نہ آئے اور بقار اور دوام اور دائمی
سلطنت اور لازوال بادشاہت حاصل
ہو جائے۔

حضرت آدمؑ نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے۔ شیطان نے وہی درخت بتلایا جس کے
قریب جانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو منع کیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے کہا کہ یہ درخت تو فنا
اور زوال کا ہے۔ بقار اور دوام کا نہیں بلکہ رسوائی اور ندامت کا درخت ہے۔ قرب اور وجاہت
کے بجائے بُعد اور ذلت کا موجب ہے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہم کو اسکے قریب جانے سے
بھی منع فرمایا ہے۔ اگر اس درخت میں یہ فائدے ہوتے تو وہ ارحم الراحمین ہم کو منع نہ فرماتا۔ شیطان
نے کہا۔

مَا نَهَا كُما رَبُّكُما
عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ
إِلَّا أَنْ تَكُونَا
مَلَائِكَةً أَوْ تَكُونَا
مِنَ الْخَالِدِينَ
تمہارے پروردگار نے اس درخت سے
اس لیے منع نہیں کیا کہ اس کا پھل تمہارے
لیے موجب ضرر ہوگا بلکہ اس لیے منع
کیا ہے کہ تم اسکے کھانے سے ہمیشہ زندہ
رہنے والے یا فرشتے بن جاؤ گے جو ایک
لمحہ کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں
ہوتے اور کھانے اور پینے اور زن و فرزند
اور دنیا و مافیہا سے انہیں کوئی سروکار نہیں
ہوتا۔

پس اگر یہ حالت تم کو حاصل ہو جائے تو خلافت کا کام کیسے انجام پائے۔ دنیا کی خلافت
کا کام تو زن و فرزند اور طعام و شراب اور کسب معاش کی فکر میں مشغولی سے انجام پا سکتا ہے اور
ظاہر ہے کہ زن و فرزند میں مشغول رہ کر خدا کے ساتھ مشغول نہیں رہ سکتا۔
حق تعالیٰ شانہ کو چونکہ تم سے خلافت کا کام لینا ہے اس لیے تم کو اپنے سے دور بھیج رہا
ہے اور اس درخت کے میوہ کا استعمال خداوند ذوالجلال کے قرب و اتصال کا موجب ہے اور
بہشت میں موت نہیں۔ تم کو محض آئین خلافت کے سکھانے کے لیے چند روز بہشت میں رہنے
کا حکم دیا ہے۔ اسکے بعد تم کو اپنی بارگاہ قرب سے علیحدہ کر کے دنیا میں بھیجے گا۔ وہاں جا کر تم اور
تمہاری اولاد طرح طرح کی پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونگے اور انجام سب کا موت ہوگا اور خداوند

ذوالجلال کا قرب اور وصال اور یہاں کا یہ ملک لازوال دنیا میں جانے کے بعد اور خلافت ارضی کے ملنے کے بعد باقی نہیں رہ سکتا۔ حضرت آدمؑ اور حواؑ ابلیس کی ان دلفریب باتوں سے تردد اور اضطراب میں پڑ گئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک عاشق صادق حکومت اور سلطنت کو چھوڑ سکتا ہے مگر محبوب کی مفارقت اور جدائی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ عاشق صادق کے لیے تو مفارقت کا لفظ ہی فراقِ روح کا پیغام ہوتا ہے۔ ابلیس نے جب دیکھا کہ حضرت آدمؑ اور حواؑ تردد میں پڑ گئے تو ان کو پختہ کرنے کے لیے بہت سی قسمیں کھاتیں۔ کما قال تعالیٰ: وَقَاسَمَهُمَا آتِي لَكُمَا لِمَنِ الدَّارُ صَحِيحِينَ۔ کہ خدا کی قسم تمہاری خیر خواہی سے تم کو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ تم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو بے ادبی اور گستاخی مجھ سے سرزد ہو چکی ہے اس خیر خواہی سے اس کی کچھ تلافی کر دوں تاکہ عمر بھر تم مجھ کو یاد کرو اور میرے فخر گزار رہو۔ حضرت آدمؑ کو یہ خیال ہوا کہ مخلوق کی یہ جرات اور مجال نہیں کہ خداوند ذوالجلال پر جھوٹی قسم کھائے اور اس تاکید اکید کے ساتھ کھائے۔ اس لیے بظاہر یہ سچ ہو گا اور قرب اور وصال کے حصول کے شوق میں لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ کے حکم سے ذہول ہو گیا اور اس کی عداوت کو بھی بھول گئے فَازْلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا پس شیطان نے آدمؑ اور حواؑ کو اس درخت کے پھنے سے اس طرح پھسلا دیا اور معلوم نہیں کہ حضرت حواؑ اور حضرت آدمؑ کے سامنے اس لعین نے کیا کیا دلفریب باتیں بنائی ہونگی جس سے وہ دھوکہ میں آ گئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرارت میں بجائے فَازْلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا کے فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا آیا ہے۔ کما فی الکشاف۔ اس قرارت میں لغزش کی ایک کیفیت کا بیان ہے، شیطان نے بذریعہ وسوسہ حضرت آدمؑ اور حواؑ کو لغزش دی فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ پس نکالا ان دونوں کو اس راحت اور آرام سے جس میں وہ تھے اور گناہ کی برائی ظاہر کرنے کے لیے ہم نے آدمؑ اور حواؑ سے کہا کہ اترو تم بہشت سے اس لیے کہ تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہو گا۔ اور بہشت نہ معصیت کا محل ہے نہ عداوت اور دشمنی کا۔ اس کے لیے تو دارِ دنیا ہی موزوں اور مناسب ہے دنیا ہی میں خدا کی نافرمانی اور آپس کی عداوت ممکن ہے خدا کی بہشت اور ساتوں آسمان حق جل و علا کی معصیت سے بالکلیہ پاک اور آپس کی عداوت سے بالکل منزہ ہیں۔

فائدہ اِهْبِطُوا کا خطاب حضرت آدمؑ اور حواؑ کو ہے جیسا کہ دوسری جگہ قُلْنَا اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بصیغہ تثنیہ وارد ہوا ہے۔ چونکہ حضرت آدمؑ ابوالبشر اور حضرت حوا ام البشر ہونے کی وجہ سے تمام بنی نوع انسان کے قائم مقام ہیں اس لیے اس جگہ قُلْنَا اِهْبِطُوا میں حضرت آدمؑ اور حواؑ کو صیغہ جمع کے ساتھ مخاطب فرمایا اور چند روز تک تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے اور وہاں کے ساز و سامان سے ایک وقت معین تک تم کو متمتع اور منتفع ہونا ہے یعنی وہ انتفاع دائمی نہ ہو گا بلکہ ایک وقت معین تک ہو گا اور وہ وقت معین ہر شخص کے لحاظ سے تو موت ہے اور سارے عالم

کے اعتبار سے قیامت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس خطابِ سراپا عتاب کو سنتے ہی بے چین اور بے تاب ہو گئے۔ فوراً بارگاہِ خداوندی میں ایسے تضرع اور ابہتال کے ساتھ ملجی ہوئے کہ سارے عالم کا تضرع اور ابہتال بھی اس کے پاسنگ نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی شانِ عفو اور مغفرت جوش میں آگئی۔

اے خوشا چشمے کہ آلِ گریان اوست دے ہمایوں دل کہ آلِ بریان اوست
در پئے ہر گریہ آخر خندہ الیست مرد آخر ہیں مبارک بندہ الیست

اور حضرت آدم کو توبہ اور معذرت کے کلمات تلقین فرمائے گئے۔ ابلیس کی معصیت چونکہ مقرر اور سرکشی کی بنا پر تھی اس لیے اس کو توبہ اور معذرت کی تلقین نہیں فرمائی۔ اور حضرت آدم کی معصیت سہو اور نسیان اور ذہول اور غفلت کی بنا پر تھی اس لیے انکو بارگاہِ خداوند سے کلماتِ معذرت کا القاء اور الہام ہوا جو انکی توبہ کی قبولیت کا سبب ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

پس حاصل کیے آدم نے اپنے رب کے الہام سے معذرت کے چند کلمے۔ پس توجہ فرمائی ان پر اللہ نے اپنی رحمت اور مغفرت سے۔ اور بیشک وہی توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ تو اب کے بعد رحیم کی صفت ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ توبہ کا قبول کرنا اس پر واجب نہیں محض اپنی رحمت سے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَكَ تَغْفِرُ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ جیسا کہ سورہ اعراف میں اُنکا ذکر ہے۔

حضرت حواؑ چونکہ حضرت آدمؑ کے تابع تھیں اس لیے اس جگہ انکی توبہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور سورہ اعراف میں دونوں کی توبہ ذکر فرمائی۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا الْإِنْسَانَ لِنَفْسَيْنَا إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ کہہ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا الْإِنْسَانَ لِنَفْسَيْنَا الخ اس پر اللہ نے اپنی رحمت سے ان کے گناہ کو معاف کیا اور توبہ کو قبول فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بن گئے۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (اللہ تعالیٰ تو ابین کو محبوب رکھتا ہے)۔

توبہ کے اصلی معنی رجوع کے ہیں اور اَوْب کے معنی بھی رجوع کے ہیں۔ تاب اور آوب اور آواب اسکو کہتے ہیں کہ جو معصیت سے طاعت کی طرف رجوع کرے اور آوب اور آواب وہ ہے جو غفلت سے ذکر اور فکر کی طرف رجوع کرے کَمَا قَالَ تَعَالَى نَعَمْ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ اور جب تاب کی اسناد حق تعالیٰ کی طرف کی جائے مثلاً تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ۔ کہا جلتے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے انتقام اور عقوبت سے عفو اور رحمت اور لطف و عنایت کی طرف رجوع فرمایا۔

حضرت آدمؑ کے توبہ قبول ہو جانے سے عیسائیوں کے عقیدہ کی تردید

ہو گئی کہ آدم کی معصیت کی وجہ سے ان کی تمام اولاد گناہ کے بوجھ میں لدی ہوئی تھی۔ عیسیٰ نے آکر تمام بنی آدم کو اپنی صلیبی موت سے گناہوں سے مخلصی دی۔ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بالکل مہمل ہے عقل اور نقل کے خلاف ہے۔

ازالہ اشتباہ از لغزش سیدنا و بینا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام و تحقیق مسلک علماء اسلام در بارہ عصمت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب دیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے باوجود اول الانبیاء اور نبی مکرم اور رسول محترم ہونے کے یہ زلت (لغزش) کیسے صادر ہوئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ عصمت انبیاء کی مختصراً توضیح اور تشریح کر دی جائے اور عصمت اور معصیت کی حقیقت سمجھا دی جائے۔ اصل مسئلہ سمجھ جانے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کوئی اشکال نہ رہے گا اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزه ہوتے ہیں۔ قصداً و ارادۃً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔ اگر قصداً ان سے حکم الہی کی مخالفت ممکن ہوتی تو حق جل شانہ مخلوق کو انکی بے چون و چرا اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت نہ قرار دیتا اور انبیاء کرام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا نہ قرار دیتا۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے
اللہ کی اطاعت کی۔
تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں

قال تعالیٰ وَ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ
فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔
إِنَّ الْمَدِیْنِ یُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا

۱۔ زلت بمعنی لغزش فتح زار کے ساتھ ہے جسکے معنی بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل جانے کے ہیں یہ لفظ زار کے ساتھ ہے ذال کے ساتھ نہیں۔ ذال کیساتھ لفظ ذلت بکسر ذال ہے جو عزت کی ضد ہے اور قرآن کریم میں فازلہما۔ زار کے ساتھ آیا ہے۔ ذال کے ساتھ نہیں۔ خوب سمجھ لو کہیں لغزش نہ ہو جائے ۲۔ حافظ توربشتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ و از انجملہ آنست کہ ہوائے ایشان پئے فرمان حق بودہ است و نفس ایشان ہموارد طاعت او بفرمان ایشان و ازین وجہ ایشان از نافرمانی خدا بقصد معصوم ماند و ایشان واجب العصمت اند و مخالفت امر خدا کے تعالیٰ بر ایشان روا نیست زیرا کہ حق خلق را فرمودہ است کہ پیروی ایشان بکنند و اگر عصیاں بقصد از ایشان یافت شدے خدا کے تعالیٰ خلق را متابعت ایشان نفرمودے۔ (معتمد فی المعتمد ص ۶۳)

يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ
فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ انکے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

دست اور احق چود دست خویش خواند

تایید اللہ فوق ایدیہم بر اند

اور ظاہر ہے کہ یہ اتباع نبوی اور اقتدار مطلق کا حکم جو آیات قرآنیہ سے ثابت ہے وہ کسی خاص امر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عقائد سے لیکر اعمال تک کوئی عقیدہ اور کوئی خلق اور کوئی حال اور کوئی عمل کیوں نہ ہو سب میں اقتدار نبوی ضروری ہے جیسا کہ مقتضائے اطلاق یہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت انبیاء کرام کی ذوات بابرکات۔ قدسی صفات اور ملکی سمات ہوتی ہیں۔ انبیاء کرام کی اصل فطرت وہی ہوتی ہے جو ملائکہ کی ہوتی ہے۔ فطرت کے اعتبار سے انبیاء اور ملائکہ ایک ہوتے ہیں۔ فرق فقط لباس بشری کا ہوتا ہے اور عصمت ملائکہ کا خاصہ لازمہ ہے اور انبیاء کرام۔ ملائکہ سے افضل ہیں جیسا کہ حضرت آدم کا قصہ اس پر شاہد عمل ہے۔ ابلیس لعین اسی وجہ سے ملعون اور مطرود ہوا کہ اس نے حضرت آدم کی افضلیت اور برتری کو تسلیم نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم ملائکہ معصومین سے افضل اور برتر ہیں اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم معصوم سے افضل نہیں ہو سکتا۔

عصمت کے معنی

عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوں اور نفس اور شیطان یہی دو چیزیں مادہ معصیت

ہیں اور مادہ معصیت سے پاک ہونے کا نام عصمت ہے اور معصوم وہ شخص ہے جو اپنے تمام اعتقادات اور نیات اور ارادات اور مقامات اور اخلاق و عادات اور عبادات و معاملات اور اقوال و افعال میں نفس اور شیطان کی مداخلت سے محفوظ ہو اور حفاظت غیبی اس کی محافظ اور نگہبان ہو کہ اُن سے کوئی ایسی شئی سرزد نہ ہو جائے کہ اُن کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت اُن کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہو جو کشاں کشاں انکو راہ راست پر چلاتی ہو اور خلاف حق کے میدان سے بھی اُن کی مانع ہو حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین^۱ والاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے جس سے من کل الوجوه ارتضا اور اصطفا اور اخلاص کامل مراد ہے اور مخلص وہ ہے کہ جو خالص اللہ کا ہو غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو یعنی مادہ شیطانی سے بالکل پاک ہو لہذا ضروری ہوا کہ نبی صغائر اور کبائر دونوں سے معصوم ہو اس لیے کہ مادہ شیطانیہ ہی صغائر اور کبائر

۱۔ کما قال تعالیٰ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِيمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ اُولٰٓئِذِیْ وَاَلْبَصَارِ اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ
بِمَخْلِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰٓیْنَ الْاٰخِیَارِ وَاَقَالَ تَعَالٰی حَاكِيَا عَنِ اللَّعِیْنِ
رَبِّ بَنٰٓی اٰغْوٰیئِنِّیْ لَا زَیِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَا اَغْوٰیئَهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِیْنَ۔

کا منشا رہے اور حق جل شانہ کے اس ارشادِ الّٰمَنِ ارْتَضٰی عَنْ رَسُوْلٍ مِّنْ بَيَانِيْهِ ہے اور لفظ رسول نکرہ لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ ہر رسول کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور برگزیدہ بندہ ہو یعنی تمام اخلاق و عادات اور افعال و ملکات اور احوال و مقامات میں من کل الوجوه حق تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور بلا شرکت غیرے خالص اللہ کا بندہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان آیات میں بعض وجوہ سے پسندیدگی مراد نہیں اس لیے کہ بعض وجوہ سے تو ہر مسلمان خدا کا پسندیدہ بندہ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے اصطفاء اور اجتباء اور ارتضائے من کل الوجوه پسندیدگی اور برگزیدگی مراد ہے اور من کل الوجوه پاک و صاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلا شرکت غیر خالص حق تعالیٰ کا بندہ وہی ہو سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی بندگی اور اطاعت سے بالکلیہ پاک ہو اور اسی مادۂ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نراہت کا نام عصمت ہے اور اصطفاء اور ارتضائے باب افتعال کے مصدر ہیں جو اپنے لیے ہوتا ہے۔ اکتیال اور اتزان اپنے لیے کیل و وزن کرنے کو کہتے ہیں اور کیل اور وزن عام ہے خواہ اپنے لیے ہو یا غیر کے لیے۔ کما قال تعالیٰ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَکْتَالُوْا عَلٰی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَانُوْهُمُوْا وَزَنُوْهُمُوْا یُخْسِرُوْنَ اپنے لیے کیل کرنے کو اکتالوا یعنی باب افتعال کے صیغہ سے تعبیر کیا گیا اور دوسروں کے لیے تو لنے کو کالوہم اور وزنوہم ثلاثی مجرد سے تعبیر کیا گیا پس اس قاعدۂ لغویہ کے بنا پر اصطفاء اور ارتضائے معنی اپنے لیے پسندیدہ اور برگزیدہ بنانیکے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ پس عصمت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام تمام اخلاق و ملکات و عادات و حالات۔ اقوال و افعال عبادات و معاملات میں سرتاپا پسندیدہ خداوندی اور برگزیدہ ایزدی ہوتے ہیں اور ظاہراً اور باطناً دخل شیطانی اور عوارض نفسانی سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی عنایت ربانی و حمایت یزدانی سے علیحدہ نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کی بے چون و چرا اطاعت فرض ہے اور ان کا ہر قول اور ہر فعل قابل قبول ہے اور ان کی اطاعت سے انحراف شقاوت ابدی اور خسران دارین کا موجب ہے حضرات انبیاء کرام سے اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت کوئی لغزش بطور سہو و نہیان صادر ہو جاتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے اندر سے نہیں آتی جیسے آب گرم میں حرارت خارجی اثر سے آتی ہے باقی پانی میں مادۂ حرارت کا نام و نشان نہیں پانی کی طبیعت میں سوائے برودت کے کچھ بھی نہیں یہی وجہ ہے کہ پانی کتنا ہی گرم ہو اگر آگ پر ڈال دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام کا باطن مادۂ معصیت (نفس و شیطان) سے بالکل پاک ہوتا ہے، البتہ کبھی خارجی اثر سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے لیکن فوراً ہی دست قدرت اُس باہر سے آئے ہوئے غبار کو چہرۂ عصمت سے صاف کر دیتا ہے اور چہرۂ نبوت پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہو جاتا ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام

کے قصہ میں حق جل شانہ کا ارشاد۔

كَذٰلِكَ لِنُصْرِفَ عَنْهُ
السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ اِنَّهٗ
مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ

ۛ ۛ ۛ

اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے خالص بندوں
کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے تاکہ (یوسفؑ)
سے برائی اور بیجائی یعنی صغیرہ اور کبیرہ
کو اس سے دور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے
مخلص بندوں میں سے ہے۔

اسی طرف مشیر ہے کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سور اور فحشاء
کو یوسفؑ سے دور رکھیں اور یہ نہیں فرمایا کہ یوسفؑ کو سور اور فحشاء سے دور رکھیں۔ پھر نا اور
ہٹانا اور دور رکھنا اسکے حق میں ہوتا ہے جو آنا چاہتا ہو معلوم ہوا کہ سور اور فحشاء حضرت یوسفؑ
کی طرف آنا چاہتا تھا۔ جس کو حق تعالیٰ نے یوسفؑ کی طرف آنے سے روک دیا حضرت یوسفؑ ادھر
جانا نہیں چاہتے تھے۔ معاذ اللہ اگر حضرت یوسفؑ کا میلان سور اور فحشاء کی طرف ہوتا تو حق تعالیٰ اس
طرح فرماتے كَذٰلِكَ لِنُصْرِفَ عَنْ السُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ یعنی ہم نے یوسفؑ کو سور اور فحشاء
سے روکا اور بچایا معلوم ہوا کہ یوسفؑ علیہ السلام تو سور و الفحشاء سے بھاگ رہے تھے مگر سور اور
فحشاء ان کے پیچھے لگا ہوا تھا جس کو دست قدرت نے دھکے دیدیئے اور یوسفؑ علیہ السلام کو
بالکل بچا لیا کیونکہ یوسفؑ علیہ السلام تو خالص اللہ کے بندے تھے ان کا قلب مادہ معصیت سور
اور فحشاء سے بالکل پاک تھا زلیخا کی طرف سے یہ سور اور فحشاء چلا مگر حق تعالیٰ کی رحمت اور
عنایت نے اس کو خدا کے مخلص اور برگزیدہ بندہ تک پہنچنے نہ دیا۔

غرض یہ کہ خارجی اثر کی بنا پر حضرات انبیاء کرام سے بطریق سہو و نسیان جو لغزش ہو جاتی ہے
تو محض صورت کے اعتبار سے اس پر عصیان یا معصیت کا اطلاق ہو جاتا ہے یا ان کے مقام عالی اور مرتبہ
علیا کے لحاظ سے اس کو عصیان کہہ دیا جاتا ہے۔

اور معصیت (گناہ) مطلق مخالفت حکم کا نام نہیں بلکہ معصیت اس مخالفت
کو کہتے ہیں جو عمدہ اور قصداً ہو اور بوجہ نسیان اور غلطی نہ ہو۔ یہی

معصیت کے معنی

وجہ ہے کہ موقع عذر میں یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا اگر باوجود نسیان اور
غلط فہمی کے بھی کسی مخالفت کو معصیت اور گناہ اور جرم کہا جائے تو پھر موقع عذر میں یہ کہنا کہ میں
بھول گیا تھا سراسر لغو ہوگا۔

معلوم ہوا کہ مطلق مخالفت کا نام معصیت نہیں بلکہ معصیت اس مخالفت کو کہتے ہیں جو عمدہ ہو اور
جو مخالفت سہو اور نسیان کی بنا پر ظہور میں آئے یا بتقاضائے عظمت یا بتقاضائے محبت کوئی مخالفت
سرزد ہو جائے تو اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہتے بلکہ اس کو زلت اور لغزش کہتے ہیں جیسے کوئی

مخدوم اپنے کسی چھوٹے کو سرھانے بیٹھنے کو کہے اور وہ اس کے کہنے کو نہ مانے تو یہ سرکشی اور معصیت نہیں بلکہ عین ادب اور دلیل اطاعت ہے صلح حدیبیہ میں حضرت علیؑ کا لفظ رسول اللہؐ مٹا دینے سے انکار کر دینا اسی قبیل سے تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کا گھوٹ کھا لینا بھول چوک کی بنا پر تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فَنَسِيَ وَلَهُ نَجْدٌ لَهُ عَنْ مَا حَضَرَتْ آدَمَ حَضَرَتْ آدَمَ بِحَقِّ جَلِّ شَانِهِ كِي مَمْلُغَتِ لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ كُوْهُ بْهُولِ گئے اور شیطان کی عداوت سے بھی ذہول ہو گیا اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد إِنَّكُمْ عَدُوٌّ لَّكُمْ فَلَا يَخْرُجُكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْتَقِيْ بِهٖ بْهُولِ یاد نہ رہا سو یہ ماجرا بھولے سے ہو گیا اور بھول چوک کو گناہ اور جرم قرار دینا سراسر غلط ہے حضرت آدم اور حوا در فلول جنت پر شیدا اور فریفتہ تھے اس لیے ابلیس کی قسم سے دھوکہ میں آ گئے اور یہ سمجھے کہ خدا کا نام لیکر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ نیز حضرت آدم کا گھوٹ کھا لینا بتقاضائے محبت خداوندی تھا۔ خلود اور قرب خداوندی کے شوق میں تھا۔ جیسا کہ مَا نَهَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ۔ اس پر دلالت کرتا ہے نیز بتقاضائے عظمت بھی تھا اس لیے کہ جب شیطان نے یہ قسم کھائی وَقَاسَمَهُمَا إِيَّاهُ لَكُمْ لَكُمَا لَكُنَ النَّاصِحِينَ تُو حضرت آدم کو یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ خدا کا نام لیکر کوئی جھوٹ بولے گا وہ یہ سمجھے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا پس معلوم ہو گیا کہ حضرت آدم کا یہ فعل بارادہ مخالفت نہ تھا اور نہ بتقاضائے ہوائے نفسانی تھا۔ بلکہ بتقاضائے محبت و عظمت خداوندی تھا لہذا اس کو معصیت اور گناہ نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ از قسم زلت و لغزش ہے یعنی ارادہ تو اطاعت اور قرب خداوندی کا تھا مگر دشمن نے ایسا دھوکہ دیا کہ قدم پھسل کر دوسری جانب جا پڑا اسی کو لغزش کہتے ہیں۔ فَذَلَّاهُمَا بَغْرُورٍ اور فَازَلَهُمَا الشَّيْطَانُ مِّنْ اِسى طرف اشارہ ہے کہ یہ لغزش تھی جو بھولے سے ہو گئی ارادہ نافرمانی کا نہ تھا۔

پس جن آیات قرآنیہ میں اس فعل پر معصیت کا اطلاق کیا گیا ہے وہ محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں یا ان کے مقام بلند اور رتبہ عالیہ کی نسبت سے اس کا نام عصیان رکھا گیا (مباحثہ شاہجہان پور ص ۳۷ و ص ۳۸)

اور حضرات انبیاء کے حق میں ترکِ اولیٰ ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں خطار (حاشیہ ملا عبدالحکیم علی النجالی ص ۲۶۱)

حضرات انبیاء کی خطار کے معنی یہ ہیں کہ افضل اور اولیٰ سے چوک گئے اور بھولے سے غیر اولیٰ اور غیر افضل کے مرتکب ہوئے اور اوروں کی خطار کے معنی یہ ہیں کہ حق اور ہدایت سے چوک گئے اور باطل اور ضلالت میں مبتلا ہو گئے حضرات انبیاء کرام باجماع امت ایسی خطار سے معصوم ہیں حضرات انبیاء کی خطار اجتہادی کے یہ معنی ہیں کہ کسی وقت بھول چوک سے اولیٰ و افضل کے بجائے خلافِ اولیٰ

امران سے صادر ہو جاتا ہے۔ اور بجائے عزیمت کے رخصت پر عمل کر لیتے ہیں۔
حضرت آدم کی زلفت اور لغزش کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے اور یہ معلوم رہنا چاہیئے اگر بالفرض
والتقدیر انبیاء کرام معاذ اللہ ہماری طرح اسیر حرص و شہوت ہوتے تو خدا تعالیٰ ہم پر ان کی بے چون
چرا اطاعت اور متابعت فرض نہ کرتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خلاصہ موجودات اور
زبدہ کائنات ہیں ان کو انبیاء کرام کی اقتدار کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرماتا۔ اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ
هَدٰی اللّٰهُ فَبِہٰذَا هُمْ اَقْتَدَیْ۔ (کذا فی المعتمد فی المعتمد للتوربشتی)
امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ نظر اور فکر کا اقتضایہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے حق میں
عصمت کا اعتقاد۔ ملائکہ کی عصمت کے اعتقاد سے زیادہ مؤکد اور اہم ہو اس لیے کہ لوگ انبیاء
کرام کی اتباع اور متابعت پر مامور ہیں اور ملائکہ کی اطاعت پر مامور نہیں (المعتمد فی المعتمد للتوربشتی
ص ۳۷)

متعلقات عصمت

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ عصمت کا تعلق چار چیزوں سے ہے اول عقائد۔ دوم
تبلیغ احکام۔ سوم فتویٰ اور اجتہادات۔ چہارم۔ افعال و عادات و سیرت و کردار۔

یعنی عقائد کے متعلق اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام ابتداء ہی سے توحید اور
ایمان پر مفسور ہوتے ہیں، جب سے پیدا ہوتے ہیں اسی وقت سے ان کے قلوب

قسم اول

کفر اور شرک سے پاک اور منزہ اور الیقان و عرفان سے برتر ہوتے ہیں اور ان کے مبارک چہرے معرفت
اور قرب الہی کے انوار و تجلیات سے ہر وقت جگمگاتے رہتے ہیں آج تک کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوا
کہ حضرت حق جل شانہ نے اپنی نبوت و رسالت کے لیے کسی وقت بھی ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو جو اس
عظیم الشان منصب کی سرفرازی سے پہلے کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور آلودہ ہو چکا ہو ہرگز نہیں
ہرگز نہیں۔ اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰہِیْمَ رُشْدًا مِّنْ قَبْلُ وَکُنَّا بِہِ عَلٰیٰیْن۔
اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ قبل از بعثت نبی نہیں ہوتے مگر خدا کے ولی اور مقرب
ضرور ہوتے ہیں اور ایسے ولی اور مقرب ہوتے ہیں کہ دوسرے اولیاء اور مقربین کی ولایت اور قرب
کو ان کی ولایت اور قرب کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں ہوتی کہ جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہوتی

لے اصل عبارت یہ ہے امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ گفتہ است کہ نظر اقتضایہ آل فی کند کہ تاکید وجوب عصمت
در حق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افزوں از نسبت کہ در حق ملائکہ زیرا کہ خلق بتابعت انبیاء مامورند بہ متابعت
ملائکہ مامور نیستند (کذا فی المعتمد فی المعتمد للتوربشتی ص ۴۳)

ہے اس لیے امت محمدیہ کے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے دلوں میں کفر اور گمراہی کا اعتقاد ناممکن اور محال ہے، البتہ فرقہ امامیہ کے نزدیک بطور تفسیر انبیاء کے لیے کفر جائز ہے۔

قسم دوم

تبلیغ احکام۔ سو اس بارہ میں بھی تمام امت محمدیہ کا اتفاق ہے کہ احکام الہیہ کی تبلیغ میں انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ دربارہ تبلیغ ان سے نہ قصداً کوئی غلطی ہو سکتی ہے اور نہ سہواً تبلیغ کے بارہ میں جھوٹ اور تحریف سے بالکل پاک اور معصوم اور منزه ہوتے ہیں کسی طور اور کسی صورت سے کذب اور تحریف کا ان سے سرزد ہونا محال ہے تندرست ہوں یا مریض خوش ہوں یا نادان کوئی حالت ہو مگر یہ ناممکن ہے کہ وحی الہی کے پہنچانے میں ان سے کسی قسم کی سہواً یا عمدہ کوئی غلطی ہو جائے ورنہ پھر وحی الہی پر وثوق اور اطمینان کی کوئی صورت نہ رہے گی اور نبی کی تبلیغ سے وثوق اور اعتماد بالکل جاتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحی الہی شیطان وغیرہ کی مداخلت سے بالکل محفوظ رہے۔ کما قال تعالیٰ

عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ
عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا
مَنْ أُرْسِلَ مِنْ رَّسُولٍ
فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ
بَيْنِ يَدَيْهِ ذَرْبًا خَفِيًّا
وَمَا يَلْقَاكَ مِنْ رَّسَالَةٍ
لَّا لَدَيْهِمْ أَكْثَرُ
مَنْ عَدَدًا

وہی عالم الغیب ہے اپنے خزانہ سب پر
کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ یعنی
رسول کو بقدر حکمت و مصلحت بذریعہ وحی
کے کچھ بتلا دیتا ہے اور نزول وحی کے
وقت اس رسول کے آگے اور پیچھے فرشتوں
کا پہرہ لگا دیتے ہیں کہ شیطان اور نفس اس
میں کسی قسم کا دخل نہ کرنے پائے اور یہ انتظام
اس لیے کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے
اپنے رب کے پیام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیئے
ہیں۔ غلطی سے پاک اور مبرا ہیں اور اللہ
تعالیٰ ان کے تمام احوال کے محیط ہیں اور
ہر چیز ایک ایک ان کو معلوم ہے۔

قسم سوم

یعنی فتویٰ اور اجتہاد کے متعلق علماء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انتظار وحی کے بعد انبیاء کرام کبھی کبھی امور غیر منصوصہ میں اجتہاد فرماتے ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی اجتہادی خطا ہو جاتی ہے تو فوراً بذریعہ وحی کے متنہہ کر دیئے جاتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ انبیاء سے کوئی اجتہادی خطا واقع ہو اور من جانب اللہ ان کو مطلع نہ کیا جائے

قسم چہارم

یعنی افعال و عادات سوان کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرام سے تو بالکل پاک ہوتے ہیں البتہ صغائر یعنی خلاف اولیٰ امور کبھی کبھی

سہو اور نسیان سے صادر ہو جاتے ہیں۔ ظاہراً وہ معصیت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان سے کسی حکم کی تشریح مقصود ہوتی ہے مثلاً نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ظہر یا عصر کی نماز میں سہو کا پیش آنا بظاہر غفلت معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں سجدہ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدہ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا؟ اور علی ہذا اگر لیلۃ التعریس میں آپ کی نماز نہ فوت ہوتی تو قضا ر فوائت یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضا کا مسئلہ کیسے معلوم ہوتا اس اعتبار سے یہ سہو اور نسیان عین رأفت اور عین رحمت ہے اسی وجہ سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

یا لیتنی کنت سہو
کاش میں رسول اللہ کا سہو ہو جاتا یعنی
محرم کا سہو میری یاد سے کہیں بہتر ہے

اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد سُنْقُرُ تُلْکَ فَلَا تَنْسَیَ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ۔ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر کا نسیان حقیقت میں کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کو بمقتضائے بشریت سہو اور نسیان ضرور پیش آتا ہے۔ اس لیے کہ انسان جب تک جامہ بشریت میں ہے خواص بشریہ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ بھوک بھی ہے اور پیاس بھی ہے۔ مسرت اور فرحت بھی ہے اور رنج و غم بھی ضحک اور بسم بھی ہے۔ ناراضی اور غصہ بھی۔ اور حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ
آپ کہہ دیجئے کہ جزا میں نیست کہ میں تم
جیسا بشر ہوں۔

یعنی باوجود نبوت و رسالت کے پھر میں بشر ہوں فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح کھاتا اور پیتا ہوں۔ اپنی حوائج ضروریہ کے لیے بازاروں میں بھی آتا جاتا ہوں۔ یہ سب بشریت کے لوازم اور خواص ہیں۔ نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ بہر حال سہو اور نسیان انسانیت کے لوازم میں سے ہے۔ جس طرح دو سکر لوازم انسانیت مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ نبوت و رسالت کے منافی ہیں اور نہ عصمت کے اسی طرح افعال و عادات میں سہو اور نسیان بھی نبوت اور عصمت کے منافی نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرات انبیاء کے سہو اور نسیان کو دوام اور قرار۔ بقا اور استمرار نہیں کبھی کبھی بمقتضائے بشریت سہو ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی نبی کو جب کبھی کوئی سہو ہوا تو وہ ایک ہی مرتبہ ہوا یعنی اس نوع کا سہو پھر اس کو مدت العمر کبھی پیش نہیں آیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جَحْرِ مَرَّتَیْنِ۔ یعنی مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ جن کے قلوب ایمان کی حلاوت اور شیرینی چکھ چکے ہیں۔ وہ شیطان سے دو مرتبہ نہیں ڈسے جاتے ہاں جو حقیقتہً مومن نہیں محض نام کے مومن ہیں وہ دو مرتبہ نہیں بلکہ صد ہا مرتبہ نفس اور شیطان سے ڈسے جاتے ہیں اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس خست کو کھالینا بھی اسی مقتضائے بشریت اور خاصۃً انسانیت یعنی سہو اور نسیان کا ثمرہ اور نتیجہ تھا۔ چنانچہ

خود حق جل شانہ کا ارشاد ہے فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ آدمؑ بھول گئے حق تعالیٰ شانہ کی ممانعت اور شیطان کی عداوت کا اس وقت استحضار نہ رہا۔ معصیت اور نافرمانی کا بالکل ارادہ نہ تھا۔ فقط شیطان کی قسم سے دھوکہ میں آ گئے۔ حدیث میں ہے المؤمن غرّ کریم۔ مؤمن دھوکہ میں آ ہی جاتا ہے۔ وقال تعالیٰ لَئِنْ عَلَيْكُمُ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (تم پر بھول چوک میں کوئی گناہ نہیں ولیکن گناہ اس میں ہے جس کا تمہارے دل پختہ ارادہ کر لیں) اس آیت کے مطابق جب خطا اور نیبان میں کوئی گناہ ہی نہیں تو وہ پھر عصمت کے منافی کیسے ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حالت صوم میں بھول کر کھا لینا مفسد صوم بھی نہیں۔ حضرت آدمؑ کا قلب مطہر اور سینہ مبارک چونکہ حق جل و علا کی عظمت اور جلال سے بھرا ہوا تھا۔ اس لیے جب شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر یہ کہا کہ اِنِّیْ لَکُمَا لِمِنَ النَّاصِحِیْنَ۔ (میں یقیناً تمہارا خیر خواہ ہوں) تو حضرت آدمؑ کو یہ وہم بھی نہ ہوا کہ کوئی بے حیا اور گستاخ حق تعالیٰ شانہ کا نام لیکر جھوٹی قسم کھائے گا۔ اس فریب کے ساتھ شیطان نے حضرت آدمؑ کو لغزش میں ڈالا۔ قال تعالیٰ فَذَلَّلَهُمَا بِغُرُورٍ (یعنی شیطان نے انکو دھوکہ اور فریب کے ساتھ پھسلا دیا) غرور کے لفظ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ یہ معصیت دھوکہ سے ہو گئی ورنہ حضرت آدمؑ کا ارادہ نہ تھا۔ وہ تو مزید قرب الہی کے متمنی اور متلاشی تھے۔ دشمن نے طاعت کے بہانہ سے معصیت میں مبتلا کر دیا مگر یہ معصیت فقط ظاہراً اور صورتاً معصیت تھی حقیقت میں عظیم الشان نعمت اور بے پایاں رحمت تھی۔ مقصود یہ تھا کہ گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کا طریقہ معلوم ہو۔ جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سہو سے سجدہ سہو کا حکم بتلانا مقصود تھا۔ اگر آپکو نماز میں سہو نہ پیش آتا تو امت کو سجدہ سہو کا حکم کیسے معلوم ہوتا۔ اسی طرح حضرت آدمؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو سے توبہ اور استغفار کا طریقہ بتلانا مقصود تھا۔ کہ جب کبھی کسی سے کوئی گناہ صادر ہو تو فوراً اپنے باپ آدمؑ کی طرح تضرع اور زاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں رجوع کرے شیطان کی طرح معارضہ اور مقابلہ نہ کرے، بالفرض اگر حضرت آدمؑ سے یہ معصیت نہ سرزد ہوتی تو ہم گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کا طریقہ کیسے معلوم ہوتا۔

عارف ربانی شیخ عبدالوہاب شعرائی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کے علم میں سعادت اور شقاوت دونوں ہی مقدر تھیں اسکی حکمت اسکو مقتضی ہوئی کہ سعادت کا بھی افتتاح ہو۔ اور شقاوت کا بھی۔ اس لیے سعادت کا افتتاح حضرت آدمؑ کے ہاتھ سے کر لیا اور شقاوت کا افتتاح ابلیس کے ہاتھ سے کرایا۔ ۱۵ کلامہ۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص سنت حسنہ جاری کرتا ہے تو جتنا اجر اور ثواب اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اسی قدر اجر و ثواب اس سنت کے جاری کرنے والے کو بھی ملتا ہے جب تک وہ سنت جاری رہے گی اس شخص کے اجر میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالم میں توبہ اور استغفار، تضرع اور ابتهال اور بارگاہ خداوندی میں گریہ و زاری کی مبارک سنت جاری فرمائی۔ تا قیام قیامت جس قدر بھی تائبین اور مستغفرین توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے اسی قدر حضرت آدم کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ حضرت آدم ہی تمام تائبین اور مستغفرین کے امام اور تمام متضرعین اور خاشعین کے قدوہ اور پیشوا ہیں۔

اور ابلیس نے اباۓ اور استکبار کی سنت سیدہ کو جاری کیا۔ قیامت تک جو شخص بھی حکم خداوندی سے اعراض و انکار کرے گا۔ اس سے ابلیس کی ملعونیت اور مطرودیت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ وہ کافرین اور مستکبرین کا امام اور احکام خداوندی پر اعتراض کرنے والوں کا پیشوا ہے۔ شیخ ابو العباس عربی جو کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے شیخ ہیں، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ معاذ اللہ حضرت آدم نے خدا کی نافرمانی نہیں کی بلکہ یہ معصیت اس بدبخت ذریت نے کی جو حضرت آدم کی پشت میں مستور تھی اس لیے کہ حضرت آدم کی پشت بمنزلہ سفینہ کے تھی جس میں ان کی تمام صالح اور طالح ذریت سوار تھی۔

حافظ ابن قیم قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ جب کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو ظاہراً اسکو ذنب اور معصیت میں مبتلا کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ ایک باطنی مرض یعنی اعجاب اور خود پسندی کا علاج ہوتا ہے، ایسی حالت میں ذنب اور معصیت میں مبتلا ہونا ہزار طاعتوں سے زائد نافع اور مفید ہوتا ہے اور صاحب بصیرت کے نزدیک یہ معصیت، اس خطا از حد ثواب اولے تراست، کا مصداق ہوتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ صحت اور عافیت اتنی مفید اور کارآمد نہیں جتنا مرض مفید اور کارآمد ہو جاتا ہے اس لیے کہ مرض کے آتے ہی طبیعت فوراً پرہیز اور علاج کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور طبیب حاذق کے مشورہ سے پورے اہتمام کے ساتھ تنقیہ اور مسہل کو شروع کر دیا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہی روز میں تمام فاسد اور ردی مادہ خارج ہو کر طبیعت، پہلے سے زائد صاف اور ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر جب لذائذ و طیبات۔ فواکہ و ثمرات، لطیف غذاؤں اور مقوی دواؤں کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ اس مرض سے قبل بحالت صحت بھی اتنا قوی نہ تھا۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس معصیت میں مبتلا ہو کر مسلسل تین سو سال تک توبہ اور استغفار اور گریہ و زاری کرتے رہنا (جیسا کہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے) بجائے منقصت کے رفعت شان کا باعث ہو گیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ
ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ
آدم نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی۔ پس ان کی عیش

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ

مکدر ہو گئی پھر خدا نے انکو برگزیدہ بنایا
اور ان پر خاص توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی
کی۔

کیا ہر معصیت سے انسان معاذ اللہ خدا کا محتجبے اور برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ حاشا ثم حاشا
ہاں ایسی معصیت کے بعد خدا کے فضل و رحمت سے مجتبیٰ اور برگزیدہ بن سکتا ہے جس معصیت کے
بعد آدم علیہ السلام جیسی ندامت اور شرمساری اور تضرع اور زاری ظہور میں آئے، ماعز اسلمی رضی اللہ
عنه وارضاہ ایک صحابی تھے حضرات صحابہ میں انکو کوئی خاص شان امتیازی حاصل نہ تھی۔ بمقتضائے بشریت
زنا میں مبتلا ہو گئے۔ مگر بعد میں اس درجہ صمیم قلب اور اخلاص سے توبہ کی کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام
اس توبہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ واللہ اگر ماعز کی توبہ تمام مدینہ پر تقسیم کی جائے تو یقیناً سب کی
بخات کے لیے کافی اور وافی ہوگی۔ زنا بدیشک معصیت تھا مگر ماعز اسلمی کی مضطربانہ اور بے تابانہ
ندامت اور شرمساری اور گریہ و زاری نے اس کو عند اللہ ایسا مقبول اور محبوب بنا دیا کہ سارے عالم
کی عفت و عصمت اس پر فدا اور قربان ہے۔ ماعز اسلمی کو زنا کے سبب سے جو عند اللہ تقرب حاصل
ہوا وہ اب بڑے سے بڑے ولی کو نماز سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ خوب سمجھ لو کہ کہیں لغزش
نہ ہو جائے۔ اس مثال سے معاذ اللہ یہ مقصد نہیں کہ حضرات انبیاء بھی اس قسم کے کبائر میں مبتلا ہو سکتے
ہیں اس لیے کہ میں ابتداء ہی میں بتلا چکا ہوں کہ انبیاء کرام کبائر سے بالکل محصوم ہوتے ہیں۔ اس
مثال سے صرف اتنا بتلانا مقصود ہے کہ بعض مرتبہ زلت اور معصیت کا صدور طاعت سے زیادہ
نفع بخش ہوتا ہے اور وہ معصیت بجائے منقصیت کے رفعت شان کا باعث ہو جاتی ہے۔
اسی طرح اس زلت اور لغزش سے حضرت آدمؑ کی شان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بلکہ توبہ اور
استغفار کے مقرون ہوجانے کی وجہ سے انکی شان اور بلند ہو گئی۔ اور گویا کہ بزبان حال حضرت آدمؑ
سے اس وقت یہ کہا جا رہا تھا۔

اے آدم تو اس لغزش کے پیالہ سے مت
گھبرا کہ جو تیری ہوشیاری اور احتیاط
کا سبب بنا اسی کی وجہ سے تجھ سے
وہ عجب کی بیماری نکال دی گئی جس کے
ساتھ ہماری مجاورت ناممکن ہے اب
اس کے بعد تم کو عبودیت اور بندگی

یا ادم لا تجزع من کاس
زل کانت سبب کیسک
فقد استخرج منك حاء لا
یصلح ان تجاورنا
به و البست به حلة
العبودية۔

لے اشارہ اس طرف ہے کہ غوی کے معنی گمراہ ہونیکے نہیں بلکہ عیش کا مکدر ہونا مراد ہے (لسان العرب مادہ غوایت)

(شعر) لعل عتیک محمود عواقبہ
 وربما صحت الاجسام بالعلل
 یا ادم ذنب تذلل بدہ لدینا
 احب الینا من طاعة تدل
 بها علینا یا ادم انین
 المذنبین احب الینا
 من تسبیح المدلین۔
 (مدارج السالکین ص ۱۶۶ ج ۱)

✽ ✽ ✽
 ✽ ✽ ✽
 ۛ مرکب توبہ عجائب مرکبست
 چوں برارند از پشمانی انین

کا حلہ اور خلعت عطار کیا گیا۔
 ترجمہ شعر: "امید ہے کہ تیرے عتاب کا
 انجام نہایت محمود اور بہتر ہو گا اور بسا اوقات
 بیماریوں سے اجسام پہلے سے زائد تندرست
 ہو جاتے ہیں۔" اے آدم وہ گناہ جس سے
 تو ہمارے نزدیک ذلیل ہو وہ اس طاعت
 سے بدرجہا محبوب ہے جس پر تو ناز کرے
 اور اے آدم گنہگاروں کی آہ و زاری سنا لے
 نزدیک ناز و انول کی تسبیح و تہلیل سے
 بدرجہا بڑھ کر محبوب ہے۔

برفلک تازد بیک لحظہ زپست
 عرش لرزد از انین المذنبین

ولی اور رسول میں فرق

ولایت تقویٰ اور طہارت کی ایک سند (ڈگری) ہے جو بندہ کی جدوجہد اور سعی اور اکتساب سے ملتی ہے اور نبوت و رسالت ایک عہدہ اور منصب ہے جو بدون حکم شاہی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ولایت بمنزلہ ایک سند کے ہے کہ جو امتحان سے فراغت کے بعد مل جاتی ہے اور نبوت و رسالت بمنزلہ عہدہ کے ہے محض قابلیت سے خود بخود کوئی وزیر اور سفیر نہیں بن جاتا جب تک حکم شاہی نہ ہو۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کی تعریف میں حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے اَوَّلِيَاءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُونَ۔ اور رسول کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنۡ اُرِضَیۡ مِّنۡ رَّسُوْلٍ۔ غرض حاصل ولایت القار ہے۔ (جو بندہ کا فعل ہے) اور القار یعنی للفاعل۔ القار یعنی للمفعول کو مستلزم نہیں۔ تیرا اور تلوار سے ہر ایک بچنے کی اپنی سی تدبیر کرتا ہے مگر اس پر بھی کبھی زخمی ہو ہی جاتا ہے اور حاصل رسالت کا ارتضاء ہے کیونکہ من رسول بیان ہے من ارتضیٰ کا۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا مرتضیٰ ہوتا ہے اور ارتضاء فعل خداوندی ہے کیونکہ ارتضیٰ کا فاعل ضمیر راجع الی اللہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اطاعت سے راضی ہوتے ہیں اور معصیت سے ناخوش۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ

معلوم ہوا کہ رسول کے لیے من کل الوجوہ مرتضیٰ ہونا ضروری ہے اور من کل الوجوہ ارتضایہی حاصل معصومیت کا ہے۔ (اجوبۃ اربعین ص ۹ حصہ دوم)

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء کی لغزشوں کو اس لیے بیان فرمایا ہے کہ ان حضرات کی شان اور مرتبہ معلوم ہو کہ یہ حضرات خدا تعالیٰ کے اس درجہ مقرب تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر متواخذہ ہوتا تھا اور وہ خداوند ذوالجلال کے متواخذہ سے لرزاں اور ترساں رہتے تھے حضرات انبیاء کی یہ لغزشیں ہی درحقیقت انکی معصومیت کی دلیل ہیں جس شخص کا مرتبہ جس قدر بلند ہوتا ہے اسی قدر اسکی معمولی سی بات بھی غیر معمولی بن جاتی ہے۔

فائدہ

عصمتِ انبیاء اور حفاظتِ اولیاء میں فرق

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہِ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں کسی وقت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال انکی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بارگاہِ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں اس لیے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے اور عصمت اور حفاظت میں یہ فرق ہے کہ اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لیے کر گزرتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لیے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے۔ ہاں جب کسی شئی کی عند اللہ اباحت اور اسکا خدا کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل سے اسکا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے اور جس طرح نبی پر فرض کی تعلیم فرض ہے اسی طرح فعل مباح اور امر جائز کی اباحت اور جواز کا بتلانا بھی فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کو ایک فعل مباح پر بھی فرض ہی کا ثواب اور اجر ملتا ہے اس لیے کہ نبی کے ذمہ مباح کی اباحت کا بتلانا بھی فرض ہے۔

اب ہم حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کے کچھ دلائل ذکر کرتے ہیں۔ جو زیادہ تر امام فخر الدین رازی قدس اللہ سرہ کی تفسیر کبیر سے لیے گئے ہیں۔

دلائل عصمتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

دلیل اول | قال اللہ تعالیٰ
مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی

فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔
وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔
پس تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔
اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرونا کہ
تم پر رحم کیا جائے۔

پہلی آیت میں رسول کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم کی اطاعت کو عین اطاعت خداوندی نہیں کہا جاسکتا۔ اطاعت رسول اور اطاعت خداوندی میں اتحاد اور عینیت جب ہی ممکن ہے جب رسول حق جل و علا کی معصیت کے شائبہ سے بھی بالکل پاک ہو اور تاکید و تحقیق کے لیے کلمہ قد کا اضافہ فرمایا تاکہ کوئی شخص اطاعت حق جل شانہ اور اطاعت رسول میں کسی قسم کی تفریق نہ قائم کرے۔ کما قال سبحانه وتعالى۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَ يُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَ يَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا۔

اور دوسری آیت میں رسول کی علی الاطلاق اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور اس پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم شخص کی اطاعت کا علی الاطلاق کسی طرح حکم نہیں دیا جاسکتا اور اسی وجہ سے کہ خلفاء اور ائمہ معصوم نہیں۔ علی الاطلاق انکی اطاعت کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ان کی اطاعت کا یہ معیار مقرر ہوا۔

السمع و الطاعة حق مالم
يؤمر بمعصية فاذا امر
بمعصية فلا سمع ولا طاعة
(بخاری)
امیر کی سننا اور اسکی اطاعت ضروری ہے
جب تک معصیت کا حکم نہ کیا جائے۔
اور امیر جب معصیت کا حکم کرے تو پھر
اسکی اطاعت نہیں۔

اور جن آیات میں نبی کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔ ان میں کسی جگہ مالم يؤمر بمعصية (جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے) کی قید نہیں اضافہ کی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کا کوئی فعل معصیت ہوتا ہی نہیں تاکہ امرار اور خلفاء کی طرح ان کے اتباع میں یہ قید لگائی جائے اور علی ہذا غیر معصوم شخص کی علی الاطلاق اطاعت بلا قید مذکور رحمت خداوندی کا سبب بھی نہیں ہو سکتی۔

نیز اگر انبیاء کرام معاصی سے معصوم نہ ہوں تو عیاذ باللہ انبیاء کرام کا غیر مقبول الشہادۃ ہونا لازم آئیگا اس لیے کہ عاصی فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں لقولہ تعالیٰ۔ اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا۔ تو پھر قیامت کے دن بمقابلہ ائمہ حضرات انبیاء کی شہادت کیسے مقبول ہوگی۔ حالانکہ قرآن عزیز میں ہے کہ ہر نبی قیامت کے دن اپنی امت پر گواہی دے گا۔ کما قال تعالیٰ۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ
أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا
بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ
شَهِيدًا ط

پس کیا حال ہوگا جب کہ ہم بلائیں گے
ہر امت میں سے گواہی دینے والا اور
حال کا بیان کرنے والا اور آپ کو ان سب
پر گواہ بنائیں گے۔

نیز صورت مفروضہ میں نبی کا مستحق عذاب اور مستحق لعنت ہونا لازم آتا ہے
جو ایک عاصی اور گنہگار کا حکم ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

دلیل سوم

(۱) وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ
لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا۔
جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی
کرتے تو یقیناً اس کے لیے جہنم کی آگ ہے
جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

(۲) أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ۔
حالانکہ کوئی نبی کسی کے نزدیک مستحق عذاب اور مستحق لعنت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ جو شخص
عذاب الہی اور لعنت خداوندی کا مستحق ہو وہ نبی اور رسول تو درکنار متقی اور صالح بھی نہیں ہو سکتا۔

نیز حضرات انبیاء کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو حق جل شانہ کی اطاعت کی طرف
بلائیں پس اگر وہ خود اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے نہ ہوں تو وہ اس
آیت کے مصداق ہوں گے۔

دلیل چہارم

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ
تَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ
تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا
تَعْقِلُونَ۔

کیا تم دوسروں کو بھلی بات کا حکم کرتے
ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو حالانکہ تم
کتاب اللہ کو پڑھتے رہتے ہو۔ پس کیا
تم عقل نہیں رکھتے۔

لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا
مَا لَا تَفْعَلُونَ۔

کیوں کہتے ہو وہ باتیں جو تم خود نہیں
کرتے دوسروں کو کہنا اور خود نہ کرنا یہ
اللہ کے نزدیک سخت مذموم اور اس
کے غضب اور ناراضی کا سبب ہے۔

حالانکہ یہ بات ایک ادنیٰ واعظ اور معمولی عالم کے لیے بھی مناسب نہیں حضرات انبیاء و مرسلین
کی شایان شان تو کیسے ہو سکتی ہے۔

دلیل پنجم

نیز اگر انبیاء کرام سے کہا کہ وہ معاصی کا صدور جائز رکھا جائے تو پھر معاذ اللہ
انبیاء کو معاصی پر تنبیہ اور زجر و توبیخ اور ایذا رسانی بھی جائز ہونی چاہیے
جو خدا نے عز وجل کے نافرمانوں کے لیے لازم اور ضروری ہے حالانکہ نبی کو کسی قسم کی ایذا اور تکلیف پہنچانا

دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب الیم کا سبب ہے کما قال تعالیٰ۔

(۱) إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

(۲) وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے نہایت ہی دردناک عذاب ہے۔

دلیل ششم | نیز انبیاء کرام کا تمام گنہگاروں سے زائد مستحق عذاب ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے کہ انبیاء کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس لیے انبیاء سے معصیت کا صدور بھی بہت بڑا سمجھا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جاریہ پر بمقابلہ حرہ نصف حد آتی ہے اور زانی محسن پر رجم اور غیر محسن پر فقط جلد ہے۔ اور ازواج مطہرات کے لیے ارشاد ہے۔ اے نبی کی عورتو! تم میں سے جو صریح بیچاری کا کام کرے تو اس کو دو چاند مار ہوگی۔

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔

اور ظاہر ہے کہ نبوت اور رسالت سے کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ نہیں۔ پس اگر نبی سے بھی معاصی کا صدور روا رکھا جائے تو پھر نبوت و رسالت کے منصب کے مناسب فی کسب سے زائد معذب اور معتوب اور مغضوب خداوندی ماننا لازم آئے گا۔ اور جب نبی ہی معاذ اللہ خدا کا معتوب اور مغضوب ٹھہرے تو پھر مقبول الہی کون ہوگا۔

دلیل ہفتم | نیز معصیت کا صدور ہمیشہ اتباع شیطان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے پس اگر نبی معصوم نہ ہو تو نبی کا قلع شیطان ہونا لازم آئے گا۔ کما قال تعالیٰ۔ اور ابلیس نے ان پر اپنے گمان کو سچ کر دکھایا سوائے تھوڑے سے ایمانداروں کے، لوگ اسکے پیرو ہوئے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

حالانکہ ان کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ شیطان کے اتباع سے محفوظ رہیں۔

دلیل ہشتم | نیز غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا اس لیے کہ آیت بالا میں متبعین شیطان سے مومنین کے ایک فریق کو مستثنیٰ فرما دیا گیا ہے لہذا یہ فریق جو اتباع شیطان سے محفوظ ہے اگر حضرات انبیاء کا فریق ہے تو اس کا معصوم ہونا ثابت ہوتا ہے وہو المراد۔

اور اگر حضرات انبیاء کے سوا کوئی اور جماعت ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ ایک گروہ مؤمنین کا ایسا ہے جو اتباع شیطان سے بری ہے مگر عیاذاً باللہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اتباع شیطان سے بری نہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص اتباع شیطان سے بری ہوگا وہ اس شخص سے یقیناً افضل ہوگا جو اتباع شیطان سے بری نہیں کما قال تعالیٰ۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ بِحَدِّ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔

حق تعالیٰ شانہ نے بندوں کو دو قسموں پر تقسیم فرمایا ہے ایک حزب الشیطان

دلیل نہم

یعنی شیطان کا گروہ کما قال تعالیٰ۔
 اُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ
 اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ
 الْمُخَاسِرُونَ۔

یہ شیطان کا گروہ ہے آگاہ ہو جاؤ
 شیطان کے گروہ والے ہمیشہ خراب ہوتے
 ہیں۔

دوسرے حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ۔ کما قال تعالیٰ۔

اُولَئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ
 حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

یہ اللہ کا گروہ ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ
 اللہ ہی کا گروہ کامیاب ہوتا ہے۔

لہذا اگر نبی سے معاصی کا صدور روا رکھا جائے تو نبی کا عیاذاً باللہ بجائے حزب اللہ اور مفلحین کے حزب الشیطان اور خاسرین کی جماعت اور گروہ میں شمار کرنا لازم آئے گا۔

حق تعالیٰ شانہ نے خود ابلیس سے نقل فرمایا ہے کہ میرے راغوار سے تیرے
 مخلص بندوں کا گروہ مستثنیٰ ہے کما قال تعالیٰ۔

دلیل دہم

فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوْ يَنْتَهُمُ
 اَجْمَعِينَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
 الْمُخْلِصِينَ۔

قسم ہے تیری عزت کی سوائے عباد مخلصین
 کے سب کو گمراہ کروں گا۔

اور من کل الوجوه۔ عباد مخلصین کا مصداق صرف حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ہے۔ اِنَّا اَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی شان میں ہے اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ۔

حق تعالیٰ شانہ نے جا بجا قرآن عزیز میں انبیاء کرام کا بلا کسی تخصیص کے
 مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہونا ذکر فرمایا ہے یعنی یہ نبی ہمارے منتخب اور

دلیل یازدہم

برگزیدہ بندے ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ فلاں امر اور فلاں صفت میں یہ ہمارے برگزیدہ ہیں۔ یا
 فلاں وصف کے اعتبار سے یہ ہمارے منتخب بندے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرات
 کسی خاص صفت یا کسی خاص فعل کے لحاظ سے برگزیدہ نہیں بلکہ تمام افعال و اقوال کے اعتبار سے

منتخب اور برگزیدہ ہیں کما قال تعالیٰ۔

وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ
الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ

اور ظاہر ہے کہ من کل الوجوه خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہونا صدور معاصی کے بالکل منافی اور مباین ہے۔

نیز حق تعالیٰ شانہ نے حضرات انبیاء کی یہ شان ذکر فرمائی ہے۔

يُسَارِعُونَ

فِي الْخَيْرَاتِ

وہ بھلائیوں اور نیک کاموں میں نہایت تیز رو ہیں۔ اور الخیرات کو معرف بلام الاستغراق ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام سے سوائے خیر محض کے کسی امر کا صدور ہوتا ہی نہیں۔

بہر عاصی اور گنہ گار کو شرعاً اور عرفاً ظالم کہنا جائز ہے اور قرآن عزیز میں بکثرت خدا کے نافرمانوں کو ظالم کہا گیا ہے، لہذا اگر نبیؐ سے بھی معاصی کا صدور جائز ہو تو نبیؐ کو بھی معاذ اللہ ظالم کہنا جائز ہو گا۔ حالانکہ

ظالم کبھی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ کما قال تعالیٰ

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔

میرا منصب ظالموں کو نہیں ملتا۔ کیونکہ اس آیت میں اگر عہد سے نبوت و رسالت مراد ہے تو صاف ظاہر ہے کہ گنہ گار اور ظالم کبھی نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ولایت یا امامت ہے تب بھی مدعا حاصل ہے اس لیے کہ جب امامت اور ولایت جس کو نبوت و رسالت سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہے جب وہی ظالم اور عاصی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ تو نبوت و رسالت کا عظیم الشان اور جلیل القدر منصب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ

هُوَ الَّذِي

بَعَثَ فِي

الْأُمَمِ رُسُولا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ

آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ۔

اسی نے اُن پڑھوں میں ایک رسول

بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت

کرتا ہے اور ان کو اپنی تعلیم و تربیت

سے پاک اور صاف کرتا ہے۔

پس اگر نبیؐ خود معصیت سے پاک نہیں تو وہ دوسروں کو کیسے مزیٰ اور پاک اور مطہر یعنی پاک اور صاف بنا دیتا ہے۔

نیز نبیؐ تو اللہ جل جلالہ کی جانب سے امت کے لیے اسوۂ حسنہ اور حق تعالیٰ

شانہ کی اطاعت اور اخلاق خداوندی کا بہترین نمونہ ہوتا ہے تاکہ لوگ بے چون و چرا اس کا اتباع کریں اور اس کی ہر حرکت اور سکون اور اسکے ہر قول اور فعل کو اپنے لیے راہ عمل سمجھیں۔ کما قال تعالیٰ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ ہے انکو دیکھ کر اللہ کی اطاعت کرو۔ یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے ڈرے اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

اور اخلاق خداوندی اور اطاعت ربانی کا نمونہ اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیے اسوہ حسنہ وہی شخص ہو سکتا ہے جو حق جل و علا کی معصیت اور نافرمانی سے بالکل پاک اور منزہ ہو۔

کوئی شخص اگر نبی اور پیغمبر کی موجودگی میں کوئی کام کرے اور نبی اس فعل پر سکوت کرے تو نبی کا یہ سکوت بالاجماع اس فعل کے جواز کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ پس جب نبی کا سکوت ہی اس فعل کو معصیت سے خارج کر کے جواز اور اباحت کی حد میں داخل کر دیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود نبی کا فعل معصیت سے خارج نہ ہو۔

دلیل شانزدہم

بعض لوگوں نے جب اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔

اے محمد! آپ یہ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تمکو محبوب رکھے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کریگا۔

اللہ نے اس آیت میں آپ کے اتباع کو اپنی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ اور پھر آپ کی اتباع پر دو وعدے فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ اگر تم ہمارے نبی کا اتباع کرو گے تو ہم تم کو محبوب بنا لیں گے۔ دوسرے یہ کہ تمہارے گناہوں کی مغفرت کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی محبت کا معیار ایسے ہی شخص کا اتباع ہو سکتا ہے جو معصوم ہو ورنہ ایک عاصی اور گنہ گار کا اتباع محبت خداوندی کا معیار کیسے بن سکتا ہے اور نہ محبت الہی اور مغفرت ذنوب کا سبب ہو سکتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي

ہم نے کہا تم اترو یہاں سے سارے پھر کبھی تمہیں تمہیں میری

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

طرف سے راہ کی خبر تو جو کوئی چلا میرے بتائے پر نہ ڈر ہو گا

يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

انکو اور نہ انکو غم اور جو منکر ہوتے اور جھٹلاتے ہماری نشانیاں وہ

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے

اعادۂ حکم مہبوط

قال تعالى قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا..... لے..... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔
گزشتہ آیت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ کا قبول ہونا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توبہ قبول ہونے کے بعد بھی آدم علیہ السلام کو بہشت میں آنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس لیے کہ دنیا میں ہدایت اور حضرات انبیاء و مرسلین کی بعثت کا سلسلہ جاری کرنا ہے تاکہ اطاعت اور نافرمانی کا مادہ ظہور میں آجائے۔ چنانچہ ہم نے انکو حکم دیا کہ تم فی الحال اسی جگہ رہو جہاں تم کو بہشت سے اتارا گیا ہے، یعنی فی الحال دنیا ہی میں رہو۔ سر دست بہشت میں جانے کی اجازت نہیں، تم سب کے سب فی الحال اسی جگہ رہو اس لیے کہ اگر تم کو اسی وقت بہشت میں جانے کی اجازت دی جائے تو سب کا اجتماع ایک جگہ نہ رہے گا، تمہارا یکجائی اجتماع مبدل بہ تفرق ہو جائیگا۔ حضرت آدم کی پیری کر نیوالوں کو بہشت میں پہنچا دیا جائیگا اور بدوں اور بدکاروں کو یا تو یہیں چھوڑ دیا جائیگا یا پھر دوزخ میں بھیج دیا جائیگا اور یہ تفرق مقصود اور غرض کے منافی ہے۔ اتارنے سے مقصود تکلیف احکام اور اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہے پس زمین میں اتارنے سے مقصد یہ ہے کہ امر و نہی کے ذریعہ سے تمہارا امتحان کریں۔ پس اے اولاد آدم خوب سمجھ لو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، پس جو لوگ میری ہدایت کا اتباع کریں گے ان پر نہ آئندہ کا کوئی ڈر ہو گا کہ مثلاً یہاں سے نکالے جائیں اور نہ گزشتہ پر وہ مغموں و محزون ہوں گے مثلاً یہ حسرت کہ ہم سے فلاں راحت اور لذت فوت ہو گئی وہاں پہنچ کر ایسی لذتیں اور مستی ہیں کہ دنیا کی ساری لذتیں اور مستی انکے سامنے پیچ ہو جائیں گی۔
ف | پہلی بار مہبوط کا حکم جنت سے اترنے کے لیے تھا اور دوسری بار مہبوط کا حکم زمین

میں مقیم رہنے کے لیے ہے۔

ف خدا کی ہدایت پر چلنے والوں کو اس قسم کا خوف نہ ہوگا جیسا کہ مجرمین اور نافرمانوں کو ہوتا ہے کہ دیکھیے اس جرم کی اب کیا سزا ملتی ہے۔ اس آیت میں اس قسم کے خوف کی نفی مراد ہے۔ باقی حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال کا خوف وہ سب پر طاری ہوگا انبیاء و مرسلین بھی خدا کی عظمت اور جلال سے کانپتے ہوئے ہوں گے نیز اس آیت میں بالکل خوف کی نفی نہیں کی گئی بلکہ خوف کے احاطہ اور استیلا کی نفی کی گئی ہے۔ اس لیے کہ کلمہ علی کلام عرب میں استیلا اور احاطہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ پس فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ کے یہ معنی ہوں گے کہ خوف ان پر غالب اور ان کو محیط نہ ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر خوف اگرچہ غالب نہ ہو مگر کسی نہ کسی قسم کا خوف ضرور ہوگا۔ وہ خوف خدا کی عظمت اور جلال کا ہے۔ نیز اس میں کافروں کی طرف تعویض بھی ہے کہ قیامت کے دن خوف ان کو محیط ہوگا۔ اور ڈر اور اندیشہ ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہوگا۔ بخلاف اہل ایمان کے ان پر خوف غالب نہ ہوگا۔ اور جو لوگ میری ہدایت سے منکمہ ہوئے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ایسے ہی لوگ جہنم والے ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ کبھی بھی اس سے نہ نکلیں گے کما قال تعالیٰ۔ وَ مَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ۔

ہبوط آدم علیہ السلام کے اسرار و حکم

گزشتہ آیت یعنی فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّہٖ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ اِنَّہٗ هُوَ التَّوَّابُ السَّحِیْمُ میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ اور اس کی اجابت کا ذکر تھا کہ ہم نے آدم کی توبہ قبول کی تو ممکن ہے اس سے یہ شبہ ہو کہ ہبوط اور زمین پر اترنے کا حکم لغزش کی وجہ سے تھا شاید قبول توبہ کے بعد وہ حکم باقی نہ رہے۔ اس لیے ہبوط کے حکم کا پھر اعادہ فرمایا۔ اگرچہ توبہ قبول ہو چکی مگر یہ حکم بحالہ باقی ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ہبوط کا حکم لغزش کی وجہ سے نہیں تاکہ قبول توبہ سے اس کے منسوخ ہونے کا خیال یا شبہ کیا جائے بلکہ وہ حقیقت میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کا وعدہ پورا کرنے کے لیے ہے زمین کی خلافت جس کا حضرت آدم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ خود اس کو مقتضی ہے کہ ان کو زمین پر اتارا جائے حضرت آدم سے جنت کی خلافت کا وعدہ نہ تھا بلکہ زمین کی خلافت کا وعدہ تھا اس لیے ہبوط کا حکم قبول توبہ کے بعد بھی برقرار رہا۔ بعض عارفین سے یہ منقول ہے کہ جب حضرت حق جل شانہ نے حضرت آدم اور حوا کو یہ خطاب فرمایا۔ لَا تَقْصَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَةَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔ تو اس خطاب میں خود اس طرف اشارہ تھا کہ حضرت آدم اس خطا میں مبتلا ہو کر جنت سے علیحدہ ہوں گے۔ اور جنت کی یہ سکونت چند روزہ ہے دائمی نہیں چنانچہ

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ - خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ جنت چند روز کے لیے دار سکونت ہے نہ کہ دار اقامت اس لیے کہ ہمیشہ رہنے والے کے لیے امر و نہی ظروا بات (روک ٹوک) کے احکام نہیں جاری ہوتے اسکے علاوہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتارنے میں اور بھی بہت حکمتیں ہیں۔ منجملہ انکے ایک یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے غفور اور رحیم عفو اور علیم۔ خافض اور رافع۔ معز اور بذل بھی ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہ کی حکمت بالغہ اسکو مقتضی ہوئی کہ کوئی دار اور محل ایسا ہونا چاہیے جس میں ان اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ کے آثار ظاہریوں جس کے لیے چاہے مغفرت کرے اور جس پر چاہے رحم کرے جسکو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے، جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلت دے اس لیے حضرت آدم اور ان کی ذریت کو جنت سے زمین پر اتارا تاکہ ان اسماء حسنیٰ کے آثار ظاہریوں جنکے ظہور کے لیے دار دنیا ہی مناسب ہے نہ کہ دار آخرت۔

نیز حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت میں وہ لوگ بھی تھے جو جنت میں رہنے کے اہل نہ تھے۔ حضرت آدم کی پشت بمنزلہ سفینہ کے تھی جس میں نیک و بد ہر قسم کے لوگ سوار تھے۔ اس لیے دنیا میں اترنے کا حکم ہوا تاکہ خبیث کو طیب سے اور شقی کو سعید سے اور مومن کو کافر سے جدا اور الگ کیا جائے اور پھر خبیثین کو دار الخبیثین یعنی جہنم میں اور طیبین کو دار الطیبین یعنی جنت میں بسائے کما قال تعالیٰ۔

لِيَمَيِّزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے جدا کر دے۔

اور تاکہ ان اشیاء اور خبیثین کے مقابلہ میں انبیاء و مرسلین اور عباد صالحین کا سلسلہ جاری ہو۔ دوستوں کا دشمنوں کے ذریعہ امتحان ہو۔ جب اللہ کے مخلص بندے اس کی راہ میں جان و مال کو خرچ کریں۔ اور اسکے دشمنوں سے اسکا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد و قتال کریں۔ جہاں بازی اور سرفروشی سے کسی قسم کا دریغ نہ کریں خدا کے دوستوں سے دوستی اور اسکے دشمنوں سے دشمنی کریں تو حق تعالیٰ شانہ ان کو درجات عالیہ اور اپنے تقرب اور رضا و خوشنودی سے سرفراز فرمائے۔

نبوت و رسالت، امامت اور خلافت شہادۃ فی سبیل اللہ اور حب فی اللہ اور بغض فی اللہ خدا کے دوستوں سے محبت اور موالات۔ اور اس کے دشمنوں سے نفرت اور بیزاری اور دشمنی اور معادات یہ تمام فضائل و کمالات زمین ہی پر اتارے جانے کے نتائج و ثمرات ہیں۔ جنت میں رہ کر یہ باتیں کہاں ممکن تھیں

ہبوط آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسرار و حکم کی اگر تفصیل درکار ہے تو حافظ شمس الدین ابن قیم قدس الشرحہ کی تصنیف لطیف یعنی مفتاح دار السعادة کا مطالعہ فرمائیں۔ حافظ موصوف

مدارج السالکین میں فرماتے ہیں۔

یا ادم انما ابتلیتک بالذنوب
لا فی احب ان اظهر فضلی ووجودی
وکرہی علی من عصانی۔ لولہ
تذنبوا لذهب اللہ بکم
و لجاہ بقوم یدنبون
فیستغفرون فیغفر لہم یا ادم
اذا عصمتک و عصمت
بنیک من الذنوب فعلی
من اجود بحلی
و علی من اجود بعفوی
و مغفرتی و توبتی وانا
التواب الرحیم یا ادم
لا تجزع من قولی
لک (اخرج منها) فلالک
خلقتها ولكن اہبط الی
دار المجاہدة و ابذر بذر
التقوی و امطر علیہ سحاب
الجفون فاذا اشتد الحب
و استغلظ و استوی
علی سوقہ فتعال فاحصده
یا ادم ما اہبطتک
من الجنة الا لتوسل
الی فی الصعود و ما
اخرجتک منها لفیالک
عنہا ما اخرجتک
عنہا الا لتعود۔

‡ ‡ ‡

اے آدم میں نے تجھ کو گناہ میں مبتلا کیا اس
لیے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے فضل
اور جود و کرم کو گنہ گاروں پر ظاہر کروں
حدیث میں ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے
تو اللہ تعالیٰ تم کو فنا کر دیتا اور ایسی قوم
کو پیدا کرتا جو گناہ کر کے خدا سے مغفرت
طلب کرتے اور خدا ان کی مغفرت فرماتا
اے آدم تجھ کو اور تیری ذریت کو اگر
معصوم بنادوں تو اپنا علم اور عفو و کرم
اور مغفرت اور معافی کس پر ظاہر کروں
حالانکہ میں تو رحیم ہوں پس ضرور ہے
کہ گنہ گار موجود ہوں تاکہ میں انکی توبہ قبول
کروں اور ان پر رحم کروں۔ اے آدم
میرے (اخرج منها) کہنے سے گھراؤ
مت اس لیے کہ جنت کو میں نے تیرے
ہی لیے پیدا کیا ہے لیکن اس وقت
تم مجاہدہ اور ریاضت کے لیے زمین پر
اترو جو تمہارے لیے بمنزلہ خانقاہ یا غار
کے ہے اور زمین آسمان کے اعتبار سے
بمنزلہ غار ہی کے ہے۔ اور یہاں اگر تقویٰ
کے تخم کی کاشت کرو اور چشم گریاں کی
بارش سے اس کو سیراب کرو جب یہ
دانہ قوی اور مضبوط ہو جائے اور اپنے
تنے پر کھڑا ہو جائے تو اسکو کاٹ لو۔
اے آدم تجھ کو اس لیے جنت سے
اتارا تاکہ تیرے درجات اور مدارج
اور بلند ہوں۔ اور جنت سے چند روز

ان جرى بيننا وبينك عتب
وتناوت منا ومنك الديار
فالوداد الذي عهدت مقيم
والعتار الذي اصبحت جبار
(مدارج السالكين ص ۱۶۶ ج ۱)

کے لیے اس لیے نکالاتا کہ اس سے بہتر
حالت میں جنت کی طرف تو لوٹ کر آئے۔
ترجمہ شعر۔ اگر ہمارے اور تیرے درمیان
میں کوئی رنجش پیش آگئی ہے اور اگر ہمارے
اور تیرے درمیان میں منزلوں کا فصل ہو
کیا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں
اس لیے کہ محبت و مودت کا تعلق اسی
طرح باقی ہے۔ اور جو لغزش تم سے
ہو گئی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے

فوائد مستنبط از قصہ آدم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ بارک وسلم و شرف و کرم

فلان قرآن کریم کے ظاہر سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اللہ کے نبی اور رسول
مکرم ہیں۔ یعنی ایسے رسول ہیں جن سے اللہ نے بالمشافہ کلام فرمایا چنانچہ حدیث میں ہے۔

اخرج الطبرانی و ابوالشیخ
فی العظمة و ابن مردويه
عن ابی ذر قال قلت یا رسول
الله ارایت آدم أنبیاً کان
قال نعم کان نبیا رسولا
كلمه الله قبله قال یا ادم
اسكن انت وزوجك الجنة۔
واخرج عبد بن حميد و
الأجری فی الاربعین عن
البحر قال یا رسول
الله من کان اولهم یعنی
الرسول قال ادم قلت
یا رسول الله انبی مرسل
قال نعم خلقه الله بيده

طبرانی اور ابوالشیخ نے کتاب العظمة میں
اور ابن مردويه نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول
اللہ کیا حضرت آدم نبی تھے؟ تو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں نبی
بھی تھے اور رسول بھی جن سے اللہ نے
بالمشافہ کلام فرمایا اور یہ کہا کہ یا ادم
اسكن انت وزوجك الجنة۔
اور عبد بن حميد اور اجری نے اربعین میں
ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے
کہ یا رسول اللہ سب سے پہلے رسول
کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آدم۔ میں
نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حضرت آدم
کیا نبی مرسل تھے۔ فرمایا کہ ہاں اللہ نے

و نفخ فیہ من روحہ
و سواہ قبلہ۔

(کذا فی الدر المنثور ص ۵۱ ج ۱)

۲ | افعال خداوندی کے اسرار و حکم سوائے اس علیم و حکیم کے کسی کو معلوم نہیں۔ ملائکہ مقربین کو بھی سوائے سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيُّ الْاَكْبَرُ کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ افعال خداوندی کے اسرار کے درپے نہ ہو۔ ملائکہ کی طرح سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا کہہ کر بے چوں و چرا تسلیم کرے۔

کرا از ہر آں کہ از بیم تو
زبان تازہ کردن با تبار تو
کشايد زباں جز بہ تسلیم تو
نیکیختن علت از کار تو

۳ | حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے ہی ملائکہ کے سامنے حضرت آدم کی خلافت کا ذکر کچھ تعلیم مشورہ کی جانب مشیر معلوم ہوتا ہے کہ کام کرنے سے پہلے مشورہ کر لینا چاہیے۔ اگرچہ حق تعالیٰ مشورہ سے بے نیاز ہے۔

۴ | استحقاق خلافت کے لیے جب ملائکہ نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ کہہ کر تسبیح و تحمید تقدیس و تمجید کو پیش کیا تو حق جل شانہ نے ملائکہ کے تسبیح و تقدیس کے جواب میں حضرت آدم کا علمی کمال ظاہر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں مشغول ہونا تسبیح و تہلیل سے افضل اور بہتر ہے مگر بشرط یہ ہے کہ وہ علم اللہ کے نزدیک بھی علم ہو۔ اللہ کے نزدیک علم وہ ہے جس سے خدا کی خشیت اور اس کی عظمت دل میں راسخ ہوتی ہو کما قال تعالیٰ

اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ
الْعُلَمَاءُ۔

معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک عالم وہی ہے جو خدا سے ڈرتا ہو اور جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں اگرچہ سارا عالم اسکو عالم کہے۔ علم کے راہ حق ننماید جہاں تست۔

۵ | ملائکہ کو سجدہ کا حکم دینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ مسجود و ساجد سے افضل ہوتا ہے۔

۶ | حدیث میں ہے کہ جب فرشتے صبح اور عصر کی نماز سے یا کسی محفل ذکر سے لوٹ کر جاتے ہیں تو حق تعالیٰ دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا تو عرض کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے چھوڑا۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ فرشتوں نے ایک بار کہا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ۔ اور کلمہ مَنْ عام ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب ایسے ہی ہوں گے تو فرشتے موجبہ کلیہ کے مدعی تھے، اُنکے جواب کے لیے سالبہ جزئیہ کا ذکر کافی ہو گیا یعنی

ایک شخص یا ایک جماعت کا پیش کر دینا جو اللہ کی مطیع کامل ہو ان کے موجبہ کلیہ توڑنے کے لیے کافی ہے یہ ضروری نہیں کہ سارے ہی مطیع ہوں قیامت تک اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہے گا۔

ف | اعجاب اور استکبار اور اللہ جل جلالہ کے حکم پر اعتراض اور خود ستائی نے ابلیس کو ملعون اور مطرود بنایا اور اطاعت اور انقیاد اور رضا و تسلیم اور عجز اور انکساری اور ندامت اور شرمساری اور توبہ اور استغفار نے حضرت آدمؑ کی شان کو بڑھایا۔

ف | نیز اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جنت پیدا ہو چکی ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت ابھی پیدا نہیں ہوئی۔

ف | کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے کبھی نجات نہ پائیں گے۔

ف | غلطی سے خلاف حکم خداوندی کوئی کام کر گزرنا معصیت ہے اور حکم خداوندی کو بغیر غول اور خلاف سمجھنا یہ کفر ہے۔

فائدہ جلیلہ

ترک اطاعت اور ارتکاب معصیت میں فرق

سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترک امر یعنی امر الہی کا امتثال نہ کرنا اور حکم خداوندی کو نہ ماننا ارتکاب نہیں ہے زیادہ سخت ہے ابلیس نے حکم الہی اور امر خداوندی یعنی حکم سجود سے انحراف کیا۔ مطرود و مردود ہوا اور آدم علیہ السلام نے ایک نہیں کا ارتکاب کیا یعنی جس درخت سے کھانے کی انکو ممانعت کی گئی تھی اس کو کھایا، بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا۔ حضرت آدم کو اس عتاب کی کہاں تاب تھی فوراً ہی توبہ اور استغفار کی اور صد ہزار گریہ و زاری کے ساتھ اپنے رب کریم سے عفو اور مغفرت کی درخواست کی اللہ نے اپنی رحمت سے توبہ قبول فرمائی اور جلتہ اجتبار و اصطفاء سے سرفراز فرمایا۔

اقل یہ کہ ترک امر کا جرم ارتکاب نہیں ہے جرم سے اس لیے زیادہ سخت ہے کہ ارتکاب نہیں کا منشاء ہمیشہ غلبہ شہوت ہوتا ہے اور ترک امر کا منشاء ہمیشہ استکبار اور اعجاب (خود پسندی) ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ جس کے قلب میں ذرا برابر بھی کبر یعنی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں، کبر بانی میری ردا رہے اور عظمت میری ازار ہے، جو شخص اس میں میری منازعت کرتا ہے میں اسکو کچل ڈالتا ہوں۔ بخلاف اس شخص کے کہ جو ایمان لانے کے بعد شہوات میں مہمک رہا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ اگرچہ وہ چوری اور زنا کرے۔
 دوم۔ یہ کہ اللہ کے نزدیک امتثال امر اور فعل مامور بہ یعنی حکم الہی کا بجالانا بہ نسبت منہیات سے
 احتراز اور اجتناب کے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ
 محبوب عمل اللہ کے نزدیک اپنے وقت پر نماز کا ادا کرنا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ خیر الاعمال
 یعنی سب سے بہتر عمل ذکر اللہ ہے۔ اسی وجہ سے حق جل شانہ نے جا بجا قرآن کریم میں اپنی محبت
 کو امتثال احکام اور اوامر کی بجائے پر معلق فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
 الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا. وقال تعالیٰ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. وقال
 تعالیٰ وَأَقْسَطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ وقال تعالیٰ وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الصَّابِرِينَ۔ ان آیتوں میں اللہ نے اپنی محبت کو ان لوگوں کے لیے مخصوص فرمایا ہے جو اس
 کے ان احکام اور اوامر کو بجالاتے ہیں۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔ احسان۔ عدل۔ واقساط۔ صبر و تحمل
 یہ سب اللہ کے احکام ہیں۔ ان کی بجا آوری سے اس کی محبت حاصل ہوتی ہے اور محظورات اور منہیات
 کو حق جل شانہ نے جب بھی ذکر فرمایا ہے تو محبت کی نفی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ وقال تعالیٰ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔
 وقال تعالیٰ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وقال تعالیٰ لَا يُحِبُّ
 اللَّهُ الْجَهْلَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ۔ وقال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ
 كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔

سوم: یہ کہ اوامر و احکام کی تعمیل مقصود لذاتہ ہے اور منہیات سے بچنا مقصود بالذات نہیں
 بلکہ فعل مامور بہ کی تکمیل کے لیے ہے اس لیے کہ منہیات اور محظورات کا ارتکاب عبادت اور
 بندگی اور احکام کی بجا آوری میں مغل ہے۔ چنانچہ حق جل شانہ نے تحریم خمر اور تحریم قمار کی علت
 یہ ذکر فرمائی ہے

يُضِدُّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
 وَ عَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ
 مُنْتَهُونَ۔
 شراب اور قمار اللہ کے ذکر اور نماز سے
 تمکو روکتے ہیں پس کیا تم ان سے باز
 نہ آؤ گے۔

چہارم: یہ کہ طاعات اور مامورات کی بجا آوری ہی روح کی غذا ہے۔ بغیر ایمان و تسلیم اور
 بغیر اطاعت اور انقیاد کے روح کی حیات ناممکن ہے اور محظورات و منہیات سے بچنا بمنزلہ پرہیز
 کے ہے۔ پرہیز اس لیے کرایا جاتا ہے تاکہ حیات اور قوت میں فتور نہ آئے۔ اصل مقصود حیات اور
 پرہیز حیات کی نگہبانی کے لیے ہے۔

پنجم: یہ کہ عبادت جس کے لیے جن دانس کو پیدا کیا گیا۔ وہ امتثال اوامر اور احکام خداوندی

کی بجا آوری ہی کا نام ہے جن وانس کو فقط منہیات اور محظورات سے بچنے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا (بلکہ عبادت اور بندگی اور احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے پیدا کیا گیا ہے) زنا اور سرقت وغیرہ سے باز رہنے کا نام عبادت نہیں بلکہ جو حکم اس حکم الحاکمین نے دیا اسکو دل و جان سے بجالانے کا نام عبادت اور بندگی ہے۔

ہشتم: یہ کہ ایک حکم کی تعمیل سے دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ بلکہ لا الی نہایت ثواب ملتا ہے اور منہی عنہ کے ارتکاب سے صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ترک امر اور عدم تعمیل حکم کا جرم ارتکاب نہیں کے جرم سے کس قدر اعظم ہے۔ ہفتم: یہ کہ طاعت اور عبادت اور احکام کی بجا آوری اور ان کا اجر و ثواب تمام تر صفت رحمت سے متعلق ہے، اور محظورات و ممنوعات کا ارتکاب اور ان پر سزا اور عقاب یہ سب صفت غضب اور انتقام سے متعلق ہے، اور صفت رحمت صفت غضب پر سابق ہے غضب، رحمت پر سابق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نزدیک رحمت عذاب سے اور عفو انتقام سے زیادہ محبوب ہے۔ وقال تعالیٰ:-

کَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ: تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت

کو لکھ لیا ہے یعنی لازم کر لیا ہے۔

مگر اس ارجمت الراحمین نے غضب کو اپنے اوپر لازم نہیں فرمایا۔ وقال تعالیٰ:-
وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً
مگر غضب اور انتقام کے اعتبار سے محیط نہیں۔ رحمت اسکی دائمی ہے کبھی منفک نہیں ہوتی
مگر غضب دائمی نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز فرمائیں گے۔

ان ربی قد غضب الیوم
غضبا لم یغضب قبلہ
مثله و لن یغضب بعدہ
مثله۔

میر پروردگار آج غصہ ہوا ہے ایسا غصہ
ہوا کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصہ ہوا
اور نہ اس کے بعد کبھی ایسا غصہ
ہوگا۔

ہشتم: یہ کہ طاعت و عبادت کے آثار جلد زائل نہیں ہوتے۔ بخلاف منہیات و محظورات کہ ان کے آثار بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں۔ معاصی اور سیئات کے آثار کبھی عفو اور مغفرت سے اور کبھی توبہ اور استغفار سے زائل ہو جاتے ہیں کبھی اعمال صالحہ اور مصائب سے انکا کفارہ ہو جاتا ہے اور کبھی شفاعت سے اور کبھی اقارب اور احباب کی دعاؤں سے ان معاصی سے درگزر کیا جاتا ہے اور اگر صمیم قلب اور اخلاص کے ساتھ توبہ کرے تو ان سیئات کو حسنات سے بدل

دیا جاتا ہے۔

نہم: یہ کہ نجات کا دار و مدار احکام کی بجا آوری پر ہے۔ اگر کوئی شخص تمام مناسبات اور محظورات سے بچتا ہے مگر احکام خداوندی کو نہیں مانتا تو اس کی نجات ناممکن ہے۔ اور اسکے برعکس اگر کوئی شخص احکام خداوندی کو تسلیم کرتا ہے مگر زنا اور سرقت اور کسی فحشار اور منکر سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کی نجات ممکن ہے۔

دہم: یہ کہ اوامر اور احکام سے کسی فعل کا وجود مطلوب ہوتا ہے اور نہی سے کسی شے کا عدم اور ترک مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم میں کوئی کمال نہیں۔ کمال وجود اور ایجاد ہی میں ہے اسی وجہ سے شریعت کی نظر میں اوامر کا امتثال مناسبات سے زیادہ بہتر ہے اور حکم خداوندی سے سرکشی کرنا منہی عنہ کے ارتکاب سے زیادہ جرم ہے تِلْكَ عَشْرٌ كَامِلَةٌ۔ کذافی کتاب الفوائد ص ۱۱۹ للمحافظ ابن القيم قدس سرہ۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْل اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو میں نے کیا

عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَ

تم پر اور پورا کرو قرار میرا تو میں پورا کروں قرار تمہارا اور

اٰیٰی فَارْهَبُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ

میر ہی ڈر رکھو اور مانو جو کچھ میں نے اتارا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کٰفِرِیْہٖ ۚ وَ

سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو اور مت ہو تم پہلے منکر اس کے اور

لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمٰنًا قَلِیْلًا ۚ وَاٰیٰی فَاتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے بچتے رہو

۱۔ مترجم گوید خدا تعالیٰ بنی اسرائیل را نعمتائے خود یاد داد و معجزہا کہ دریں قوم ظاہر شدہ بود ذکر فرمود آنگاہ شبہات و ہفوات ایشا نرا رد کرد بدلائل و ایں قصہ ممتد است تا قولہ تعالیٰ وَاِذْ اٰتٰنَا اِبْرٰہِیْمَ ذُبُّہٗ ۱۲۔ فتح الرحمن

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ

اور مست ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو

تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ

جان کر اور کھڑی کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور

ارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۳﴾ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ

جھکو ساتھ جھکنے والوں کے کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام

وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا

کا اور بھولتے ہو آپ کو اور تم پڑھتے ہو کتاب پھر کیا

تَعْقِلُونَ ﴿۳۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط

نہیں بو جھنتے اور قوت پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے اور

إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۳۵﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

البتہ وہ بھاری ہے مگر انہیں پر جنکے دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہے کہ ان

أَنَّهُمْ مُّلْقَوْنَ رَبَّهُمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۳۶﴾

کو ملنا ہے اپنے رب سے اور ان کو اسی طرف الٹے جانا ہے

تذکر اجمالی انعامات خاصہ براسلاف یہود و امیشاں بایفارعمہ و نہی

از دین فروشی و حق پوشی

(یعنی) اُن نعمتوں کا بیان جو خاص بنی اسرائیل پر مبذول ہوئیں۔

قال تعالى - يَبْنِيْ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا النِّعْمَتِيْ ... الے ... وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ہ

لے یعنی در جمیع حاجات و مصائب واللہ اعلم - فتح الرحمن

(ربط) شروع سورت میں حق تعالیٰ نے متقین اور کافریں اور منافقین کے اوصاف اور اسحوال بیان کیے۔ بعد ازاں یا اٰیٰھا النَّاسُ اَعْبُدُوْا۔ میں خطاب عام فرمایا اور کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں کیا پھر توحید اور رسالت اور قیامت کے دلائل بیان کیے تاکہ عبادت کر کے آخرت کی تیاری کر سکیں بعد ازاں اپنے انعامات کو بیان کیا جو تمام بنی آدم کو عام اور شامل ہیں اب عنان خطاب ایک خاص گروہ یعنی بنی اسرائیل کی طرف پھیرتے ہیں اور ان نعم خاصہ کو بیان کرتے ہیں جو خاص بنی اسرائیل پر مبذول ہوئیں اور منجملہ دیگر قبائل عرب۔ گروہ بنی اسرائیل کو اس لیے خطاب کے لیے مخصوص فرمایا کہ یہ سورت پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور مدینہ میں یہود ایک کثیر تعداد میں آباد تھے یہود کو اگرچہ اوس اور خزرج اور دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں عددی اکثریت حاصل نہ تھی لیکن یہود کو دیگر قبائل کے مقابلہ میں علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم کہلاتے تھے اور خاندان نبوت سے تھے اور مشرکین عرب اُنی اور ان پڑھ تھے اور اہل علم اگر حق کو قبول کر لیں تو عوام پر اسکا بہت اثر پڑتا ہے اس لیے اس رکوع میں خاص بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا اور اولاً ان نعمتوں کو اجمالاً یاد دلایا جو اس خاندان پر مبذول ہوئی تھیں۔ اور دوسرے رکوع سے ان کی تفصیل فرمائی جو دور تک چلی گئی اور مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کر کے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے رب کریم اور منعم قدیم کے الطاف و عنایات کو یاد کر کے ایثار و عہد کے لیے دل و جان سے تیار ہو جائیں کیونکہ توریت میں نبی آخر الزمان کی بشارتیں اور صفاتیں مذکور تھیں اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کے عہد کا بھی ذکر تھا اور علماء یہود اس سے بخوبی واقف تھے اس لیے مناسب ہوا کہ اولاً اہل علم کو اسلام کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ اور لوگ بھی انکی تقلید سے راہ حق پر آجائیں اور انکا اتباع اوروں کے لیے حجت بن جائے اور بنی اسرائیل کے خطاب سے پہلے حضرت آدم کا قصہ ذکر کیا جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ابلیس نے محض حسد اور تکبر کی وجہ سے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور اس کے بعد بنی اسرائیل کو یعنی یہود کو خطاب کیا تاکہ متنبہ اور خبردار ہو جائیں کہ تم کو تکبر اور حسد کا انجام معلوم ہے لہذا تم کو چاہیئے کہ تکبر اور حسد کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے اعراض نہ کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے فرزندان یعقوب یاد کرو تم میری ان خاص نعمتوں کو جنکا میں نے خاص تم پر انعام کیا۔ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے جو اسرائیل اور ایل سے مرکب ہے۔ اسرائیل کے معنی بندہ یا برگزیدہ کے ہیں اور ایل اللہ کا نام ہے لہذا اسرائیل کے معنی عبد اللہ یا صفوۃ اللہ کے ہوں گے۔ اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ بجائے یا بنی یعقوب کے یا بنی اسرائیل فرمانے میں ایک خاص لطافت ہے۔ وہ یہ کہ اس لقب کی طرف مضاف کرنے سے یہ معنی ہونگے کہ اے اولاد ہمارے مطیع اور فرمانبردار

۱۔ ہذہ ترجمۃ الاضافۃ الی فی قولہ تعالیٰ لِعَمَّتٰی لَانِ الْاِضَافَۃَ تَفِیْدُ الْاِخْتِصَاصَ فَافْہُوْا ۱۲

اور برگزیدہ بندہ کی تم کو تو اتباع حق میں اپنے باپ کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ جس طرح کہتے ہیں یا ابن
الکریم افعَلْ کَذَا اے کریم کے بیٹے ایسا کر۔ یا ابن الشجاع بَارِزِ الْاِطَالِ اے
شجاع کے بیٹے بہادروں کا مقابلہ کر۔ یا ابن العالی اَطْلُبِ الْعِلْمَ اے عالم کے بیٹے
علم حاصل کر۔ پھر اس کے علاوہ تمہارے خاندان میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ
علیہ السلام تک چار ہزار نبی آئے۔ اس لیے تم کو پیغمبروں کی علامتیں خوب معلوم ہیں لہذا تم کو نبی اکرم
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والسّٰلیم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے اکثر مناظرہ اور مکالمہ قریش کے ساتھ رہتا تھا۔
جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود سے مناظرہ اور مکالمہ شروع ہوا۔ یہود جو نیکو اہل کتاب
ہونے کی وجہ سے علماء کہلاتے تھے، تمام عرب کی نگاہیں ان پر لگی ہوئی تھیں کہ یہ لوگ اہل علم ہیں
ان کے خاندان میں ہزاروں نبی ہوئے، انبیاء کی علامتوں سے خوب واقف ہیں۔ دیکھیں یہ لوگ انحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے خاص خاص انعام
کو جو وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر ہوتے رہے۔ یاد دلایا اس لیے کہ عام نعمتوں کا تذکرہ اتنا مفید اور
مؤثر نہیں ہوتا۔ جتنا کہ خاص نعمتوں کا تذکرہ دل میں اثر رکھتا ہے اس لیے اولاً اجمالی طور پر حق
جل شانہ نے اس رکوع میں بنی اسرائیل پر اپنے خاص انعامات کا ذکر فرمایا تاکہ مشرک ایمان لائیں
اس کے بعد دوسرے رکوع میں تفصیلی طور پر اپنے انعامات کا اور بنی اسرائیل کی شرارتوں کو ذکر فرمایا
تاکہ لوگ انکی شرارتوں سے واقف ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ ان کا قول اور فعل قابل اعتبار نہیں۔

اور پورا کر و تم اس عہد کو جو تم نے مجھ سے کیا تھا میں بھی پورا کرونگا اس عہد کو جو میں نے
تم سے کیا ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں اس عہد سے وہ مراد ہے جو سورہ مائدہ کی اس آیت میں
مذکور ہے۔ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ
نَقِيْبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ
الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْ أَوْسِيَاءَكُمْ فَأَسَدْتُكُمْ اللَّهُ فَرَضَا حَسَنًا
لَّا تُكْفِرْنَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا دُخِلَتْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد سے وہ عہد مراد ہے جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا کہ تمہارے
بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمعیل میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لانے کا عہد مراد ہے۔ اور اہل کتاب سے اللہ کا عہد یہ تھا کہ تم میں سے جو محمد رسول اللہ صلی
علیہ وسلم پر ایمان لائیگا اسکو دو اجر ملیں گے جیسا کہ سورہ قصص کی اس آیت میں ہے اُولَئِكَ
يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ۔ ایک اجر حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر

ایمان لانے کی وجہ سے اور دوسرا جبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ پس اے اہل کتاب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ اور اس سے نہ ڈرو کہ ایمان لانے سے تمہارے ہدیے اور نذرانے بند ہو جائیں گے۔ اور قوم تمہاری مخالفت ہو جائے گی اور درپے ایذا و اضرار ہو جائے گی اور قوم تمکو اپنی جماعت سے نکال باہر کرے گی جس سے طرح طرح کے نقصان اٹھانے پڑیں گے بلکہ خاص مجھ سے ڈرو قوم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی بھلائی اور برائی سب میرے ہاتھ میں ہے۔

ایمان لانے سے دنیا کے حقیر اور معمولی اور چند روزہ اور فانی ہی منافع فوت ہونگے مگر ایمان نہ لانے سے خدا کی رضا اور خوشنودی اور آخرت کے دائمی بیش بہا منافع فوت ہو جائیں گے۔

لکل شیء اذا فارقتہ عوض ولیس للہ ان فارقت من عوض
(جس چیز کو بھی چھوڑو اسکا عوض مل سکتا ہے مگر خدا کو چھوڑ کر اسکا عوض پانا ناممکن اور محال ہے)۔
اس لیے ارشاد ہوا مجھ سے ہی ڈرو امرار اور دوسارے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا اور آخرت کے نفع اور ضرر کا مالک صرف میں ہی ہوں۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ کٰفِرٍۭ بِہٖ
اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی درآخالیکہ وہ کتاب اس توریت کے کتاب الہی ہونے کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے۔ یعنی اول تو محض اس وجہ سے ایمان لے آنا چاہیے تھا کہ قرآن کو اللہ نے نازل کیا ہے جیسے تم توریت پر اس وجہ سے ایمان لاتے کہ اللہ نے اسکو اتارا ہے اسی طرح یہ قرآن بھی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے اسی طرح اس پر بھی ایمان لاؤ۔ علاوہ ازیں یہ کتاب اس توریت کی جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتاری گئی۔ اس کے منزل من اللہ اور کتاب الہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے اس لحاظ سے بھی تم کو اس پر ایمان لانا چاہیے پھر یہ کہ توریت میں نبی آخر الزمان کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی کا تم کو بخونی علم ہے لہذا تمکو چاہیے کہ سب سے پہلے حضور پر نور پر ایمان لاؤ اور دیدہ دانستہ سب سے پہلے قرآن کے منکر اور مکذب یعنی جھٹلانے والے نہ ہو کہ قیامت تک قرآن کریم کی تکذیب کرنے والوں کا وبال تمہاری گردن پر رہے۔ اس لیے کہ ہجرت کے بعد پہلا فرقہ یہود کا ہے جو مدینہ اور خیبر میں رہتا تھا اور دوسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے جو زیادہ تر شام میں رہتا تھا۔ پس اگر یہود آنحضرت کی نبوت کا انکار کریں گے تو نصاریٰ بھی انکے دیکھا دیکھی انکار کریں گے اس لیے فرمایا کہ اے یہود تم پہلے کافر نہ بنو۔

لے اشارۃ الی ان الضمیر فی قوله بہ عائد الی القرآن الذی تقدم ذکرہ قوله بما
انزلت و اختاره ابن جریر و قیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہاں تک اہل کتاب کو ایمان کی دعوت دی گئی۔ ایمان کے بعد سب سے زائد محبوب عمل اللہ کے نزدیک نماز ہے اس لیے آئندہ آیت میں نماز کا اور پھر زکوٰۃ کا حکم فرمایا کہ جان اور مال کی اطاعت میں لگے رہو۔ یعنی اے بنی اسرائیل ایمان کے بعد اور نماز کو قائم اور درست رکھو یعنی محض کتمان حق اور تلبیس اور غلط ملط سے باز رہنا نجات کے لیے کافی نہیں جب تک کہ احکام خداوندی پر عمل نہ ہو۔ لہذا ضروری ہوا کہ ایمان کے بعد نماز کو قائم رکھو۔

علامہ بخاری فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ میں الف لام عہد کا ہے۔ یعنی ایسی نماز پڑھو کہ جیسی صحابہ کرام پڑھتے ہیں۔ منافقوں کی سی نماز نہ پڑھو جو حقیقت میں نماز نہیں بلکہ فقط صورت اور ہیئت نماز کی ہے اور طبیب خاطر اور انشراح صدر کے ساتھ زکوٰۃ دیا کرو۔ جس طرح سے لغت عرب میں یتان سہولت سے آنے کا نام ہے۔ اسی طرح یتا سہولت سے دینے کا نام ہے اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شریعت اسلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہود نماز پڑھتے تھے مگر تنہا۔ اس لیے حکم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو اس لیے کہ نماز بھی ایک قسم کا جہاد ہے جس میں اجتماع ضروری اور لازمی ہے۔ اور محراب مسجد محرابہ شیطان کا محل ہے اور قتال کے لیے صفوف کا ہونا بھی ضروری ہے اس لیے صفوف جماعت کے سیدھا رکھنے کی حدیثوں میں بہت تاکید آئی ہے۔

تواریخ عالم بے عمل

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَقُولُوْنَ اَلَا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا نَعْمَلُ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم دوسروں کو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب یعنی توریت کو پڑھتے ہو جس میں عالم بے عمل کی مذمت جا بجا مذکور ہے۔ پس کیا تم سمجھتے نہیں کہ دوسروں کو نیکی اور بھلائی کا راستہ بتلانا اور دیدہ و دانستہ اپنے کو ہلاک اور برباد کرنا یہ عقل اور فراست نہیں بلکہ عین سفاہت اور عین حماقت ہے۔ تعجب ہے کہ تم دوسروں کے ساتھ تو احسان کرتے ہو مگر اپنے نفس کے ساتھ احسان نہیں کرتے حالانکہ وہ احسان کا زیادہ مستحق ہے اپنی بدخواہی اور دوسروں کی خیر خواہی عقل کا اقتضا نہیں عقل کو عقل اسی لیتے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو بُری باتوں سے روکتی ہے اور اس لیے کہ عقل کے معنی لغت میں روکنے کے ہیں۔ پس جب انسان نے اپنے ہی کو گمراہی سے نہ بچایا اور بُری باتوں سے نہ روکا تو وہ کس طرح عاقل کہلا سکتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عالم بے عمل کی مثال شمع کی سی ہے کہ دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے اور اپنے کو جلاتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو اپنے خویش اقارب کو جو ایمان لے آئے تھے انکو یہ کہا کرتے تھے کہ تم دین اسلام پر قائم رہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وہ حق ہے دوسروں کو ایمان اور اسلام کی ترغیب دیتے اور خود ایمان اور اسلام کو قبول نہ کرتے مطلب یہ ہوا کہ تم توریت کی تلاوت کرتے ہو اور اس میں نبی آخر الزمان کی بشارتیں ٹپکتے ہو باوجود اس علم کے تم خود تو ایمان نہیں لاتے اور تمہارے اقارب اور احباب میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتا ہے اسکو ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے ہو تمہارا عجب حال ہے کہ باوجود کتاب کے پڑھنے اور اہل علم کہلاتے جانیکے کہ دوسروں کو تو نیک باتوں کا حکم کرتے ہو مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے۔

تنبیہ | اس آیت شریفہ کا یہ مقصد نہیں کہ عالم بے عمل کسی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے یا کسی کو راہ حق نہ بتلائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود بھی ضرور عمل کرے عالم ہو کر بے عمل نہ رہے بلکہ عالم باعمل بنے۔ جب وہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اسکو یہ سوچ لینا چاہیے کہ سب سے پہلے میرا نفس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محتاج ہے۔

عالم پر دو چیزیں فرض ہیں۔ ایک ترک معصیت یعنی خود معصیت نہ کرنا۔ دوم یہ کہ دوسروں کو معصیت سے منع کرنا۔ اگر دونوں فرض نہیں بجا لا سکتا تو دونوں کو چھوڑا بھی نہیں جاسکتا۔ حالانکہ یدرک کلہ لا یتروک کلہ۔ طبیب اگر کسی مرض میں خود مبتلا ہو تو اسی مرض کے مریض کا معالجہ کر سکتا ہے لیکن خود اسکا مرض جب ہی زائل ہوگا جب وہ خود بھی دوا کا استعمال کرے دوسرے مریض کو دوا کا بتلانا بلاشبہ ضروری اور مستحسن ہے اور مریض کے لیے غایت درجہ مفید ہے مگر اس بد پرہیز طبیب کو فائدہ جب ہوگا کہ جب خود بھی دوا کا استعمال کرے محض دوسرے کو دوا بتلا دینا اس کے مرض کے ازالہ کے لیے کافی نہیں اور لیس تقو لئون حالاً تفعلون میں انکار فقط قول حق اور امر بالمعروف کی طرف راجح نہیں بلکہ تقولون کی قید یعنی لا تفعلون کی طرف راجح ہے یعنی حق کہنے کے بعد اس پر عمل کیوں نہیں کرتے بلاغت کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شئی کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو نفی اور انکار فقط قید کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ علماء اہل کتاب خوب جانتے تھے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نبی برحق ہیں مگر حب مال اور حب جاہ آپ کے اتباع سے مانع تھے کہ اگر آپ پر ایمان لے آئیں گے تو ہمارے ہدیے اور نذرانے بھی بند ہو جائیں گے اور دوسارے امور کی نظروں سے ہم گر جائیں گے اور جو عزت اور جاہت ہم کو حاصل ہے وہ جاتی رہے گی۔ آئندہ آیت میں اس کا علاج ارشاد فرمایا۔

اصلاح نفس کا طریقہ اور حب مال اور حب جاہ کا علاج

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ اور اگر تم حب دنیا اور ہواؤں کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے ہو تو شہوات اور لذات سے پرہیز کرو اور اس کے معالجہ کے لیے یہ دوائیں استعمال کرو یعنی صبر سے مدد طلب کرو یعنی نفس کو صبر اور قناعت کا خوگر اور ترک لذات اور شہوات کا عادی بناؤ تاکہ دنیا کی محبت دل سے زائل ہو۔ اور حق اور باطل میں تمیز کر سکو مرض کا ازالہ جب ہی ممکن ہے کہ اول مضرات سے پورا پورا پرہیز ہو اور پھر دوا کا استعمال ہو۔ اسی طرح باطنی امراض کے ازالہ کے لیے صبر بمنزلہ پرہیز کے ہے اور شکر بمنزلہ دوا کے ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ **الْإِيمَانُ نِصْفَانِ نِصْفٌ فِي الصَّبْرِ وَنِصْفٌ فِي الشُّكْرِ** ایمان کے دو حصے ہیں ایک صبر اور دوسرا شکر، یعنی ایمان کی صحت اور سلامتی دو چیزوں پر موقوف ہے ایک صبر پر یعنی مضرات سے پرہیز کرنے پر اور دوم دوا شکر کے استعمال پر۔ جب تک پرہیز کامل نہ ہو اس وقت تک دوا پورا نفع نہیں کرتی اس لیے اول پرہیز یعنی صبر کا حکم دیا اور پھر دوا کے استعمال کا حکم دیا یعنی نماز کا کہ حمد و ثناء تسبیح و تقدیس رکوع و سجود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا شکر ہے۔

بر مراء نفس تا گردی اسیر صبر بگزین و قناعت پیشہ گیر

یعنی اگر تم کو اجرا اور معاوضہ ہی مطلوب ہے تو حطام دنیا اور دراہم محدودہ پر کیوں گریے جاتے ہو آؤ صبر کرو تاکہ بارگاہ خداوندی سے تم کو بے حساب اور بے شمار اجر ملے۔ کما قال تعالیٰ۔ **إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** اور اگر تم عزت اور وجاہت کے طالب ہو تو عزت اور وجاہت کو ان کے پاس کہاں ڈھونڈتے ہو۔ عزت کی اگر تلاش ہے تو اُس عزیز مقتدر کے پاس تلاش کرو جس کی شان یہ ہے۔ **تَعَبَتْ مِنْ تَلْشَاءُ وَتَذَلُّ مِنْ تَلْشَاءُ**۔

عزیز سے کہ از در گیش سر بتافت بہر در کہ شد ہیج عزت نیافت

پس اگر تم عزت کے متلاشی ہو تو آؤ اور اس ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ بے نیاز پر جبین نیاز کو خم کرو تاکہ دنیا اور آخرت کی عزتیں تم کو حاصل ہوں یعنی نماز پڑھو۔ نماز کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ فحشاء اور منکر سے بچاتی ہے حق جل شانہ کی محبت اور عظمت کو اور دنیا کی نفرت اور آخرت کی رغبت کو دل میں راسخ کرتی ہے مخلوق سے تعلق کو قطع کرتی ہے اور خالق ذوالجلال سے تعلق کو مستحکم اور مضبوط کرتی ہے یسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حدیث بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جب کوئی امر پیش آتا تو فوراً گھبرا کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

اور مسند احمد اور سنن نسائی میں صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ حضور انبیاء کو جب پریشانی پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہو جلتے۔ عجب اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ بیٹے کی وفات کی خبر دی گئی تو سواری سے اترے اور دو رکعت نماز پڑھی اور اَنَا لِلّٰهِ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور یہ فرمایا کہ ہم نے ویسے ہی کیا جیسا اللہ نے ہم کو حکم دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَاسْتَغِيثُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (اخر جہ سعید بن منصور روا بن المنذر والحاکم وغیرہم) ضرورت اور پریشانی کے وقت جو نماز پڑھی جائے وہ صلوٰۃ الحاجۃ کہلاتی ہے اس آیت میں اسی صلوٰۃ الحاجۃ کی طرف اشارہ ہے۔ وَ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُّلاقُوا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ اور تحقیق وہ یعنی صبر اور صلاۃ سے استعانت اور استمداد البتہ بہت شاق اور گراں ہے مگر انہیں پر جن کے دل خدا کے خوف سے پگھلے جاتے ہیں جنکو خیال ہے کہ ہم یقیناً خدا سے ملنے والے ہیں اور بلاشبہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یعنی صبر اور نماز حقیقت میں دشوار نہیں کہ جسکا بجالانا ناممکن ہو ہاں ان لوگوں پر جو خدا سے ملنے کی امید نہیں رکھتے نماز ان پر بہت شاق اور گراں ہے وہ اس کو محض مشقت اور محنت خیال کرتے ہیں مگر اُن خاشعین پر جو عذاب الیم سے ڈرتے ہیں اور ثواب عظیم اور نعیم مقیم کی امید رکھتے ہیں ان پر نماز شاق اور گراں تو کیا ہوتی ان کے لیے تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی فرحت اور مسرت ہے۔

ف احو علم اور ادراک ان علامات سے حاصل ہو جو نہ محسوس ہوں اور نہ بدیہی لغت میں اس کو ظن کہتے ہیں کبھی دلائل اور براہین کے انضمام سے اُسمیں قوت پیدا ہو جاتی ہے جو جزم اور یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس درجہ ضعیف ہو جاتا ہے کہ شک اور وہم کے قریب پہنچ جاتا ہے اس لیے لفظ ظن کبھی یقین کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی شک کے معنی میں اور کبھی گمان غالب کے معنی میں۔ اس آیت میں اگر ظن سے یقین کے معنی مراد لیے جائیں جیسا کہ مجاہد اور ابو العالیہ اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے تو آیت کے یہ معنی ہونگے کہ نماز ان لوگوں پر شاق اور گراں نہیں جو خدا سے ملنے کا یقین رکھتے ہیں اور اگر ظن کے معنی گمان اور خیال کے لیے جائیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جس شخص کو خدا کی ملاقات اور اسکی جزا اور سزا کا گمان اور خیال بھی ہو جائے تو اگر عقل سلیم رکھتا ہے تو صبر اور نماز اور معاصی سے پرہیز اور طاعات خداوندی کا بجالانا اس کو شاق اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہو گا مریض کو جن لذائذ و طیبات کے استعمال سے ضرر کا گمان اور خیال بھی ہو جاتا ہے ان سے پرہیز کرنا اس کو دشوار نہیں معلوم ہوتا اور تلخ سے تلخ دوا کا استعمال کہ جس سے صحت اور شفا کی امید ہو آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے۔ بعض عارفین فرماتے ہیں کہ الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُّلاقُوا رَبِّهِمْ کے یہ معنی ہیں کہ وہ خاشعین نماز پڑھتے وقت یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنے پروردگار کو دیکھ

رہے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ عبادت کر۔ اللہ کی اس طرح کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے، خلاصہ یہ کہ اگر تم کو نفس کا تزکیہ اور اسکی اصلاح مقصود ہے تو صبر اور نماز سے اس بارہ میں مدد حاصل کرو۔ اور اگر یہ طریق تم کو دشوار معلوم ہوتا ہے تو دوسرا طریق یہ ہے کہ تم نعمائے الہیہ کا مراقبہ کیا کرو اور سوچا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ نے ہم پر کیا کیا نعمتیں برساتیں اور باوجود ہماری نافرمانیوں کے ہم پر کیا کیا احسانات ہوتے رہے۔ اس تفکر اور مراقبہ کا اثر یہ ہوگا کہ قلب میں حق جل شانہ کی محبت کا ولولہ اور جوش پیدا ہوگا۔ اَلْاِنْسَانُ عَبْدٌ لِّلْاِحْسَانِ "انسان بندہ ہے احسان کا" جہاں یہ جوش اور ولولہ پیدا ہوا مقصد حاصل ہو گیا۔

ہر آنکھ عشق یکے دردش گرفت قرار
روا بود کہ تحمل کند جفائے ہزار
عشق آن شعلست کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
اس لیے آئندہ آیت میں پھر ان نعمتوں کے یاد کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جن نعمتوں کو پہلے اجمالاً یاد دلایا تھا اب انکو تفصیلاً بیان فرماتے ہیں۔

لَبَنِيَّ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان میرا جو میں نے تم پر

عَلَيْكُمْ وَاِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝۳۷ وَاتَّقُوا يَوْمًا

کیا اور وہ جو میں نے تم کو بڑا کیا جہان کے لوگوں پر اور بچو اس دن

لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا

سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے ایک ذرہ اور قبول نہ ہو اس کی

شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يَنْصَرُونَ ۝۳۸

طرف سے سفارش اور نہ لیں اس کے بدلہ میں کچھ اور نہ ان کو مدد پہنچے

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِّنْ اِلٍ فِرْعَوْنَ يَسُومُوْنَكُمْ سُوءَ

اور جب چھڑایا ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے دیتے تم کو بڑی تکلیف

الْعَذَابِ يُذَيِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ

ذبح کرتے تمہارے بیٹے اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں

وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٢٩﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا

اور اس میں درد ہوئی تمہارے رب کی بڑی اور جب ہم نے چرا

بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَ

تمہارے پیشنے کے ساتھ دریا پھر بچا دیا تم کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور

أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً

تم دیکھتے تھے اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعَجَلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٣١﴾ ثُمَّ

پھر تم نے بنا لیا بچھڑا اس کے پیچھے اور تم بے انصاف ہو پھر

عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٢﴾ وَ

معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی شاید تم احسان مانو اور

إِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٣٣﴾

جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوٹی شاید تم راہ پاؤ

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنِّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعَجَلَ فَتَوْبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ

یہ بچھڑا بنا لیکم اب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ

یہ بہتر ہے تم کو اپنے خالق کے پاس پھر متوجہ ہوا تم پر برحق

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَىٰ لَنْ

وہی ہے معاف کرنے والا مہربان اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم یقین نہ

نُؤْمِنُ بِكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ

کریں گے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو سامنے پھر لیا تم کو بجلی

الصُّعِقَةَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ

نے اور تم دیکھتے تھے پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو

بَعْدَ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۵﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ

مرگنے پیچھے شاید تم احسان مانو اور سایہ کیا ہم نے

الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ ط كُلُوا

تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور سلوی کھاؤ

مِنْ حَبِيبَتٍ مَا رَزَقْنَكُمْ ط وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ

ستھری چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور ہمارا کچھ نقصان نہ کیا پر

كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۶﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا

اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور جب کہا ہم نے داخل ہو

هَذِهِ الْقَرْيَةُ فَاكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا

اس شہر میں اور کھاتے پھر اس میں جہاں چاہو محظوظ ہو کر

وَإِذْ خُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ

اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کر کر اور کہو گناہ اترے تو بخشیں ہم

خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۷﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

تمکو تقصیریں تمہاری اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو پر بدل لی بے انصافوں نے اور

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى

بات سوائے اس کے جو کہدی تھی ان کو پھراتا رہم نے

الَّذِينَ ظَلَمُوا رَجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا

بے انصافوں پر عذاب آسمان سے ان کی

يَفْسُقُونَ^{۵۹} وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا

بے حکمی پر اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو کہا

اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

ہم نے مار اپنے عصا سے پتھر کو پھر بہ نکلے اس سے بارہ

عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ طَغَوْا

پیشے پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ

وَأَشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ

اور پیو روزی اللہ کی اور نہ پھرو ملک میں

مُفْسِدِينَ^{۶۰}

فساد مچاتے

تفصیل العلامات و عنایات خداوند جلیل و شرح جنایات و تقصیرات

قوم بنی اسرائیل و حکم مراقبہ عنایات و ملاحظہ جنایات کہ در

حیاء حکم اکسیر دارد

قال تعالیٰ یٰبَنیَّ إِسْرَءِیْلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ... الی... وَلَا تَعْتُوا فِی

خاندان یعقوبی کے شرف کو ضائع کیا تم بھی قارون اور سامری کی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اپنی فضیلت اور بزرگی اور اپنے شرف اور منصب کو ضائع نہ کرو۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہو تو اپنی سابق فضیلت اور گزشتہ منصب پر قائم ہو بلکہ تم سے دو اجر کا وعدہ ہے اور اگر تم ایمان لانے سے انحراف کرتے ہو تو سمجھ لو کہ تم اپنے منصب سے معزول ہو۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے اس وقت تک بنی اسرائیل ہی سب سے افضل اور اشرف تھے۔ یہ وقت خطاب مضمون کلام سے خارج ہے گزشتہ زمانہ سے لیکر اس وقت خطاب تک بنی اسرائیل کا ان فضیلتوں میں کوئی شریک اور سہیم نہیں رہا اور یہ وقت خطاب مضمون کلام سے خارج ہے۔ گزشتہ فضیلت اور گزشتہ شرف کو باقی رکھنا ہے تو اس نبی برحق کی دعوت کو قبول کرو مگر افسوس ان لوگوں نے اس دعوت کو ٹھکرایا اور مغضوب علیہم اور ضالین کے نام سے موسوم ہوئے اور جو لوگ ایمان لائے وہ خیر الائم کے لقب سے سرفراز ہوئے اس تقریر سے یہ شبہ رفع ہو گیا کہ اس آیت سے بنی اسرائیل کا امت محمدیہ سے افضل ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ آیت میں اس وقت کی تفصیل کا ذکر نہیں گزشتہ زمانہ کی تفصیل کا ذکر ہے وقت خطاب مضمون کلام سے خارج ہے۔

آئندہ انکے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ اگر تم کو یہ خیال ہے کہ باوجود نہ ایمان لانے کے قیامت کے دن ہم اپنے آباؤ اجداد کی شفاعت سے نجات پا جائیں گے تو سمجھ لو کہ قیامت کے دن فرود اور فرعون سامری اور قارون کی طرح انبیاء اللہ سے انحراف کرنے والوں کے لیے کوئی شفاعت نہ ہوگی چنانچہ ارشاد ہے۔ وَالْقَوْلُ يَوْمًا لَا يُجِزِي نَفْسًا عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ۔ اور درود تم اس دن سے کہ ایک نفس دوسرے نفس کے کچھ بھی کام نہ آئیگا اور نہ اسکی طرف سے کوئی سفارش اور نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ لیا جائیگا اور نہ انکی کوئی مدد کی جائے گی۔ البتہ اہل ایمان کی مدد کی جائے گی انسان جب کسی بلا میں گرفتار ہوتا ہے تو شفاعت و سفارش فدیہ دیکر رستگار ہونا چاہتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے آمادہ پیکار ہوتا ہے اور وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ۔ سے یہی مراد ہے کہ تمہارا کوئی حامی اور مددگار بھی نہ ہوگا۔ جو تم کو زور اور قوت کے ذریعے سے عذاب سے چھڑائے۔

ف جو لوگ مال کی محبت میں زیادہ گرفتار ہوتے ہیں وہ یہ چاہا کرتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو سفارش سے کام چل جائے۔ مال نہ خرچ کرنا پڑے اور بعض عزت اور وجاہت کے دلدادہ ہوتے ہیں انکو مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے اس لیے حق جل شانہ نے اس مقام پر شفاعت کو فدیہ پر مقدم فرمایا اور اسی پارہ کے اخیر میں فدیہ کو شفاعت پر مقدم فرمایا۔ حیث قال وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ تَاكِدُ دُونِ قِسْمِ كِي طَرَفِ اِشَارَہ ہوجائے۔

تنبیہ | اس آیت شریفہ میں مطلق شفاعت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ فرعون اور ہامان کی طرح انبیاء اللہ سے انحراف کرنے والوں کی شفاعت کی نفی مقصود ہے۔ عَصَاةَ مُؤْمِنِينَ یعنی گنہگار مسلمانوں کی شفاعت جو دیگر آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس کی نفی مقصود نہیں تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر کبیر کی مراجعت فرمائیں۔

نیز ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی شخص اپنی وجاہت سے سفارش نہ کر سکے گا اور آیت مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ میں لفظ اِذْنِ اَل کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی اجازت سے سفارش ہو سکے گی۔

وَ اِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِّنْ اِلٍ فِرْعَوْنَ... اِلَى... مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٍ

العام دوم

اور یاد کرو اس العام کو جبکہ ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات دی جو تم کو سخت ترین عذاب کی تکلیف دے رہے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے۔ غیور طبیعتیں سمجھ سکتی ہیں کہ عورتوں کا زندہ چھوڑنا بیٹوں کے ذبح سے سخت ہے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ تم نے دیکھ لیا کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی نے بھی دنیا میں ان سختیوں میں تمہاری کوئی مدد نہ کی پس سمجھ لو کہ آخرت میں جبکہ نفسی ہوگی کون تمہاری مدد کر سکے گا۔ فرعون نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کر لیا ہے۔ ہر قبیل کے گھر میں داخل ہوتی ہے اور اسکو جلاتی ہے بنی اسرائیل سے کوئی تعرض نہیں کرتی۔ کاہنوں نے اسکی یہ تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے اور تیری قوم اور تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا اس لیے فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسکو قتل کر دیا جائے اس زمانہ میں نجوم کا بڑا چرچا تھا۔ اور نجومیوں کو خواب کی تعبیر کا بھی ملکہ تھا اسی زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ فرعون ہی کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ہوئی۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود قصہ فرعون زیں افسانہ بود

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَ آخَرَقْنَا اِلَ فِرْعَوْنَ

العام سوم

وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ۔ اور اے بنی اسرائیل اس نعمت کو بھی یاد کرو جب کہ

ہم نے محض تمہاری وجہ سے دریا کو پھاڑا یعنی محض تمہارے صحیح سالم گذر جانے کی وجہ سے ہم نے اپنے ارادہ اور مشیت سے دریا کو شق کیا۔ اتفاقی طور پر جزر و مد نہ تھا پس تم کو نجات دی دشمن سے بھی نجات ملی۔ اور خدا تعالیٰ کے علم و قدرت میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں جو شبہات تھے ان سے بھی تم کو نجات ملی۔ سارے شعبے رفع ہوئے اور فقط تمہارے

نجات دینے پر کفایت نہیں کی۔ بلکہ قوم فرعون کو جو تمہاری دشمن تھی غرق کیا۔ تاکہ آئندہ بھی دشمنوں کا خطرہ دل سے نکل جائے اور پھر غرق بھی انکو ایسی حالت میں کیا کہ تم انکو غرق ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس میں اب کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجائش نہ رہی تھی اور دشمن کو اپنی آنکھوں کے سامنے غرق ہوتے ہوئے دیکھنا یہ بہت ہی بڑی نعمت ہے اور ایسی نعمت کا تو بہت ہی شکر چاہیئے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ دن جس میں بنی اسرائیل کو نجات اور قوم فرعون کو غرق کیا گیا عاشورہ کا دن تھا۔ اس نعمت کے شکر میں موسیٰ علیہ السلام نے اس روز کا روزہ رکھا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا تو فرمایا کہ تم سے زائد موسیٰ کا حقدار میں ہوں۔ خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ فرعون سے نجات دینا تو نعمت تھا ہی لیکن دریا کو ان کے گزرنے کے لیے راستہ بنا دینا ایک مستقل انعام تھا اس لیے فلق بحر کو علیحدہ ذکر فرمایا۔

وَ اِذْ قَاخَدْنَا مُوسٰی اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے تورات عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ طور پر چالیس شب کا اعتکاف فرمائیں۔ موسیٰ علیہ السلام تو کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ سامری جو کہ منافق تھا اس نے بعد میں گو سالہ پرستی کا فتنہ کھڑا کر دیا جس کا مفصل قصہ آئندہ آئے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اے بنی اسرائیل اور تم ہمارے اس انعام کو یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا۔ تیس راتیں ذی قعدہ کی اور دس راتیں ذی الحجہ کی۔ ایت کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ رات کی عبادت میں مجاہدہ زیادہ ہے۔

تحقیق رات کا اٹھنا نفس کے روندنے اور پا مال کرنے اور بات کے سیدھا نکلنے میں شدید موثر ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّیْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا

بیز سمار دنیا کی طرف حق جل جلالہ کا نزول اجلاں شب ہی میں ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے اور رحمتیں اور برکتیں بھی اکثر رات ہی میں نازل ہوتی ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبَارَکَةٍ۔ ہم نے قرآن کو مبارک رات میں اتارا۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ علاوہ ازیں قرب الہی کے حاصل کرنے کے لیے رات سے بہتر کوئی وقت نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ رَضِیَ اللہ عَنْہُ فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ عنہ انہ
سمع النبی صلی اللہ
علیہ وسلم یقول
اقرب ما یکون الرب
من العبد فی جوف اللیل
الاخر فان استطعت
ان تكون ممن یدکر
اللہ فی تلك الساعة فکن
رواه الترمذی و اللفظ له
و ابن خزيمة فی صحیحہ وقال
الترمذی حدیث حسن صحیح غریب۔

کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حق جل شانہ بندہ
کے ساتھ سب سے زائد قریب اور
نزدیک وسط شب میں ہوتے ہیں پس
اگر تم سے یہ ممکن ہو کہ تو اس وقت
میں اللہ کے ذکر کرنے والوں میں سے ہو
تو ضرور ہو جا۔ اس حدیث کو ترمذی نے
روایت کیا اور یہ لفظ ترمذی کی روایت
کے ہیں اور ابن خزيمة نے بھی اپنی صحیح میں
اسکو روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے
ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح اور غریب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور آپ کے صحابہ کو قیام لیل کا حکم ہوا۔ یَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ
فَمِنَ اللَّيْلِ۔ اور رات ہی میں تہجد کا حکم ہوا۔ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ اور
رات ہی میں آپکو آسمان کی سیر کرائی گئی۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا۔ الآية۔
عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر کرتے تو رات کو چلتے اور دن کو ٹھہرتے اس لیے کہ رات میں رات
جلد قطع ہوجاتا ہے اسی طرح میری اللہ کیلئے رات کو خاص کیا گیا تاکہ سالک جلد منزل مقصود پر پہنچ جائے رہا یہ امر کہ چالیس کا عدد کیوں خاص
کیا گیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اعداد کے مختلف مرتبے ہیں آحاد (اکائیاں) عشرات (دہائیاں) مائت (سینکڑے) اُلوف (ہزار) جن
میں سے دس کا عدد فی حد ذاتہ فی نفسہ کامل اور مکمل ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔
تِلْكَ حَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔ (یہ دس کامل ہیں) پس جس چیز کی خاص طور پر تکمیل مقصود ہوتی ہے تو اس
عدد یعنی دس کو چار گنا کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی مٹی کا خمیر چالیس دن تک کیا گیا اور حدیث
میں ہے کہ بطن مادر میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز تک علقہ (خون بستہ) پھر
چالیس روز تک مضغہ یعنی پارہ گوشت اس کے بعد روح پھونکی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد کو
عروج اور ترقی سے کوئی خاص مناسبت ہے پس جس طرح جسمانی عروج اور ترقی کے لیے چالیس کا
عدد منتخب ہوا اسی طرح حق جل شانہ نے اپنی اس قدیم سنت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے باطنی اور روحانی عروج اور ترقی کے لیے چالیس کا عدد خاص فرمایا۔ سُنَّةَ اللَّهِ
الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ وَلَنْ يَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وروی عن ابن عباس ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم قال من اخلص لله
الربعين يوما ظهرت ينابيع
الحكمة من قلبه على لسانه
ذكره رزين العبدري
(ترغيب وترہیب ص ۲۵ ج ۱)

ارشاد فرمایا جو چالیس دن تک عمل خاص
اللہ کے لیے کرے تو علم اور حکمت کے
چشمے اسکے قلب سے نکل کر اس کی زبان
پر جاری ہو جائیں گے۔ (رواہ رزین العبدری)

بے کتاب و بے معیار و اوستا
بینی اندر خود علوم اولیاء
اور اسی طرح نبوت و رسالت پیغمبری اور بعثت کے لیے چالیس کا عدد خاص کیا گیا۔ علاوہ انہیں
اصل عمر انسان کی چالیس سال ہے اس کے بعد انحطاط اور زوال ہے جیسا کہ حتیٰ اذا بلغ
اشدّاء و بلغ اربعین سنۃ۔ (سورۃ احقاف) سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرات اہل اللہ (حشیشنا اللہ تعالیٰ فی ذمہرتھم و اماتنا علی
حبہم و سیرتھم امین) نے مجاہدہ اور ریاضت خلوت اور عزلت کے لیے چلہ تجویز
فرمایا۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شنیدم رہر وے در سہ زینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف
بہمی گفت ایں معما با قرینے
کہ در شیشہ بماند اربعینے

الحاصل۔ ہم نے موسیٰ سے توریت دینے کے لیے چالیس رات کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے موسیٰ کے
جانے کے بعد ہی کہ جن کی ساری عمر ہی مدعی الوہیت کے مقابلہ اور غیر اللہ کی عبادت اور پرستش سے
روکنے میں صرف ہوئی ان کے جاتے ہی تم نے عجلت اور جلد بازی میں ایک عجل (گو سالہ اور بچھڑا) بنا کر
کھڑا کر لیا اور لوگوں سے یہ کہا کہ دیکھو تمہارا خدا یہ ہے جو اس گو سالہ کی صورت میں ظاہر اور نمودار ہوا
ہے اور جو تمہارے پاس ہے اور موسیٰ خدا کو کوہ طور پر ڈھونڈتا پھرتا ہے جیسا کہ آج کل ہندوؤں
کا عقیدہ ہے کہ خدا کسی جسم میں حلول کر سکتا ہے اصطلاح متکلمین میں اس فرقہ کا نام فرقہ حلولیہ
ہے سامری نے لوگوں کو یہی سمجھایا کہ تمہارے پروردگار نے اس گو سالہ کی صورت میں ظہور کیا ہے
غرض یہ کہ سامری نے گو سالہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ اول تو گو سالہ بنانا ہی بُرا تھا اس لیے کہ ذی روح کی
تصویر بنانا قطعاً حرام ہے پھر یہ کہ گو سالہ بنا کر کیا وہ زبان پر لانے کی چیز نہیں۔ اندیشہ ہے
کہ کہیں زمین اور آسمان نہ پھٹ جائیں اور تم بڑے ہی ظالم تھے۔ کہ خدائے عز و جل کو چھوڑ کر
ایسے جانور کہ جو حماقت میں ضرب المثل ہے اس کی محض ایک تصویر کو اپنا خدا بنا لیا۔ بیل حماقت میں
ضرب المثل ہے اور بیل کا بچہ تو بیل سے بھی کم ہے اس لیے کہ وہ بے شعوری اور بے عقلی میں اس سے
بڑھا ہوا ہے۔ کیا یہ انتہائی ظلم نہیں۔ ذرا تم اپنے عدل اور انصاف فہم اور فراست کا کچھ تو اندازہ
لگاؤ کیا ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز بھی خدا اور معبود ہو سکتی ہے۔

نیز تم نے یہ نہ سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب تمکو فرعون کی عبادت سے روکتے تھے حالانکہ وہ کسی درجہ میں نفع و ضرر پر بھی قدرت رکھتا تھا تو اس بے عقل اور بے جان حیوان کی عبادت کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں۔ آخر فرعون بیل کے بچہ سے تو بہتر ہی تھا۔ اس عمل شنیع کا مقتضاً تو یہ تھا کہ تم کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا مگر ہم نے اپنی کمال رحمت اور غایت رأفت سے درگزر کیا جیسا کہ آئندہ آیت میں فرماتے ہیں۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

انعام پنجم | پھر ہم نے اس جرم عظیم کے بعد بھی تم کو معاف کیا تاکہ تم احسان مانو کہ ہم نے اپنے فضل اور رحمت سے تم کو معاف کیا آل فرعون کی طرح ہلاک نہ کیا، ورنہ یہ جرم قابل عفو نہ تھا۔ عفو سے اس جگہ مراد ترک مواخذہ ہے کہ تمکو اس جرم کے بعد نیست و نابود کر کے نہیں چھوڑا۔

حکایت | بارگاہِ خداوندی میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار تو نے بے شمار نعمتیں مجھ کو عطا فرمائیں اور ان پر شکر کا حکم دیا تیری نعمتوں کا شکر خود ایک عظیم الشان نعمت ہے پھر کس طرح شکر کروں۔ اللہ جل جلالہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ بندہ کا یہ سمجھ لینا کہ جو نعمت بھی ہے وہ میری ہی طرف سے ہے یہی بس اس کے لیے کافی ہے۔ (خازن)

انعام ششم | وَ إِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی توریت دی جو احکام الہی کی جامع تھی اور جو حق اور باطل روا اور ناروا میں فرق کرنے والی تھی۔ شاید کہ تم راہ راست پاؤ۔ علامہ زنجشیری کے نزدیک اس جگہ الکتاب اور الفرقان دونوں سے توریت ہی مراد ہے۔ اور یہ دونوں توریت کی صفتیں ہیں۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک کتاب سے توریت مراد ہے اور الفرقان سے معجزات مراد ہیں کہ جن سے حق اور باطل کا فرق واضح اور نمایاں ہوتا ہے جب بنی اسرائیل نے سامری کے اغوار سے گوسالہ کی پرستش شروع کر دی تو بنی اسرائیل میں تین گروہ ہو گئے۔ ایک حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے متبعین کا کہ خود بھی اس سے علیحدہ رہے اور دوسروں کو بھی منع کیا۔ دوسرا فریق سامری اور اسکے متبعین کا اور تیسرا فریق ساکتین کا کہ نہ خود گوسالہ پرستی کی اور نہ دوسروں کو منع کیا۔ پہلے فریق کو توبہ کی حاجت نہ تھی دوسرے اور تیسرے فریق کو توبہ کا اس صورت سے حکم ہوا کہ تیسرا فریق یعنی ساکتین دوسرے فریق یعنی سامری اور اس کے متبعین اور مرتدین کو قتل کریں تاکہ مقتول ہونے سے مرتدین کی توبہ ہو جائے اور قتل

۱۔ اشارۃ الی ان اصل الکتاب هو الجمع وسمی الکتاب کتاباً لكونه جامعاً للعلوم والقواعد والله اعلم۔ ۱۲ منہ

سے ساکتین کی توبہ ہو جائے اس لیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض تھا اس سے سکوت کیسے جائز تھا اس لیے اس سکوت کی توبہ یہ ہے کہ تم اپنے اُن خویش اور اقارب اور احباب و مخلصین کو کہ جو گوسالہ پرستی کی وجہ سے مرتد ہو گئے ہیں ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کرو جیسا کہ اُسندہ آیت میں ارشاد ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمٍ إِنَّكُمْ تَأْتُونَ الْفُكُورَ | **العام مفتوح**

الایہ۔ اور اے بنی اسرائیل اس العام کو بھی یاد کرو جب کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑا بنا کر تم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا اس بچھڑے سے تو فرعون اور ہامان ہی بہتر تھا۔ جب ایک انسان کی پرستش کفر اور شرک ہوئی تو ایک احمق حیوان کی پرستش کیسے کفر اور شرک نہ ہو گی۔ لہذا فوراً ہی بلا کسی تاخیر اور مہلت کے اپنے اس خالق کی طرف رجوع کرو۔ جس نے تم کو کفر اور شرک سے پاک اور بری منزہ اور مبرا پیدا کیا اس علیم و حکیم نے تم کو حنیف اور فطرۃ اسلام پر پیدا کیا تھا تم نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس کو شرک اور ظلم عظیم کے ساتھ آلودہ اور ملوث کیا۔ لہذا تم اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اور اسی کو اپنی مرجع اور اپنا انتہی سمجھو اور پھر اس توبہ کی تکمیل اس طرح کرو کہ اپنے آپ کو قتل کرو یعنی ساکتین مرتدین کو خنجر لیکر قتل کریں موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو یہ حکم خداوندی سنایا تو سب نے کہا کہ ہم دل و جان سے اپنے مولیٰ کے حکم پر راضی ہیں۔ چنانچہ سب ایک میدان میں جمع ہو گئے جن لوگوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی خنجر و تلواروں سے گوسالہ پرستی کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کیا جیسا کہ حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ اور مجاہد اور قتادہ اور ابوالعالیہ وغیرہم سے مروی ہے اور تورات سفر خروج کے تیسویں باب میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی۔ جب ستر ہزار آدمی قتل ہو گئے تو حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے نہایت تضرع اور بہتال کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں عفو کی درخواست کی۔ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی مقتولین کی بھی مغفرت فرمائی اور بقیۃ السیف کو بھی معاف فرمایا۔ جو مارا گیا اس نے مرتبہ شہادت پایا اور جو زندہ رہا وہ گناہوں سے پاک ہوا۔

ف | امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کی

۱۔ ہذا تفسیر کلمۃ الی الٰہی لا انتہاء الغایۃ فی قولہ الی بارئ کھ ۱۲۔
۲۔ آثار صحابہ اور تابعین اور تورات سب سے یہی ثابت ہے کہ یہ قتل تلواروں اور خنجروں سے تھا لہذا فَاَقْتُلُوا الْفُکُورَ سے نفس کشی مراد لینا صحیح نہیں۔ نیز نفس کشی ایک امر خفی ہے جس کا علم بہت دشوار ہے۔

تکمیل اور تہتیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ قاتل اپنے کو اولیاء مقتول کے سپرد کرے کہ چاہیں قتل کریں اور چاہیں معاف کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ مرتدین کی توبہ جب مکمل ہوگی کہ جب وہ اپنے کو قتل کے لیے سپرد کر دیں اھ (تفسیر کبیر) یہی تمہارے لیے ہر طرح سے بہتر اور نافع ہے تمہارے خالق کے نزدیک۔ جب تم نے اللہ کے حکم کی دل و جان سے تعمیل کی تو اللہ نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہاری توبہ قبول کی۔ اگرچہ تمہارا جرم فرعون سے بھی زیادہ سخت تھا اس لیے کہ وہ ابتداء ہی سے کافر تھا اور تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اور مرتد ہوئے۔ دین الہی کی بے حرمتی اور آبروریزی کی۔ بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑا ہی مہربان ہے کہ ایک گھڑی کی تکلیف برداشت کر لینے پر ہمیشہ کی عزت اور کرامت عطا فرماتا ہے۔ وہ حیات جسکی حقیقت ہلو و لعب سے زائد نہیں ایسی حیات لیکر حیات سرمدی اور ابدی سے سرفراز فرماتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دیدہ
آنچه در و نہمت نیاید آل دیدہ
واقعہ قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے باذن الہی ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لیجانے کے لیے منتخب فرمایا تاکہ گو سالہ پستی کی معذرت کریں۔ سب نے روزہ رکھا اور غسل کیا اور عمدہ کپڑے پہنے جب کوہ طور پر پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ بارگاہ خداوندی میں عرض کیجئے کہ ہمیں اپنا کلام پاک سناتے۔ تھوڑی دیر میں ایک نورانی ابر ظاہر ہوا موسیٰ علیہ السلام اس میں غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل نیچے کھڑے رہے۔ سب نے اللہ کا کلام سنا۔ جب کلام الہی ختم ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ابر سے برآمد ہوئے اور دریافت کیا کہ تم نے کلام الہی سنا تو اس پر یہ کہا ہم تو کلام الہی ہونے کا اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک علانیہ طور پر خدا کو نہ دیکھ لیں۔ آئندہ آیت میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔

العام، شتم

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّوْفِيَ لَكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ
جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمْ الصُّعْقَةُ وَاَنْتُمْ مُنْظَرُونَ۔ اور یاد

کرنا اے بنی اسرائیل اس وقت کو کہ جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم محض تمہارے کہنے سے اسکا ہرگز یقین نہ کریں گے کہ ہم نے جو کچھ سنا وہ اللہ جل جلالہ ہی کا کلام ہے ممکن ہے کہ پس پردہ کوئی اور کلام کرتا ہو جب تک کہ ہم خود اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں اس طرح کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ ہو پس آپ کو اس گستاخی پر بجلی نے اور تم اس بجلی کو آتے ہوئے دیکھ رہے تھے بنی اسرائیل اس موقع پر دو وجہ سے غضب الہی کے مورد بنے۔ اول تو اس کہنے کی وجہ سے کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے اور محض تمہارے بھروسہ اور اعتماد پر اسکا کلام الہی ہونا تسلیم نہ کریں گے۔ یہی ایک گستاخی نزول عذاب کے لیے کافی تھی اس لیے کہ اللہ کے نبی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا اور حمن ظن کے بجائے اس سے بدظن اور بدگمان ہونا یہ کچھ معمولی

گستاخی نہیں بنی پر اعتماد نہ کرنا صریح کفر ہے۔ نبی ہی کے اعتماد پر اللہ کی باتوں کو ماننا ایمان سے اور جو شخص نبی پر اعتماد نہیں کرتا آخر وہ یہ تو سوچے کہ نبی کے بعد پھر کس پر وہ اعتماد کرے گا۔ دوم یہ کہ گستاخانہ اور بے باکانہ طور پر یہ کہہ دینا کہ حتیٰ ذری اللہ جھوٹا کہ ہم موسیٰ کی تصدیق جب کریں گے کہ جب اللہ کو علانیہ اور ظاہر طور پر دیکھ لیں ہاں اگر ادب کے ساتھ یہ کہتے کہ اے موسیٰ کہ ہم دیدار الہی کے مشتاق اور آرزو مند ہیں تو مورد غضب نہ بنتے اسکا جواب تو یہ ہوتا کہ تم ابھی اس نعمت کے قابل نہیں آخرت میں جب آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک ہو جاؤ گے تب دیکھو گے غرض یہ کہ اس گستاخانہ اور بے باکانہ سوال کی وجہ سے عذاب الہی نے آگھیرا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا رب اَرِنِي اَنْظُرُ اِلَيْكَ کہہ کر دیدار الہی کا سوال کرنا سوال اول تو وہ سوال تھا یعنی عاجزانہ اور مؤدبانہ ایک استدعا اور درخواست تھی مطالبہ نہ تھا دوم یہ کہ وہ ایک والہانہ اور عاشقانہ استدعا نہ تھی جو سرسری محبت اور اشتیاق پر مبنی تھی۔ حاشا نبی اسرائیل کی طرح تعنت اور عناد اسکا نشانہ تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر جس کا مفصل قصہ سورۃ اعراف میں آئیگا۔ ہم نے تمکو زندہ کیا تمہارے مرجانے کے بعد یعنی حقیقتہً تم مر چکے تھے غشی اور سکتہ کی حالت نہ تھی اور نہ کوئی خواب تھا حقیقتہً مرنے کے بعد ہم نے تم کو اپنی رحمت سے دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ حق جل شانہ نے اپنی رحمت سے ہمارا قصور معاف فرمایا اور اپنی عبادت اور بندگی توبہ اور استغفار انا بت اور اعتذار کے لیے اور مہلت عطا فرمائی اور بعث بعد الموت کا نمونہ آنکھوں سے دکھلا دیا تاکہ بعث بعد الموت کے بارہ میں تمکو ذرہ برابر شبہ نہ رہے اور تم اس ایمان شہودی کا شکر ادا کرو۔ ایمان استدلالی میں تزلزل آسکتا ہے مگر ایمان شہودی میں تزلزل ممکن نہیں گویا کہ قیامت تم کو آنکھوں سے دکھلا دی گئی۔

و ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلٰوٰی

الغام نہم

جب نبی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تو بہت شاق اور گراں ہوا اور بالآخر یہ کہہ دیا کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر جہاد اور قتال کر لو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اس جرم میں چالیس سال تک ایک میدان میں حیران و پریشان پھرنے کی سزا ملی اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک سفید ابر سایہ کے لیے بھیجا تاکہ دھوپ کی تکلیف نہ ہو اور کھانے کے لیے من و سلوی نازل فرمایا اور ایک نور کا ستون عطا فرمایا جو اندھیری راتوں میں چاند کا کام دیتا تھا آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور اے بنی اسرائیل سایہ کیادادی تیرے میں ہم نے تم پر ابر کا۔ قتادہ سے منقول ہے کہ غمام اس ابر کو کہتے ہیں جو سفید ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ ابر نہایت ٹھنڈا اور پاکیزہ تھا ویسا ابر نہ تھا جو لوگوں میں معروف ہے بلکہ وہ اس قسم کا ابر تھا کہ جس میں بدر کے دن فرشتے نازل ہوئے اور جس میں قیامت کے دن ملائکہ اور حق جل شانہ نزول اجلال فرمائیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّاتِيَهُمُ اللّٰهُ فَيُفْ

ظِلِّ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ۔ ابرہہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ جو بخاریا د خان وغیرہ کے انجماد سے ظاہر ہو دوسرا وہ جو عالم غیب اور عالم مثال سے بدرون کسی سبب ظاہری کے ظہور میں آئے لہذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ ابرہہ دوسری قسم کا تھا اور اسی طرح قیامت کے دن جو ابرہہ ظاہر ہو گا وہ بھی اسی قسم کا ہو گا۔ اور اتارا ہم نے وادی تیبہ میں خزانہ غیب سے تم پر من سلویٰ۔ من ایک شیریں چیز تھی۔ دھنیے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستی صبح کو ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق چن لیتا اور سلویٰ ایک پرند کا نام ہے جسکو بٹیر کہتے ہیں یا اور کوئی پرند ہے جو مشابہ بٹیر کے ہوتا ہے شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جانور جمع ہو جاتے اندھیرا ہونے کے بعد پکڑ لائے اور کباب بنا کر کھاتے۔ مدت تک اسی طرح کرتے رہے۔

ف اطباء نے من یعنی ترنجبین کے بہت فوائد بیان کیے ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ اسکو باریک پس کر سونگھا جائے تو مایخولیا اور وہم اور وساوس اور دماغی ریا ح فاسدہ کے لیے بہت مفید پڑتا ہے عجب نہیں کہ بنی اسرائیل کے دماغوں کے تنقیہ کے لیے من تجویز کی گئی ہو تاکہ اُن کے دماغ اس قسم کے وساوس اور شبہات سے پاک ہو جائیں اور بٹیر کا گوشت دل کو نرم کرتا ہے یہ اُن کی قساوت قلبی دور کرنے کے لیے تجویز کیا گیا ہو واللہ اعلم کُلُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَ مَا ظَلَمُونَا وَ لَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ اور کہا ہم نے اُن سے کہ کھاؤ تم اُن پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمکو دیں یعنی یہ چیزیں محض تمہارے کھانے کے لیے اتاری ہیں ذخیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اور باوجود اسکے کہ خدا کی رافت و رحمت کا کرشمہ روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے پھر بھی خدا پر بھروسہ اور اعتماد نہ کیا۔ انجام یہ ہوا کہ جو ذخیرہ رکھتے وہ سڑ جاتا۔ اللہ فرماتا ہے۔ اور ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں کیا۔ بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے کہ ایسا لذق کھویا جس میں نہ دنیا کی مشقت تھی اور نہ آخرت کا حساب تھا۔ حافظ ابن کثیر رحم فرماتے ہیں کہ اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی فضیلت دوسرے حضرات انبیاء کے صحابہ پر ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ صحابہ نے دھوپ اور گرمی میں غزوات اور سرایا کے لیے سفر کیے مگر کبھی اس قسم کے خوارق کے خواہشمند نہ ہوئے کہ بنی اسرائیل کی طرح ہم پر من و سلویٰ نازل کیا جائے۔ اور دھوپ سے بچاؤ کے لیے ابرہہ بھیجا یا جائے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر دعا فرماتے تو ضرور ایسا ہو جاتا۔

وَ اِذْ قُلْنَا اِذْ خُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ الْاَيَّدِ۔ حافظ ابن کثیر فرماتے

العام دوم

ہیں کہ اس آیت میں قریہ سے بیت المقدس مراد ہے اور یہ واقعہ

اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل چالیس سال کے بعد میدان تیبہ سے یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں نکلے۔ جمعہ کی شام کو بیت المقدس فتح ہوا اور کچھ دیر کے لیے سورج روکا گیا یہاں تک کہ یوشع بن نون علیہ السلام کو فتح حاصل ہوئی۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ تم اس شہر کے دروازہ میں سجدہ شکر کرتے ہوئے

اور زبان سے استغفار اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے داخل ہو جیسے حق جل جلالہ نے اپنے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو حکم دیا۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ
كَانَ تَوَّابًا۔

جب اللہ کی نصرت اور فتح آپہنچی اور اپنے
لوگوں کو دین اسلام میں فوج در فوج داخل
ہوتا ہوا دیکھ لیا تو اسکے شکر میں اللہ کی
تسبیح اور تحمید اور استغفار کیجئے بیشک
اللہ تعالیٰ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ مکرمہ کے لیے تشریف فرما ہوئے تو مکہ مکرمہ میں داخل
ہوتے وقت خشوع اور خضوع تواضع اور تذلل کے آثار آپ سے ظاہر اور نمایاں ہو رہے تھے۔ اس
شان سے مکہ میں داخل ہوتے اور فتح ہو جانے کے بعد غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی بعض
علماء کے نزدیک یہ نماز صلوٰۃ الضعی یعنی چاشت کی نماز تھی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صلوٰۃ الفتح تھی یعنی فتح
مکہ کے شکر کی نماز تھی۔ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایوان کسریٰ میں فاتحانہ داخل ہوئے
تو محل میں پہنچ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی آئندہ آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور یاد کرو اس
وقت کو جب کہا ہم نے کہ داخل ہو اس شہر میں پس کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو وسعت اور فراغت کے
ساتھ اور داخل ہوا اسکے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے یہ شکر بدنی ہوا اور بخشش بخشش کہتے ہوئے۔ یعنی
توبہ اور استغفار کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہوئے داخل ہو۔ یہ شکر لسانی ہوا اور ان دونوں
عملوں کی روح ندامت قلبی ہے پس اگر ایسا کرو گے تو ہم تمہاری تمام خطاؤں کو بخش دیں گے اور اخلاص کے
ساتھ نیکی کر نبیوں کے اجر میں بقدر انکے اخلاص کے اور اضافہ کریں گے پس بدل ڈالا ظالموں نے بات
کو خلاف اس طریقہ کے کہ جو ان سے کہی گئی تھی۔ بجائے سجدہ کے سرین کے بل داخل ہوتے اور حطہ
کے بجائے حبۃ فی شعرة (گیہوں کا دانہ جو کے دانہ میں) ایک جمل لفظ بطور تمسخر کے کہنے
لگے۔ پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جنہوں نے ظلم کیا تھا ایک عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ
حکم عدولی کرتے تھے یعنی اس درجہ بے باک تھے کہ بجائے اسکے کہ نعمت کا شکر کرتے بے ادبی کی
اور توبہ اور استغفار کی جگہ مسخر اپن اور ہنسی کا طریقہ اختیار کیا اس لیے عذاب دیتے گئے اور بجائے
علیہم کے عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ کہنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ عذاب تمام بنی اسرائیل پر نازل نہیں
کیا گیا۔ بلکہ خاص ان لوگوں پر نازل کیا گیا جنہوں نے حکم عدولی کی اور اللہ کے حکم کے ساتھ استہزاء اور
تمسخر کیا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں رجز سے مراد طاعون ہے۔ اور سعد بن مالک اور اسامہ بن زید
اور خزیمہ ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ طاعون رجز یعنی عذاب ہے جس سے پہلے لوگوں کو عذاب دیا گیا (رواہ النسائی) کہا جاتا ہے

کہ اس طاعون سے ایک ساعت میں ستر ہزار آدمی مرے۔

وَاِذْ اسْتَسْقٰی مُوسٰی لِقَوِّ رَبِّہٖ ۔ الْاٰیۃ

تمتہ العام دہم

(رابطہ) گزشتہ آیات میں آسمانی خوراک یعنی من وسلوی کا ذکر تھا اب ان آیات میں غیبی پانی اور غیبی چشموں کا ذکر فرماتے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے ظاہر ہوئے کھانے کے بعد پانی درکار ہوتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ جس طرح کھانا بطور خرق عادت عطا فرمایا اسی طرح پانی بھی بطور خرق عادت عطا فرمایا تاکہ خداوند ذوالجلال کی قدرت اور کلیم اللہ اعجاز نبوت و رسالت ظاہر ہو کہ قلوب کے لیے موجب سکینت و طمانینت ہو اور اس غیبی طعام و شراب کے استعمال سے قلب کی حالت درست ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے استسقار کی دعا کی اور خاص اپنی قوم کے لیے خدا سے پانی مانگا۔ یہ قصہ بھی میدان تیرہ ہے۔ جب بنی اسرائیل پیاسے ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے بنی اسرائیل کے لیے پانی کی دعا مانگی۔ پس کہا ہم نے ماراے موسیٰ اپنے عصا سے پتھر کو پس مارتے ہی فوراً ہی خوب رواں ہو گئے اور خوب بہ نکلے موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے بنی اسرائیل کے بارہ خاندان کے مطابق بارہ چشمے۔ تحقیق خوب جان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ اس آیت میں حق جل شانہ نے فَانْفَجَرَتْ فرمایا جس کے معنی خوب رواں ہو جانے کے ہیں اور سورہ اعراف میں فَانْجَسَتْ فرمایا جس کے معنی رسنے اور تھوڑا تھوڑا پانی نکلنے کے ہیں عطا فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اس پتھر پر بارہ مرتبہ عصا مارتے جس سے ہر جگہ پر عورت کے پستان کے مثل ایک شئی ظاہر ہوتی پھر اس سے پانی رشنا شروع ہوتا اسکے بعد وہ رواں ہوتا اور خوب بہتا۔ (معالم التنزیل) امام رازی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ جب ضرورت زیادہ ہوتی ہو اس وقت زیادہ بہتا ہو اور جب ضرورت کم ہوتی ہو تب تھوڑا بہتا ہو۔ اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا متعدد اعتبارات سے معجزہ تھا۔ اول تو پانی کا پتھر سے نکلنا۔ دوسرے یہ کہ ایک چھوٹے سے پتھر سے اس قدر کثیر پانی نکلنا۔ تیسرے یہ کہ پانی کا بقدر حاجت نکلنا۔ چوتھے یہ کہ محض عصا کے مارنے سے پانی کا بہ پڑنا۔ پانچویں یہ کہ ضرورت پوری ہو جانے پر پانی کا بند ہو جانا۔ ان اعتبارات سے یہ واقعہ قدرت الہیہ کا ایک خاص نشان اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور اسکے علاوہ بنی اسرائیل کے لیے ایک عظیم الشان نعمت تھی کہ جس کے بغیر حیات اور زندگی کا بقا ناممکن ہے وہ بغیر کسی مشقت کے عطا فرمائی۔

ف | موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا استسقار خاص اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے صرف پتھر سے پانی جاری کیا گیا۔ بخلاف بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام کے کہ انہوں نے خاص اپنی اپنی قوم کے لیے استسقار کی دعا نہیں کی بلکہ تمام جہان کے لیے پانی مانگا اس لیے آسمان سے پانی برسایا گیا اور اس باران رحمت سے مؤمن اور کافر دوست اور دشمن سب ہی منتفع ہوئے۔

ف موسیٰ علیہ السلام کا استسقار کے لیے فقط دعا پر اکتفا فرمانا مسئلہ استسقار میں امام اعظم قدس سرہ کے مسلک کی تائید کرتا ہے کہ استسقار کے لیے خاص نماز ضروری اور لازم نہیں فقط دعا پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ نماز استسقار سنت ہے واجب نہیں۔

اور کہا ہم نے بنی اسرائیل سے کھاؤ اور پیو تم اللہ کے خاص رزق سے جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بغیر ظاہری اسباب کے توسط کے تم کو عطا فرمایا ہے اور دل و جان سے اللہ کا شکر کرو اور اللہ کا رزق کھا کر اس کی معصیت اور نافرمانی پر دلیر مت بنو۔ اور زمین میں فساد مچاتے اور پھیلاتے نہ پھرو یعنی زمین پر اللہ کی معصیت نہ کرو۔

ف اَلَا تَعْلَمُوْا عَثٰیْ سَے مشتق ہے جسکے معنی سخت فساد مچانے کے ہیں۔ یعنی مفسد اور فسادی تو تم پہلے ہی سے ہو مگر خیر اس فساد کو تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھو۔ اس میں اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرو اور نہ لوگوں میں اسکو پھیلاؤ۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم نہ ٹھہریں گے ایک

طَعَامٍ وَّ اَحَدٍ فَاَدْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ

کھانے پر سو پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ نکال دے ہم کو جو اگتا ہے

اَلْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا

زمین سے زمین کا ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور

وَبَصِلِهَا ط قَالَ اَتَسْتَبِدُّوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ

پیاز بولا کیا تم لیا چاہتے ہو ایک چیز جو ادنیٰ ہے بدلے

هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ط وَ

ایک چیز کے جو بہتر ہے اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے گا جو مانگتے ہو اور

ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُ وُیَغْضَبُ

ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور کما لائے غصہ

مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ

اللہ کا یہ اس پر کہ وہ تھے نہ مانتے حکم اللہ کے

وَيَقْتُلُوْنَ الدِّیِّیْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

اور خون کرتے نبیوں کا ناحق یہ اس سے کہ بے حکم

وَكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝۶۱

تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

ذکر شناع بنی اسرائیل بیان لعنت ایشان بانبیاء ربّ جلیل

شناع اول کفران نعمت بنا بر ذناعات و خساست
قال تعالى وَاِذْ قُلْتُمْ لِمُوسٰی کُنْ تُصْبِرْ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ.... اِلٰی.... ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝۶۱

(ربط) یہاں تک حق تعالیٰ شانہ نے اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا آئندہ بنی اسرائیل کی شرارتوں اور عادات شنیعہ اور انبیاء اللہ کے ساتھ انکے لعنت اور عناد کو بیان فرماتے کہ جس قدر ہماری طرف سے اُن پر نعمتیں برستی رہیں اسی قدر انکے قرد اور سرکشی میں اضافہ ہوتا رہا اور پھر اس سلسلہ میں سب سے پہلی شناعیت جو ذکر فرمائی تو وہ کفران نعمت اور انکی طبعی ذناعت اور خساست کی ذکر فرمائی کہ جو شخص کو نفیس پر ترجیح دینے کا باعث بنی اس لیے اب انعامات کے بعد ان کی شناعیتوں اور شرارتوں اور عقوبتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ گزشتہ انعامات کو یاد کر کے اللہ کی محبت اور اسکی اطاعت کی رغبت پیدا ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب تم نے کمال بے ادبی سے موسیٰ علیہ السلام کا نام لیکر پکارا اور تم نے یہ کہا اے موسیٰ مقتضائے ادب یہ تھا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ اور یا کلیم اللہ کہہ کر ان سے عرض و معروض کرتے۔ دوسری گستاخی تم نے یہ کی کہ یہ کہا کہ ہم مرگز صبر نہ کریں گے یہ کلام بھی تنہا ہی اندرونی خیانت اور باطنی شرارت کی خبر دے رہا ہے کہ صبر اور تحمل کر تو سکتے تھے مگر قصداً مرگز ایسا نہیں کریں گے ورنہ اگر حقیقتہً صبر کی طاقت ہی نہ تھی تو یہ کہنا تھا۔ لکن نستطیع الصبر یعنی ہم میں صبر کی طاقت نہیں بلکہ مناسب تو یہ تھا کہ بصدر شکر اللہ کی نعمت کو قبول کرتے اور پھر بصدا دہ رب العزّة سے یہ درخواست کرتے۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا (اے اللہ ہم تیرے عاجز اور ناتواں بندے ہیں ہم کو صبر اور تحمل

عطار فرما۔

غرض یہ کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کا نام لیکر یہ کہا کہ ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے اس لیے آپ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ نکالے ہمارے واسطے ان چیزوں میں سے کہ جن کو زمین اگاتی ہے ساگ اور گڑھی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجیے اس کلام سے بیگانگی کی تو آتی ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے تو رب ہیں مگر انکے رب نہیں ہیں اس طرح کیوں نہ کہا فَادْعُ لَنَا رَبَّنَا اے موسیٰ علیہ السلام ہمارے لیے ہمارے رب سے دعا کیجیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم ادنیٰ چیز کو بہتر اور عمدہ شے کے بدلہ میں لینا چاہتے ہو اتنا نہیں سمجھتے کہ مسور اور وہ پیاز جس کی بدبو سے ملائکہ اللہ کو نفرت ہے اور پیاز کھانے والے کو بیوت اللہ کے پاس آنے کی بھی ممانعت ہے۔ بھلا ایسی چیزوں کو من اور سلویٰ سے کیا نسبت۔ پھر یہ کہ من و سلویٰ براہ راست خدائے عز و جل کا آسمان سے اتارا ہوا رزق ہے۔ دنیا میں کمانے کی محنت اور مشقت نہیں اور آخرت میں اس پر کوئی حساب نہیں خیر اگر تم اپنی پست ہمتی اور طبعی دنارت سے اس بہترین رزق کے بدلہ میں ایک ادنیٰ اور معمولی ہی چیز لینا چاہتے ہو تو کسی شہر میں جا کر اتر و پس تمہارے لیے ہوگا جو تم مانگتے ہو۔ سبزی منڈی میں مسور اور پیاز وغیرہ بغیر حاجت دعا کے تم کو مل جائیں گی اور میرے لیے یہ لائق نہیں کہ بارگاہِ خداوندی میں ایسی چیزوں کی درخواست کروں جو پستی اور کم ہمتی پر دلالت کرے۔

ف | مہبوط لغت میں بلندی سے پستی کی طرف آنے کو کہتے ہیں۔ انسان جب تک سفر میں رہتا ہے تو علی العموم سواری پر سوار رہتا ہے جب شہر میں پہنچتا ہے تو سواری سے اتر کر قیام کرتا ہے اس لیے سفر سے شہر میں واپس آنے کو مہبوط اور نزول اور فروکش ہونے سے تعبیر کرتے ہیں اور اس لفظ میں ان کے معنوی مہبوط کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بلند حالت سے پست حالت کی طرف نزول کیا اور اعلیٰ رزق سے ادنیٰ رزق کی طرف تنزل اختیار کیا۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ اور خیمہ کی طرح ذلت اور رسوائی اور بے چارگی اور بے نوائی ان پر لگادی گئی خیمہ کی طرح ذلت اور بے نوائی نے انکو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ یا اس طرح کہتے کہ ذلت اور مسکنت کی مہر ان پر لگادی گئی کہ اب وہ کسی طرح ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتی تہیہ و جہاں بھی ہیں وہاں دوسروں کے محکوم اور باج گزار ہی ہیں۔ یہ تو ذلت ہوئی کہ دوسروں کی نظر میں ذلیل ہوئے اور مسکنت یہ کہ خود ان کی طبیعت میں دنارت اور پستی پیدا ہو گئی۔ سرکاری محاصل کے خوف سے ہمیشہ اپنے کو مسکین اور فقیر ظاہر کرتے ہیں ہمیشہ اپنے مال کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس ذلت اور مسکنت سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ کے غضب کو کمایا۔ جسکو کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ ذَالِكْ بِاَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يَقْتُلُونَ النَّبِيَّاتِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ یہ ذلت اور مسکنت اور

اضافہ ہو۔ اور ان کے دشمنوں پر ذلت اور مسکنت خواری اور رسوائی گدائی اور بینوائی کی ہر لگے کذافی روح البیان و جامع الاحکام للامام القرطبی ص ۵۳۲ ج ۱۔

ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا قَدْ كَانُوا يَکْتُمُونَ۔ یہ یعنی آیات الہیہ کی تکذیب اور انبیاء اللہ کے قتل کی جرأت اور دلیری ان میں اس طرح پیدا ہوئی کہ وقتاً فوقتاً اللہ کی نافرمانیاں کی اور حدود الہیہ سے تجاوز کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ معصیت اور نافرمانی دلوں میں راسخ ہو گئی اور اس نے آیات الہیہ کی تکذیب اور انبیاء اللہ کے قتل پر آمادہ کر دیا لیکن اب بھی اگر تم صمیم قلب سے ایمان لے آؤ تو توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے توبہ کر لینے سے تمہارا ہر قسم کا کفر اور پیغمبروں کے قتل کرنے کا جرم بھی معاف ہو سکتا ہے اگر یہ چاہتے ہو کہ ذلت سے نکل کر عزت میں آجاؤ تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ کفر سے توبہ کرو اور ایمان اور عمل صالح اختیار کرو۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى

یوں ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ

وَالصَّبِيَّانَ مَنِ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور صابین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور

عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا

کام کیا نیک تو انکو ہے اُن کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں

۱۔ قال ابن عباس والحسن لم يقتل قط من الانبياء الا من لم يؤمر بقتال وكل من امر بقتال نصي فظهم انه لا تعارض بين قوله تعالى ويقتلون النبيين بغير الحق وقوله تعالى انا لنصي رسولنا وقوله تعالى ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين ۱۲ روح البیان ص ۱۰۳ ج ۱۔ جامع الاحکام للقرطبی

ذلت سے نکلنے اور عزت میں داخل ہونیکا طریقہ

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا... إِلَى... وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ هـ
تحقیق وہ لوگ کہ جو ایمان لائے پہلے انبیاء پر یا وہ لوگ جو محض
زبان سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے ایمان کے مدعی بنے اور دل سے اس دین کو سچا نہیں سمجھتے اور
وہ لوگ کہ جو یہودی ہوئے جن کی قباحتیں حد سے گزر چکی ہیں یہاں تک کہ جسم حیوانی میں خداوند قدوس
کے حلول کے قائل ہوئے۔ اور خدا کے بعض نبیوں کو قتل کیا اور زنا اور جادو کی تہمت ان پر لگائی اور
نصاری جنہوں نے حضرت مسیح بن مریم کو خدا بنایا اور فرقہ صابئین بے دین لوگ جنہوں نے کواکب کی
پرستش کی باوجود ان مشائخ اور قبائح کے اور باوجود حق سے بعید ہو جانے کے جو شخص بھی ان میں سے اخلاص
کے ساتھ اللہ پر بغیر تشبیہ اور بغیر تعطیل اور بغیر تشریک اور تجسیم کے اور روز آخرت پر ایمان لائے اور نیک
کام کرے تو اس کے لیے خدا کے یہاں ثواب اور اجر ہے، اور نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ڈر ہے
یعنی اس سے نہ ڈریں کہ گزشتہ کفر نقصان اجر کا باعث ہو گا اس لیے کہ اسلام یہدم ہا کا
قبلہ۔ اسلام لانا ان تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے جو اسلام لانے سے پیشتر کیے جا چکے ہیں اور نہ
وہ غم کھاویں کہ افسوس ہماری تمام زندگی یوں ہی ضائع اور برباد گئی، اعمال صالحہ سے گزشتہ کی تلافی
ہو جائے گی۔

خلاصہ مطلب یہ کہ کسی فرقہ کی تخصیص نہیں جو بھی ایمان لے آئے وہ عذاب الہی سے نجات
پا جائے گا

تشبیہ | آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فقط اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے
انبیاء اور ملائکہ وغیرہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ قرآن کریم کی صراحتاً اس بات پر تصریح دال ہیں کہ جو شخص
انبیاء اور ملائکہ کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سلسلہ ایمان میں جن جن چیزوں پر
ایمان لانا ضروری ہے اول سے آخر تک سب پر ایمان لائے چونکہ سلسلہ ایمان کی ابتداء اللہ سے ہوتی
ہے اور انتہاء آخرت پر ہے اس لیے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی تخصیص کی گئی۔ جیسا کہ دُبُّ
الْمُشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ میں ابتداء اور انتہاء کو ذکر کر کے تمام سلسلہ مراد ہے، نیز اللہ اور یوم آخرت پر

لے اور بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا سے وہ لوگ مراد ہیں
جو ظاہراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زبانی ایمان لائے عام اس سے کہ ایمان دل میں داخل ہوا یا نہیں اس تقدیر
پر اس میں منافقین بھی داخل ہوں گے اور اخیر آیت مَنْ آهَنَ مِنْهُمْ میں اخلاص کے ساتھ ایمان لانا مراد
ہو گا لہذا ایمان کا ذکر آیت میں مکرر ہو گا۔

ایمان لانا اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک انبیاء اور ملائکہ اور صحف سماویہ پر ایمان نہ لائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور آخرت کے احوال کی معرفت کا ذریعہ انبیاء اور صحف الہیہ ہی ہیں اور وحی اور صحیفہ ربانی کا نزول فرشتہ کی وساطت سے ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان باللہ اور ایمان بیوم الآخرت موقوف ہے ایمان بالانبیاء اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتاب پر اس لیے ان تین چیزوں پر ایمان لانے کو علیحدہ بیان نہیں کیا گیا۔

ف صابئین ایک فرقہ ہے کہ جو کسی آسمانی دین اور شریعت کا قائل نہیں خدا اور بندہ کے درمیان میں روحانیات کو واسطہ قرار دیتے ہیں کہ بندہ کو جو فیض بھی حاصل ہوتا ہے وہ روحانیات کے واسطہ سے ہوتا ہے نبوت و رسالت کے سرے سے قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی کوئی حاجت نہیں تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شہرستانی نے اپنی مل و نخل میں حنفیہ اور صابئین کا ایک مناظرہ ذکر فرمایا ہے جو قابل دید ہے اس ناچیز نے اپنے ”علم الکلام“ میں اسکا ترجمہ بھی کیا ہے جو مجدد تعالیٰ شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ صابئین کے بارہ میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے۔

(۱) قول اول مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ صابئین ایک قوم اور فرقہ ہے جسکا دین یہودیت اور مجوسیت سے مل کر بنا ہے۔

(۲) قول دوم: قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتی ہے اور سورج کی طرف منہ کر کے روزانہ پانچ نمازیں پڑھتی ہے اور قتادہ سے یہ بھی منقول ہے کہ دین پانچ ہیں جس میں سے چار تو شیطان کے لیے ہیں اور ایک دین رحمن کے لیے سو صابئین جو فرشتوں کو پوجتے ہیں اور مجوس جو آتش پرست ہیں اور مشرکین جو بتوں کو پوجتے ہیں اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ۔ ان سب فرقوں کے دین شیطان کے لیے ہیں۔

(۳) قول سوم: صابئین وہ گروہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے ہیں امام رازی فرماتے ہیں کہ یہی قول اقرب الحسب الصواب ہے اور اس فرقہ کے دو عقیدے ہیں ایک تو یہ کہ خالق عالم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اُس نے حکم دیا ہے کہ ان ستاروں کی تعظیم کی جائے اور انکو نماز اور دعا کا قبلہ ٹھہرایا جائے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے افلاک اور کواکب کو پیدا کیا پھر تمام عالم کے خیر و شر صحت و مرض کے مدبر یہی کواکب ہیں اور یہی ان سب چیزوں کے خالق ہیں اس لیے بشر پر انکی تعظیم اور عبادت فرض ہے کیونکہ عالم کے الہ اور معبود یہی ہیں اور یہی عالم کے مدبر ہیں۔ پھر یہ کواکب اللہ کی عبادت کرتے ہیں کیدانیوں کا یہی مذہب تھا جنکے رد اور ابطال کے لیے حضرات

ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۸۱ ج ۱) امام قرطبی فرماتے ہیں کہ صابئین کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ موحّد تھے مگر تاثیر نجوم کے قائل تھے اور کواکب کو مدبر عالم سمجھتے تھے اسی وجہ سے جب خلیفہ قادر باللہ نے صابئین کے متعلق ابو سعید اصطخری سے دریافت کیا تو ابو سعید نے انکے کفر کا فتویٰ دیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۳۵ ج ۱)

اور اہل لغت اس شخص کو صابی کہتے ہیں جو ایک دین سے خارج ہو کر دوسرے دین میں داخل ہو گیا ہو اسی واسطے اہل عرب مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے دین یعنی دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اس فرقہ کو صابئین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین موسوی اور دین عیسوی سے نکل کر فرشتوں اور کواکب کی عبادت میں مشغول ہو گئے تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی ص ۱۹ ج ۱ میں لکھتے ہیں صابی ایک قدیم فرقہ تھا حضرت ابراہیم کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور تھا۔ شہر بابل اور نینوی کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتداء کب سے ہوئی اسکا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ جو ہر مجروح ہے بندہ کی جو مادی ہے کسی طرح رسائی ممکن نہیں اس کی پرستش اس کے مظاہر کی پرستش ہے پھر اس کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ستاروں اور آفتاب اور مانتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے دوم وہ جو اصنام کو رب کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے اس لیے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام کے معبد بنے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہو گئیں۔

ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدما روید ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں۔ پھر ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں اس مذہب نے ایک نیا رنگ بدلا اور نیا نام پیدا کیا۔ انتہی کلامہ۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ طُحْدُوا

اور جب لیا ہم نے قرار تم سے اور اونچا کیا تم پر پہاڑ پکڑو جو

مَا أَتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ ۖ وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

ہم نے دیا تم کو زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شاید تم کو

تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ

ڈر ہو پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا فضل

اللہ علیکم ورحمۃ لکنتم من الخیرین ﴿۶۳﴾

اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم خراب ہوتے

شناخت دوم

قال تعالیٰ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ الی وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِیْنَ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے اجر کا وعدہ فرمایا اب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رغبت اور خوشی سے احکام خداوندی پر عمل کرنا مجاہدین اور مخلصین کا کام ہے۔ بنی اسرائیل کا حال تو یہ ہے کہ جب تک ان پر تشدد اور سختی نہ کیا جائے اس وقت تک وہ عمل نہیں کرتے۔ نیز گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کے جس استبدال کا ذکر تھا وہ نافرمانی کا آغاز تھا اب ان آیات میں ان کی اس نافرمانی کا ذکر ہے جو ان سے علانیہ طور پر ظاہر ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ تم کو کوئی کتاب عطا کی جائے جس میں عبادت اور بندگی کے طریقے مذکور ہوں تو ہم ضرور اس پر عمل کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے توریت نازل فرمائی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ توریت کو قبول کریں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔ بنی اسرائیل نے بعض احکام شاقہ کی وجہ سے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک پہاڑ لاکر ان کے سروں پر قرار دم اونچا کھڑا کر دو جبریل نے حکم الہی کے مطابق پہاڑ ان کے سروں پر لاکھڑا کر دیا اور یہ کہا اگر تم توریت کو قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ (معالم التنزیل)

بنی اسرائیل فوراً سجدہ میں گر گئے اور توریت پر عمل کرنے کا اقرار کیا۔ اس آیت میں حق جل شانہ نے اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم اس وقت کو یاد کرو۔ جب ہم نے تم سے توریت پر عمل کرنے کا پختہ عہد لیا۔ اور اٹھایا تم پر کوہ طور کو تاکہ تم توریت کو قبول کرو یعنی مضبوط پکڑو تم اس چیز کو جو ہم نے تم کو عطا کی یعنی توریت اسکو مضبوطی اور قوت کے ساتھ پکڑو اور فقط ظاہر توریت پر عمل کرنے پر اکتفا رست کرو بلکہ جو توریت میں ہے اس کو بار بار کرو اور اسکے اسرار اور فوائد میں غور اور فکر کرو شاید تم دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ اور مقام تقویٰ تم کو حاصل ہو جائے۔

ف۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بار بار اس کی درخواست کی کہ آپ اللہ سے استدعا کیجئے کہ ہم کو کوئی ایسی کتاب عطا فرمائے جو احکام الہیہ کی جامع ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس کا پختہ عہد لیا کہ جب وہ کتاب عطا ہو تو ضرور اس پر عمل کرنا اگرچہ اس کے احکام تمہاری نفسانی

خواہشوں کے خلاف ہوں۔ بنی اسرائیل نے اقرار کیا کہ ہم ضرور اس پر عمل کریں گے جب اللہ تعالیٰ نے توریت عطا فرمائی تو اسکے قبول کرنے سے اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے سرتابی کی اس عہد شکنی سے باز رکھنے کے لیے کوہ طور کو ان کے سروں پر لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ پہاڑ کا ان کے سروں پر لا کر کھڑا کر دینا ایمان لانے پر مجبو کر نیکی کے لیے نہ تھا اس لیے کہ ایمان تو وہ پہلے ہی سے لایچکے تھے۔ فقط نقص عہد سے روکنے کے لیے تھا جیسے مسلمانوں پر حدود اور قصاص اور تعزیرات کا قائم کرنا از قبیل اکراہ نہیں بلکہ زنا اور سرقہ اور شرب خمر، خونریزی اور رہزنی اور اس قسم کے تمام فواحش سے روکنے کے لیے ہے ہاں اگر پہاڑ کا معلق کرنا دین قبول کرنے کے لیے ہوتا تب آیت لَا اِکْرَاهَ فِي الدِّينِ کے خلاف ہوتا۔ پہاڑ کا سر پر لا کر نہ محض عہد شکنی اور بد عہدی اور ایک ناشائستہ حرکت سے روکنے کے لیے تھا نہ کہ دین قبول کرنے کے لیے ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ تم نے پھر اس کے بعد بھی

روگردانی کی۔ یعنی پھر تم ان تاکیدوں اور سخت عہدوں کے بعد بھی احکام توریت سے منحرف ہو گئے پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔ تمہاری بد عہدی اور عہد شکنی کا اقتضا تو یہ تھا کہ تم کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا مگر اسکے فضل اور رحمت نے تم کو عذاب سے بچایا اور تم کو توبہ اور استغفار کے لیے مزید مہلت دی اور اب تک توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے لہذا نبی آخر الزمان کی متابعت کی سعادت حاصل کرو اور اگر تم اس نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائے اور کفر پر مر گئے تو پھر اس خسران اور نقصان کی تلافی کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ توریت میں جو تم سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا جا چکا ہے اسکو پورا کرو ورنہ تم بھی عہد شکنی کرنے والوں میں شامل سمجھے جاؤ گے اور عہد شکنی کی سزا کے مستحق ہو گے۔ آئندہ آیت میں بطور نظم حکم شریعت سے انحراف کے دنیوی زیان اور نقصان کو بیان فرماتے ہیں کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ پہلے لوگوں نے ہفتہ کے بارہ میں توریت کے حکم سے عدول کیا اور پیغمبر کی متابعت سے انحراف کیا سوائے مسیح اور لعنت کے کیا ملا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ

اور جان چکے ہو جنہوں نے تم میں زیادتی کی ہفتے کے دن میں

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنَاهَا

تو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر پھٹکارے پھر ہم نے وہ

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

دہشت رکھی اس شہر کے روبرو والوں کو اور پیچھے والوں کو اور نصیحت رکھی

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

ڈر والوں کو

شعاعت سوم

قال تعالى وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اخْتَدَوا مِنْكُمْ..... الى..... وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ

اور البتہ تحقیق تم خوب جان چکے ہو حال ان لوگوں کا کہ جنہوں نے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا پس کہا ہم نے ان سے کہ بن جاؤ بندر ذلیل یعنی دھتکارے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شہر دریا کے کنارہ آباد تھا جس میں بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی۔

بنی اسرائیل کی آزمائش کے لیے ہفتہ کے روز مچھلیاں دریا کے کنارہ پر بکثرت جمع ہو جاتیں اور ہفتہ گزرنے کے بعد یہ حالت ہوتی کہ ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی، بنی اسرائیل نے جب یہ حالت دیکھی تو شکار کر نیکا ایک حیلہ نکالا کہ لب دریا چھوٹے چھوٹے حوض بنائے اور دریا سے پانی اور مچھلیاں آنے کے لیے نالیاں بھی بنائیں ہفتہ کے روز جب وہ حوض مچھلیوں سے بھر جاتے تو وہ نالیاں بند کر دیتے اور یکشنبہ کو انکا شکار کرتے عرصہ تک اسی طرح کرتے رہے اسی بستی میں ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے اور دو فریق تھے ایک فریق انکو اس حیلہ سے منع کرتا اور دوسرا فریق یہ سمجھ کر کہ انکو نصیحت کرنا بے سود ہے اس لیے خاموش رہتا نصیحت کرنے والوں نے جب یہ دیکھا کہ کوئی نصیحت کار گر نہیں ہوتی تو بستی کو تقسیم کر لیا اور درمیان میں ایک لمبی دیوار کھینچ لی اس طرح سے شہر دو حصوں پر منقسم ہو گیا اور آمد و رفت کے لیے درمیان میں دروازہ رکھ لیا اور ہر فریق علیحدہ رہنے لگا جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو داؤد علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی۔ بنی کی بددعا سے بندر بنادینے لگے۔ مرد بندر اور عورتیں بندریاں بنادی گئیں جب صبح ہوئی اور کوئی چلتا پھرتا نظر نہ آیا تو وہ لوگ جنکو اللہ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا تھا آپس میں کہنے لگے کہ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے جو بنی اسرائیل نظر نہیں آتے اور سخت متردد ہوئے جا کر دیکھا تو مکانات کے دروازے بند تھے کسی طرح دروازے کھول کر اندر داخل ہوئے دیکھا سب بندر بنے ہوئے ہیں جو شخص ان کو دیکھنے آتا تو بطور توبیخ اور ملامت یہ کہتا کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو وہ کمال حسرت سے سر ہلاتا کہ بیشک تم نے منع کیا تھا۔ اور یہ لوگ آنکھوں سے پہچانے جاتے تھے کہ یہ فلاں ہے اور وہ فلاں تین دن تک اسی حالت میں رہے پھر سب مر گئے یہ تمام تفصیل امام ابن جریر

طبری اور حافظ ابن کثیر نے اپنی اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً بندہ بنا دیئے گئے تھے یعنی صورتیں اور شکلیں بندروں کی بن گئیں وَ مَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ط۔ اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں اور آثار صحابہ اور تابعین بھی اسکی شہادت دے رہے ہیں اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ وہ لوگ حقیقۃً بندہ بنا دیئے گئے تھے۔ اور جس شخص نے یہ کہا کہ حقیقۃً بندہ نہیں بنائے گئے تھے بلکہ اُن کے اخلاق اور عادات بندروں جیسے ہو گئے تھے تو یہ صریح خطا ہے۔ ظاہر قرآن اور ظاہر روایات اور اجماع سلف کے خلاف ہے۔ کافروں کے اخلاق تو ہر زمانہ میں بندروں سے بھی بڑھ چڑھ کر رہے اور اب تو ترقی کا دور ہے اور اس زمانہ کے کافر تو اخلاق میں بندر اور سولہ سے بھی بڑھ کر ہیں یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کی خصوصیت نہیں۔

مسخ کی تین قسمیں ہیں۔

ف

اَوَّلُ: مسخ حقیقی۔ یعنی حقیقت اور ماہیت کا بدل جانا جیسے گوشت کا پتھر ہو جانا جیسا کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے۔

دو کَر: مسخ صوری۔ یعنی حقیقت انسانہ تو باقی رہے اور فقط صورت اور شکل بدل جائے جیسے اس قصہ میں ہوا کہ بنی اسرائیل کی فقط صورتیں اور شکلیں مسخ کی گئیں کہ بجائے صورت انسانی کے بندہ کی صورت بنا دیئے گئے مگر حقیقت انسانی جسکے ذریعہ سے انسان ادراک اور احساس کرتا ہے وہ بحالہ باقی تھی گویائی اور بولنے کی قوت سلب کر لی گئی تھی مگر عقل باقی تھی جس کے ذریعہ سے اپنی صورت بدلنے کا ادراک کرتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ ہماری نافرمانی کی سزا ہے مسخ سے فقط اُن کی انسانی صورت زائل ہوئی اور فہم اور شعور انسانی سب باقی رہا۔ اسی لیے خَاسِرِیْنَ ذَوِی الْعُقُولِ کی جمع لائی گئی تاکہ ادراک انسانی کی بقا پر دلالت کرے۔

قَرَحَۃٌ کے لفظ سے بندہ کی صورت ہونا معلوم ہوا اور کُوفُ نُوحًا کے خطاب اور خَاسِرِیْنَ سے عقل اور انسانی شعور کا باقی رہنا معلوم ہوا۔ اور جب ڈارون کی تحقیقات پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک بندہ ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو اگر انبیاء اللہ کے مقابلہ میں ترقی معکوس ہو کر انسان سے بندہ بن جائے تو کیوں محال ہے حرکت کی مسافت ایک ہے حیوانیت سے انسانیت کی طرف ہو یا انسانیت سے حیوانیت کی طرف ہو۔ حیوان کو انسان بننا تو کسی نے دیکھا نہیں اور ہزار ہا انسانوں کو بندہ بنتے ہوئے لاکھوں انسانوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور قرآن اور حدیث نے اسکی خبر دی۔

جسکا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس
کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ
شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔

عطار خراسانی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز دی گئی۔
یا اهل القرية كُونُوا قِسَدَةً اے بستی والو ہو جاؤ بندر ذلیل۔
خاسیئین۔
اسکے بعد لوگ اُن کے پاس آتے اور یہ کہتے کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو سر سے اشارہ کرتے کہ بے شک۔

تیسرے: مسخ معنوی یعنی صفات نفسانیہ کا بدل جانا۔ مثلاً قناعت کا حرص اور طمع سے فہم و فراست کا سفاہت و بلادت سے بدل جانا کہ پہلے قانع تھا اب حریص بن گیا۔ پہلے متواضع تھا اب متکبر ہو گیا اس کو مسخ معنوی کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے ختم اور طمع کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور آیت کَمَثَلِ الْجِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا اور فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ میں گدھے اور کتے کی مثال سے مسخ معنوی مراد ہے۔

بنی اسرائیل کا مسخ معنوی پہلے ہو چکا تھا اس وقت تو فقط مسخ صوری ہوا کہ بجائے شکل انسانی کے بندر کی شکل بنا دیتے گئے اس لیے کہ مسخ معنوی تو اُسی وقت ہو چکا تھا کہ جب انبیاء اور علماء کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کَمَثَلِ الْجِمَارِ اور کَمَثَلِ الْكَلْبِ کا مصداق بن چکے تھے۔

آئندہ آیت میں اس مسخ صوری کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے بندر بنائے گئے تاکہ نافرمانوں کو عبرت اور پرہیزگاروں کو نصیحت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نافرمانوں کو مسخ صوری ہی سے عبرت ہو سکتی ہے۔ مسخ معنوی میں تو دوسرے نافرمان بھی انہی کے شریک اور ہم پلہ ہیں۔

ف | ابن عباسؓ سے منقول ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے بندر بنایا وہ تین دن سے زائد زندہ نہیں رہے اور نہ انکی نسل چلی اور یہ بندر جو فی الحال موجود ہیں انکی نسل سے نہیں بلکہ یہ اصل بندر ہیں (ابن کثیر) فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ هُوَ عِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ پس بنایا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان بستیوں کے لیے جو اس شہر کے سامنے اور پیچھے آباد تھیں اور نصیحت بنایا خدا سے ڈرنے والوں کے لیے یعنی تاکہ نافرمانوں کو اس واقعہ سے عبرت ہو اور فرمانبرداروں کو نصیحت ہو۔ مثل مشہور ہے۔

العبد يقرع بالعصا غلام کو لکڑی سے تنبیہ کی جاتی ہے
والحر تكفيه الملامة اور شریف کو ملامت ہی کافی ہوتی ہے۔
(رابطہ) اب آئندہ آیات میں ان کی روگردانی کا ایک اور واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ وحی الہی پر اطمینان نہ کیا اور معاندانہ سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اللہ فرماتا ہے تم کو کہ

تَذْبَحُوا بَقَرَةً ط قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُؤًا ط قَالَ أَعُوذُ

ذبح کرو ایک گائے بولے کیا تو ہم کو پکڑتا ہے ٹھٹھے میں کہا پناہ

بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

اللہ کی اس سے کہ میں ہوں نادانوں میں بولے پکار ہمارے واسطے

رَبِّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

اپنے رب کو کہ بیان کر دے ہم کو کہ وہ کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے

لَا فَارِضٌ وَلَا يَكْرُ ط عَوَانُ بَيْنَ ذَلِكَ ط فَافْعَلُوا

نہ بوڑھی اور نہ بن بیانی میانہ ہے ان کے بیچ اب کرو جو

مَا تَوْمَرُونَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبِّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا

تم کو حکم ہے بولے پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو کہ بیان کر دے ہم

لَوْنُهَا ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ

کو کیسا ہے رنگ اس کا کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے زرد

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النُّظُرِينَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبِّكَ

ڈبڑا رنگ اس کا خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے پکار ہمارے واسطے اپنے رب

يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ط إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ط وَإِنَّا

کو بیان کر دے ہم کو کس قسم میں ہے وہ گایوں میں شبہ پڑا ہے ہم کو اور ہم

إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۷۰﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

اللہ نے چاہا تو راہ پا لیں گے کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک

بَقْرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

گائے ہے محنت والی نہیں کہ باہتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو کھیت کو

مُسْلَمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْإِن جِئْتَ بِالْحَقِّ ۖ

بدن سے پوری ہے داغ کچھ نہیں اسیں بولے اب لایا تو ٹھیک بات

فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۚ

پھر اُسکو ذبح کیا اور لگتے نہ تھے کہ کریں گے

شاعت چہارم معاندانہ سوالات

قَالَ تَعَالَى وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ... إِلَى... وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۚ

اور یاد کرو اس وقت کہ بنی اسرائیل میں ایک متمول اور مالدار شخص جس کا نام عامیل کہا جاتا ہے سوائے بھتیجے کے اور کوئی اس کا وارث نہ تھا ایک مدت تک اسکے مرنے کا منتظر رہا جب دیکھا کہ وہ مرتا ہی نہیں تو ایک روز موقع پا کر قتل کر ڈالا اور شب میں اسکی نعش کو محلہ میں لا ڈالا جب صبح ہوئی تو اہل محلہ پر خون کا دعویٰ کیا۔ تاکہ ترکہ کے علاوہ اہل محلہ سے مقتول چچا کی دیت اور خون بہا بھی وصول کرے۔ جیسا کہ ہماری شریعت میں قسامت کا حکم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اہل محلہ سے دریافت کیا تو اہل محلہ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ واللہ نہ ہم نے قتل کیا اور نہ ہم کو قاتل کا کوئی علم ہے۔ اے بنی اللہ اور اے کلیم اللہ آپ ہی بارگاہ خداوندی میں عرض معروض کیجئے تاکہ اس واقعہ کی حقیقت منکشف ہو (تفسیر ابن کثیر)

اس وقت اللہ کی یہ وحی نازل ہوئی کہ تحقیق اللہ سبحانہ و تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ایک گائے ذبح کرو اور اُس گائے کا ایک ٹکڑا اس مقتول پر لگا دو تھوڑی دیر کے لیے وہ مقتول زندہ ہو جائے گا اور اپنے قاتل کا نام اور پتہ بتلا دے گا۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر بذریعہ وحی اس کا نام بتلا دیتے تو ممکن تھا کہ یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرتے اور انکی بات کا یقین نہ کرتے اور کفر میں مبتلا ہوتے۔ اور جب ایک مردہ زندہ ہو کر خبر دے گا تو اس میں نہ تو کذب کا احتمال ہوگا اور نہ کسی کو چون و چرا کی گنجائش ہوگی اس لیے کہ جو شخص ابھی عالم غیب سے آیا ہو وہ کیسے جھوٹ بول سکتا ہے نیز اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ لوگ

یہ سمجھ جائیں کہ گائے اور بکری جس کو بنی اسرائیل نے معبود بنا لیا تھا وہ اس قابل نہیں کہ اسکی پرستش کی جائے وہ تو ذبح ہونے کے قابل ہے۔

قَالُوا اتَّخَذْنَا هَهُنَا وَطَالَ قَالَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔

بنی اسرائیل یہ حکم سنکر بولے کیا آپ ہم سے تمسخر کرتے ہیں۔ بھلا گائے کے ذبح کرنے اور قاتل کے معلوم ہونے میں کیا مناسبت۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ بتلاؤ اور آپ فرماتے ہیں کہ ایک گائے ذبح کرو۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے اسکی کہ میں نادانوں سے ہوں سوال کے مطابق جواب نہ دینا اور استہزار اور تمسخر کرنا جاہلوں کا کام ہے معاذ اللہ انبیاء اللہ کا کام نہیں اور پھر وہ بھی احکام الہیہ میں۔

بنی اسرائیل اپنے زعم میں اس سوال کو فلسفہ سمجھے مگر حقیقت میں سرسبز جہل اور سفہ تھا۔ یہ نہ سمجھا کہ احکام الہیہ کے سرسوار سوائے مقررین بارگاہ خداوندی کے کس کو معلوم ہو سکتے ہیں اور اسباب اور مسببات کے ارتباط اور مناسبت کو کون سمجھ سکتا ہے۔ گائے کے پارچہ لگا دینے سے مردہ کا بول اٹھنا گائے کا ذاتی اور طبعی خاصہ نہیں بلکہ قدرت الہیہ کا کرشمہ اور بارگاہ کلیم الہی کا معجزہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ کہنے کے بعد یہ سمجھے کہ یہ حکم تو اللہ کی طرف سے آہی چکا ہے جس کی تعمیل ناگزیر ہے اس لیے یہ خیال ہوا کہ جس گائے کے ذبح کا حکم ہوا ہے غالباً وہ کوئی عجیب و غریب گائے ہوگی اس لیے بار بار سوالات کیے کہ وہ کیسی گائے ہے اسکا رنگ کیسا ہے اسکی عمر کیا ہے وغیرہ ذلک۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کسی گائے کو بھی ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتا لیکن انہوں نے تشدد کیا تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اس لیے کہ حق تعالیٰ نے کسی خاص اور معین گائے کے ذبح کا حکم نہیں دیا تھا اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوا بَقْرَةً میں لفظ بقرۃ نکرہ مستعمل ہوا ہے جس سے صاف ظاہر تھا کہ تعین مقصود نہیں بلکہ تعمیل مقصود ہے اگر تخصیص اور تعین مطلوب ہوتی تو اَنْ تَذْبَحُوا الْبَقْرَةَ الْفُلانۃ کے ساتھ معرفہ لایا جاتا۔ آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کے لعنت آمیز سوالات کا ذکر ہے قَالُوا اِذْعُ لَنَا رَبَّكَ

يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا فَاْرِضُوْهُمُ فَاَفْعَلُوْا مَا تَوْمَرُوْنَ۔ کہا انہوں نے کہ آپ اپنے پروردگار سے

درخواست کیجئے کہ بیان کرے کہ وہ گائے کیا چیز ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے کیونکہ یہ خاصیت نہ تو متعارف گائے کی ہے نہ نیل گائے کی معلوم ہوا کہ جس گائے کی یہ خاصیت ہے اس کی حقیقت ہی کچھ اور ہوگی اگرچہ نام اسکا گائے ہوگا مگر ماہیت نوعیہ اسکی بالکل جدا ہوگی۔ کہا موسیٰ علیہ السلام نے

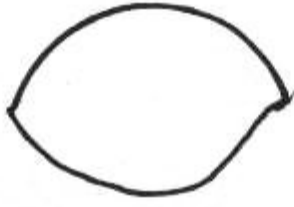
کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے یعنی اسی جنس کی ہے کسی دوسری جنس کی گائے نہیں اور نہ اسکی کوئی نئی حقیقت ہے اسی قسم کی ایک گائے ہے حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں البتہ سن اور عمر کے اعتبار سے کچھ فرق ہو گا وہ یہ کہ وہ نہ بوڑھی نہ جوان بلکہ متوسط اور بین بین ہو یعنی میانہ سال ہو جسکو ادھیڑ کہتے ہیں۔ پس فوراً کہ گزرو جو حکم دیئے گئے ہو۔ کوئی دشوار امر نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو خواب کے اشارہ پر بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے اور تم ایک گائے کے ذبح میں ہزار جتیں کر رہے ہو۔ رہا خواص اور آثار کا پیدا ہونا سو وہ محض اللہ کے ارادہ اور مشیت پر ہے حقیقت اور ماہیت کے اقتضار پر موقوف نہیں۔ وہ جب چاہے اپنی قدرت سے یہ خواص پیدا کر سکتا ہے مگر انکو اس پر بھی تشفی نہیں ہوئی اور مکرر سوال کیا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لُونُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسْقَى النُّظْرَيْنِ کہا انہوں نے کہ آپ اپنے پروردگار سے استدعا کیجئے کہ ہمارے لیے بیان فرمائے کہ اسکا رنگ کیا ہے۔ کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ تحقیق اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک گائے زرد رنگ والی ہے رنگ اس کا تیز اور کھلا ہوا ہے۔ دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کو اس پر بھی تشفی نہیں ہوئی اور پھر سوال کیا۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهُ عَلَيْنَا وَ إِنَّا أَنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ۔ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثَيِّرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِئَءَ فِيهَا قَالُوا لَئِنْ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَنَذَّ بِحُوقِهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ۔ کہا انہوں نے کہ آپ دعا کیجئے اپنے رب سے کہ بیان فرمائے ہمارے لیے کہ اس گائے کی حقیقت شخصیت کیا ہے جس کی یہ خاصیت ہے۔ اگرچہ اس کا سن اور سال رنگ اور جمال سب بتلادیا گیا لیکن اب بھی آپکو پورا انکشاف نہیں ہوا تحقیق گائیں ہم پر مشتبہ ہو گئیں ہیں۔ یہ اوصاف بہت سی گایوں میں پائے جاسکتے ہیں کوئی وجہ ترجیح بیان فرمائیے کہ یہ خاصیت اس گائے میں کس بنا پر ہے لہذا مزید توضیح کے لیے کچھ اوصاف بیان فرما دیئے جائیں۔

اور انشاء اللہ تعالیٰ یعنی اگر خدا نے چاہا تو ہم ضرور پتہ چلا لیں گے کہ اس گائے میں یہ خاصیت عجیبہ کس بنا پر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی پتہ نہ چلتا یعنی اس کلمہ کی برکت سے انکا تحیر اور تردد رفع ہوا۔ جب تک اپنے عجز کا اقرار و اعتراف اور اسکی قدرت اور مشیت سے استعانت نہ ہو کوئی عقدہ حل نہیں ہو سکتا۔

﴿۱۱﴾ | مَا هِيَ۔ یہ پہلے سوال کا اعادہ ہے۔ مزید توضیح اور مزید انکشاف کے لیے دوبارہ سوال کیا گیا کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ ایک گائے ہے محنت والی نہیں کہ جوتنی ہوزمین کو اور نہ پانی دیتی ہو کھیتی کو یعنی نہ ہل جوتنے کی محنت اس سے لی گئی ہو اور نہ

آب پاشی کی مشقت اس پر ڈالی گئی ہو۔ بے عیب ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ کہا انہوں نے کہ اب لائے آپ حق بات کو یعنی واضح اور مفصل بات آپ نے اب فرمائی جس سے ہمارا تردد رفع ہوا کہ ایسا حیوان تمام حیوانوں میں حیات کا مظہر اتم ہوگا۔ پس ممکن ہے کہ اس کی حیات کے اثر سے دوسرے میں بھی حیات کا اثر آجائے پس ایسی گائے کو خرید کر ذبح کیا اور لگتے نہ تھے کہ وہ کریں گے۔ ان کے لغت آمیز استفسارات سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ غالباً ذبح نہ کریں گے۔ مگر خیر انشاء اللہ کہنے کی برکت سے گزرے۔

(۲) بنی اسرائیل چونکہ گو سالہ پرستی میں مبتلا ہوئے تھے اور یہ سمجھا تھا کہ معاذ اللہ یہ جانور غذا ہو سکتا ہے تو اس کے رد کرنے کے لیے بھی گائے کے ذبح کا حکم دیا گیا۔



وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأَتْكُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ

اور جب تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو۔ پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو نکالنا ہے

مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۴۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا

جو تم چھپاتے تھے پھر ہم نے کہا مارو اس مردے کو اس گائے کا ایک ٹکڑا

كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح جلا دے گا اللہ مردے اور دکھاتا ہے تم کو اپنے نمونے شاید تم

تَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾

سو سمجھو۔

شعاعتِ خمس (۵۱)

قال تعالیٰ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأَتْكُمْ فِيهَا ... إِلَى ... وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ تم نے ایک محترم نفس کو قتل کر ڈالا پھر اس قتل کو ایک دوسرے

کے سر تھوپنے لگے وہ کہتا ہے کہ اس نے مارا اور وہ کہتا ہے کہ اس نے مارا۔ اور جن چیزوں کو تم دلوں میں چھپاتے تھے اللہ تعالیٰ انکو اندر سے باہر نکالنے والا ہے۔ جس سے تمہارے اندر دنیوی خطر اور دلی خیالات اس طرح عیاں اور آشکارا ہو جائیں جیسے کسی محسوس شئی کو کسی بند صندوق سے نکال کر مجمع میں لا کر سب کے سامنے رکھ دیا جائے۔ کہ سب اسکو اچھی طرح دیکھ لیں۔ پس کہا ہم نے کہ لگاؤ اس مردہ پر اس گائے کا کوئی ٹکڑا زبان یا دم میت پر رکھ دو جی اٹھے گا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا نام بنا کر گر پڑا اور مر گیا۔ قاتل کو پکڑا گیا اور قصاص لیا گیا اور میراث سے بھی محروم رکھا گیا۔ اور اسی وقت سے یہ حکم ہو گیا کہ قاتل ہمیشہ میراث سے محروم رہے گا اگرچہ قاتل مقتول کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

ف۱۱ | مقتول کا قول مکرر زندہ ہونے کے بعد اس وجہ سے معتبر مانا گیا کہ وہ عالم برزخ کو دیکھ چکا ہے لہذا اس کے قول میں اب کذب کا احتمال باقی نہیں رہا اور نہ وہم و خیال اور خطا اور نسیان کا۔ جیسے شجر اور حجر کا گواہی دینا نبی کا معجزہ ہے اسی طرح مردہ کا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلانا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح اس واقعہ میں اللہ نے محض اپنی قدرت سے عدل اور قصاص جاری کرنے کے لیے عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لیے ایک خاص ضرورت اور مصلحت کے لیے ایک مردہ کو تمہارے روبرو زندہ فرمایا اور اس مردہ کا کلام تم نے اپنے کانوں سے سنا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محض جزا و دینے اور عدل قائم کرنے کے لیے اور انصاف کے لیے دوبارہ اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو محض اپنی قدرت سے زندہ فرمائے گا اور سب کا انصاف کرے گا اور مظلوم کا ظالم سے قصاص اور بدلہ لے گا اور وقتاً فوقتاً اپنی قدرت کے نمونے اور کرشمے دکھلاتا رہتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ اس قسم کے خوارق اور عجائب وقتاً فوقتاً قدرت کا انکار بے عقلوں کا کام ہے۔

امام المتکلمین عبدالکریم شہرستانی مل و نخل میں فرماتے ہیں کہ جس طرح بیل اور گدھے انسانوں کے عجیب و غریب افعال کو بنظر استعجاب دیکھتے ہیں فلاسفہ دوران اور بڑے بڑے سائنسدان، انبیاء و مرسلین کے آیات و بینات اور خوارق و معجزات کو اس سے کہیں زائد حیرت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اگر کسی فلسفی اور سائنسدان کا اپنی ناقص اور ہوا پرست عقل سے انبیاء و مرسلین کے معجزات کا انکار حجت ہے تو بیل اور گدھوں کا انسانی عجائب قدرت سے کیوں حجت نہیں خوب سمجھ لو کہ شعور انسانی کو شعور پیغمبری سے وہی نسبت ہے جو شعور حیوانی کو شعور انسانی سے ہے۔ عجب نہیں کہ یہ نسبت بھی نہ ہو۔ انتہی کلامہً مُشترکاً۔

ف۱۲ | اس آیت میں جو مضمون مذکور ہے وہ قصہ مذکورہ بالا کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس تقدیم و تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اگر قصہ کو ترتیب سے بیان کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ فقط ایک واقعہ کا بیان مقصود ہے۔ ترتیب کے بدلنے سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اول اس طرف کہ حکم الہی کا فوراً امتثال کیوں

نہیں کیا۔ اور حکم خداوندی میں معاندانہ جھنجھٹیں کیوں نکالیں۔ ایک صریح اور واضح حکم سن لینے کے بعد اس قسم کے گستاخانہ اور تعذبت آمیز سوالات کیوں کیے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وحی الہی کی کوئی عظمت اور وقعت تمہارے دلوں میں نہیں اور یہی سخت بیماری ہے جو تباہی اور بربادی کی نشانی ہے۔

اور وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا الٰیہ۔ میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم نے اموال دنیا کے طمع میں ایسے محترم نفس کو قتل کیا کہ جو تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے تھا اس لیے کہ چچا بھی بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

عمر الرجل صنوا ابیه انسان کا چچا اسکے باپ کی مانند ہے

اور پھر اس کوشش میں پڑے کہ یہ خون دوسروں کے سر لگا دیا جائے۔

(رابط) یہاں تک بنی اسرائیل کی عادات شنیعہ کا بیان فرمایا کہ ہمیشہ احکام خداوندی میں حیلے اور بہانے کرتے رہے۔ آئندہ آیات میں اسکا منشار بیان فرماتے ہیں کہ منشاء اسکا قساوت قلب ہے اور اس قساوت پر اظہار تعجب بھی فرماتے ہیں کہ لیل و نہار آیات قدرت اور معجزات نبوت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو مگر پھر بھی دل نرم نہیں ہوتے کہ نصیحت قبول کریں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ

پھر تمہارے دل سخت ہو گئے اس سب کے بعد سو وہ

كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدَّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنْ

ہیں جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو

الْحِجَارَةِ لَمَّا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا

وہ بھی ہیں جن سے پھوٹتی ہیں نہریں اور ان میں تو وہ بھی

لَمَّا يَشْقُقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَّا

ہیں جو پھٹتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں تو وہ بھی ہیں

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَاَللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے

تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾

کام سے

استعجاب بر مساوت بعد مشاہدہ عجائب قدرت

قال تعالیٰ تَوَقَّسْتُ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَلَدٍ ذَٰلِكَ ... اِلٰی ... وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔
 پھر تمہارے دل خدا کی ان عجیب نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی سخت ہو گئے حالانکہ ہر ایک
 نشانی رقت قلب کے لیے ایک نسخہ جامعہ تھی خصوصاً مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلانا ایک
 عجیب و غریب کرم شہ تھا۔ یہ نشانی دلیل قدرت بھی تھی اور دلیل نبوت و رسالت بھی تھی اور دلیل قیامت
 بھی تھی مگر پھر بھی دل نرم نہ ہوئے پس وہ مثل پتھروں کے سخت ہیں یا سختی میں پتھروں سے بھی
 بڑھے ہوئے ہیں۔ تشبیہ اور تمثیل میں لوہے اور تانبے کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ لوہا اور تانبا آگ
 پر رکھنے سے پگھل جاتا ہے مگر ان کے دل اس قدر سخت ہیں کہ تحریف اور ترہیب کی آگ سے
 بھی نہیں پگھلتے پتھر کی طرح ہیں کہ جو کسی حال میں بھی نرم نہیں ہوتا یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں
 اس لیے کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اگر چہ ان
 سے نہریں تو نہیں جاری ہو جاتیں لیکن پھٹ جاتے ہیں پھر ان سے پانی آہستہ آہستہ نکلتا رہتا ہے
 اور بعض ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح بعض قلوب ایسے ہیں کہ جن سے علوم
 و معارف کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں کہ جن سے دنیا سیراب ہوتی ہے۔ یہ علماء را سخیین اور ائمہ ہادین
 کی شان ہے کہ جن کے کلمات طیبات نے مردہ دلوں کے حق میں آب حیات کا کام دیا۔ اور بعض
 قلوب ایسے ہیں کہ ان سے نہریں تو نہیں مگر علم و حکمت کے چشمے رواں ہو گئے اور لاکھوں اور
 ہزاروں کو ان سے نفع ہوا۔ یہ علماء ربانیین کی شان ہے۔ اور بعض قلوب ایسے ہیں کہ اللہ کی عظمت
 اور جلال کے سامنے پست ہیں۔ تکبر اور غرور سے پاک ہیں کبھی اسکے حکم کے خلاف سر نہیں اٹھاتے
 یہ عباد اور رُہاد کی شان ہے۔

مگر ان کافروں کے دل پتھر سے بھی زائد سخت ہو گئے ہیں کہ غرور اور تکبر غناد اور سرکشی
 سے کبھی حق کے سامنے جھکتے بھی نہیں اللہ کی ہدایت کو قبول کرنا تو درکنار اس کی طرف نظر اٹھا کر
 بھی نہیں دیکھتے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ وَ اِنَّ مِنْ الْجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ
 الْاَنْهَارُ سے وہ لوگ مراد ہیں جو خوف خداوندی سے بکثرت روتے ہیں اور وَ اِنَّ مِنْهَا

لَمَّا يَشَقُّ فِخْرُ جُرْمِهِ الْمَاءُ. سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو کم روتے ہیں اور وَ اِنَّ هِنَهَا لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دل سے تو روتے ہیں مگر آنکھوں سے آنسو جاری نہیں ہوتے۔ ہم سب کو اللہ سے یہ دعا مانگنی چاہیے۔ ۷

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یا رب مجھے۔ آمین
عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
ف سوائے اللہ کے ذکر کے اور کثرت سے کلام نہ کیا کرو اس لیے کہ زیادہ کلام کرنا قلب میں قساوت (سختی) پیدا کرتا ہے اور سخت دل ہی خدا سے سب سے زائد دور ہے (ترمذی)
اس مقام پر بھی بنی اسرائیل کی جس قساوت کا ذکر ہے وہ بھی اسی سبب یعنی کثرت کلام کی وجہ سے ہے کہ جب گاتے کے ذبح کا حکم ہوا تو معاندانہ سوالات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ ان یہودہ سوالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ دل پتھر سے بھی زائد سخت ہو گئے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل اگرچہ تم اپنی قساوت قلبی کی وجہ سے خدا سے غافل ہو گئے ہو مگر خوب سمجھ لو۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ کہ اللہ تمہارے اعمال و افعال سے غافل اور بے خبر نہیں۔

قساوت قلبی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ خدا سے غافل بناتی ہے اس لیے حدیث میں آیا ہے
اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ
الْقَسُوْةِ وَالْغَفْلَةِ۔
اے اللہ میں دل کی سختی اور غفلت سے
پناہ مانگتا ہوں۔

ایک شبہ پتھروں میں توفہم اور ادراک ہی نہیں پھر خدا کے خوف سے پتھروں کے گرنے کا کیا مطلب۔ ؟

جواب اہلسنت والجماعت کے نزدیک حیوانات اور جمادات میں بھی روح اور حیات ہے اور ان میں ایک خاص قسم کا شعور اور ادراک ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسا کہ امام قرطبی اور علامہ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں جا بجا حیوانات اور جمادات کی تسبیح و تحمید اور صلوة کا ذکر ہے۔
قال تعالیٰ۔

ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں
جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے
ہیں اور کوئی شئی ایسی نہیں جو اللہ کی
تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو لیکن تم انکی تسبیح

(۱) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَا
الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط و
اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ
بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ

تَسْبِيحَهُمْ ط
(۲) كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ

وَتَسْبِيحَهُ ط
(۳) وَالنَّجْمِ وَالشَّجَرِ
يَسْجُدَان ط

(۴) قَالُوا يَجْعَلُ لَهُ لِي
شَهِدَاتُكُمْ عَلَيْنَا قَالُوا
أَنطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي
أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

(۵) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا
بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى
لَهَا

کو سمجھتے نہیں
ہر شئی کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے

گھاس اور درخت اللہ کے لیے سجدہ
کرتے ہیں۔

کفار قیامت کے دن اپنی کھالوں سے
کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں
گواہی دی۔ وہ جواب میں کہیں گی کہ
ہم کو اس خدا نے گویائی دی جس نے
ہر چیز کو گویائی دی ہے۔

اُس روز بیان کرے گی (زمین) اپنی
خبریں اس وجہ سے کہ اسکو خدا تعالیٰ
نے حکم دیا ہوگا۔ !

اور اسی طرح اشجار و اجار حیوانات و جمادات کا انبیاء و مرسلین کی اطاعت اور فرمانبرداری
اور اُن سے کلام کرنا احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے۔
(۱) ستونِ حنانہ کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری میں مذکور ہے جس میں کسی مؤول
متفلسف کو تاویل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

عارف رومی فرماتے ہیں

اُسْتَنْ حَتَانَهُ از رَجْعِ رَسُولِ
فلسفی کو منکرِ حنانہ است

نالہ میزدہمچو اربابِ عقول
از حواسِ انبیاء بے گانہ است

(۲) صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جبلِ احد کو دیکھ کر یہ فرمایا ہذا جبل
یحبنا و نحبه یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور محبت
بدون معرفت اور ادراک کے ممکن نہیں۔

(۳) صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اب بھی اس پتھر کو پہچانتا ہوں
کہ جو نبوت سے پیشتر مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

(۴) صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت
ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ جبلِ احد یا حرامہ پر چڑھے تو پہاڑ کو جنبش ہوئی تو آلِ حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک پہاڑ پر مارا اور یہ فرمایا کہ اے پہاڑ ٹھہر۔ تجھ پر ایک نبی ہے

اور ایک صدیق اور دو شہید۔

(۵) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ہم جب کبھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مکہ سے باہر جاتے تو جس درخت یا پہاڑ پر گزر ہوتا تو یہ آواز آتی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (آخر جہ البغوی باسنادہ فی المعالم)

اس قسم کے اور صد ہا واقعات ہیں جو کتب حدیث اور سیر میں مذکور ہیں۔ بطور نمونہ ہم نے چند واقعات ذکر کر دیئے ہیں۔

عارف رومی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند	با من و تو مردہ با حق زندہ اند
آب و باد و خاک و نار پر شر	بے خبر یا ما و با حق با خبر
ما بعکس آل زغیر حق خبیر	بیخبر از حق و از چندین نظیر
پیش تو آل سنگریزہ ساکت است	پیش احمد اور فصیح و ناطق است
پیش تو استون مسجد مردہ است	پیش احمد عاشق دل بردہ است
جملہ اجزائے جہاں پیش عوام	مردہ و پیش خدا دانا و رام
مردہ زیں سویندوز السوزندہ اند	خامش اینجا و النطف گویندہ اند

اور اسی پر تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع ہے کہ جمادات میں ایک روح مجرد ہے جو حق تعالیٰ شانہ کو پہچانتی ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل کرتی ہے ایک مخلوق کا دوسری مخلوق سے بے تعلق اور بے خبر ہونا عقلاً ممکن بلکہ واقع ہے۔

لیکن مخلوق کا خالق سے بے تعلق ہونا عقلاً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں۔

بے تعلق نیست مخلوقی ازو

اور بے شمار آیات اور احادیث اسکی شاہد ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ

اب کیا تم مسلمان توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور ایک لوگ تھے اُن میں کہ

مِنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلِمَ اللّٰہِ ثُمَّ یَحْرِفُوْنَہُ مِنْۢ بَعْدِ

سنتے تھے کلام اللہ کا پھر اسکو بدل ڈالتے بوجھ لے کر

مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾

اور ان کو معلوم ہے

شناخت ششم (۶)

متضمن بدفع کلفت ناصحین مشفقین از انتظار طمع ایمان معاندین

قال تعالیٰ - أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ... إلخ... وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
گزشتہ آیات میں یہود کی قساوت کو بیان فرمایا۔ اب ان مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ جواز راہ
شفقت انکو وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ یہ کسی طرح ایمان
لے آئیں مسلمانوں کو گمان یہ تھا کہ یہود توحید اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل ہیں شاید یہ لوگ ایمان
لے آئیں اللہ تعالیٰ نے انکی امید قطع کرنے کے لیے فرمایا کہ انکی قساوت انتہاء کو پہنچ چکی ان سے
ایمان کی طمع مت رکھو۔ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ
مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اے مسلمانو کیا تم بنی اسرائیل کی اس شدید قساوت کے بعد بھی توقع رکھتے
ہو کہ وہ شخص تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں کا ایک فرقہ بلا واسطہ اللہ کے کلام
کو سنتا تھا۔ اور پھر خوب سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف و تبدیل کر ڈالتا تھا اور وہ خوب جانتے
تھے کہ ہم اللہ کے کلام میں تحریف کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ کلام خداوندی میں تحریف کرنا کس قدر
جرم عظیم ہے۔ اس فریق سے وہ ستر لوگ مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے اور
بلا واسطہ اللہ کے کلام اور اسکے اوامر و نواہی اور احکام کو سنا۔ جب واپس آئے تو یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ
نے اخیر میں یہ بھی فرما دیا تھا کہ اگر ہو سکے تو کرنا اور نہ ہو سکے تو نہ کرنا۔ کلام الہی میں سے کچھ گھٹانا یا اپنی
جانب سے کچھ اضافہ کر دینا اسی کا نام تحریف ہے پس ان لوگوں نے کلام الہی میں اپنی طرف سے حروف
اور الفاظ کا اضافہ کیا اور ایجاب اور لزوم کو تخیر سے بدل ڈالا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ سے توریت مراد ہے اور یسْمَعُونَ کَلَامَ اللَّهِ
سے بلا واسطہ انبیاء کرام سننا مراد ہے۔ اور تحریف سے آیات توریت میں لفظی اور معنوی تحریف کرنا
مراد ہے۔ مثلاً توریت میں جو آپ کا حلیہ مبارک مذکور تھا اس میں ابیض کے بجائے آدم بنا دیا اور
ربعہ مائل الی الطولی کے بجائے طوالا۔ بنا دیا اور بہت سی جگہ تاویل ناسد کر کے معنی

میں تحریف کی اور پہلی تفسیر پر لِسْمَعُونَ کَلَامَ اللّٰہ سے ستر آدمیوں کا اللہ کے کلام کو بلا واسطہ سنا مراد تھا اور تحریف سے یہ مراد تھی کہ ان ستر آدمیوں نے جب قوم سے جا کر اللہ کا کلام نقل کیا تو اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

ان استطعتہ ان تفعلوا ہذا
الا شیاء فافعلوا و ان لہ
تفعلوا فلا بأس۔
یعنی یہ چیزیں اگر تم سے ہو سکیں تو کر لینا
اور اگر نہ کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ف جاننا چاہیے کہ توریت میں لفظی تحریف بھی ہوئی ہے اور معنوی تحریف بھی۔ اور یہی علماء محققین کا مسلک ہے۔ اور اصل تحریف تو تحریف لفظی ہے اس لیے کہ تحریف کے معنی حروف اور الفاظ کے بدل ڈالنے کے ہیں۔ اور تاویل فاسد کر کے معنی کو بدل ڈالنا مجازاً اس کو تحریف کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں جہاں کہیں توریت کی تحریف کا ذکر آیا ہے اس سے تحریف لفظی ہی مراد ہے کیونکہ تحریف معنوی تو قرآن میں بھی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد۔ یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ اور فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيُشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا اس قسم کی آستیں صراحتہً تحریف لفظی پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر اور تفسیر درمنثور میں ان آیات کے شان نزول سے صاف ظاہر ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا

اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوتے اور جب اکیلے ہوتے

بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ

ہیں ایک دوسرے پاس کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو کھولا

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا

ہے اللہ نے تم پر کہ جھٹلاویں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے کیا تم کو

تَعْقِلُونَ ﴿۶۶﴾

عقل نہیں

شاعتِ ہفتم (۷)

قال تعالى وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا... إِلَى... عِنْدَ رَبِّكُمُ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ه
اور جب منافقین یہود مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تصدیق کرتے ہیں کہ محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رسول اور پیغمبر ہیں جن کی بشارتیں توریت میں مذکور ہیں۔ اور جب تنہا ایک
دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تمام مجمع میں ان کے سوا مسلمانوں میں سے کوئی نہیں ہوتا تو پھر علماء یہود
جو اعلانیہ طور پر کافر ہیں وہ ان منافقین سے یہ کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں سے خوشامد میں وہ چیزیں
کہہ ڈالتے ہو جو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں۔ اور وہ خزائن علمیہ جو توریت اور زبور اور دیگر صحف
انبیاء میں مخزون ہیں کہ جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی امامت کے اوصاف اور آپ
کے اتباع اور اطاعت کی تاکید اکید مذکور ہے تم مسلمانوں کو ان خزائن علمیہ کا کیوں تیرہ دیتے ہو۔ اس کا
انجام یہ ہو گا کہ اس اقرار اور اعتراف کی وجہ سے مسلمان خدا کے نزدیک تم سے حجت کرینگے اور تم کو
ملزم ٹھہرائیں گے کہ باوجود اس اعتراف و اقرار کے پھر بھی ایمان نہ لاتے کیا تم اتنی موٹی بات بھی نہیں
سمجھتے کہ

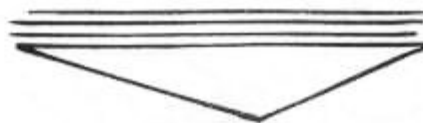
الانسان ماخوذ باقرارہ یعنی انسان اپنے اقرار میں پکڑا جاتا ہے
یعنی تمہارا زبان سے اقرار کرنا اور پھر نہ ایمان لانا قیامت کے دن یہ زیادہ رسوائی کا باعث
ہو گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص زبان سے اقرار یا دستاویز لکھ دینے کے بعد حاکم کے سامنے انکار کرے
تو زیادہ رسوائی ہے اور اگر حاکم کو معلوم ہو اور گواہ بھی موجود ہوں مگر اس شخص نے اقرار نہ کیا سو تو
حاکم کے سامنے انکار کرنے سے رسوا تو ضرور ہو گا مگر اتنی رسوائی نہ ہو گی جتنی کہ اقرار کے بعد ہوتی۔

أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو چھپاتے ہیں

وَمَا يُعْلِنُونَ ④

اور جو کھولتے ہیں



تحقیق یہودیہ بے بہبود

قال تعالیٰ أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ..... إِلَى..... وَمَا يُعْلِنُونَ۔
یعنی کیا انکو یہ گمان ہے کہ اس چھپانے سے اللہ کے نزدیک ان پر کوئی حجت قائم نہ ہوگی اور کیا ان کی یہ ہاتھ کی لکھی ہوئی دستاویزیں (یعنی توریت اور زبور کی وہ آیتیں جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صریح بشارتیں مذکور ہیں) خداوند ذوالجلال کو قیامت کے دن بہم نہ پہنچ سکیں گی۔ کیا انکو معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو خوب جانتا ہے جنکو وہ چھپاتے ہیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں جو جلوت میں آپکی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے اور جو خلوت میں اعتراف کرتے ہیں انکو بھی جانتا ہے خلوت کا اقرار اگرچہ مسلمانوں کی نظر سے مخفی ہے مگر ہماری نظر سے تو مخفی اور پوشیدہ نہیں ہو سکتا۔ تم نے اگرچہ بندوں کے سامنے اقرار نہ کیا مگر اس خداوند ذوالجلال کے سامنے تو اقرار کر لیا جو کہ ہر جلوت اور خلوت غیب اور شہادت کا حاضر و ناظر ہے۔ یہ احمق اتنا نہیں سمجھتے کہ اصل معلوم تو خدا کے ساتھ ہے جسکے یہاں ظاہر و باطن سر اور علق جلی اور خفی سب یکساں ہے۔

توریت اور انجیل کی تحریف کے متعلق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "عجاز عیسوی" ملاحظہ فرمادیں جو اس باب میں بے نظیر ہے۔

رسالہ موصوفہ میں اس امر کو نہایت بسط و شرح سے ثابت فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔ کمی اور بیشی زیادتی اور نقصان۔ تغیر اور تبدیل غرض یہ کہ تحریف کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس سے توریت و انجیل خالی ہو۔

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے۔ مولانا موصوف کی دوسری کتاب اظہار الحق جو عربی زبان میں ہے اس میں بھی تحریف توریت و انجیل کی کافی اور شافی تحقیق فرمائی۔ اور بہت سے علماء یہود نصاریٰ بھی تحریف لفظی کے مقرر اور معترف ہیں حضرات اہل علم اسکی مراجعت فرمائیں۔

(رابطہ) ان آیات میں یہود کے خواندہ لوگوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کے ناخواندوں کا ذکر کرتے ہیں



وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ

اور ایک ان میں اُن پڑھے ہیں خبر نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھ لی اپنی آرزو میں اور

وَلَا يَنْفَعُهُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ④

ان پاس نہیں مگر اپنے خیال

شاعت ہشتم (۸)

قال تعالى وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيٌّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ

سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر

يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ شَمَانًا

کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے کہ لیویں اس پر مول

قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ

تھوڑا سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھ کے لکھے سے اور خرابی ہے

مِمَّا يَكْسِبُونَ ⑤

ان کو اپنی کمائی سے

شاعت نہم (۹)

قال تعالى فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ... إِلَى... وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ

اور بعض ان میں سے ناخواندہ اور ان پڑھ ہیں۔ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ویسے ہی ہیں۔

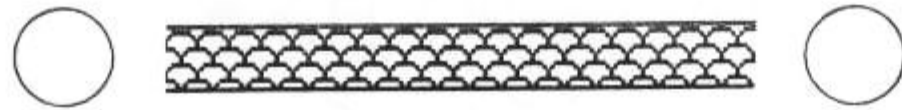
اسی وجہ سے ان پڑھ کو اُمی کہتے ہیں کہ اس کو صرف ام یعنی ماں سے نسبت ہے۔ باپ سے لکھنا اور

پڑھنا کچھ نہیں سیکھا۔ کتاب کو جانتے ہی نہیں نہ الفاظ سے واقف نہ معنی سے آگاہ سوائے آرزوں

کے کچھ معلوم نہیں کہ جو تحریف کرنے والوں نے انکی خواہش کے مطابق انکے دلوں میں بٹھلا دی ہے مثلاً۔

لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ
هُودًا أَوْ نَصَارَى

کہ جنت میں سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور
کوئی نہ جائیگا۔
اور اگر بالفرض جہنم میں گئے بھی تو لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً یعنی صرف چند
روز جہنم میں رہیں گے یہ آرزو ہمیں ان جاہلوں کے علماء سور نے انکے دل خوش کرنے کے لیے دل نشین
کردی ہیں جس پر کوئی دلیل نہیں اور نہیں ہیں یہ لوگ مگر محض گمان اور خیال کی پیروی کرنے والے خود بھی
انکو اسکا یقین نہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا اس لیے انکو بہ نسبت علماء کے کم عذاب
ہوگا ان پر عذاب فقط اپنی گمراہی کا ہوگا اور علماء پر اپنے گمراہ ہونے اور دوسرے کے گمراہ کرنے کا بھی
عذاب ہوگا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے پس خرابی اور بربادی ہے ان لوگوں کے لیے کہ جو کتاب کو
خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا لکھا ہوا اللہ ہی کی طرف سے ہے خوب جانتے ہیں
کہ یہ تحریف ہے نادان اور بے خبر نہیں اس لیے کہ خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔
یہ محض اس لیے کرتے ہیں تاکہ اپنے رؤسا اور عوام سے اس ذریعہ سے کچھ قلیل معاوضہ حاصل کریں
پس ایسے لوگوں کے لیے دو وجہ سے عذاب ہے ایک عذاب اس وجہ سے کہ انکے ہاتھوں نے
تحریف کی کتابت کی ہے اور دوسرا عذاب اس وجہ سے کہ اس تحریف کے ذریعہ سے لوگوں سے
روپیہ کھاتے ہیں۔ اول تو لوگوں کے خوش کرنے کے لیے کتاب الہی میں تحریف کی اور پھر چند پیسوں کی طمع
میں آخرت کے اجر عظیم کو برباد کیا۔ ثَمَنًا قَلِيلًا سے دراهم معدودہ مراد نہیں بلکہ مال کثیر مراد
ہے اس لیے کہ اگر بالفرض حق اور ہدایت کی قیمت لگائی جائے تو روئے زمین کے خزانے اس کے مقابلہ
میں بیچ ہیں۔



وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ

اور کہتے ہیں ہم کو آگ نہ لگے گی مگر کئی دن گنتی کے تو کہہ

أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ

کیا لے چکے ہو اللہ کے ہاں سے اقرار تو البتہ خلاف نہ کریگا اللہ اپنا

عَهْدًا أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

اقرار یا جوڑتے ہو اللہ پر جو معلوم نہیں رکھتے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھر لیا اس کو اس کے گناہ نے

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾

سو وہی ہیں لوگ دوزخ کے وہ اسی میں رہ پڑے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک وہ لوگ ہیں

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

جنت کے وہ اسی میں رہ پڑے۔

شاعت دہم (۱۰)

وَقَالُوا لَنْ تَصْنَعَ النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً... إِلَى... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور یہودی بھی کہتے ہیں کہ دوزخ ہم کو ہرگز نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے اللہ سے اس بارہ میں کوئی عہد لیا ہے کہ تم کو فقط اس قدر مدت عذاب ہو گا۔ اس لیے کہ عذاب کی مدت دلیل عقلی سے معلوم نہیں ہو سکتی اس کے لیے دلیل سمعی چاہیئے ایسا عقیدہ بغیر عہد خداوندی کے نہیں ہو سکتا تو بتلاؤ کہ کیا خدا نے تم سے کوئی ایسا عہد کیا ہے کہ اللہ اپنے اس عہد کے ہرگز خلاف نہ کریگا۔ یا اللہ پر اقرار کرتے ہو، بے سند باتیں جن کی سند تم کو معلوم نہیں اور خود اپنی طرف سے ایسی من گھڑت باتیں کرتے ہو بتلاؤ کس کتاب میں اللہ نے یہ حکم نازل کیا ہے۔ آئندہ آیت میں حق جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ عقیدہ کہ ہم جہنم میں صرف چند روز رہیں گے بالکل غلط ہے۔ جنت میں داخل ہونا اللہ اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرنے پر موقوف ہے چنانچہ فرماتے ہیں بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ کیوں نہیں تم جیسے پیغمبر آخر الزمان سے سرکشی کرنے والے ضرور جہنم میں جائیں گے۔ اس لیے کہ جس شخص نے بھی گناہ کو کمایا اور گناہوں نے اس کا ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اور کوئی جانب گناہ سے خالی نہیں رہی۔ جہرہ دیکھے گناہ ہی گناہ ہے نیکی کا نام و نشان نہیں۔ گناہوں نے ہر طرف

سے ایسا گناہ نکلنے کی کوئی صورت نہیں رہی پس ایسے ہی لوگ دوزخ کے ہمیشہ کے ساتھی ہیں یہ دوزخ سے جدا نہ ہونگے اور دوزخ ان سے جدا نہ ہوگی ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے یعنی ابد لا آباد تک ایسی ہی رہیں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور انکے دل نور ایمان سے منور اور روشن ہوئے اور نیک عمل کیے جس سے اعضا اور جوارح روشن ہوئے ایسے لوگ جنت کے ساتھی ہیں کہ جنت سے علیحدہ نہ ہونگے اور جنت ان سے علیحدہ نہ ہوگی ہمیشہ جنت ہی میں رہیں گے۔ کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔

ف احاطہ کی جو تفسیر بیان کی گئی وہ کافر ہی پر صادق آسکتی ہے کہ کافر دولت ایمان سے تہی دست ہونے کی وجہ سے فقیر اور گدے بنے ہوا ہے۔ اعمال صالحہ اگر کچھ ہیں تو وہ نہ ایمان لانے کی وجہ سے سب بیکار ہیں۔

کَمَا قَالَ تَعَالَى وَمَنْ يَكْفُرْ
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے یعنی ایمان کے بعد مرتد ہو جائے تو اس شخص کے تمام اعمال غارت اور برباد ہوئے۔ اور وہ شخص آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

اور جو شخص ایمان نہیں لایا خواہ وہ کتنے ہی صدقات اور خیرات کرے اُس کے صدقات و خیرات کو اعمال صالحہ نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ان اعمال کو شیر قالین کی طرح اعمال صالحہ کی ہم شکل اور ہم صورت سمجھنا چاہیے حقیقتہً اعمال صالحہ نہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِأَعْمَالِهِمْ
كَسْرَابٍ بِقَيْعَةٍ يَحْسَبُهُ
الطَّمْثَانُ مَاءً۔

اور کافروں کے اعمال سراب کی طرح بے حقیقت ہیں۔ دیکھنے والا انکو پانی کی طرح اعمال صالحہ سمجھتا ہے اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس کے پاس ایمان نہیں اُسکے پاس کچھ بھی نہیں گناہوں میں ہر طرف سے گھرا ہوا ہے بخلاف مومن کے کہ وہ کتنا ہی بدکردار کیوں نہ ہو۔ گناہوں میں گھرا ہوا نہیں بالفرض کوئی عمل صالح اسکا معین اور مددگار نہ ہو تو ایمان تو ضرور اسکا نگہبان اور پاسبان بنا ہوا ہے جو شیطان کے قاتلانہ وار کو روکے ہوئے ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ گناہ کے گھر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ اھ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال کافر ہی کا ہو سکتا ہے۔ مومن کا نہیں ہو سکتا

ف (۲) اہلسنت والجماعت کے نزدیک جو فریق ایمان لایا اور اعمال صالحہ بھی کیئے اسکا ثواب دائمی اور غیر متناہی ہے اور جو فریق نہ ایمان لایا اور نہ اعمال صالحہ کیئے اسکا عذاب دائمی اور غیر متناہی ہے فریق اقل میں ایمان اور عمل صالح دونوں موجود ہیں اور فریق ثانی میں دونوں نہیں۔ اس لیے فریق اول کا ثواب دائمی ہے اور فریق ثانی کا عذاب دائمی ہے۔ اور جو فریق ایمان تو لایا مگر اعمال صالحہ نہیں کیئے اسکی جزا ثواب اور عقاب سے مرکب اور ملی جلی ہے لیکن اول عذاب دیں گے اور بعد میں بہشت میں داخل کریں گے۔ بہشت میں داخل کر کے پھر بہشت سے نکالنا اور دوزخ میں ڈالنا خلاف حکمت ہے عزت دینے کے بعد ذلت کے گڑھے میں ڈالنا لطف اور عنایت کے خلاف ہے۔ یہ تین احتمال ہوئے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ اعمال صالحہ تو ہوں مگر ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ صورت شرعاً محال ہے اس لیے کہ شریعت میں کوئی عمل صالح بدون

ایمان کے معتبر نہیں۔ ہر عمل صالح کے لیے ایمان شرط ہے۔
وَإِذَا قَاتَ الشُّرُطُ قَاتَ الْمَشْرُوطُ
جب شرط فوت ہوئی تو مشروط بھی فوت ہوا۔
اسی وجہ سے کفار کے صدقات کو صرف صورتاً اعمال صالحہ کہا جاسکتا ہے ورنہ حقیقت میں اعمال صالحہ نہیں کما قال تعالیٰ

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ
بَقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ هَاءً
کافروں کے اعمال سراب کی مانند ہیں کہ دور
سے پیاسا انکو پانی گمان کرتا ہے۔
جس طرح لکڑی کا گھوڑا اور شیر قالین اصلی گھوڑے اور اصلی شیر کی صورت میں مشابہ ہے اسی طرح کافر کا
عمل ظاہر صورت میں عمل صالح کے مشابہ ہوتا ہے مگر حقیقت میں نیک نہیں ہوتا ہے اس لیے کہ عمل صالح
کی روح ایمان ہے اور وہ موجود نہیں۔

ہر شریعت میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ کافر فخلد فی النار ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اور ابد الابد تک
ف (۳) جہنم میں رہے گا۔ اور مومن عاصی چند روز دوزخ میں عذاب پاکر جنت میں داخل کر
دیا جائے گا کما قال تعالیٰ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ
بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ
لِمَنْ يَشَاءُ
بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے
کہ انکے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جاوے
اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جسکے لیے
منظور ہو گا وہ گناہ بخش دیں گے۔

اور یہود جو یہ روایت کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کیا کہ تمہاری اولاد کو عذاب
نہ دوں گا مگر تحلۃ للقسیم یعنی محض قسم پورا کرنے کے لیے یا یہ فرمایا کہ فقط چند روز کے لیے جہنم میں رہیں گے۔ یہ
روایت بالفرض اگر صحیح ہو تو اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے صلبی بیٹے مراد ہیں جنہوں نے یوسف علیہ
السلام سے اپنا قصور معاف کرایا اور باگاہ خداوندی میں بہ ہزار عجز و نیاز توبہ اور استغفار کی اور اللہ تعالیٰ
نے انکی توبہ قبول فرمائی۔ یہ تابین جہنم میں نہیں جائیں گے اور ان کی اولاد میں سے جو چند روز کے لیے جہنم میں جائے
گا اس سے مومن عاصی مراد ہے جیسا کہ تمام شریعتوں کا قاعدہ ہے کہ جو شخص مومن ہو اور گناہ کار ہو اس پر دائمی
عذاب نہیں۔

بنی اسرائیل یہ سمجھے کہ یہ حکم ذاتی طور پر ہمارے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا لَمْ
آيَاہَا تَعْدُو دَعَا کا دعویٰ کر لے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ یہ حکم بنی اسرائیل کے ساتھ
مخصوص نہیں جو دین حق کا اتباع کرے اسکا یہی حکم ہے گزشتہ زمانہ میں چونکہ بنی اسرائیل ملت حقہ اور دین
حق کے تابع تھے۔ اگرچہ گناہوں اور خطاؤں میں ملوث تھے اس لیے یہ حکم تھا کہ بنی اسرائیل فرعونوں کی طرح ہمیشہ
جہنم میں نہ رہیں گے بلکہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں جائیں گے جیسا کہ مومن عاصی کا حکم ہے اور اب

وہ صورت باقی نہیں رہی اس وقت تم دین حق اور نبی برحق کے اتباع سے انحراف کیے ہوئے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو اور نبی کی نبوت کا انکار کر رہے ہو۔ اس لیے تمہارا عذاب دائمی ہو گا جیسا کہ کافر کا تمام شریعتوں میں یہی حکم ہے کہ وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ

اور جب ہم نے لیا اقرار بنی اسرائیل کا بندگی نہ کرو

إِلَّا اللَّهَ تَفَوْ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ

مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک اور قرابت والے سے

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَ

اور یتیموں سے اور محتاجوں سے اور کہو لوگوں سے نیک بات اور

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا

کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر

قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

تھوڑے تم میں اور تم کو دھیان نہیں۔

شاعت یازدہم (۱۱)

قال تعالى وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ الى وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ۔
(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے اس زعم فاسد کا کہ ہم کو سوائے چند گنتی کے دنوں کے دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں اور فرمایا کہ یہ خیال خام ہے۔ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ خاندان نبوت سے تعلق پر نہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے خواہ وہ کسی خاندان اور کسی قوم کا ہو اس کی نجات ہوگی اور جو کفر کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا۔ یہ آخرت کا معاملہ ہے۔

ع کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

علاوہ ازیں تمہاری عہد شکنیوں کا مقتضی بھی اس کے خلاف ہے کہ تم کو صرف چند روزہ عذاب دیا جلتے جس قوم نے خدا تعالیٰ سے پختہ عہد اور پیمان کر کے توڑے ہوں اس قوم کو چند روز عذاب دیکر چھوڑ دینا خلاف حکمت ہے خصوصاً جبکہ عہد شکنی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور نیست بھی یہ ہو کہ ہمیشہ ان گناہوں پر قائم رہیں گے۔ اس لیے آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کی عہد شکنیوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے توریت میں بنی اسرائیل سے چند باتوں کا پختہ عہد لیا۔ اول یہ کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہیں کرو گے دوم یہ کہ والدین کے ساتھ خاص احسان کرو گے جو احسان کی تمام انواع و اقسام کو شامل ہو اور اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ترک ایذا (۲) خدمت مالی (۳) خدمت بدنی۔ سوم اہل قربت کے ساتھ حسب قربت احسان کرنا اور چارم یتیموں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا اور پنجم عام غربار اور محتاجوں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا اور ششم یہ کہ تمام لوگوں کے ساتھ خواہ مومن ہوں یا کافر اچھی طرح اور نرمی سے بات کرنا۔ حسن خلق اور مدارا میں کسی کی تخصیص نہیں اور ہفتم یہ کہ نماز کو قائم رکھنا اور شتم یہ کہ زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ یہ وہ عہد تھے جو تم سے لیے گئے پھر تم نے ان مضبوط اور محکم عہدوں سے روگردانی کی۔ مگر تم میں کے بہت ہی تھوڑے افراد ان عہدوں پر قائم رہے اور تم احکام خداوندی سے اعراض اور انحراف کے عادی اور خوگر ہی ہو گئے ہو اور یہ اعراض تمہاری عادت ثانیہ بن گئی ہے۔ اور پھر اس پر دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے محب اور محبوب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں چند روز رکھنے کا تو تم سے کوئی عہد نہیں کیا تھا البتہ تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ احسان کرنا اور یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنا اور لوگوں کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آنا مگر تم نے یہ عہد بھی توڑ ڈالا اور بہت ہی قلیل لوگ تم میں سے اس عہد پر قائم رہے مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔

والدین کی تربیت تربیت خداوندی کا ایک نمونہ ہے۔ والدین عالم اسباب میں اسکے وجود کے ایک ظاہری سبب ہیں۔ ماں باپ اولاد کے ساتھ جو کچھ احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور عوض کے لیے نہیں اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی وقت ملول نہیں ہوتے۔ اولاد کے لیے جو کمال ممکن ہو والدین دل و جان سے اس کی آرزو کرتے ہیں۔ اولاد کی ترقی اور عروج پر کبھی حسد نہیں کرتے ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو ترقی اور عروج پر دیکھنے کے خواہشمند اور آرزو مند رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیم والدین کا حکم دیا اور انہی وجوہ کی بنا پر والدین کی تعظیم تمام شریعتوں میں واجب رہی اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے وَ بِالْوَالِدَيْنِ میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے۔ والدین خواہ کافر و ناجر ہوں یا منافق و فاسق ہوں۔ اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے آذر کی دعوت و تلقین میں ہمیشہ تلمطف اور نرمی کو ملحوظ رکھا۔ جیسا کہ سورۃ مریم میں مفصل قصہ مذکور ہے۔ اور قرآن اور حدیث میں جا بجا

کافر اور مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔
 محتاج تو یتیم اور مسکین دونوں ہی ہیں۔ مگر یتیم کم سن ہونے کی وجہ سے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے یتیم کو مسکین پر مقدم فرمایا۔

فائدہ دوم

مالی سلوک اور احسان زیادہ تر اقارب کے ساتھ ہوتا ہے مالی احسان ہر ایک کے ساتھ ممکن نہیں اس لیے وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا میں اجانب کے ساتھ قوی احسان کا ذکر فرمایا اس لیے کہ تواضع اور حسن خلق کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ ممکن ہے۔

فائدہ سوم

دعوت اور تذکیر یعنی وعظ و نصیحت کے موقع پر نرمی اور ملاطفت محمود ہے کما قال
 تَعَالَى وَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى قَالَ تَعَالَى اذْعُمُّ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ
 الْحَسَنَةِ وَقَالَ تَعَالَى فِيمَا رَحِمَهُ مِّنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَأْتِ بِآيَاتٍ لَّهُمْ وَ قَالَ تَعَالَى اذْفَعُ بِأَلَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
 غرض یہ کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و مناظرہ میں تلطف اور لین مناسب ہے جیسا کہ ان آیات سے صاف ظاہر
 ہے۔ البتہ جہاد اور قتال میں غلظت اور شدت مناسب ہے کما قال تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا جَاهِدُوا
 الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ جہاد اور نصیحت کے فرق کو خوب سمجھ لو۔

فائدہ چہارم

فائدہ پنجم

در بیان فرق مدارات و مداہنت

بہت سے لوگ مداراة اور مداہنت میں فرق نہیں سمجھتے۔ حالانکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اپنی
 دنیوی اور جسمانی راحت اور منفعت کو دوسرے کی دنیوی راحت اور منفعت کے خیال سے چھوڑ دینا اس
 کا نام مداراة ہے۔ اور کسی دنیوی لحاظ کے خاطر اپنے دین کو چھوڑ دینا اور اس میں سستی کرنا اس کا نام مداہنت
 ہے۔ مداراة شریعت میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور مداہنت قبیح اور مذموم ہے کما قال تَعَالَى وَذُوقُوا
 تَذٰهُنَ فَيَذَرُوهُنَّ۔

خلاصہ یہ کہ دین میں سستی اور نرمی کا نام مداہنت ہے اور دنیوی امور میں نرمی اور سستی کا نام
 مدارات ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ

اور جب لیا تم نے اقرار تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں

وَلَا تَخْرُجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ

اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر

أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَسْهَدُونَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ

تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو پھر تم ویسے ہی خون کرتے ہو

أَنْفُسَكُمْ وَتَخْرُجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ

آپس میں اور نکال دیتے ہو اپنے ایک فرقے کو ان کے وطن سے

تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ

چڑھائی کرتے ہو ان پر گناہ سے اور ظلم سے اور اگر وہی آویں تم

أُسْرَى تَفْدُوهُمْ وَهُمْ هُمْ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ

پاس کسی کی قید میں پڑے تو انکو چھڑائی دیتے ہو اور وہ بھی حرام ہے تم پر انکا نکال دینا

أَفْتَوْمِنْهُمْ يَبْعُضُ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضِ فَمَا

پھر کیا مانتے ہو تھوڑی کتاب اور منکر ہوتے ہو تھوڑی سے پھر کچھ

جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ

مزا نہیں اس کی جو کوئی تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ

میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے وہی ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوْا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ

خرید کی دنیا کی زندگی آخرت دے کر سو نہ ہلکا ہوگا ان پر

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْصَرُونَ ﴿۸۶﴾

عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔

شناعت دوازدهم (۱۲)

قال تعالیٰ. وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ... إلخ... وَلَا هُمْ يَنْصَرُونَ. (رابطہ) علاوہ ازیں تمہاری دوسری عہد شکنیوں کا بھی مقتضی یہی ہے کہ تم کو چند روز عذاب نہیں بلکہ دائمی عذاب دیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے تم سے اس امر کا پختہ عہد لیا کہ آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالو گے۔ اپنے ہم مذہبوں کو قتل کرنا اور انکو جلا وطن کرنا درحقیقت اپنے ہی کو قتل کرنا اور جلا وطن کرنا ہے۔ اسی وجہ سے بجائے اَقَارِبَكُمْ وَاهْلَ مِلَّتِكُمْ کے اَلْأَفْسَکُمْ۔ کا لفظ استعمال فرمایا اور پھر تم نے اسکا اقرار بھی کر لیا کہ یہ عہد اور پیمان ہم کو منظور اور قبول ہے اور فقط اقرار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تم اس پر شہادت اور گواہی بھی دیتے ہو کہ بیشک ہمارے بزرگوں نے یہ عہد کیا تھا اور پھر اس صریح اقرار اور صریح شہادت کے بعد تم ہی وہ لوگ ہو کہ باہم ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو اور اپنی قوم کے ایک فریق کو جلا وطن بھی کرتے ہو۔ اس طرح کہ تم ان کے مقابلہ میں اللہ کے گناہ اور معصیت اور بندوں پر ظلم اور تعدی کے ساتھ قتل کرنے اور جلا وطن کرنے میں انکے مخالفین کی امداد کرتے ہو۔ تو ریت کے ان دو حکموں کو تم نے پس پشت ڈالا اور تمیلر حکم جو آسان تھا اس پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتے ہو اور وہ یہ کہ اگر تمہارے ہم مذہب لوگ اسیر اور گرفتار ہو کر آتے ہیں تو انکا فدیہ دیکر انکو قید سے چھڑاتے ہو اور حالانکہ تم پر ان کا نکالنا اور جلا وطن کرنا بھی تو قطعاً حرام تھا اور قتل کرنا تو اس سے بھی بڑھ کر جرم تھا۔ مگر تعجب ہے کہ جو جرم شدید تھا اس کا تو ارتکاب کرتے رہے اور جو جرم ذرا خفیف تھا اس سے اجتناب کیا اور وہ اجتناب بھی اتباع شریعت کی بنا پر نہ تھا بلکہ اس بنا پر تھا کہ وہ حکم غرض اور طبیعت کے موافق تھا لہذا ایسے شخص کے لیے چند روزہ عذاب کافی نہیں دائمی عذاب چاہیئے۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو فریق تھے۔ ایک بنی قریظہ۔ اور دوسرے بنی نضیر۔ اسی طرح مدینہ میں مشرکین کے بھی دو فریق تھے ایک اوس اور دوسرے خزرج اور ہر فریق دوسرے فریق کا دشمن تھا آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ بنی قریظہ تو قبیلہ اوس کے حلیف اور دوست تھے اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کے حلیف اور دوست تھے۔ جب کبھی اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو حلف اور دوستی کی وجہ سے بنو قریظہ تو اوس کی حمایت اور مدد کرتا اور بنی نضیر قبیلہ خزرج کی حمایت اور مدد کرتا اور ہر قبیلہ اپنے

خلفاء کے ساتھ مل کر اپنے دشمن کو مارتا اور جلا وطن کرتا۔ اور اگر کوئی یہودی جنگ میں اسیر ہو جاتا تو سب مل کر روپیہ جمع کرتے اور زہر فدیہ دیکر اسکو قید سے چھڑا کر لاتے اور اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ تم آپس میں جنگ و جدال اور قتل و قاتل کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالتے ہو تو پھر انہی قیدیوں کو جن کو گھروں سے نکالا تھا زہر فدیہ دیکر کیوں چھڑاتے ہو تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ توریت میں حق تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہ جس وقت تمہارے ہم مذہب بھائی کسی کے ہاتھ میں قید ہو جائیں تو ان کو قید سے چھڑانا ہم پر واجب ہے۔ اور رہی آپس کی جنگ تو وہ دنیوی مصلح کی بنا پر ہے اس میں اگر اپنے خلفاء کا ساتھ نہ دیں تو موجب عار و ننگ ہے۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں یہودی کی اس شاعت کو ذکر فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ تم کو توریت میں قتل کرنے اور جلا وطن کرنے کی اور ظلم اور تعدی میں مدد کرنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ اور قیدیوں کو فدیہ دیکر چھڑانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان تمام احکام میں سے تم نے فقط فدا را سیران کے حکم پر عمل کیا اس لیے کہ وہ تمہاری نفسانی خواہش کے موافق اور مطابق تھا۔ یہ درحقیقت خدا کی اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی اطاعت ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے کہ اپنے بھائیوں کے قتل کو اور گھروں سے نکالنے کو تو جائز سمجھتے ہیں اور اگر کسی غیر کے ہاتھ میں اسیر ہو جائیں تو فدیہ دیکر ان کے چھڑانے کو واجب سمجھتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ تم شریعت کے بعض عہدوں اور بعض حکموں کو بے دھڑک توڑتے ہو اور شریعت کا وہ حکم جو تمہاری خواہش نفس اور طبیعت کے موافق ہو اس پر عمل کرتے ہو پس کیا تم کتاب خداوندی یعنی توریت کے بعض حکموں پر تو ایمان لاتے ہو۔ اور بعض احکام کا انکار کرتے ہو۔ حالانکہ ایمان میں تجزی اور تقسیم جاری نہیں ہوتی۔ سارے ہی حکموں کے ماننے کا نام ایمان ہے جو شخص ایک حکم کا بھی انکار کر دے وہ کافر ہے اور کافر کی سزا دائمی ہے نہ کہ ایام معدودہ پس کیا جزا ہے اس شخص کی جو ایسا شنیع کام کرے کہ اللہ کے بعض حکموں کو مانے اور بعض کو نہ مانے۔ خصوصاً تم میں سے جو اپنے کو اہل کتاب اور اہل علم بتلاتے ہیں مگر خواری اور رسوائی دنیاوی زندگانی میں جیسے قتل و غارت اور کمال ذلت و اہانت کے ساتھ ان سے جزیہ اور خراج وصول کرنا اور ان کے جرم کے لحاظ سے یہ سزا کوئی بڑی سزا نہیں۔ البتہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب کی طرف پہنچائے جائیں گے اور خوب سمجھ لو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ تو اس سے غافل اور بے خبر نہیں ہاں تم ہی غفلت اور بے خبری میں ہو۔ دیکھ لو بے عقل لوگوں کا گردہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جنہوں نے اس دنیا سے دنی اور فانی کی حقیر زندگی کو آخرت کے عوض میں بصد غنبت خرید لیا ہے پس یہ نادان آخرت کے منافع سے تو کیا منتفع ہوتے۔ ان سے تو عذاب اخروی ہلکا بھی نہیں کیا جاتا اور نہ انکی کسی قسم کی مدد کی جائے گی کہ کوئی زور آور بزور اللہ کے عذاب کو ان سے دفع کر دے پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ دائمی عذاب کے مستحق ہیں اس لیے کہ کفر نے انکا ہر طرف سے احاطہ کیا ہے لہذا یہ لوگ اپنے قول لن تمسنا النار الا ایاہا معدودہ میں جھوٹے ہیں۔

فائدہ | معلوم ہوا کہ جو شخص شریعت کے اس حکم کو تو مانے جو اسکی طبیعت اور مزاج کے موافق ہو اور جو حکم

مخالف طبیعت ہو اسکو قبول نہ کرے وہ کافر ہے مسلمان نہیں دنیاوی حکومتوں میں بھی ایک قانون کا انکار بغاوت ہے جو شخص حکومت کے کسی حکم کے ماننے سے انکار کر دے اس پر بغاوت کی دفعہ لگ جاتی ہے اور کفر اللہ کی بغاوت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اسکے پیچھے

يَا رُسُلُ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ

رسول اور دیتے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور

وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ

قوت دی اس کو روح پاک سے پھر بھلا جب تم پاس لایا کوئی رسول

بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

جو نہ چاہا تمہارے جی نے تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا

وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۴﴾

اور ایک جماعت کو مار ڈالتے

شاعت سینر دہم (۱۳)

قال تعالى۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ الى وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کی ہدایت اور اصلاح کا بڑا اہتمام کیا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک روشن کتاب یعنی توریت عطار کی اور پھر ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل کی اصلاح اور تربیت کے لیے مسلسل یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا کہ اللہ کے عہد دل کو یاد دلاتے رہیں اور شریعت موسویہ کی پیروی اور اس پر استقامت کی تلقین کرتے رہیں اور پھر خاندان بنی اسرائیل کے اخیر میں عیسیٰ بن مریم کو نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل دیکر بھیجا اور خاص طور سے روح القدس یعنی جبرائیل امین سے

انکو قوت دی جو ہر وقت اُن کے ساتھ رہتے تھے اور دشمنوں سے انکی حفاظت کرتے تھے ولادت سے لیکر رفیع الی السمار کے وقت تک جبرائیل آپکے محافظ رہے اور اسکے آثار و ثمرات و انوار و تجلیات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے تو کیا اسکے بعد بھی تم نرم نہ پڑے اور جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسا حکم لیکر آیا کہ جس کو تمہارے نفس پسند نہ کرتے تھے تو تم نے تکبر اور سرکشی کی حالانکہ عقل کا مقتضی یہ تھا کہ اللہ کے نبی اور رسولؐ کی دل و جان سے اطاعت کرتے اور نفس سرکش کی مخالفت کرتے۔ تم جیسے نادان یہ تو کیا کرتے پس تم نے الٹی ہی راہ اختیار کی اور پیغمبروں کے ایک گروہ کو جھٹلایا اور انبیاء کی ایک جماعت کو مار ڈالتے ہو اور ظاہر ہے کہ جو مریض بجائے اسکے کہ طبیب کی ہدایت پر چلے۔ الطاطیب کی بے حرمتی کرے اور اسکو جھٹلائے بلکہ اسکو قتل کر ڈالے وہ کہاں شفا یاب ہو سکتا ہے اور ایسے روحانی مریض کے لیے ایام محدودہ کی سزا کافی نہیں بلکہ دائمی اور ابدی سزا چاہیے۔

ف یہود انبیاء کی تکذیب تو ایک مرتبہ کر چکے اور قتل کا سلسلہ جاری ہے۔ اب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے قتل ہیں اس لیے کَذَّبْتُمْ بِصِغَةِ ماضی لائے اور لَقَتُلُونَّ کو بصیغۂ مضارع لاتے جو ان کے فعل قتل کے حال اور استقبال میں جاری اور مستمر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نیز قتل کا واقعہ اگرچہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہے مگر چونکہ انبیاء کا قتل نہایت ہی عظیم اور سخت ہے اس لیے اس کی عظمت اور شاعت کے ظاہر کرنے کے لیے صیغۂ مضارع سے تعبیر کیا تاکہ وہ پیش نظر ہو جائے گویا کہ وہ اب ہو رہا ہے اور یہ ہولناک اور حیرتناک واقعہ لوگوں کی نظروں کے سامنے ہے۔

(ربط) یہاں تک بنی اسرائیل کے اُس معاملہ کا ذکر تھا جو انبیاء سابقین اور گزشتہ کتب منزلہ کے ساتھ تھا اب آئندہ آیات میں ان بد بختوں کے اُس معاملہ کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے نبی آخر الزمانؐ اور قرآن کے ساتھ کیا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ

وہ کہتے ہیں ہمارے دل پر غلاف ہے۔ یوں نہیں لعنت کی ہے اللہ نے انکے انکار سے

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

سو کم یقین لاتے ہیں

شناخت چہار دہم (۱۴)

قال تعالى - وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ الى فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ -

اور ان کے غرور اور تکبر کا یہ عالم ہے کہ خدا کے پیغمبروں سے بطور فخر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں سوائے اپنے دین کے کسی نئی بات کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتا یعنی ہم اپنے دین پر نہایت پختہ اور مضبوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ وجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار اور تکذیب کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے اور اپنی رحمت اور عنایت سے دور ڈال دیا ہے اس لیے حق بات ان پر اثر نہیں کرتی اور ان کے دل حق اور نصیحت کو قبول نہیں کرتے۔ اور حق سے متنفر اور بیزار ہیں یہ غلاف نہیں بلکہ اللہ کی لعنت کی نشانی اور علامت ہے۔ کفر اور لعنت کے زنگ نے ان کے دلوں کو اس قدر سیاہ اور زنگ آلود کر دیا ہے کہ آئینہ دل میں شاید ہی کوئی جز ایسا باقی رہا ہو کہ ایمان اور ہدایت کی روشنی کو قبول کر سکے۔ اس لیے یہ لوگ بہت ہی قلیل ایمان لاتے ہیں یعنی شریعت کے کسی حکم کو کبھی مان بھی لیتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ ایمان قلیل قابل قبول نہیں مثلاً اگر توحید و رسالت کا اقرار بھی کر لیا۔ اور اجمالی طور پر جنت و جہنم پر بھی ایمان لے آیا اور شریعت کے دوسرے احکام کا انکار کر دیا تو ایسے ایمان سے کوئی فائدہ نہیں ایمان قلیل تو کیا معتبر ہوتا۔ نجات کے لیے تو ایمان کثیر بلکہ ایمان اکثر بھی کافی نہیں کہ دین کی کثیر اور کثرتوں کو ملنے اور بعض کا انکار کر دے ایمان اللہ کے تمام احکام کے ماننے کا نام ہے محض قلیل و کثیر کے ماننے سے شریعت میں مؤمن نہیں کہلاتا۔

فائدہ حضرات مفسرین نے غُلْف کے دو معنی بیان کیے ہیں اول یہ کہ غلف اَخْلَف کی جمع ہے جیسے احمر اور اصفر کی جمع حُمْر اور صُفْر آتی ہے اور اَخْلَف اسی شے کو کہتے ہیں جو کسی غلاف اور پردہ میں محفوظ اور مستور ہو۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہونگے کہ ہمارے دلوں پر غلاف اور پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے آپ کی بات ہمارے دلوں تک پہنچتی نہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے **وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ غُلْفٍ** (اور کہا کافروں نے ہمارے دل پردوں میں ہیں) مجاہد اور قتادہ سے یہی معنی منقول ہیں۔

دوم یہ کہ غُلْف غلاف کی جمع ہے دراصل غُلْف بضم اللام تھا جیسے کتاب کی جمع کُتُب آتی ہے مگر تخفیف کی وجہ سے لام کو ساکن کر دیا گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما غُلْف بضم لام پڑھتے تھے۔ اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہونگے کہ ہمارے دل علم کے غلاف اور برتن ہیں جن میں ہر قسم کا علم بھرا ہوا ہے۔ تمہارے علم کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا کہ جھوٹ بولتے ہیں۔ نہ ان کے دلوں پر پردہ ہے اور نہ ان کے دل علم کے غلاف اور ظرف ہیں بلکہ ان کے کفر اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے اور ان کے دلوں سے قبول حق کی استعداد کو سلب کر لیا ہے اس لیے ان کے دل حق کو قبول نہیں کرتے **فَاَصَمُّوْا وَ اَعْمٰی اَبْصَارُھُمْ** اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرا اور اندھا بنا دیا ہے اور وہ مالک مطلق ہے جس کو چاہے ظاہر کا اندھا بنائے اور جس کو چاہے باطن کا اندھا بنائے کسی کی مجال کیا ہے جو یہ پوچھ سکے کہ اس کی ظاہر یا باطن کی آنکھ کیوں پھوٹی؟

اخرج احمد بسند جيد عن
ابى سعيد قال قال رسول الله
صلی الله علیه وسلم القلوب
اربعة قلب اجرد فيه مثل
السراج يزهر و قلب اغلف
مربوط على غلافه و قلب
منكوس و قلب مصفم - فاما
القلب الاجرد فقلب المؤمن
سراجہ فیہ نورہ و اما
القلب الا غلف فقلب
الكافي و اما القلب المنكوس
فقلب المنافق عرف ثم انكرو
اما القلب المصفم فقلب فيه
ایمان و نفاق فمثل الايمان
فيه كمثل البقلة يمدھا
الماء الطيب و مثل النفاق
فيه كمثل القرحة
يعدھا القيح - فاما
المادتین غلبت علی
الاخری غلبت علیہ
(در منشور ص ۸ ج ۱)

امام احمد نے سند جيد کے ساتھ ابو سعید خدریؓ
سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل چار قسم کے ہیں
ایک دل تو وہ ہے جو آئینہ کی طرح صاف
و شفاف ہے اور اس میں کوئی چراغ روشن
ہے اور ایک دل وہ ہے جو غلاف میں
بند ہے اور غلاف کا منہ تاکے یا رستی سے
بندھا ہوا ہے اور ایک دل الٹا اور اونڈھا
اور ایک دل وہ ہے جس کے دو صفحے
یعنی دو جانبیں ہیں ایک سفید ہے اور
ایک صفحہ سیاہ - پس صاف و شفاف دل
تو مومن کا دل ہے جس میں ایمان کا چراغ
روشن ہے اور غلاف میں بند کافر کا
دل ہے اور الٹا اور اونڈھا دل منافق کا
ہے کہ جس نے حق کو پہچانا اور پھر اس کا
انکار کیا اور دو رویہ دل وہ ہے کہ جس میں
ایمان اور نفاق دونوں جمع ہیں پس ایمان
اس دل میں مثل سبزہ کے ہے کہ پاکیزہ
پانی اس کو بڑھاتا ہے اور اس کے دل
میں نفاق مثل ناسور کے ہے کہ جو دم بدم
پیپ اور خون کو بڑھاتا ہے پس ان دو
مادوں میں سے جو نسامادہ غالب آجائے
اسی کا اعتبار ہے -

اللهم نور قلوبنا بانوار طاعتك و معرفتك آمین یا ارحم الراحمین .

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

اور جب پہنچی ان کو کتاب اللہ کی طرف سے سچ بتاتی ان پاس والی کو

مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ

اور پہلے سے فتح مانگتے تھے

كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ

کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھا تھا اس سے منکر ہوئے سو

اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝۹۰ بِغُسْمَا اشْتَرَوَاهُ أَنْفُسَهُمْ إِنَّ

لعنت ہے اللہ کی منکروں پر برے مول خرید کیا اپنی جان کو کہ منکر

يَكْفُرُوا بِمَا آتَاهُ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ

ہوئے اللہ کے اتارے کلام سے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے

فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا وَبَغَضِبَ

فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے سو کھالائے غصہ

عَلَى غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۹۱

پر غصہ اور منکروں کو عذاب ہے ذلت کا

شناعت پانزدہم (۱۵)

قال تعالى وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ الى ... وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں قلب اغلف کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں قلب منکوس کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ یہود۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب پہچانتے تھے کہ یہی نبی آخر الزمان ہیں۔ مگر عناد اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی کتاب آئی یعنی قرآن شریف جسکے اعجاز کو دیکھ کر خود ان کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے ہے اور پھر مزید برآں وہ قرآن جو منجانب اللہ ان کے پاس آیا اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہے یعنی توریت کی تصدیق اور موافقت کرتا ہے حالانکہ آپ اُمّی ہیں۔ آپ تو عربی خط اور عبارت بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جو کتاب عبرانی خط میں ہو اس کے مضامین کی

واقفیت کیسے ہو سکتی ہے سوائے وحی کے اور کوئی ذریعہ علم نہیں اور تعجب ہے کہ یہ لوگ آپ کی نبوت میں تردد کرتے ہیں۔ حالانکہ نزول قرآن اور آپ کی بعثت سے پہلے ہی لوگ کافر اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام اور برکت سے فتح و نصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب کے بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے۔

اللہم ربنا انا نسألك بحق
احمد النبی الامی الذی
وعدتنا ان تخرجہ لنا فی اخر
الزمان و بکتابک الذی
تنزل علیہ اخر ما تنزل
ان تنصرنا علی اعدائنا اخرجہ
البونعیم والحاکم والبیہقی
وغیرہم عن ابن عباس
وابن مسعود وغیرہم بالفاظ

اے اللہ ہم تجھ سے اس احمد مصطفیٰ نبی
امی کے حق سے سوال کرتے ہیں جسکے ظاہر
کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور
اس کتاب کے واسطہ اور برکت سے
سوال کرتے ہیں جس کو تو سب سے اخیر
میں نازل کرے گا کہ ہم کو ہمارے دشمنوں
پر فتح اور نصرت عطا فرما یہ روایت
ابن عباس اور ابن مسعود اور دیگر صحابہ سے
بالفاظ مختلفہ مروی ہے۔

مختلفة (در منثور)

غرض یہ کہ آپ کے ظہور سے پہلے ہی یہود آپ کو خوب پہچانتے تھے اور آپ کے نام مبارک اور قرآن کریم کے واسطہ اور برکت سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے اور فتح پاتے تھے اور آپ کے توسل کو موجب خیر و برکت سمجھتے تھے پس جب ان کے پاس وہ چیز خود بخود آپہنچی یعنی نبی اُمّی اور قرآن جس کو آنے سے پہلے ہی خوب پہچان چکے تھے اور اسکے ظہور کے منتظر تھے اتنے ہی محض حسد اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر بیٹھے ایسے لوگوں کے عذاب میں کیسے تخفیف ہو سکتی ہے یا ایسے لوگوں کا عذاب ایام محدودہ کیسے ہو سکتا ہے پس لعنت ہو اللہ کی ایسے کافروں پر جنہوں نے دیدہ و دانستہ حق کو محض حسد اور عناد کی وجہ سے چھپایا۔ حق تو یہ تھا کہ جن کے نام کی برکت سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے اور نتیجہ اب ہوتے تھے آج دل و جان سے اس نبی اُمّی اور اسکے دین کی نصرت اور اعانت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ اور سب سے پہلے اس نبی اور اس کتاب پر ایمان لاتے نیز جب یہ کتاب توریت کی مصدق تھی تو اس کی تصدیق عقلاً لازم تھی اس لیے کہ اسکی تکذیب توریت کی تکذیب کو مستلزم ہے بہت ہی بُری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا یا اپنے گمان میں انکو خرید لے یعنی حسد اور طمع کی وجہ سے کفر کے بدلہ میں اپنی جانوں کو فروخت کر ڈالا گویا کہ دوزخ کے فرشتوں کے ہاتھ ہلاکت کے لیے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اس تفسیر میں اشتراک معنی بیع کے ہے اور انکی جان بمنزلہ بیع ہے اور کفر بمنزلہ شمن ہے اور دوسری تفسیر میں اشتراک خریدنے کے معنی میں ہے۔ جمہور کے نزدیک مختار پہلا ہی قول ہے ۱۲ منہ

لیا اور اپنے خیال اور زعم فاسد کی بنا پر انکو عذاب الہی سے چھڑا لیا وہ یہ کہ انکار کرنے لگے اس چیز کا جو اللہ نے اپنے نبی پر نازل کی محض اس حسد اور عناد کی بنا پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور عطا یعنی وحی سے جس بندہ پر چاہے کچھ نازل فرمائے پس یہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہوئے کہ طرح طرح سے اسباب غضب کے مرتکب ہوئے۔

(۱) جس تودیت پر ایمان کے مدعی تھے اس میں سے نبی آخر الزمان کی بشارتوں کے چھپانے کی خاطر تحریف کی۔

(۲) باوجودیکہ اس نبی امی اور قرآن کے واسطے سے بار بار فتح و نصرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا پھر جب وہ نبی امی اور وہ کتاب معجز سامنے آئی تو اقرار اور اعتراف کے بعد اس سے انحراف کیا۔

(۳) نبی برحق پر حسد کیا اور درپردہ اللہ پر اعتراض کیا کہ یہ منصب رسالت کے اہل نہ تھے ان کو یہ منصب کیوں عطا کیا ان وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قسمہا قسم کے غضب اور غصہ کے مورد بنے پس جو شخص غضب خداوندی کے پشاورہ کا حامل ہو نہ اس کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے اور اسکا عذاب چند روز میں منقطع ہو سکتا ہے اور اگر ان تمام وجوہ غضب سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو دائمی عذاب کے لیے فقط ایک کفر ہی کافی ہے جو ان میں موجود ہے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور گنہگار مسلمانوں کو جو عذاب ہو گا وہ اہانت اور تذلیل کے لیے نہ ہو گا بلکہ گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ہو گا جیسا کہ میلا اور گندہ کپڑا بھٹی پر میل کچیل صاف کرنے کے لیے چڑھایا جاتا ہے۔ جلانے کے لیے نہیں دشمن کو مارنا تذلیل اور تحقیر کے لیے ہوتا ہے اور بیٹے اور شاگرد کو مارنا اصلاح اور تادیب کے لیے ہوتا ہے ایک مار تعذیب کے لیے ہے اور ایک تہذیب کے لیے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أُنْزِلَ اللَّهُ قَالُوا

اور جب کہیے اُن کو مانو اللہ کا اتارا کلام کہیں ہم

نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ ق

مانتے ہیں جو اترا ہم پر اور وہ نہیں مانتے جو پیچھے آیا اس

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

سے اور وہ اصل تحقیق ہے سچ بتاتا ان پاس والی کہ کہہ پھر کیوں مارتے رہے ہو

آئِبَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۱﴾

نبی اللہ کے پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے

شاعت شانزدہم (۱۶)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا إِلَى إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ
اور دلیل اس امر کی (کہ یہود کا یہ معاملہ آپ کے ساتھ محض حسد کی بنا پر ہے) یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ ہر اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے خواہ کسی پیغمبر پر اس کا نزول ہوا ہو جو چیز بھی خدا نے نازل کی اس پر ایمان لانا واجب ہے خواہ وہ توریت و انجیل ہو یا قرآن کریم ہو۔ وجوب ایمان کی علت حکم خداوندی ہوتا ہے جو تمام کتب الہیہ میں مشترک ہے وہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو فقط اس کتاب پر ایمان لائیں گے۔ جو خاص ہم پر ہمارے نبی کے واسطہ سے نازل کی گئی۔ اس قید سے ان کا حسد صاف ظاہر ہے کہ جو کتاب بنی اسرائیل پر اتری اس پر تو ایمان لائیں گے اور جو کتاب بنی اسمعیل پر اتری اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور محض حسد کی بنا پر اپنی کتاب کے سوا تمام کتابوں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ توریت کے سوا اور جو کتابیں خدا تعالیٰ نے نازل کیں وہ فی نفسہ حق ہیں یعنی سچی اور واقع کے مطابق ہیں اور ان کے تمام مضامین محقق اور مدلل ہیں اور فی نفسہ حق ہونے کے علاوہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہیں جو ان کے ساتھ ہے لہذا جو چیز فی حد ذاتہ حق اور واقع کے مطابق ہو اور پھر اسکے علاوہ اس چیز کے ساتھ مطابق ہو جس کو وہ سچا اور برحق سمجھتے ہیں تو ایسی چیز کو نہ ماننا برابر خلاف عقل ہے اس لیے کہ مطابق کا مطابق بھی مطابق ہی ہوتا ہے لہذا ایک مطابق کو ماننا اور دوسرے مطابق کو نہ ماننا تناقض کو مستلزم ہے اور اگر اس پر بھی وہ توریت پر ایمان کے مدعی ہیں تو آپ ان سے یہ کہیے کہ اچھا تم یہ بتلاؤ کہ تم اللہ کے پیغمبروں کو کس لیے پہلے ہی سے قتل کرتے چلے آ رہے ہو حالانکہ وہ پیغمبر توریت ہی کے مطابق حکم دیتے تھے اور شریعت موسویہ کی تائید اور تجدید کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ جیسے حضرت شیعلہ اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام اگر تم حقیقتہً توریت پر ایمان رکھنے والے تھے۔ معلوم ہوا کہ تم توریت پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ توریت اور شریعت موسویہ پر تمہارا ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور آ چکا تم پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر تم نے بنا لیا بچھڑا

مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۹۲﴾

اس کے پیچھے اور تم ظالم ہو

شاعت ہفتم (۱۷)

قال تعالى وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ الى وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ .
اور انبیاء کے قتل کا واقعہ تو موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد کا ہے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کفر کر چکے ہو وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس توحید و رسالت کی نہایت واضح اور روشن دلیلیں لیکر آئے جو اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی تھیں کہ عبادت اور بندگی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں پھر بھی تم نے انکے جانے کے بعد ہی ایک گوسالہ بے عقل کو اپنا معبود بنالیا اور جب خدا ہی ایک بے عقل حیوان ٹھہرا تو اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ بے عقل حیوان کے بندے کس درجہ بے عقل اور حیوان ہونگے۔ ہندوستان کے ہندو جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انکا سلسلہ سند سامری سے ضرور ملتا ہوگا اور تم بڑے ہی ظالم ہو کہ اپنے ہاتھ سے ایک بے عقل حیوان کی بنائی ہوئی صورت کو تم نے خدا بنا لیا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھلی کوئی ظلم ہو سکتا ہے۔
گوسالہ کو معبود بنانا اس لیے تھا کہ یہ لوگ غایت حماقت کی وجہ سے یا تو مجتہد تھے یا حلولیہ تھے یعنی خدا تعالیٰ کا کسی جسم میں حلول کرنا جائز سمجھتے تھے۔

ف

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

اور جب ہم نے لیا اقرار تمہارا اور اونچا کیا تم پر

الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْمِعُوا طَقَالُوا

پہاڑ پکڑو جو ہم نے تمکو دیا زور سے اور سنو بولے

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ

سنا ہم نے اور نہ مانا اور رچ رہا ان کے دلوں میں وہ بچھا

يَكْفُرْهُمْ ۚ قُلْ يَبْسُمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

مارے کفر کے تو کہہ بُرا کچھ سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر

مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

تم ایمان والے ہو

شاعت ہشتدم (۱۸)

قال تعالى. وَ اِذَا اخَذْنَا مِيثَاقَكَمْ اِلَى اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ
اور ایک اور قصہ سنو جس سے توریت کے ساتھ یہود کے ایمان کا حال معلوم ہو گا۔ جب ہم نے
تم سے اس بات کا عہد لیا کہ جب توریت تمہارے پاس پہنچے تو دل و جان سے اس کو قبول کرنا اور اس
کے احکام پر عمل کرنا مگر تم اپنے اس عہد سے پھر گئے۔ اور توریت پر عمل کرنے میں حیلے اور بہانے شروع
کیے۔ اس وقت ہم نے تمہارے سروں پر کوہ طور لاکھڑا کیا اور حکم دیا کہ جو احکام ہم نے تم کو دیئے ہیں ان
کو نہایت مضبوطی اور پختگی کے ساتھ پکڑو اور گوش ہوش سے انکو سنو مبادا کوئی حکم تم کو یاد نہ رہے اور پھر
تمہاری یہ غفلت معصیت کا سبب بن جائے اس کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ احکام توریت کو سن
لیا ہے مگر مانا نہیں اور اگر ان کے قہر اور عصیان کا سبب سے بڑا نمونہ دیکھنا چاہو تو یہ ہے کہ ان کے
کفر اور سرکشی کی وجہ سے ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت پلا دی گئی تھی۔ اس لیے انکو گوسالہ پرستی لذیذ
اور خدا پرستی تلخ اور ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ ظاہر نظم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے اسی حالت میں بھی
سَمِعْنَا اور عَصَيْنَا دونوں کلمے زبان سے کہے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ ایسی خوفناک حالت میں
زبان سے عَصَيْنَا کہنا بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ بالفرض والتقدیر اگر کسی حالت میں زبان سے عَصَيْنَا نکالتے تو اسی وقت کوہ طور گرا
کر انکو چور چور کر دیا جاتا اور سب کے سب ہلاک کر دیئے جاتے کیونکہ کوہ طور کو سروں پر لاکر کھڑا
کرنا اس لیے تھا کہ وہ توریت کو قبول کریں ایسی حالت میں بھی اگر زبان سے عَصَيْنَا کہا تھا تو پھر کوہ طور
کھڑا کرنے سے کیا فائدہ ہوا۔ اسی اشکال کی بنا پر بعض مفسرین نے توجیہ کی ہے کہ سَمِعْنَا کہنا بزبان
قال تھا اور عَصَيْنَا کہنا بزبان حال تھا زبان سے تو فقط سَمِعْنَا ہی کہا تھا لیکن جب اقرار کے بعد
فوراً ہی عصیان اور نافرمانی کرنے لگے تو ان کی حالت کے اعتبار سے عَصَيْنَا کہنا ان کی طرف منسوب
کیا گیا گویا کہ وہ اسی حالت میں بزبان حال عَصَيْنَا کہہ رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز

دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ حقیقت امر یہ ہے کہ بنی اسرائیل باوجودیکہ کوہ طور کو اپنے سروں پر محلق دیکھ رہے تھے مگر یہ گمان کیا کہ یہ محض ڈرانے کے لیے ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی شفاعت سے اور بلاؤں کی طرح یہ بلا بھی ٹل جائے گی۔ اس لیے انہوں نے ابتداءً احکام توریت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور صاف عَصِیْنَا کہہ دیا کہ کیوں توریت کے احکام شاقہ کی ذمہ داری اپنے سر پر لیں۔ اس گمان پر انہوں نے یہ کلمہ اپنی زبان سے کہا لیکن جب دیکھا کہ پہاڑ ان کے سروں کے نزدیک ہوتا جا رہا ہے تو سمجھے کہ یہ جیلے اور بہانے چلیں گے نہیں اس لیے چار و ناچار سجدہ میں گرے اور زبان سے الفاظ قبول کہے جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے۔ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَ ظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ جب یہ یقین ہو گیا کہ پہاڑ ٹلنے والا نہیں اس وقت مجبور ہو کر قبول کیا۔ مگر کچھ مدت بعد پھر مخوف ہو گئے کما قال تعالیٰ ثُمَّ قَوْلَیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَؤَلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهُ لَکُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قبول کے ایک مدت بعد انحراف کیا اور اس مقام پر ان کے ابتدائی حال کا بیان ہے کہ ابتداءً میں انہوں نے قبول نہیں کیا اور سَمِعْنَا کے ساتھ عَصِیْنَا بھی کہا لیکن بعد میں مجبور ہو کر قبول کیا اور پھر ایک زمانہ کے بعد اس سے انحراف کیا۔ بحمد اللہ اس تقریر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ انتہی کلامہً مُحْصَلًا وَ مُوَضَّحًا۔

خلاصہ یہ کہ جس ایمان کے وہ مدعی ہیں اس ایمان کی حقیقت اور کیفیت یہ ہے جو بیان ہوئی اسے ہمارے نبی آپ ان سے مختصراً بس اتنا کہہ دیجئے کہ بہت ہی بُری ہے وہ چیز جس کے کرنے کا تم کو تمہارا ایمان حکم دیتا ہے اگر حقیقتہً تم مومن ہو۔ اور دعوائے ایمان میں سچے ہو۔ یعنی یہ محض تمہارا ساختہ اور پرداختہ ایمان ہے جو ایسے افعال شنیعہ اور اقوال قبیحہ کا حکم دیتا ہے حقیقی ایمان کبھی ایسی قبیح اور شنیع باتوں کا حکم نہیں دے سکتا۔ اگر تمہارا ایمان تم کو ایسی ہی باتوں کا حکم دیتا ہے تو بہت بُرا ایمان ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا ایمان اگر تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ قادر مطلق کو چھوڑ کر ایک بے زبان اور لاعقل جانور کو خدا بنا لو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی تکذیب کرو پس ایسا ایمان جو تمہیں کفر کا حکم کرتا ہے یہ تو بہت ہی برا ایمان ہے۔ ایسے لوگ تو دائمی سزا کے مستحق ہیں ایسوں کے لیے ایام محدودہ کا عذاب ہرگز کافی نہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

تو کہہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا اللہ کے یہاں

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَسَبُّوْا الْمَوْتَ اِنْ

اگ سوائے اور لوگوں کے تو تم مرنے کی آرزو کرو

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ وَلَنْ يَتَسَوَّهَ اَبَدًا اِيْمًا قَدَّ مَتَّ

اگر سچ کہتے ہو اور یہ آرزو کبھی نہ کریں گے جس واسطے آگے بھیج

اَيَّدِيْهِمْ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَتَجِدَنَّهٗم

چکے ہیں ہاتھ انکے اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو اور تو دیکھے ان کو سب

اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوَةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرٰكُوْا ۚ

لوگوں سے زیادہ حرص جینے کی اور شریک پکڑنے والوں سے بھی

يُوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِزَحْرٰجِهٖ

ایک ایک چاہتا ہے کہ عمر پاوے ہزار برس اور کچھ اس کو سرکا نہ

مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ اِيْمًا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۵﴾

دے گا عذاب سے اتنا جینا اور اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں۔

شاعت نوزدیم (۱۹)

قال تعالى قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ... الى... وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ اِيْمًا يَعْمَلُوْنَ ۝
یہود باوجود ان شائع اور قبائح کے یہ کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا اور
آخرت کی نعمتیں ہمارے لیے مخصوص ہیں تو اے ہمارے نبی آپ انکے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اگر دار
آخرت فقط تمہارے ہی لیے اللہ کے یہاں خاص ہے اوروں کے لیے نہیں یعنی بہشت اور نعمائے آخرت
میں تمہارا کوئی شریک اور سہیم نہیں تو پھر مرنے کی تمنا اور آرزو کر کے دکھلاؤ اگر تم اپنے اس دعوے
میں سچے ہو اس لیے کہ دار آخرت کی وہ لازوال اور بیشمال نعمتیں کہ جن میں تمہارا کوئی شریک اور سہیم نہیں اُن
تک پہنچنے کا راستہ سوائے موت کے اور کوئی نہیں لہذا اگر تم کو یہ یقین ہے کہ اس دار جاودانی کی نعمتیں تمہارے
لیے مخصوص ہیں تو پھر اس دار فانی اور کلبہ احزان و پریشانی سے خلاصی اور نجات کی تمنا کرو۔ قصر عالی شان اور اعزاز
شاہی کے مقابلہ میں جیل خانہ کی ذلت اور مشقت کو ترجیح دینا کسی عاقل کا کام نہیں خصوصاً جبکہ جدال و قتال
کا بازار گرم ہے اور یہود کے مرد مارے جا رہے ہیں اور بچے اور عورتیں غلام بنائے جا رہے ہیں مال و

اسباط لٹا جا رہا ہے اور جزیہ اور خراج ان پر قائم کیا جا رہا ہے تو ایسی حیات سے بلاشبہ موت افضل اور بہتر ہے تم کو معلوم ہے کہ لڑائز دنیوی۔ نعم اخروی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور تم اس وقت مسلمانوں سے جنگ و جدال کی وجہ سے تکلیف اٹھا رہے ہو تو موت کی تمنا کرو تاکہ اس رنج و محن سے چھٹکارا ملے اور چونکہ اپنے دعوے کے موافق خاصانِ خدا سے ہو اس لیے تمہاری دعا بھی ضرور قبول ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اور ہم موت اور حیات کے مالک ہیں۔ جس وقت بھی تم موت کی تمنا کرو گے اسی وقت موت واقع کر دیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو پانی ہی کے گھونٹ سے گلا گھٹ کر مر جاتے وجہ اسکی یہ ہے کہ جو شئی ممکن الوقوع ہو۔ تھدی اور اظہار معجزہ کے منت اسکا وقوع اور تحقق واجب اور لازم ہو جاتا ہے لیکن یہ وجوب اور لزوم اُن کی تمنا اور آرزو پر موقوف تھا لہذا جب انہوں نے تمنا نہ کی تو موت بھی محقق نہ ہوئی اور چونکہ ان کو یقین تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی تھدی کے بعد اگر ہم نے موت کی تمنا کی تو موت ضرور آجائے گی اس لیے ڈر کے مارے موت کی تمنا نہیں کی۔ خوب جانتے تھے کہ موت کی تمنا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہو جائے گا اس لیے موت کی تمنا کرنے سے عاجز رہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں اور ہم ابھی سے خبر دیتے ہیں کہ یہ لوگ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اُن اعمالِ شنیعہ کے خوف کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ پہلے کر چکے ہیں یہ جملہ بطور پیشین گوئی اور غیب کی خبر کے ہے جو حضور کا معجزہ اور یہود کے عجز کی دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے اگرچہ وہ موت کی تمنا نہ کریں اور موت سے کتنا ہی بھاگیں۔ ایک نہ ایک دن ضرور موت آئے گی اور ان سب اعمالِ کفریہ کی انکو سزا ملے گی۔

ف: ۱ | جاننا چاہیے کہ یہ ایک قسم کا مباہلہ تھا۔ حق اور باطل کا فیصلہ اکثر مناظرہ اور مجادلہ سے ہوتا ہے اور کبھی مباہلہ سے۔ اس لیے کہ فیصلہ کے دو طریق ہیں۔ ایک طریقہ معتاد اور ایک طریقہ غیر معتاد۔ معتاد طریقہ یہ ہے کہ مناظرہ اور مباحثہ سے فیصلہ کیا جائے۔ اور غیر معتاد طریقہ یہ ہے کہ فیصلہ ایسے طریقہ سے کیا جائے جو خارق للعادة اور اسباب ظاہری کے دائرہ سے بالا اور برتر ہو یعنی بطریق معجزہ اور کرامت اس کا فیصلہ کیا جائے چنانچہ اس مقام پر جب حجت اور دلیل اور نظر اور فکر کے تمام مراحل ختم ہو گئے تو خصم کے افحام اور الزام کے لیے ایک خارق عادت طریق اختیار کیا گیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ زبان سے یہ کہہ دیں کہ اے اللہ ہم کو موت دے اسی وقت ان کا صدق و کذب ظاہر ہو جائیگا اور اگر یہود کو اس کا یقین نہ ہوتا تو جوشِ عداوت میں ضرور کہہ ڈالتے تاکہ حضور کا معجزہ ظاہر نہ ہو۔

ف: ۲ | یہ خطاب اور یہ تھدی ان یہودیوں کے ساتھ مخصوص تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور خوب جانتے تھے کہ یہی وہ نبی برحق ہیں جن کی پیشین گوئی تو ریت میں ہے اور ہر زمانہ کے یہود سے یہ خطاب نہیں جیسا کہ روح المعانی ص ۲۹ ج ۱ عبد اللہ بن عمر رضی

اللہ عنہما سے منقول ہے اور ابتداً کا لفظ انہی کے عمر کے لحاظ سے فرمایا گیا۔

یہود نے نہ زبان سے تمنا کی ورنہ ضرور منقول ہوتی اور نہ دل سے تمنا کی ورنہ اگر
ف: ۳ دل سے تمنا کرتے تو خجالت اور الزام کے دور کرنے کے لیے زبان سے ضرور

اسکا اظہار کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ سوال تو یہود کی طرف سے مسلمانوں پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ تم
ایک شبہ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ سوائے مسلمانوں کے اور کوئی جنت میں نہیں جائیگا لہذا

تم کو بھی چاہیئے کہ موت کی تمنا کرو۔

جواب یہ ہے کہ یہود کا عقیدہ فقط یہی نہیں تھا کہ ہم اہل حق ہیں اور ہمارے سوا کوئی
ازالہ جنت میں نہیں جائیگا بلکہ ساتھ یہ بھی اعتقاد تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں کما

قال تعالیٰ حاکیا عنہم نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَ اَحِبَّاءُہٗ ہمارے اعمال و افعال اور اقوال و احوال
 کیسے ہی ناشایستہ اور ناگفتہ ہوں ہم ضرور جنت میں جائیں گے جنت ہماری جدی اور خاندانی میراث ہے
 مرتے ہی ہم بہشت میں داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔
 اور جنت ہمارے لیے مخصوص ہے ہمارے اعمال اچھے ہوں یا بُرے ہر حال میں ہم جنت میں جائیں گے
 بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے اس لیے مسلمان
 ہمیشہ اپنی نازیبا افعال و اقوال سے ڈرتے رہتے ہیں بخلاف یہود کے کہ وہ بیدھڑک گناہ کرتے رہتے
 ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے ہیں۔ سَيَغْفِرُ لَنَا یعنی ہم کوئی گناہ کر لیں سب بخشتے جائیں گے کسی قسم
 کی معصیت ہمارے لیے مضر نہیں اور نہ ہم سے کوئی حساب و کتاب ہوگا اس کے برعکس مسلمانوں کا یہ عقیدہ
 ہے کہ قیامت کے دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا اس لیے ہر وقت وہ اپنی کوتاہیوں سے ڈرتے رہتے
 ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ زندگی اور بڑھ جانے تاکہ گزشتہ تقصیرات کی توبہ اور استغفار سے کچھ تلافی کر
 سکیں اور کچھ اعمال صالحہ کر کے سفر آخرت کے لیے زاد اور راحلہ تیار کر سکیں۔

موت کی تمنا کا حکم شرعی

احادیث میں بلا ضرورت موت کی تمنا کرنے کی یا دنیاوی مصائب سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنے کی
 مانعت آئی ہے۔ عمر کا زیادہ ہونا اور توبہ اور اعمال صالحہ کے لیے وقت کا میسر آجانا ایک نعمت عظمیٰ اور
 غنیمت کبریٰ ہے البتہ اگر قلب پر لقاؤ خداوندی کا شوق غالب ہو تو پھر موت کی تمنا جائز ہے مگر بشرط
 یہ ہے کہ فرط شوق سے اس درجہ مغلوب الحال ہو جائے کہ دنیاوی منافع اسکی نظروں سے اوجھل ہو جائیں
 اور غلہ شوق میں اس کو اسکا بھی خیال نہ رہے کہ جس قدر عمر زیادہ ہوگی اسی قدر قرب خداوندی کے اسباب

زیادہ حاصل کر سکوں گا۔ اور حضرات صحابہ سے جو اس قسم کی آرزو منقول ہے سو وہ اس وقت میں تھی کہ جب اسباب موت کے سامنے آگئے اور دنیا کی زندگی سے مایوسی ہو گئی اس وقت موت کی فرحت اور مسرت میں کچھ کلمات زبان سے نکلے اور یہ وقت محل بحث سے خارج ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر عزیزی اور تفسیر مظہری کی مراجعت کی جائے۔ اور یہ لوگ موت کی تمنا اور آرزو ہرگز نہیں کر سکتے اس لیے کہ البتہ تحقیق آپ انکو سب لوگوں سے زیادہ اس فانی زندگی پر حریص پائیں گے حتیٰ کہ ان لوگوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے جو لوگ مشرک اور بت پرست ہیں اور اخروی حیات کے بالکل قائل نہیں دنیوی ہی حیات کو حیات سمجھتے ہیں اور یہود باوجودیکہ حیات اخروی اور آخرت کے ثواب اور عقاب کے قائل ہیں انکا سب سے زیادہ زندگی پر حریص ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ انکو اپنے مجرم ہونے کا یقین کامل ہے ہر ایک ان میں سے یہ چاہتا ہے کہ اسکو ہزار برس کی عمر دی جائے حالانکہ ہزار برس کی عمر دیا جانا بھی اللہ کے عذاب کو دفع نہیں کر سکتا ہزار برس کے بعد پھر موت ہی ہے اور ان لوگوں کو اگر ہزار برس سے بھی زیادہ عمر مل جائے تب بھی کوئی فائدہ نہیں جس قدر انکی عمر زیادہ ہوگی اسی قدر انکا کفر زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے کہ مبدم کفر اور محصیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے حق میں تخفیف عذاب کی کوئی صورت نہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ

تو کہہ جو کوئی ہو گا دشمن جبریل کا سو اس نے اتارا ہے یہ کلام تیرے

بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرًا

دل پر اللہ کے حکم سے سچ بتاتا اس کلام کو جو اس کے آگے ہے اور راہ دکھاتا اور خوشی

لِلْمُؤْمِنِينَ ۝۹۰ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ

سناتا ایمان والوں کو جو کوئی ہو گا دشمن اللہ کا اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے رسولوں

وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝۹۱

کا اور جبریل کا اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔

شاعت بستم (۲۰)

قال تعالى قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ... الى... فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ.

ان آیات میں یہود کے نہ ایمان لانے کے لیے ایک خاص بہانہ کو ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم قرآن پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ اسکو جبریل لیکر آتے ہیں اور وہ ہمارے دشمن ہیں وہی ہم پر ہمیشہ اللہ کا عذاب لیکر آتے ہیں اس لیے ہم ان کی بات نہیں مانیں گے۔ البتہ میکائیل ہمارے دوست ہیں جو رحمت اور بارش کے فرشتہ ہیں وہ اگر وحی لیکر آتے تو ہم مان لیتے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہودی یہ کہیں کہ ہم قرآن کو اس لیے نہیں مانتے کہ وہ جبریل کے واسطے سے نازل ہوا ہے اور جبریل ہمارے دشمن ہیں۔ اور محمد رسول اللہ کو ہمارے پوشیدہ اسرار سے مطلع کرتے ہیں اور اس سے پہلے بھی جس قدر بلائیں اور مصیبتیں اور احکام شافہ نازل ہوئے وہ سب جبریل ہی لیکر آئے اس لیے ہم قرآن کو نہیں مانتے بخلاف توریت کے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ عنایت ہوئی۔ تو آپ انکے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو وہ درحقیقت اللہ کا دشمن ہے اس لیے کہ جبریل نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے جس میں جبریل کا کوئی دخل اور اختیار نہیں وہ تو محض سفیر یعنی ابلیحی ہیں تم تو اس پر نظر کرو کہ نازل کر نیوالا کون ہے۔ حق جل شانہ اگر بجائے جبریل کے یہ کام میکائیل کے سپرد فرماتے تو وہ بھی یہی کرتے۔

ع۔ او بجز نائی و ماجزنی نیم

نیز اس قرآن کے اوصاف پر نظر ڈالو کہ وہ کیسا ہے سو اس میں تین صفتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ تمام کھلی کتابوں کا تصدیق کرنے والا ہے لہذا قرآن کریم کی تصدیق تمام کتب الہیہ کی تصدیق ہے اور اس کی تکذیب تمام کتب الہیہ کی تکذیب ہے۔ دوم یہ کہ وہ خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بتلاتی ہے اور سیدھا راستہ تو اگر دشمن بھی بتلائے تو اسے فوراً قبول کرنا چاہیئے۔ سوئم یہ کہ یہ کتاب اہل ایمان کے لیے جو خداوند ذوالجلال کے لغام کے مشتاق اور متمنی ہیں۔ ایک عظیم بشارت ہے۔ پس اب تم ہی بتلاؤ کہ جو فرشتہ تمہارے لیے خداوند ذوالجلال کی طرف سے ہدایت کے الوان نعمت کا خوان لیکر آیا ہو اور پھر مجبین اور مشتاقین کے لیے ساتھ ساتھ خوشخبری بھی لیکر آیا ہو وہ کمال محبت اور غایت الفت کا مستحق ہے یا دشمنی اور عداوت کا۔ افسوس ان لوگوں نے اللہ کے پیغام ہدایت کو قبول کیا اور نہ بشارت میں داخل ہوئے یہ نہ سمجھا کہ اللہ کے فضل کو لیکر آنے والے سے دشمنی کرنا اللہ سے دشمنی کرنا ہے اور جو شخص اللہ کا دشمن ہو اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا اور خاص کر جبریل اور میکائیل کا تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تمام کافروں کا دشمن ہے لہذا جو شخص جبریل کا دشمن ہو گا وہ خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ جو شخص بھی ان میں سے کسی سے عداوت رکھے وہ کافر ہے اور اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے دوستوں سے دشمنی کرنا اللہ سے لڑائی مول لینا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہودیوں نے یہ کہا کہ جبریل ہمارے دشمن ہیں اور میکائیل ہمارے

مِّنْهُمْ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ

ان میں سے بلکہ وہ اکثر یقین نہیں کرتے اور جب پہنچا ان کو

رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

رسول اللہ کی طرف سے سچ بتاتا ان پاس والی کو پھینک دی

فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَا كِتَابَ اللَّهُ وَرَاءَ

ایک جماعت نے کتاب پانے والوں میں کتاب اللہ کی اپنی پیٹھ

ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا

کے پیچھے گویا کہ ان کو معلوم نہیں اور پیچھے لگے ہیں اس علم کے

الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مُلْكٍ سَلِيمٍ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ

جو پڑھتے تھے شیطان سلطنت میں سلیمان کی اور کفر نہیں کیا سلیمان نے

وَلَكِنَّ الشَّيْطَانِ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ

لیکن شیطانوں نے کفر کیا لوگوں کو سکھاتے سحر

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ

اور اس علم کو جو اترا دو فرشتوں پر بابل میں ہاروت اور ماروت پر

وَمَا يُعَلِّمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

اور وہ نہ سکھاتے کسی کو جب تک نہ کہتے کہ ہم تو ہیں آزمانے کو

فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ

سو تو مت کافر ہو پھر ان سے سیکھتے جس چیز سے جدائی ڈالتے

الرَّءِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ

مرد میں اور اسکی عورت میں اور وہ اس سے بگاڑ نہیں سکتے کسی کا

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

بغیر اذن اللہ کے اور سیکھتے ہیں جس سے انکو نقصان ہے اور نفع نہیں

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

اور جان چکے ہیں کہ جو کوئی اس کا خریدار ہو اس کو آخرت میں نہیں کچھ

خَلَاقٍ قَفٌّ وَلِبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوا

حقتہ اور بہت بری چیز ہے جس پر بیچا اپنی جانوں کو اگر ان کو

يَعْلَمُونَ ۝۱۰۲ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ

سمجھ ہوتی اور اگر وہ یقین لاتے اور پرہیز رکھتے تو بدلا تھا

عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۳

اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی

شاعت بستی و حکم (۲۱)

قال تعالى وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ... إِلَى... كَوْنُ كَانُوا يَعْلَمُونَ
اور آپکی نبوت فقط قرآن پر موقوف نہیں کہ جسکے متعلق یہ بہانہ کر دیا کہ قرآن تو جبریل لیکر
آئے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں بلکہ البتہ تحقیق ہم نے آپکی نبوت و رسالت کے ثابت کرنے کے لیے
نہایت واضح اور روشن دلائل نازل کیے جن میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس نہیں اور نہ ان میں جبریل
کا توسط ہے پس اگر قرآن کو دلیل نبوت نہیں سمجھتے کہ جبریل سے دشمنی ہے تو ان آیات بنیات
کا تمہارے پاس کیا جواب ہے جن میں جبریل امین کا واسطہ نہیں اور انکو خود بھی معلوم ہے مگر غناد
کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابن صوری یا یہودی نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم اپنی نبوت و رسالت کی کوئی ایسی نشانی نہیں لاتے جسے ہم بھی پہچانیں اس پر یہ
آیت نازل ہوئی (رواہ ابن ابی حاتم) اور مطلب یہ ہے کہ آپکی نبوت کی ایک نشانی نہیں بلکہ صدہا
نشانیوں موجود ہیں اور ان آیات بنیات کا نہیں انکار کرتے مگر وہ لوگ جو حد ہی سے گزر گئے

ہیں اور مقتضای عقل و نقل دونوں ہی کو خیر باد کہہ چکے ہیں کیا یہ لوگ اپنے فسق کے منکر ہیں حالانکہ ان کی عادت مستمرہ یہ رہی ہے کہ جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد و پیمان کیا ہے تو ایک فریق نے تو اس کو بالکل پس پشت ہی ڈال دیا ہے حالانکہ نقض عہد عقلاً و شرعاً ہر طرح قبیح اور مذموم ہے اور فقط بد عہدی ہی نہیں بلکہ اکثر تو ان میں سے تو ریت پر بھی ایمان نہیں رکھتے اور توریت میں جو حضور پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا اس کو واجب العمل نہیں سمجھتے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ بد عہدی تو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے بہت سے تو توریت ہی پر ایمان نہیں رکھتے اور جب توریت ہی کو واجب الایمان اور واجب العمل نہیں سمجھتے تو بد عہدی کرنے کو وہ کیا گناہ سمجھیں گے۔ اب آئندہ آیت میں ایک خاص عہد شکنی کا ذکر فرماتے ہیں اور جب ان کے پاس ایک عظیم الشان رسول آیا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو وہ پہنچانتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی طرف سے ہے انبیاء سابقین کی بشارتیں اور اس رسول کے معجزات اس کے صدق پر شاہد تھے اور پھر اسکے علاوہ وہ پیغمبر اس کتاب کی تصدیق بھی کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے مثلاً توریت اور زبور جس میں نبی آخر الزمان کی خبر دی گئی ہے مگر باوجود اسکے اہل کتاب کے ایک فریق نے کتاب اللہ یعنی توریت کو پس پشت ڈالا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ جانتے ہی نہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے غرض یہ کہ یہود نے اللہ کی کتاب کو تو پس پشت ڈال دیا جس کی انبیاء کرام تلاوت کرتے تھے اور ان منتروں کے پیچھے ہو لیے جن کی شیاطین الانس والجن حضرت سلیمان کے دور حکومت میں تلاوت کیا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چونکہ عام تھی جن اور انس چرند اور پرند سب ان کے زیر حکم تھے اس لیے شیاطین اور جنات اور آدمی سب ملے جلے رہتے تھے۔ شیطانوں نے آدمیوں کو جادو سکھا رکھا تھا اور معاذ اللہ یہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہرگز ہرگز نہ تھا اس لیے کہ یہ کام کفر کا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی کسی قسم کا کفر نہیں کیا نہ عملی اور نہ اعتقادی اور نہ قبل النبوة اور نہ بعد النبوة اس لیے کہ وہ تو اللہ کے پیغمبر تھے کفر کے مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے سحر کو سلیمان علیہ السلام کی طرف نسبت کرنا سراسر افتراء ہے۔ یہود چونکہ سحر کو سلیمان علیہ السلام کی طرف نسبت کرتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی برائت ظاہر فرمادی لیکن شیاطین نے از خود یہ کفر کا کام کیا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دینے لگے۔ یہود یہ کہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی نہ تھے بلکہ ساحر اور جادوگر تھے۔ اس کے زور سے جنات اور آدمیوں اور ہوا پر حکومت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسکا رد فرمایا کہ یہ کام کفر کا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی یہ کام نہیں کیا اس لیے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اس سے کفر کا صادر ہونا ناممکن ہے نبی تو کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے آتا ہے نہ کہ کمر نیکے لیے اور علاوہ ازیں یہود اس سحر کا بھی اتباع اور پیروی کرتے تھے جو کہ شہر بابل میں دو فرشتوں پر ایک خاص حکمت کی بنا پر نازل کیا گیا تھا جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا وہ حکمت یہ تھی کہ لوگ سحر اور مجرہ اور کرامت میں فرق معلوم کریں تاکہ پیغمبر اور جادوگر میں کوئی التباس اور اشتباہ نہ ہو کیوں کہ

ظاہراً معجزہ کی طرح سحر بھی خارق عادت ہے اس لیے حق تعالیٰ نے دو فرشتے بصورت انسان بابل میں اتارے کہ لوگوں کو سحر کی حقیقت سمجھائیں تاکہ لوگوں کو سحر اور معجزہ میں کوئی اشتباہ پیش نہ آئے اور چونکہ مقصود یہ تھا۔ اس لیے یہ دونوں فرشتے کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ جزا میں نیست کہ ہم تو مخلوق کے لیے فتنہ اور آزمائش ہیں کہ کون سحر سیکھ کر کفر اور معصیت میں مبتلا ہوتا ہے اور کون اس کی حقیقت اور قباحیت کو معلوم کر کے اُس سے احتیاط اور پرہیز کرتا ہے سو دیکھو اس کو سیکھ کر کفر کا کام نہ کرنا یعنی سحر نہ کرنا اس سے ایمان جانا رہے گا لیکن اس کے بعد ہی بعض لوگ ان سے وہ باتیں سیکھتے جن سے میاں اور بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالتے اور یہ سمجھتے کہ یہ چیزیں بدون اللہ کی مشیت کے ضرر پہنچاتی ہیں اور یہ امر یقینی ہے کہ یہ جادو گر اس سحر کے ذریعہ سے کسی کو بھی بغیر اللہ کی مشیت اور ارادہ کے ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے سحر میں تاثیر پیدا کر دیتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے تو اعمال کی تاثیر کو بند کر دیتا ہے اور سحر کو بے اثر بنا دیتا ہے اور اگر بالفرض والتقدیر سحر میں کوئی کفر اور شرک بھی نہ ہوتا تب بھی عقل کا مقتضی یہی تھا کہ سحر سے احتراز کرتے کیونکہ یہ ایسے علم کو سیکھ رہے ہیں جو دنیا اور آخرت میں ان کے لیے ضرر رساں ہے اور اگر بالفرض مضر نہ ہو تو نافع بھی نہیں اور عاقل کا کام یہ ہے کہ جو چیز نقصان دے اور نفع نہ دے اس سے احتراز کرے اور انکا سحر میں یہ اشتغال اور انہماک لاعلمی اور نادانی کی بنا پر نہیں کہ اس کے ضرر سے بے خبر ہوں۔ البتہ خدا کی قسم انکو خوب معلوم ہے کہ جو کفر پات کو خریدے گا اس بھیلے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ بہت ہی بُری ہے وہ چیز جسکے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر ڈالا کاش اس بات کو جانتے کہ ہم سعادت ابدیہ کو فروخت کر کے شقاوت ابدیہ کو خرید رہے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہود نے اپنے دین اور کتاب کے علم کو تو پس پشت ڈال دیا اور علم سحر کے پیچھے ہو لیے اور سحر کا علم لوگوں میں دو طرف سے پھیلا ایک تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں چونکہ جنات اور انسان آپس میں ملے جُلے رہتے تھے اس لیے آدمیوں نے جنات اور شیاطین سے سحر سیکھا اور حضرت سلیمان کی طرف نسبت کر دیا کہ یہ سحر ہمکو انہی سے پہنچا اور اسی کے زور سے حضرت سلیمان جنات اور ہوا پر حکومت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ یہ کام کفر کا ہے۔ سلیمان نے کبھی نہیں کیا۔ اُن کے زمانہ میں شیطانوں نے آدمیوں کو سکھایا ہے۔ دوسرے ہاروت اور ماروت کی طرف سے پھیلا کہ وہ دو فرشتے تھے۔ انسان کی شکل میں شہر بابل میں رہتے تھے اُن کو علم سحر معلوم تھا جو کوئی ان سے جادو سیکھنا چاہتا وہ پہلے ہی اُس سے کہہ دیتے کہ اس میں ایمان جانا رہے گا لیکن جب وہ اصرار کرتا تو سکھا دیتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ایسے علم سے آخرت میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ دنیا اور آخرت دونوں ہی میں نقصان ہے بغیر اللہ کے حکم کے کچھ نہیں کر سکتے اگر علم دین سیکھتے تو اللہ کے یہاں ثواب پاتے اور اب بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا جیسا کہ آئندہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور بجائے سحر کے اللہ کی کتاب کا اتباع کرتے اور علم سحر اور کتب سحر اور مضر اور بے فائدہ

علوم سے پرہیز کرتے جیسے اس زمانہ میں ناول اور بالتصویر سارے جو تخریب اخلاق میں جادو کا اثر رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے جو بدلا ملے اگرچہ وہ مٹوڑا ہو دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے چہ جائیکہ سحر میں بطور مزدوری برائے نام کچھ مل جائے کاش انکو اتنی عقل ہوتی تو سمجھتے کہ دنیا کے تمام منافع آخرت کے ایک نفع کے مقابلہ میں بیچ ہیں۔

فائدہ | شیاطین جس سحر کی تعلیم دیتے تھے وہ صریح کفر اور شرک تھی۔ ارواح کو خدا تعالیٰ کے برابر جانتے تھے اور ان کے لیے وہ افعال اور تاثیرات ثابت کرتے تھے جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی مدح میں ایسے منتر پڑھتے تھے کہ جیسے خدا تعالیٰ کی عموم علم اور احاطہ قدرت اور غایت عظمت و جلال ظاہر کرنے کے لیے حمد و ثناء کے کلمات پڑھے جاتے ہیں اور فرشتوں کی تعلیم میں یہ بات نہ تھی۔ نہایت احتیاط کے ساتھ تعلیم دیتے تھے اور ساتھ ساتھ نصیحت کرتے تھے اور کفر کرنے سے منع کرتے تھے انکا مقصد حقیقت سحر کو واضح کرنا تھا تا کہ نبی اور متنبی میں اشتباہ نہ ہو اور سحر اور معجزہ کا فرق معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ مؤثر حقیقی سوائے باری تعالیٰ کے کوئی نہیں اور شیاطین کا مقصد اغواء اور ضلال تھا۔

قصہ ہاروت و ماروت | تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر اور در المنثور میں عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور مجاہد اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے کہ جب ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں اولاد آدم کے بُرے اعمال کے دفتر کے دفتر آسمان پر جانے لگے تو فرشتوں نے بنی آدم کے حق میں تحقیر اور طعن آمیز کلمات کہے کہ یہ کیسے بندے ہیں کہ اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں نے بنی آدم کے خمیر میں غصہ اور شہوت رکھا ہے اس لیے ان سے گناہ ہوتے ہیں۔ اگر تم میں یہی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ رکھ دو اور زمین پر اتار دو تو تم بھی ایسے ہی گناہوں میں مبتلا ہوؤ گے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار ہم ہرگز تیرے گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے میں سے دو شخصوں کو منتخب کر لو۔ فرشتوں نے ہاروت اور ماروت کو جو فرشتوں میں کمال عبادت میں مشہور اور ممتاز تھے منتخب کیا۔ حق تعالیٰ نے قوت شہویہ اور غضبیہ کو ان میں پیدا کر کے حکم دیا کہ زمین پر جاؤ اور لوگوں کے مقدمات کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ اور شرک اور خون ناحق اور زنا اور شراب سے پرہیز کرنا۔ حسب ارشاد خداوندی دونوں فرشتے آسمان سے زمین پر اترے صبح سے لیکر شام تک قضا کے کام میں مصروف رہتے اور جب شام ہوتی تو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جاتے ایک ہینہ اسی حالت میں گزرا ایک امتحان خداوندی پیش آیا کہ ایک عورت مسماة زہرہ جو حسن و جمال میں شہر آفاق تھی اسکا مقدمہ ان کے اجلاس میں پیش ہوا۔ یہ دونوں فرشتے اس عورت کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کو پھسلانا شروع کیا۔ اس عورت نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک تم بت پرستی اختیار نہ کرو اور میرے خاوند کو قتل نہ کرو اور شراب نہ پیو میں تمہارے

پاس نہیں آسکتی آپس میں دونوں نے مشورہ کیا کہ شرک اور قتل ناحق تو بہت بڑے گناہ ہیں اور شراب پینا اس درجہ کی معصیت نہیں اس لیے اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ غرض یہ کہ اس عورت نے پہلے اُن کو شراب پلائی اور پھر بہت کوسجدہ کرایا اور پھر شوہر کو قتل کرایا اور ان سے اسم اعظم سیکھا اور پھر ان کے ساتھ ہم بستر ہوئی بعد ازاں وہ عورت اسم اعظم ٹپکھ کر آسمان پر چلی گئی اور اس کی روح زہرہ ستارہ کی روح کے ساتھ جا ملی اور اس کی صورت زہرہ کی صورت ہو گئی اور وہ فرشتے اسم اعظم بھول گئے۔ اس لیے آسمان پر نہ جاسکے جب ہوش میں آئے نہایت نادم ہوئے اور ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا اور استغفار کی درخواست کی۔ اور بارگاہ خداوندی میں شفاعت کے خواستگار ہوئے۔ بارگاہ الہی سے یہ حکم آیا کہ عذاب تو محض ضرور ہوگا لیکن اس قدر تخفیف کی جاتی ہے کہ تم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیوی اور اخروی عذاب سے جس کو چاہو اختیار کر لو۔ فرشتوں نے دنیاوی عذاب کو سہل اور آسان سمجھا کہ یہاں کا عذاب تو عنقریب منقطع ہو جائے گا اس لیے اس کو اختیار کر لیا۔ چنانچہ وہ اللہ کے حکم سے بابل کے کنویں میں الٹے لٹکا دیئے گئے اور وہیں ان کو آگ سے عذاب دیا جا رہا ہے۔ پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے وہ اول تو اس کو سمجھا دیتے ہیں اور جب اصرار کرتا ہے تو اس کو سکھا دیتے ہیں۔ (قصہ ختم ہوا)

تحقیق ہاروت و ماروت کا جو قصہ نقل کیا گیا اس میں علماء کے دو فریق ہیں ایک فریق یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ سر تا پا موضوع ہے اور یہود کا من گھڑت قصہ ہے اور انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے حضرات محدثین اس قصہ کو باعتبار روایت کے غیر معتبر قرار دیتے ہیں اور حضرات متکلمین باعتبار روایت کے اس کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ قاضی عیاض اور امام رازی نے اس قصہ کا شد و مد سے انکار کیا ہے اس لیے کہ یہ قصہ اصول دین کے خلاف ہے۔

(۱) اول یہ کہ فرشتے معصوم ہیں اُن سے گناہ کا صدور عصمت کے منافی ہے۔
(۲) دوم یہ کہ جب وہ عذاب میں گرفتار ہیں تو ان کو فرصت کہاں سے ملی کہ لوگوں کو جادو سکھلائیں نیز تعلیم و تعلم کے لیے اختلاط شرط ہے جو مجبوس ہونے کی وجہ سے مفقود ہے۔ ان کو لوگوں سے اختلاط کیسے میسر ہوا۔

(۳) سوم یہ کہ ایک فاحشہ اور بدکار عورت کا دھوکہ سے اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر چڑھ جانا سرسری معقول ہے۔ اسماء الہی کے لیے تقویٰ اور طہارت شرط ہے۔

(۴) چہارم یہ کہ مسخ اور تبدیل صورت عقوبت کے لیے ہوتا ہے اور عقوبت کے لیے تحقیر اور اہانت لازم ہے اور آسمان پر پہنچ کر ستارہ بن جانے میں نہ کوئی عقوبت ہے اور نہ کوئی تحقیر اور اہانت ہے

(۵) پنجم یہ کہ زہرہ تو ایک مشہور ستارہ ہے جو ابتداء آفرینش عالم سے موجود ہے اور اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ستارہ اس واقعہ کے بعد وجود میں آیا اور اس واقعہ سے پہلے یہ ستارہ موجود نہ تھا اور یہ سرسری غیر معقول ہے ان وجوہ

کی بنا پر ان علماء نے اس قصہ کا انکار کیا لیکن جلال الدین سیوطی اور ملا علی قاری وغیرہم فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں روایات مرفوعہ اور آثار صحابہ اسانید صحیحہ کے ساتھ اس قدر کثرت سے آئے ہیں کہ جن کا انکار ناممکن ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ بے اصل نہیں۔ انتہی۔ لہذا اس قصہ کی صحت اور عدم صحت کے بارہ میں توقف اور سکوت مناسب ہے اور جن حضرات مفسرین نے اس قصہ کو ذکر کیا ہے ان پر تشنیع اور نازیبا کلمات سے انکا ذکر کرنا سراسر خلاف ادب ہے بہت سے اکابر محدثین اور مفسرین نے بغرض تحقیق و تنقیح اپنی کتابوں میں رطب و یابس کو جمع کیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بارہ میں جس قدر روایتیں آئی ہیں اگر تنبیح کر کے ان تمام روایات کو جمع کیا جائے تو ان کا قدر مشترک حد تو اترا کو پہنچ جاتا ہے اگرچہ واقعہ کی خصوصیات میں اختلاف ہو لیکن جو قدر مشترک حد تو اترا کو پہنچ چکا ہے اس کا انکار دشوار ہے انفرادی طور پر اگرچہ ہر طریق اور ہر سند ضعیف اور دایہ ہو لیکن ضعیف روایتوں کا تو اترا بھی ترجیح صدق کا موجب ہوتا ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ بجائے انکار اور تکذیب کے قصہ کی کوئی مناسب توجیہ کی جائے جس سے اصول دین کی مخالفت باقی نہ رہے۔

(۱) وہ توجیہ یہ ہے کہ فرشتوں کی عظمت اس وقت تک ہے جب تک فرشتے اپنی اصلی حالت اور اصلی حقیقت پر رہیں اور جب ان میں بھی کسی حکمت اور مصلحت سے شہوت اور غضب کی کیفیت پیدا کر دی گئی تو وہ خالص فرشتے نہ رہے اس لیے اب ان کے لیے عصمت بھی لازم اور ضروری نہ ہوگی۔

(۲) نیز عذاب اور گرفتاری کی حالت میں تعلیم سحر کا جاری رہنا محال تو کیا مستبعد بھی نہیں۔ کیا جیل خانہ میں رہ کر افادہ اور استفادہ ممکن نہیں۔ ایک حاذق طبیب اگر اس کے ہوش و حواس سالم ہوں تو بیماری کی حالت میں بھی علم طب کی تعلیم دے سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کی قوت ادراکیہ انسان کی قوت ادراکیہ سے کہیں اکمل اور اتم ہے عذاب اور گرفتاری کی حالت ان کے لیے تعلیم سے مانع نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ غیب سے انکو مدد بھی پہنچتی ہو۔ کیونکہ آسمان سے اس تعلیم کے لیے اتارے گئے تھے۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ ہر سال ان کے پاس ایک شیطان جاتا ہے اور تازہ سحر سیکھ کر آتا ہے اور لوگوں میں پھیلاتا ہے جس شخص کو کسی علم کا ملکہ ہوتا ہے تو وہ بیماری اور لاچارگی کی حالت میں اس علم کی تعلیم دے سکتا ہے اور بسبب مزاوت اور ہمارست اور بوجہ ملکہ ہمارت اس کو تعلیم و تلقین میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

(۳) نیز وہ عورت اگرچہ بدکار تھی لیکن مقصود اسکا قرب الہی کو حاصل کرنا تھا اپنے حسن و جمال کو اسم اعظم کے معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ خرابی جو کچھ تھی وہ ذریعہ اور وسیلہ میں تھی۔ اصل مقصد میں کوئی قبح نہ تھا حسن نیت کی برکت سے کامیاب ہوئی۔

(۴) اور جس طرح بغرض ابتلا فرشتے بشکل بشر بنا کر آسمان سے زمین پر اتارے گئے اسی طرح ایک ستارہ کی روح ایک حسین و جمیل عورت کی شکل میں ہاروت اور ماروت کی عصمت کے امتحان کے لیے نمودار ہوئی اور امتحان ہو جانے کے بعد اصلی صورت کی طرف لوٹ گئی یعنی صورت بشریہ سے صورت کوکبیہ کی طرف واپس ہو گئی۔ جس طرح جنات مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر اپنی اصلی صورت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھو۔ لہذا جن روایات میں اس عورت کا زہرہ ستارہ کی صورت میں مسخ ہونے کا ذکر آیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کی روح کا تعلق زہرہ کی روح کے ساتھ کر دیا گیا اور یہ مطلب نہیں کہ یہ ستارہ پہلے ہی سے موجود نہ تھا اور اب اس عورت کے مسخ ہونے کے بعد وجود میں آیا۔

(۵) اور صورت کوکبیہ اگرچہ کتنی ہی شرافت اور عظمت رکھتی ہو لیکن صورت انسانیہ کے اعتبار سے بہت حقیر اور ذلیل ہے۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔

بعض علماء نے اس قصہ کو اصول دین اور قواعد شریعت کے خلاف سمجھا اس لیے خلاصہ کلام اسکو غیر معتبر قرار دیا اور بعض علماء نے کثرۃ طرق اور کثرۃ اسانید کی بنا پر اس

قصہ کا بالکل انکار مناسب نہیں سمجھا۔ بیس سندوں سے زیادہ اس قصہ کا مروی ہونا اس کی خبر دیتا ہے کہ اس قصہ کی اصل ضرور ہے بالکل بے اصل نہیں روایات مختلفہ کا جو قدر مشترک تھا یہ حضرات اس کے قابل ہوئے اور خصوصیات کے بارہ میں توقف اور سکوت کیا اور جو باتیں بظاہر اصول شریعت کے خلاف معلوم ہوتی تھیں انکی مناسب توجیہ اور تاویل فرمائی اور یہ طریق نہایت اسلم اور معتدل ہے۔ روایت کا دار و مدار طرق اور اسانید پر ہے اگرچہ وہ طرق اور اسانید ضعیف اور وہابی کیوں نہ ہوں چند ضعف اس کے مل جانے سے بھی ایک گونہ قوت آ جاتی ہے اس لیے جو ضعیف حدیث متعدد طرق سے مروی ہو اصطلاح محدثین میں اسکو حسن بغیرہ کہتے ہیں۔ لہذا کسی ضعیف روایت کے کثرۃ طرق اور کثرۃ اسانید سے یک لخت قطع نظر کر لینا اور اپنی مزعوم درایت کی بنا پر اس روایت کا بالکل انکار کر دینا خود خلاف درایت ہے یہ کیا ضروری ہے کہ جو چیز آپ کے نزدیک خلاف درایت ہے وہ دوسرے عالم کے نزدیک بھی خلاف درایت ہو ممکن ہے کہ آپ کی درایت نے غلطی کی ہو۔ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عِلْمُهُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي فَهْمٍ فَهْمُهُ اور محض اسرائیلیات میں سمجھنا بھی تکذیب اور انکار کا سبب نہیں بن سکتا الا یہ کہ نصوص کتاب و سنت اور قواعد و شریعت اور اجماع امت کے خلاف ہو۔ حدیث میں ہے حَدَّثَنَا عَنْ ابْنِ اسْمَاعِيلَ وَلَا حَدَّثَنَا ابْنُ اسْمَاعِيلَ عَنْ ابْنِ اسْمَاعِيلَ (اسرائیلی باتوں کے نقل میں کوئی حرج نہیں)۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ قصہ قطعاً صحیح ہے اور ناظرین بھی اس کو صحیح مانیں میرا مطلب فقط اس قدر ہے کہ بیدھڑک ہو کر روایات کا انکار نہ کریں باقی رہی آیات کی تفسیر تو وہ اس قصہ کے صحیح ہونے پر موقوف نہیں جیسا کہ ناظرین نے تفسیر کو پڑھ کر دیکھ لیا ہو گا۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ | حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ سحر تو حرام اور کفر ہے باقی اسکا جاننا اور بضرورت شرعی اسکا سیکھنا خصوصاً جبکہ اس پر عمل کرنے کی مخالفت بھی ساتھ ساتھ ہو تو حرام نہیں جیسے سورا اور کتے کا گوشت کھانا حرام ہے مگر اس کی خاصیت معلوم کرنا اور اس کو بیان کرنا حرام نہیں۔ فقہاء نے کلمات کفریہ کے لیے ایک مستقل باب رکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کن باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے فلسفہ کے بہت سے مسائل کفر ہیں لیکن اس کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اسکی حقیقت معلوم کر کے اس کا جواب دیا جاسکے۔

ایک اور اشکال اور اس کا جواب | رہا یہ اشکال کہ پھر اس کی تعلیم کے لیے فرشتے کیوں نازل کیے گئے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہدایت محضہ کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ انکی تعلیم سحر میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان سے سیکھنے کے بعد اسی میں مشغول اور مبتلا ہو جائے تو اس طرح حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گمراہی کا سبب بعید بن جاتے جو ان کی شان ہدایت محضہ کے منافی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے انکو ضلالت کا سبب بعید بھی بنانا گوارا نہیں فرمایا بخلاف فرشتوں کے کہ ان سے تشریع اور تکوین دونوں قسم کے کام لیے جاتے ہیں اور تکوین میں جس طرح وہ مسلمانوں کی پرورش اور حفاظت کرتے ہیں اسی طرح وہ کافروں کی بھی پرورش اور حفاظت کرتے ہیں حالانکہ ہمارے لیے شرعاً کافر کی اعانت اور امداد ناجائز ہے انبیاء کرام کے تشریعی نظام سپرد ہوتا ہے اور ملائکہ کے تکوینی نظام سپرد ہوتا ہے اس لیے تعلیم سحر کی خدمت ملائکہ کے سپرد ہوئی کہ اگر وہ اس میں ضلالت کا سبب بن جائیں تو ان کی شان کے خلاف نہ ہو گا۔ اور حضرات انبیاء کے لیے گمراہی کا سبب بعید بننا بھی خلاف شان ہے۔ کذا فی تعلیم التعلیم ص ۵۱ نمبر ۱۳۔ از تبلیغ۔

جس طرح حضرات انبیاء کرام نے یہ بتلایا کہ رشوت حرام ہے مگر رشوت کی حقیقت نہیں بتلائی اسی طرح حضرات انبیاء نے یہ تو بتلادیا کہ سحر حرام ہے مگر سحر کی حقیقت نہیں بتلائی۔

فائدہ | معلوم نہیں کہ بحالت عذاب وہ خود لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ہیں یا جنات اور شیاطین کے واسطے سے افادہ اور استفادہ ہوتا ہے واللہ اعلم (روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا

اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو

انْظُرْنَا وَاسْمِعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۳﴾

انظرنا اور سنتے رہو اور منکروں کو دکھ کی مار ہے

شناخت بستی و دوم (۲۲) متضمن بتلقین احباب بآداب خطاب

قال تعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الى وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ
(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے اتباعِ سحر کا ذکر تھا آئندہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سحر کا اتباع یہودیوں کی طبیعتوں میں اس درجہ راسخ اور پختہ ہو گیا ہے کہ ان کی گفتگو اور مخاطبت بھی سحر کے اثر سے خالی نہیں۔ جس طرح سحر ایک طمع سازی اور حقیقت کی پردہ پوشی ہے اسی طرح ان کا کلام بھی حسرتانی ہوتا ہے صوت کی تنظیم و یکیم ہے اور حقیقت کی ہانت اور تحقیر ہے۔ حقارتِ عظمت کی طمع کاری کے بات کرتے ہیں چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوتے تو راعنا سے خطاب کرتے جسکے ظاہری معنی نہایت عمدہ ہیں کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیے۔ لیکن جن معنی کا وہ ارادہ کرتے وہ نہایت فاسد اور گندہ ہیں۔ یہود یہ لفظ بول کر احمق یا چرواہے کے معنی مراد لیتے۔ بہت سے مسلمانوں کو ان فاسد معنی کا علم نہ تھا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ علماء اہل کتاب حضرات انبیاء کے آداب سے بخوبی واقف ہیں جب علماء یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ کلمہ تعظیم ہے اس لیے مسلمانوں نے بھی اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ تلبیس اور دھوکہ سے بچو اگرچہ تمہارا ارادہ دھوکہ کا نہ ہو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے وقت راعنا کا لفظ نہ کہو جس میں فاسد معنی کا ایہام ہے بلکہ اس کے بجائے لفظ انظرنا کہو یعنی ہم پر نظر عنایت فرمائیے اور ہم پر شفقت اور توجہ فرمائیے اور آپ جو ارشاد فرمائیں اسکو نہایت غور سے سنو کہ دوبارہ سوال اور ایسے مؤہم الفاظ کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے اور کافروں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے کہ جو اس قسم کے الفاظ سے رسول اور اہل ایمان کو ایذا پہنچاتے ہیں اور رسول کی ایذا اور تحقیر بلاشبہ کفر ہے۔

قرآن کریم میں اٹھاسی جگہ اس امت کے مسلمانوں کو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے خطاب کیا گیا ہے ان میں سے یہ پہلا موقع ہے کتب سابقہ میں صرف انبیاء کو خطاب ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف عطا فرمایا کہ قرآن کریم میں براہ راست اس امت کو مخاطب بنایا۔ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود سے درخواست کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا کہ جب تو قرآن

ف (۱)

پڑھے اور یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَلُوْا کے خطاب کو سننے تو فوراً اپنے کانوں کو اسکی طرف متوجہ کرنا اور قلب کو حاضر کرنا کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ تجھ سے خطاب فرما رہا ہے اور کسی اچھی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی بُری چیز سے منع کرتا ہے (رواہ عبد اللہ بن احمد فی زوائد المسند والبیہقی فی شعب الایمان)

جس لفظ کے استعمال سے ناسد معنی کا ایہام ہوتا ہو اسکا استعمال نہ کرنا چاہیئے اگرچہ متکلم کی نیت صحیح ہو۔

(۲)

نبی کی اشارۃ اور کنایۃ تحقیر بھی کفر ہے اس لیے کہ یہود صراحتاً آپ کی تحقیر نہیں کرتے تھے۔ دَٰحِیْنَا کہہ کر اشارۃ اور کنایۃ آپ کی تحقیر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو کافر فرمایا۔

(۳)

مَا یُودُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ وَلَا

دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو منکر ہیں کتاب والوں میں اور

الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ خَیْرِ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط

شُرک والوں میں یہ کہ اترے تم پر کچھ نیک بات تمہارے رب سے

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ

اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی مہر سے جس کو چاہے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝۱۵

بڑا فضل رکھتا ہے۔

شناخت بستی سوم (۲۳)

قال تعالیٰ۔ مَا یُودُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا... اِلٰی... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

مسلمانوں نے یہود سے کہا کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

لاؤ۔ یہودیوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہماری تو دلی خواہش تھی کہ اگر تمہارا دین ہمارے

دین سے بہتر ہوتا تو ضرور اس کو قبول کرتے لیکن تمہارا دین ہمارے دین سے بہتر ثابت نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ

شان نزول

نے انکی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ سب غلط ہے اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تم پر حسد کرتے ہیں۔ اور کافر خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین مکہ ذرہ برابر دل سے یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کوئی خیر نازل کی جائے لیکن ان کے حسد سے کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کا محکوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جسکو چاہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور وحی سے سرفراز فرمایا اور اپنے فضل سے آپ کو افضل الانبیاء بنایا۔ اور آپ کے دین کا تمام ادیان سے افضل اور اکمل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

اس جگہ رحمت سے مراد نبوت ہے اور فضل اس احسان اور نیکوئی کو کہتے ہیں جو ابتداءً بلا وجہ ہو۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا

جو موقوف کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو پہنچاتے ہیں اس سے بہتر

أَوْ مِثْلَهَا ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

یا اسکے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

قَدِيرٌ ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کو سلطنت ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ ط وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ

اور زمین کی اور تم کو نہیں اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ

وَلَا نَصِيرٌ ۝۱۰۷

مدد والا

شناخت بستی و چہارم (۲۴)

قال تعالى مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ ... الى ... مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ
شان نزول | یہود اور مشرکین بطور طعن یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے اصحاب

کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں اور پھر اسی بات سے منع کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے کہتے ہیں۔ اس پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔ اس قسم کی باتوں سے کافروں کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ شک اور شبہ ڈال دیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے جو ہم پر نازل ہوا وہ سب خیر ہی خیر ہے تو اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی۔ اگر پہلا حکم خیر تھا تو دوسرا شر ہو گا اور اگر دوسرا حکم خیر ہے تو پہلا حکم شر ہو گا اور وحی الہی اور حکم خداوندی کا شر ہونا ناممکن اور محال ہے اس شبہ کے ازالہ کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ نسخ کے معنی تبدیل خیر بالشر کے نہیں۔ یعنی خیر کو شر کے ساتھ بدل دینے کے نہیں تاکہ وحی الہی اور خیریت میں منافات لازم آئے بلکہ نسخ اور منسوخ دونوں ہی خیر ہیں اس لیے کہ ہم جب کبھی کسی آیت کا حکم منسوخ کرتے ہیں کہ اس آیت کے حکم پر عمل نہ کیا جائے اگرچہ اس آیت کی تلاوت باقی رہے یا ہم اس آیت ہی کو ذہنوں سے بھلا دیتے ہیں کہ اس آیت کے الفاظ کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر قوت حافظہ سے فراموش کر دیں اگرچہ حکم اس آیت کا برقرار رکھیں کہ اس آیت کے ذہنوں سے نکل جانے کی وجہ سے تلاوت کی عبادت اور لذت تو حاصل نہ کر سکیں اس منسوخ التلاوة آیت کے حکم پر عمل کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ بہر حال ہم چاہے کسی آیت کے حکم کو منسوخ کریں یا اس آیت کو ذہنوں سے بھلا دیں نسخ کے بعد اس آیت منسوخہ یا منسوخہ سے کوئی بہتر چیز لاتے ہیں یا اس آیت کے مثل لاتے ہیں یعنی حکم نسخ حکم منسوخ سے سہولت عمل یا موافقت مصلحت یا کثرت ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے یا برابر۔ کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کو سب اختیار ہے ہر لمحہ اور ہر لحظہ تو اس کے عجائب قدرت اور غائب مشیت کا مشاہدہ کرتا ہے جیسے مرض کا صحت سے بدلنا اور فقر کا تو نگرگی سے بدلنا اور عزت کا ذلت سے بدلنا اور روشنی کا تاریکی سے بدلنا پس جو ذات ان تغیرات اور تبدلات پر قادر ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک حکم سے دوسرے حکم کو بدل دے اور جس طرح احکام تکوینیہ میں حسب اقتضائے مصلحت تغیر اور تبدل معاذ اللہ جہالت نہیں بلکہ عین حکمت ہے اسی طرح احکام شرعیہ میں بھی باقتضائے زمان و مکان اور باقتضائے طبع تغیر و تبدل عین حکمت اور عین مصلحت ہے اور الہامی کتابوں میں بھی احکام بدلتے رہے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو توریت کے بعد انجیل کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اس تغیر و تبدل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ پہلے ہی سے یہ سب کچھ اس کے علم میں تھا۔ البتہ اس تغیر اور تبدل سے ہمارے علم میں تغیر ہوتا ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو قصور علم کی وجہ سے اس حکم کی مدت معلوم نہ تھی اور قصور فہم کی وجہ سے اس حکم کو دائم اور مستمر سمجھ بیٹھے۔ جب حکم نسخ نازل ہوا اس وقت اپنے قصور علم کا علم ہوا اور قصور فہم کا فہم ہوا۔ قوانین حکومت میں بھی تغیر اور تبدل ہوتا ہے لیکن وہاں کسی فرد گذشت اور لاعلمی کی بنا پر پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے، اور حق جل شانہ کے احکام میں تغیر و تبدل ہمیشہ حکمت و مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کا علم غلطی سے پاک ہے۔

لَا يَضِلُّ رِجْسٌ وَلَا يَكْسَى

میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔

مریض کے حالات بدلنے کی وجہ سے طبیب دوا بدلتا رہتا ہے یہ طبیب کی جہالت نہیں بلکہ دلیل حذاقت ہے کہ ہر وقت کی مصلحت اسکی پیش نظر ہے، اور اس قدرت کے علاوہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمینوں کی اور حکومت اور بادشاہت کے لوازم میں سے ہے کہ احکام میں تغیر اور تبدل ہو لہذا جس وقت جو حکم دے اسکی تعمیل فرض اور لازم ہے اور اگر اسکی حکم اور فرمان کی تعمیل میں تا مل کر د اور یہ کہو کہ ہم تو پہلے ہی حکم کو مانیں گے دوسرے حکم کو نہیں مانیں گے تو سمجھ لو کہ تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی کار ساز اور مددگار نہیں کہ جو تمہیں اس کی گرفت اور باز پر سے بچا سکے۔

لغت میں نسخ کے دو معنی آتے ہیں ایک نقل اور تحویل جیسے نسخ الكتاب

فائدہ اولیٰ

(یعنی کتاب نقل کی)۔ دوسرے معنی رفع اور ازالہ کے جیسے نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ (آفتاب نے سایہ کو زائل کر دیا)۔ آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی حکم اقل کو اٹھا دینا۔

کتاب اللہ کا نسخ چند وجوہ پر آیا ہے (۱) ایک تو یہ کہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا جیسے آیت رجم کہ تلاوت تو اسکی منسوخ ہو گئی اور حکم اس کا باقی ہے

فائدہ دوم

(۲) اور ایک یہ کہ حکم منسوخ ہو جائے اور تلاوت باقی رہے جیسے اقارب کے لیے وصیت کرنے کی آیت میراث سے اسکا حکم منسوخ ہو گیا اور تلاوت علیٰ حالہا باقی ہے اور مثلاً وہ آیت جس میں ایک سال کی عدت وفات کا حکم مذکور ہے تلاوت اور قرارت اسکی باقی ہے مگر ایک سال کی عدت کا حکم چار مہینے اور دس روز کی آیت سے منسوخ ہو گیا (۳) اور ایک صورت یہ ہے کہ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ احزاب بقدر سورہ بقرہ طویل تھی مگر اسکے اکثر حصہ کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے۔

نسخ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ حکم منسوخ کی جگہ دوسرا حکم نازل کیا جائے جیسے ایک

فائدہ سوم

سال کی عدت منسوخ کر کے چار مہینہ اور دس دن کا حکم نازل کر دیا گیا۔ دوسری قسم یہ کہ پہلا حکم اٹھا لیا جائے اور کوئی جدید حکم اس کی جگہ نہ اتارا جائے جیسے ابتداء میں مہاجر عورتوں کے امتحان کا حکم تھا بعد میں اٹھا لیا گیا۔

نسخ احکام یعنی اوامر اور نواہی میں جاری ہوتا ہے، اخباری یعنی جو چیزیں خبر

فائدہ چہارم

سے متعلق ہیں ان میں نسخ جاری نہیں ہوتا ہے اور اوامر و نواہی میں باقتضاً مصلحت تغیر و تبدل عقلائے عالم کے نزدیک مسلم ہے۔ بلکہ مصلحت کے بدلنے سے حکم کو نہ بدلنا عقلاً قبیح ہے۔

فائدہ پنجم | نسخ کا منسوخ سے بہتر یا برابر ہونا باعتبار سہولت عمل یا باعتبار کثرت ثواب مراد ہے۔ نظم اور اعجاز کے اعتبار سے نسخ اور منسوخ کا برابر ہونا ضروری نہیں لہذا کتاب اللہ کا حدیث سے منسوخ ہونا۔ نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا (یعنی ہم اس سے بہتر حکم نازل فرماتے ہیں) کے منافی نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ

کیا تم مسلمان یہی چاہتے ہو کہ سوال شروع کرو اپنے رسول سے جیسے سوال ہو چکے

مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِدْ لِّلْكَفْرِ يَافِئِمَانٍ

موسیٰ سے پہلے اور جو کوئی انکار کیوں سے بدلے یقین کے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۸

وہ بھولا سیدھی راہ سے

شعاعت بست و پنجم (۲۵)

قال تعالیٰ۔ أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ... إِلَى... سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝
اے مسلمانو! کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کیے گئے اسی طرح تم اپنے رسول سے سوالات کرو۔ بنی اسرائیل کی طرح احکام خداوندی میں قیل و قال کرو اور جنتیں نکالو! جیسے بقرہ کے قصہ میں گزرا۔ مثلاً یہ سوال کرو کہ پہلا ہی حکم برقرار رکھا جائے یا ہم اس حکم سے خوش نہیں، اور جو شخص بجائے ایمان کے کفر کو اختیار کرے وہ سیدھے راستہ سے بہک گیا۔ منزل مقصود کو کیسے پہنچ سکے گا مطلب یہ ہے کہ احکام خداوندی میں جنتیں نکالنا اور اللہ کے نبی سے الجھنا اور لایعنی سوالات کرنا یا اللہ کے کسی حکم کو غیر مناسب سمجھنا یہ سب کفر کی بات ہے تمہارا فریضہ تو یہ ہے۔ ۷

زباں تازہ کردن باقرار تو

نینگیختن علت اذکار تو

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ

دل چاہتا ہے بہت کتاب والوں کا کسی طرح تم کو پھیر کر

بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ

مسلمان ہوتے پیچھے کافر کر دیں حسد کر کے اپنے اندر سے

مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا

بعد اس کے کہ کھل چکا ان پر حق سو تم درگزر کرو اور خیال

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم اللہ ہر چیز پر قادر ہے

قَدِيرٌ ۝۱۰۹ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَوَمَا

اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو

تُقَدِّمُوا لَا نَفْسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ

آگے بھیجو گے اپنے واسطے بھلائی وہ پاؤ گے اللہ کے پاس

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۰

اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے

شاعت بستی و ششم (۲۶)

قال تعالى: وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ... إلخ... إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
اے مسلمانو! یہ یہود قرآن اور دین میں طرح طرح کے شبہ نکالتے ہیں کبھی نسخ احکام پر اعتراض
کرتے ہیں اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر اہل کتاب کی دلی خواہش اور تمنا یہ ہے کہ کسی طرح تم کو ایمان سے
پھیر کر کافر بنادیں کہ اہل کتاب کی طرح تم بھی جدید حکم کا انکار کرو اور اپنے نبی پر یہ اعتراض کرو کہ

کہ تم نے پہلے تو یہ حکم دیا تھا اور اب یہ دوسرا حکم اسکے خلاف کیسا؟ اور اس غرض فاسد کا کوئی محرک اور باعث تمہاری جانب سے وقوع میں نہیں آیا بلاوجہ محض حسد کی بنا پر کہ جو خود اُن کے ناپاک اور گندے نفسوں سے پیدا ہوا ہے اور پھر تعجب یہ ہے کہ اُنکی یہ کوشش اور یہ حسد کسی شک اور شبہ کی بنا پر نہیں بلکہ بعد اس کے ہے کہ حق ان کو خوب واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین اور اُن کی کتاب اور ان کا رسول سب سچے ہیں۔ نیز انکو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہر شریعت میں علی اختلاف المصالح احکام بدلتے رہتے ہیں۔ بقرہ ہی کے قصہ میں دیکھ لو کہ کتنی مرتبہ نسخ ہوا۔ تم اُن کی باتوں کا خیال مت کرو۔ یہ حسد میں مبتلا ہیں خدا کا شکر کرو کہ تم حاسد نہیں محسود ہو۔ پس تم ان حاسدوں سے معاف کرو اور درگزر کرو۔ یعنی زبان سے بھی انکو کچھ بُرا بھلا نہ کہو اور فی الحال اُن سے کوئی جنگ و جدال اور قتل و قتال نہ کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ جہاد و قتال اور جزیہ کا حکم نازل فرمائے اور جہاد و قتال کے حکم میں تاخیر عاجز ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ فی الحال بھی قادر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے لیکن اس تاخیر میں کچھ حکمتیں ہیں وہ قادر تو ناجب چاہے گا ضعیف کو قوی پر غالب کر دیگا اور اگر تم کو اپنے ان دشمنانِ ایمان سے جہاد کا شوق ہے تو جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے جہاد بنفس میں مشغول رہو اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کو دیتے رہو۔ یہ عبادت مالی اور بدنی نفس پر بہت شاق اور گراں ہے۔ بس اس جانی و مالی جہاد میں لگے رہو۔ اور نماز اور زکوٰۃ کے علاوہ جو نیکی اور بھلائی بھی تم آگے بھیجو گے تمام جمع شدہ ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پاؤ گے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمہارا کوئی عمل ضائع ہو جائے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہے۔ اس عمل کی کمیت اور کیفیت اور تمہارا اخلاص اور شوق اور نیت سب اُس کے نظروں کے سامنے ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ

وہ کہتے ہیں ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہونگے یہود یا

نَصْرِي طِلْكَ أَمَانِيَهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ

نصاری یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے تو کہہ لے آؤ سند اپنی اگر تم

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ

سچے ہو کیوں نہیں جس نے تابع کیا منہ اپنا اللہ

وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ

کے اور وہ نیکی پر ہے اسی کو ہے مزدوری اسکی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

ان پر اور نہ ان کو غم

شاعت بست و ہفتم (۲۷۱) باشتر اک نصاریٰ

قال تعالى - وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ... الى... وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔
اے مسلمانو! یہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ تم کو دھوکہ دینے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ جنت میں
سوائے یہود اور نصاریٰ کے ہرگز کوئی داخل نہ ہو گا تم کو فریب دیکر اور بہشت کا شوق دلا کر اپنی طرف
کھینچنا چاہتے ہیں تم ہرگز ان کی طرف مائل نہ ہونا۔ اور نہ انکی بات کی طرف التفات کرنا۔ یہ سب ان کی خالی
آرزوئیں اور دل کے بہلانے کی باتیں ہیں جن پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے
کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا تو اپنی کوئی دلیل پیش کرو
بغیر دلیل کے کوئی دعویٰ مسموغ نہیں البتہ جو امر دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے اور تمام اہل
حق کے نزدیک مسلم ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے وجہ یعنی اپنی ذات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر
دے اور اس کے حکموں کے سامنے گردن ڈال دے کہ اللہ کا جو حکم بھی جس وقت پہنچے اس کو سنے
اور سراور آنکھوں پر رکھے اور بیچون و چرا اس کو مانے اور اس اطاعت اور فرمانبرداری میں مخلص اور نیکو کار
ہو یعنی جب اللہ کی عبادت کرے تو اس طرح کرے گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو ایسے
شخص کو اللہ کے یہاں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اجر ملے گا اور نہ ان پر آئندہ کچھ خوف ہو گا اور
نہ گزشتہ پر غمگین ہونگے۔ حاصل کلام یہ کہ جنت میں وہ شخص داخل ہو گا جس میں یہ دو صفیں پائی جائیں اول
اسلام لوجہ اللہ اور دوسری احسان۔ اسلام سے تصحیح عقائد مراد ہے اور احسان سے اعمال حسنہ اور ان
لوگوں میں یہ دونوں صفیں مفقود ہیں۔ پیغمبر وقت پر ایمان نہیں لائے اور جو احکام پہلے حکموں کے نسخ کے
لیے نازل ہوئے انکو قبول نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ ناسخ آجانے کے بعد حکم مفسوخ پر عمل کرنے والا مطیع اور
فرمانبردار نہیں ہو سکتا اور نہ احسان عمل اُن کو نصیب ہوا۔ اللہ کی شریعت میں تحریف کی اور اللہ پر جھوٹ
بولا۔ ایسی حالت میں دخول جنت کی توقع خیال خام ہے البتہ مسلمانوں نے اللہ کی آخری شریعت کو اخلاص کے
ساتھ قبول کیا وہ جنت کے مستحق ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ جو خاصانِ خدا کے انتساب
ہی کو مدارِ نجات سمجھے ہوئے ہیں وہ آگاہ ہو جائیں کہ محض یہ تمنائیں ذریعہ نجات نہیں ہو سکتیں۔ ایمان

اور اعمال صالحہ شرط نجات اور مغفرت ہیں۔ اور یہ دونوں ان میں مفقود ہیں۔



وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْهُ

اور یہود نے کہا نصاریٰ نہیں کچھ راہ پر اور

قَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْهُمْ

نصاریٰ نے کہا یہود نہیں کچھ راہ پر اور وہ

يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

سب پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جن پاس علم نہیں

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

انہیں کی سی بات۔ اب اللہ حکم کرے گا ان میں دن قیامت کے

فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

جس بات میں جھگڑتے تھے

شاعتِ بستی و شتم (۲۸)

باشتر اک نصاریٰ و مشرکین

قل تعالیٰ۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ... إلخ... فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ۔
ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجران کے نصاریٰ آئے۔ علماء یہود بھی ان کو سن کر آگئے دونوں فریق کی آپس میں بحث شروع ہو گئی۔ جوش میں آکر ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جوش میں آکر یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ کسی صحیح اور قابل اعتبار چیز پر نہیں۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ ہرے ہرے کسی بنیاد پر قائم نہیں اور اسی طرح نصاریٰ یہ کہنے لگے کہ یہود کسی چیز پر نہیں

یعنی انکا دین صحیح اور بے بنیاد ہے اور حالانکہ دونوں فریق اللہ کی کتاب پڑھتے رہتے ہیں یعنی یہودی توریت کو اور عیسائی انجیل کو پڑھتے رہتے ہیں اور ہر کتاب میں دوسری کتاب اور اس کے رسولؑ کی تصدیق موجود ہے۔ توریت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی تصدیق کرتی ہے اور انجیل موسیٰ علیہ السلام اور توریت کی تصدیق کرتی ہے۔ اصل بنیاد دونوں کی صحیح ہے اگرچہ بعد میں نسخ اور تحریف کی وجہ سے غیر معتبر ہو گئے اور اسی طرح ان جیسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ جن کے پاس علم نہیں یعنی مشرکین اور مجوس یہی کہتے کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارے سوا سب بے دین اور گمراہ ہیں۔ پس یہ دنیا ہے یہاں جس کا جی چاہے بے دلیل ہانک لے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان ان تمام امور کا عملی طور پر فیصلہ فرمادیں گے جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ یہودیت اور نصرانیت اپنے اپنے وقت میں صحیح تھیں۔ خاتم الانبیاء کے دین اور کتاب سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے اور اب قیامت تک سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین مقبول اور معتبر نہیں اور عملی فیصلہ سے مراد یہ ہے کہ اہل حق اور اہل باطل کے لیے جزا اور سزا کا حکم سنا دیا جائیگا جس سے حق اور باطل کے امتیاز کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائیگا اور ہر شخص دیکھ لے گا کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہ۔ اور فیصلہ میں عملی کی قید اس لیے لگائی کہ علمی طور پر تو دنیا ہی میں دلائل اور براہین سے حق اور باطل کا فیصلہ ہو چکا ہے اگر طبائع میں تعصب اور عناد نہ ہوتا تو دنیا ہی میں نزاع اور اختلاف ختم ہو جاتا لیکن دنیا میں عملی طور پر حق اور باطل کے اختلاف کا فیصلہ کر دینا خلاف حکمت ہے۔ دنیا دار تکلیف اور دار ابتلا و امتحان ہے۔ عملی فیصلہ یوم جزا ہی میں مناسب ہے۔

فَاٰ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ میں قول کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے اور **مِثْلَ قَوْلِهِمْ** میں مقولہ کیساتھ تشبیہ دینا ہی مقصود ہے لہذا تشبیہ میں تکرار نہیں رہا۔ نیز تاکید کے لیے تکرار عین بلاغت ہے **فَاَفْهَمُوْا ذٰلِكَ وَاسْتَقْمُوا**۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا

اور اس سے ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی مسجد میں کہ پڑھیے وہاں

اِسْمُهُ وَاسْعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ

نام اس کا اور دوڑا ان کے اجاڑنے کو ایسوں کو نہیں پہنچتا

اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خٰٓفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

کہ پیٹھیں ان میں مگر ڈرتے ہوئے ان کو دنیا میں ذلت

خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلِلَّهِ

ہے اور ان کو آخرت میں بڑی مار ہے اور اللہ ہی

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ط

کی ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ

إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

برحق اللہ گنجائش والا ہے خبر رکھتا۔

شاعت بست و نیم (۲۹) باشراک نصاریٰ و مشرکین

قال تعالى وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ هَمَّ مَسْجِدَ اللَّهِ... إلخ... إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔
یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب ہی اس امر کے مدعی ہیں کہ ہم حق پر ہیں لیکن اگر ذرا غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ حق سے کس قدر دور ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اس بات سے روکتا ہے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے خواہ دل سے اور خواہ زبان سے اور خواہ اعضاء اور جوارح سے اور فقط اس پر کفایت نہ کرے بلکہ اُن کے ویران اور برباد کرنے کی کوشش کرے مساجد کی بچھرتی کرنا اور اُن کو منہدم کرنا یہ مساجد کی ظاہری تخریب ہے اور عبادت اور ذکر اللہ کی بندش کر دینا یہ مساجد کی معنوی تخریب اور باطنی ویرانی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
اللَّهِ کی مساجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور نماز قائم کی۔

میں عمارت سے ظاہری اور معنوی دونوں قسم کی عمارت مراد ہے اسی طرح وَسَعَىٰ فِيْ خَرَابِہَا میں ظاہری اور معنوی دونوں قسم کی تخریب مراد ہے۔ بغرض یہ کہ مساجد کو ویران کرنا سب کے نزدیک نہایت قبیح اور فعل شنیع ہے اور یہ تینوں گروہ اس بلا میں مبتلا ہیں۔ یہود اور نصاریٰ نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو ویران کیا اور مشرکین مکہ نے مسجد حرام کو ویران کیا اور اس میں خدا

کا نام لینے سے مانع اور مزاحم بنے۔ ان ظالموں کو چاہیے تھا کہ مسجدوں میں اور خدا کے گھروں میں قدم بھی نہ رکھتے مگر ڈرتے ہوئے کہ مبادا خدا کے گھر کے ادب اور تعظیم میں ہم سے کوئی قصور نہ ہو جائے جس سے خدا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ اس گھر کا ادب یہی ہے کہ اس کو اللہ کے ذکر اور عبادت سے آباد کیا جائے۔ خدا کے دربار میں داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے ہی دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیے۔ افسوس کہ یہ لوگ نہ خدا سے ڈرے اور نہ اس کے گھر کا ادب کیا بلکہ ظلم ڈھانے لگے اور اللہ کے بندوں کو اسکے دربار میں حاضری سے روکنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ دربار شاہی کو ویران کرنے کی کوشش کرنا اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اس لیے یہ لوگ دونوں جہان میں سزا یاب ہونگے۔ ان کو دنیا میں بھی سخت رسوائی نصیب ہوگی کہ قتل اور قید کیے جائیں گے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا اور اے مسلمانو! اگر کافر تم کو مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ میں جانے سے روکیں تو ملول نہ ہونا۔ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو تمہارے لیے مسجد بنا دیا ہے ہر جگہ تمہارے لیے نماز اور عبادت درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی جسم اور جسمانی نہیں کہ جو کسی خاص مکان میں موجود ہو اور دوسرے مکان میں نہ ہو وہ تو درار الوراہ شمس و درار الوراہ ہے البتہ تم زمان اور مکان اور جہت کے ساتھ مقید ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہاری عبادت کے لیے ایک جہت مقرر فرمادی اور ایک قبلہ متعین کر دیا لیکن اگر تم فرائض میں کسی دشمن کے خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکو۔ یا اندھیری رات میں قبلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے تم نے تخری کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں معلوم ہوا کہ نماز قبلہ رخ نہیں پڑھی گئی یا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنا چاہتے تھے اور سواری کا منہ قبلہ کی طرف نہ تھا اور سواری سے اترنے میں دشواری تھی تو ان حالات میں نماز پڑھتے وقت جدھر بھی اپنا منہ کر لو گے تو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے یعنی وہی جہت اور سمت قبلہ کی ہے اور تمہاری نماز ہر حال میں صحیح اور مقبول ہے اور ہر حال میں اللہ کا قرب اور حضور تم کو حاصل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانی نہیں کہ اگر ایک مکان میں موجود ہو تو دوسرے مکان میں موجود نہ ہو وہ کسی مکان اور جہت کے ساتھ مقید نہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ وسعت اور سہولت اس لیے عطا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی وسیع رحمت والے ہیں۔ امام ربانی فرماتے ہیں کہ **وَالسَّعْيُ** سے اللہ تعالیٰ کی ذاتی وسعت مراد ہے اس کی ذات کی طرح اس کی وسعت بھی بیچون و چگون ہے جس کی کیفیت جیٹھ ادراک سے باہر ہے اور بندہ کی حاجتوں اور مصلحتوں کے خوب جاننے والے ہیں۔ حسن بصری اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ حکم قبلہ متعین ہونے سے پہلے تھا ابتداء میں اختیار تھا کہ جس سمت میں چاہیں نماز پڑھیں بعد میں یہ حکم منسوخ ہوا مگر یہ قول ضعیف ہے اور روایات سے اس پر کوئی سند اور دلیل نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تحویل قبلہ کی تہید ہے اور یہود اور نصاریٰ کا رد ہے کہ جو ہر ایک اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرق اور مغرب

سب اسی کا ہے جس جہت اور جس سمت کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دے وہی جہت قبلہ ہے اور آیت کریمہ اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام صورتوں کو شامل ہے جو اسکے شان نزول میں مروی ہیں۔ ابو بکر رازیؒ نے احکام القرآن میں اسی عموم کو اختیار فرمایا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ط بَلْ لَّهُ مَا

اور کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد وہ سب سے پاک ہے بلکہ اسکا مال ہے جو

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط كُلُّ لَّهُ قِنْدُونٌ ۝۱۱۶ بَدِيعُ

کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں سب اسکے آگے ادب سے ہیں نیا نکالنے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا

والا آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے ایک کام کو تو یہی

يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝۱۱۷

کہتا ہے اس کو ہو وہ ہوتا ہے

شاعت سی^(۳) ام ایضاً باشتراک نصارے و مشرکین

قال تعالى وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ... الى ... كُنْ فَيَكُونُ. اللہ کی مسجدوں کو ویران کرنا بلاشبہ ظلم ہے مگر یہ ظالم اس سے بڑھ کر شرک کے ظلم عظیم میں مبتلا ہیں اور وہ ظلم عظیم یہ ہے کہ یہ ظالم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ حضرت عزیٰ خدا کے بیٹے تھے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا احمقانہ اور گستاخانہ کلمہ ہے سب کو معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ توالد اور تناسل سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا عقلاً ناممکن ہے اس لیے کہ بیٹا باپ کے مماثل اور مشابہ اور ہم جنس ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ

بے مثل اور بیچون و چگون ہے ورنہ اگر بیٹا باپ کے ہم جنس نہ ہو تو پھر وہ بیٹا اس باپ کا فرزند نہ ہوگا نیز بیٹے کا باپ کے ہم جنس نہ ہونا ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ نیز باپ اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور اولاد سے پہلے بیوی کا محتاج ہوتا ہے کہ اولاد بغیر زوجہ کے ممکن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ صمد یعنی بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں۔ نیز ولادت کے لیے تغیر اور تبدل اور تجزی اور انقسام لازمی ہے اور یہ خاصہ ممکن اور حادث کا ہے۔ قدیم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا نیز اگر بالفرض خدا تعالیٰ کے لیے فرزند ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ فرزند بھی خدا اور واجب لذاتہ ہوگا یا نہیں اگر وہ فرزند خدا ہو تو لامحالہ مستقل ہوگا اور باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا اس لیے کہ خدائی کے لیے بے نیازی لازم ہے حالانکہ بیٹے کا باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہونا عقلاً محال ہے بیٹے کا وجود ہی باپ سے ہوا ہے اور جب بیٹا خدا ہونے کی وجہ سے باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو پھر اسکو باپ سے کوئی تعلق بھی نہ ہوگا اور بیٹے کا باپ سے بے تعلق ہونا ناممکن ہے اس لیے کہ فرع کا اصل سے بے تعلق ہونا عقلاً محال ہے۔ علاوہ ازیں جب بیٹا باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو باپ خدا نہ رہے گا اس لیے کہ خدا سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا وہ خدا ہی کیا ہوا جس سے کوئی مستغنی اور بے نیاز ہو سکے اور اگر یہ کہو کہ وہ بیٹا خدا اور واجب الوجود نہیں تو لامحالہ وہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہوگا اور اسکا عجد اور مملوک ہوگا لہذا فرزند کا عجد اور مملوک ہونا لازم آئیگا اور بیٹا عجد اور مملوک نہیں ہوتا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے۔ بَلَدٌ لَّكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اسکے لیے کوئی اولاد نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں خاص اسی کی مملوک ہیں اور ملکیت اور ابنیت جمع نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ مملوک اور مخلوق مالک اور خالق کے ہم جنس نہیں اور فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اسی وجہ سے شریعت میں یہ مسئلہ ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے یا کسی قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے اس لیے کہ فرزندیت اور عبدیت میں تباہی کلی اور منافات تامہ ہے پس جبکہ بندوں میں فرزندیت اور عبدیت جمع نہیں ہو سکتی تو بارگاہ الوہیت میں یہ دونوں چیزیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں اور علاوہ مملوک ہونے کے آسمان و زمین کے رہنے والے تمام کے تمام جن میں فرشتے اور حضرت عذیر اور حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ بعضے برضا اور عبت جیسے فرشتے اور انبیاء کرام اور مؤمنین صالحین اور بعضے جبراً و قہراً جیسے شیاطین اور کفار و فجار۔ یہ کسی کی مجال نہیں کہ اسکے ارادہ اور مشیت کو ٹال سکے اور اسکے حکم سے سرتابی کر سکے۔ اور کافر و فاجر جو ظاہراً اس کی معصیت کرتے ہیں وہ تکوینی اور باطنی طور پر اللہ ہی کے ارادہ اور مشیت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے انکو معصیت کرنے کی قدرت دی ہے ورنہ اگر وہ قدرت نہ دیتا تو کوئی معصیت نہ کر سکتا۔ غرض یہ کہ تمام موجودات اسی کے قبضہ تصرف میں ہیں جس کو چاہے مارے اور جسکو چاہے چلائے کوئی اسکے تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا اور جس کی یہ شان ہو اس کا کوئی ہم جنس اور مماثل نہیں ہو سکتا۔ اور بیٹے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ باپ کے ہم جنس ہو۔ اور عجیب

نہیں کہ کُلُّ لَدُ قَانَتْوَنَ سے الزام مقصود ہو کہ جن کو تم خدا کا بیٹا اور اولاد کہتے ہو وہ سب اللہ کی عبودیت کے معترف اور مقرر ہیں اور ہر وقت اسی کی تسبیح و تنزیہ میں لگے رہتے ہیں۔ پھر تم اُن کو خدا کی اولاد کس طرح بتلاتے ہو۔ نیز ولادت کے لیے مادہ اور مدت اور آلات اور اسباب کی ضرورت ہے اور خدا کی شان یہ ہے کہ وہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی بغیر مادہ کے آسمان اور زمین کا موجد ہے۔ محض اپنی قدرت سے تمام کائنات کو پردہ عدم سے نکال کر مسند وجود پر لا بٹھلایا ہے۔ پس اگر حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دے تو اسکے لیے مشکل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ایجاد میں کسی مادہ اور مدت اور کسی آلہ اور سبب کا محتاج نہیں اس لیے کہ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کُن کا حکم دیتا ہے یعنی موجود ہو جا! پس وہ شئی فوراً موجود ہو جاتی ہے اور فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ سب اسی طریقہ سے پیدا ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے پیدا ہونے کا نام کسی کے نزدیک ولادت نہیں پھر کیوں انکو خدا کی اولاد بتاتے ہو۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام میں یہ قدرت نہ تھی کہ وہ کلمہ کُن سے کسی کو پیدا کر سکیں اور بقول نصاریٰ وہ تو اپنی جان بھی یہود کے ہاتھ سے نہ بچا سکے اور نہ دشمنوں پر غلبہ پاسکے تو پھر وہ خدا کیسے ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے اول حق تعالیٰ نے سُبْحَانَہٗ فرما کر اولاد سے اپنا پاک ہونا بیان فرمایا اور بعد ازاں چند وجوہ سے انکار دفرمایا اول یہ کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب اسکی ملک ہے اور اولاد ملک نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ تمام کائنات اسکی تابعدار اور اسکے ارادہ اور مشیت کے مسخر ہے کائنات کے ہر ذرہ سے حدوث اور احتیاج کے آثار اور علامات نمایاں ہیں جو سراسر وجوب ذاتی کے منافی ہیں اور حادث اور ممکن واجب ذاتی کا بیٹا نہیں ہو سکتا لہذا کائنات میں سے کوئی شے بھی خدا کی اولاد نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اولاد اگرچہ باپ کے برابر نہ ہو لیکن ہم جنس ضرور ہوتی ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ وجوب ذاتی میں باری تعالیٰ کا شریک اور شیم نہیں۔

اور اگرچہ ہو تو جملہ کُلُّ لَدُ قَانَتْوَنَ کو جملہ لَدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا تتمہ اور تکملہ بنا دو تو اب دونوں جملے مل کر ایک ہی دلیل بنیں گے علیحدہ علیحدہ دلیل نہ بنیں گے تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یعنی اللہ تعالیٰ بغیر مادہ کے آسمان و زمین پیدا کرنے والے ہیں اور ولادت کے لیے مادہ اور مدت درکار ہے پھر تمہیں یہ کہ حق تعالیٰ کی ایجاد کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو کُن فرما دیتے ہیں وہ اسی وقت موجود ہو جاتی ہے اور اس کا نام ولادت نہیں یا یوں کہو کہ یہ تمام صفات کمال، خداوند ذوالجلال کے ساتھ مختص ہیں کسی فرشتہ اور نبی میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں۔ خدا کے سوا نہ کوئی آسمان اور زمین کے ذرہ کا مالک ہے اور نہ ایک پتھر کے پر کی ایجاد اور تخلیق پر قادر ہے پھر کس طرح خدا کے فرزند ہوئے۔ پانچویں یہ کہ بیٹا ہمیشہ باپ کا جز ہوتا ہے اور جز

کسی مرکب کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے۔

نصاری جب ان دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے جواب سے لاجواب ہوتے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری مراد بیٹے سے حقیقی معنی نہیں بلکہ معنی مجازی مراد ہیں جیسے پیار اور

فائدہ

محبت میں کسی کو بیٹا بول دیتے ہیں تو اس سے معنی حقیقی مراد نہیں ہوتے بلکہ محبوب اور برگزیدہ کے معنی مراد ہوتے ہیں اس معنی کہ ہم حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

اگر ابن اللہ سے خدا کے محبوب اور برگزیدہ کے معنی مراد ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے سوائے ہی انبیاء خدا کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہیں۔ ابن اللہ کا اطلاق

جواب

محبوب اور برگزیدہ کے معنی میں اگرچہ کفر اور شرک نہیں لیکن کفر اور شرک کا ایہام اس میں ضرور ہے جیسے غیر اللہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم و تحیت کفر نہیں بلکہ حرام ہے۔ اسی طرح شریعت محمدیہ میں سجدہ تحیت و تعظیم کی طرح اس لفظ کے اطلاق ہی کو ممنوع قرار دیا۔ بارگاہ خداوندی کے آداب کے خلاف ہے کہ زبان سے کوئی لفظ ایسا نکالا جائے جس میں خدا تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف کا ایہام بھی ہو پادری صاحبان جب بالکل ہی لاچار ہو جاتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ مسئلہ سترالی اور مرزا خداوندی ہے ہم اس کے سمجھانے سے قاصر ہیں۔ لیکن اب اس صریح خلاف عقل عقیدہ کے ماننے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ سوائے ان پادریوں کے جن کو مشن سے تنخواہ ملتی ہے وہ حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا بتلاتے ہیں۔ باقی یورپ اور ایشیا کے اکثر عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بندہ اور رسول سمجھنے لگے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ قرآن کریم کی سادگی تیرہ سو برس کی مسلسل پکار کے بعد بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی سمجھ میں آیا کہ انبیت تشریفات کا عقیدہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

اور بعض سنجیدہ عیسائی جنہوں نے صوفیہ کرام کی کتابوں کا کچھ مطالعہ کیا ہے وہ اپنے اس عقیدہ انبیت کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی صفات صفات

عذر لنگ

خداوندی کا عکس اور پرتو تھیں اور چونکہ اس قسم کا انعکاس سوائے حضرت مسیح کے کسی مخلوق میں نہیں ظاہر ہوا اور اس بارہ میں حضرت مسیح کا مرتبہ تمام مخلوق سے بالا اور برتر تھا اس لیے انکو خدا تعالیٰ سے ایسی نسبت ہے جو اور کسی مخلوق کو حاصل نہیں اسی نسبت کو ہم ابوت اور بنوت سے تعبیر کرتے ہیں اور مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔

یہ محض ایک اصطلاحی تاویل ہے جس کے تسلیم کر لینے کے بعد عیسائیوں کے پاس مسیح کی بالخصوص ابن اللہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں رہتی حتیٰ تعالیٰ نے اپنے بہت سے

جواب

برگزیدہ بندوں کو اپنے جلال و جمال کا مظہر بنایا اور ان پر اپنی صفات کمال کا خاص عکس اور پرتو ڈالا جو اور کسی مخلوق پر نہیں ڈالا تو کیا ان حضرات کو بھی ابن اللہ کہنا جائز ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی ذات بابرکات بھی صفات خداوندی کا خاص مظہر اور آئینہ تھی

اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تو تمام اولین اور آخرین کے کمالات کی جامع تھی۔

نصاری کی اگر یہ تاویل صحیح ہو تو کوکب پرست بھی یہی تاویل کر سکتے ہیں کہ ہم چاند اور سورج وغیرہ کو کامل ترین مخلوق الہی یا مظہر جلال خداوندی سمجھ کر انکی پرستش کرتے ہیں۔ صابین چاند اور سورج کو خدا تعالیٰ کا مظہر اتم سمجھے اور نصاریٰ مسیح بن مریم کو اور دونوں گمراہی میں مبتلا ہوتے۔

شبہ بادی النظر میں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز عدم محض ہو تو پھر اس کو وجود کا حکم کیونکر دیا جاسکتا ہے کیونکہ حکم تو موجود کو دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ موجود کو وجود کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہ امر کن۔ امر تکلیفی نہیں جسکے لیے وجود مخاطب اور فہم خطاب ضروری ہو بلکہ یہ امر تسخیری اور تکوینی ہے جس سے معدوم کو موجود کیا جاتا ہے۔ ذات انسانی میں اصل فاعل مختار اسکا اندرونی نفس ناطقہ ہے اور اعضاء اور جوارح اس کے حکم پر حرکت کرتے ہیں۔ نفس ناطقہ جب زبان کو بولنے کا حکم دیتا ہے تو زبان سے وہ کلمات ظہور اور وجود میں آنے لگتے ہیں کہ پہلے سے جن کا وجود خارجی میں کہیں نام و نشان نہ تھا اور نفس ناطقہ قدم کو چلنے کا حکم دیتا ہے جس سے وہ حرکات ظہور میں آتی ہیں جو پہلے سے معدوم تھیں مگر نفس ناطقہ کے علم اور تصور میں تھیں۔

اسی طرح سمجھو کہ جو ممکنات خارج میں معدوم ہیں وہ سب علم الہی میں موجود ہیں جس معدوم کو حق تعالیٰ اپنے خزانہ علم سے نکال کر خارج میں موجود کرنا چاہتا ہے اس کو کن خطاب فرماتے ہیں اسی طرح وہ معدوم وجود علمی سے نکل کر وجود خارجی میں آجاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ہر شئی امر کا اس کے ہونے سے پہلے علم ہوتا ہے اس لیے وہ چیزیں جو ابھی عدم تھیں وجود میں نہیں آتی ہیں وہ سب اس کے علم میں موجود ہیں اور اس کے نزدیک موجود کا حکم رکھتی ہیں اس لیے جب وہ انکو عدم سے وجود کی طرف نکلنے کا حکم دیتا ہے اور کن کہتا ہے تو موجود ہو جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس معدوم کی صورت علم الہی میں پہلے سے موجود ہوتی ہے وہ کن کا مخاطب اور محکوم ہوتی ہے متکلمین کے دو گروہ ہیں ایک اشاعرہ اور ایک ماتریدیہ۔ ماتریدیہ کے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہر اور حقیقت پر ہے اور اشاعرہ کے نزدیک یہ آیت مجاز اور تمثیل پر محمول ہے قاضی بیضاوی نے اسی کو اختیار فرمایا کہ آیت میں حقیقت کسی شے کو کن کا خطاب کرنا مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو حقیقت امر فرمایا ہو اور اس نے امثال کیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت کی یہ ایک مثال دی ہے کہ جس طرح کوئی امر کسی مامور کو حکم دے وہ فوراً مطیع ہو جائے۔ اسی طرح جب ہم کسی شے کو پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ فوری طوراً موجود ہو جاتی ہے۔ ہمارے ارادہ اور پیدائش میں ذرہ برابر فاصلہ نہیں ہوتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ

اور کہنے لگے جن کو علم نہیں کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا

تَأْتِينَا آيَةً ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ہم کو آدے کوئی آیت اسی طرح کہہ چکے ہیں ان سے اگلے

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۚ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ

انہی کی سی بات ایک سے ہیں دل بھی ان کے ہم نے بیان کر دیں نشانیاں

لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

واسطے ان لوگوں کے جنکو یقین ہے

شاعت سی^(۳۱) و حکم ایضاً باشترک نصاریٰ و مشرکین

قال تعالى. وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ... الى ... لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ .
گزشتہ آیات میں اُنکی توحید کا حال بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں نبوت کے بارہ میں ان کے شبہ کو بیان فرماتے ہیں اور یہ نادان یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بلا واسطہ کلام کیوں نہیں فرماتا کہ یہ خود بالمشافہ ہم سے کہہ دے کہ یہ ہمارے نبی اور رسول ہیں تو ہم ان کی رسالت کے قائل ہو جائیں اور ان کی اطاعت کرنے لگیں یا اگر ہم سے کلام نہیں کرتے تو کم از کم من جانب اللہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی آجائے کہ جسے دیکھ کر ہم کو بدراہتہ آپکی نبوت کا یقین آجائے حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ کوئی نیا جاہلانہ سوال نہیں جو جاہل ان سے پہلے گزرے وہ بھی ایسی باتیں کہتے رہے ہیں اور یہی اُن کے جاہل اور نادان ہونے کی دلیل ہے کہ باوجود اپنے کمال نالافتی کے اپنے کو خدا تعالیٰ کی ہم کلامی کا اہل سمجھتے ہیں۔ تم تو دنیاوی بادشاہوں اور امیروں کی ہم کلامی کا بھی رتبہ نہیں رکھتے اگر ہر شخص خدا کی ہم کلامی کا رتبہ رکھتا تو پھر انبیاء اور مرسلین کے بھیجنے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا دنیا میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں وزیر کے حکم کو نہیں مانوں گا جب تک کہ بادشاہ خود بالمشافہ مجھ سے آکر یہ نہ کہہ دے کہ یہ میرا وزیر ہے تم اس

کی اطاعت کرنا اور چونکہ ان کی یہ بات بالکل مہمل تھی اس لیے حق تعالیٰ نے اسکا کوئی جواب نہیں ارشاد فرمایا۔
ع پس جواب احمق آدمی سکوت

بلکہ اس جاہلانہ سوال کے منشاء کو بیان فرمایا وہ یہ کہ ان اگلے اور پچھلے کافروں کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اس لیے ان پچھلے نادانوں کے شبہات پہلے نادانوں کے شبہات کے مشابہ ہیں۔ یعنی اس زمانہ کے کافر اگرچہ پہلے زمانہ کے کافروں سے بہت بعد ہیں اور آپس میں کوئی سلسلہ وصیت بھی نہیں مگر قلوب سب کے ہمرنگ ہیں اسی وجہ سے شبہات میں بھی تشابہ اور ہم رنگی ہے اور آیات اور معجزات کے انکار میں ایک دوسرے کے قدم قدم ہیں اور من مانے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم آؤ تَائِيْنَا اَيْتَہ کہہ کر ایک نشانی مانگتے ہو۔ ایک نشانی نہیں تحقیق ہم آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کے لیے صدمہ ہاں بلکہ ہزار واضح اور روشن نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں مثلاً شجر اور حجر کا آپکو سلام کرنا اور جانور و دل کا آپ کی نبوت کی شہادت دینا وغیرہ مگر افسوس ان نادانوں کو ان روشن اور واضح معجزات سے کوئی نفع نہ ہوا۔ یہ آیات بنیات ان لوگوں کے لیے نافع ہیں جو یقین اور اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ضدی اور معاند نہیں۔

فائدہ تشبیہ اور تشابہ میں فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ مختلف المراتب ہوتے ہیں اور تشابہ میں دونوں متشابہ مساوی اور برابر ہوتے ہیں اسی وجہ سے جہاں مساوات کا بیان مقصود ہوتا ہے وہاں بجائے تشبیہ کے تشابہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کما قال قائل ۷

رق الزجاج و رقت الحمى
فكانما خمر ولا قدح
وكانما قدح ولا خمر
اسی طرح یہاں تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ میں تشابہ کا لفظ اختیار فرمایا اس لیے کہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ اگلے اور پچھلے کافروں کے دل یکساں ہیں کوئی فرق نہیں۔

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَ نَذِيرًا ۝ وَلَا

ہم نے تجھ کو بھیجا ہے ٹھیک بات لیکر خوشی اور ڈر سنانے کو اور تجھ

تَسْأَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْمِ ۝ وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ

سے پوچھ نہیں دوڑخ والوں کی اور ہرگز راضی نہ ہونگے تجھ سے

اِلَیْہُودَ وَلَا النَّصْرَۃِ حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمْ ۚ قُلْ اِنْ

تو یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تابع نہ ہو تو انکے دین کا تو کہہ جو

هُدًى ۱ اللّٰهُ هُوَ الْهُدًى ط وَلَئِنْ أَتَّبَعْتَ

راہ اللہ دکھاوے وہی راہ ہے اور کبھی تو چلا ان کی

أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ

پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا

مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَرِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۲۰

تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنیوالا اور نہ مددگار جن کو ہم

أَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ط

نے دی ہے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے پڑھنے کا

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ

وہ اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے سو

هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝۱۲۱

انہیں کو نقصان ہے۔

خاتمہ کلام و اتمام حجت و الزام و تسلیہ سیدانام

علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ ۝۱۲۰ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۚ
(رابط) یہاں تک بنی اسرائیل کی قباحتوں اور شاعتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا شنائع بنی اسرائیل
کی تفصیل کی ابتداء کفران نعمت اور دنارت اور سختی سے فرمائی۔ کما قال تعالیٰ۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى كُنْ نَصِيْرًا
اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ
ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہ کریں گے۔

اور پھر درمیان میں اُن کی قسادت قلب کو ذکر فرمایا۔

پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد
پس وہ پتھر کی مانند ہیں یا اس سے بھی زیادہ
سخت۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ
ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدَّ
قَسْوَةً ط

اور اس قبائح اور شنائع کے سلسلہ کو ان کے کبر و نخوت پر ختم فرمایا کہ اس قدر مغرور اور متکبر ہیں کہ اپنے کو خداوند ذوالجلال کی ہمکلامی کا اہل سمجھتے ہیں اور احکم الحاکمین کے وزراء و نائبین یعنی انبیاء و مرسلین کے اتباع اور اطاعت کو اپنے لیے کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تکبر اور نخوت سے بڑھ کر کوئی مرض نہیں تکبر ہی تمام امراض کی جڑ ہے یہی مرض سب سے پہلے دنیا میں آیا اور یہی مرض ابلیس کی لعنت کا مسبب بنا۔ اب ان قبائح اور شنائع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ اے ہمارے نبی آپ مغموم اور رنجیدہ نہ ہوں اور اب اُنکے رشد و ہدایت کی طبع دل سے نکال دیجئے جتنکے دل پتھر سے زیادہ سخت ہوں اور کبر اور نخوت سے لبریز ہوں۔ اُن سے اسلام اور ایمان کی توقع نہ رکھیئے۔ حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کے اتنے واضح اور روشن دلائل ہم نے واضح کر دیئے ہیں کہ جس کے بعد طالب حق کے لیے کسی قسم کے شک اور تردد کی گنجائش نہیں اور علاوہ ازیں ہم نے آپ کو دین حق دیکر بھیجا ہے جو آپ کی نبوت کی مستقل اور روشن دلیل ہے اور ایسا ثابت اور پختہ ہے۔ کہ جو موجب طمانینہ و یقین ہے اور شکوک اور شبہات سے اس میں تزلزل کا امکان نہیں بالفرض اگر آپ سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا تو فقط آپ کا دین حق اور آپ کی شریعت حقہ ہی آپ کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی اور دافی تھی۔ نیز ہم نے آپ کو مخلوق کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو جنت کی بشارت سنائیں اور منکرین کو عذاب سے ڈرائیں اور پھر لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں اگر ایسے معجزات ظاہر کر دیئے جائیں کہ جن سے مجبور اور لاچار ہو کر ایمان لانا پڑے تو وہ ایمان بے سود ہے مکلف بنانے کا جو مقصد ہے وہ جبری ایمان کی صورت میں باقی نہیں رہتا اور اگر یہ بدنصیب اب بھی ایمان نہ لائیں اور آپ کی دعوت حقہ کو قبول نہ کریں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ نے اپنا فرض منصبی یعنی دعوت و تبلیغ ادا کر دیا۔ آپ سے ان جہنمیوں کے بارہ میں کوئی باز پرس نہ ہوگی از خود انہوں نے کفر اور جہنم کی راہ اختیار کی ہے۔ اگر آپ کا اختیار چلتا تو کبھی انکو جہنم کی راہ نہ چلنے دیتے اور ان لوگوں کا آپ کی پیروی اور اتباع سے اعراض اس لیے نہیں کہ آپ کے دلائل نبوت میں کسی قسم کا قصور ہے۔ بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ یہود اور نصاریٰ ہرگز آپ سے راضی اور خوش نہ ہونگے تا وقتیکہ آپ انکی منسوخت ملت کا اتباع اور پیروی نہ کریں وہ اس غرہ میں ہیں کہ ہم کتب الہیہ کے علوم کے حامل اور علمبردار ہیں۔ ہم کسی کایوں اتباع کریں۔ ہم توسیب کے متبوع اور سردار ہیں لہذا جو شخص اپنے آپ کو متبوع سمجھتا ہو وہ تابع بننے پر کب راضی ہو سکتا ہے۔ آپ اُن کے اس خیال خام کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تحقیق اللہ کی ہدایت ہر زمانہ میں وہی ہدایت ہے جو اُس

زمانہ کا نبی اور رسول لیکر آئے اور گزشتہ ہدایتیں اگرچہ اپنے اپنے وقت پر ہدایتیں تھیں مگر منسوخ ہو جانے کے بعد ہدیٰ نہیں رہتی بلکہ ہوائے نفس بن جاتی ہے اور نفسانی خواہشوں کا اتباع بھی ہدایت نہیں ہو سکتا۔ وہ تو صریح ضلالت ہے اور اگر بالفرض محال آپ ان ہوا پرستوں کی نفسانی خواہشوں کا اتباع کریں بعد اسکے کہ آپ کے پاس اس بات کا علم قطعی آچکا ہے کہ اب ہدایت اس میں منحصر ہے کہ جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا اور گزشتہ کی تمام ہدایتیں منسوخ ہو کر ہوائے نفس بن چکی ہیں۔ پس اگر آپ آخری حکم اور آخری ہدایت کو چھوڑ کر کسی پہلی ہدایت اور کسی پہلے حکم کا اتباع کریں تو اللہ کے مقابلہ میں کوئی آپکا حمایتی اور مددگار نہیں جو اللہ کے عذاب سے آپکو بچائے۔ حتیٰ کہ اگر آپ توریت اور انجیل پر عمل کریں تو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام بھی آپکی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ ان بیچاروں کا تو ذکر ہی کیا۔

یہ تہدیدی خطاب ظاہر حضور کو ہے لیکن سنا نا معاندین کو ہے۔ عناد کی بنا پر ان کو مخاطب بھی نہیں بنایا اور ان کے خطاب سے اعراض فرمایا۔

ف

یہاں تک ان اہل کتاب کا ذکر تھا کہ جو برائے نام اہل کتاب ہیں اور فی الحقیقت اپنی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے اور عناد اور تعصب کی وجہ سے حضور کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے آئندہ آیت میں ان اہل کتاب کی مدح ہے جنہوں نے دل و جان سے حق کا اتباع کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی توریت اور انجیل عطا کی اور انکی حالت یہ ہے کہ وہ اس کتاب کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جو اس کی تلاوت کا حق ہے یعنی نہ اس میں لفظی تحریف کرتے ہیں اور نہ معنوی تحریف اور نبی آخر الزمان کی جو بشارتیں ان کی کتاب میں ہیں ان کو چھپاتے نہیں ایسے ہی لوگ حقیقتہً اپنی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی کتاب کی ہدایت اور بشارت کے مطابق نبی آخر الزمان کی تصدیق کرتے ہیں اور جو لوگ نبی آخر الزمان پر ایمان نہیں لاتے وہ درحقیقت اپنی اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ اور جانتے ہیں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کی ضمیر بجائے کتاب کے ہدیٰ یا قرآن کی طرف راجع کی جائے یعنی جو لوگ توریت اور انجیل کی کما حقہ تلاوت کرتے ہیں وہی اس ہدایت کو قبول کرتے ہیں جو نبی آخر الزمان پر نازل ہوئی اور وہی اس آخری کتاب پر ایمان لاتے ہیں جس کی بشارت اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور فلاح دارین حاصل کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی کتاب کا انکار کرتے ہیں یعنی توریت اور انجیل میں تحریف کرتے ہیں اور حضور کے ظہور کی جو بشارتیں ان کی کتاب میں مذکور ہیں انکا انکار کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ خسارہ والے ہیں کہ اپنی کتاب پر جو ایمان رکھتے تھے وہ بھی ہاتھ سے گیا۔ اور جانتے ہیں کہ وَ مَنْ يَكْفُرْ بِهِ فِيْ مِلَّةِ يٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کی طرف راجع ہو یا حضور کی طرف راجع ہو یعنی جو لوگ حضور کی نبوت یا آپکی ہدایت یا آپکے قرآن کے منکر ہیں وہ انتہائی خسارہ میں ہیں اس لیے کہ حضور آخری نبی ہیں اور قرآن آخری کتاب ہے۔ جب اس پر بھی ایمان نہ لائے تو آخرت کی نجات کا ذریعہ آخر کیا ہے۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب جعفر بن ابی طالبؓ جلشہ سے آئے تو چالیس آدمی ان کے ہمراہ تھے بتیس ان میں جلشہ کے تھے اور آٹھ شام کے تھے اور بچار اہب

بھی ان میں تھا اُن کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔
 اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ سے صحابہ کرام مراد ہیں
 اور الکتاب سے قرآن مراد ہے اور حَقِّ تِلَاوَتِہ سے مراد یہ ہے کہ تلاوت کے پورے حقوق ادا
 ہونے چاہئیں۔ فرض کرو کہ ایک بادشاہ اپنے فرمان کو اپنے سامنے پڑھنے کا حکم دے تو اس وقت یہ
 حالت ہوگی کہ ہر لفظ کو سنبھل سنبھل کر اور صاف صاف ادا کر دے اور معنی اور مفہوم کی طرف بھی پوری توجہ
 ہوگی اور دل میں یہ پختہ ارادہ ہوگا کہ اس فرمان میں جس قدر بھی احکام ہیں حرف بحرف انکی تعمیل کرونگا۔ اور
 پڑھتے وقت دربار شاہی کے آداب سے بھی ذرہ برابر غفلت نہ ہوگی۔ اسی طرح تلاوت قرآن کو سمجھو کہ ہم اللہ
 رب العالمین کے سامنے پڑھ رہے ہیں ایک ایک لفظ کو صاف صاف ادا کرو۔ یہ ترتیل اور تجوید ہے
 اور اسکے اتباع اور تعمیل کے عزم بالجزم کا نام ایمان اور اطاعت ہے اسی وجہ سے اُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ
 بِہ فرمایا اور حضرت عمرؓ سے یَتْلُوْنَهُ حَقًّا تِلَاوَتِہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ تلاوت
 کا حق یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کرتے وقت جنت کے ذکر پر گزرے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا
 سوال کرے اور جب آگ کے ذکر پر گزرے تو خدا سے پناہ مانگے کہ اے اللہ اس سے محفوظ رکھنا۔
 (ابن ابی حاتم)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل، یاد کرو احسان میرا جو میں نے

عَلَيْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقَوْا

تم پر کیا اور وہ کہ بڑا کیا تم کو سارے جہان پر اور بچو اس

یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ

دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کے ایک ذرہ اور نہ قبول ہو

مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ

اس کی طرف سے بدلا اور نہ کام آوے اس کو سفارش اور نہ ان کو

یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

مدد پہنچے

تکریر تذکیر و اعادہ تہذیر

قال تعالیٰ - یٰۤاِیُّهَا اِسْرَآئِیْلُ اِذْ کُنتُمْ فِی عِصْیَیْنِ ۚ اِلٰی ۚ وَلَا تَمْنُوْا فِیْ نَفْسِکُمْ ۚ وَتَقُولُوْنَ ۚ
(رابطہ) ابتداء سورت میں جب بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا تو اسی عنوان اور اسی آیت سے شروع فرمایا اور طویل تفصیل کے بعد پھر اسی عنوان اور اسی آیت پر خطاب کو ختم فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ اولاً حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو اجمالاً یاد دلایا تاکہ شکر کی راہ اختیار کریں اور کفرانِ نعمت سے احتراز کریں۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور اپنی عنایات اور ان کی جنایات اور تفصیلات کی تفصیل فرمائی جو یہاں آکر ختم ہوئی اخیر میں حق تعالیٰ نے پھر اسی مضمون کا اعادہ فرمایا جو ابتداء میں اجمالاً ان سے کہا گیا تھا تاکہ تفصیل کے بعد جب اجمال کا اعادہ کیا جائے تو تمام تفصیل بیک وقت نظروں کے سامنے آجائے اور یہ طریقہ بلغار کے نزدیک نہایت بلیغ ہے اور تعلیم و تفہیم میں غایت درجہ معین ہے اور ابو حیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اس سورت میں تین مرتبہ ”یا بنی اسرائیل“ کے معزز خطاب سے مخاطب فرمایا اور اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کی حیثیت سے انکو اپنے خطاب سے مشرف اور سرفراز فرمایا اور اس نسبت کو یاد دلا کر شکر اور اطاعت کی دعوت دی لیکن بنی اسرائیل نے جب اس نادر اور خطاب کے مشرف کو ملحوظ نہ رکھا تو حق تعالیٰ نے ان سے اعراض فرمایا اور تین مرتبہ کے بعد انکو مخاطب نہیں بنایا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل پھر ایک بار تم کو خطاب کرتے ہیں اور یہ تیسری بار ہے اب اسکے بعد ہم تم کو مخاطب نہ بنائیں گے وہ آخری خطاب یہ ہے کہ میری نعمتوں کو اس حیثیت سے یاد کرو کہ وہ میرا عطیہ تھیں۔ میری نسبت کے مشرف اور عزت کو دیکھو اور یاد کرو اور پھر اس حیثیت کو دیکھو کہ اس نعمت کا میں نے تم پر محض اپنی مہربانی سے انعام کیا تھا۔ ذرہ برابر تمہارا استحقاق نہ تھا اور یاد کرو اس امر کو کہ میں نے تم کو محض اپنے فضل سے سارے جہانوں پر فضیلت اور بزرگی دی تھی۔ یہ بزرگی میرا عطیہ تھا تمہاری ذاتی شئی نہ تھی کہ تم سے جدا نہ ہو سکے۔ تم اس غرہ میں نہ رہنا کہ یہ بزرگی تم سے چھینی نہیں جاسکتی۔ اگر اس فضیلت اور بزرگی کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو ہمارے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اس دن سے ڈرو کہ جس میں کوئی کسی کی طرف سے کام نہ آئے گا اور ایک نفس کی دوسرے نفس کی طرف نسبت بدون ایمان کے کار آمد نہ ہوگی اور نہ اسکی طرف سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا کہ جو رہائی کا سبب بن سکے اور نہ بدون ایمان کے کوئی شفاعت اور سفارش نفع دے گی البتہ انبیاء اور اولیاء کی شفاعت سے اہل ایمان کو نفع ہوگا اور نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کی جائے گی اس لیے کہ نصرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مرسلین اور اہل ایمان سے کیا ہے۔ کما قال تعالیٰ - اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَہٗمْ یَقُوْمُوْنَ اِلَآ شَہَادَہٗ کَافِرُوْنَ سے وعدہ نہیں۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ط

اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں پھر اس نے وہ پوری کیں

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ

فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا بولا اور میری

ذُرِّيَّتِي ط قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۳﴾

اولاد میں بھی کہا نہیں پہنچتا میرا اقرار بے انصافوں کو

قصہ کامیابی ابراہیم خلیل علیہ السلام در امتحان خداوند خلیل و تحویل کلام از ذکر بنی اسرائیل بسورے ذکر بنی اسماعیل علیہ السلام

قال تعالى وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ... الخ... قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (رابطہ) بنی اسرائیل اس بات پر مغرور تھے کہ ہم اہل کتاب اور اہل علم اور اولاد ابراہیم ہیں اس لیے ہم ہی سب کے قبوع اور مقتدار اور پیشوا اور امام ہیں۔ امامت اور سیادت ہمارے ہی گھر میں رہے گی۔ ہمیں کسی کے اتباع کی کیا ضرورت۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر فرمایا جس سے چند امور کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اول یہ کہ امام اور مقتدا وہی ہو سکتا ہے جو ظالم اور فاسق نہ ہو۔ اور تمہارا کفر اور ظلم خوب واضح ہو چکا ہے۔ ظالم اور فاسق ہو کر امامت اور قبوعیت کا خیال سودائے خام ہے امامت اور قبوعیت کا مرتبہ جب ہی ملتا ہے کہ جب اللہ کے امتحان میں کامیاب اور درست نکلے دوئم یہ بتلانا ہے کہ خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اس کی فضیلت اور بزرگی میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا۔ تاکہ گزشتہ رکوع میں جو یہود کا بعض احکام کے نسخہ خصوصاً تحویل قبلہ پر جو اعتراض تھا جسکا مَا نُنْشِئُ مِنْ آيَةٍ میں کافی و شافی جواب گزر چکا۔ اُس اعتراض کا قلع قمع ہو جائے چونکہ تحویل قبلہ کے مسئلہ کا اعظم ارکان اسلام سے خاص تعلق ہے اس لیے اس بارہ میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ مفصل کلام کیا اول بانی کعبہ کی فضیلت اور پھر انکی امامت اور پھر خانہ کعبہ کی فضیلت اور پھر اس کی تحویل کی حکمتیں بیان کیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی آخر الزمان کی ملت اور قبلہ ہی ہے جو حضرت ابراہیم کا تھا۔ سوئم یہ کہ ملت اسلام وہی ملت ابراہیمی ہے۔ چہارم یہ کہ امت مسلمہ

اور نبی آخر الزمان کے ظہور اور بعثت کی دعا سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے کی تھی۔ لہذا حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر وہی شخص ہو سکتا ہے جو ملت اسلام کو قبول کرے اور نبی آخر الزمان پر ایمان لائے اور خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ سمجھے۔ پنجم یہ کہ یہ خیال کرنا کہ نبی آخر الزمان ہمارے خاندان سے نہیں اس لیے ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے ایک اسحق علیہ السلام جن کے بیٹے اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسمعیل علیہ السلام ہیں ایک مدت تک نبوت اور فضیلت حضرت اسحقؑ اور اسرائیلؑ کی اولاد میں رہی اب وہ فضیلت حضرت اسمعیلؑ کی اولاد کو پہنچی اور وہ نعمت تفضیل جس سے بنی اسرائیل کو سرفراز فرمایا تھا اب وہ بنی اسرائیل سے بنی اسمعیل کی طرف منتقل ہوئی اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دونوں ہی بیٹوں کے لیے برکت کی دعا کی تھی۔ جس طرح اسحق علیہ السلام اور انکی اولاد کے لیے برکت کی دعا مانگی تھی اور اسی طرح اسمعیل علیہ السلام کے لیے بھی برکت کی دعا مانگی تھی۔ جیسا کہ تورات کے سفر پیدائش باب ۱۱ میں ہے۔

”اور اسمعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔“ انتہی۔

پس تم کو چاہیے کہ اب اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ جو ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کی اولاد میں سے ہے اور اسکا ظہور اور اسکی بعثت دعا ابراہیمی کی برکت اور ثمرہ ہے اور اس نبی پر ایمان لا کر امت مسلمہ میں داخل ہو جاؤ اور دل و جان سے اسکی اطاعت کرو تاکہ تم کو بھی بقدر اطاعت اس برکت میں سے کچھ حصہ ملے۔ اور ابراہیم خلیل اللہ کی طرح اسلام اور اطاعت اور وفاداری اور محبت اور جان نثاری کا داغ اپنے جسم پر لگاؤ یعنی ختنہ کراؤ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کرائی تھی۔ تورات میں ہے کہ ختنہ اللہ کا داغ ہے جس طرح شاہی گھوڑوں پر داغ ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اور اسکی اولاد کے لیے ختنہ کا داغ تجویز فرمایا۔ اور قوت شہویہ اور ہیمیہ کے محل پر ختنہ کے داغ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عضو سرکاری داغ سے داغی ہے بخیر سرکاری اجازت کے کسی مصرف میں اسکا استعمال جائز نہیں اور موٹے لب کھانا اور ناخن کترانا اور موٹے بغل لینا اور مضمضہ اور استنشاق کرنا وغیرہ ذلک یہ بھی اسلام یعنی اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے داغ ہیں۔ لہذا اے بنی اسرائیل اگر تم نعمت تفضیل میں سے حصہ لینا چاہتے ہو تو اب اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ کہ جو بنی اسمعیل میں سے دعائے ابراہیمی کے مطابق مبعوث ہوا ہے بنی اسرائیل کی تفضیل کا دور دورہ ختم ہو گیا اب تا قیامت بنی اسمعیل کی تفضیل کا دور دورہ رہے گا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیمؑ کو اسکے پروردگار نے چند باتوں سے آزمایا۔ ابراہیمؑ کی آزمائش بھی رب کریم کی طرف سے تربیت تھی۔ ابراہیمؑ کے پروردگار نے ابتدا ہی سے ابراہیمؑ کی طرح سے تربیت کی۔ طفولیت میں رشد عطا کیا اور پھر مرتبہ نبوت و خلعت تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ بطور آزمائش انکو چند باتوں کا حکم دیا تاکہ ملائکہ علوی اور سفلی کے سامنے انکا فضل و کمال اور حسن استعداد اور کمال ثابت

اور اہلیت ظاہر ہو جائے اور یہ بات خوب واضح ہو جائے کہ جو مرتبہ ہم ان کو عطا کرنا چاہتے ہیں یہ اس مرتبہ کے لائق اور اہل ہیں حق تعالیٰ شانہ کی یہ سنت مستمرہ ہے کہ محض اپنے علم کی بنا پر کسی کو منصب اور مرتبہ نہیں عطا فرماتے جب تک کہ اسکی استعداد اور قابلیت اور اسکا استحقاق علیٰ رؤس الا شہاد ظاہر نہ ہو جائے جیسا کہ آدم علیہ السلام کے قصہ میں پیش آیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکے فضل اور کمال اور استعداد قابلیت کے ظاہر کرنے کے لیے چند باتوں سے ان کا امتحان فرمایا پس ابراہیم دل و جان سے کمال مسرت و لبناشت کے ساتھ بلا کمی و بیشی کے ان تمام باتوں کو تمام و کمال بجالائے۔ جس سے انکی قوت علمیہ اور عملیہ کا کمال اور روح اور فطرت کی صفائی اور نورانیت اور ظاہر و باطن کی طہارت و نظافت خوب واضح ہو گئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم! میں تجھ کو اسکے صلہ میں تمام لوگوں کا امام اور پیشوا بناؤں گا کہ تمام لوگ تیری پیروی کریں اور تیرا اتباع حقانیت کی دلیل ہو اور تیری مخالفت کفر الہی کی دلیل ہو اور تیری ملت تمام عالم کے لیے بمنزلہ دستور اساسی کے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا یہود اور انصاری اور مشرکین عرب اور مسلمان سب ابراہیم علیہ السلام کو اپنا امام اور پیشوا مانتے ہیں۔ عرض کیا کہ اے پروردگار اور میری اولاد میں سے ہر زمانہ میں کوئی امام رہے زمین کسی وقت بھی میرے سلسلہ امامت سے خالی نہ رہے بغرض یہ تھی کہ تو نے مجھ کو تمام لوگوں کا امام بنایا اور قیامت تک میری بقار عادتہ ممکن نہیں اس لیے بقائے امامت کی صورت یہ ہے کہ یہ منصب عظیم قیامت تک میری نسل میں باقی رہے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے تمہاری یہ دعا قبول کی اور تمہاری ہی اولاد میں پیغمبری اور کتاب رہے گی جیسا کہ سورہ عنکبوت میں ہے۔ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ۔ مگر یہ سنائے دیتا ہوں کہ یہ ہر زمانہ میں ممکن نہ ہو گا۔ بعض زمانوں میں تمہاری تمام نسل اور اولاد ظالم ہوگی اور میرا یہ منصب امامت ظالموں اور فاسقوں کو نہیں دیا جاتا اس لیے کہ اس منصب کے لیے عدالت اور تقویٰ شرط ہے۔ اور اس وقت کے یہود اور انصاری اشد انواع ظلم کے مرتکب ہیں شرک اور گوسالہ پرستی اور تحریف توریت و انجیل اور قتل انبیاء اللہ وغیرہ میں مبتلا ہیں۔ منصب امامت کی ان میں بالکل اہلیت نہیں اور جو ان کو باوجود ظالم ہونے کے اپنا امام بنائے وہ خود ظالم ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَئِنْ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذَا لَمِنَ الظَّالِمِيْنَ۔

فائدہ | جاننا چاہیے کہ ظلم اور فسق کے مقابلہ میں عدالت اور تقویٰ ہے نہ کہ عصمت بمعنی عدم الخطار فی الفہم و امتناع صدور معصیت اور امامت کے لیے عدالت اور تقویٰ شرط ہے نہ کہ عصمت۔ لہذا اس آیت سے فرقہ امامیہ کا عصمت ائمہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے نص صریح موجود ہے۔ لَا بَدَ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرِ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِيْ اَمْرَتِهِ الْمَوْمِنُ وَيَسْتَمَعُ الْكَافِرُ وَ يَأْمَنُ فِيْهِ السَّبِيلُ۔ الخ

اقوال مفسرین در تفسیر کلمات ابتلاء

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) اپنی قوم سے مفارقت کرنا اور برائت یعنی کفر کی وجہ سے ان سے برائت اور بیزاری اور قطع تعلق کرنا (۲) خدا کے لیے مناظرہ (۳) آگ میں ڈالے جانے پر صبر کرنا (۴) وطن سے ہجرت کرنا اور مجمع عشائر و اقارب کو چھوڑ کر نکل جانا (۵) ہمان نوازی (۶) ذبح ولد پر تیار ہو جانا آخر جبہ ابن اسحق و ابن ابی حاتم عن ابن عباس (در منشور ص ۱۱۱ ج ۱) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرات ابراہیم کو آزمایا وہ دس خصال فطرت ہیں پانچ تو ان میں سے سر میں ہیں اور وہ یہ ہیں۔

- (۱) مونچھیں کا کتر وانا (۲) مضمضہ یعنی کلی کرنا (۳) استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا (۴) مسواک کرنا۔ (۵) سر میں مانگ نکالنا اور پانچ خصلتیں باقی بدن کے متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں۔
- (۱) ناخن ترشوانا (۲) بغل کے بال لینا (۳) موئے زیر ناف مونڈنا (۴) ختنہ کرنا (۵) بول و براز کی جگہ کو پانی سے دھونا یعنی پانی سے استنجا کرنا اور ایک روایت میں غسل جمہ اور طواف بیت اللہ اور سعی مابین الصفا و المروہ اور رمی جمار اور طواف افاضہ کا ذکر ہے اور صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں۔
- (۱) مونچھوں کا کتر وانا اور (۲) ڈاڑھی کا بڑھانا اور (۳) مسواک کرنا اور (۴) ناک میں پانی ڈالنا اور (۵) ناخنوں کا کتر وانا اور (۶) براجم یعنی جوڑوں کا دھونا اور (۷) بغل کے بال لینا اور (۸) موئے زیر ناف کا حلق کرنا اور (۹) پانی سے استنجا کرنا راوی کہتے ہیں کہ دسویں خصلت میں بھول گیا شاید وہ مضمضہ ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ کلمات سے وہ تیس خصلتیں مراد ہیں کہ جو شرائع اسلام اور سہام اسلام کے نام سے موسوم ہیں دس ان میں سے سورۃ برائت میں مذکور ہیں توبہ۔ عبادت حمد و ثناء۔ سیاحت۔ رکوع۔ سجود۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ محافظہ حدود ایمان اور دس ان میں سے سورۃ

سورۃ برائت کی آیتیں یہ ہیں التائبون العابدون الحامدون السائحون الراكعون الساجدون الامرون بالمعروف والنہون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ ط وبشر المؤمنین ط سورۃ احزاب کی آیت یہ ہے۔ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ۔

احزاب میں مذکور ہیں۔ اسلام۔ ایمان۔ قنوت۔ صدق۔ صبر۔ خشوع۔ صدقہ و نیاز۔ روزہ رکعت۔ شرمگاہ کی حفاظت کثرۃ ذکر اللہ اور دس خصلتیں ان میں سے سورۃ المؤمنین اور سائل سائل میں مذکور ہیں۔ ایمان بیوم الجزاء خوف و خشیت از عذاب خداوندی خشوع نماز۔ محافظت آداب و سنن نماز لغویات سے اعراض و احتراز۔ اداء زکوٰۃ بطیب خاطر۔ غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ سے شرمگاہ کی حفاظت ایفاء عہد ادائیگائی اور اوائے شہادت کلمات کی تفسیر میں اس کے علاوہ اور بھی کچھ اقوال ہیں جو تفسیر درمنثور کی مراجعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آیت قرآنیہ میں لفظ کلمات سب کو شامل ہے جائز ہے کہ سبب مراد ہوں یا بعض مراد ہوں لیکن ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مختلف روایات کا آنا اس سے عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا

اور جب ٹھہرایا ہم نے یہ گھر کعبہ اجتماع کی جگہ لوگوں کی اور پناہ اور

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰہِیْمَ مُصَلًّیٰ وَعٰہِدُنَا

کر رکھو جہاں کھڑا ہوا ابراہیم نماز کی جگہ اور کہدیا ہم

إِلَیٰٓ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِیَ لِلطَّٰہِفِیْنَ

نے ابراہیم اور اسماعیل کو کہ پاک کر رکھو گھر میرا واسطے طواف والوں کے

۱۔ اور سورۃ المؤمنون کی آیت یہ ہے قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون والذین هم للزکوٰۃ فاعلون والذین هم لفرجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ايمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون والذین هم لا مانا لهم وعہدہم راعون والذین هم علی صلوٰتہم محافظون الایات ۲۔ اور رسال سائل کی آیتیں یہ ہیں۔ الذین هم علی صلوٰتہم دائمون والذین فی اموالہم حق معلوم للسائل والمحروم والذین یصدقون بیوم الدین والذین هم من عذاب ربهم مشفقون ان عذاب ربهم غیر مامون والذین هم لفرجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ايمانهم فانهم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العادون والذین هم لا مانا لهم وعہدہم راعون والذین هم بشہادۃہم قائمون والذین هم علی صلوٰتہم محافظون - ۱۲۰

وَالْعُكُفَيْنِ وَالرُّكْعِ السُّجُودِ ۝۱۲۵

اور اعتکاف والوں کے اور رکوع اور سجدے والوں کے

قصہ بنائے تجلی آشیانہ فضائل قبلہ اسلام و تلقین بیت حرام

قال تعالى - وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ... الى ... وَالرُّكْعِ السُّجُودِ ط گزشتہ آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی امامت اور فضیلت کو بیان فرمایا اور ظاہر ہے کہ منصب امامت اور امامت کا لقب صاحب قبلہ ہونے کی طرف مشیر ہے اس لیے آئندہ آیات میں قبلہ ابراہیمی کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ خانہ تجلی آشیانہ وہی گھر ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اسمعیل علیہ السلام کی شرکت اور معیت میں بنایا تھا اور اسی معبد کے ارد گرد اسمعیل اور اسکی ذریت کو آباد کیا اور طرح طرح کی دعائیں کیں اور مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل متنبہ ہو جائیں کہ یہ نبی اُمّی خاندان ابراہیم و اسمعیل سے ہے اور یہ خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے یہ وہی معبد معظم اور سجدہ محترم ہے جس کے بانی اور معمار امام ام اور فخر عالم ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور اسمعیل ذبیح اللہ ان کے معین و مددگار اور شریک کار رہے ہیں۔ امید ہے کہ اس علم کے بعد بنی اسرائیل کو بنی اسمعیل کی تفضیل اور قبلہ اسلام کی فضیلت میں کوئی شبہ نہ رہے گا اور اب آئندہ تحویل قبلہ کے بارے میں زبان طعن نہ کھولیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل یہ تو تم کو معلوم ہو گیا کہ منصب امامت ظالم اور فاسق کو نہیں ملتا۔ دینی منصب اسی کو ملتا ہے جو ابراہیم کے طریقہ پر چلے اور اگر تم کو خانہ کعبہ کی فضیلت اور اس کے حج مقرر کرنے میں شبہ ہے کہ حج بالکل ایک لغو حرکت ہے جو عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے حضرت ابراہیم کا طریقہ نہیں تو اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو مرجع خلایق بنایا کہ لوگ اطراف عالم سے بصد احترام بائدہ کرا س گھر کی زیارت اور طواف کے لیے رجوع کریں تاکہ اہل ایمان کے عظیم اجتماع سے ایک خاص نورانیت پیدا ہو جس سے ہر ایک مستفید ہو جس طرح بہت سے چراغوں کے جمع ہو جانے سے برہمیت اجتماعیہ ہر ایک کا نور اضعا فاضاعفہ ہو جاتا ہے جمعہ اور پنجگانہ نماز جماعت میں ایک شہر اور ایک محلہ کے انوار و برکات کا اجتماع ہوتا ہے اور حج کے اجتماع میں اقطار عالم کے انوار و برکات کا اجتماع ہوتا ہے۔

اور جائز ہے کہ مشابہت کو بجائے ثواب بمعنی رجوع کے ثواب سے مشتق مانیں یعنی لوگوں کے لیے ثواب حاصل کرنے کی جگہ بنائی کہ حج اور عمرہ کر کے ثواب حاصل کریں۔ ایک نماز پڑھیں تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب پائیں اور جماعت سے پڑھیں تو ستائیس لاکھ کا ثواب پائیں اور ہمیشہ کے لیے اس گھر کو خاص طور پر مقام امن بنایا کہ جو وہاں داخل ہو وہ امن سے ہو جائے اور ہم نے یہ حکم دیا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور اس جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو تاکہ برکت حاصل ہو۔

ف

مقام ابراہیم ایک خاص پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو بنایا اس پتھر پر حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشان تھے لوگوں کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے وہ نشان اب معلوم نہیں ہوتے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کی اذان دی کما قال تعالیٰ وَ اِذْ قَالَ النَّاسُ بِالْحَجِّ الْاٰیۃ۔ اور یہ پتھر عہد نبوی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خانہ کعبہ سے متصل تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب سیلاب آیا تو یہ پتھر بہ گیا حضرت عمرؓ نے اس کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیا اور اسکے گرد پتھر و نکی دیوار چن دی چنانچہ وہ پتھر اب تک اسی جگہ میں محفوظ ہے اور اس کے ارد گرد جالیاں بنی ہوئی ہیں اور بنائے کعبہ کے وقت ہم نے ابراہیم اور اسمعیل کو حکم دیا جو مشابہ عہد کے تھا کہ میرے اس مبارک گھر کو ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ یعنی نماز پڑھنے والوں کے لیے اس کو پاک و صاف رکھنا۔

نکتہ

طواف اور اعتکاف چونکہ دو عمل جدا گانہ ہیں ایک دوسرے پر موقوف نہیں اس لیے طواف اور اعتکاف کو بذریعہ واو عاطفہ ذکر فرمایا اور رکوع اور سجود دونوں مل کر ایک عبادت ہیں الگ الگ عبادت نہیں اس لیے رکوع اور سجود کو بدون عطف ذکر فرمایا۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب کہ اس کو شہر امن کا

وَ اَرْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

اور روزی دے اسکے لوگوں کو میوے جو کوئی ان میں یقین لاوے

بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ

اللہ پر اور پچھلے دن پر فرمایا اور جو کوئی منکر ہے

فَاَمْتِعْهُ قَلِيْلًا ثُمَّ اِصْطِرْطُوْهُ اِلٰی عَذٰبِ النَّارِ

اس کو بھی فائدہ دوں گا تھوڑے دنوں پھر اسکو قید کر بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور بُری جگہ پہنچ ہے

دُعَا اِبْرَاهِیْمَ بَرَّائے حَرَم و سَاکِنَانِ حَرَم

قال تعالى وَاذْكُرْ اٰتِلَهُمْ سُبَّتِ اَجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا... اِلَى... وَبَلِّسِ الْمَصِيُوْهَ (رابطہ) جب خانہ کعبہ کی فضیلت اور اس کا مکانِ تعظیم اور معبدِ ابراہیم ہونا بتلا چکے تو آئندہ اس شہر اور اسکے ساکنین کے حق میں حضرت ابراہیم کی دعائیں ذکر فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے خانہ کعبہ بنانے کا پختہ ارادہ فرمایا تو یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس لق و دق صحر کو آباد شہر اور پیرامن بنادے کیونکہ رسم حج کی بقار بدون شہر کی آبادی کے ممکن نہیں اور شہر کی آبادی بدون امن کے باقی نہیں رہ سکتی۔ بدامنی سے شہر ویران ہو جاتا ہے اور اس شہر کے ساکنین کو قسم قسم کے پھل اور میوے عطار فرما اس لیے کہ ساکنانِ شہر کی آبادی رزق پر موقوف ہے بغیر رزق کے کوئی باقی اور زندہ نہیں رہ سکتا اور رزق کی درخواست میں ظالموں اور نافرمانوں کے لیے نہیں کرتا بلکہ صرف ان لوگوں کے لیے رزق طلب کرتا ہوں جو اس شہر کے رہنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کو امامت پر قیاس مت کرو۔ امامت ایک دینی منصب ہے ظالم اس کا مستحق اور اہل نہیں اور رزق دنیوی۔ ایسی فتنی ہے جو عام ہے میں رب العالمین ہوں سب کا رازق ہوں۔ مومن کو بھی ثمرات سے رزق دوں گا اور کافر کو بھی دنیا میں رزق دوں گا۔ اور چونکہ یہ کافر ہے اس لیے چند روز یعنی زندگی تک اسکو دنیاوی منافع سے خوب متمتع اور بہرہ مند کرتا ہوں گا اور پھر اسکو لاچار اور بے بس بنا کر کشاکش عذابِ نار تک پہنچاؤں گا اور بے شک دوزخ بہت ہی بڑی جگہ ہے دنیا میں کوئی مکان اگر ایک طرف سے بُرا ہوتا ہے تو دوسری طرف سے اچھا بھی ہوتا ہے لیکن وہ دوزخ ایسا مکان ہے جو کسی اعتبار سے بھی اچھا نہیں ہر طرح سے بُرا ہی بُرا ہے۔

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ

اور جب اٹھانے لگا ابراہیم بنیادیں اس گھر کی اور

اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

اسماعیل اے رب ہمارے قبول کر ہم سے تو ہی ہے سنتا

الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۶﴾

جانتا

دُعَا ابراہیمؑ و اسمعیلؑ برائے قبولیتِ خدمتِ تعمیرِ بیتِ اللہ

قال تعالى. وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ... الى... اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِیْمُ
اور اس وقت کو بھی یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ خود اپنے ہاتھ سے اس گھر کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے
یعنی اس پر تعمیر کرتے تھے اور دیواریں چنتے جاتے تھے اور اسی طرح اسمعیلؑ بھی اُن کے ساتھ بلند کرنے
میں مشغول تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ اس وقت نہایت عجز اور انکساری کے ساتھ یہ کہتے جاتے تھے کہ لے
ہمارے پروردگار اپنے فضل سے ہماری اس محنت اور خدمت کو قبول فرما تحقیق تو ہی ہماری دعاؤں کو
سننے والا ہے اور تو ہی ہماری نیت اور ہمارے ذوق و شوق کو جاننے والا ہے محض اپنے لطف و
عنایت سے اپنے عاشقانِ جان نثار کی اس سعی کو مشکور فرما۔

ف (۱) قبول اور تقبل میں یہ فرق ہے کہ جو چیز لائقِ پذیرائی ہو۔ وہاں لفظ قبول استعمال کرتے
ہیں اور جو چیز ناقص ہو اور قابلِ پذیرائی نہ ہو وہاں لفظ تقبل استعمال کرتے ہیں اس
لیے کہ لفظ تقبل بابِ تفعیل سے ہونے کی وجہ سے تکلف پر دلالت کرتا ہے اور تکلف قبول اس بات کو
مقتضی ہے کہ وہ چیز لائقِ قبول نہ ہو۔ پس اس مقام پر لفظ تقبل کا استعمال۔ غایت عجز اور کمال تواضع پر
دلالت کرتا ہے۔ یعنی ہمارا عمل اس قابل نہیں کہ مقبول ہو لیکن اگر تیرے لطف و عنایت اور فضل و رحمت
سے قبول ہو جائے تو یہ تیرا محض جو دو کرم ہے۔

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابلِ منظور ہے پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے
اور اگر بالفرض کوئی عمل قابلِ قبول بھی ہو تب بھی حق تعالیٰ کے ذمہ اس کا قبول کرنا واجب نہیں اس
لیے کہ قبولیت کے لیے مستقل درخواست چاہیئے۔ اہلسنت والجماعت کا یہی مذہب ہے معتزلہ کے نزدیک
ایسے عمل کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ واجب ہے معتزلہ نے جب بندہ کے افعال اختیار یہ کو بندہ کا مخلوق اور
ملوک قرار دیا تو خالق کے ذمہ ان کا قبول کرنا اور ان پر ثواب دینا واجب گردانا اور اپنی نادانی سے یہ نہ
سمجھنا کہ اس واجب الوجود پر کسی کا وجوب نہیں چلتا اور نہ اس پر کسی کا حق ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا
کون ہے جو اس پر کوئی شئی لازم اور واجب کر سکے۔

ف (۲) جاننا چاہیئے کہ بارگاہِ خداوندی میں وہی عبادت اور خدمت مقبول ہے کہ جس کو کرنے
والادل و جان سے قابلِ قبول نہ سمجھے اور کرنے والے کی نظر اپنے عمل پر نہ ہو بلکہ
اس کے لطف اور فضل پر ہو۔



رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ

اے رب ہمارے اور کریم کو حکم بردار اپنا اور ہماری

ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا

اولاد میں بھی ایک امت حکم بردار اپنی اور جتنا ہم کو دستور حج کرنے کے

وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾

اور ہم کو معاف کر تو ہی ہے اصل معاف کرنے والا مہربان

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو

اے رب ہمارے اور اٹھا ان میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھے ان

عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

پر تیری آیتیں اور سکھا دے ان کو کتاب اور ہچی باتیں

وَيُزَكِّيهِمْ ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾

اور اُنکو سنوارے تو ہی ہے اصل زبردست حکمت والا

دُعَا ابراہیمی برائے وجودِ اُمّتِ مسلمہ و قومِ مسلمانان و ظہور
رسولِ محترم از ساکنانِ حرم کہ صاب قرآن و خاتمِ پیغمبراں باشد

قال تعالیٰ . رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ ... اِلٰی ... إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ .
(رابطہ) ان دونوں بزرگوں نے اپنی فراست صادقہ اور نور نبوت سے یہ سمجھا کہ جب ہم کو ایسے خانہ
تجلی آشیانہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے تو لا محالہ اسکے ہمرنگ کسی ایسی عبادت کا بھی حکم ہونے والا ہے جو عشق اور محبت
کا رنگ لیے ہوئے ہو۔ اور ان عبادتوں کا بجالانے والا صورتہ اگرچہ انسان ہو گا مگر معنی ہمرنگ ملائک
ہو گا گویا کہ دربارِ خداوندی کا معاینہ اور مشاہدہ کر رہا ہے اور جس امت کے لیے اس گھر کو قبلہ بنایا جائے

گا اس کو ایسے جدید وضع کے کچھ احکام دیتے جائیں گے جنکے اسرار و حکم ظاہر نظر میں جلوہ گر نہ ہونگے ظاہر پرست انکو صورت پرستی پر محمول کریں گے اس لیے ان دونوں بزرگوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا ہماری ذریت اور اولاد ان جدید وضع کے احکام کے نزول پر ان کے قبول میں کسی قسم کا توقف اور تردد کرے اس لیے جناب الہی میں تین دعائیں فرمائیں **اَوَّلُ يَكُ دَرَبُنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ** (۱) اے اللہ ہم کو اپنا مسلم اور حکم بردار بندہ بنا، دوسری دعایہ فرمائی کہ اے اللہ ہماری ذریت میں ایک امت مسلمہ پیدا فرما یعنی ایسی امت اور ایسی قوم پیدا کر جو تیری فرمانبرداری ہو اور نام بھی اس قوم کا مسلم اور مسلمان ہو یعنی صفت بھی اس کی اسلام یعنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ہو اور اسی نام یعنی اسلام سے پکاری جاتی ہو۔

تیسری دعایہ فرمائی کہ اس امت مسلمہ میں ایک عظیم الشان رسول بھیج اور اس پر ایک عظیم الشان کتاب نازل فرما یعنی قرآن کریم اور پھر وہ رسول اس امت کو کتاب و سنت کی تعلیم دے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دعاؤں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ خانہ تجلی آشیانہ جس امت کا قبلہ ہوگا اس امت کا نام امت مسلمہ ہوگا جیسا کہ سورۃ حج میں ہے۔ **هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ** اور ملت اسلام اس امت کا مذہب ہوگا اور وہ عظیم الشان رسول جو ان میں مبعوث ہوگا وہ ساکنانِ حرم اور اسماعیل کی ذریت سے ہوگا اللہ تعالیٰ نے انکی دعائیں قبول فرمائیں اور بذریعہ وحی کے بتلادیا کہ جس اولوالعزم رسول کے پیدا ہونے کی تم دعا کر رہے ہو وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہوگا اور ملت ابراہیمی کا متبع ہوگا اور اس کی امت کا نام امت مسلمہ ہوگا۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے بارگاہِ خداوندی میں بصد عجز و نیاز یہ عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا خاص اطاعت شعار اور فرمانبردار بنا کہ ہمارا ظاہر و باطن تیرے لیے مخصوص ہو جائے کہ اس میں تیرے سوا کسی اور کی گنجائش نہ رہے اور ہماری ذریت میں ایک امت مسلمہ یعنی ایک ایسی جماعت پیدا فرما کہ جو دل و جان سے تیری حکم بردار ہو اور قلب اسکا سلیم ہو اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے سالم اور محفوظ رہیں اور جب تو ان کو اپنے دربار کی حاضری کا حکم دے تو مجنونانہ اور عاشقانہ وضع کے ساتھ برہنہ سرلبیک کہتے ہوئے تیرے در دولت پر حاضر ہو جائیں اور اے پروردگار ہم کو ہماری عبادت اور دربار کی حاضری یعنی حج اور طواف کے مواقع بھی دکھلا دیجیے اور ان کے احکام اور آداب بھی ہم کو بتلاد دیجیے تاکہ آداب عبودیت اور آداب دربار میں ہم سے کوئی تقصیر نہ ہو جائے اور اے پروردگار آخر ہم بشر ہیں سہو اور زلیان سے مرکب ہیں۔ ہم سے اگر آداب دربار میں کوئی سہو اور تقصیر ہو جائے تو ہم پر توجہ اور عنایت فرمانا اور ہماری تقصیر سے درگزر فرمانا بے شک آپ ہی بڑی توجہ اور عنایت فرمانے والے اور مہربانی کرنے والے ہیں اور چونکہ ایک عظیم امت کا باوجود اختلاف آراء و عقول کے ایک مسلک اور ایک طریق پر بدون کسی مربی کے قائم رہنا عادتاً محال ہے اس لیے جناب الہی میں یہ عرض معروض کی کہ اے ہمارے پروردگار ان ساکنانِ حرم میں ایک عظیم الشان رسول بھیج جو اس امت مسلمہ کو اسلام کا طریقہ بتلائے اور وہ رسول ہم دونوں کی ذریت اور اولاد سے خارج نہ ہو بلکہ انہی میں سے ہو تاکہ دنیا اور آخرت

میں ہمارے لیے عزت اور شرف کا موجب ہو اور اس طرح قیامت تک میری امامت باقی رہے اس لیے کہ میری اولاد کی امامت میری ہی امامت ہے۔ علاوہ ازیں جب وہ رسول انہی میں سے ہوگا تو لوگ اس کے مولد اور منشا سے اور اس کے حسب اور نسب اور اسکی امانت اور دیانت اور اخلاق اور اس کی صورت اور سیرت سے بخوبی واقف ہونگے اور اس کے اتباع سے عار نہ کریں گے اور جب حق نبوت و رسالت کے ساتھ قرابت کی محبت اور شفقت بھی مل جائے گی تو اس رسول کی اعانت اور نصرت و حمایت اور اسکی شریعت کی ترویج اور اشاعت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے اس نبی کو اپنا سمجھ کر معاملہ کریں گے۔ اجنبی اور غیر کا معاملہ نہ کریں گے۔ اور رسول ایسا ہو کہ اس پر ایسی جامع کتاب نازل ہو کہ اولین اور آخرین میں اسکی نظیر نہ ہو اور پھر وہ رسول تیری اس کتاب کی آیتیں پڑھ کر انکو سنائے اس لیے کہ آیات کا پڑھ کر سنانا بغیر نزول کتاب کے ناممکن ہے۔ اور بعد ازاں وہ رسول انکو اس کتاب کے معانی سکھائے اور اسکے اسرار و حکم سے بھی آگاہ کرے تاکہ علم ظاہر اور علم باطن دونوں جمع ہو جائیں۔ تلاوت سے کتاب کے الفاظ اور کلمات کا علم ہوگا اور تعلیم و تفہیم سے اس کتاب کے معانی اور حقائق اور معارف معلوم ہونگے۔ حفاظ قرآن اور قرار اور مجتہدین کے سینے اور زبانیں اس کتاب الہی کے الفاظ کی حفاظت کریں گی اور علماء ربانیین اور راہنہین فی العلم کی زبانیں اور قلم اس کتاب کے معانی کی حفاظت کریں گے کہ کوئی ملحد اور زندیق اس میں کسی قسم کی معنوی تحریف بھی نہ کر سکے۔ اور وہ رسول اپنی ظاہری تعلیم و تربیت اور باطنی فیض صحبت سے اُن کے دلوں کو گناہوں کے زنگ اور کدورت سے پاک و صاف کر کے مثل آئینہ کے مجلے اور مصطفیٰ بنادے کہ انوار و تجلیات کا عکس قبول کرنے لگیں اور حدیث میں جو العلماء و رشتہ الانبیاء آیا ہے اس کا صحیح مصداق وہی علماء ربانیین ہیں جو کتاب و سنت کی تعلیم کے ساتھ زنگ آلود نفوس کو صیقل کر کے مثل آئینہ کے بنا دیتے ہوں۔ بے شک تو ہی نہایت عزت والا اور نہایت حکمت والا ہے۔ تو بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ تو ہماری اولاد میں ایسا عظیم الشان رسول بھیج کر لوگوں پر احسان فرمائے اور اسکو ایسی جامع کتاب اور جامع شریعت اور کامل دین عطا فرمائے کہ اس کے بعد تا قیامت کسی نبی اور رسول کی ضرورت باقی نہ رہے۔ فقط گاہ بگاہ اسی کی تجدید کافی ہو جایا کرے۔ تفسیر ابن کثیر میں ابوالعالیہ سے منقول ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب آیا۔

قد استجیب لك هـ
كائن في اخر الزمان۔
(تفسیر ابن کثیر)

اور اس آیت میں جو سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرائت ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ نبی خاتم الانبیاء ہوگا۔

وَقَرَأَ ابْنُ مَرْثَدٍ مِمَّا كَتَبَتْ يَدُ الرَّسُولِ وَابْعَثَ فِي الْآخِرِهِمْ رَسُولًا۔ (روح المعانی (ص ۳۴۶ ج ۱)

یعنی ابی بن کعب کی قرائت میں ہے
وابعث فی آخرہم رسولاً۔

یعنی ان کے آخر میں ایک رسول بھیج معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے جس رسول کی دعا مانگی تھی ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ نبی آخری نبی ہو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی۔

اخرج احمد و الطبرانی
و البيهقي عن ابى امامة
قال قلت يا رسول الله
ما بدء امرك قال دعوة
ابى ابراهيم و بشرى
عيسى و رأت المحم
انه يخرج منها نور
اضاءت له قصور الشام
(در منثور ص ۱۲۹ ج ۱)
(مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ
مِنْ مَّ بَعْدِي اسْمُهُ
أَحْمَدُ)

مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ابو امامہ رضی
اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا
یا رسول اللہ آپ کی نبوت کی ابتداء کس طرح
سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا
کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا (رَبَّنَا
وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا لَّا يَتَّبِعُهُ
مُصَدِّقٌ يُّؤْتِي سَبْعَ سِنِينَ اِبْرَاهِيمَ
نے میری بعثت کی دعا کی۔ اور پھر میں
اپنے بھائی عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں کہ
انہوں نے میری آمد کی بشارت دی۔ اور
پھر میں اپنی ماں کا خواب ہوں کہ انہوں نے
میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ ان سے
ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل
روشن ہو گئے۔

اور عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
انی عند الله في امر الكتاب
لخاتم النبیین و ان
ادم لمجدل في طينة
و سانبثكم باول ذلك دعوة
ابراهيم (الحديث)
معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس نبی اور رسول کے ظہور کی دعا کی تھی اس دعا کا مصداق خاتم النبیین
سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنکے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے یہاں خاتم
النبیین لکھے ہوئے تھے یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام نے آپ کی بعثت کی دعا کی اور حضرت عیسیٰ نے خاتم الانبیاء
کی آمد کی بشارت دی۔

انجام بشارت ابن مریم آورد
احمد بر ما نامہ و خاتم آورد

پیغام خدا نخواست آدم آورد
باجملہ رسل نامہ بے خاتم بود

لَطَافٌ وَمَعَارِفٌ

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اگرچہ کبار اور صفائے سب سے معصوم ہوتے ہیں مگر خداوند ذوالجلال کی عظمت اور جلال سے ہر وقت لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حق ربوبیت اور حق عبودیت کسی سے ادا نہیں ہو سکتا اور جانتے ہیں کہ جو حق واجب تھا وہ ہم سے ادا نہ ہو سکا اس لیے بصد خشوع و خضوع خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بار الہا تو ہمارے عجز اور قصور کو جانتا ہے ہمیں معاف کر اور تیرے حقوق میں ہم سے جو تقصیر ہوئی ان سے درگزر کر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ کہنا اسی قبیل سے تھا دنیا کے بادشاہوں اور ان کے خواص اور مقربین کے تعلقات پر نظر کرو عام رعایا کے لیے ایک عام قانون ہوتا ہے اور اس کی پابندی ان کے لیے کافی ہوتی ہے مگر خواص مقربین کے لیے ایک خاص قانون اور خاص بندشیں اور خاص ہدایتیں ہوتی ہیں۔ ع۔ موسیٰ آداب دانا دیگر اند

خواص اور مقربین ہر وقت اپنے آقا اور ولی نعمت کے خوش رکھنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

ع۔ جن کے رتبے ہیں سوا انکی سوا مشکل ہے۔

یہی حال بلکہ اس سے ہزار درجہ بڑھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خداوند ذوالجلال کے ساتھ ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کے یہ سچے عاشقان با وفا اور مجاہدان با صفا اپنے محبوب حقیقی کے خوش رکھنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے لیکن اللہ جیسے محبوب برحق کے حقوق کوئی عاشق کیا ادا کر سکتا ہے اس لیے حضرات انبیاء بصد عجز و زاری۔ بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کرتے ہیں وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ بار خدا یا ہم سے تیرے حقوق اور واجبات کے ادا کرنے میں تقصیر ہوئی ہم اپنے عجز اور ناتوانی کی وجہ سے تیرا حق ادا نہیں کر سکے تو ہم پر رحم فرما اور ہماری تقصیروں سے درگزر کر۔ یہ تو حضرات انبیاء کرام کی توبہ اور انابت کی عام وجہ تھی جو بیان ہوئی لیکن ابراہیم علیہ السلام کی زبردست دعا رُتِبْ عَلَيْنَا۔ کی ایک خاص وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ دعا صرف اپنے لیے اور اپنے فرزند اسمعیل علیہ السلام ہی کے لیے نہیں فرمائی تھی بلکہ اپنی تمام ذریت کو جو ہونے والی تھی اس کو بھی اس دعا میں شامل کر لیا تھا اس لیے یہ دعا مجموعی حیثیت سے سب کے حق میں ہوئی جیسا کہ آیت کے سیاق اور لحاق سے ظاہر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور کون پسند نہ رکھے دین ابراہیم کا مگر جو بیوقوف ہو

نَفْسَهُ ط وَ لَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ

اپنے جی سے اور ہم نے اس کو خاص کیا دنیا میں اور وہ

فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۳۰ اِذْ قَالَ لَهُ

آخرت میں نیک ہے جب اس کو کہا اس

رَبُّهٗ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱

کے رب نے حکم بردار ہو بولا میں حکم میں آیا جہان کے صاحب کے

وَوَصّٰى بِهَا اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهٖ وَيَعْقُوْبُ ط يٰبَنِيَّ

اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب اے بیٹو

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمْ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلاَّ

اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پھر نہ مریو مگر

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۲ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ

مسلمانی پر کیا تم حاضر تھے جس وقت

حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا

پہنچی یعقوب کو موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم

تَعْبُدُوْنَ ۚ مِنْۢ بَعْدِي ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

کیا پوجو گے بعد میرے بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب

اِلٰهَ اَبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا

اور تیرے باپ دادوں کے رب کو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق وہی ایک

وَاِحْدًا ۭ وَنَحْنُ لَهُ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۳ تِلْكَ اُمَّةٌ

رب ہے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں یہ ایک جماعت

قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ

نہی گزر گئی ان کا ہے جو کما گئے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ

وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

اور تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی۔

ترغیب و تاکید اتباع ملت ابراہیمی کہ عین توحید و
عین ملت اسلام است و فضائل ملت اسلام

قال تعالى۔ وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ... الى... وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔
گزشتہ آیات میں اجمالاً حضرت ابراہیم کی ملت کی طرف اشارہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم کی اس دعا واجعلنا
مُسْلِمِينَ لَكَ۔ اور وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طریقہ کو حضرت
ابراہیم نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے پسند کیا اور اس کی دعا کی وہ طریقہ۔ طریقہ اسلام ہے۔ اب
آئندہ آیات میں اسکی تفصیل فرماتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیم عین توحید اور عین اسلام ہے جس کا حاصل یہ
ہے کہ احکام خداوندی کی دل و جان سے بے چون و چرا اطاعت کرنا اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد
کر دینا آخر پارہ تک اسی ملت اسلام کے فضائل اور اسی کے اتباع کی ترغیب میں کلام چلا گیا ہے جس
سے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب کا رد کرنا مقصود ہے کہ یہ سب حضرت ابراہیم کو اپنا امام اور
پیشوا مانتے ہیں اور پھر ان کے خلاف طریقہ پر چل رہے ہیں حالانکہ اسی ملت اسلام پر قائم رہنے کی
حضرت ابراہیم اور اسمعیل نے اپنے لیے دعا مانگی اور اسی کی وصیت کی اور اسی طرح حضرت یعقوب نے
اپنی اولاد کو ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وہ کون شخص ہے
کہ جو ابراہیم کی ملت سے عدول اور انحراف کرے۔ حالانکہ وہ ملت تمام ملتوں سے افضل اور بہتر ہے
اور صاحب ملت لوگوں کا امام اور پیشوا ہے اور سب سے پہلے اسی نے نہایت تضرع اور زاری
سے امت مسلمہ کے وجود اور نبی آخر الزمان کے ظہور کی دعا مانگی کہ جو امت مسلمہ کو اسلام کا طریقہ بتلا
تو ایسی بہتر ملت کے اتباع سے کون اعراض اور انحراف کر سکتا ہے مگر وہی شخص کہ جو اپنے ہی نفس سے
جاہل اور نادان ہو کہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ کون سی ملت فطرت سلیمہ کے مناسب ہے اور کون سی غیر مناسب
اور کون سی ملت روح اور قلب کے لیے نافع ہے اور کون سی مضر۔ اور کس ملت کے قبول کرنے سے نفس

کے لیے کمالات کا دروازہ کھلتا ہے اور کس ملت سے کمالات کا دروازہ بند ہوتا ہے اگر یہ سفیہ اپنے نفس سے بے خبر نہ ہوتا تو ملت ابراہیمی سے اعراض نہ کرتا اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ بنایا اور اپنے مقبول بندوں میں سے اس کو منتخب کیا اور تمام کمالات روحانیہ سے اس کو مکمل کیا یعنی نبوت و رسالت اور ولایت و امامت ان کو عطا کی اور خلعت کا خلعت ان کو پہنایا اور جو معبودانہوں نے تعمیر کیا اس کو قبلہ عالم بنایا اور تحقیق آخرت میں وہ صالحین اور نیکو کاروں سے ہیں صلاح - فساد اور خلل کی ضد ہے - اور فساد اور خلل، معصیت اور غفلت سے پیدا ہوتا ہے اس بنا پر صلاح کے یہ معنی ہونگے کہ ان کا ظاہر و باطن ہر قسم کے فساد اور خلل سے بالکل پاک ہے اور اس جگہ صلاح سے صلاح کامل مراد ہے اور یہ آیت ماقبل کی دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خدا کا برگزیدہ اور منتخب بندہ ہو اور صلاح کامل کے ساتھ موصوف ہو اس کے طریقہ سے سوائے نادان کے کون اعراض کرے گا۔ آئندہ آیت میں اس ملت کی تعیین فرماتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ یعنی اسلام ہے بلکہ یہی اسلام ان کے برگزیدہ اور امام ہونے کا سبب ہے جبکہ ان کے پروردگار نے کہا کہ اے ابراہیم اسلام اختیار کر اور مسلم بن جا یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے اور سپرد کر دے اور اپنی خواہش اور ارادہ کو اس کی رضا اور خوشنودی میں فنا کر دے ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا کہ میں نے اسلام اختیار کیا اور میں نے اپنے تمام کام رب العالمین کے سپرد کر دیئے اور اپنے نفس کو درمیان سے بالکل نکال لیا۔

سپردہم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

اب اس میں تعیین ہو گئی کہ وہ ملت کیا ہے یعنی اسلام ہے جو تمام کمالات کا تخم اور تمام فضائل کی اصل ہے اخیر پارہ تک اسی اسلام کی فیضیت میں کلام چلا گیا۔

اور جب تک ابراہیم علیہ السلام زندہ رہے اسی ملت پر قائم رہے اور جب وصال کا وقت آیا تو ابراہیم علیہ السلام نے سب بیٹوں کو جمع کر کے اسی ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی جن میں حضرت اسمعیلؑ اور حضرت اسحقؑ بھی تھے۔ اور پھر اسی طرح اسحقؑ علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا اے میرے بیٹو! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ دین اسلام پسند کیا ہے اسکے سوا کوئی دین مقبول نہیں پس تم برگزیدہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر سچے اور قائم ہو۔ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت یہودیت اور نصاریت کی وصیت نہیں کی بلکہ ملت اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ پس اے اہل کتاب تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے وفات کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی اس کی نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی دلیل ہے اور نہ کوئی مشاہدہ۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے کہا کہ بتلاؤ میرے بعد کس چیز کی عبادت کرو گے۔ سب نے بالاتفاق یہ جواب دیا کہ ہم صرف اس ایک خدا کی عبادت کریں گے جس کی آپ اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق عبادت کرتے آئے یعنی ایک خدا کی عبادت

کمری گے اور ہم سب اسی ایک خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قائم رہیں گے۔ غرض یہ کہ یہود کا یہ دعویٰ کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی محض افتراء ہے نہ اس کی کوئی سند ہے اور نہ تمہارا مشاہدہ۔

اور اے اہل کتاب اگرچہ تم ان بزرگوں کی اولاد ہو اور تم اس نسبت پر فخر اور ناز کرتے ہو لیکن یہ خدا کے برگزیدہ بندوں کی ایک جماعت تھی جو گزر گئی اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت تم کو وصیت کر گئی اس جماعت کے لیے وہ اعمال کام آئیں گے جو اس نے کیے اور تمہارے لیے تمہارے اعمال کام آئیں گے اور بدو ان اتباع کے محض بزرگوں کا انتساب تم کو نفع نہیں دے گا اور اگر بالفرض وہ بُرے عمل کرتے تھے تو تم سے انکے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہو گا ہر شخص سے اپنے اعمال کے متعلق سوال ہو گا۔ غرض یہ کہ انہوں نے اگر کوئی گناہ کیا ہے تو تم سے اسکی باز پرس نہ ہوگی اور اگر انہوں نے نیک عمل کیے ہیں تو تم کو کوئی نفع نہیں۔ باپ کا کھانا اور پینا بیٹے کی بھوک اور پیاس کو دفع نہیں کر سکتا جب تک بیٹا خود نہ کھائے اور نہ پیئے۔

ع بندگی باید پیہمہر زادگی در کار نیست

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا

اور کہتے ہیں ہو جاؤ یہود یا نصاریٰ تو راہ پر آؤ

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ

تو کہہ نہیں بلکہ ہم نے پکڑی راہ ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شریک

الْمُشْرِكِينَ ۝۱۳۵

والوں میں

یہودیت اور نصاریت کی طرف دعوت دینے والوں کو جواب

قال تعالیٰ۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا... اِلٰی... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ اور تعجب ہے کہ یہ اہل کتاب حضرت ابراہیم کو اپنا امام اور پیشوا بھی کہتے ہیں مگر ان کے اتباع اور ان کے طریقہ پر چلنے کو جب ہدایت نہیں سمجھتے بلکہ باعث ضلالت جانتے ہیں۔

اور یہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی بن جاؤ ہدایت پا جاؤ گے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ ہم یہودی یا نصرانی نہیں بنیں گے بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی پر قائم رہیں گے اور ابراہیم ہی کے طریقہ پر اور مسلک پر چلیں گے جن میں ذرہ برابر کجی نہ تھی وہ تو ماسوی اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف مائل تھے اور کبھی بھی مشرکین میں سے نہیں ہوئے نہ قبل نبوت اور نہ بعد نبوت اور تم باوجودیکہ اتباع ابراہیمی کے مدعی ہونے کے کج راہی اور شرک میں مبتلا ہو۔

سلسلہ کلام نہایت خوبی کے ساتھ چل رہا ہے یہودیوں کو جو اپنے حسب و نسب پر ناز تھا اس کی تردید فرمائی ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جس میں حضرت ابراہیم کی امامت اور تعمیر کعبہ اور دعا کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول کی اور انکی دعا کے مطابق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنکا قبلہ اور جنکی ملت اور جنکا دین وہی ہے جو حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا تھا اور ان سب نے اپنی اولاد کو اسی کی وصیت کی تھی کہ دین اسلام ہی پر مرنا۔ پھر تعجب ہے (کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جب تمہارے سامنے اسی ملت ابراہیم اور دین اسلام کو پیش کرتے ہیں تو تم اسے قبول نہیں کرتے اس کے سوا اور کیا وجہ ہے کہ تمہاری عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

حق جل شانہ نے اس سلسلہ میں سات جگہ اسلام کا ذکر فرمایا۔ پہلا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ مِثْلَ دُورِ اُحْمَہٗ مُسْلِمَةً تَلَّکَ یَسْلُرُ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمُوْا چوتھے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں پانچویں وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ میں چھٹے وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ میں ساتویں لَا فِرَاقَ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کرام کا مذہب اسلام ہے ہم سابقہ میں جو لوگ اطاعت کرنے والے تھے ان کی صفت بھی یہی اسلام تھی مگر امت مسلمہ کا نام اور لقب حضور ہی کی امت کو عطا کیا گیا پچھلی امتوں میں بھی اسلام لانے والے گزرے ہیں مگر اسلام انکا لقب نہ تھا صرف صفت تھی۔ یہ لقب صرف امت محمدیہ کو عطا کیا گیا ایک زمانہ میں دین حق کا لقب یہودیت رہا۔ اور ایک زمانہ میں عیسائیت۔ اور نصرانیت رہا۔ صفت اسلام سب میں مشترک رہی سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار تھے مگر امت مسلمہ کا لقب خاص آپ ہی کی امت کو عطا کیا گیا۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ کے غلام تو سب ہی ہیں مگر غلام کا نام ہی غلام رکھ دیا جائے تو صفت اور لقب دونوں جمع ہو جائیں گے صفت بھی غلام۔ اور لقب اور نام بھی غلام۔ اور مثلاً جیسے سب اللہ کے بندے ہیں مگر کوئی اللہ کا بندہ اپنا نام ہی عبد اللہ اور اللہ بندہ رکھے تاکہ ہر وقت اسکی عبدیت اور غلامیت سے لذت حاصل کرتا رہے تو اس کی شان ہی دوسری ہے۔

اور یہ مبارک لقب سب سے پہلے ہمارے لیے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تجویز فرمایا جیسا کہ سورۃ حج میں ہے اَبِیْکُمْ اِبْرٰہِیْمُ ھُوَ سَمَّاکُمْ الْمُسْلِمِیْنَ۔ پس اس عظیم الشان لقب کا حق یہ ہے کہ ہم دل و جان سے اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن جائیں محض لفظ مسلم

اور لفظ مؤمن پر قناعت نہ کریں۔

میم وواو میم و نون تشریف نیست
لفظ مؤمن جز پئے تعریف نیست

فائدہ دیگر

جاننا چاہیئے کہ ہر شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں (اول) اصول اور عقائد جیسے توحید و رسالت اور قیامت یہ چیزیں تمام انبیاء کرام میں متفق علیہ ہیں ان میں اختلاف ممکن نہیں اور نہ ان میں نسخ جاری ہوتا ہے (قسم دوم) قواعد کلیہ شریعت کہ جن کی طرف جزئیات اور فروع راجع ہوتے ہیں اور حکم میں اُن کلیات کا لحاظ رہتا ہے اور انہی قواعد کلیہ کا نام ملت ہے جس میں اختلاف بہت کم ہوتا ہے ملت محمدی اور ملت ابراہیمی انہی اصول اور قواعد کلیہ کے لحاظ سے موافق اور متحد ہیں۔

(قسم سوم) احکام جزئیہ اور فروع۔ جسکو شریعت کے نام سے موسوم کرتے ہیں زمان اور مکان اور ام کے اختلاف سے شریعت کے احکام جزئیہ بدلتے رہے کما قال تعالیٰ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً وَ مِنْهَا جَا۔ پس خلاصہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت تو ایک مگر شریعت ہر ایک کی جدا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ تمام حنفیہ امام ابو حنیفہؒ کو اپنا امام جانتے ہیں مگر باوجود اسکے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کبھی امام ابو حنیفہؒ کا خلاف بھی کرتے ہیں مگر قانون حنفی سے کسی حال میں خارج نہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے قواعد مقررہ سے باہر نہیں جلتے مثلاً قیاس جلی یا قیاس استحسان اور عموم بلوی کسی نہ کسی قاعدہ کے تحت میں اس جزئیہ کو درج کرتے ہیں۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ

تم کہو ہم نے یقین کیا اللہ کو اور جو اترا ہم پر اور جو اترا

إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق اور یعقوب اور

الْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ

اسکی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو ملا

النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ

سب نبیوں کو اپنے رب سے ہم فرق نہیں کرتے ایک میں

مِنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِثُلِّ

ان سب سے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔ پھر اگر وہ بھی یقین لادیں

مَا آمَنَتْمْ بِهِ فَقَدْ أَهْتَدَ وَاءٍ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

جس طرح پر تم یقین لائے تو راہ پاویں اور اگر پھر جاویں تو اب

هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ

ہیں ضد پر سواب کفایت ہے تیری طرف سے انکو اللہ اور وہی ہے

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ

سُتَا جانتا ہم نے لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ

مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۚ وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾

ہے اللہ سے بہتر اور ہم اسی کی بندگی پر ہیں

تعلیم طریقہ ایمان

قال تعالى - قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ الى وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ .
گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ کہہ دو کہ ہم یہودی اور نصرانی نہیں بلکہ ملت ابراہیمی کے تابع ہیں۔ آئندہ آیت میں طریقہ ایمان کی تعلیم و تلقین فرماتے ہیں کہ اس طور پر اپنے ایمان کو ظاہر کرو کہ شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے کفر اور انکار کا ایہام نہ ہو لہذا جب تم اپنے ایمان کا اعلان کرو تو اس طرح کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر یعنی اس کے تمام اسماء و صفات پر اور اس کے تمام احکام پر اور اس کتاب اور شریعت پر ایمان لائے جو ہماری طرف بھیجی گئی اور ان تمام صحیفوں پر ایمان لائے کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور انکی اولاد کی طرف بھیجے گئے جو ان میں نبی ہوئے جیسے عزیر اور اشعیاہ اور یرمیاہ اور سمویل اور حرقیل علیہم السلام اور اس چیز پر بھی ایمان لائے کہ جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو دی گئی اور اجمالاً ہم ایمان لائے ان تمام صحیفوں پر اور شریعتوں اور احکام پر کہ جو تمام پیغمبروں کو پروردگار کی جانب سے دیتے گئے۔ اگرچہ ان میں بعض بعض سے افضل

ہیں لیکن ہم ایمان لانے میں کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں اور ہم تو خاص اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ سب انبیاء پر بلا تفریق ایمان رکھتے ہیں البتہ منسوخ شریعت کا اتباع نہیں کرتے صرف خاتم الانبیاء کا اتباع کرتے ہیں کہ جن کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔

تفریح بر مضمون سابق مع تزیین و تقریر

جب یہ معلوم ہو گیا کہ اسلام کی حقیقت یہ ہے اور ایمان کا طریقہ یہ ہے پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لائیں کہ جس طرح تم ایمان لائے ہو یعنی بلا تفریق تمام انبیاء و رسل کی تصدیق کریں پس تحقیق یہ بھی ہدایت پا جائیں گے اور اگر روگردانی کرتے ہیں تو سمجھ لو یہ لوگ صرف مخالفت اور عداوت میں غرق ہیں آپ انکی عداوت اور مخالفت سے پریشان نہ ہوں عنقریب ہی اللہ تعالیٰ انکے شر سے آپکی کفایت کرے گا اور خود ہی اللہ تعالیٰ ان سے نمٹ لیگا تم فکر نہ کرو یہ مؤمنین سے حمایت و حفاظت بلکہ غلبہ اور نصرت کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا بنو قریظہ کو قتل کرایا بنو نضیر کو جلا وطن کرایا اور نصاریٰ پر جزیہ لگایا حق تعالیٰ کا یہ ارشاد فسیکفیکھو اللہ کا وعدہ ہے اور آئندہ کی خبر ہے جو پورے طور پر ثابت ہوئی کہ چند ہی روز میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر سے یہود اور نصاریٰ کے شر کو دفع کیا اور دین اسلام کے مقابلہ میں یہود و نصاریٰ مغلوب ہوئے اور اللہ کی پیشینگوئی پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ تو سب کی باتوں کو سناتا ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔ دشمنوں کا کوئی کید اور مکر اس سے پوشیدہ نہیں اور یہ یہود اور نصاریٰ دن رات اس کو شش اور سازش میں ہیں کہ تم کو اپنے رنگ میں رنگ لیں۔ اے مسلمانو تم ان سے یہ کہدو کہ ہم کو تو اللہ نے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کا رنگ ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے اور اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے رنگ سے کون سا رنگ بہتر ہے جو اسکی طرف نظر کیجئے اور یہ رنگ ہم سے نائل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہم خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں عبادت کی وجہ سے وہ رنگ اور پختہ ہو جاتا ہے اور اخلاص کی وجہ سے دوسرے رنگ کا اس پر کوئی دھبہ بھی نہیں آنے پاتا۔ عبادت اور اخلاص کی وجہ سے وہ زیادہ چمکتا جاتا ہے۔

جب آفتاب اسلام دنیا میں طلوع ہوا تو اس وقت یہود و نصاریٰ میں ایک رسم اصطباغ کی جاری تھی پہلے اس رسم کا رواج یہود میں ہوا اور پھر عیسائیوں نے بھی اس رسم کو جاری رکھا اور اب تک عیسائیوں میں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی عیسائی بنتا ہے تو اسکو زرہ پانی کے حوض میں غوطہ دیتے ہیں یا اس کے سر پر اس میں سے کچھ پانی ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب سچا عیسائی ہو گیا اسی رسم کا نام اصطباغ ہے جس کو آج کل بیسہمہ دینا کہتے ہیں چونکہ یہود اور نصاریٰ مسلمانوں سے

یہ کہتے تھے کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ اس لیے گویا وہ انہیں اصطباغ کی دعوت دیتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (صَبْغَةَ اللّٰهِ) نازل فرمائی اور مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کی دعوت اصطباغ کا یوں جواب بتایا کہ ان سے کہہ دو کہ ہم تمہارا اصطباغ لے کر کیا کریں گے ہمیں تو اللہ کے دین کا رنگ کافی ہے اُس سے بڑھ کر اور بہتر اور کون سا رنگ ہو سکتا ہے اور تم لوگ حضرت عزیزؑ اور حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ اور اپنا خداوند سمجھنے کی وجہ سے مشرک کے ناپاک رنگ سے ملوث ہو تم اہل توحید اور اہل اخلاص کو کس رنگ کی دعوت دیتے ہو۔

فائدہ صبغة اللہ کے اعراب میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے صبغنا اللہ صبغة جیسے وعد اللہ اور صُنِعَ اللہ الذی کُلُّ شَیْءٍ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہیں اور معنی یہ ہیں وَعَدَ اللہ وَوَعَدَ اللہ صُنِعَ اللہ علامہ زنجیری اور بیضاوی اور ابویان اور علامہ سیوطی نے اسی اعراب کو اختیار فرمایا اور ہمارا ترجمہ اور تفسیر اسی اعراب پر مبنی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ منصوب علی الاغرار ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے الزہوا صبغة اللہ یعنی اللہ کے رنگ کو لازم پکڑو۔ اس تقدیر پر بھی آیت کے معنی نہایت لطیف ہونگے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو فقط تصدیق اور شہادت پر کفایت اور قناعت نہ کرو بلکہ اس سے ترقی کرو اور اپنے ظاہر و باطن کو اللہ کے رنگ سے رنگو اور وہ رنگ خداوند ذوالجلال کی اطاعت اور محبت اور رضا و تسلیم کا رنگ ہے جس سے بہتر کوئی رنگ نہیں جب کوئی شخص کسی کی مرضی کے اس درجہ تابع ہو جائے کہ اس کا کوئی حکم اس کو گراں نہ گزرے بلکہ کمال نشاط اور غایت رغبت و محبت سے اس کی تعمیل کی طرف شاداں و فرحاں دل و جان سے دوڑنے لگے تو محاورہیں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو فلاں کے رنگ میں رنگا ہوا ہے پس اے مسلمانو تم اللہ کے رنگ کو لازم پکڑو اور بطور تحدیث بالنعمة یا بطور لذت و مسرت یا بطور تعویض اور اتمام محبت یہ کہتے رہو کہ ہم تو خالص اللہ ہی کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تمہاری طرح شرک میں مبتلا نہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ صبغة اللہ - حلة ابراہیم حنیفاً سے بدل ہے اور بالفاظ دیگر حلة ابراہیم کی تفسیر ہے یعنی ملت ابراہیم اور ملت اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عجیب و غریب رنگ ہے جس کے مشاہدہ کے لیے آنکھ چاہیے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صبغة اللہ سے مراد ختنہ ہے جو ملت ابراہیمی کا خاص شعار اور خاص رنگ ہے۔

قُلْ اَتَحَاجُّوْنَكَ فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ وَنَا

کہہ اب کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے اللہ میں اور وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہم کو

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾

عمل ہمارے اور تم کو عمل تمہارے اور ہم اسی کے ہیں نرے

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى ط

اور یعقوب اور اس کی اولاد یہود تھے یا نصاریٰ

قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ط وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنَّ

کہہ تم کو خبر زیادہ ہے یا اللہ اور اس سے ظالم کون جس

كُتِمَ شَهَادَةٌ عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

نے چھپائی گواہی جو تھی اس پاس اللہ کی اور اللہ بے خبر نہیں

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا

تمہارے کام سے وہ ایک جماعت تھی گزر گئی اُن کا ہوا

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا

جو کمائے اور تمہارا ہے جو تم کماؤ اور تم سے پوچھ نہیں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۱﴾

ان کے کام کی

تلقین جواب از مجادلہ اہل کتاب

قال تعالى قُلْ أَسْأَلُكُمْ فِي اللَّهِ... إِلَى... وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ .

اور اگر اہل کتاب آپ سے اس بارہ میں مجادلہ کریں کہ ہم خدا کے رنگ کے ساتھ رنگین ہیں ہمارا دین اور ہماری کتاب تمہارے دین اور تمہاری کتاب سے مقدم ہے نبوت و رسالت ہمیشہ ہمارے ہی خاندان میں رہی اور ہم اللہ کے محبوب ہیں تو آپ انکے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارہ میں مجادلہ کیے چلے جاتے ہو۔ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اسکی ربوبیت کسی کے ساتھ مخصوص نہیں سب کو عام ہے جو اسکے حکم کے مطابق طاعت اور عبادت کرے گا وہ قبول ہوگی ورنہ رد۔ اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں کہ سراسر اس کے حکم کے مطابق ہیں آخری نبی کی زبانی جو آخری حکم نازل ہوا اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں کہ ناسخ کے نازل ہونے کے بعد منسوخ حکم اور محرف شریعت پر چل رہے ہو اور تازہ اور محفوظ شریعت سے اعراض اور انحراف کر رہے ہو اور علاوہ ازیں ہمارے اور تمہارے درمیان میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہم خالص اللہ کے لیے عبادت کرنے والے ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ تعصب اور نفسانیت اور دنیوی اعراض اور اپنی آبائی رسم کے باقی رکھنے کے لیے کرتے ہو بلکہ صریح شرک میں مبتلا ہو۔ حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہو۔ توحید اور اخلاص کا تم پر کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں۔ لہذا تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ سراسر غلط ہے تم تو سرتاپا شرک کے رنگ میں رنگے ہوئے ہو تمہارا رنگ تمہارے اعمال سے ظاہر ہے اور ہمارا رنگ ہمارے اعمال سے ظاہر ہے اور کیا تم اس آخری پیغام کی ضد اور اپنی منسوخ اور محرف شریعت کی پیروی میں یہ کہتے ہو کہ تحقیق ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور ان کی اولاد یہودی اور نصرانی تھے حالانکہ یہ لوگ نزول توریت و انجیل اور یہودیت اور نصرانیت کے ظہور سے پہلے گزر چکے ہیں اور گزشتہ آیات میں ان حضرات کا ملت اسلام پر ہونا بخوبی واضح ہو چکا ہے آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے کہ جس نے یہ خبر دی ہے مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اب بتلاؤ تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ اور ظاہر ہے کہ اللہ سے زیادہ جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے بلکہ نصوص توریت و انجیل اس پر شاہد ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی ملت حنیفیت تھی۔ ختنہ اور حج بیت اللہ ان کا شعار تھا یہودیت اور نصرانیت کے خواص مثلاً ہفتہ اور اتوار کی تعظیم ان کی شریعت میں نہ تھی اور یہ سب کچھ انکو معلوم ہے مگر چھپاتے ہیں اور ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے کہ جو ایسی شہادت کو چھپاتے اور مخفی رکھے جو اس کے پاس محفوظ ہو اور اس کو خوب یاد ہو اور وہ شہادت اس کو من جانب اللہ پہنچی ہو اور اس کے اعلان اور اظہار کا وہ مامور ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں رسول آخر الزمان کے متعلق جو شہادتیں تمہاری کتابوں میں مذکور ہیں تمہارا ان واضح شہادتوں کو چھپانا اور نصوص توریت و انجیل میں تحریف اور تغیر و تبدل کرنا سب اللہ کی نظروں کے سامنے ہے اور تم اس پر غرہ نہ کرنا کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی اور اپنے اعمال اپنے ساتھ لے

گئی اور مال و متاع کی طرح تمہارے لیے اپنے اعمال صالحہ کا ذخیرہ چھوڑ کر نہیں گئی کہ جو بوقت ضرورت تمہارے کام آئے اس جماعت کے لیے اس کا کیا ہوا کام آئیگا اور تمہارے لیے تمہارا کیا ہوا کام آئے گا اور تم سے اُن کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہو گا لہذا جب تم کو ان کے اعمال سے کوئی تعلق نہیں تو پھر ان کے اعمال سے نفع کی امید رکھنا سفاہت اور نادانی ہے۔

یہ آیت قریب ہی میں گزر چکی ہے تاکید اور مبالغہ کے لیے اس کو مکرر لائے کہ پھر

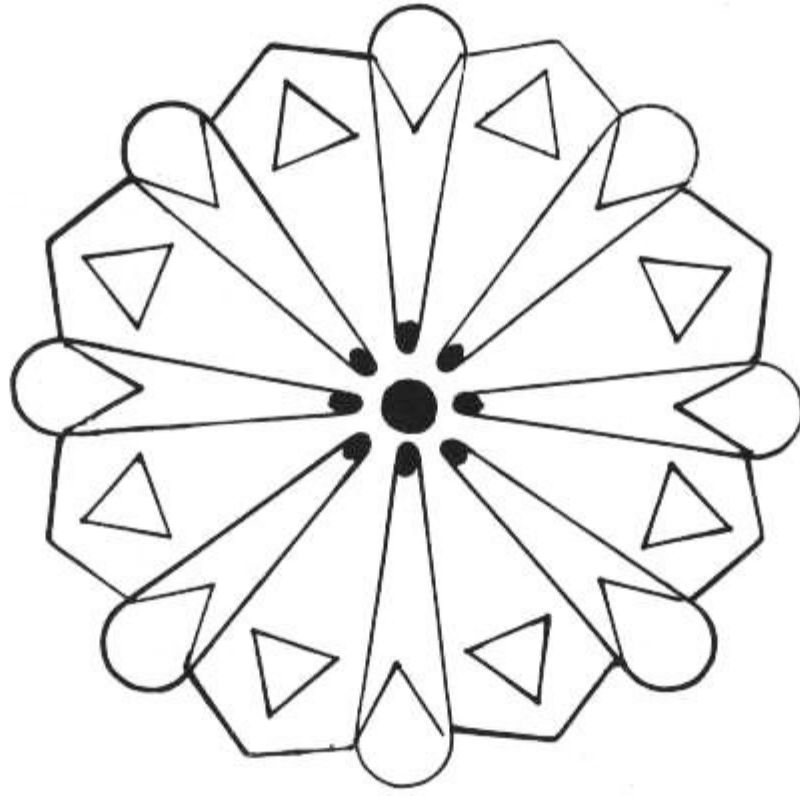
فائدہ

کہہ دیتے ہیں کہ عمل کرو آباؤ اجداد کے بھروسہ پر نہ رہو۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات والصلاة والسلام علی
سید البریات وعلی الہ و اصحابہ وازواجه الطہرات۔ مسلسلات
و متواترات ۴ شوال المکرم یوم دو شنبہ ۱۳۶۹ھ مقام بہاول پور۔



سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمْ

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کھے پر پھر گئے مسلمان اپنے قبلہ سے

الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ط قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط

جس پر تھے تو کہہ اللہ کی ہے مشرق اور مغرب

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

چلاوے جس کو چاہے سیدھی راہ

اثبات فضیلت قبلہ ابراہیمی و اسر تحویل قبلہ

قال تعالى . سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ ... إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ .
(ربط) گزشتہ آیات میں ملت ابراہیمی اور ملت اسلام کا افضل اور اکمل ہونا اور سرور عالم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل المرسل ہونا بیان فرمایا۔ اب قبلہ ابراہیمی اور کعبہ اسلامی کا تمام قبلوں سے افضل ہونا بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح اس امت کی ملت تمام ملتوں سے افضل اور اکمل ہے۔ اسی طرح اس امت کا قبلہ بھی تمام قبلوں سے افضل اور بہتر ہے اور جس طرح ملت ابراہیمی سے اعراض سفاہت اور جہالت ہے اسی طرح قبلہ ابراہیمی سے بھی اعراض سفاہت اور جہالت ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ نے ملت ابراہیمی سے بھی اعراض کیا اور حق کو چھپایا اور اپنے آباء و اجداد کے انتساب پر اعتماد کر کے اعمال صالحہ سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھا اور اپنی سفاہت اور بے وقوفی ظاہر کی۔ اب عنقریب ایک سفاہت اور ظاہر ہوگی۔ وہ یہ کہ جب بیت المقدس کا استقبال منسوخ ہو کر خانہ کعبہ قبلہ نماز مقرر ہو گا تو یہ نادان اور بے وقوف جو محض صورت کے اعتبار سے انسانوں کی جنس سے ہیں عنقریب یہ کہیں گے کہ کس چیز نے انکو اس قبلہ سے پھیر دیا کہ جس پر اب تک قائم تھے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آیت سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں۔

قَالَ مَرْوَزِي يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ يَكْتُمُونَ هِيَ آيَةُ تَحْوِيلِ قِبَلِهِ كَيْفَ نَازِلٌ هُوَ فِي لَفْظِ الْكُرْبَةِ
بِنَظَائِرِ اسْتِقْبَالِ كَيْفَ لَيْسَ لَيْكِنِ اسْ جَلْهَ مَاضِي كَيْفَ مَرَادُ هِيَ -

یہ آیت تحویل قبلہ کے حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے آئندہ پیش آنے والے طعن اور اعتراض کی پہلے ہی سے خبر دے دی۔ اس آیت

قول اول

قول ثانی

کے نزول کے وقت تک قبلہ تبدیل نہیں ہوا تھا البتہ ہونے والا تھا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اُسکی خبر دی تاکہ مسلمان یہود کے اعتراض کو سن کر گھبرائیں نہیں اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے اور اس قول پر آیت کے ربط کی تقریر اس طرح کی جاسکتی ہے کہ گزشتہ آیات اور رکوعات میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے اُن اعتراضات کے جواب دیئے گئے جو وہ کر رہے تھے اب اس آیت میں اس اعتراض کا جواب بتلاتے ہیں جو آئندہ چل کر وہ کرنے والے تھے اور مطلب یہ ہے کہ اب تک تو یہود اور نصاریٰ اور مشرکین تم پر وہی اعتراض کرتے تھے جو بیان ہو چکے۔ اور جنکا جواب بھی ہم دے چکے۔ اب عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب تم کو تحویل قبلہ کا حکم دیا جائیگا تو یہ بیوقوف اور سفیہ یہ اعتراض کریں گے کہ یہ کیا دین ہے کہ جس کا قبلہ بدلتا رہتا ہے اور یہ کہیں گے کہ مسلمانوں نے اپنے سابقہ قبلہ کو کیوں چھوڑ دیا۔

شان نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے تو خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو بحکم خداوندی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے لگے۔ سولہ یا سترہ مہینہ تک اسی طرف نماز پڑھتے رہے اس کے بعد خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا تو یہود اور مشرکین اور منافقین طرح طرح کے طعن کرنے لگے یہود کہنے لگے کہ پہلے تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو انبیاء کا قبلہ تھا اب اسکو کیوں چھوڑ دیا اور جب آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو اس وقت بعض یہودی یہ کہنے کہ ہمارے دین کو تو مانتے نہیں ہمارے قبلہ کی طرف کیوں نماز پڑھتے ہیں۔ بعض یہودی کہتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قبلہ سے واقف نہیں اس لیے ہمیں دیکھ کر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ مشرکین کہنے لگے محمد اب سمجھ گئے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے آبائی دین کی طرف آرہے ہیں۔ کوئی کہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین کے بارہ میں متحیر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے ملول ہوتے اور دل سے یہ چاہتے کہ خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں طعن کرنے والوں کے حال سے خبر دی کہ جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوگا تو یہ بے وقوف لوگ یہ کہیں گے کہ مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا کہ جس کی طرف وہ نماز پڑھا کرتے تھے یعنی یہ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اب کیا ہوا کہ وہ اسے چھوڑ کر کعبہ کی طرف نماز پڑھنے لگے۔ آپ اُن کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب وہی تمام جہات اور مکانات کا مالک ہے اس کو اختیار ہے کہ جس جہت اور جس سمت کو چاہے قبلہ مقرر کرے اور جس کو چاہے منسوخ کرے۔ غلام کو یہ پوچھنے کا حق حاصل نہیں کہ پہلے یہ حکم دیا تھا اور اب یہ حکم کیوں دیا۔ غلام کا آقا سے اس قسم کا سوال بھی اس کی بے عقلی کی دلیل ہے۔ مریض کا طبیب سے پوچھنا کہ نسخہ کیوں بدلا اس کی کمال سفاہت اور غایت حماقت کی دلیل ہے۔ غلام تو مولیٰ کے حکم کا تابع ہے اسے تو حکم کا اتباع چاہیے سر اور حکمت سے اسکو کیا بحث۔ خیر اگر تم حکمت ہی معلوم کرنا چاہتے ہو تو سنو! اصل مقصود عبادت ہے اور قبلہ عبادت کی ایک راہ ہے خدا کو اختیار ہے کہ جس راہ سے چاہے اپنے

بندوں کی منزل طے کرانے کسی کو کسی راہ سے اور کسی کو کسی راہ سے اور جسکو چاہتا ہے اپنی عبادت کا سیدھا اور قریب راستہ بتلاتا ہے کہ جلد منزل مقصود طے ہو جائے اس لیے تم کو بہترین قبلہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا جو عبادت اور معرفت کا سب سے قریب اور سیدھا راستہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام جو کہ تمام بنی نوع انسان کے باپ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ جو شجرۃ الانبیاء ہیں اور تمام مذاہب اور ملتیں انکی ملت کے تابع ہیں انکے لیے بھی یہی راستہ تجویز ہوا اور خانہ کعبہ ہی ان کے لیے قبلہ بنایا گیا کیونکہ خانہ کعبہ زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔ سب سے پہلے یہی مرکزی نقطہ پیدا کیا گیا اور یہیں سے زمین بچھائی گئی اور یہی جگہ انسان کا مبداءِ تباری ہے اور یہی جگہ عرش عظیم اور بیت المعمور کے محاذات میں ہونے کی وجہ سے حق جل شانہ کے انوار و تجلیات کا مرکز ہے اور انسان چونکہ مٹی سے پیدا ہوا ہے تو حسب قاعدہ کلی شئی یرجع الی اصلہ۔ اسکا اصلی میلان اسی مرکزی نقطہ یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہوگا اگرچہ ظاہر المحسوس نہ ہو۔ اس لیے خانہ کعبہ قبلہ عالم مقرر ہوا۔ نیز روایات سے ثابت ہے کہ جب آسمان اور زمین کو یہ خطاب ہوا۔ اَبْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کہ تم خوشی سے آؤ یا لاچار سے تو زمین کے اجزاء اور قطعات میں سے سب سے پہلے اسی جگہ نے اطاعت خداوندی کے قبول میں سبقت کی اس لیے ازراہ قدرتِ دانی حق جل شانہ نے اس جگہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔ البتہ چند روز کے لیے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل کے لیے مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنایا گیا کہ جو انبیاء بنی اسرائیل کا موطن اور مسکن اور مقام بعثت اور مقام دعوت ہونے کی وجہ سے مبارک اور مقدس جگہ ہے۔ اسی وجہ سے شب معراج میں حضور کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس لایا گیا اور حضرات انبیاء کرام کی ارواح طیبہ سے ملاقات کرائی گئی اور وہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی انوار اور تجلیات کے ساتھ انبیاء سابقین کے انوار و برکات بھی مل کر نور علی نور کا فائدہ دیں اور بنی القبلتین کے لقب سے ملقب ہوں اور توریت اور انجیل کی بشارت پوری ہو کہ وہ بنی آخر الزمان صاحب قبلتین ہوگا لہذا اس شکر میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بیت المقدس سے ہوئی چند روز کے لیے نماز میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم ہوا کہ یہ مقدس جگہ جو حضور کی معراج اور ترقی کا زینہ بنی اسکا حق یہ ہے کہ چند روز اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائیں تاکہ سینہ مبارک اس مبارک اور مقدس جگہ کے انوار و تجلیات کو اپنے اندر جذب کر لے اور پھر یہ کمالات آپ کے سینہ مبارک سے آپ کی امت کے علماء کے سینوں کی طرف منتقل ہوں تاکہ آپ کی امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے وارث کہلا سکیں۔

غرض یہ کہ اس وجہ سے چند روز کے لیے بیت المقدس کے استقبال کا حکم ہوا پھر ہمیشہ کے لیے اصل قبلہ کے استقبال کا حکم نازل ہوا۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل قبلہ خانہ کعبہ ہے اور یہی جگہ تمام روئے زمین پر سب سے افضل اور اکمل ہے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل کہ تم ہو بتانے والے

النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط

لوگوں پر اور رسول ہو تم پر بتانے والا

تمام امتوں پر اُمت محمدیہ کی فضیلت

قال تعالیٰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً قَسْطًا... اِلٰی... وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
اور جس طرح ہم نے تمہارے لیے بہتر قبلہ تجویز کیا کہ وسط زمین میں ہے اور تمہارا مہدار تباری ہے اور
حق تعالیٰ شانہ کے انوار و تجلیات کا مرکز ہے اسی طرح ہم نے تم کو امت متوسط بنایا کہ جو اخلاق اور اعمال اور
عقائد کے اعتبار سے متوسط اور معتدل ہے افراط اور تفریط کے درمیان میں واقع ہے گویا کہ یہ امت
اپنے کمال توسط اور کمال اعتدال کے اعتبار سے حلقہ اُم کے درمیان عین مسند پر بیٹھی ہوئی ہے اور
تمام امتیں اطراف و جوانب سے اسکی جانب متوجہ ہیں اور ہم نے تمکو اس توسط اور اعتدال کی فضیلت
اس لیے عطا کی تاکہ تمہاری عدالت علی وجہ الکمال ثابت ہو جائے اور قیامت کے دن تم لوگوں پر گواہ
بن سکو اس لیے کہ شہادت کے لیے عدالت شرط ہے اور جب تم کا مل العدالت ہو گے تو ٹھیک شہادت
دے سکو گے۔ کمال اعتدال کی وجہ سے کسی ایک جانب تمہارا میلان نہ ہو گا اور تمہاری شہادت حق ہو گی
اور طرفداری کے شائبہ سے پاک ہو گی۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور گزشتہ
امتوں کے کافروں سے خطاب فرمائے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نذیر یعنی ڈرانے والا نہیں آیا وہ صاف
انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا جس سے ہم کو تیرے احکام کی اطلاع ہوتی اللہ تعالیٰ
انبیاء علیہم السلام سے دریافت فرمائیں گے۔ تمام انبیاء متفق اللفظ یہ عرض کریں گے کہ اے اللہ ہم تیرے
احکام کو پہنچا چکے یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہیں ان کو سب معلوم ہے مگر اتمام حجت
کے لیے انبیاء سے گواہ طلب کریں گے۔ حضرات انبیاء اپنی گواہی میں امت محمدیہ کو پیش کریں گے۔ اہم سابقہ
کے کفار کہیں گے کہ انکو کیا معلوم یہ تو ہم سے قریباً قرن بعد میں آئے۔ امت محمدیہ یہ جواب دے گی کہ اگرچہ
ہم ان کے بعد آئے مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ تمام انبیاء نے اپنی
اپنی امتوں کو اللہ کے احکام پہنچا دیئے اور شہادت کے لیے علم قطعی اور یقینی کافی ہے۔ خاص مشاہدہ
ضروری نہیں اور نبی کی خبر مشاہدہ سے ہزارہ درجہ زیادہ قطعی اور یقینی ہے۔ مشاہدہ میں غلطی کا امکان ہے

نبی کی خبر میں غلطی کا امکان نہیں اس لیے کہ نبی ذکا سے مشتق ہے اور نبأ لغت میں اس خبر کو کہتے ہیں جو بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہو مہتمم بالشان بھی ہو۔ اس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائیگا اور آپ سے آپکی امت کی اس شہادت کے متعلق دریافت کیا جائیگا۔ تو اسے اس امت کے مسلمانوں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہونگے اور تمہاری عدالت اور صداقت کی شہادت دیں گے اور پھر تمہاری شہادت کے مطابق حضرات انبیاء کے حق میں فیصلہ ہوگا اور کفار مجرم قرار دیئے جائیں گے۔

فائدہ اس امت کو متوسط اس معنی کہ فرمایا کہ یہ امت عقائد اور اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے معتدل ہے افراط اور تفريط کے درمیان ہے۔ برخلاف یہود کے وہ تفريط میں مبتلا ہیں۔ حضرات انبیاء کی تقیص کرتے ہیں انکو محصوم نہیں سمجھتے جو کہ نبوت کا خاصہ لازمہ ہے اور نصاریٰ افراط میں مبتلا ہیں کہ اپنے نبی کو مرتبہ بندگی سے درجہ فرزند پر پہنچایا اور توسط اور اعتدال ہی باجماع عقلا را علی درجہ کا کمال ہے۔ اسی لیے علماء نے اس آیت سے امت محمدیہ کے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس امت کے اجماع کو نہ قبول کرنا اسکی عدالت سے عدول کرنا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ کے وسط (درمیان) میں ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ امت انبیاء اولیاء کے درمیان ہے انبیاء سے نیچے اور اولیاء سے اوپر۔ چونکہ اس خطاب کے بالذات مخاطب صحابہ کرام ہیں اس لیے اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کا مقام انبیاء کرام سے نیچے ہے اور تمام اولیاء سے بلند اور اونچا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

اور وہ جو ہم نے ٹھہرایا قبلہ جس پر تو تھا، نہیں مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں

يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ ۖ وَإِنْ

کہ کون تابع رہیگا رسول کا اور کون پھر جاویگا الٹے پاؤں اور یہ بات

كَانَتْ لَكِبْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ وَمَا

بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دی اللہ نے اور اللہ

كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيْمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ

ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا یقین لانا البتہ اللہ لوگوں پر

لَرُءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۳۲﴾

شفقت رکھتا ہے مہربان

تحويل قبلہ پر ایک شبہ مع الجواب

قال تعالى وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا ۖ اِلَى ۖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرُءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

آگے ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس امرت متوسطہ اور کاملہ کے لیے مناسب یہی قبلہ کاملہ ہے کہ جو وسط ارض میں ہے تو پھر اس میں کیا مصلحت تھی کہ چند روز کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا اور پھر اسکو منسوخ کیا۔ آئندہ آیت میں اسکا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے علم میں تمہارا اصلی قبلہ تو کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیم کے وقت سے چلا آ رہا تھا۔ اور جس قبلہ کی طرف چند روز آپ نماز ادا کرتے رہے یعنی بیت المقدس اسکو ہم نے آپکا اصلی قبلہ نہیں بنایا تھا مگر محض اس مصلحت کے لیے چند روز اس کے استقبال کا حکم دیا تھا کہ علانیہ اور ظاہری طور پر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں رسول کی تصدیق اور اطاعت سے تکذیب اور نافرمانی کی طرف پھرتا ہے۔ یعنی بجائے کعبہ کے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں مسلمانان قریش کا امتحان مقصود تھا کہ کون رسول اللہ کا سچا تابعدار ہے کہ جس قبلہ کی طرف بھی نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اسی طرف نماز ادا کرتا ہے اور کون قومی حمیت کی رعایت کرتا ہے اس لیے کہ قریش کعبۃ اللہ کی تعظیم پر فخر کرتے تھے اور قبلہ ابراہیمی کی مجاورت اور خدمت پر ناز کرتے تھے۔ اور بیت المقدس سے قبلہ بنی اسرائیل ہونے کی وجہ سے نفرت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قومی حمیت کے امتحان کے لیے بجائے خانہ کعبہ کے بیت المقدس کے استقبال کا حکم دیا۔ بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے میں مسلمانان قریش کا امتحان تھا اور پھر جب تحويل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو اس میں مسلمانان یہود کا امتحان تھا اور چونکہ بیت المقدس محض چند روز کے لیے امتحاناً قبلہ بنایا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر شاق اور گراں ہو اس لیے ارشاد فرماتے ہیں اور بے شک بیت المقدس کا قبلہ ہونا قریش اور عرب پر بہت شاق اور گراں تھا۔ اولاد اسماعیل ہونے کی وجہ سے قبلہ ابراہیمی کو پسند کرتے تھے مگر ان لوگوں پر شاق نہیں کہ جنکو اللہ نے ہدایت اور توفیق دی اہل ہدایت کی نظر ہمیشہ اطاعت پر رہتی ہے کہ جس وقت جو حکم ہو اس کی تعمیل کی جائے جس جانب چہرہ کرنے کا حکم ہو گا اسی جانب متوجہ ہو جائیں گے۔ نیز انھیں انھیں اپنے ذوق سلیم سے یہ خیال کرتے تھے کہ اگرچہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے۔ مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں اور آپ کی رسالت تمام عالم اور اہم کے لیے ہے

اس لیے یہ لوگ اپنی نور فرست سے سمجھتے تھے کہ ضروری ہے کہ کسی وقت استقبال بیت المقدس کی نوبت آئے گی۔ اور بعد چندے اصل قبلہ یعنی کعبہ کی طرف رجوع کا حکم ہوگا۔ جو افضل المرسل کے مناسب ہے۔

ایک شہ اور اسکا ازالہ
اللہ تعالیٰ سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کو پہلے سے علم نہ تھا بعد میں علم ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور ازل سے ہے عاذاً وکلاً اللہ کا علم حادث نہیں۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ علم سے تمیز کے معنی مراد ہیں یعنی ممتاز اور جدا کر دینا بعض کہتے ہیں کہ علم سے مراد امتحان اور آزمائش ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم مطیع کو نافرمان سے ممتاز اور جدا کر دیں یا یہ معنی ہیں کہ ہم امتحان کرتے ہیں کہ کون اطاعت کرتا ہے اور کون انحراف کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مضاف محذوف ہے اور اللہ کے جاننے سے اللہ کے رسول کا اور عباد مؤمنین کا جاننا مراد ہے یعنی تاکہ ہمارا رسول اور اہل ایمان بھی جان لیں۔ اور بیت المقدس اگرچہ اصلی قبلہ نہ تھا مگر تم نے اس مدت میں جو نمازیں بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں انکو ضائع نہ سمجھنا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ جو تمہارے ایمان اور اطاعت کو ضائع کر دے اس لیے کہ تم نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہیں وہ اللہ ہی کے حکم سے پڑھی ہیں اور تحقیق اللہ تعالیٰ تو تمام آدمیوں پر نیک ہوں یا بد مؤمن ہوں یا کافر سب ہی پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہیں وہ اپنے حکم کے اتباع کرنے والوں کی نماز اور بندگی کب ضائع کر سکتے ہیں۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

ہم دیکھتے ہیں پھر پھر جانا تیرا منہ آسمان میں سو البتہ پھیریں گے

قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے اب پھر منہ اپنا طرف مسجد حرام کے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ

اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف اور جن کو

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لِيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان

رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾

کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو کرتے ہیں

تحويل قبلہ کا حکمانہ جواب

قال تعالى قَدْ ذَرَأَى ثَقَلُوبُكُمْ وَجْهَكُمْ فِي السَّمَاءِ... الى... وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ۔
گزشتہ آیات میں تحويل قبلہ پر شبہ کا حکمانہ جواب تھا۔ اب حکمانہ جواب ارشاد فرماتے ہیں اور تحويل قبلہ کی حکمتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

حکمت اول | رافت اور رحمت کی وجہ سے اگرچہ استقبال بیت المقدس میں بھی اجر کامل مل جائے مگر قبلہ کاملہ درحقیقت کعبہ معظمہ ہے اور کامل کا میلان طبعی کامل ہی کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ کامل قبلہ کے استقبال کا حکم لیکر نازل ہو۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے چہرہ کا بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف اٹھنا کہ کب خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو اور چونکہ ہم کو آپ کی آرزو اور خواہش کا پورا کرنا منظور ہے پس اس لیے ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح میری ملت ابراہیمی ہے اسی طرح میرا قبلہ عبادت بھی قبلہ ابراہیمی بنا دیا جائے اور پھر حکم دے ہی دیتے ہیں پس آپ اپنا منہ بجائے بیت المقدس کے مسجد حرام کی طرف کر لیجئے کہ اب ہمیشہ کے لیے وہی آپ کا قبلہ ہے اور یہ حکم آپ کے لیے مخصوص نہیں اگرچہ درخواست آپ کی تھی مگر حکم تمام امت کے لیے ہے۔ امت سے کہہ دیجئے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اسی جانب اپنے چہروں کو متوجہ کرو حتیٰ کہ اگر بیت المقدس میں بھی ہو تب بھی مسجد حرام ہی کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرو اور تحقیق اہل کتاب بخوبی یہ جانتے ہیں کہ یہ قبلہ حق ہے۔ خود اُن کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی آخر الزمان ملت ابراہیمی پر ہونگے اور اُن کا قبلہ قبلہ ابراہیمی ہوگا اور اہل کتاب یہ بھی بالیقین جانتے ہیں کہ اس نبی اور اس امت نے یہ قبلہ اپنی رائے سے نہیں ٹھہرایا بلکہ اُن کے پروردگار کی جانب سے یہی حکم آیا ہے مگر اس کو چھپاتے ہیں ظاہر نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ اُن کی ان کارروائیوں سے غافل نہیں وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کے حکم پر چلتا ہے اور کون اپنی رائے اور خیال پر چلتا ہے۔ حاصل اس حکمت کا یہ ہے کہ ہم نے آپ کی خواہش اور خوشی کے موافق قبلہ تبدیل کر دیا تاکہ لوگوں پر آپ کا شرف اور آپ کی عظمت ظاہر ہو جائے۔

وَلَيْنُ اتَّيَتْ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ

اور اگر تو لادے کتاب والوں پاس ساری نشانیاں نہ

مَا تَتَّبِعُوا قِبَلَتَكَ ۖ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبَلَتِهِمْ

چلیں گے تیرے قبلہ پر اور نہ تو مانے ان کا قبلہ

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبَلَةَ بَعْضٍ ۖ وَلَيْنُ اتَّبَعْتَ

اور نہ ان میں ایک ماننا ہے دوسرے کا قبلہ اور کبھی تو چلا انکی

أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا

پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ تک پہنچا تو بے شک تو بھی

لَئِنَّ الظَّالِمِينَ ۝۱۳۵ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَعْرِفُونَهُ كَمَا

ہے بے انصافوں میں جنکو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں یہ بات جیسے

يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ

پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور ایک فرقہ ان میں چھپاتے ہیں حق کو

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۱۳۶ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

جان کر حق وہی جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے

السَّاتِرِينَ ۝۱۳۷ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا

والا اور ہر کسی کو ایک طرف ہے کہ منہ کرلے اس طرف سوتم

الْخَيْرَاتِ ۖ إِنَّ مَا تَكُونُوا يَأْتِيَكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۖ إِنَّ اللَّهَ

سبقت چاہونیکوں میں جس جگہ تم ہو گے کر لادے گا اللہ اکٹھا بے شک اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۳۸ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

ہر چیز کر سکتا ہے اور جس جگہ سے نکلے منہ کر



وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ

طرف مسجد حرام کے اور یہی تحقیق ہے تیرے رب

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

کطرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے اور جہاں سے تو نکلے

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

منہ کر طرف مسجد حرام کے اور جس جگہ تم ہو

فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ ۖ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ

کرد منہ کرو اسی کی طرف کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے

مُحْجَةً ۚ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۖ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ

کی جگہ مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سوان سے مت ڈر اور مجھ سے

وَاِلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ڈرو اور اس واسطے کہ پورا کروں تم پر فضل اپنا اور شاید تم راہ پاؤ۔

عناد اہل کتاب دربارہ قبلہ

قال تعالى وَلَئِنْ آتَيْتَ الذِّكْرَ أَوْ لَوْ أَنَّكَ تَكْتُبُ... اِلَى... وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ هـ
(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اہل کتاب کو اس قبلہ کا حق ہونا بخوبی معلوم ہے اور خود ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی آخر الزمان کچھ روز بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں گے اور آخرہ کو کعبہ کی طرف اور یہی ان کا اصل اور دائمی قبلہ ہے جو ملت ابراہیمی کے موافق ہے مگر حسد اور عناد کی وجہ سے چھپاتے ہیں آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ انکا عناد کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر آپ اس قبلہ کی حقیقت اور فضیلت پر ہر قسم کے دلائل اور نشانات بھی لے آئیں تب بھی یہ لوگ آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں گے اور نہ آپ کبھی بھی ان کے قبلہ کا اتباع اور پیروی کریں گے ان کا مقصد تو یہ

ہے کہ آپ انکے تابع بن جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کبھی بھی انکے قبلہ کا اتباع اور پیروی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ انکا قبلہ منسوخ ہو چکا ہے اور جس قبلہ کا آپ کو حکم ہوا ہے وہ آئندہ چل کر کبھی منسوخ نہ ہوگا اور بیت المقدس کے استقبال کا اب کبھی حکم نہ آئیگا اور عقلاً بھی اہل کتاب کے قبلہ کا اتباع ممکن نہیں اس لیے کہ وہ خود ہی آپس میں قبلہ کے بارہ میں ایسے مختلف ہیں کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے قبلہ کے متبع نہیں ہر ایک نے اپنی نفسانی خواہش سے علیحدہ قبلہ کا اتباع کر رکھا ہے اور اے نبی کریمؐ بالفرض اگر آپ انکی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرنے لگیں بعد اسکے کہ آپ کے پاس قبلہ کے بارہ میں علم صحیح اور قطعی آ چکا تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں شمار ہونگے اس لیے کہ ناسخ کو چھوڑ کر منسوخ کا اتباع کرنا ہوائے نفس ہے اور ہوائے نفسانی کا اتباع آپ سے بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے لہذا آپ سے اُن کے قبلہ کا اتباع بھی محال ہوگا۔

عناد اہل کتاب در بارہ صاحب قبلتین و رسول ثقلین علیہ وسلم

وحکمت اول در تحویل قبلہ

گزشتہ آیت میں قبلہ کے بارہ میں اہل کتاب کے عناد کا ذکر تھا اب صاحب قبلہ کے بارہ میں ان کے عناد کا ذکر ہے کہ اہل کتاب اسی نبی موعود کو جانتے اور پہچانتے ہیں مگر مانتے نہیں چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کو خوب پہچانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ اہل کتاب آپ کی صورت اور شکل کو دیکھ کر اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو صورت و شکل اور قد و قامت سے پہچانتے ہیں۔ جیسے بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح نبی کریمؐ کی صورت کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی نبی برحق ہے اور یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں اس لیے کہ توریت اور انجیل میں آپ کا حلیہ اور صورت و شکل اور قد و قامت لون وغیرہ سب مذکور تھا اور تحقیق ان میں کا ایک فریق حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ توریت میں آپ کا نبی قبلتین ہونا بھی مذکور ہے پس یہی امر حق ہے جو تیرے رب کے پاس سے آیا ہے پس تو ان کی تلبیس کی وجہ سے ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ خطاب آپ کو ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلامؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہو۔ تو جواب دیا کہ ہاں بیٹوں سے زیادہ پہچانتے ہیں۔ بیٹے میں شک ہو سکتا ہے کہ شاید بیوی نے خیانت کی ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کوئی شک نہیں ہو سکتا آپ کی صفات اور علامات ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی ہم نے پہچان لیا کہ آپ نبی برحق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے سچ کہا اور اللہ نے تم کو خیر کی توفیق دی۔

حکمت دوم در تحویل قبلہ

اور دوسری حکمت تحویل قبلہ میں یہ ہے کہ ہر امت کے لیے ایک جدا گانہ قبلہ ہے جس کی طرف وہ امت متوجہ ہوتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نماز کا قبلہ خانہ کعبہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کا قبلہ بیت المقدس تھا اسی طرح تمہارے لیے بھی ایک مستقل قبلہ تجویز ہوا۔ جس طرح تمہارا دین مستقل اور جدا گانہ ہے اسی طرح تمہارے لیے قبلہ بھی مستقل ہونا چاہیئے کوئی جہت اور کوئی سمت اپنی ذات سے قبلہ نہیں خدا تعالیٰ نے جس جہت کو قبلہ بنا دیا وہ قبلہ ہو گئی اسی طرح خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک جہت کو قبلہ مقرر کر دیا۔ پس اے مسلمانو تم اس قبلہ کے مسئلہ میں کنج و کاؤ نہ کرو۔ اصل نیکیوں کی طرف دوڑو جو مقصود بالذات ہیں یعنی نماز اور روزہ وغیرہ۔ نہ کہ قبلہ کہ وہ اصل عبادت نہیں بلکہ ذریعہ عبادت ہے اور اصل عبادت تو حکم خداوندی کا امتثال ہے اسکی طرف دوڑو۔ جس وقت وہ خداوند ذوالجلال بیت المقدس کے استقبال کا حکم دے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور جس وقت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دے اس طرف متوجہ ہو جاؤ کسی سے منازعت کی ضرورت نہیں۔ تمام خیرات اور نیکیوں کی جڑ، امر خداوندی کے امتثال میں مبادرت اور سبقت کرنا ہے۔ اصل بھلائی حکم کی پیروی میں ہے جس وقت جو حکم ہوا اسکی تعمیل کرو اور آخرت کی فکر کرو۔ جہاں سب عبادتوں پر اجر ملے گا اور اصل عبادت تعمیل حکم ہے وہ احکم الحاکمین ہے جو چاہے حکم دے تم مشرق اور مغرب میں جہاں کہیں ہو گے تم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حساب کے لیے حاضر کرے گا اور تمہارے اعمال کے مطابق تمکو جزا دیگا یعنی اختلاف جہات صرف دنیا میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جہات مختلفہ سے ایک مکان میں جمع کرے گا اور سب کو بھلائی اور برائی کی جزا دیگا اور سب نمازوں کو بمنزلہ ایک نماز کے بنا دیگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اب آپ آئندہ نماز میں بیت المقدس کا استقبال نہ کریں بلکہ جس جگہ سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور یہی حق ہے کہ ہر حال میں خانہ کعبہ کا استقبال کرو اور تیرے رب کی طرف سے یہ حکم آیا ہے جس سے مقصود تیری ہی تربیت ہے اور تکمیل عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں کہ کون اس کے حکم کے موافق نماز ادا کرتا ہے اور کون اس کے خلاف کرتا ہے۔

حکمت سوم در تحویل قبلہ

اور تیسری حکمت اتمام حجت اور دفع الزام ہے۔ اولاً تحویل قبلہ کے حکم کا اعادہ فرمایا اور ثانیاً لَعَلَّآ یَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ سے اس حکم کی ایک جدید علت بیان فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور پھر ہم تمکو مکرر کہتے ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جس جگہ سے بھی باہر نکلیں تو اپنا منہ نماز میں مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور اے مسلمانو، تم بھی جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کر لیا کرو تاکہ لوگوں کا تم پر کوئی الزام نہ ہے کیونکہ اگر تحویل قبلہ کا حکم نہ نازل ہوتا تو یہود تمکو یہ الزام دیتے کہ تورات میں یہ صاف لکھا ہوا ہے کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے نماز میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ اور خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو جانے کا انکو حکم آئے گا

پس یہود یہ الزام دیتے کہ توریت میں جو نبی آخر الزمان کی علامت لکھی ہوئی ہے وہ آپ میں موجود نہیں اور مشرکین یہ الزام دیتے کہ محمد دعویٰ تو کرتے ہیں ملت ابراہیمی کے اتباع کا مگر قبلہ ابراہیمی سے روگردانی کرتے ہیں۔ اب تحویل قبلہ کے حکم نازل ہونے سے یہود اور مشرکین کسی کا کوئی الزام نہیں رہا اور ہر دو فریق کی زبان بند ہو گئی مگر جو ان میں ظالم ہیں وہ اعتراض اور طعن سے باز نہ آئیں گے۔ یہود یہ کہیں گے کہ محض حسد کی وجہ سے ہمارے قبلہ کو چھوڑا جو کہ انبیاء کا قبلہ تھا اور ظالم بت پرست یہ کہیں گے کہ محمد رفتہ رفتہ اپنے آبائی دین کی طرف آ رہے ہیں۔ پس تم ان ظالموں اور ان کے طعن سے نہ ڈرو۔ بلکہ فقط مجھ سے ڈرتے رہو اور ان کے طعن کی وجہ سے میرے حکم کو نہ چھوڑو۔ خالق کے حکم کو مخلوق کے طعن سے چھوڑنا موجب خسران و عذاب ہے اور خالق کی حکم برداری کے لیے مخلوق کے طعن پر صبر کرنا موجب فلاح و ثواب ہے مخلوق کا طعن مضر نہیں خالق کی خلاف حکمی مضر ہے۔

اور چوتھی حکمت یہ ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کروں | حکمت چہارم در تحویل قبلہ

ہے، تمہاری توجہ سب سے افضل اور اکمل قبلہ اور بہترین جہت کی طرف ہوتا کہ اس جہت کے انوار و برکات بھی تمہاری نماز کو خوب روشن اور منور بنا دیں۔ قبلہ کے باب میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ عبادت میں افضل جہات کے استقبال کا حکم دیا جائے جیسا کہ دین کے بارہ میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ دین کا مل عطا کیا جائے کما قال تعالیٰ۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔

اور پانچویں حکمت یہ ہے کہ تم کو سیدھا راستہ معلوم ہو اور افضل جہات | حکم پنجم در تحویل قبلہ کے استقبال سے تم کو ہدایت کاملہ حاصل ہو اور قریب ہی راستہ سے جلد منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔ (جیسا کہ یٰہُدِیْ هٰنِ یَشَاءُ اِلٰی صٰیِطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ کی تفسیر میں گزرا)

تحویل قبلہ کے حکم کو مکرر لانے کی حکمت | وجہ اول۔ تحویل قبلہ کے حکم فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کو تین بار

اس لیے مکرر لایا گیا کہ حق تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی تین علت غائیہ ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا اور خواہش یہی تھی۔ وحی کے انتظار میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے آپ کی دل جوئی اور ظہار کرم کیلئے حکم دیا گیا دوم یہ کہ ہر امت کیلئے مستقل قبلہ ہوتا ہے اور امت محمدیہ بھی ایک مستقل امت ہے لہذا اس کیلئے بھی ایک مستقل قبلہ ہونا چاہیے۔ مخالفین کا الزام دفع کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا کما اشار الیہ بقولہ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ اس لیے ہر علت کے ساتھ معلول کی اور ہر دلیل کے ساتھ دعویٰ کی تجدید کر دی گئی کیونکہ کلام کی خوبی یہ ہے کہ علت اور معلول اور دعویٰ دونوں ساتھ ذکر کیے جائیں۔

وجہ دوم - بعض اہل علم نے تکرار کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ پہلی آیت خاص ساکنانِ حرم کے حق میں ہے اور دوسری آیت ساکنانِ جزیرۃ العرب کے حق میں ہے اور تیسری آیت تمام روئے زمین کے باشندوں کے حق میں ہے۔

وجہ سوم :- پہلی آیت تعلیمِ احوال کے لیے ہے اور دوسری آیت تعلیمِ امكنہ کے لیے ہے اور تیسری آیت تعلیمِ ازمناہ کے لیے ہے۔ یعنی تمام احوال اور تمام مکانات اور تمام اوقات میں یہی قبلہ ہے اسکا استقبال ضروری ہے۔

وجہ چہارم :- چونکہ شریعت میں سب سے پہلے یہی حکم منسوخ ہوا اس لیے اس کے بیان میں زیادہ اہتمام کیا گیا اور تاکید تین بار اس حکم کا اعادہ کیا گیا۔
وجہ پنجم :- کسی حکم کا منسوخ ہونا محلِ فتنہ اور محلِ شبہ ہے اور احکامِ خداوندی میں نسخ جاری ہونا بے وقوفوں کی عقل سے باہر ہے اس لیے اس حکم کا تکرار مناسب ہوا۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا

جیسا بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا تمہارے پاس ہماری آیتیں

وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ

اور تم کو سنوارتا اور سکھاتا کتاب اور تحقیق بات اور سکھاتا تم

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

کو جو تم نہ جانتے تھے

بیان طائف رسول اعظم کہ از قبلہ ابراہیمی و حرم محترم مبعوث باشد

قال تعالى - كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ... الى... وَيُعَلِّمُكُمُ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ.
(رابطہ) ابتداء رقصہ میں بنا رکعبہ کا ذکر فرمایا اور بعد ازاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ذکر فرمائی
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ الْاٰيَةُ - کہ اے اللہ اس
حرم کعبہ کی سرزمین سے ایسا نبی مبعوث فرما کہ جو تیری آیات کی تلاوت کرے اور لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم

ہے۔ الی آخرہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں خانہ کعبہ کو مرجع خلائق اور قبلہ عالم بنایا اور قبلہ ابراہیمی کے بارہ میں جو سفہار کے شبہات تھے تفصیل کے ساتھ ان کا جواب دیا اور خانہ کعبہ کا افضل قبلہ ہونا بیان فرمایا اب آگے اس بحث کو حضرت ابراہیمؑ کی دوسری دعا یعنی افضل الرسل کی بعثت کے ذکر پر ختم فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے قبلہ کے بارہ میں تم پر اتمام نعمت کیا کہ سب سے افضل قبلہ تمہارے لیے مقرر کیا اسی طرح ہم نے نبوت و رسالت اور ہدایت کے بارہ میں تم پر اس طرح اتمام نعمت کیا کہ سب سے افضل اور اکمل اور عظیم الشان رسول تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا اور پھر اس پر مزید انعام یہ کہ تمہاری قوم میں سے یا تمہاری جنس میں سے بھیجا۔ جو تمہارے لیے دین و دنیا میں باعث عزت و شرف ہو اور اس طرح تم پر اللہ کی نعمت پوری ہوئی۔ غور تو کرو کہ کس قدر عظیم الشان نعمت ہے اور وہ رسول فقط ہمارے احکام ہی نہیں پہنچانے کا بلکہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت بھی کرے گا جس سے تم کو کلام الہی کے سننے کی نعمت حاصل ہوگی۔ اور اسرارِ ملائحت اور دلائل اعجاز تم پر منکشف ہونگے اور چونکہ کلام متکلم کے کمالات کا آئینہ اور مظہر ہوتا ہے اس لیے اس نور السموات والارض کے انوار و تجلیات بواسطہ اس کلام کے بقدر تمہاری استعداد کے تمہارے قلوب پر منعکس ہوں گے اور جو قلوب اور صدور اپنے رب غفور کے اس کلام سراپا نور کی حفاظت کریں گے وہ کوہ طور کا ایک نمونہ ہوں گے اور پھر تم اس کلام کے ذریعہ سے اپنے رب اکرم سے قبلہ رو ہو کر مناجات کر سکو گے اور اسکی تلاوت اور استماع سے جواہر اور لذت تم کو حاصل ہوگی وہ جیٹہ بیان سے باہر ہے اور علاوہ ازیں وہ رسول تم کو اپنی ایک ہی نظر کیمیا اثر میں گناہوں کے زنگ سے آئینہ کی طرح صاف و شفاف بنا دیگا مگر بشرط یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اس رسول کی نظروں اور قدموں پر تو لا کر ڈالو اور اگر تم اس کی نظر ہی سے بھاگ جاؤ تو پھر نظر کیا کام کرے آئینہ جب تک آفتاب کے سامنے نہ ہو تو آفتاب کا عکس اس میں کہاں آئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آئینہ دل کو آفتاب نبوت کے سامنے کر دیا نور ہدایت سے جگمگا اٹھا۔ ابوہل اور ابولہب نے آفتاب نبوت سے منہ پھیر لیا نور ہدایت سے محروم رہے۔ اور وہ رسول تم کو کتاب الہی کے معانی اور اسرار و حکم بھی سکھائے گا اور علاوہ ازیں وہ رسول تم کو ایسی عجیب و غریب باتوں کی بھی تعلیم دیگا کہ جن کو تم اپنی عقل سے نہیں جان سکتے تھے جیسے نماز کی کیفیت اور زکوٰۃ کی کیمیت اور حج کا طریقہ نماز اور زکوٰۃ کی کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے معلوم ہوئی قرآن میں اجمال تھا حدیث نے اس کی تفصیل کی۔ اور جس عظیم الشان رسول کے مبعوث ہونے کی حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی اس کا ظہور ہو گیا ہے۔

گم نہ ہوتی ذات پاک انبیاء : حق سے باطل کس طرح ہوتا جدا
اور اس طرح اللہ کی نعمت تم پر پوری ہوئی۔ لہذا تم اس نعمت عظمیٰ کا شکر کرو چنانچہ فرماتے ہیں۔

عہ گزشتہ آیت میں وَلَا تَمْنُوا فِعْیَ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُونَ تھا۔ اس اتمام نعمت کے لفظ سے ولاتہ نعمتی کی طرف اشارہ ہے اور آئندہ سطر میں یہ لفظ تمہاری ہدایت کیلئے بھیجا۔ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُونَ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

تو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو

تَلَقُّينَ ذِكْرًا وَشُكْرًا

قال تعالى - فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝
پس جب کہ میں نے تم کو ایسی عظیم نعمتوں سے سرفراز کیا اور تم میں ایسا عظیم الشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیج کر تم کو یاد کیا تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ تم بھی مجھ کو ہمیشہ یاد رکھو کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو میں تم کو اپنے لطف و عنایت سے یاد کرونگا اور ملائکہ اعلیٰ میں تمہارے ذکر کا ذکر کرونگا کہ یہ میرے یاد کرنے والے بندے ہیں جس سے ملائکہ اعلیٰ اور ملائکہ مقربین کی عنایات تم پر مبذول ہوں گی۔
قلب سے حجابات غفلت دور کرنے کے لیے ذکر الہی سے بہتر کوئی شے نہیں۔ جس طرح قلب سے حرص اور طمع کا فاسد مادہ دور کرنے کے لیے الفاق فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں اور میرا احسان مانو اور شکر کرو کہ تمہاری ہدایت کے لیے ایسا عظیم الشان رسول بھیجا۔
شکر سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ لَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ہمارے نعمت کا شکر کیا تو تمہاری ہدایت اور کتاب و سنت کے علم اور معرفت میں زیادتی ہوگی اور جتنا ذکر اور شکر کرو گے اسی قدر تمہارے تزکیہ باطن اور علوم و معارف میں زیادتی ہوگی۔ اور میری ناشکری مت کرو کہ اس رسول کا انکار کر بیٹھو اور دل و جان سے اسکی اطاعت نہ کرو۔ اور اگر من جانب اللہ علوم و معارف منکشف ہوں تو دعوے مت کرو دعویٰ بھی ناشکری میں داخل ہے۔

نکتہ | دعا برابر ایسی جو پہلے گزر چکی ہے اس میں تعلیم الکتاب والحکمۃ کا ذکر مقدم تھا اور تزکیہ کا ذکر مؤخر تھا اور اس آیت یعنی کَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ۝۱ الخ میں تزکیہ کا ذکر مقدم ہے اور تعلیم الکتاب والحکمۃ کا ذکر مؤخر ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اصل مقصود تو تزکیہ نفس ہے اور تعلیم الکتاب والحکمۃ اسکا وسیلہ اور ذریعہ ہے اگر تعلیم ہو اور تزکیہ حاصل نہ ہو تعلیم بے فائدہ ہے اور عموماً تزکیہ نفس تعلیم کتاب اور حکمت ہی کے بعد حاصل ہوتا ہے اور تعلیم تزکیہ کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے اس لیے دعائے ابراہیمی میں ترتیب وقوعی کے لحاظ سے تزکیہ کے مبادی اور وسائل کو پہلے ذکر کیا اور مقصود کو اخیر میں ذکر کیا۔ اور حق جل شانہ نے جب دعا برابر ایسی کی اجابت اور قبولیت کا ذکر فرمایا تو اصل مقصود کو پہلے ذکر فرمایا تاکہ سامعین کو ابتداء ہی سے یہ معلوم ہو جائے کہ اصل مقصود تزکیہ ہے اور وہ بارگاہ خداداد سے منظور ہو چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اے مسلمانو قوت پکڑو ثابت رہنے سے اور نماز سے

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾

بیشک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے

طریقہ تحصیل ذکر و شکر و بیان فضیلت صبر



قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ هـ (ربط) گزشتہ آیت میں ذکر و شکر کا حکم تھا اور کفران نعمت کی ممانعت تھی اور ذکر و شکر میں تمام احکام خداوندی کا بجا لانا داخل تھا اور کفران نعمت کی ممانعت میں تمام مہنیات اور ممنوعات سے بچنا داخل تھا اور تمام احکام کا بجا لانا اور تمام ممنوعات سے بچنا بظاہر بہت دشوار ہے۔ اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کو ذکر اور شکر کے حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اے ایمان والو اگر ذکر اور شکر اور درجات قرب اور معرفت کے حاصل کرنے میں دشواری معلوم ہو تو صبر اور نماز کی مدد اور سہارے سے اس کو حاصل کرو۔ صبر من جانب اللہ ایک خاص ہتھیار ہے کہ جو خاص انسان کو عطا کیا گیا ہے تاکہ مشکلات میں اس کا معین اور مددگار ہو۔ صبر کی خاصیت یہ ہے کہ رنج و غم کو ہلکا کر دیتا ہے حیوانات میں صرف شہوت ہے عقل نہیں۔ ملائکہ میں صرف عقل ہے شہوت نہیں۔ انسان میں عقل کے ساتھ شہوت اور غضب بھی ہے۔ اس لیے انسان کو شہوت اور غضب کا دار روکنے کے لیے صبر کا ہتھیار دیا گیا اور فرشتہ اور حیوان کو نہیں دیا گیا۔ عقل اور شہوت میں جب کشمکش ہو تو عقل کے اشارہ پر چلنا اور نفسانی خواہشوں پر نہ چلنا اس کا نام صبر ہے۔ اخلاق جمیلہ میں صبر کا مقام نہایت بلند ہے۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں صبر کو شریک یا چھتر جگہ ذکر فرمایا ہے۔ آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل صالح کا اجر مقرر ہے مگر صبر کا اجر بے حساب ہے۔ پس اگر نفس پر احکام شرعیہ شاق اور گراں ہوں تو ان کے آسان ہونے کا ایک علاج تو صبر ہے اور دوسرا علاج نماز ہے۔ اس لیے کہ نماز ایک تریاق مجرب ہے جو ذکر اور شکر اور خشوع اور خضوع اور اس قسم کے مختلف اجزاء سے مرکب ہے جو ہر بیماری کی دوا اور ہر مشکل کا علاج ہے۔ جیسے بارش کے لیے صلوٰۃ استسفار ہے اور ہر دینی اور دنیوی مطلب کے لیے صلوٰۃ الحاجت ہے۔ حضرات انبیاء کرام کو جب مشکل پیش آتی تو نماز میں مشغول ہوتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز

میں مشغول ہو جاتے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب ظالم بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو پکڑا دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور جبریلؑ راہب پر جب لوگوں نے زنا کی تہمت لگائی تو جبریلؑ نماز میں مشغول ہو گئے۔
(بخاری و مسلم)

غرض یہ کہ نماز اتم العبادات ہے اور دین کا ستون ہے اور مومن کی معراج ہے جس کی کثرت سے مومن کے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ نماز اگرچہ مختلف اجزاء سے ایک مجموعہ مرکب اور تریاق مجرب ہے لیکن اسکی روح دعا ہے جو ہر مرض کی دوا ہے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ صبر اور نماز سے غافل نہ ہوں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اس لیے کہ صبور اور حلیم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں اور جو اخلاق خداوندی کا نغیر اور عادت پذیر ہو اسکو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی۔

خداوند ذوالجلال کی بے چون و چگون معیت کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ جن اولیاء اور عارفین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت اور قرب خاص سے سرفراز فرمایا وہ حضرات کچھ قُرب اور معیت کے مزہ سے واقف ہوتے ہیں مگر کسی دوسرے کو سمجھا نہیں سکتے۔ بغیر چکھے کسی شے کا بھی ذائقہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ اور جس نے کوئی پھل نہ چکھا ہو اس کو یہ حق نہیں کہ وہ اس پھل کا یا اس کے مزہ کا انکار کرے۔

غرض یہ کہ معیت صبر کے ذریعہ حاصل ہے اور معیت کی علامت یہ ہے کہ توفیق خداوندی اسکو کارِ خیر کی طرف لے جاتی ہے۔ رہی نماز سو وہ مومنوں کی معراج ہے اسکے عروج کے کیا پوچھنا اس لیے معیت کے بیان میں صبر کا ذکر کیا اور نماز کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ

اور نہ کہو جو کوئی مارا جائے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں

بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں

بیان حیات شہداء کہ از ثمرات صبر است

قال تعالیٰ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

(رابطہ) گزشتہ آیت میں صبر کی فضیلت کا بیان تھا کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مقام صبر میں انتہا کو پہنچ جائے کہ خدا کی راہ میں جان دے دینا بھی اسکو شیریں اور لذیذ معلوم ہو تو اس پر خداوندِ حئی و قیوم کی بے چون و چگون حیات کا ایک عکس اور پرتو پڑتا ہے جس سے اس کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جن صابرین نے خدا کی راہ میں جان نثاری کی ہو انکی حیات میں تردد نہ کرو اور جو صابر خدا کی راہ میں مارے گئے اور انکی اس میں کسی قسم کی دنیوی اور نفسانی غرض نہ تھی انکو یہ نہ کہو کہ عام مردوں کی طرح وہ مردہ ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم جانتے نہیں کہ وہ کس طرح کی زندگی ہے۔ وہاں کی زندگی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس حیات کے ادراک کے لیے یہ حواس کافی نہیں۔

ف (۱) شہید اگرچہ ظاہراً مر گیا لیکن اس کی موت عام لوگوں کی موت نہیں۔ مرنے کے بعد انسان کی ترقی رک جاتی ہے اس لیے کہ روح کی ترقی کا ذریعہ بدن ہے۔ جب روح کا بدن سے تعلق ختم ہوا تو ترقی مراتب بھی ختم ہوتی۔ مگر شہید کی ترقی برابر جاری رہتی ہے جس عمل میں اس نے جان دی ہے اسکا اجر برابر جاری رہتا ہے گویا کہ اب بھی وہ عمل کر رہا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اسکا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ف (۲) احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دی جاتی ہیں اور جنت میں اڑتی پھرتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں اور عرش کی قدیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

بظاہر وجہ یہ ہے کہ شہید نے اپنے بدن کو خدا کی راہ میں قربان کیا خدا تعالیٰ نے اس عنصری بدن کے بدلہ میں ایک دوسرا عنصری بدن اسکی روح کی سیر و تفریح کے لیے عطا فرمایا۔ یہ جسم طیوری اس روح کے لیے بمنزلہ ایک طیارہ کے ہے جسکے ذریعہ سے روح جنت میں اڑ کر سیر و تفریح کر سکے۔ اور یہ روح اس نئے جسم میں مدبر اور متصرف نہیں۔ تاکہ تنازع کا شبہ ہو۔ اس لیے کہ تنازع کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک جسم سے جُدا ہونے کے بعد دوسرے جسم سے اس طرح متعلق ہو کہ دوسرے جسم میں کوئی اور روح نہ ہو اور یہی روح اس جسم کی نشوونما کا سبب ہو اور یہی روح اس جسم میں مدبر اور متصرف ہو۔ اور ارواح شہداء میں یہ بات نہیں اس لیے کہ جسم طیوری کے ساتھ شہید کی روح کا تعلق ہوا ہے اس جسم طیوری کی روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ ہے اور جسم طیوری کے نشوونما اور تدبیر و تصرف کا کوئی تعلق شہید کی روح سے نہیں۔ اسکا تعلق پرندہ کی اصل روح سے ہے۔ پرندہ کا جسم اور روح علیحدہ ہے اور شہید کی روح علیحدہ اور وہ اس میں سوار ہے اور وہ سبز پرندہ مح اپنے جسم اور اپنی روح کے شہید کی روح کے لیے سواری ہے۔ خوب سمجھ لو۔

ف (۳) | جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ شہدائے حیات جسمانی ہے اس لیے کہ موت اور قتل کا تعلق جسم سے ہے اور یہی ظاہر آیت کا مفہوم ہے اس لیے کہ سیاق آیت - شہداء کی خصوصیت بیان کرنے کے لیے ہے اور حیات روحانی شہدائے کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تو عامہ مسلمان بلکہ کفار کو بھی حاصل ہے۔



وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ

اور البتہ ہم آزمادیں گے تمکو کچھ ایک ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان

مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّرَاتِ وَبَشِيرٍ

سے مالوں کے اور جانوں کے اور میوؤں کے اور خوشی سنا

الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُّصِيبَةٌ قَالُوا

ثابت رہنے والوں کو کہ جب انکو پہنچے کچھ مصیبت کہیں

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ۱۵۶

ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا ایسے لوگ انہی پر

صَلَوْتُ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةً ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

شبابا شیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور وہی ہیں

الْمُهْتَدُونَ ۝ ۱۵۷

راہ پر

بیان امتحان صبر و بشارت صابرین و جزا صبر

قال تعالى وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ... الى... وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝
(اربط) گزشتہ آیت میں صبر کے سب سے بڑے امتحان کا ذکر فرمایا۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا۔

اب آئندہ آیت میں صبر کے کم درجہ کے امتحان کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس امتحان کے علاوہ اور بھی کچھ ہم تمہارے صبر کا امتحان لیں گے جو تم پر زائد شاق اور گراں نہ ہو گا اور خدا کی راہ میں جان دینے کی طرح مشکل نہ ہو گا۔ کبھی تمہارا امتحان کسی قدر دشمنوں کے خوف سے لیں گے کہ تم دشمنوں سے خوف زدہ ہو کر پریشانیوں میں مبتلا ہو گے اور کبھی فقر و فاقہ کے ذریعے سے اور کبھی مالوں کے نقصان سے مثلاً مال ضائع ہو جائے۔ اور کبھی جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ مثلاً عزیز و اقارب مرجائیں یا مثلاً گھیتی اور باغ کے پھل کسی آفت سے تلف ہو جائیں۔ تو اے مسلمانو! ان مصائب اور آفات میں صبر کرنا اور ذکر کرنا اور شکر سے غافل نہ ہونا اور جو لوگ اس امتحان اور آزمائش میں پورے اتریں تو اے نبی کریم آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے بلکہ اپنی اور احباب کی تسلی کے لیے یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے مملوک اور غلام ہیں۔ ہماری جان اور ہمارا مال سب اسی کی ملک ہے جو چاہے لے اور جو چاہے چھوڑے۔ غلام کو آقا کے سامنے مجال دم زدن نہیں وہ ارحم الراحمین ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہے وہ اگر کسی وقت بھوکا رکھے تو اسکی حکمت اور مصلحت ہے۔ طبیب مشفق اگر بد مرضی اور فساد معده کی وجہ سے ایک دو وقت کھانے کی ممانعت کر دے۔ یہ اس طبیب کے مشفق ہونے کی دلیل ہے اور ہم سب اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں پہنچ کر ہم کو یہ بھی مل جائے گا جو ہم سے لیا گیا ہے اور وہ ہم و گمان سے زائد ہم کو اس کا اجر بھی ملے گا۔

حدیث میں ہے کہ یہ کلمہ خاص اسی امت کو ملا ہے۔ دوسری امتوں کو عنایت نہیں ہوا۔ چنانچہ **ف** یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے غم میں **يَا سَفِيْ كَمَا اور اِنَّا لِلّٰہِ** نہیں کہا۔ ایسے صابرین پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور خاص توجہات ہیں جو حضرات انبیاء کی عنایات کے ہم رنگ ہیں جو ان کے پروردگار کے پاس سے اترتی ہیں اور ان پر خدا کی مہربانی بھی ہے۔ کتاب و سنت میں صلوٰۃ کا لفظ انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صابرین کی بشارت میں صلوٰۃ کا اس لیے استعمال فرمایا کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو ان عنایات خاصہ سے سرفراز فرماتے ہیں جو حضرات انبیاء کی صلوٰۃ و عنایات کی ہم رنگ ہوتی ہیں اس لیے کہ مصائب اور حوادث میں صبر و تحمل سے کام لینا اور کوئی کلمہ شکایت زبان سے نہ نکالنا اور خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع کرنا انبیاء کرام کا طریقہ ہے۔ بحوالہ تعالیٰ۔

فَاَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعِزِّ
هٰذَا الرُّسُلُ۔
سو تو ٹھہرہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت
والے رسول۔

اس لیے صابرین کو صلوٰۃ و عنایات خاصہ سے سرفراز فرمایا اور جان و مال کا جو نقصان ہوا اس کے عوض میں عنایات عامہ یعنی طرح طرح کی رحمتوں اور مہربانیوں سے نوازا۔

ہمارے اس بیان سے صلوٰۃ اور رحمت میں فرق واضح ہو گیا۔ صلوٰۃ سے عنایات خاصہ مراد ہیں جو دینی اور دنیوی اور ظاہری اور باطنی برکات کا موجب ہیں اور رحمت سے عنایات عامہ مراد ہیں۔

جو دنیا میں فوت شدہ جان و مال کا عوض اور نعم البدل ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ اور ایسے ہی لوگ علاوہ اس کے کہ وہ عنایات خاصہ اور عنایات عامہ کے مورد ہیں۔ ہدایت یافتہ بھی ہیں کہ عین مصیبت کے وقت میں جب کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی کلمہ شکایت کا زبان سے نکل جائے اور خداوند ذوالجلال کی ناراضگی اور دوری اور مجبوری کا سبب بن جائے ایسے وقت میں قرب خداوندی اور اسکی خوشنودی کا راستہ نکال لیا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کمال ہدایت یہی ہے کہ ہر طرف سے اپنے مطلب کا کھوج لگائے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا
بِإِذْنِ اللَّهِ وَ مَنْ يُؤْتِ مِنَ اللَّهِ
يَهْدِ قَلْبَهُ۔
کوئی مصیبت بغیر اللہ کے حکم کے نہیں پہنچتی
اور جو بمقتضائے ایمان مصیبت میں ثابت قدم
رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے قلب پر ہدایت اور
معرفت کی راہ کھول دیتے ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے نَعْمَ الْعِدْلَانِ وَ نَعْمَ الْعِلَاوَةُ
یعنی اس آیت میں حق تعالیٰ نے صابرين کے لیے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ ایک صلوات اور دوسرے
رحمت اور تیسرے ہدایت۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ صلوات اور رحمت جو ایک دوسرے کے قرین اور
عدیل ہیں۔ یہ دونوں کیا اچھے عدیل ہیں اور ہدایت ان عدلین کے علاوہ ہے یعنی ایک زیادتی ہے جو صلوة
اور رحمت پر زیادہ ہے۔

فائدہ (۱) اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصیبت کے وقت تسلی کے دو طریقے ارشاد فرمائے۔ ایک
عقلی اور ایک طبعی عقلی تو یہ ہے اِنَّا لِلّٰهِ ہم سب اللہ کی ملک ہیں جس کو چاہے دنیا
میں رہنے دے اور جس کو چاہے آخرت میں بلائے۔ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی ملک
میں جو چاہے تصرف کرے لہذا کسی عزیز کے مرنے پر شکایت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کی ملک میں دو
گھوڑے ہوں ایک کو یہاں باندھ دے اور دوسرے کو دوسری جگہ باندھ دے تو کسی کو اعتراض کا حق
نہیں۔ یا مالک کسی چیز کو اوپر کی منزل میں رکھ دے اور کسی کو نیچے کی منزل میں رکھ دے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ
کو اختیار ہے جسکو چاہیں دنیا میں رکھیں اور جس کو چاہیں آخرت میں رکھیں۔

اور طبعی یہ ہے وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ یعنی ہم سب کو وہیں جانا ہے اور وہی ہمارا وطن اصلی
ہے اور یہ دنیا تو ایک جیل خانہ ہے اب اگر کسی کو جیل خانہ اور چاہ زندان سے نکال کر گلستان اور بوستان
میں لے جا کر ٹھہرا دیں تو حقیقت میں خوشی کا مقام ہے کہ بجائے غم کہہ کے عشرت کہہ مل گیا۔ غرض یہ کہ ایک
جملہ یعنی اِنَّا لِلّٰهِ میں عقل کی تسلی ہے اور دوسرے جملہ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ میں طبیعت کی تسلی ہے
یہ تو تسلی ہوئی۔ مگر باایں ہمہ شریعت نے حزن و ملال اور رونے اور آنسو بہانے کی ممانعت نہیں کی کہ وہ
غیر اختیاری امر ہے بلکہ اس میں ایک قسم کی فضیلت بھی رکھ دی اور یہ فرمایا کہ ہو رحمۃ یعنی آنسو بہانا بھی
خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ سبحان اللہ شریعت کی خوبی کو دیکھیے کہ عقل کی اور طبیعت کی اور جذبات کی سب ہی

کی رعایت ہے۔

(ملخص از وعظ الصلوة، وعظ دوم از سلسلۃ البشری از مواظ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ)

اگر کسی آنے والی مصیبت کی پہلے ہی سے خبر دے دی جائے تو صبر آسان ہو جاتا ہے دفعۃً
مصیبت آنے سے آدمی گھبرا جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان مصائب کی پہلے ہی

فائدہ ۲۰

خبر دیدی تاکہ صبر آسان ہو جائے۔

امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ آیت میں خوف سے خوف خداوندی مراد ہے اور بھوک

فائدہ ۳۰

سے رمضان کے روزے اور مالوں کی کمی سے زکوٰۃ اور صدقات مراد ہیں اور اَلْفُسْ یعنی
جانوں کے نقصان سے امراض اور بیماریاں مراد ہیں اور ثمرات کے نقصان سے اولاد کا مرنا مراد ہے۔ کیونکہ اولاد
انسان کی زندگی کا پھل ہے۔

جامع ترمذی میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب
فرشتے کسی مرد مومن کے بچہ کی روح قبض کر کے لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

اقبضتم ولد عبدی

فیقولون نعم فیقول اقبضتم

ثمرة قلبه فیقولون نعم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بتلاؤ میرے بندہ نے اس مصیبت پر کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں کہ آپ کے بندہ نے

اَنَا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ پڑھی۔ اور آپ کی حمد و ثناء کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندہ
کے لیے جنت میں ایک محل تیار کر دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔



اِنَّ الصَّافَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَبَّ

صفا اور مروہ جو ہیں نشان ہیں اللہ کے پھر جو کوئی حج

الْبَيْتِ اَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطُوفَ بِهِمَا ط

کرے اس گھر کا یا زیارت تو گناہ نہیں اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿٥٨﴾

اور جو کوئی شوق سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب جانتا ہے

استشہاد بر فضیلت صبر

قال تعالى إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ... إلخ... فَإِنَّ اللَّهَ شَاحِكٌ عَلَىٰ هُوَ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں صابرین کے لیے اپنی معیت اور صلوات اور رحمت اور ہدایت کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں اس کی ایک دلیل اور ایک شاہد ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کے صبر جمیل کی ایک یادگار ذکر فرماتے ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی اسی صبر کی یادگار ہے جنکو صبر کی برکت سے معیت خاصہ سے سرفراز فرمایا اور اپنی صلوات اور رحمتیں ان پر نازل کیں اور اس یادگار صبر کے بیان سے بحث قبلہ اور مناسک حج و عمرہ کی بھی تکمیل ہو جائے گی اور اِذَا ابْتَلَىٰ اِبْرٰهٖمَ رَبُّہٗۤ اَلْمِیْمَ سے بھی سلسلہ کلام مربوط ہو جائے گا۔ ابتلا اور امتحان ہی سے سلسلہ کلام کا آغاز ہوا اور ابتلا اور امتحان ہی پر اسکا اختتام ہوا۔ نیز ابتداء قصہ میں امامت کا ذکر تھا۔

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا۔

اور منصب امامت کے لیے صبر کامل اور ایقان تام ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ
وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا
لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا
يُوقِنُونَ۔ اور یہی ہماری باتوں پر یقین کرتے۔

اس لیے سلسلہ کلام کو صبر کے فضائل اور برکات اور اسکے شواہد اور ثمرات پر ختم فرمایا۔

شان نزول صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لوگ ان دو پہاڑیوں کے درمیان میں طواف کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں کافروں نے ان پر دوبت رکھ دی تے اور انکی تعظیم کرتے اور انکا استلام کرتے اور یہ سمجھتے کہ یہ طواف ان دوتوں کی تعظیم کے لیے ہے جب زمانہ اسلام کا آیا اور مسلمانوں کو سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف ان بتوں کی تعظیم کے لیے ہے اور بتوں کی تعظیم اسلام میں ممنوع ہے اس لیے صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق کوہ صفا اور کوہ مروہ اور پہاڑوں کی طرح معمولی پہاڑ تھے مگر حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے رضا بالقضائے برکت سے خدا کی یادگاروں میں سے ہو گئے۔ اور ان کا طواف مناسک حج سے بنایا گیا سو جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں ذرہ برابر گناہ نہیں تم کافروں کی مشابہت سے شبہ میں مبتلا نہ ہو۔ صفا اور مروہ دراصل شعائر الہیہ میں سے ہیں اور ان کا طواف سرسبز خیر اور عبادت ہے۔ اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی شوق اور رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر دانی

فرماتے ہیں اور اسکی نیت اور اخلاص کو خوب جانتے ہیں۔ اور بقدر اخلاص کے اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

شعائر شعیقہ یا شعارة کی جمع ہے جسکے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں شعائر اللہ ان چیزوں کو کہتے ہیں جن سے عام طور پر کفر اور اسلام میں امتیاز پیدا ہو اور انکو شعائر اسلام بھی کہتے ہیں۔

آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی کے حکم سے بت پرستوں کی مشابہت کا خیال ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی جسکا حاصل یہ ہے کہ صفا اور مروہ اصل میں

اللہ کی یاد گاریں ہیں۔ اور کافروں کی مشابہت امر عارضی ہے وہ اس میں موثر نہ ہوگی۔ جب کہ نیت خالص اللہ کی ہو۔ جیسے خانہ کعبہ چند روز غلبہ کفار کی وجہ سے بیت الاصنام یعنی بت خانہ بن گیا لیکن اسکا قبلہ اور مطاف ہونا ساقط نہ ہوا۔ اس لیے کہ جو شے بالذات ہوتی ہے وہ عوارض کی وجہ سے زائل اور ساقط نہیں ہوتی اس لیے مسلمانوں کو صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی تردد اور تامل نہ ہونا چاہیے۔ مشابہت کفار اس وقت موجب حرمت ہوتی ہے کہ جب کسی شے کا شعائر اللہ میں سے ہونا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جیسے تعظیم نوروز اور ہولی اور دوالی اور دسہرہ اور نصاریٰ کی کرسمس اور جو افعال اللہ کے نزدیک مشروع اور پسندیدہ ہیں ان میں کفار کی مشابہت موثر نہیں جیسے حج اور عمرہ اور ختنہ اور عقیقہ اور قربانی اور کسوف کے وقت صدقہ اور غلاموں کا آزاد کرنا۔ مشرکین عرب میں رائج تھا۔

سعی بین الصفا والمروة امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ ”فلا جناح“ کے لفظ سے بظاہر ہی

معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ضروری اور واجب نہیں۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ عروہ بن الزبیرؓ نے عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ فَلَاحُ جُنَاحٍ عَلَیْهِ اَنْ یَطْوِفَ بِهَمَّا کوئی گناہ نہیں کہ صفا اور مروہ کا طواف کرے، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھانجے آیت کا یہ مطلب نہیں جو تو نے سمجھا۔ اگر آیت کا وہ مطلب ہوتا جو تو نے بیان کیا تو عبادت قرآنی اس طرح ہوتی فَلَاحُ جُنَاحٍ عَلَیْهِ اَنْ لَا یَطْوِفَ بِهَمَّا یعنی اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے اور یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جن کا قصہ یہ ہے کہ انصار قبل اسلام منات کی عبادت کرتے تھے اور جب مسلمان ہوئے اور سعی بین الصفا والمروة کا حکم ہوا تو کفار کی مشابہت کی وجہ سے دل تنگ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم)

چونکہ انصار پر کفار کی مشابہت کی وجہ سے سعی بین الصفا والمروة کا کرنا گراں گزر رہا تھا اس لیے اس گرائی کے رفع کرنے کے لیے فَلَاحُ جُنَاحٍ عَلَیْهِ اَنْ یَطْوِفَ فرمایا اور یہ بتلا دیا کہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں جس سے ترک کی اجازت دینا مقصود نہیں ورنہ اگر ترک سعی کی اجازت دینا مقصود ہوتی تو فَلَاحُ جُنَاحٍ عَلَیْهِ اَنْ لَا یَطْوِفَ فرماتے یعنی کوئی حرج نہیں کہ سعی بین الصفا والمروة نہ کرے غرض یہ کہ آیت میں لا جناح کا لفظ طواف بین الصفا والمروة کرنے کے متعلق آیا ہے یعنی کرنے کی اجازت ہے ترک طواف اور

ترک سعی کے مطابق لاجناح نہیں فرمایا کہ جس سے ترک سعی کی اجازت مفہوم ہوتی۔ علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لاجناح کا لفظ محض اباحت پر دلالت کرتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ لفظ محض طواف بین الصفا والمروہ کی اباحت اور جواز پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اساف اور نائمہ یعنی بتوں کے ہوتے ہوئے بھی صفا والمروہ کا طواف جائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ مسئلہ دریافت کرے کہ جس کپڑے پر قدر درہم سے کم نجاست لگی ہوئی تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو یہ جواب دیا جائیگا لا جناح علیک ان تصلی فیہ یعنی ایسے کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ تو اس عبارت سے نفس نماز کی اباحت اور اجازت نہیں سمجھی جاتی بلکہ قلیل نجاست کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اصل سعی واجب ہے اور بحالت موجودہ جس کی وجہ سے انصار کو گرائی تھی وہ جائز اور مباح ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارا صاف حکم

وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۚ

اور راہ کے نشان بعد اسکے کہ ہم انکو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں

أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا

ان کو لعنت دیتا ہے اللہ اور لعنت دیتے ہیں سب لعنت دینے والے مگر

الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ

جنہوں نے توبہ کی اور سنوارا اور بیان کر دیا تو ان کو معاف کرتا

عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہوں اور میں ہوں معاف کر نیوالا ہر بان جو لوگ منکر ہوئے

وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ ۖ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ

اور مر گئے منکر ہی انہیں پر ہے لعنت اللہ کی اور

الْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خُلِدَ فِيهَا

فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی رہ پڑے اس میں

لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۱۶۲﴾

نہ ہلکا ہو گا ان پر عذاب اور نہ انکو فرصت ملے گی

رجوع بخطاب یہود و عید بر کتمان حق و محمود

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ إِلَى وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ هـ
(رابطہ گزشتہ آیات میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ یہود حق کو جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ مگر باوجود جاننے اور پہچاننے کے حق کو چھپاتے ہیں کما قال تعالى: الَّذِينَ اتَّيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اب اس آیت میں اُس کتمان حق پر وعید ذکر فرماتے ہیں اور توبہ کرنے والوں کے لیے عفو اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق جو لوگ خوب جانتے ہیں کہ صفا اور مروہ کی سعی شعائر اللہ میں سے ہے اور حضرت ہاجرہؑ کے وقت سے برابر چلی آ رہی ہے مگر باوجود اس کے یہ لوگ ان مضامین کو چھپاتے ہیں جنکو ہم نے نازل کیا اور جو اپنی ذات سے واضح اور روشن ہیں اور شعائر اللہ کی ہدایت اور راہنمائی کرتے ہیں بعد اسکے کہ ہم نے اس کو تمام لوگوں کے لیے عام اور خاص سب کے لیے شعائر اسلام اور کفر کے فرق کو خوب واضح کر دیا ہے اور خبر واحد کی طرح نہیں بنایا کسی کو پہنچے اور کسی کو نہ پہنچے اس کتاب الہی میں داخل کر دیا ہے تاکہ متواتر ہو جائے اور اس کا اخفاء اور پوشیدہ رکھنا ناممکن ہو جائے۔ لیکن یہ لوگ کمال عداوت کی وجہ سے اسکے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اور رفع جہالت چاہتا ہے اور یہ لوگ گمراہی اور جہالت کا بقار چاہتے ہیں اور نیز لعنت کرتے ہیں ان پر سب لعنت کرنے والے۔ ملائکہ اور ارواح انبیاء و صلحاء تو اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ اُنکی کوشش تو یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو بیان کیا جائے اور اُن کی خوب نشر و اشاعت کی جائے اور یہ لوگ ان حضرات کی کوشش کو ضائع کرنا چاہتے ہیں اور عوام اور فساق و فجار اور کفار نابینا اس لیے لعنت کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے انکو حق معلوم نہ ہونے دیا اور چونکہ کتمان حق کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور مصیبتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں اس لیے تمام حیوانات اور جمادات ان پر لعنت بھیجتے ہیں کہ ان کی وجہ سے مصیبت اور بلا میں گرفتار ہوتے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب قحط پڑتا ہے اور بارش بند ہو جاتی ہے تو جانور گناہ کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کم بختوں کی وجہ سے نحوست آئی مگر جن لوگوں نے محض اللہ کی ناراضی کے ڈر سے حق پوشی سے توبہ کر لی۔ اور حق پوشی کی وجہ سے جو خرابی آئی تھی اس کی اصلاح کر لی یعنی جو عقائد اور اعمال اور حقوق اور اموال لوگوں کے حق پوشی کی

وجہ سے خراب اور برباد ہوئے تھے انکی اصلاح کر دی اور گزشتہ غلطیوں کا تذکرہ کر دیا اور جس حق کو چھپایا تھا اسکو لوگوں کے سامنے بیان کر دیا تو ایسے لوگوں کو میں معاف کر دیتا ہوں اور بجائے لعنت کے ان پر رحمت نازل کرتا ہوں اور میں تو بڑا ہی توبہ کا قبول کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہوں کہ توبہ کرنے سے لعنت کو رحمت سے اور سزا کو انعام سے بدل دیتا ہوں۔ تحقیق جو لوگ حق پوشی کی وجہ سے کفر کی حد تک پہنچ گئے اور بدون توبہ کے کفر کی حالت میں مر گئے ایسے لوگوں پر اللہ کی اور تمام فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی مستمر لعنت ہے۔ حتیٰ کہ خود اس کی بھی اس پر لعنت ہے اس لیے کہ یہ کافر خود یہ کہتا ہے کہ جو دیدہ دانستہ حق کو چھپائے اس پر اللہ کی لعنت اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں بھی خود اس عموم میں داخل ہوں۔ اور یہ لوگ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے۔ یہ لعنت کبھی ان سے منقطع نہ ہوگی کیونکہ بغیر توبہ کے مرے ہیں۔ ذرا برابر انکے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی بلکہ دم بدم زیادتی ہوتی رہے گی۔ دنیا میں دن بدن ان کا کفر اور تمرد بڑھتا تھا، آخرت میں عذاب بڑھتا رہے گا اور نہ انکو مہلت دی جائے گی کہ کچھ دیر آرام کر لیں اور آئندہ کے لیے عذاب سہنے کی کچھ قوت آجائے اس لیے کہ عذاب میں تخفیف اور مہلت یہ بھی ایک قسم کا لعنت سے نکالنا ہے جو ان کے حق میں ناممکن اور محال ہے۔

وَالْهَكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ

اور تمہارا رب اکیلا رب ہے کسی کو پوجنا نہیں اسکے سوا بڑا مہربان ہے

الرَّحِيمُ ﴿۱۶۳﴾

رحم والا

اعلان توحید

وَالْهَكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ
(ربط ۱) گزشتہ آیات میں اللہ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر فرمایا آئندہ آیت میں حق تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہی ایک معبود ہے اسکے سوا کہیں پناہ نہیں جو اسکی لعنت سے تمکو چھڑا سکے اور اس کے سوا کوئی رحمان اور رحیم نہیں جو خدا کی لعنت اور نفقت کو رحمت اور عنایت سے بدل دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور وہی رحمن اور رحیم ہے۔ رحمت عامہ اور خاصہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس لیے بدون اسکی رحمت کے لعنت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں اگر خدا کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ تم کو اسکی لعنت سے نکال لیتا اور

تم پر رحمت کرتا لیکن اسکے سوا کوئی خدا نہیں جو رحمت عامہ اور خاصہ کا مالک ہو اور عجب نہیں کہ اس خطاب میں اہل کتاب کو تہدید اور عتاب ہو کہ باوجودیکہ توریت اور انجیل میں اللہ کی توحید کی صریح آیتیں مذکور ہیں اور پھر بھی تم حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہو اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو اور اس توحید کو جو تم کو معلوم ہے چھپاتے ہو۔ غرض یہ کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چھپانے کی وجہ سے بھی مستحق لعنت ہوئے اور توحید خداوندی کے اخفاء اور کتمان کی وجہ سے بھی مورد لعنت بنے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور

اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ

دن کا بدلتے آنا اور کشتی جو لیکر چلتی ہے دریا میں

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ

جو چیزیں کام آویں لوگوں کو اور وہ جو اللہ نے اتارا آسمان سے

مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا

پانی پھر جلایا اس سے زمین کو مر گئے پیچھے اور بکھیرے اس میں

مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ

سب قسم کے جانور اور پھیرنا باؤں کا اور ابر جو حکم کا

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

تابع ہے درمیان آسمان اور زمین کے ان میں نمونے ہیں

يَعْقِلُونَ ﴿١٦٣﴾

عقلمند لوگوں کو

دلائل توحید

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ... إلخ ... لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔

(ربط) جب آیت **وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ** نازل ہوئی تو مشرکین نے تعجب سے کہا کہ کیا سارے جہان کا ایک ہی خدا ہے اگر ایسا ہے تو اس پر کیا دلیل ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں جن میں توحید کے دلائل بیان فرمائے کہ علویات اور سفلیات اور متوسطات اور ان کے احوال و صفات سب دعوائے وحدانیت اور رحانیت کی دلیل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق (۱) آسمانوں اور (۲) زمین کی پیدائش میں (۳) اور دن و رات کی آمد و رفت اور ان کے مختلف ہونے میں (۴) اور ان جہازوں اور کشتیوں میں کہ جو دریا میں لوگوں کی منافع کی چیزوں کو لیکر چلتی ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو آدمی اور سامان پہنچاتی ہیں جہاں آدمیوں اور جانوروں کا پہنچنا ممکن نہیں (۵) اور اس پانی میں کہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا اور پھر اس پانی سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا یعنی خشکی اور قحط سالی کے بعد قسم قسم کے پھول اور پھل اس میں اُگلے (۶) اور ہر قسم کے جانور اس میں پھیلائے (۷) اور ہواؤں کے پھیرنے میں کبھی مشرق کا چکر لگاتی ہیں اور کبھی مغرب کا اور کبھی شمال کا اور کبھی جنوب کا (۸) اور اس ابر میں کہ جو آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے حالانکہ ہزار ہا پانی سے بھرا ہوا ہے باوجود اس عظیم ثقل کے زمین پر گر نہیں جاتا۔ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی وحدت اور رحمت کے عجیب و غریب دلائل اور براہین ہیں ان لوگوں کے لیے جو اپنی عقل کو نظر اور فکر میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدانیت اور رحمت پر مختلف طرح سے دلالت کرتی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) آسمانوں میں غور کیجئے کہ تمام آسمان حقیقت اور طبیعت جرمیہ کے اعتبار سے ایک ہیں مگر کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا۔ اور پھر کوکب اور نجوم، ثوابت اور سیارات، شمس اور قمر اور زہرہ اور مریخ اور مشتری میں غور کیجئے۔ ہر ایک کی شان جدا ہر ایک کا رنگ جدا، ہر ایک کی حرکت جدا اور حرکت کی سمت اور جہت جدا ہر ایک کا برج جدا۔ ہر ایک کا طلوع اور غروب جدا۔ اس عجیب نظام کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کارخانہ خود بخود تو نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و قدیر اور مدبر حکیم کے ہاتھ میں اکی باگ ہے کہ وہ محض اپنے ارادہ اور مشیت سے اس کارخانہ کو چلا رہا ہے اور کوئی اس کا شریک اور ہم نوا نہیں۔ اور افلاک اور شمس و قمر کی حرکات سے منافع عالم کا مربوط ہونا یہ اس کی کمال رحمت کی دلیل ہے (۲) اور علی ہذا زمین کی پیدائش بھی اس کی وحدانیت اور رحمت کی دلیل ہے۔ زمین کے قطعات کا مختلف اللون اور مختلف الخاصیت ہونا کہ کسی زمین سے گھاس پیدا اور کسی سے انناس۔ اور کسی سے بادام پیدا ہو اور کسی سے آم۔ کسی زمین کے بسنے والے عاقل اور کسی جگہ کے بسنے والے ایسے کو دن اور نادان کہ بعض چیزوں میں حیوان بھی ان سے بہتر نکلے یہ اختلافات کہاں سے آئے اور کس طرح آئے۔ زمین کا مادہ اور طبیعت تو ایک ہی ہے وہ کون ذات ہے کہ جس نے زمین کے ایک ٹکڑے کو شور اور بنجر بنایا اور دوسرے کو سبزہ زار اور مرغزار بنایا یہ سب اسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ جس کی قدرت اور حکمت کے سمجھنے سے تمام عالم قاصر اور عاجز ہے یہ دلیل تو وحدانیت کی ہوئی اور زمین رحمت خداوندی کی دلیل اس طرح سے ہے کہ تمام عالم کے بسنے والے اسی زمین پر چل کر اپنی حاجتیں پوری کرتے ہیں اسی سے پیدا شدہ غذاؤں اور پھلوں

اور چشموں اور نہروں سے نفع اٹھاتے ہیں اور تمام سونا اور چاندی وغیرہ سب اسی زمین میں اللہ کی قدرت سے پیدا ہوتا ہے۔ کانوں کا مختلف ہونا اسکی وحدانیت کی دلیل ہے اور ان کا نفع اور مفید ہونا اس کی رحمت کی دلیل ہے۔ آسمان اور زمین علیحدہ علیحدہ بھی رحمت ہیں اور دونوں مل کر بھی رحمت ہیں اس لیے آسمان اور زمین کے اختلاط اور تقابل سے جو منافع اور فوائد پیدا ہوتے ہیں، ان کے ادراک سے عقل قاصر ہے۔

(۳۶) اور اسی طرح لیل و نہار کا مختلف ہونا کہ کبھی دن ہے کبھی رات۔ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا برعکس، کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے یا کسی قادر مطلق کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے اگر دن نہ ہوتا اور فقط رات ہوتی تو تمام عالم مستمر اور دائم ظلمت اور تاریکی کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا اور اگر رات نہ ہوتی فقط دن ہی دن ہوتا تو تمام عالم گرمی سے بلبلا اٹھتا اور کھیتیاں جل کر خاک ہو جاتیں اور اس راحت اور آرام سے کہ جو رات کی نیند سے اسے حاصل ہوتا ہے تمام جہان یک لخت محروم ہو جاتا معلوم ہوا کہ لیل و نہار کا اختلاف جس طرح اسکی وحدانیت کی دلیل ہے اسی طرح اسکی رحمانیت کی بھی دلیل ہے۔

(۴۱) اور علیٰ ہذا جہاز اور کشتی بھی اسکی قدرت اور رحمت کی دلیل ہے۔ ایک تولہ لوہا یا تانبا ایک منٹ کے لیے پانی پر نہیں ٹھہرتا مگر جہاز اور کشتی کہ جس میں ہزار ہا من لوہا اور تانبا لدا ہوا ہوتا ہے ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہزار ہا میل طے کر کے صحیح و سالم پہنچتے ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے۔

(۵، ۶) اور علیٰ ہذا آسمان سے باران رحمت کا نازل ہونا اور زمین کا اس سے سرسبز اور شاداب ہو جانا اور قسم قسم کے اشجار اور نباتات اور فواکہ اور ثمرات کا اس سے پیدا ہونا اور علیٰ ہذا اس سے حیوانات کا ایسا مختلف اللون پیدا ہونا کہ ایک کی شکل اور صورت دوسرے کی شکل اور صورت سے نہ ملے یہ بھی اس کی وحدانیت اور رحمانیت کی دلیل ہے اس لیے کہ یہ اختلاف بے شمار فوائد اور منافع پر مشتمل ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے حیوانات دو قسم کے بنائے ایک تو وہ جو بطریق توالد اور تناسل پیدا ہوتے ہیں جیسے انسان اور اونٹ اور بیل اور بکری۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو بطریق تولید پیدا ہوتے ہیں جیسے ہزار ہا حشرات الارض مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اور ہزار ہا مچھڑ اور جھینگہ برسات کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی صورت اور شکل الگ اور ہر ایک کا رنگ الگ جس سے باہمی فرق اور امتیاز کا نفع اور فائدہ ہوتا ہے اور یہ حق تعالیٰ کی عظیم رحمت اور مہربانی ہے ورنہ اگر سب ایک رنگ اور ایک شکل کے ہوتے تو پہچاننا ممکن نہ تھا۔ اگر آدمی اور حیوانات باہم ممتاز نہ ہوتے تو کارخانہ معاش معطل اور درہم برہم ہو جاتا ایک انسان کے چہرہ میں غور کرو کہ آنکھ بھی ہے اور کان بھی اور ناک بھی ہے اور زبان بھی، سر بھی ہے اور دماغ بھی۔ ایک عجیب و غریب تصویر ہے قوی عقلیہ اور حسیہ کا مجموعہ ہے اور خداوند ذوالجلال

کی قدرت اور کمال کا بے مثال آئینہ ہے اور آنکھ، کان اور زبان کے جو بے شمار فوائد اور منافع ہیں وہ اُس رحمن و رحیم کی رحمت کاملہ کے دلائل اور براہین ہیں۔

کسی نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ شطرنج بھی عجیب کھیل ہے کہ باوجود مختصر سا طول و عرض ہونے کے ہزار مرتبہ بھی کھیلا جائے تو ایک بازی دوسری بازی کے موافق نہ پڑے گی۔ تو جواب میں فرمایا کہ انسان کا چہرہ اس سے بھی عجیب ہے کہ باوجود آنکھ اور ابرو اور کان اور زبان وغیرہ کبھی اپنی معین جگہ سے مڑو تجاوز نہیں کرتے مگر بائیں ہمہ ہر فرد بشر ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہے۔ خداوند ذوالجلال کی اس تقدیر اور تدبیر بے نظیر سے کارخانہ عالم چل رہا ہے ورنہ اگر سب ہم شکل ہوتے تو باپ بیٹے کو بھائی بھائی کو نہ پہچانتا (تفسیر کبیر)

(۷) اور علیٰ ہذا ہواؤں کا بدلنا اور گرمی سے سردی کی طرف اور سردی سے گرمی کی طرف ان کا پھیرنا اور کبھی مشرق سے مغرب کی طرف اور کبھی شمال سے جنوب کی طرف اُن کا چلنا یہ سب اسکی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ اور ہوا کا وجود عالم کے لیے عجیب رحمت ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ اگر تین دن تک ہوا بند رہے تو سارا عالم متعفن اور بدبو دار ہو جائے۔

(۸) اور علیٰ ہذا بادل کا آسمان اور زمین کے درمیان معلق رکھنا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ بادل ہزار ہا ٹن پانی سے بھرا ہوا ہے مگر نیچے نہیں گرتا۔ بادل سر سے گزر رہا ہے مگر کسی کی مجال نہیں کہ اس میں سے ایک گلاس پانی ہی نکال لے، جہاں حکم ہو گا وہیں جا کر برسے گا۔ یہ آٹھ دلیلیں ہیں جو حق تعالیٰ کی وحدانیت اور جہانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو پکڑتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو

أَنذَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ان کی محبت رکھتے ہیں جیسے محبت اللہ کی اور ایمان والوں کو

أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ

اس سے زیادہ محبت ہے اللہ کی اور کبھی دیکھیں بے انصاف اس وقت کو جب دیکھیں گے

الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

عذاب کہ زور سارا اللہ کو ہے اور اللہ کی مار

العَذَابُ ۱۶۵

سخت ہے

استعجاب و استبعاد برائے خداوند بعد واضح شدن وحدانیت رب عباد

قال تعالى وَهِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ ... الخ ... وَ أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ هـ
(ربط گزشتہ آیات میں اہل عقل اور اہل نظر کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں بد عقلوں کا بیان ہے کہ جب اللہ کی وحدانیت اور اسکی رحمانیت کے دلائل اظہر من الشمس ہیں تو عقل کا مقتضی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت اور محبت کے ساتھ مخصوص کرتے۔ اور لیکن بعض آدمی ظاہراً انسانی عقل و شعور رکھتے ہیں اللہ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں مگر حد آدمیت اور دائرۃ انسانیت سے باہر ہیں کہ اللہ کے سوا جو کہ منعم حقیقی ہے ایسے ہم سر اور شریک بناتے ہیں جو خداوند ذوالجلال سے اس درجہ فرد تر اور کمتر ہیں کہ خدا سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ دلائل اور براہین سے تو یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک بھی شریک اور ہمسر نہیں ہو سکتا اور یہ لوگ اس درجہ بے عقل ہیں کہ ایک شریک اور ایک ہم سر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ خدا کے لیے بہت سے شرکار اور ہم سر بنتے ہیں اور خدا کے مثل اور برابر انکو محبوب رکھتے ہیں اور خدا کی طرح ان کی تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں اور خدا کے حکم کی طرح انکے حکموں کو بے چون و چرا واجب الطاعت سمجھتے ہیں اور ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خالق اور مخلوق کی محبت اور اطاعت میں فرق ہو نا چاہیئے۔ اس لیے اہل ایمان اگرچہ بعض چیزوں کو شرعاً و طبعاً محبوب رکھتے ہیں مگر اس درجہ محبوب نہیں رکھتے کہ ان کو خدا کے برابر کر دیں بلکہ وہ اللہ کی محبت میں بہت سخت اور محکم ہیں اس لیے کہ دنیا میں جو بھی فضل و کمال یا جود و نوال ہے اسکا منبع اور سرچشمہ خداوند ذوالجلال ہے اور مخلوق اسکا عکس اور پرتو ہے اس لیے اہل ایمان خالق کو بالذات محبوب اور مخلوق کو بالعرض محبوب رکھتے ہیں اس لیے کہ محبت۔ محبوب کی عزت اور کمال کے مطابق ہوتی ہے اور عزت اور کمال اور جود و نوال میں خدا سے بڑھ کر کوئی نہیں وہی منعم حقیقی ہے اس لیے راحت اور شدت، بیماری اور تندرستی، شادی اور غمی کسی حال میں بھی اہل ایمان کی محبت اللہ سے کم نہیں ہوتی۔ بخلاف مشرکین کے کہ جب اپنے معبودوں سے نا امید ہو جاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ فَاِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُمُ الدِّيْنَ -
اور اگر یہ ظالم کہ جنہوں نے خدا کا شریک اور ہمسر بنا کر اپنی جانوں پر ظلم و ستم

کیا اس آنے والے وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت انکو عذاب الہی کا مشاہدہ ہوگا تو انکو خوب معلوم ہو جائے کہ سارا زور اللہ ہی کے لیے ہے اور تمام کائنات ضعیف اور عاجز ہے اور سب اللہ کے قہر اور غلبہ کے نیچے دبے ہوئے ہیں سوائے اسکے کوئی بھی نفع اور ضرر کا مالک نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ کوئی بت اور کوئی معبود کسی کو اللہ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکتا۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا

جب الگ ہو جاویں جن کے ساتھ ہوئے تھے اپنے ساتھ والوں سے

وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۴﴾

اور دیکھیں عذاب اور ٹوٹ جاویں انکے سب طرف کے علقتے

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ

اور کہیں گے ساتھ پکڑنے والے کاش کہ ہم کو دوسری بار زندگی ہو تو ہم الگ

كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يَرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالُهُمْ خَسَرَاتٌ

ہو جاویں ان سے جیسے یہ الگ ہو گئے ہم سے اسی طرح دکھاتا ہے اللہ انکو کام انکے افسوس

عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۵﴾

دلانے کو اور ان کو نکلنا نہیں آگ سے

۱۶۴ اشارہ اس طرف ہے کہ آیت إِذْ يَكْرُوْنَ الْعَذَابَ میں عذاب سے عذاب اخروی مراد ہے اور إِذْ یعنی میں إِذَا کے ہے اس لیے کہ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا الخ إِذْ يَكْرُوْنَ الْعَذَابَ سے بھی عذاب اخروی ہی مراد ہوگا۔ اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ عذاب سے دنیوی عذاب اور دنیوی مصائب اور تکالیف مراد ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت یہ لوگ دنیاوی مصائب اور فقر و فاقہ اور دکھ اور بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس وقت غور و فکر سے کام لیں تو ان پر یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ سارا زور اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ سب عاجز اور درماندہ ہیں اس لیے کہ یہ بت مصیبت اور بلا کو ٹال نہیں سکتے اور جب یہ امر پر واضح ہو جائے تو پھر کسی کو خدا کے برابر محبوب نہ رکھیں ۱۶۵ اشارہ الی تقدیر الجزاء وهو يعلموا ان القوة لله الخ ۱۲



سے بدل ہے اور ظاہر ہے یہ آخرت میں ہوگی اور بدل

پ

اور مبدل منہ متحد ہو ہیں لہذا إِذْ يَكْرُوْنَ الْعَذَابَ

انجامِ شرک

قال تعالى اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا... اِلَى... وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ
اور اس شدید عذاب کا وقت۔ وہ وقت ہو گا کہ جب پیشوا اپنے پیروؤں سے الگ اور بیزار ہو جائیں گے اور تابع اور متبوع، گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے دونوں فریق عذابِ خداوندی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے۔ اور دنیا میں جو باہمی تعلقات تھے وہ اس روز سب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی تابع رہے گا اور نہ کوئی متبوع ہر ایک جرم میں شریک ہو گا سب پر فرد جرم لگ چکی ہو گی۔ ہر ایک کو اپنی فکر ہو گی لیکن اس وقت یہ تبری اور بیزاری ذرہ برابر مفید نہ ہو گی۔ سب کف افسوس ملیں گے۔ اور جن لوگوں نے دوسروں کی پیروی کی تھی اور دوسروں کے بہکانے سے کفر اور شرک کیا تھا وہ اس وقت جھنجھلا کر یہ کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک دفعہ دنیا میں لوٹنے کا موقع ملے تو ہم بھی ان سے اپنا بدلہ لیں اور ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہوں جس طرح یہ لوگ ہم سے بیزار ہوئے۔ مگر اس بیزاری سے انکو سوائے حسرت کے کوئی فائدہ نہ ہو گا اور قیامت کے دن فقط یہی ایک حسرت نہ ہو گی بلکہ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھلائے گا۔ قیامت کے دن انکے تمام صدقات اور قربات ایک ایک کر کے ضائع اور رائیگاں ہوں گے اور حسرتوں کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ اور یہ لوگ تو کبھی دوزخ سے نکلیں گے ہی نہیں کیونکہ شرک کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ گنہ گار مسلمان انبیاء اور صلحاء کی شفاعت سے بعد چندے جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔

فائدہ | چونکہ مسند الیہ کی تقدیم مفید حصہ ہوتی ہے اس لیے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ عدم خروج من النار۔ کفار کے ساتھ مخصوص ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے علاوہ کوئی فریق ایسا بھی ہے جو کہ بعد چندے دوزخ سے نکالا جائے گا وہ گنہ گار مسلمانوں کا فریق ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا

اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو حلال ہے اور نہ

تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا

چلو قدموں پر شیطان کے وہ تمہارا دشمن ہے صریح وہ تو یہی

۱۶۸ اشارۃ الی ان اد تبر الذین اتبعوا بدل من اذیون العذاب۔ ۱۲

يَا مُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

حکم کرے گا تمکو برے کام اور بے حیائی اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر

مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ

جو تم کو معلوم نہیں اور جو ان کو کہے چلو اس پر جو نازل کیا

اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آلفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَ

اللہ نے کہیں نہیں ہم چلیں گے اس پر جس پر دیکھا اپنے باب دادا کو بھلا

لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾

اگرچہ اُنکے باپ دادا نہ عقل رکھتے ہوں کچھ نہ راہ کی خبر

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا

اور مثال ان منکروں کی جیسے مثال ایک شخص کی کہ چلاتا ہے ایک

لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ط صُمْ بَكُمْ عَمًى

چیز کو جو سنتی نہیں مگر پکارنا اور چلانا بہرے گونگے اندھے ہیں

فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

سو اُن کو عقل نہیں

خطاب عام و تذکیر انعام و البطلان و رسوم شرکیہ و تفصیل حلال و حرام

قال تعالى يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا... الى ... فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں عقیدہ شرک کی قباحت اور مشرکین کی تبیح و تہلیل فرمائی۔ اب آئندہ آیات

میں رسوم شرکیہ اور اعمال کفریہ کا ابطال اور حلال و حرام کی تفصیل فرماتے ہیں۔

(رابطہ دیگر) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کا معبود برحق اور رحمن و رحیم ہونا بیان فرمایا۔ ان آیات

میں حق تعالیٰ کا رازق ہونا بیان فرماتے ہیں کہ وہی رازق ہے اور وہی تمام آرزاق کا خالق ہے جس چیز کو

وہ حلال کرے وہ حلال ہے اور جس چیز کے استعمال کو منع فرمائے وہ حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کا انجام سوائے حسرت کے کچھ نہیں تو اپنے پیشواؤں کی رائے پر امت چلو اور ان کے کہنے سے کسی چیز کو اپنے اوپر حلال اور حرام نہ کرو۔ کیونکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی ہمسری ہے حلال و حرام ہونا محض اللہ کے حکم کے تابع ہے اس لیے کہ سب چیزیں اللہ ہی کی ملک ہیں کسی کو اللہ کی ملک میں تصرف کا حق حاصل نہیں کہ حلت و حرمت کا حکم لگائے۔ لہذا تم اس فعل قبیح سے توبہ کرو اور کھاؤ اس چیز سے جو اللہ کی زمین میں پیدا ہوئی بشرطیکہ وہ حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی ہو۔ اور حلال وہ ہے کہ جس کی شریعت نے ممانعت نہ کی ہو اور طیب وہ ہے جو بالکل پاک اور صاف ہو کسی غیر کا حق اس سے متعلق نہ ہو۔ مثلاً غضب اور خیانت اور رشوت اور سود یا کسی اور ناجائز طریقہ سے اسکو حاصل نہ کیا گیا ہو اس لیے کہ جو چیز فی حد ذاتہ حلال ہو مگر دوسرے کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو تو اسکا کھانا بھی جائز نہیں جیسے کوئی شے اصل میں تو پاک ہو اور بعد میں نجاست آلود ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں رہتا۔ اور حلت و حرمت میں اللہ کے حکم کا اتباع کرو اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے شیطان و وسوسوں کی بنا پر اس کے کھانے سے پرہیز نہ کرو تحقیق وہ شیطان تمہارا قریبی اور کھلا دشمن ہے اس کے کہنے میں نہ آنا دشمنی میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتا ہے جزا میں نیست کہ وہ تمکو برائی کا حکم دیتا ہے تاکہ عذاب آخرت کے مستحق ہو جاؤ اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے تاکہ مخلوق کی نظر میں بھی حقیر ہو جاؤ۔

ف (۱) سوہ کا تعلق افعال سے ہے اور فحشاء کا تعلق اخلاق سے ہے۔ اور نیز شیطان تم کو اس بات کا بھی حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کا تم کو علم نہیں۔ ایسے عقائد اور اعمال کی تمکو تلقین کرتا ہے جنکی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

ف (۲) بدعت کی بھی یہی حقیقت ہے کہ جس کام کو اللہ نے موجب ثواب قرار نہیں دیا اُس کام کو بلا دلیل شرعی موجب ثواب قرار دے۔

ف (۳) شیطان کبھی نیک کام کا بھی حکم کرتا ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ شیطان انکو تہجد یا صبح کی نماز کے لیے جگانے آیا سو وہ اس آیت کے معارض نہیں اس لیے کہ شیطان اگرچہ ظاہر میں نیکی کا حکم کرتا ہے لیکن مقصود اسکا بدی ہوتا ہے کہ یہ شخص اگر گناہ نہیں کرتا تو کم از کم اس کو چھوٹی طاعت میں لگا دیا جاوے تاکہ بڑی عبادت کر کے اجر عظیم نہ حاصل کر سکے۔

ع ہر چہ گیرد علتی علت شود
اور یہ لوگ دام شیطانی میں اس درجہ گرفتار ہیں کہ آباء رسوم کو حکم خداوندی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں حتیٰ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کا اتباع کرو اور اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ دو تو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم کو نہیں جانتے بلکہ ہم اس رسم کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے

آبادِ اجداد کو پایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ اپنے آباء و اجداد کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔ دنیاوی امور میں اگرچہ بڑے عاقل اور ہوشیار ہیں لیکن دین اور آخرت کی عقل سے کورے ہیں۔ شجر اور حجر کو خدا بناتے ہوئے ہیں۔ دانا یاں فرنگ کو دیکھ لو جنکی عقل کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بچ رہا ہے وہ تین میں ایک اور ایک میں تین کے قائل ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے روحانی یا جسمانی آباء و اجداد عقل بھی رکھتے ہوں اور ہدایت یافتہ بھی ہوں اور ما انزل اللہ کے اشارات اور کنایات کو خوب سمجھتے ہوں تو ایسے آباء و اجداد کا اتباع اور تقلید عین عقل اور عین ہدایت بلکہ عین ما انزل اللہ کا اتباع ہے۔ حکم خداوندی کے خلاف کسی کا اتباع بلاشبہ گمراہی ہے لیکن حکم خداوندی کے سمجھنے کے لیے اگر کم عقل والا اپنے سے زیادہ عقل والے کا اتباع کرے تو عین ہدایت اور مقتضی عقل ہے آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ فقط بے عقل ہی نہیں بلکہ فی الحقیقت حدودِ انسانیت سے خارج ہیں جانوروں کی طرح ہیں اشیاء کے حسن و قبح اور نفع اور ضرر کو نہیں سمجھتے۔ البتہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ کون سا گھاس اچھا ہے اور کون سا گھاس کڑوا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ داعی حق کے اعتبار سے ان کافروں کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو بھیڑ بکریوں اور جانوروں کو چلا چلا کر پکار رہا ہو اور وہ جانور سوائے بلانے اور پکارنے کے کچھ نہ سناتا ہو۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ واعظ اور ناصح کی آواز تو سنتے ہیں مگر اسکی حقیقت کو نہیں سمجھتے یہ لوگ اگرچہ ظاہر میں سنتے ہیں مگر حقیقت میں بہرے ہیں کلمہ حق سن نہیں سکتے باطل کے حق میں بڑے مقرر ہیں لیکن حق کے حق میں گونگے ہیں۔ حق بات زبان سے نہیں نکل سکتی۔ سب کچھ دیکھتے ہیں مگر دل کے اندھے ہیں حق اور باطل کا فرق نظر نہیں آتا۔ پس اس لیے کہ ان کے تمام حواس جو عقل کے مبادی اور مقدمات ہیں وہ سب مختل بلکہ گم ہیں۔ اس لیے یہ لوگ حق اور ہدایت کو کچھ نہیں سمجھتے۔ پس یہ لوگ جانوروں کی طرح عقل معاش رکھتے ہیں آخرت کی عقل سے عاری اور کورے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ ستھری چیزیں جو تمکو روزی دی ہم نے

وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۴۲﴾ إِنَّمَا

اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو یہی

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَ

حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور

مَا أَهْلَ بِهِ يَغَيِّرُ اللَّهُ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ

جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کا پھر جو کوئی پھنسا ہو نہ

بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط إِنَّ اللَّهَ

بے حکمی کرتا ہے اور نہ زیادتی تو اس پر نہیں گناہ تحقیق اللہ بخشنے والا

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

مہربان ہے

خطاب خاص بہ اہل اختصاص

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ... الى... إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔
(رابط) گزشتہ آیات میں خطاب عام تھا۔ اور اس آیت میں خاص اہل ایمان کو خطاب ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان اور محبت خداوندی کا اقتضام یہ ہے کہ خدا کے رزق کو کھاؤ اور شکر کرو۔ كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ۔ الایة نعمت کے استعمال سے منعم کی محبت پیدا ہوتی ہے اور شکر کرنے سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ اکل حلال سے دعا اور عبادت قبول ہوتی ہے۔ اور اکل حرام سے دعا اور عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اکل حلال سے مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! ایمان اور محبت کا یہ مقتضی نہیں کہ تم اپنے خیال سے لذیذ اور پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دو اور اس کو عبادت سمجھنے لگو بلکہ مقتضائے ایمان اور محبت یہ ہے کہ جو حلال اور پاک چیزیں ہم نے تم کو عطا کر کی ہیں انکو رغبت کے ساتھ کھاؤ۔ عاشق تو معشوق کے ہاتھ کی دی ہوئی تلخ چیز کو بھی شیریں سمجھ کر کھاتا ہے تو ہمارے رزق کو اس خیال سے کھاؤ کہ ہم نے تم کو یہ رزق دیا ہے۔ اسباب اور وسائط کو محض پردہ سمجھو اصل مالک اور معطی ہم ہیں۔ عطیہ کے ساتھ بے رغبتی معطی کے ساتھ بے رغبتی کو موہم ہے لہذا منعم حقیقی کی طرف سے جو نعمت آئے اس کو بصد شوق و رغبت استعمال کرو۔ تاکہ منعم تم سے راضی ہو۔ اور یہ مت سمجھو کہ پاکیزہ چیزوں کے استعمال سے حظ نفس میں گرفتار ہو جائیں گے جو عبادت سے غفلت کا سبب بنے گا۔ اس کی تدبیر یہ کرو کہ تم اللہ کا شکر کرو تاکہ تمہاری یہ لذت عین عبادت بن جائے کیونکہ پاکیزہ رزق کھانے سے اللہ کی محبت پیدا ہوگی اور محبت سے شکر نکلے گا اور شکر ایک عظیم عبادت ہے جس سے اللہ کی نعمت اور

عنایت میں زیادتی ہوتی ہے اس طرح تم لذت کو عبادت بنا سکتے ہو اگر تم خالص اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اپنے خیال کو اس میں دخل نہ دو اس لیے کہ عبادت سے مقصود رضا حق ہے وہ جس طرح بھی حاصل ہو۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
الغرض پاکیزہ چیزوں کا کھانا ایمان اور محبت کے منافی نہیں۔ البتہ حرام چیزوں کا استعمال اللہ کی ناراضی اور اس سے دوری کا سبب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں جزا میں نیست کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف ایسی چیزوں کو حرام فرمایا جو جسمانی اور روحانی حیثیت سے تمہارے لیے مضر ہیں۔ ایک مردار کو جو خود بخود مر گیا ہو یا شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو اور بہتے ہوئے خون کو اور خنزیر کے گوشت کو کیونکہ یہ جانور حرص اور بے حیائی اور بے غیرتی اور نجاست خوری میں مشہور ہے جو قومیں خنزیر کھاتی ہیں ان سے حیا اور عزت و ناموس شخصیت ہو جاتی ہے۔ نیز یہ جانور انسان کے فضلہ کو بہت رغبت کیساتھ کھاتا ہے اور فضلہ انسانی خنزیر کی خاص خوراک ہے اور اس کا گوشت پوست زیادہ تر فضلہ انسانی سے پیدا ہوتا ہے لہذا خنزیر کا گوشت کھانا گویا کہ اپنا ہی فضلہ کھانا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اسکی نسبت فرمایا فَانْتَهَ رَجُسَی۔ یعنی یہ نجس العین ہے۔

اور حرام کیا اللہ نے اس جانور کو کہ جو بقصد تقرب غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو جس جانور کی جان کو اللہ کے سوا کسی بت یا کسی نبی یا ولی کی روح کے لیے نذر کر دیا جائے اور ان کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس کو ذبح کیا جائے تو اس جانور کا کھانا حرام ہے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اس لیے کہ جانور کی جان صرف اللہ کی ملک ہے آدمی کی ملک نہیں کہ دوسرے کو بخش دے اس لیے جانور کی جان کو غیر اللہ کے نام زد کر دینا صریح شرک ہے اور ظاہر ہے کہ شرک کی نجاست اور گندگی تمام نجاستوں سے زیادہ سخت ہے لہذا جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے تو اس شرک کی نجاست اور نجاست اس جانور میں اس درجہ سمراہیت کر جاتی ہے کہ اگر ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لیا جائے تب بھی وہ جانور حلال نہیں ہوتا جیسے کتا اور سور خدا کا نام لیکر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ آخر مردار اسی وجہ سے تو حرام ہے کہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ لہذا جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہو گا۔ البتہ اگر غیر اللہ کے نام زد کرنے کے بعد ذبح سے پہلے ہی اپنی اس فاسد نیت سے توبہ کر لے اور اس ارادہ ناسد سے رجوع کر لے تو پھر وہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے حلال ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

لعن اللہ من ذبح
لغير الله
اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو غیر اللہ
کی تعظیم اور تقرب کی نیت سے جانور
ذبح کرے۔

غیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ نیت غیر اللہ کی ہو۔ خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ اسی طرح
مَا أَهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کے معنی یہ ہیں کہ جو جانور غیر اللہ کے نام زد کیا گیا ہو جس سے مقصود غیر اللہ

کی تعظیم ہو وہ حرام ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔ یہ لفظ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے اور سب جگہ مَا أَهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فرمایا اور کسی جگہ یہ نہیں فرمایا ہاذا بِحِمْزٍ بِلَا حُرْوفٍ وَمَعَ طَرَفٍ لَقِيْلَةٍ غَيْرِ اللَّهِ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ غیر اللہ کا نام لیکر ذبح کرنا اور ہے اور غیر اللہ کے تقرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے ذبح کرنا اور ہے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے لغیر اللہ اور باسم غیر اللہ کا فرق معمولی استعداد والوں پر بھی مخفی نہیں۔ اہلال کے لغوی معنی عربی زبان میں شہرت اور آواز دینے کے ہیں۔ لفظ اہلال لغت عرب میں ذبح کے معنی میں نہیں آتا۔ چنانچہ سورۃ مائدہ میں مَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ کے بعد ہاذا بِحِمْزٍ عَلٰی النَّصَبِ کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اہلال لغیر اللہ اور شے ہے اور ذبح لغیر اللہ اور شے ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ نے آیت مَا أَهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کی تفسیر میں ۵۴ صفحہ کا ایک طویل مکتوب تحریر فرمایا ہے جو فارسی میں ہے اور عجیب و غریب حقائق و معارف پر مشتمل ہے اس وقت ہم اس کا خاص اور اہم اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

”حلت اور حرمت کا دار و مدار نیت پر ہے اور ذکر لسانی اس نیت قلبی کا ترجمان ہے اس لیے بغیر ذکر لسانی نیت قلبی کی اطلاع ناممکن ہے۔ حدیث میں ہے۔ انما الاعمال بالنیات عمل کی حقیقت یہی نیت قلبی ہے اور حرکات خاصہ صورت عمل ہیں اگر عمل ہے اور نیت نہیں تو جسم بے جان ہے اور کسراب بقیعۃً لیکسبہ الظمانُ ہاء کا مصداق ہے معلوم ہوا کہ حلت اور حرمت کی علت ذبح کے وقت فقط زبان سے اللہ یا غیر اللہ کا نام لینا نہیں بلکہ حلت کی اصل علت خاص اللہ کی نیت ہے اور حرمت کی اصل علت غیر اللہ کی نیت ہے اور آیۃ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بائینہ ہونہین۔ میں فقط ذکر لسانی مراد نہیں اس لیے کہ اصل ذکر اور ذکر حقیقی وہ ذکر قلبی ہے اور ذکر لسانی کو اس لیے ذکر کہا جاتا ہے کہ وہ ذکر قلبی کا ترجمان ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص دل سے کسی کی یاد میں محو ہو اور زبان سے ساکت ہو تو وہ ذکر سمجھا جاتا ہے لیکن اگر زبان سے کسی کا نام لے اور دل میں کوئی اور بسا ہوا ہو تو حقیقت شناس لوگوں کے نزدیک یاد کرنے والوں میں اسکا شمار نہیں ہو سکتا نیت قلبی ایمان کی طرح باطنی ہے اور ذکر لسانی کلمہ شہادت کی طرح اسکا ترجمان ہے۔ کلمہ شہادت کو ایمان کی حقیقت نہیں کہا جاسکتا ورنہ لازم آئیگا کہ مومن کلمہ اسلام کے تلفظ کے وقت مومن ہوا اور اس تلفظ سے پہلے مومن نہ ہوا اسی طرح جس شخص نے کسی جانور کے متعلق نیت تو غیر اللہ کی کی اور اس جانور کو غیر خدا کے لیے تجویز کر دیا مگر ذبح کے وقت زبان سے نام اللہ کا لیا تو اسکا اعتبار نہ ہوگا اس لیے کہ تقرب غیر اللہ کی نیت کے بعد ذبح کے وقت محض زبان سے اللہ کا نام لینا عمل بے روح ہے۔

مشرکین عرب، نیت بھی غیر اللہ ہی کی کرتے تھے اور ذبح کے وقت بھی نام غیر اللہ ہی کا لیتے تھے اور مومنین مخلصین نیت بھی خاص اللہ ہی کی کرتے تھے اور نام بھی خاص اللہ ہی کا لیتے تھے۔ بتدعین نیت تو

حقیقت کے اعتبار سے ناجائز ہوگی۔ حاصل یہ کہ عند الذبح کی قید اس زمانے کے دستور کی طرف اشارہ کے لیے ہے احترازی قید نہیں عند الذبح کی قید اس لیے ذکر فرمائی ہے کہ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر کسی نے حیوان کو غیر اللہ کے نام زد کیا اور غیر خدا کے تقرب کی نیت کی تو اس جانور کی حرمت اس شرط پر موقوف ہے کہ اس کی یہ نیت ذبح کے وقت تک باقی رہے اور اگر ذبح سے پہلے اس نیت فاسدہ سے توبہ کر لے اور اللہ کے نام پر ذبح کر لے تو پھر یہ جانور حرام نہ رہے گا بلکہ حلال ہو جائے گا۔ غرض یہ کہ عند الذبح کی قید نیت اور فعل ذبح میں تقارنت اور اتصال کے بیان کرنے کے لیے ہے اور تبدل نیت اور تغیر اداہ سے احتراز کے لیے ہے کہ اگر غیر اللہ کی نیت فعل ذبح کے ساتھ متصل اور مقرون ہے تب تو وہ جانور حرام ہے اور اگر ذبح سے پہلے نیت بدل جائے تو حرمت بھی مبدل بہ حلت ہو جائے گی۔

نیز عند الذبح میں لفظ عند ظرف زمان ہے جو محض اقتران پر دلالت کرتا ہے سرعلیت پر دلالت نہیں کرتا اور حکم حلت و حرمت کا دار و مدار علت پر ہے۔ ظرفیت زمانہ اور مکانیہ پر اس کا مدار نہیں اور یہاں حرمت کی علت اہلال غیر اللہ ہے اور عند الذبح کی قید اہلال اور ذبح میں اقتران بیان کرنے کے لیے ہے یعنی درمیان میں کوئی دوسری نیت فاصل اور متخیل نہیں۔ پس اگر علت یعنی نیت غیر اللہ ابتداء سے آخر تک یعنی وقت ذبح تک مستمر ہے تو حرمت بھی مستمر ہے اور اگر علت یعنی نیت بدل جائے تو معلول یعنی حرمت بھی بدل جائے گی۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ما اہل بہ لغیر اللہ سے صرف وہی جانور مراد ہے کہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے اور تشبیہ سابق اور نیت متقدمہ کو حرمت میں کوئی دخل نہیں تب بھی اثبات حلت کے لیے کافی نہیں اس لیے کہ حرمت فقط مَا اُھْلَ بِہِ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں منحصر نہیں۔ سرقہ اور غضب کا گوشت اور مردار خورد جانور کا گوشت بھی حلال نہیں حالانکہ وہ مَا اُھْلَ بِہِ لِغَیْرِ اللّٰہِ میں داخل نہیں اسی طرح یہ جانور اگرچہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل نہ ہو تب بھی حلال نہ ہو گا اس لیے کہ فقط غیر اللہ کے تقرب کی نیت حرمت کے لیے کافی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم (ماخوذ از مکتوب سوم از مکاتیب قاسم العلوم)

الغرض حق جل شانہ نے ان چیزوں کو حرام فرمایا کہ یہ چیزیں گندی اور ناپاک ہیں ان چیزوں کے استعمال سے انسان کا قلب اور اس کی روح گندہ اور ناپاک ہو جاتی ہے۔ حلال چیزوں کے کھانے سے قلب میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور حرام چیزوں کے استعمال سے دل سے اللہ کی محبت رخصت ہو جاتی ہے اور قلب میں بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معصیت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ گندگی اور نجاست کا کیرا گندگی ہی سے زندہ رہتا ہے۔ عطر سونگھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن حق تعالیٰ نے شدید مجبوری کی حالت میں ان چیزوں کی حرمت میں کچھ سہولت اور رخصت عطا فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس جو شخص بھوک سے بہت ہی مجبور اور لاچار ہو۔ اور دل اسکا ان چیزوں کے کھانے سے متنفر اور بیزار ہو پس اگر ایسا شخص ان میں سے کسی چیز کو کھائے

بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور مقدار حاجت سے تجاوز نہ کرنے والا ہو یعنی سد رمق سے زیادہ نہ کھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اس لیے کہ خبیث اور گندی چیز کا بقدر ضرورت استعمال بحالت مجبوری، کراہتِ قلب اور دلی نفرت کے ساتھ روح اور قلب کو گندہ نہیں کرتا۔ لیکن آخر گندی چیز تو گندی ہی ہے اسکا کچھ نہ کچھ اثر اور رنگ ضرور آئیگا مگر چونکہ یہ فعل بحالت مجبوری صادر ہوا ہے اس لیے حق تعالیٰ اس سے مواخذہ نہ فرمائیں گے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس ناچاری کی حالت میں جو گندی چیز استعمال کی ہے اس پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے۔ اور بڑے مہربان ہیں کہ اس پر بڑا رحم فرمایا کہ اس بے چارگی کی حالت میں کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَ

جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور

يَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي

لیتے ہیں اس پر مول تھوڑا وہ نہیں کھاتے اپنے

بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ

پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت

الْقِيَمَةِ وَلَا يَزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٤٣﴾

کے دن اور نہ سنوارے گا انکو اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی

وہی ہیں جنہوں نے خرید کی گمراہی بدلے راہ کے اور مار

وَالْعَذَابَ بِالسَّغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٤٤﴾

بدلے مہر کے سو کیا سہار ہے انکو آگ کی

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ

یہ اس واسطے کہ اللہ نے اتاری کتاب سچی اور جنہوں نے



اِخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

کئی راہیں نکالیں کتاب میں وہ ضد میں دور پڑے ہیں

ذکر محرماتِ معنویہ مثل دینِ فروشی و حق پوشی

قال تعالى إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ... إلخ... لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں محرماتِ حسیہ کا بیان تھا۔ ان آیات میں محرماتِ معنویہ کو بیان کرتے ہیں جو حرمت میں محرماتِ حسیہ سے بڑھ کر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق جو اہل کتاب ملتہ اور خنزیر کی حرمت پر اعتراض کرتے ہیں تعجب ہے کہ یہ لوگ اس علم کو چھپاتے ہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے انار کیا یہ اس علم کو چھپا کر مخلوق کو گمراہ کر رہے ہیں اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس امانت کی خیانت کے معاوضہ میں دنیا کا معمولی اور حقیر معاوضہ حاصل کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو مال دین کو فروخت کر کے اور حق کو چھپا کر حاصل کیا جائے وہ مردار اور خنزیر سے زیادہ ناپاک ہے ایسے لوگ اپنے شکموں میں سوائے آگ کے کچھ نہیں بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بلا واسطہ کلام بھی نہیں کریں گے۔ حالانکہ قیامت کے دن دربارِ عام ہو گا۔ مومن اور کافر۔ فاسق و فاجر سب جمع ہونگے اس دن کی ہم کلامی کوئی رتبہ اور شرف نہیں رکھتی۔ وہ دن تو عدالت اور فیصلہ کا ہو گا مجرم اور قصور وار بھی اسکا کلام سنیں گے لیکن یہ لوگ اس دن بھی کلامِ الہی سے محروم رہیں گے۔ غصہ اور سرزنش بھی بواسطہ فرشتوں کے ہوگی اور نہ اس دن انکو اللہ تعالیٰ پاک و صاف کرے گا جیسے گنہ گار مسلمانوں کو اس لیے عذاب دیا جائے گا کہ وہ پاک و صاف ہو کر دخولِ بہشت کے قابل ہو جائیں لیکن ان لوگوں کو اس لیے عذاب دیا جائے گا کہ ہمیشہ تکلیف اور درد اٹھاتے رہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور ان کے لیے ہمیشہ کا دردناک عذاب ہو گا۔ یہ لوگ تو ایسے ہیں کہ جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں اور عذاب کو مغفرت کے بدلہ میں بہزار رضارد رغبت خرید لیا ہے یہ اس قابل نہیں کہ انکو پاک کیا جائے اور اللہ کے کلام سے انکو عزت بخشی جائے یا کم از کم انکو دردناک عذاب سے نجات ہی دی جائے۔ ان لوگوں نے خود ہی اپنے لیے آگ کو پسند کیا ہے پس شاباش ہو انکی ہمت و جرات پر۔ یہ لوگ آگ پر بڑے ہی صبر کرنے والے ہیں اور تمام سزائیں اس لیے ہیں کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا تاکہ لوگوں پر حق واضح ہو اور تحقیق جن لوگوں نے ایسی کتاب میں بے راہی اختیار کی کہ اسکے مقصود ہی کو بدل دیا۔ اظہارِ حق کی بجائے کتمانِ حق کرنے لگے، تحقیق حق کے بجائے تبلیس حق کرنے لگے تو بلاشبہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی مخالفت میں ہیں کہ جس کتاب کو ہدایت کے لیے نازل فرمایا تھا اسکو گمراہی کا ذریعہ بنالیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو منشا خداوندی کی کھلم کھلا مخالفت کرے وہ

ایسی ہی سزاؤں کا مستحق ہوگا۔



لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُّوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ

نیکی یہی نہیں کہ منہ کرو اپنے مشرق یا مغرب

وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

کی طرف لیکن نیکی وہ ہے جو کوئی ایمان لاوے اللہ پر اور

الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ

پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دیوے مال

عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

اس کی محبت پر ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَ

اور راہ کے مسافر کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں پھڑانے میں اور

أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ

کھڑی رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو

إِذَا عَاهَدُوا ۚ وَالصَّادِقِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ

جب قول کریں اور ٹھہرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور

حِينَ الْبَأْسِ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۚ وَأُولَٰئِكَ

وقت لڑائی کے وہی لوگ ہیں جو سچے ہوئے اور وہی

هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

بچاؤ میں آئے

البواب البر والصلة

قال تعالى لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ... الى... وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝
یہاں پہنچ کر سورۃ بقرہ نصف ہو جاتی ہے۔ ابتداء سورت سے یہاں تک کے نصف میں اُمتِ دعوت کو خطاب تھا۔ یعنی ان لوگوں کو خطاب اور عتاب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اور اس میں بھی زیادہ تر خطاب بنی اسرائیل کو رہا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خوب جانتے اور پہچانتے تھے مگر چھپتے تھے اور اقرار نہیں کرتے تھے۔ اور اس اخیر نصف میں اُمتِ اجابت کو خطاب ہے اور مختلف قسم کے احکام کی تعلیم اور تلقین ہے جو عبادات اور معاملات اور معاشرت وغیرہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اس طرح سے یہ تفصیل اخیر سورت تک چلی گئی ہے۔

نیز سورۃ کے نصف اول میں زیادہ تر اصول دین اور ایمانیات کا بیان تھا اور اس اخیر نصف میں زیادہ تر احکامِ عملیہ کا بیان ہے۔ پھر جب ان احکامِ عملیہ کا آغاز فرمایا تو مجملًا ان تمام احکام کو لفظِ بر سے تعبیر فرمایا جو بر بمعنی وسعت سے ماخوذ ہے یعنی احکامِ عملیہ کا ایک وسیع اور طویل و عریض سلسلہ جو نصف سورت سے شروع ہو کر اخیر سورت تک چلا گیا۔ پھر ان احکامِ عملیہ کے بیان میں عجیب ترتیب کو ملحوظ رکھا کہ پہلے اصول بر کو بیان فرمایا یعنی ایمانیات اور مکارم اخلاق کو بیان کیا جنکا شروع سورت میں یعنی الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ الخ میں اجمالاً ذکر تھا اور پھر فروع بر کو بیان فرمایا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان احکامِ عملیہ کے مجموعہ کو ”البواب البر والصلة“ سے موسوم اور ملقب کیا جائے جیسا کہ صحیح بخاری میں اس عنوان سے ایک مستقل کتاب اور باب ہے۔ واللہ الہادی الی سوائع الطریق و بیدہ اذمۃ التوفیق والتحقیق۔

اصول بر

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی حق پوشی اور رشوت ستانی اور ہدایت کے بدلہ میں ضلالت کو خریدنے کا بیان تھا اب آئندہ آیات میں اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب باوجود ان قبائح اور شنائع کے اپنے کو اہل بر اور ابرار میں سمجھتے اور اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ نجات کے لیے فقط استقبالِ قبلہ کافی ہے اور یہ سب غلط ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ نیکی اور خوبی فقط اسکا نام نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو لیکن اصل نیکی یہ ہے کہ اپنے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو اور اس کی رضا اور اطاعت کو اپنا قبلہ توجہ بناؤ۔ اس لیے کہ اللہ کے نزدیک نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے یعنی ذات و صفات میں اس کو یکتا اور یگانہ سمجھے اور آخری دن پر بھی یعنی قیامت کے آنے پر اور فرشتوں پر بھی ایمان

لائے۔ فرشتوں پر۔ ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ سمجھے کہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں بغیر اُسکی مرضی کے کچھ نہیں کرتے نور سے پیدا ہوئے کسی کے دو بازو ہیں اور کسی کے تین اور کسی کے چار اور کسی کے زیادہ ہیں۔ معصوم ہیں کھانے اور پینے سے پاک ہیں۔ اور تمام آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر بغیر تفریق کے ایمان لائے کہ جن کے واسطے سے اللہ کے صحیفے اور اسکے احکام ہم تک پہنچے جن میں بعض احکام۔ گزشتہ بعض احکام کے نسخ ہیں۔ ان تمام چیزوں کے اعتقاد میں ہر ہے اور اخلاق و اعمال میں ہر ہے کہ مال کو باوجود محبوب اور ضرورت مند ہونے کے بلا تخصیص قرابت داروں کو محض حق قرابت کی وجہ سے دے تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کو جمع کر سکے اور یتیموں کو دے کہ جو بوجہ خرد سالی کے کسب معاش نہیں کر سکتے اور بوجہ بے پدری کے کوئی انکا خبر گیراں نہیں اور ان غریب محتاجوں کو دے کہ جن کی آمدنی اُن کے ضروری خرچ سے کم ہے اور صبر و سکون کی وجہ سے نہ وہ کسی سے سوال کرتے ہیں اور نہ اظہار حاجت کرتے ہیں۔ اور مسافروں کو دے جنکے پاس سفر میں خرچ نہ رہا ہو اگرچہ وطن میں مال ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ابن السبیل سے مسافر مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن السبیل سے ہمان مراد ہے۔ اور سوال کرنے والوں کو دے خواہ مسلمان ہوں یا کافر۔ اگرچہ ہمیں ان کی حاجت اور ضرورت کا علم نہ ہو۔ اس لیے کہ ظاہر یہی ہے کہ بلا ضرورت کوئی عاقل سوال اور گدائی کی ذلت گوارا نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار اور مال دے، گدہوں کے چھڑانے میں۔ یعنی غلاموں کے آزاد کرنے یا مسلمان قیدیوں کے چھڑانے میں جو کافروں کے ہاتھ میں گرفتار ہوں۔ یا قرض داروں کو قرض کی قید سے چھڑانے میں یا قیدیوں کے فدیہ دینے میں اپنا مال خرچ کرے۔

یہ تو حقوق العباد میں بڑی نیکی کا بیان ہوا۔ اور حقوق اللہ میں بڑی اور نیک یہ ہے کہ نماز کو قائم کرے اور تمام اعضاء سے اللہ کا حق ادا کرے اور زکوٰۃ دے جو کہ مال میں اللہ کا حق ہے۔ یہ وہ خصال بڑ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لازم کی ہیں۔ اب آئندہ آیات میں ان خصال بڑ کا ذکر فرماتے ہیں کہ جن کو آدمی خود اپنے اوپر لازم کر لے۔ چنانچہ فرماتے اور وہ لوگ بھی نیک ہیں جو اپنے عہد کو وفا کریں جو اللہ سے یا مخلوق سے کیا ہے۔ اللہ سے جو نذر مانی ہے یا کسی سے کوئی عہد کیا ہے اس کا ایفا لازم ہے لیکن یہ واجب ہے کہ جس وقت عہد کیا ہے اسی وقت نیت وفا کی رکھیں۔ جو شخص عہد کرتے وقت نیت وفا کی رکھے وہ عند اللہ وفا کرنے والوں میں شمار ہوگا۔ اگرچہ بعد میں کسی مجبوری سے وفار عہد نہ کر سکے اور جس شخص نے عہد کرنے وقت وفار کی نیت نہیں کی لیکن بعد میں لوگوں کی ملامت کی وجہ سے اپنے عہد کو پورا کیا تو یہ وفا

۱۰ سکون کے لفظ میں مسکین کے مادہ کی طرف اشارہ ہے اور عدم سوال میں لَا یَسْأَلُونَ النَّاسَ الْمَحَافَا کی طرف اشارہ ہے۔ نیز حدیث میں ہے لیس المسکین الذی تودہ التمرۃ والتمرتان واللقمۃ واللقتان ولكن المسکین الذی لا یجد غنی یغنیہ ولا یفطن لہ فیتصدق علیہ۔

فِي الْقَتْلِ ۖ وَالْحُرِّ وَالْعَبْدِ بِالْعَبْدِ

مارے گیوں میں صاحب کے بدلے صاحب اور غلام کے بدلے غلام

وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۖ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ

اور عورت کے بدلے عورت پھر جس کو معاف ہوا اس کے بھائی کی طرف سے

فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۚ ذَٰلِكَ

کچھ ایک تو چاہیئے مرضی پر چلنا موافق دستور کے اور پہنچانا اسکو نیکی سے یہ آسانی

تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۖ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ

ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی پھر جو کوئی زیادتی کرے بعد اسکے

ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ

تو اسکو دکھ کی مار ہے اور تم کو قصاص میں

حَيَوةٌ يَّأُولَى الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۴۹﴾

زندگی ہے اے عقلمندو شاید تم بچتے رہو

فروع برعنی احکام عملیہ و فروعیہ کا بیان

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ الى لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝
گزشتہ آیات میں اصولِ بر کا بیان تھا۔ اب اسکے بعد فروعِ بر یعنی احکامِ عملیہ و فروعیہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے۔ جس میں زیادہ تر احکام جزئیہ کا بیان ہے۔

اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے جو احکام
تمہارے لیے لکھ دیئے گئے ہیں اُن سے سیرِ موجِ تجاوز نہ کرو
خصوصاً خون کے معاملہ میں خاص صبر سے کام لو اور جوشِ انتقام میں حدودِ شرع سے تجاوز نہ کرو۔ مقتولین
بقتلِ عمد کے بارے میں تم پر مساوات اور برابری فرض کر دی گئی ہے۔ ایک مقتول کو دو گنا مقتول کے

برابر سمجھو۔ حسب اور نسب اور علم و فضل وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے قصاص میں شامل نہ کرو۔ جاہلیت کے دستور پر نہ چلو۔ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلہ میں رذیل لوگوں کے آزاد کو قتل کرتے تھے اور ایک عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کرتے اور ایک مرد کے بدلہ میں کئی کئی آدمیوں کو قتل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امتیاز کو ختم فرمادیا اور حکم دے دیا کہ جانیں سب کی برابر ہیں۔ قصاص کے بارے میں امیر اور غریب، شریف اور رذیل کا کوئی فرق نہیں ورنہ اگر قصاص میں اس قسم کے امتیازات کا لحاظ کیا جائے تو قصاص کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ آزاد برابر ہے آزاد کے۔ اگرچہ ایک امیر یا شریف ہو اور دوسرا فقیر یا رذیل ہو اور غلام برابر ہے غلام کے۔ اگرچہ ایک غلام کسی معمولی آدمی کا ہو اور دوسرا غلام بادشاہ کا ہو۔ اور عورت برابر ہے عورت کے اگرچہ ایک بیگم ہو اور دوسری مزدورنی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ضروری ہے اور جاہلیت کا یہ طریقہ کہ اشراف اپنے غلام کے عوض میں آزاد کو قتل کریں اور اپنی عورتوں کے عوض میں مردوں کو قتل کریں اور ایک مرد کے عوض میں کئی کئی مردوں کو قتل کریں یہ ہرگز درست نہیں۔ جانیں سب برابر ہیں۔

یہ اس آیت کا ظاہری مدلول اور منطوق ہے۔ اور مفہوم مخالف اس آیت کا یہ ہے کہ غلام آزاد کے برابر نہیں اور عورت مرد کے برابر نہیں سو آیت کریمہ اسکے حکم سے ساکت ہے۔ ائمہ دین کا اس میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح غلام بدلہ میں آزاد کے اور عورت بدلہ میں مرد کے قتل کی جائے گی اسی طرح آزاد بدلہ میں غلام کے اور مرد بدلہ میں عورت کے قتل کیا جائے گا۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ آزاد کو بمقابلہ غلام اور مرد کو بمقابلہ عورت قتل نہ کیا جائے گا بلکہ دیت لے لی جائے گی۔ حنفیہ کہتے ہیں **الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ** سے زمانہ جاہلیت کی رسم کو باطل کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود نہیں کہ غلام آزاد کے برابر نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ باندی اور آزاد عورت میں بھی فرق ہو اور آزاد مرد اور آزاد عورت میں بھی فرق ہو۔ حالانکہ باندی اور آزاد عورت میں بالاجماع کوئی فرق نہیں اور اسی طرح آزاد مرد اور آزاد عورت میں بالاتفاق کوئی فرق نہیں پس جس طرح باندی کا آزاد عورت سے قصاص لیا جاتا ہے اور آزاد عورت کا آزاد مرد سے قصاص لیا جاتا ہے اسی طرح غلام کا آزاد مرد سے بھی قصاص لیا جائے گا۔

نیز شوافع کا یہ استدلال۔ آیت کے مخالف سے ہے اور مفہوم مخالف کی دلالت اول تو ظنی ہے اور دوم یہ کہ مفہوم مخالف کا اعتبار اسی حد تک درست ہے کہ جب تک وہ مفہوم کسی دوسری نص صریح کے منطوق اور عموم کے منافی نہ ہو اور اس آیت کا مفہوم **النَّفْسُ بِالنَّفْسِ** اور حدیث **المسلمون قتلا فادھاہم** کے منافی ہے اس لیے اس جگہ مفہوم مخالف کا اعتبار نہ ہو گا اور **الْحُرُّ**

عہ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں ۱۲

بالْحُسْرِ الخ سے جو بظاہر قصہ مفہوم ہوتا ہے وہ قصہ اضافی پر محمول ہو گا۔ رسم جاہلیت کے مقابلہ میں قصہ مراد ہے قصہ حقیقی مراد نہیں۔

فائدہ

جاننا چاہئے کہ مقتولین میں فقط قصاص یعنی فقط جان لینے کے اعتبار سے برابری اور مساوات ہے قتل کی کیفیت میں مساوات اور برابری نہیں۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ آگ سے جلانے والے کو آگ میں جلایا جائے اور پانی میں غرق کرنے والے کو پانی میں غرق کر کے مارا جائے اور اگر کسی نے کسی کو جادو سے مارا ہے تو اسکو جادو سے مارا جائے۔ اس لیے فی القتل فرمایا فی القتل نہیں فرمایا۔ مقتولین میں برابری ہے۔ کیفیت قتل میں برابری نہیں خوب سمجھ لو۔

اب قصاص کے بعد مسئلہ عفو کا بیان فرماتے ہیں پس جو شخص کہ اس کے لیے اس کے بھائی کی جانب سے اگر پوری معافی نہ ہو بلکہ کچھ تھوڑی سی بھی معافی ہو جائے بایں طور کہ بعض وارث معاف کر دیں اور بعض نہ کریں تو قاتل سے قصاص ساقط ہو جائیگا اور دیت بذمہ قاتل واجب ہو جائے گی اس لیے کہ خون کوئی شئی منقسم نہیں کہ اسکا بعض حصہ تو لیا جائے اور بعض حصہ چھوڑا جائے اس لیے قصاص تو ساقط ہو جائے گا اور جن وارثوں نے خون معاف نہیں کیا ہے۔ انکو بقدر انکے حصہ کے دیت دلائی جائے گی۔ ایسی صورت میں قاتل قصاص سے تو بری الذمہ ہو جائیگا البتہ اس کے ذمہ یہ واجب ہو گا کہ معاف کرنے والے کی مرضی کا اتباع کرے جو اس کی مرضی ہو اسکو قبول کرے بشرطیکہ وہ معمول شرع کے مطابق ہو ایسی شرط نہ ہو جو شریعت کے خلاف ہو مثلاً ولی مقتول۔ قاتل سے یہ کہے کہ اس شرط سے معاف کرتا ہوں کہ اپنے لڑکے کو میرا غلام بنائے یا اپنی دختر سے زنا کی اجازت دے۔ پس اس قسم کی غیر معقول شرطیں غیر مقبول ہیں اس میں اتباع ہرگز جائز نہیں اور نیز قاتل کے ذمہ یہ واجب ہے کہ جس چیز کا دینا قبول کیا ہے اس کو نیکی اور سلوک کے ساتھ معاف کرنے والے کی طرف ادا کر دے بلا تاخیر کے وقت مقررہ پر دیت کی پوری رقم ادا کر دے نہ ٹلائے اور نہ اس کو پریشان کرے اور نہ کوئی دغل و فصل کرے یہ دیت اور عفو کی اجازت تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمت اور مہربانی ہے ورنہ جرم کے لحاظ سے تو سوائے سزائے قتل کے اور کوئی گنجائش نہ تھی۔ تخفیف یہ کہ یہود کی طرح قصاص کو۔ جب اور نصاریٰ کی طرح عفو کو لازم نہیں قرار دیا مہربانی یہ ہے کہ قاتل، اولیا مقتول کی خوشامد کر کے معاف کرا لیں اور ان کو راضی کر لینے سے زندہ رہ سکتا ہے اور وارثان مقتول کو اگر حاجت ہو تو مال لے لیں اور اگر ثواب آخرت کے طالب ہوں تو جہتہ اللہ خون معاف کر دیں پس جو شخص اس شخص اور رحمت کے بعد حد سے تجاوز کرے مثلاً معاف کرنے اور دیت لینے کے بعد جب قاتل مطمئن ہو جائے تو اسکو قتل کر دے یا قاتل دیت کا وعدہ کر کے فرار ہو جائے تو ایسے شخص کے لیے دردناک عذاب ہے اور قصاص میں اگرچہ بظاہر ایک جان جاتی ہے لیکن اس میں تمہاری بہت سی جانوں کی زندگی ہے۔ ایک جان لینے سے بہت سی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ یعنی قصاص میں اگرچہ بظاہر ایک جان جاتی ہے لیکن بہت سی جانیں اس سے محفوظ رہتی ہیں۔ قاتل گناہ سے پاک ہوا

اور عذاب دوزخ سے رہائی پائی اور حیاتِ ابدی اسکو حاصل ہوئی اور مقتول اگرچہ مارا گیا لیکن جب اس کا عوض اور بدلہ لے لیا گیا تو اسکا مرنا رائیگاں نہیں گیا۔ وارثانِ مقتول کے لیے باعثِ عز و جاہ ہوا اور قصاص لے لینے سے وارثوں کا دل ٹھنڈا ہوا غصہ کی آگ بجھ گئی اور آئندہ کے لیے کشت و خون کا سلسلہ بند ہوا فریقین ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے پس اس حکم کا مشروع ہونا خلاق کے لیے موجبِ رحمت اور سرمایہٴ زندگی ہوا اے عقل اور فہم والو اگر تم مغزِ سخن کو دریافت کرنا چاہو اور پوست پر قناعت نہ کرو تو سمجھ لو کہ قصاص ہر امرِ زندگی سے البتہ جن لوگوں کی عقل خالص نہیں وہ بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے فقط ظاہر پر اکتفا کرتے ہیں اور قصاص کو اتلافِ جان سمجھتے ہیں اور یہ حکم اس لیے مشروع ہوا کہ شاید تم افراطِ غضب سے پرہیز کرو تاکہ غضبِ خداوندی سے بچ جاؤ۔

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ

حکم ہوا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت اگر کچھ مال چھوڑے

خَيْرًا ۖ لِلْوَصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ

کہ دلوا مرے مال باپ کو اور ناتے والوں کو دستور سے

حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۱۸۰ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ

ضرور ہے پر ہیزگاروں کو پھر جو کوئی اسکو بدلے بعد اسکے کہ سُن چکا تو اس

فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ

کا گناہ انہیں ہی پر جنہوں نے بدلا بیشک اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۸۱ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوَصٍّ جَنَفًا

ہے سنتا جانتا پھر جو کوئی ڈرا دلوانے والے کی طرفداری سے یا

أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

گناہ سے پھر ان میں صلح کروا دے تو اس پر گناہ نہیں البتہ اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۸۲

بخشنے والا ہے مہربان

حکم دوم وصیت

قال تعالى - كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا أَحْضَرْتُمْ أَحَدَكُمُ الْمَوْتَ... إِلَى... إِنَّ اللَّهَ خَفِيٌّ رَحِيمٌ۔
گزشتہ آیات میں قصاص کو حیات فرمایا۔ آئندہ آیات میں وصیت کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو خاندان کی حیات اور زندگی کا سامان ہے۔ شروع اسلام میں جب تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا تو والدین اور اقارب کے لیے وصیت فرض تھی مقدار کی کوئی تعیین نہ تھی۔ وصیت کرنے والے کی صواب دید پر تھا کہ جتنی مقدار مناسب سمجھے اتنی مقدار کی وصیت کر دے اسکے بعد جو باقی بچے وہ سب اولاد کا ہے اس آیت میں اسی حکم کا ذکر ہے اور چونکہ وصیت اور اقارب کی اعانت امر فطری اور جبلی ہے اور ہر ملت و مذہب میں رائج ہے اس لیے اس آیت کو پچھلی آیت کی طرح **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے شروع نہیں فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے موت کسی کے سامنے آجائے بغیر طیکہ وہ اتنا مال چھوڑے کہ تجھیز و تکفین کے بعد بچ رہے تو اس پر لازم ہے وصیت کرنا والدین اور دیگر اقارب کے لیے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ وہ وصیت شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً یہ نہ کرے کہ والدین کو نظر انداز کر دے اور دور کے رشتہ داروں کو مقدم کر دے یا فقیر رشتہ دار کو محروم کر دے اور دولت مند کے لیے وصیت کرے غرض یہ کہ جو وصیت شریعت کے مطابق ہو جاتی ہے اسکا پورا کرنا خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ضروری ہے کسی کو اس میں تغیر اور تبدل کا اختیار نہیں پس جو شخص حق لازم کی وصیت سن لینے کے بعد وصیت کے مضمون میں کچھ تغیر اور تبدل کرے تو اس تغیر و تبدل سے جو حق تلفی ہوگی اس کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہوگا۔ حاکم اور مفتی نے اگر ظاہر اور قواعد شریعت کی بنا پر فیصلہ کیا ہے اور فتویٰ دیا ہے تو حاکم اور مفتی گناہ گار نہ ہوگا کیونکہ تحقیق اللہ تعالیٰ سننے والے اور جاننے والے ہیں تبدیل کرنے والوں کے اقوال کو سنتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جانتے ہیں اور حاکم اور مفتی کی معذوری کو بھی جانتے ہیں۔ البتہ ایک صورت میں وصیت میں تغیر و تبدل جائز ہے وہ یہ کہ وصیت کرنے والے سے کسی غلطی کا یا دیدہ دانستہ صریح گناہ کا اندیشہ ہو کہ غیر مستحق کو دے اور مستحق کو محروم کرے یا کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دے۔ پس یہ شخص اگر اس وصیت کو درست کر دے یعنی اس وصیت کو شریعت کے مطابق کر دے تو ایسے تغیر و تبدل میں اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی رحمت فرمانے والے ہیں۔ نیت فاسدہ سے گناہ کرنے والوں کو بھی بخش دیتے ہیں اور جو شخص نیک نیتی سے کوئی تغیر اور تبدل کرے اس پر کیوں نہ رحمت ہوگی؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے ایمان والو! حکم ہوا تم پر روزے کا

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

جیسے حکم ہوا تھا تم سے اگلوں پر شاید تم

تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ

پرہیزگار ہو جاؤ کئی دن ہیں گنتی کے پھر جو کوئی تم میں

مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى

بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہیئے اور دنوں سے اور جن

الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ

کو طاقت ہے تو بدلا ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ

شوق سے کرے نیکی تو اسکو بہتر ہے اور روزہ رکھو تو تمہارا بھلا ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

تم سمجھ رکھتے ہو

حکم سوم صوم

قال تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ... إلخ... إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ بجائے اہل ایمان کے اپنے نفس موذی کو مارو کہ جو
ہر وقت تمہاری تاک میں ہے اور تمہارے خدا کے درمیان سدِ راہ ہے تمہارا دشمن ہے اور تمہارے
جانی اور ایمانی دشمن یعنی شیطان کا دوست بلکہ حقیقی اور بڑواں بھائی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ شیطان اور
نفس دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ ساتھ پیدا ہوئے اس لیے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اس دشمن کو مارو اور
روح کو زندہ کرو جو تمہارے پاس فرشتوں کی جنس کی ایک چیز ہے۔ نفس کے مارنے اور روح کے زندہ کرنے
کا بہترین طریقہ صبر ہے اور صبر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چند روز روزے رکھو قوت شہویہ اور قوت

غضب یہ جو تمام معاصی کا منبع ہے اسکے کچلنے کے لیے روزہ تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتا ہے لیکن یہ روزہ ہنود اور صابئین کی طرح نہ رکھو کہ دن میں تو خود رو اشیا اور پھل اور میوے کھاتے رہو اور بوقت شب کھانے سے رکو۔ یہ طریقہ شریعت الہی کے خلاف ہے بلکہ تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا کہ مطلقاً کھانے اور پینے اور عورتوں کی صحبت سے دن میں کامل پرہیز رکھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک یہی طریقہ رہا البتہ تعین ایام میں اختلاف رہا حضرت آدمؑ پر ہر مہینہ میں تین دن کے روزے یعنی ایام بیض کے فرض تھے۔ یہود پر یوم عاشوراء اور ہفتہ اور اسکے سوا اور چند روز کے روزے فرض تھے۔ نصاریٰ پر ماہ رمضان کے روزے فرض تھے۔

معاذ بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور عطاءؓ اور ضحاکؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے کہ عاشورہ اور ہر مہینہ میں تین دن کے روزے حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مقرر رہے رمضان کے روزوں کے حکم سے یہ حکم منسوخ ہوا۔ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ واللہ ہرگز شتہ امت پر پورے ایک ماہ کے روزے فرض رہے جس طرح ہم پر فرض ہیں اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا روزہ اگلی امتوں پر فرض کیا تھا (رواہ ابن ابی حاتم) الغرض روزہ کی فرضیت قدیم ہے کوئی شریعت اسکی فرضیت سے خالی نہیں رہی اس لیے یہ مبارک عبادت تم پر فرض کی گئی تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ کیونکہ روزہ کی خاصیت ہی یہ ہے کہ روزہ کی عادت اور کثرت آدمی کو پرہیزگار بنا دیتی ہے اور یہ روزے تم پر شمار کیے ہوئے دنوں کے لیے فرض کیے گئے ہیں جو ایک مہینہ کی مدت ہے نہ بہت کم اور نہ بہت زیادہ اگر بہت کم ہوتی تو تھوڑی مدت کی عبادت سے نفس عبادت کے رنگ سے رنگین نہ ہوتا۔ اور اگر روزہ کی مدت بہت زیادہ ہوتی تو مشقت میں پڑ جاتے اس لیے تھوڑے ہی دنوں کا روزہ تم پر فرض کیا گیا مگر اس میں تمہاری سہولت کی رعایت کی گئی۔ پس ایک سہولت تو یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو جس کی وجہ سے روزہ رکھنا دشوار ہو تو اسکو اجازت ہے کہ روزہ افطار کر لے مگر اتنے دنوں کو شمار کر کے بجائے رمضان کے دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لے خواہ مسلسل یا فاصلہ سے اور دوسری سہولت یہ ہے (جو بعد میں منسوخ ہو گئی) کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں مگر باوجود اسکے روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو اسکے ذمے اسکا فدیہ یعنی روزہ کا بدلہ دینا ہے اور وہ فدیہ ایک مسکین کی خوراک ہے اس لیے کہ یہ شخص خدا کے لیے خود ترک طعام و شراب نہیں کر سکتا تو کسی مسکین ہی کو کھلا دے کہ جب وہ کھا کر عبادت کریگا تو ثواب میں اسکا بھی حصہ ہو جائے گا اور یہ بدلہ بہت ہی کم ہے۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهِ۔ لیکن جو شخص خوشی سے

لے جیسے گاندھی کا طریقہ تھا کہ برت رکھتا تھا۔ روٹی تو نہ کھاتا تھا مگر انار اور انگور اور سیب کا عرق پیتا تھا گو یا کہ پوری کچوری سے تو برت ٹوٹ جاتا تھا مگر عرق انار اور انگور سے برت نہ ٹوٹتا تھا ۱۲ ہندوؤں کی برت کو فاقہ کہنا تو جائز ہے مگر اسکو روزہ کہنا ناجائز ہے۔

خیر اور نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے ایک مسکین کے کئی مسکینوں کو کھانا دے دے تو وہ بھی بہتر ہے جتنی نیکی زیادہ کرو گے اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا لیکن تمہارا خود روزہ رکھنا فدیہ سے کہیں بہتر ہے اگرچہ فدیہ مقدار واجب سے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اگر تم روزہ کے فضائل اور فوائد کو جانتے ہو کہ روزہ کس درجہ کی عبادت ہے روح کے زندہ کرنے اور نفس اور شہوات کے کچلنے میں کوئی اسکا بدل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عمل کا اجر محدود ہے مگر صبر اور روزہ کا اجر غیر محدود ہے۔ نماز اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی ایک محسوس صورت ہے جو ریا و غیرہ کے ذریعے سے توڑی جاسکتی ہے مگر روزہ کی کوئی صورت محسوس نہیں کہ جسکو توڑا جاسکے۔



شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

ہمینہ رمضان کا جس میں نازل ہوا قرآن

هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَ

ہدایت واسطے لوگوں کے اور کھلی نشانیاں راہ کی اور

الْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

فیصلہ پھر جو کوئی پادے تم میں یہ ہمینہ تو اسکو روزہ رکھ

وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ

اور جو کوئی ہو بیمار یا سفر میں تو گنتی چاہیے اور دنوں

أُخْرَ ۚ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

سے اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر مشکل

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمُ

اور اس واسطے کہ پوری کرو گنتی اور بڑائی کرو اللہ کی اس پر کہ تمکو راہ بتائی

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

اور شاید تم احسان مانو

تعیین ایام معدودہ

قال تعالى شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ... وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
 گزشتہ آیات میں بلا تعین چند دنوں کے روزہ رکھنے کا حکم مذکور تھا اب ان آیات میں حق تعالیٰ
 شانہ اُن ایام معدودات کی تعیین فرماتے ہیں یعنی وہ شمار کیے ہوئے دن جن میں روزہ رکھنے کا حکم دیا
 ہے وہ ماہ رمضان المبارک ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں
 ہدایت اور امتیاز حق و باطل کی صاف صاف اور نہایت واضح اور روشن دلیلیں اور نشانیاں ہیں جو سوائے
 قرآن کے اور کسی کتاب میں نہیں۔ توریت اور انجیل بھی نور اور ہدایت تھی اور حق اور باطل میں فرق کرتی تھی مگر
 قرآن کی طرح واضح اور روشن نہ تھی۔ قرآن کریم کا ہر حرف ہدایت اور امتیاز حق اور باطل کی واضح اور روشن
 دلیل ہے اسی وجہ سے مینات کو جمع لایا گیا اور ہدیٰ کو مفرد لایا گیا۔ ہدایت کبھی خفی ہوتی ہے اور کبھی جلی
 اور کبھی آفتاب کی طرح اجلی اور روشن ہوتی ہے۔ بَيِّنَات مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ کا مطلب
 یہی ہے کہ قرآن کریم ہدایت اور امتیاز حق و باطل میں آفتاب کی طرح روشن ہے توریت و انجیل اس درجہ
 روشن نہ تھیں پس تم میں سے جو شخص یہ مہینہ پائے تو اسکو چاہیئے کہ اسکے روزے رکھے جتنا مہینہ پاوے اتنے
 کے روزے رکھے اگر پورا مہینہ پائے تو پورے مہینے کے روزے رکھے اور اگر کچھ دن پائے تو اتنے دن
 روزے رکھے غرض یہ کہ جو شخص اس مہینہ کو پائے اسکے ذمہ یہ لازم اور فرض ہے کہ اس مہینہ کے روزے
 رکھے اور بتدرار میں جو فدیہ کی اجازت دی گئی وہ منسوخ ہوئی اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے اب
 انکو افطار کی اجازت نہیں رہی اس آیت سے فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا اور البتہ مریض اور مسافر کے لیے جو سفر
 اور مرض کی وجہ سے افطار کی رخصت اور اجازت دی گئی تھی وہ ہنوز اسی طرح باقی ہے کہ جو شخص ایسا بیمار
 ہو کہ جسکو روزہ رکھنا دشوار ہو یا شرعی سفر پر ہو یعنی سفر میں جتنی مسافت شریعت میں معتبر ہے اتنی مسافت
 کے سفر کا ارادہ ہو تو ایسے شخص کو رمضان میں افطار کی اجازت ہے اور بجلتے ایام رمضان کے دوسرے
 دنوں میں فوت شدہ روزوں کے شمار کے مطابق روزے رکھنا اس پر لازم ہے۔ مریض اور مسافر کے حکم
 کو اس لیے مکرر بیان کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فقط فدیہ کا حکم منسوخ ہوا ہے معذور کیلئے افطار اور قضا کا حکم منسوخ نہیں ہوا
 اور قضا کے حکم میں فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ فرمایا یعنی اور دنوں میں گنتی اور شمار کے مطابق
 روزے رکھنے چاہئیں اور دنوں کی قید اس لیے لگائی کہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا آئندہ
 رمضان میں جائز نہیں۔ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں قضا کے روزے رکھنے چاہئیں اللہ
 تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت اور آسانی کرنا چاہتے ہیں اور تم پر سختی اور دشواری نہیں چاہتے اس
 لیے تمکو مرض اور سفر کی حالت میں افطار کی اجازت دی اور دوسرے دنوں میں فوت شدہ روزوں کے

شمار کے مطابق قضا کا حکم اس لیے دیا کہ تم اپنے روزوں کے شمار کو پورا کر لو تاکہ تمہارے ثواب میں کمی نہ رہ جائے اور تم اس شمار کو پورا کر کے متقی اور پرہیزگار بن جاؤ اور اس میں بھی یہ سہولت ہے کہ فوت شدہ روزوں کی قضا خواہ ایک ہی مرتبہ کر لو یا متفرق کر کے رکھ لو دونوں اختیار ہیں اور تاکہ تم اللہ کی کبریائی اور بزرگی بیان کرو کہ اس نے تم کو ایسے طریقہ کی ہدایت کی کہ جس سے تم رمضان المبارک کی فوت شدہ خیرات و برکات کی قضا سے کچھ تلافی کر سکو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لَتُكْمَلُوا الْعِدَّةَ سے رمضان کے تیس دن پورے کرنا مراد ہیں اور لَتُكْمَلُوا اللہ سے ختم رمضان کے بعد عید کا چاند دیکھ کر اور عید میں جاتے وقت اور عید کی نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے جس طرح نماز اور حج سے فارغ ہونے کے بعد ذکر خداوندی مسنون ہے اسی طرح رمضان کے روزوں سے فارغ ہونے کے بعد تکبیر و تحمید مسنون ہے اور تاکہ تم اللہ کا شکر کیا کرو کہ اس نے تم پر ایک مہینہ کے روزے فرض کیے کہ جو درجاتِ عالیہ کے ملنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اس پر بھی شکر کرو کہ اس نے حالتِ مرض اور سفر میں تمہیں افطار کی اجازت دی کہ جس میں تمہارے لیے تخفیف اور سہولت ہے بغرض یہ کہ عزیمت بھی نعمت ہے اور رخصت بھی نعمت ہے سب نعمتوں کا شکر کرو تاکہ کامل متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔

★ نزولِ قرآن اور صیامِ رمضان میں مناسبت

نزل قرآن اور صیام رمضان میں مناسبت یہ ہے کہ حق جل شانہ نے اس مہینہ کو قرآن کریم کے نازل کرنے کے لیے پسند

کیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام معجز نظام کے انوار و تجلیات اور خیرات و برکات کی کوئی حد اور نہایت نہیں۔ مجبین اور عاشقین دنیا میں اللہ کے دیدار سے محروم ہیں لیکن اس کے کلام سے دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ کلام کے پردہ سے کچھ اسکا جلوہ نظر آ جاتا ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بونے گل و برگ گل

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

چہست قرآن اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بناس

حرف حرفش راست در بر معینے معینے در معینے در معینے

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت اور انجیل اور زبور اسی مہینہ میں اتاری۔ یکم رمضان المبارک

ع کما قال تعالیٰ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ وَقَالَ تَعَالَى فَإِذَا قُضِيَتِ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔ پہلی آیت سے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ذکر خداوندی کا حکم ہے اور دوسری آیت میں حج سے فارغ ہونے کے بعد ذکر الہی کا حکم ہے۔ ۱۲

کو حضرت ابراہیم پر صحیفے اور چھ رمضان کو توریت نازل ہوئی اور بارہ رمضان کو زبور اتری اور اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور چوبیس رمضان کی شب کو قرآن کریم نازل ہوا۔

غرض یہ کہ ماہ رمضان عجیب مبارک مہینہ ہے جس میں اللہ کا کلام نازل ہوا اور اللہ کی کتاب اتری جو ایک نعمت کبریٰ اور منت عظمیٰ ہے۔ لہذا اس عظیم شانِ نعمت کے شکر یہ میں کوئی خاص عبادت اس مہینہ میں مقرر ہوئی چاہیئے جو کلام الہی کے مناسب ہو سو وہ روزہ ہے جو روزہ دار کو ترک طعام و شراب اور ترک لذت کی وجہ سے فرشتوں کے قریب بنا دیتا ہے اور قلب میں کلام خداوندی کے اسرار و تجلیات کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ بشری اور نفسانی کمزورتوں اور ظلمتوں کے دور کرنے اور قلب کے جلا اور صیقل کرنے میں روزہ ایک بے مثال تریاق اور بے نظیر اکسیر ہے انوار و تجلیات کے دسترخوان سے وہی شخص کما حقہ بہرہ اندوز ہو سکتا ہے جس نے اس حسی اور مادی دسترخوان کو کم از کم کچھ دنوں کے لیے پیٹ کر رکھ دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر توریت لینے کے لیے گئے تو چالیس دن کے روزے رکھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے اس وقت اللہ نے انکو انجیل عطا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں اعتکاف فرمایا اور روزے رکھے۔ اسی غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا ہوا۔ معلوم ہوا کہ روزہ کو کلام خداوندی کے ساتھ خاص مناسبت ہے اس لیے اس مبارک مہینہ میں دن میں تو روزہ اور رات میں تراویح مسنون ہوئی اور عشرہ اخیرہ میں اعتکاف سنت ہوا اور دن اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت اور دور کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ جبریل امین رمضان المبارک میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا دور کرتے اور جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال جبریل امین نے پورے قرآن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا۔ ایک مرتبہ آپ پڑھتے اور جبریل امین سنتے اور دوسری مرتبہ جبریل پڑھتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اس طرح دو قرآن کریم کا دو مرتبہ دور ہوا۔ اور یہ مہینہ تمام کا تمام ہی مبارک ہے مگر شب قدر اس مہینہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی شب میں قرآن اترا۔ اور اسی میں فرشتوں کا خاص طور سے نزول ہوتا ہے۔ **سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ**۔

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار و برکات جو اس مہینہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور جو خیرات و برکات اس مہینہ کی راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہ حکم ہوا ہو کہ افطار میں جلدی اور بھری میں تاخیر کریں۔ تاکہ دونوں وقتوں میں پورا امتیاز حاصل ہو جائے اور جس طرح قرآن مجید خداوند ذوالجلال کے کمالات ذاتیہ اور شئون صفاتیہ کا مظہر اتم ہے اسی طرح ماہ رمضان حق تعالیٰ کی خیرات و برکات ذاتیہ کا مظہر اتم ہے اس مہینہ میں جو خیر و برکت بھی نازل ہوتی ہے وہ براہ راست بارگاہ ذات سے فائض ہوتی ہے قرآن کریم

کی طرح یہ مہینہ بھی اپنی نوع میں حقیقت جامع ہے اسی مناسبت سے اس مہینہ میں قرآن مجید نازل ہوا اور چونکہ درختوں میں کھجور کا درخت شجرہ طیبہ ہے اور کھجور اسکا ثمرہ طیبہ اور حقیقت جامع ہے اور حضرت آدم کے خیر کا بقیہ ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا افطر احدکم فلیفطر
بحو کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور سے افطار

علی تمر فانہ برکۃ
کرے کیونکہ کھجور سراسر خیر و برکت ہے۔

اور خلوۃ معدہ میں جب یہ مبارک پھل پہنچے گا تو یہی جامع اور مبارک غذا جزو بدن بنے گی جس سے روزہ کی برکتوں میں اور اضافہ ہو جائیگا۔ اس طرح سے روزہ اور غذائے جامع کی برکتوں کے مل جانے سے قلب نور علی نور کا مصداق بن جائیگا اور اسی وجہ سے کہ کھجور ایک نہایت مبارک اور جامع غذا ہے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری میں بھی کھجور کے کھانے کی ترغیب دی اور ارشاد فرمایا۔

فہو سحور المؤمن التمر
کھجور مؤمن کی کیا اچھی سحری ہے۔

قرآن کریم میں ایمان کو شجرہ طیبہ یعنی کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور رمضان کا روزہ ایمان کا ایک شعبہ ہے اس لیے رمضان کا افطار اور سحری مرد مؤمن کے لیے کھجور سے مسنون ہوئی۔ اور شبہ اس مہینہ کا خلاصہ اور زبدہ ہے گویا کہ شب قدر بمنزلہ مغز کے ہے اور یہ مہینہ پوست کے ہے۔ پس جس کا یہ مہینہ جمعیتِ خاطر کے ساتھ گزر جائے اور اس مبارک مہینہ کی خیرات و برکات سے بہرہ اندوز ہو جائے تو اسکا تمام سال جمعیت اور خیر و برکت کے ساتھ گزرتا ہے۔ وفقنا اللہ تعالیٰ للخیرات والبرکات فی هذا الشهر المبارک ورزقنا اللہ سبحانہ النصیب الاعظم منه آمین - (مکتوب ۱۶۲ دفتر اول)

رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کے دن اور ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھے جاتے تھے اس میں اختلاف ہے کہ وہ روزے فرض تھے یا نفل۔ عبداللہ بن عباس اور معاذ بن جبل اور عطار رضی اللہ عنہم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزے فرض تھے اور ابن ابی لیلیٰ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نہ تھے بلکہ محض بطور تطوع اور نفل رکھے جاتے تھے۔ اکثر احادیث سے وجوب ہی معلوم ہوتا ہے بہر حال جب رمضان کے روزوں کا حکم آیا تو صوم عاشورہ اور ہر مہینے میں تین روزوں کی فرضیت تو باقی نہ رہی البتہ استحباب باقی رہ گیا اور اس میں بھی ویسا اہتمام نہ رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

اسی وجہ سے علماء کا آیاتاً مَعْدُودَاتِ کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض صحابہ اور تابعین ادھر گئے ہیں کہ ان گنتی کے دنوں سے عاشورہ اور ہر مہینے کے تین دن کے روزے مراد ہیں۔ جب رمضان کے روزوں کا حکم آیا تو یہ روزے منسوخ ہو گئے اور جمہور صحابہ و تابعین کا مسلک یہ ہے کہ آیاتاً مَعْدُودَاتِ سے رمضان کے روزے مراد ہیں اور یہ آیت منسوخ نہیں۔ اور صوم عاشورہ اور ایام بیض کا حکم من جانب اللہ

نہ تھا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے ان دنوں کے روزوں کو پسند فرمایا۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو دیکھا کہ وہ عاشورار کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ دن بہت مبارک ہے اس دن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر یہ اس دن کا روزہ رکھا۔ اس لیے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کا حق دار ہوں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ اور حاکمؒ نے معاذ بن جبلؓ سے عاشورہ کا روزہ اور ہر مہینہ کے تین روزوں کا واجب ہونا روایت کیا لیکن یہ وجوب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تھا اور اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔

پس معلوم ہوا کہ رائج اور صحیح قول یہی ہے کہ آیاتاً مَعْدُودَاتٍ سے رمضان کے روزے مراد ہیں۔ عاشورار اور ہر مہینہ کے تین روزے مراد نہیں اس لیے کہ افطار کر کے فدیہ دے دینے کی اجازت احادیث اور روایات میں رمضان المبارک کے روزوں کے متعلق آئی ہے۔ عاشورار اور ہر مہینہ کے تین دن کے روزوں کے متعلق فدیہ کا حکم کہیں ثابت نہیں۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَہُ فِدْيَةٌ کا حکم عاشورہ اور ہر مہینہ کے تین روزوں کے متعلق ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری مفصل روایت میں رمضان کے روزوں کا مفصل ذکر ہے اور عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَہُ کا حکم رمضان ہی کے روزوں سے متعلق ہے اس روایت میں رمضان کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے ایہام ہوا۔ واللہ اعلم۔

اقوال علماء کرام در بارہ تفسیر آیت فِدْيَةِ صِيَامِ

قَالَ تَعَالَى وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَہُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ط
اس آیت کی تاویل اور حکم میں علماء کا اختلاف ہے آیت مذکورہ کے متعلق علماء تفسیر کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے اس فریق سے آیت کی مختلف توجیہات منقول ہیں جنکو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ اکثر علماء محققین کی رائے یہی ہے کہ آیت میں نسخ ضرور واقع ہے عبداللہ بن عمرؓ اور سلمۃ بن الاکوعؓ اور دیگر صحابہ سے یہی منقول ہے اور بخاری اور مسلم اور

ابوداؤد و بیہقی وغیرہم کی احادیث اور روایات سے بھی یہی ظاہر ہے کہ ابتداء اسلام میں لوگوں کو اختیار تھا کہ اگر روزوں کی ہمت ہو تو روزے رکھیں ورنہ روزہ افطار کر لیں اور روزہ کے بدلہ میں فدیہ دیدیں۔ وجہ یہ تھی کہ لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے اگر ابتداء ہی سے روزہ کا قطعی حکم ہو جاتا تو شاق ہوتا بعد چندے یہ اختیار منسوخ ہو گیا اور فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے روزہ رکھنے کا حکم قطعی ہو گیا۔ چنانچہ حافظ بدرالدین عینی شرح بخاری میں آیات صیام کی ترتیب نزولی اور ناسخ و منسوخ کی تعیین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

كَانَ فِي بَدْءِ الْإِسْلَامِ فَرَضُ عَلَيْهِمُ
الصَّوْمِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِمْ فَرَضُ
لَهُمْ فِي الْإِفْطَارِ وَالْفَدْيَةِ
وَقَالَ مَعَاذُكَ كَانَ فِي ابْتِدَاءِ
الْأَمْرِ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ
شَاءَ أَفْطَرَ وَاطْعَمَ عَنْ
كُلِّ يَوْمٍ مَسْكِينًا حَتَّى
نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَسَخَتْهَا
(عینی شرح بخاری ص ۲۷۴ ج ۱)

امام ابن جریر طبری بروایت ابن ابی سیلانی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت
فرما کر مدینہ آئے تو اپنے صحابہ کو ہر مہینہ میں
تین دن کے روزوں کا حکم دیا مگر بطور فرض
نہیں بلکہ بطور نفل حکم دیا۔ اسکے بعد رمضان
کے روزوں کا حکم نازل ہوا مگر چونکہ لوگ
روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے اس وجہ سے
انکو روزہ رکھنا گراں ہوا تو یہ سہولت کر دی
گئی کہ جو روزہ نہ رکھے وہ ایک فقیر کو کھانا
کھلا دے چنانچہ کچھ عرصہ تک لوگ ایسا ہی
کرتے رہے کہ جو شخص روزہ نہ رکھتا وہ
ایک فقیر کو کھانا کھلا دیتا چند روز کے بعد یہ
آیت نازل ہوئی۔ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ
الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اِلَى آخِرِهِ۔ اس وقت

مَنْ أَيَّامٍ أُخَرَ فَكَانَتْ
الرَّخْصَةُ لِلْمَرِيضِ وَالْمَسَافِرِ
وَأَمَرْنَا بِالصِّيَامِ -
(تفسیر ابن جریر طبری ص ۵۷ ج ۲)

سے صرف مریض اور مسافر کو تو روزہ مؤخر کرنے
کی اجازت ہو گئی باقی ہم سب کو روزہ ہی رکھنے
کا حکم ہو گیا اور افطار کر کے فدیہ کی اجازت
نہ رہی۔

یہی مضمون بخاری شریف اور اکثر کتب تفسیر میں موجود ہے۔ اس مضمون کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد تمام
روایتیں بے تکلف منطبق ہو جاتی ہیں اور آیت کا صحیح مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلے کُتِبَ
عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِمَّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط۔ کا حکم نازل ہوا اور
اس سے رمضان کے روزے فرض ہوئے مگر مریض اور مسافر کو اجازت ہوئی کہ اگر مرض اور سفر کی وجہ سے افطار
کریں تو بعد میں اتنے ہی دن روزے رکھ لیں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم چونکہ روزوں کے عادی
نہیں اگر مشقت کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں تو اسکی مکافات کی کیا صورت ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی
وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ۔ کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے
ہیں مگر مشقت کی وجہ سے افطار کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اسکی اجازت ہے کہ افطار کر لیں اور ایک فقیر
کا کھانا دے دیں لیکن بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھیں۔ وَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ۔ اس کے بعد جب حضرات صحابہ کرامؓ روزہ کے خوگر ہو گئے اور روزہ رکھنا ان پر شاق اور گراں نہ
رہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ
الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ یعنی جب رمضان المبارک
کا مہینہ آئے تو ہر شخص پر روزہ رکھنا فرض اور لازم ہے اب کسی کو اسکی اجازت نہیں رہی کہ مشقت کی وجہ
سے روزہ افطار کر لے اور ایک مسکین کو کھانا کھلا دے البتہ مریض اور مسافر کو اجازت دی گئی کہ مرض
اور سفر کی وجہ سے روزہ افطار کرے اور بعد میں اسکی قضا کر لے وہ اجازت اسی طرح اب بھی باقی ہے
فقط افطار اور فدیہ کی رخصت منسوخ ہوئی ہے مریض اور مسافر کی رخصت منسوخ نہیں ہوئی۔ حضور سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی حکم اور اسی پر عمل درآمد رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین
سے یکراں تک تمام علماء اور فقہاء کا فتویٰ اور تمام روئے زمین کے مسلمانوں کا یہی عمل رہا۔

یہاں پہنچ کر شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کا
عطف پہلے جملہ پر ہے اور یہ جملہ پہلے کے ساتھ غایت درجہ مربوط اور متعلق ہے
ایک شبہ
لہذا یہ کہنا کہ اَوَّلُ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کا حکم نازل ہوا اور جب صحابہ نے شدت اور مشقت
کی شکایت کی تو یہ دوسرا جملہ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ۔ نازل ہوا اس جملہ کو پہلے کلام سے جدا

روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت فدیہ کا نسخ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ہے اور بعض روایات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آیت فدیہ کا نسخ وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ کی آیت ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرات محدثین بسا اوقات اپنے مدعا کے ثابت کرنے کے لیے آیت کا ابتدائی حصہ نقل کر کے چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ آیت کے ابتدائی حصہ کو مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن درحقیقت اس سے پوری آیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ تم اس آیت کو اخیر تک پڑھ جاؤ محل استشہاد خود تمہارے سامنے آجائے گا۔ اور تم خود ہی اسکو متعین کر لو گے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے ”باب ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ“ میں یہی حدیث لانے کے بعد استشہاد میں آیت لَیْسَ الْبِرُّ اَنْ تُولَدُوْا وَّجُوهُکُمْ اَلْحَیْ۔ لکھ کر چھوڑ دی۔ حالانکہ آیت کے اس ابتدائی جملہ کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس آیت کو اخیر تک پڑھ لو۔ اور جب تم وَ اَتٰی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهِ پڑھو گے تو موقعہ استدلال خود تمہارے سامنے آجائے گا اسی طرح وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ سے فقط یہی الفاظ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ تم اس آیت کو اخیر تک پڑھنے چلے جاؤ اور جب تم فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ پڑھو تو محل استدلال کو سمجھ لو اور متعین کر لو کہ فدیہ کا اصل نسخ اس آیت سے ہوا ہے۔ وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اسکی تہید تھی۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ دونوں ہی آیتیں حکم فدیہ کی نسخ ہیں۔ یعنی ہر آیت سے فدیہ کا نسخ معلوم اور مفہوم ہوتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ وَ اَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ میں لفظ خیر واقع ہوا ہے جو استحباب اور فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وجوب اور لزوم پر دلالت نہیں کرتا۔ لہذا وہ گزشتہ تخییر کے لیے کسے نسخ ہو گا؟ جواب یہ ہے کہ خیر کا لفظ کبھی وجوب اور لزوم کے موقع پر بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے وَلَا تَقُولُوا ثَلٰثَۃٌ اِنْ تَهٰوُوا خَيْرًا لَّكُمْ۔ تثلیث سے باز آجانے کو خیر فرمایا حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں کہ جائز تو تثلیث بھی ہے مگر ترک تثلیث سے افضل اور بہتر ہے اس آیت میں خیر کا لفظ شر کے مقابلہ میں ہے فرض اور واجب کے مقابلہ میں نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

اور علماء کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ اس گروہ ۵ نے آیت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

دوسرا گروہ

پہلی توجیہ یہ ہے کہ یُطِیْقُوْنَ۔ کا مادہ طاقت ہے جسکے معنی کسی پر نہایت مشقت اور محنت کے ساتھ قادر ہونے کے ہیں۔ اور سہولت قادر ہونے کو

توجیہ اول

”وُسْعٌ“ کہتے ہیں تو اب آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جو لوگ روزہ رکھنے پر بدقت تمام قادر ہوں جیسا کہ شیخ کبیر اور عجوز یعنی بہت بوڑھا مرد اور بہت بوڑھی عورت۔ ان کے لیے اجازت ہے کہ روزہ افطار کر لیں اور اس کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دیں اور اس معنی کی تائید ایک قرأت سے بھی ہوتی ہے جو عبد اللہ بن عباس رضی

سے منقول ہے۔ وہ یہ کہ بجائے یطیقونہ کے یَتَطَوَّقُونَ اور یَطَوَّقُونَ۔ پڑھتے تھے جسکے معنی ”بتکلف“ اور بہ مشقت روزہ رکھنے کے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ یطیقونہ کی قرارت کے بھی یہی معنی لیے جائیں تاکہ دونوں قرارتیں مطابق اور ہم معنی ہو جائیں۔ رہا یہ سوال کہ یطیقونہ کا لفظ باعتبار لغت کے بھی اس معنی کا متحمل ہو سکتا ہے یا نہیں سو اس کے لیے علامہ زنجیزی کا کلام پیش کر دینا کافی ہے کہ جو لغت عربیت میں عرب اور عجم کا مسلم شیخ اور امام ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

وہجوزان یكون هذا معنی
یطیقونہ ای یصومونہ جہدہم
وطاقتہم ومبلغ وسعہم
(کشاف ص ۲۴۸ ج ۱)

اسکے بعد غایت سے غایت کوئی یہ کہے گا کہ یہ معنی مجازی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں حقیقی معنی مراد لینا اگر متعذر ہوں تو بالاجماع مجازی معنی مراد لینا ضروری ہو جاتے ہیں۔ جس کے شواہد قرآن کریم اور حدیث نبوی اور کلام عرب میں بے شمار ہیں اور قرینہ مجاز اس مقام پر یہ ہے کہ تمام امت محمدیہ کے علماء اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک صحیح سالم تندرست آدمی کے لیے ہرگز اجازت نہیں کہ وہ فی یوم ایک مسکین کو کھانا دے کر روزہ سے رستگاری حاصل کر لے ورنہ روزہ کا حکم فقط غبار و فقر کی حد تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور امر اور اغیار تمام کے تمام فدیہ دیکر روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یطیقون سے پہلے ایک لام مقدر ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ یُبَکِّتُ اللہُ لَکُمُ اَنْ تَصِلُوا۔ میں بالاتفاق لا تصلوا کے معنی مراد ہیں اور لا مقدر ماننے کی تائید ایک قرارت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت حفصہؓ نے لَا یُطِیْقُونَ پڑھا ہے۔ حضرت اہل علم کشف الاسرارؒ بزدوی ص ۱۵۱ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

دوسری توجیہ

۱۔ کشف الاسرار کی عبارت یہ ہے۔ قَالَ تَعَالَى وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِیْقُونَ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ۔ کان ذلك فی بداء الاسلام فرض علیہم الصوم ولم یترددوا فاشتد علیہم فرخص لهم فی الافطار و الفدیة و قرأ ابن عباس یطوقونه ای یکفونہ علی جہد منهم وعسر و هم الشیوخ والعجائز وحکم هؤلاء الافطار والفدیة وهو علی هذا الوجه غیر منسوخ وہجوزان یكون هذا معنی یطیقونہ ای یصومونہ جہدہم و طاقتہم ومبلغ وسعہم کذا فی الکشاف و ذکر فی التیسیر و فی قراءة ابن عباس و علی الذین یطوقونہ ای یتکفونہ فلا یطیقونہ و فی قراءة حفصہ و علی الذین لا یطیقونہ و قیل هو الشیخ الفانے فعلی هذا لا یكون منسوخا فانه حکم ثابت مجمع علیہ۔ کذا فی کشف الاسرار ص ۱۵۱ ج ۱۔

تیسری توجیہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے اس آیت کی ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”میرے نزدیک یطیقونہ کی ضمیر مفعول، صوم کی طرف راجع نہیں۔ بلکہ یہ ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔ جو گو لفظوں میں مؤخر ہے مگر رتبہ مقدم ہے کیونکہ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَ۔ خبر مقدم ہے اور فدیہ بتدار مؤخر ہے اور طعام مسکین بتدار سے بدل ہے۔ پس جس طرح بتدار رتبہ مقدم ہے اگرچہ لفظوں میں مؤخر ہے۔ اسی طرح بتدار کا بدل بھی رتبہ مقدم ہوگا۔ اور فدیہ سے مراد صدقۃ الفطر ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے روزوں کی فرضیت بیان فرمائی اور اس آیت میں روزوں کے بعد صدقۃ الفطر کا ذکر فرمایا۔ اور اس سے اگلی آیت میں روزوں کے بعد تکبیرات عید کی طرف اشارہ فرمایا وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَذَاكُمْ اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو روزہ دار کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں رمضان گزرنے کے بعد وہ صدقۃ الفطر بھی ادا کریں۔“

یہ کہ اگر یہ آیت صحیح اور تندرست کے بارے میں ہے تو منسوخ ہے اور اگر شیخ فانی اور عاجز کے حق میں ہے تو آیت محکم ہے اور شیخ فانی اور عاجز کے لیے اب بھی یہی حکم ہے۔



وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ

اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں

دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي

پکارتے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے تو چاہیے کہ حکم مانیں میرا

وَلْيَوْمِنَا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

اور یقین لادیں مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں

ترغیب دُعا بعد تلقین تکبیر و ثنار

قال تعالیٰ وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ... الی... لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ گزشتہ آیات میں اللہ کی تکبیر اور ثنار کا بیان تھا اب اس آیت میں دعا کا بیان ہے کہ دعا سے

حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور دعا سے پہلے تکبیر اور شمار کا بیان اس طرف مشیر ہے کہ دعا کا ادب اور طریقہ یہ ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور پھر اپنی حاجت کی درخواست کی جائے انبیاء کرام کا یہی طریقہ رہا ہے اور عجب نہیں کہ اس طرف بھی اشارہ ہو کہ ماہ رمضان قبولیت دعا کا مہینہ ہے اسکو غنیمت سمجھو دعا کو روزہ کے ساتھ خاص مناسبت اور خاص تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ دار کی دعا بہ نسبت غیر روزہ دار کے زیادہ قبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں بکثرت آیا ہے۔ اس لیے احکام صیام کے دوران میں دعا کا ذکر نہایت مناسب ہوا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب استفسار کریں آپ سے میرے بندے میرے متعلق کہ ہمارا پروردگار ہم سے قریب ہے یا بعید اگر قریب ہے تو اس سے مناجات کریں اور اگر دور ہے تو ہم اس کو پاکیں تو آپ انکے جواب میں میری طرف سے یہ کہہ دیجئے کہ تحقیق میں تو تم سے بہت ہی نزدیک ہوں تمہاری جان اور وجود سے بھی زیادہ قریب ہوں تمکو دیکھتا ہوں اور تمہاری آواز بلا تشویش علیحدہ علیحدہ سنتا ہوں تم مجھ کو نہیں دیکھتے اس لیے تم مجھ کو دور سمجھتے ہو ورنہ حقیقت میں میں تم سے بہت قریب ہوں۔ دعا کر نیوالے کی دعا قبول کرتا ہوں جس وقت بھی وہ مجھ سے درخواست کرے بشرطیکہ وہ مناسب بھی ہو اور کسی حکمت اور مصلحت کے خلاف بھی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے بَلْ اِيَّاہُ تَدْعُوْنَ فَيُكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْہِ۔ انشاء اللہ۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو دعا کو منظور کرتا ہے ورنہ نہیں۔ پس گزشتہ آیت کو جو اجابت دعا کے حق میں مطلق ہے اس دوسری آیت پر جو مقید ہے محمول کرنا چاہیئے۔ پس بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر یقین لائیں تاکہ رشد اور ہدایت پائیں اور میں بے نیاز اور غنی مطلق ہوں اور پھر بندوں کی درخواست سنتا ہوں اور اے بندو! تم میرے من کل الوجوہ محتاج ہو تمکو چاہیئے کہ میرا قرب اور رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی ہر حاجت میرے سامنے پیش کرو اور میری باتوں پر یقین رکھو اور میرے احکام کو قبول کرو۔ اللہ سے مانگنا یہی ہدایت اور رشد کا راستہ ہے۔

جس طرح حق تعالیٰ کی ذات اور صفت بے چون و چگون ہے اور حیطر عقل سے بالاتر ہے اسی طرح اسکا قرب بھی بے چون و چگون ہے۔

ف (۱)

جاں بتو نزدیک تو دوری ازو ۛ قرب حق را چوں بدانی اے عمو

دعا کا مقتضی تو یہی ہے کہ قبول ہو کیونکہ حق تعالیٰ جو ادا اور کریم ہیں اور ہر شے پر قادر

ف (۲)

ہیں، ابوداؤد اور ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اے لوگو! تمہارا پروردگار بڑا حیا والا اور کرم والا ہے جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ اسکو خالی ہاتھ واپس کر دے۔ انتہی۔ لیکن اگر بندہ ہی آداب دعا اور شرائط قبولیت کو ملحوظ نہ رکھے تو مستحق قبولیت نہیں ہوتا۔ مثلاً دعا مانگنے میں حدود سے تجاوز کر جائے یا جوش میں آکر قطع رحمی یا کسی کی ہلاکت اور بربادی کی دعا مانگنے لگے اور اللہ کے علم میں مقدر ہو چکا ہے کہ یہ شخص آئندہ چل کر اسکا دوست بن جائیگا اور اس بددعا کرنے والے کو طرح طرح کے فائدے پہنچائے گا تو اس دعا کا قبول نہ کرنا اسی کے حق

میں مفید ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً
إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ

اپنے پروردگار سے عاجزی اور پوشیدگی
کے ساتھ دعا مانگو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ جو سفر میں ہے اور پرانہ بال اور آشفستہ حال ہے اور آسمان کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہے (یعنی قبولیت دعا کے اسباب مجتمع ہیں) لیکن حالت یہ ہے کہ کھانا بھی اسکا حرام ہے اور پینا بھی حرام کا اور لباس بھی حرام کا اور غذا بھی حرام کی پھر کہاں دعا قبول ہو۔ (مسلم) حاصل یہ نکلا کہ اگر یہ موانع نہ ہوتے تو دعا ضرور قبول ہوتی کسی شے کے وجود کے لیے فقط اسباب کا مجتمع ہو جانا کافی نہیں بلکہ ارتفاع موانع بھی لازم ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ قبولیت دعا کے معنی یہ ہیں کہ دعا بھی کبھی ضائع نہیں ہوتی یا تو اللہ تعالیٰ اس کی مانگی ہوئی چیز عطا فرما دیتے ہیں یا دنیا میں کوئی آنے والی بلا اور مصیبت دور ہو جاتی ہے یا آخرت کے لیے ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں تاکہ وہاں اسکو اس سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر عطا فرمائیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کے الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر مراد خاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا ہم قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور فرما دیتے
ہیں جس کے زائل ہونے کی تم دعا مانگتے
ہو۔ اگر چاہیں۔ یعنی اگر منشا نہ ہوگا تو پھر
مصائب کو دفع نہ کریں گے۔

فَيَكْشِفْ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ
إِنْ شَاءَ -

یا آیت کے یہ معنی ہیں کہ میں دعا مانگنے والوں کی آواز اور پکار کو سنتا ہوں۔ بتوں کی طرح غائب نہیں بلکہ بندہ جو مجھ کو پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں اور لیسک یا بعدی کہتا ہوں۔ غرض یہ کہ آیت میں اجابت کے معنی قبولیت کے نہیں بلکہ پکار سننے اور جواب دینے کے معنی ہیں۔ رہا یہ امر کہ تمہاری آرزو پوری کروں گا یا نہیں۔ آیت میں اس سے کوئی تعرض نہیں ہے۔

دعا مانگنا اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرنا اور شے ہے اور محض زبان سے الفاظ دعا کا پڑھ لینا اور شے ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(۳)

(۴)

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ

حلال ہوا تم کو روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں سے

هٰنَّ يَبَاسُ لَكُمْ وَ أَنْتُمْ يَبَاسُ ۖ تَهْنُّ عَلَيْهِمُ اللَّهُ

وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی اللہ نے معلوم

اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ

کیا کہ تم اپنی پھوری کرتے تھے سو معاف کیا تم کو اور

عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَاَلَنْ بَاشِرُوهُمْ ۚ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ

درگزر کی تم سے پھر اب ملو ان سے اور چاہو جو لکھ دیا

اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

اللہ نے تمکو اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آوے

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ

تمکو دھاری سفید جدا دھاری سیاہ سے فجر کی

ثُمَّ آتَمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ

پھر پورا کرو روزہ رات تک

حکم چہارم متعلق بہ سحر و افطار

قال تعالى - اُحِلَّ لَكُمْ كَيْلَ الصَّيَامِ الرَّفْعُ.. اِلَى ثَمَّ اَتَمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ
ابتداء اسلام میں سونے سے پہلے کھانے اور پینے اور عورتوں سے جماع کرنے کی تو اجازت تھی لیکن
اگر سو جانے کے بعد آنکھ کھلے تو پھر اجازت نہ تھی۔ بعض صحابہ بغیر کھاتے پیتے سو رہے اور اسی طرح روزہ
رکھ لیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے غشی طاری ہوئی اور بعض سونے کے بعد عورتوں سے صحبت کر بیٹھے اور
بعد میں سخت نادم اور پشیمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے۔ اس
وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم منسوخ ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں جائز اور حلال کر دیا گیا تمہارے لیے روزے
کی رات میں اپنی عورتوں سے مشغول ہونا جیسے روزہ دار کے لیے شب میں کھانا اور پینا جائز کر دیا گیا اسی

طرح اپنی عورتوں سے مخالفت بھی جائز کر دی گئی۔ طبعی میلان کی وجہ سے صبر دشوار ہے کیوں کہ عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں اور نعم ان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہو اس لیے احتراز مشکل ہے اس لیے روزوں کی رات میں مخالفت کو حلال کر دیا گیا اور گزشتہ ممانعت تم سے ختم کر دی گئی۔ اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے یعنی حکم خداوندی میں تقصیر اور کوتاہی کرتے تھے۔ مگر جب تم اپنی اس خیانت پر نادم اور پشیمان ہوئے اور معذرت کی تو اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تمہارا قصور معاف کیا اور تمہاری خیانت سے درگزر کیا۔ پس اب تمکو اجازت ہے بوقت شب کہ ہم بستر ہو تم ان سے اور جو اولاد اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی ہے اسکو طلب کرو کہ یہ مبارک ہینہ ہے۔ اس نیت سے اگر صحبت کرو گے تو اس ہینہ کی برکت سے اولاد بھی مبارک ہوگی اور جس طرح تمکو رمضان کی راتوں میں ہم بستری کی اجازت دی گئی اسی طرح تمکو یہ بھی اجازت ہے کہ کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید خط یعنی صبح صادق کا نورانی خط، رات کے سیاہ خط سے ممتاز اور جدا ہو جائے یعنی تم کو صبح صادق تک کھانے اور پینے اور عورتوں سے جماع کرنے کی اجازت ہے سابق ممانعت منسوخ کر دی گئی پھر صبح صادق سے لیکر رات کے آنے تک روزہ کو پورا کرو یعنی غروب آفتاب تک پورا کرو۔

ف (۱) **مِنَ الْفَجْرِ** میں من یا تو تبعیض کے لیے ہے یا تبیین کے لیے ہے۔ اگر تبعیض کے لیے ہے تو یہ معنی ہونگے کہ وہ خیط ابیض جو فجر کا ایک حصہ ہے اور اگر من بیانہ ہو تو یہ معنی ہونگے کہ وہ خیط ابیض کہ جو بعینہ خود فجر ہے اور لفظ خیط کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ فجر کا اگر ادنیٰ حصہ مثل تاگے کے بھی ظاہر ہو جائے تو کھانا اور پینا حرام ہو جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ من سببہ ہے یعنی فجر کے طلوع ہونے کی وجہ سے خیط ابیض ظاہر ہو جاتے۔

ف (۲) **مِنَ الْفَجْرِ** کا لفظ نازل ہوا۔ خیط ابیض اور خیط اسود کا استعمال صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی میں شائع اور ذائع تھا کسی تفسیر اور بیان کا محتاج نہ تھا۔ لیکن جب لوگوں کو محض ظاہری لفظ کی بنا پر یہ آیت کے مطلب میں اشتباہ ہوا تو مزید توضیح کے لیے **مِنَ الْفَجْرِ** کا لفظ نازل ہوا۔

عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ جب آیت **حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ** نازل ہوئی تو میں نے ایک سیاہ دھاگہ اور ایک سفید دھاگہ لیا اور دونوں کو اپنے تنکے کے نیچے رکھ لیا اور دونوں کو دیکھتا رہا۔ رات کی تاریکی میں دونوں میں کچھ فرق نہ معلوم ہوا۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ سن کر ہنس پڑے اور یہ فرمایا۔

انك لعريض القفا۔ یعنی تو کم عقل ہے۔

یہ تو دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے اور **مِنَ الْفَجْرِ** کا لفظ نازل ہوا۔ تاکہ ظاہر بن غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں یعنی خیط ابیض اور خیط اسود سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنی مجازی اور کنائی مراد ہیں اور اسی

پر تمام امت کا اجماع ہے کہ خط ایض سے صبح صادق مراد ہے۔
 فجر تک جماع کی اجازت ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر جنب صبح صادق کے بعد غسل جنابت
 کرے تو اسکا روزہ صحیح ہے۔ جنابت روزہ کے منافی نہیں۔

ف (۳)

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ ط

اور نہ لگو ان سے جب اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

یہ حدیں باندھیں اللہ کی سو انکے نزدیک نہ جاؤ اسی طرح بیان کرتا

اللَّهُ آيَتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کو شاید وہ بچتے رہیں

حکم پنجم در بارہ اعتکاف

قال تعالى وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ ... إلخ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ط
 روزہ کے بعد اعتکاف کے مسائل بیان فرماتے ہیں۔ اسی وجہ فقہاء کرام کتاب الصوم کے بعد کتاب
 الاعتکاف لاتے ہیں اقتداءً بالقرآن الحکیم۔ اور مت ہاتھ لگاؤ اپنی بیبیوں کو اس حالت میں کہ جب تم
 مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔ اگرچہ تم کسی ضرورت سے مسجد سے باہر نکلے ہو اور خواہ دن ہو یا رات ہو
 بہر حال اعتکاف کی حالت میں بیوی کے پاس جانا حرام ہے۔ روزہ اگرچہ غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے لیکن
 اعتکاف دن کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اعتکاف رات اور دن دونوں ہی کا ہوتا ہے۔ اور معتکف اگرچہ کسی ضرورت
 استنجا وغیرہ کی بنا پر مسجد سے باہر آجائے لیکن حکماً وہ مسجد ہی میں معتکف اور مقیم ہے اس لیے معتکف کو مسجد
 سے باہر جا کر بھی صحبت کی اجازت نہیں۔ یہ تمام احکام اللہ کے حدود ہیں جو حلال و حرام میں حد فاصل ہیں پس
 ذرہ برابر ان سے تجاوز نہ کرو بلکہ انکے قریب بھی نہ جاؤ۔ قریب جانے سے اندیشہ ہے کہ کہیں حدود ممنوعہ
 میں داخل نہ ہو جاؤ دین کی برارت اور نزاہت اگر چاہتے ہو تو شبہات سے بھی بچو۔ اسی وجہ سے ارشاد
 ہے وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ چہ جائیکہ اس کو ہضم کر جاؤ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو لوگوں کے لیے واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ اللہ کی حدود و ممنوعہ میں داخل ہونے سے بچتے رہیں۔ اپنے قدم کو معصیت کی حدود سے بچائے رکھنے ہی کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

ف (۱) | حالتِ اعتکاف میں بیوی سے مباشرت حرام ہے۔ مباشرت سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔
ف (۲) | وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف سوائے مسجد کے کسی اور جگہ صحیح نہیں۔

ف (۳) | اعتکاف ہر مسجد جماعت میں درست ہے کسی مسجد کی خصوصیت نہیں اس لیے کہ آیت میں لفظ مساجد عام ہے۔ امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ سوائے مسجد جمعہ کے کسی اور مسجد میں اعتکاف درست نہیں۔

ف (۴) | اعتکاف رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں سنت مؤکدہ ہے مگر سنت کفایہ ہے محلہ یا شہر میں بعض کے اعتکاف کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے سب پر لازم نہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْءُوا بِهَا إِلَى

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں

الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِإِلَازِمٍ

تک، کہ کھا جاؤ کاٹ کر لوگوں کے مال میں سے مارے گناہ

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

کے اور تم کو معلوم ہے

حکم ششم منع از مال حرام

قال تعالى وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ... الی وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔
 گزشتہ آیات میں روزہ اور دعا کا ذکر تھا اس آیت میں حرام مال کے کھانے کی ممانعت ہے اشارہ اس طرف ہے کہ روزہ اور دعا کی قبولیت کے لیے اکل حلال شرط ہے۔ نیز پہلے افطار اور سحری کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ افطار اور سحری حلال روزی سے ہونا چاہیئے نیز اصلی مقصود روزہ سے طہارت

نفس ہے تو جب طہارت نفس کیلئے روزہ میں حلال مال کے استعمال کی اجازت نہ رہی تو حرام مال کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ حلال مال سے روزہ تو صرف تیس دن کا ہے اور حرام مال سے روزہ مدت العمر کے لیے ہے یعنی ساری عمر کا صوم وصال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور مست کھاؤ ایک دو سکر کے مال ناحق طریقہ سے ہر ایک کو چاہیئے کہ دوسرے کے مال کو اپنا مال سمجھ کر حفاظت کرے اور مست لے جاؤ مال کے جھوٹے مقدمے حکام کی طرف اس غرض سے کہ کھا جاؤ لوگوں کے مال کا ایک حصہ ظلم اور ستم اور فریب کے ذریعہ سے اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم اس معاملہ میں حق پر نہیں رشوت دیکر اپنے موافق فیصلہ کر لینے سے وہ مال تمہارا نہیں ہو جاتا وہ مال لوگوں ہی کا مال رہتا ہے۔ جیسا کہ لفظ اموال الناس سے مفہوم ہوتا ہے یعنی باطل فیصلہ سے وہ مال لوگوں کی ملک سے نہیں نکلتا جو اسکے اصل مالک ہیں۔ البتہ حکام چونکہ حقیقت حال سے واقف نہیں ظاہر حال کے موافق فیصلہ کر دیتے ہیں۔ وہ معذور ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر حاکم ظاہراً شریعت کے موافق فیصلہ کر دے اور دل سے کسی جانب اس کا میلان نہ ہو تو اسکو عند اللہ اجر ملے گا اگرچہ وہ فیصلہ فی نفسہ ناحق اور گناہ ہو۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ قضاء و قاضی سے کوئی حرام شے حلال نہیں ہو جاتی جیسا کہ بخاری و مسلم میں ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تمہاری طرح بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے جھگڑے اور مقدمے فیصلہ کرانے کے لیے لاتے ہو۔ اور ممکن ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اظہار مدعا میں دو سکر سے زیادہ کستان اور فصیح اللسان ہوں اور میں اس کے ظاہری بیان اور برہان پر اسکے موافق فیصلہ کر دوں تو تم کو چاہیئے کہ اگر میں شہادت کے اعتبار سے اسکو دو سکر مسلمان بھائی کا حق دلا دوں تو اسکو ہرگز نہ لو کیونکہ حقیقت میں میں نے اس کو آگ کا انگارہ دے دیا ہے۔

اور یہی تمام علماء کا مذہب ہے کہ یہ مال اس پر حرام ہے اور قضاء و قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نافذ نہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ املاک مرسلہ میں قضاء و قاضی فقط ظاہراً نافذ ہوتی ہے باطناً نہیں یعنی جس صورت میں مالک کی پہلے سے ملک ثابت ہو۔ وہاں اگر کوئی جھوٹا دعویٰ اور جھوٹی شہادت کے ذریعہ سے اپنے موافق فیصلہ کر لے تو وہ شے اسکے لیے حلال نہ ہوگی لیکن اگر عقود اور فسوخ میں قاضی نے کوئی فیصلہ کر دیا تو قاضی کا حکم ظاہراً (یعنی دنیوی احکام) اور باطناً یعنی عند اللہ یکساں طور پر نافذ اور جاری ہوگا۔ عقود سے معاملات مثل بیع و شرا و اجارہ و نکاح مراد ہیں۔ اور فسوخ سے معاملات کا فسخ کرنا اور توط نامراد ہے۔ جمہور علماء اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے خلاف ہیں امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو گواہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی دی کہ فلاں شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہو گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ عورت اس مرد کو دلا دی جائے۔ اس عورت نے کہا اے امیر المؤمنین! میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا اگر آپکو یہی منظور ہے تو میرا

نکاح اسکے ساتھ پڑھا دیجیے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ان گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا۔ واللہ اعلم۔ یہ عورت پہلے سے کسی کی منکوحہ نہ تھی اس لیے یہ شہادت زور نکاح کے لیے کافی سمجھی گئی۔ اور اگر کسی کی منکوحہ ہوتی تو بالا جماع اس کے لیے حلال نہ ہوتی۔ امام اعظم رحمہ کے نزدیک عقود و فسوخ سے اس قسم کی صورت مراد ہے۔



يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ

تجھ سے پوچھتے ہیں چاند کا نیا نکلا تو کہہ یہ وقت ٹھہرے ہیں واسطے لوگوں کے

وَالْحَجَّةُ ط

اور واسطے حج کے

حکم، مقیم اعتبار حساب قمری

قال تعالى يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّةُ ط
گزشتہ آیات میں روزہ اور افطار اور سحر کا ذکر تھا جس کا تمام تر تعلق رویت ہلال سے ہے اس لیے ان آیات میں رویت ہلال کے مسائل کو ذکر فرماتے ہیں لوگ آپ سے چاندوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہلال اول باریک ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا بڑھتا بدر کا مل ہو جاتا ہے۔ آپ اس سوال کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یہ تغیر اور تبدل لوگوں کے دینی معاملات میں اوقات مخصوصہ اور مدت معینہ معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں اور خصوصاً حج اور روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے لیے یعنی اس سے حج اور روزہ اور عدت کے ختم ہونے اور قرض وغیرہ کے معاملات کی مدت اور وقت کا علم ہوتا ہے قمری حساب کا جاننا نہایت آسان ہے ہر شخص چاند کے حساب سے تاریخ شمار کر سکتا ہے شمسی حساب کے لیے جنتری درکار ہے ہر کس و ناکس شمسی حساب کو نہیں سمجھتا۔ علم ریاضی میں بغیر کمال حاصل کیے شمسی حساب کا سمجھنا ممکن نہیں اور چاند کا حساب قدرتی اور آسان ہے جو سہولت قمری حساب میں ہے وہ شمسی حساب میں نہیں اس لیے شریعت نے حج اور روزہ اور زکوٰۃ اور عدت وغیرہ کا مدار قمری حساب پر رکھا ہے۔ حج اور زکوٰۃ میں قمری حساب کا اعتبار ہے شمسی حساب کا اعتبار نہیں شریعت میں ہمینہ اور سال قمری ہی مقبر ہے اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لیے فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ دنیوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال جائز ہے لیکن اگر سب کے سب قمری حساب کو ترک کر دیں تو گنہ گار ہوں گے جیسا کہ فرض علی الکفایہ کا حکم ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ پھٹ پر سے

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

لیکن نیکی وہی جو کوئی بچتا رہے اور آؤ گھروں میں دروازوں سے

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم مراد کو پہنچو

حکم شتم اصلاح بعض رسوم جاہلیت

قال تعالى وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا... الى... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔
گزشتہ آیت میں حج کا ذکر تھا۔ آئندہ آیت میں حج کے متعلق جاہلیت کی ایک غلط رسم کی اصلاح فرماتے ہیں۔ بخاری میں برابر بن عازبؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب احرام باندھ لیتے تو گھروں میں دروازوں سے نہ داخل ہوتے بلکہ مکان کی پشت کی طرف سے داخل ہوتے (لقب لگا کر یا سیڑھی لگا کر) اور اسکو فضیلت اور قربت سمجھتے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور اس میں کوئی فضیلت اور پرہیزگاری نہیں کہ تم حالت احرام میں گھروں میں پشت کی جانب سے آیا کرو لیکن نیکی اور بزرگی یہ ہے کہ حالت احرام میں خاص طور پر اللہ کے محرمات سے بچے اور جب تم کو گھروں میں آنے کی ضرورت ہو تو دروازوں کی طرف سے آؤ اور احکام خداوندی میں تغیر اور تبدل سے بچتے رہو۔ کسی شے کو اپنی رائے سے طاعت اور معصیت سمجھ لینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ امید ہے کہ تم اپنی مراد کو پہنچو گے۔

مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا جائز اور مباح ہے لیکن اسکو عبادت اور
ف نیکی سمجھنا بدعت ہے۔ شریعت کی نظر میں وہ بر اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا
کہ کسی مباح کو نیکی اور بزرگی سمجھ لینا یہ بدعت ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر کام کو اپنے طریقہ سے کیا کرو۔

الْحَلَبُ الْأَرَزَاقِ مِنْ أَسْبَابِهَا

وَادْخُلُوا الْأَبْيَاتَ مِنْ أَبْوَابِهَا

اور اس معنی پر آیت کا مقابل سے ایک لطیف ربط ہو جاتا ہے کہ بے محل اور لایعنی سوال (جیسا کہ تم نے ہلال کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق کیا) اسکی مثال ایسی ہے جیسے مکان میں پشت کی جانب سے داخل ہونا۔



وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو لڑتے ہیں تم سے

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

اور زیادتی مت کرو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ

اور مارو انکو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو

مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

جہاں سے انہوں نے تمکو نکالا، اور دین سے بچلانا مارنے سے زیادہ ہے

وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ

اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام پاس جب تک

يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۚ فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ

وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ لڑیں تو ان کو مارو

كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾ فَإِنْ أَنْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ

یہی سزا ہے منکروں کی پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

بخشنے والا مہربان ہے اور لڑو ان سے جب تک نہ باقی رہے فساد

وَيَكُونَنَّ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا

اور حکم رہے اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو زیادتی نہیں مگر

عَلَى الظَّالِمِينَ ۝۱۹۳ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ

بے انصافوں پر حرمت کا مہینہ مقابل حرمت کے مہینے کے اور

الْحُرْمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا

ادب رکھنے میں بدلا ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَ

اس پر زیادتی کرو جیسے اس نے زیادتی کی اور ڈرتے رہو اللہ سے

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝۱۹۴

اور جان رکھو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے

حکم نہم متعلق بہ قتال کفار

قال تعالى وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ۝۱۹۳... وَالْعِلْمُ أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝۱۹۴
گزشتہ آیات میں حج اور روزہ کے لیے خاص خاص مہینہ کا ہونا بیان فرمایا کہ سوائے ان ایام مقررہ کے دوسرے ایام میں حج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ملت ابراہیمی میں یہ حکم تھا کہ چار مہینوں میں قتل و قتال حرام ہے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب یہ چار مہینے اشہر حرام کہلاتے تھے۔ اور یہ چاروں مہینے اس کے کہلاتے تھے۔ ان دنوں میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی تھی اور کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ الحرام سالہ میں صحابہ کی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ عمرہ کا قصد فرمایا جب مکہ مکرمہ پہنچے تو مشرکین مکہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور مسلمانوں کو عمرہ کرنے اور مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ بالآخر اس پر صلح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدون عمرہ کیے ہوئے واپس ہو جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سال آئندہ ماہ ذی قعدہ الحرام سالہ میں مع اصحاب عمرہ القضاء کے لیے مکہ تشریف لائے تو اندیشہ ہوا کہ اگر مشرکین مکہ اس ماہ حرام میں خلاف عہد

ہم سے لڑنے پر تیار ہو جائیں تو ہم کیا کریں اور شہر حرام اور بلد حرام میں کیوں کر لڑیں اس پر آیت نازل ہوئی کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو مگر ابتداء اور زیادتی تمہاری طرف سے نہ ہونی چاہیئے۔

چونکہ گزشتہ آیات میں حج کا ذکر تھا۔ حج کی مناسبت سے عمرہ حدیبیہ اور زمانہ حج اور عمرہ میں قتال کا حکم بیان فرمایا اس کے بعد پھر دور تک احکام حج کے بیان کا سلسلہ چلا گیا۔ اصل مقصود عمرہ حدیبیہ کے متعلق حکم بتلانا تھا۔ شہر حرام اور حالت احرام میں جہاد و قتال کا حکم عمرہ اور احرام کی تبعیت میں ذکر فرمایا اس لیے اس حکم کے بعد پھر حج کے احکام بیان فرمائے اور بے تکلف لڑو تم خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور حدود و شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی ماہ حرام اور سرزمین حرام میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو اور بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کو نہ قتل کرو اور نہ کسی کا مثلہ کرو یعنی ناک، کان وغیرہ نہ کاٹو اور نہ کسی کی آنکھ پھوڑو یہ سب حد سے تجاوز کرنا ہے بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور اگر وہ خود حد سے تجاوز کریں اور عہد شکنی کریں اور تم سے لڑیں تو پھر تم انکو مارو جہاں کہیں بھی پاؤ حل میں یا حرم میں اور نکال دو انکو جہاں سے انہوں نے تم کو تنگ کر کے نکالا ہے یعنی مکہ سے یعنی تم کو اتنا ستیا کہ تم نکلنے پر مجبور ہوئے ایسے لوگوں کو جہاں کہیں بھی پاؤ مارو اور یہ خیال نہ کرو کہ ماہ حرام اور سرزمین حرام میں کیسے قتل و قتال کریں۔ اس لیے کہ کفر و شرک کا فتنہ اور اعداء اللہ کا غلبہ اور انکی شوکت کا فتنہ اور مفسدہ سرزمین حرام میں قتل و قتال اور اخراج کے فتنہ سے کہیں زیادہ سخت ہے ماہ محترم میں مار ڈالنا اتنا گناہ نہیں جتنا کہ خود علی الاعلان کفر و شرک کرنا اور دوسروں کو دین حق سے بچلانا اور گمراہ کرنا گناہ ہے قتل میں تو مصلحتیں اور منفعتیں ہو سکتی ہیں لیکن کفر اور شرک ہر شر محض ہے۔ اس میں کسی مصلحت اور منفعت کا امکان ہی نہیں لہذا تم اس کفر کے شر اور فتنہ کے ازالہ کے لیے کمر بستہ رہو۔ اور اس کا خاص طور پر لحاظ رکھو کہ مسجد حرام کے قریب ان سے نہ لڑو تا وقتیکہ وہ اس جگہ خود تم سے نہ لڑیں۔ اس لیے کہ مسجد حرام غایت درجہ محترم ہے **كَحَلَّةٍ كَانَ اِهْنًا** جو مسجد حرام میں داخل ہوا وہ امن والا ہو گیا۔ لہذا مسجد حرام اور حرم کا احترام بہت ضروری ہے پس اگر وہ کفار یا ہنغار مسجد حرام کی حرمت اور احترام کو ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے اس مسجد میں قتل و قتال کریں تو پھر تمکو اجازت ہے کہ تم بے کھٹکے انکو مارو ایسے کافروں کی کہ جو حرم کی حرمت کو ملحوظ نہ رکھیں یہی سزا ہے یعنی بلاشبہ مکہ جائے امن ہے لیکن جب انہوں نے ابتداء کی اور تم پر ظلم کیا اور محض اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے تمہاری ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تو اب مستحق امن کے نہ رہے جہاں پاؤ مارو پس اگر یہ لوگ اب بھی کفر اور شرک سے باز آجائیں یعنی تمہارے قتل کے بعد کفر سے توبہ کر لیں اور مسلمان ہو جائیں تو ان کی توبہ قبول ہے اور گزشتہ کیا ہوا سب معاف ہے اسلام اور توبہ کے بعد کسی گزشتہ خون کا مواخذہ اور مطالبہ نہ ہوگا اور فقط معافی پر اکتفا نہیں فرماتے بلکہ انعام و احسان اور مہربانی بھی فرماتے ہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور معاف کرنے والے اور بڑے مہربان ہیں۔ اسلام اور توبہ کے بعد تمام گزشتہ گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں لیکن حالت

کفر میں رحمت نہیں فرماتے کیونکہ کفر و شرک محل رحمت نہیں بلکہ مورد غضب و لعنت ہے۔ اور اے مسلمانو! جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ کفر محل رحمت نہیں تو ان کافروں سے لڑو اور ان اعداء اللہ سے اس وقت تک جنگ کا سلسلہ جاری رکھو جب تک کہ کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد ختم نہ ہو جائے اور خالص حکم اللہ ہی کا چلنے لگے یعنی کفر مغلوب ہو جائے اور اسلام غالب آجائے کہ کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی مجال باقی نہ رہے اور کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دے اور کفر میں اتنی طاقت نہ رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے کسی دینی یا دنیوی امر میں مزاحمت کر سکے۔ شروع آیت میں اصل قتال کا وجوب بیان فرمایا تھا اور اس آیت میں جہاد و قتال کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ جہاد سے مقصد کفر کے فتنہ کو ختم کرنا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی زمین پر کفر سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں پس اگر یہ کافر شرک اور کفر کے فتنہ اور فساد سے باز آجائیں تو پھر ان سے کوئی زیادتی اور دست درازی نہ کی جاتے اس لیے کہ دست درازی سوائے ظالموں اور ستمکاروں کے اور کسی پر روا نہیں اور شر اور فساد سے باز آ جانے کے بعد ظالم نہیں رہے۔ عمرہ حدیبیہ میں صحابہ کو یہ تردد تھا کہ اگر کفار سے لڑائی کی نوبت آئی جیسا کہ بنی نضیر کا واقعہ ہے تو اگر خاموش رہیں تو مشکل اور اگر ان سے جنگ کریں تو ایک تو سرزمین حرم کی بے حرمتی اور دوسرے ماہ محترم یعنی ذی قعدۃ الحرام کی بے حرمتی ذی قعدۃ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب یہ مہینے اشہر حرم اور اشہر حرام کہلاتے تھے ان میں قتل قتال ممنوع تھا۔ مکان محترم یعنی ارض حرم کے متعلق جو تردد تھا اسکا گزشتہ آیات میں جواب دیا۔ اب ان آیات میں زمان محترم یعنی شہر حرام کی بے حرمتی کا جو تردد تھا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اور اے مسلمانو! تم کو مکان محترم میں جنگ و جدال کے متعلق جو تردد تھا وہ زائل کر دیا گیا۔ رہا زمان محترم یعنی شہر حرام میں جنگ کے متعلق جو تردد ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حرمت

والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلہ اور عوض میں ہے اگر وہ اس مہینہ کی حرمت کا لحاظ اور ادب رکھیں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی اس مہینہ کی حرمت کا ادب اور لحاظ کر کے ان سے نہ لڑو اور وجہ یہ ہے کہ حرمت کی چیزوں میں عوض اور بدلہ ہے یعنی برابری ہے پس اگر وہ اس شہر حرام کا احترام ملحوظ رکھیں تو تم بھی اسکا احترام ملحوظ رکھو اور اگر وہ اس محترم مہینہ کا احترام نہ کریں تو جیسے تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر زیادتی اور دست درازی کی ہے اور زیادتی کا بدلہ لینے میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں زیادتی کا بدلہ لینے میں تم سے زیادتی نہ ہو جائے کہ اپنے حق سے زائد بدلہ لے لو اور مستقبل میں کافروں کے غلبہ کے خطرہ کو خاطر ہی میں نہ لاؤ۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے تم یقین رکھو کہ اللہ پر ہیزگاروں کے ساتھ ہے اور فتح اور کامیابی کا تمام دار و مدار اللہ کی معیت اور اس کی نصرت و حمایت پر ہے اور بغیر تقویٰ اور پرہیزگاری اللہ کی معیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حاصل ان آیات شریفہ کا یہ ہے کہ حدود حرم اور شہر حرام میں تم ابتداء بالقتال نہ کرو اور اگر کفار ابتداء بالقتال کریں

تو تم قتال سے دریغ نہ کرو۔ یہ تمہارا قتل و قتال بلکہ حرام اور شہر حرام کی حرمت کے منافی نہیں جیسے ابتداءً کسی مسلمان کو قتل کرنا روا نہیں لیکن قصاص میں کسی مسلمان کو قتل کرنا خونِ ناحق نہیں کہلاتا۔

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جہاد کے بارے میں جو آیت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے یعنی **فَاَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا** (۱) ابتداءً میں یہی حکم تھا کہ جو لوگ آپ سے قتال کریں آپ ان سے قتال کریں اور جو آپ سے قتال نہ کریں آپ بھی ان سے قتال نہ کریں۔ بعد میں یہ حکم **اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً** سے منسوخ ہو گیا یعنی تمام مشرکین سے قتال کرو خواہ وہ تم سے قتال کریں یا نہ کریں۔

اور صدیق اکبر اور سعید بن جبیر اور زہری سے منقول ہے کہ سب سے پہلی آیت جو جہاد و قتال کے بارے میں نازل ہوئی وہ سورہ حج کی یہ آیت ہے۔ **اِذْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَايَظَهُمْ ظَلَمُوا وَاِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ** (۲) الایہ۔

امام ابوبکر رازی فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ ابتداءً بالقتال کرنے والوں سے قتال کی اجازت میں سب سے پہلی آیت **فَاَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ** اور عام کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت کے بارے میں خواہ وہ ابتداءً بالقتال کریں یا نہ کریں، سورہ حج کی پہلی آیت ہو یعنی تمام کفار سے جہاد و قتال کی اجازت میں پہلی آیت **اِذْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَايَظَهُمْ ظَلَمُوا**۔ الایہ ہو۔ کذا فی احکام القرآن ص ۲۵ ج ۱۔

فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد و قتال ہو۔ قومیت اور وطنیت کی بنا پر نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ جو قتال حمیت اور قومیت اور اظہارِ شجاعت کے لیے ہو وہ فی سبیل اللہ نہیں جو قتال محض اس لیے ہو کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ فی سبیل اللہ ہے۔

جمہور ائمہ دین کا مسلک یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتل و قتال ابتداءً میں ممنوع تھا بعد میں اجازت ہو گئی مگر بہتر اب بھی یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتداءً بالقتال نہ کی جائے۔ اور بعض

علماء کا قول یہ ہے کہ آیت کا حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور اب بھی حرم اور اشہر حرم میں ابتداءً بالقتال حرام ہے اور یہی مجاہد کا قول ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ شہر یعنی مکہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے صرف میرے لیے ایک ساعت کے واسطے حلال کر دیا گیا باقی قیامت تک حرام ہے یہاں کا گھانس اور تنکا بھی نہ کاٹا جاوے اور نہ یہاں کا شکار بدکا یا جاوے۔ اور جو لوگ نسخ کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن خطل مسجد حرام میں قتل کیا گیا حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ قتل اس ساعت میں ہوا کہ جس ساعت میں مکہ میں قتل و قتال آپ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا۔



وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو

إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

ہلاکت میں اور نیکی کرو اللہ چاہتا ہے

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

نیکی والوں کو

❖ حکم دہم انفاق فی الجہاد ❖

قال تعالى وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ... إلى... إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
گزشتہ آیات میں بدنی جہاد کا ذکر تھا ان آیات میں مالی جہاد کا ذکر ہے یعنی جو جان سے کفر و شرک کے فتنہ و فساد کا مقابلہ کر سکے وہ اپنی جان سے کرے اور جو مال سے مقابلہ کر سکتا ہے وہ مال سے مقابلہ کرے۔ خدا کی راہ میں جان کی ضرورت ہو تو جان پیش کرو مال کی ضرورت ہو تو مال پیش کرو اور خدا کی راہ میں جو خرچ کر سکتے ہو وہ خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت اور تباہی میں نہ ڈالو یعنی خدا کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو۔ خدا کی راہ میں جان اور مال سے بخل کرنا اپنے کو تباہی میں ڈالنا ہے۔ اگر تم جہاد کو چھوڑ بیٹھو تو تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ اور پھر تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ گے معلوم ہوا کہ جہاد میں جانا ہلاکت اور تباہی نہیں بلکہ جہاد کو چھوڑ بیٹھنا ہلاکت اور تباہی ہے۔ اور نیکی کرو یعنی اپنے اعمال و اقوال و احوال کو خوب صورت بناؤ۔ یا یہ معنی کہ اپنی جانوں پر احسان کرو کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو خدا کی راہ میں خرچ کرنا اپنے ہی اوپر احسان کرنا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر عبادت اور ہر عمل اس طرح کرو کہ گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو

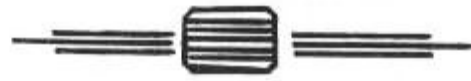
إِنَّ اللَّهَ يَكْفُلُ بَأْتِ اللَّهِ
کیا انسان کو یہ علم نہیں ہے کہ اللہ دیکھ
رہا ہے۔

بے شک اللہ نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

بِأَيْدِيكُمْ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے کوئی حکم عدولی نہ کرو جو تمہاری ہلاکت کا باعث بنے البتہ اگر بے مقصد

❖ ف

اور بے اختیار کوئی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔ (روح المعانی)
 ابو داؤد اور ترمذی میں ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے بارے
 میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کو فتح دی تو ہم آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ اب تو اللہ تعالیٰ
 نے اسلام کو غلبہ دیدیا (یعنی اب چنناں جہاد کی ضرورت نہیں) لہذا ہمارے جو مال لڑائیوں میں پہلے تباہ
 ہو چکے ہیں انکی کچھ دیکھ بھال کر لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد
 ابوالیوب انصاری ہمیشہ جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شہید ہوئے اور قسطنطنیہ کی
 شہر پناہ کے نیچے مدفون ہوئے۔



وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم روکے گئے تو جو

مِّنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ

میسر ہو قربانی بھیجو اور حجامت نہ کرو سر کی ، جب تک

الْهَدْيُ مَحَلَّةٌ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى

پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر پھر جو کوئی تم میں مریض ہو یا اس کو

مِّنْ رَّأْسِهِ فَعِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ

دکھ دیا اسکے سر نے ، تو بدلا دیوے روزے یا خیرات یا

نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَىٰ

ذبح کرنا پھر جب تم کو خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ لیوے عمرہ ملا کر حج کے

الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

ساتھ تو جو میسر ہو قربانی پہنچا دے پھر جس کو پیدا نہ ہو

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ

تو روزہ تین دن کا حج کے وقت میں اور سات دن جب پھر کر جاؤ

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ

یہ دس ہوتے پورے یہ اس کو ہے جسکے گھر والے نہ

حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

ہوں رہتے مسجد الحرام پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ کا عذاب سخت ہے

حکم یازدہم متعلق حج و عمرہ

قال تعالى وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ... الى أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔
ماہ صیام کے بعد حج کے پہلے شروع ہوتے ہیں اس لیے روزوں کے بعد حج کا ذکر فرمایا اور پھر
حج کی مناسبت سے حج کے مہینوں میں قتل و قتل کا حکم ذکر فرمایا اب پھر حج اور عمرہ کے بقیہ احکام کو بیان
فرماتے ہیں۔ نیز حج مبرورہ و عمرہ مبرورہ اعلیٰ ترین اعمال میں سے ہے اور انفاق فی سبیل اللہ تو احسان الی
العباد کا بہترین عمل ہے جسکا پہلی آیت میں ذکر ہو چکا ہے۔ وَلَا تُكَلِّفُوا بَأْيْدِكُمُ الْحِمْلَ
الْتَّهْلُكَةَ وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور حج اور عمرہ کو خاص
اللہ کے لیے پورا کرو نہ تو شروع کر کے درمیان میں چھوڑو اور نہ حج کا احرام باندھ کر اسکو منقطع کر کے عمرہ
بناؤ جو شروع کیا ہے اسی کو پورا کرو اور حج اور عمرہ کے آداب و سنن کو پورا پورا ملحوظ رکھو بغیر اسکے حج اور
عمرہ ناممکن رہے گا اور حج اور عمرہ کا تمام سفر خالص اللہ کے لیے ہو۔ بغیر اخلاص کے عبادت میں حسن
پیدا نہیں ہوتا اور سفر حج میں انفاق فی سبیل اللہ اور احسان سے دریغ نہ کرو سفر حج و عمرہ میں خیرات
کرنے سے اضعا فاضاعفہ اجر ملتا ہے۔ پس اگر احرام باندھنے کے بعد تم اس حج اور عمرہ کے پورا
کرنے سے روک دیتے جاؤ کہ جس کے تمام کرنے کا تم کو حکم دیا گیا ہے اور کسی دشمن یا مرض یا خرچ
کے ختم ہو جانے کی وجہ سے یا اور کسی عذر کے پیش آ جانے کی وجہ سے تم بیت الشتر تک نہ پہنچ سکو، تو
ایسی حالت میں حکم یہ ہے کہ فی الحال حج اور عمرہ کو ملتوی کرو اور احرام سے حلال ہونے کے لیے یہ طریقہ

۱۔ اس لفظ سے گزشتہ آیت وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۳

اختیار کرو کہ جو قربانی تم کو میسر آئے اونٹ یا گائے یا بکری کی اور بکری ادنیٰ درجہ ہے اسکو سرزمین حرم کی طرف بھیجو تاکہ وہ قربانی حرم میں ذبح کی جائے اور سرمنڈا کر اس وقت تک احرام کھول کے حلال نہ ہو جب تک کہ وہ قربانی کا جانور اپنے خاص موقع اور محل پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے اور ہدی کے ذبح کا محل اور موقع حرم ہے کما قال تعالیٰ ثُمَّ يَحْلُوهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ وَقَالَ تَعَالَى هَذَا يَبَالِغُ الْكِبَرَةِ۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ خون بہانا اس وقت تک عبادت نہیں جب تک کہ کسی خاص مکان یا خاص زمان میں نہ ہو۔ چونکہ یہ زمانہ قربانی کا نہیں اس لیے مکان میں بھیجا ضروری ہوا۔ اس بنا پر محصر کے لیے یہ واجب ہوا کہ اپنی ہدی کو حرم میں بھیجے اور ذبح کے لیے کوئی دن مقرر کر لے تاکہ جب وہ دن آئے تو اس دن سرمنڈا کر حلال ہو جائے اور اس فوت شدہ حج اور عمرہ کی بعد میں قضا کرے۔ پھر اگر تم میں سے کوئی مریض ہو جائے یا اسکے سر میں کوئی تکلیف ہو اور اس بیماری اور تکلیف کی وجہ سے قبل از وقت ہی سرمنڈا نا چاہے تو اس کے لیے اجازت ہے مگر اس پر اس جنایت اور تقصیر کا فدیہ اور بدلہ واجب ہے اس طرح سے کہ یا تو تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ اور خیرات دے اور فی مسکین نصف صاع گیہوں یعنی جو صدقہ فطر کی مقدار ہے وہ دے یا کسی جانور کی قربانی دے جسکا اعلیٰ درجہ اونٹ ہے اور اوسط درجہ گائے اور ادنیٰ درجہ بکری ہے پس جب تم خاطر جمع ہو جاؤ یعنی احصار سے تم کو امن حاصل ہو جائے یا یہ کہ شروع ہی سے تم مامون اور بے خوف ہو تو جو شخص ایام حج میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر نفع حاصل کرنا چاہے یعنی یہ چاہے کہ حج کے زمانہ میں حج بھی کر لوں اور عمرہ بھی کر لوں خواہ دونوں کا احرام ساتھ باندھے یا یکے بعد دیگرے تو بیک وقت ان دو عبادتوں سے متمتع اور منتفع ہونے کے شکر میں اس کے ذمہ قربانی واجب ہے جو بھی میسر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی کہ حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہوا اس نعمت کے شکر میں ایک ہدی واجب ہے جیسی بھی میسر ہو اور جس شخص نے فقط حج یا فقط عمرہ کیا تو اس پر یہ ہدی واجب نہیں پس جو شخص ان ایام میں حج اور عمرہ دونوں سے بہرہ مند ہو لیکن ناداری کی وجہ سے اسکو ہدی میسر نہ آئے تو اسکے ذمہ تین روزے تو زمانہ حج میں واجب ہیں۔ جنکا آخری دن نویں تاریخ ذی الحجہ ہے اور اگر اس سے پہلے ہی تین روزے رکھ لے تو وہ بھی بالا جماع جائز ہیں اور ان تین کے علاوہ سات روزے جب رکھو کہ جب تم حج سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس ہونے لگو پس یہ پورے دس دن کے روزے ہوتے اور زمانہ حج میں عمرہ اور حج کو ملا کر متمتع اور منتفع ہونے کی یہ اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد حرام کے قرب و جوار اور اس کے آس پاس رہنے والے نہ ہوں یعنی حدود حرم اور حدود مواقیت سے باہر کے رہنے والے ہوں اور جو لوگ حدود حرم کے رہنے والے ہیں وہ صرف افراد کریں یعنی فقط حج کا احرام باندھیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو مبادا کہ حالت احرام میں کوئی جنایت کر بیٹھو۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا والے ہیں۔ احرام کی حالت، دربار کی حاضری کی علامت ہے اور دربار میں حاضر ہو کر جنایت اور معصیت کا مرتکب ہونا سخت جرم ہے۔

الْحَبَّةُ أَشْهَرُ مَعْلُومَةٍ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَبَّةَ

حج کے کئی مہینے ہیں معلوم۔ پھر جس نے لازم کر لیا ان میں حج

فَلَا رَفَتْ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جَدَالٌ فِي الْحَبَّةِ ط

تو بے پردہ ہونا نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج میں ۔ اور

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ط وَتَزُودُوا

جو کچھ تم کرو گے نیکی اللہ کو معلوم ہو گی اور خرچ راہ لیا

فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي

کرد کہ خرچ راہ میں بہتر ہے گناہ سے بچنا اور مجھ سے ڈرتے رہو اے

الْأَلْبَابِ ۝۱۹۴ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا

عقلمند ۔ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو

فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ط فَإِذَا أَفَضْتُمْ

فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کو چلو

مِّنْ عَرَفَاتٍ فَادْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ

عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے ۔

وَادْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ

اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھایا اور تم تھے اس سے پہلے

لَيْسَ الضَّالِّينَ ۝۱۹۵ ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ

راہ بھولے ۔ پھر طواف کو چلو جہاں سے سب

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۹۶

لوگ چلیں اور گناہ بخشواؤ اللہ سے ۔ اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو، جیسے یاد کرتے تھے

أَبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ط

اپنے باپ دادوں کو، بلکہ اس سے زیادہ یاد۔

ثُمَّ أَحْكَامُ حَجِّ

قال تعالیٰ: الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ الے اَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔

(ربط) گزشتہ آیات میں حج اور عمرہ کے اتمام کا ذکر تھا مگر چونکہ عمرہ کے لیے کوئی وقت معین نہیں اور حج کے لیے وقت معین ہے۔ نیز حج عمرہ سے افضل ہے۔ اس لیے آئندہ آیات میں اشہر حج اور آداب حج کو ذکر فرماتے ہیں (بحر محیط) حج کے احرام اور افعال کا وقت چند مہینے معلوم ہیں۔ شوال اور ذی قعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے باقی اصل ارکان کا وقت یوم عرفہ اور یوم نحر ہے۔ شوال اور ذی قعدہ اور ذی الحجہ یہ خاص فضیلتوں اور برکتوں کے مہینے ہیں اور عشرہ ذی الحجہ تو اس قدر فضیلت اور برکت والا ہے کہ ایک عشرہ ہی قائم مقام پورے مہینہ کے ہو گیا پس جس شخص نے ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو اس کو چاہیئے کہ احرام اور اشہر حج کا پورا احترام کرے لہذا اس کو چاہیئے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ رفقا سفر سے کوئی لڑائی اور جھگڑا کرے۔ جب تک حج میں رہے ان باتوں کا خاص طور پر خیال رکھے یہ تو ادنیٰ درجہ ہے کہ رنٹ اور فسوق اور جدال سے بچا رہے۔ اعلیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ نیک کاموں میں لگے رہو۔ حج کے زمانہ میں نیکی کی تاثیر اور بھی قوی ہو جاتی ہے اور کسی خیر کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑ د کوئی معمولی سے معمولی بھی نیکی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا کہ کس درجہ اخلاص اس کی تہ میں چھپا ہوا ہے۔ اس کے مطابق تم کو اس کی جزا عطا فرمائے گا اور خیر کے سمجھنے میں غلطی نہ کرنا جیسا کہ یمن کے لوگ حج کو بغیر زاد راہ لیے آتے ہیں اور اس کو توکل سمجھتے ہیں اور پھر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں تم کو چاہیئے کہ حج کے لیے زاد راہ لے کر چلو۔ اپنے آپ کو بھیک اور سوال سے بچانا اس خیالی توکل سے کہیں بہتر ہے۔ اور خوب سمجھ لو کہ بہترین زاد راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ اور اپنے آپ کو سوال سے

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک احرام کے لیے نیت کے ساتھ تلبیہ بھی ضروری ہے جیسے نماز میں تکبیر تحریمہ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فقط قلب سے نیت کرنے کا نام احرام ہے تلبیہ شرط نہیں۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں احرام کو لفظ اہلال سے تعبیر کیا ہے اور اہلال کے معنی تلبیہ کے ہیں ۱۲

بچانا یہ تقویٰ میں داخل ہے سفر آخرت میں اعمال صالحہ اور طاعاتِ نافلہ کا توشہ اس درجہ مفید نہیں جتنا کہ تقویٰ کا توشہ مفید ہے اور ہر وقت مجھ سے ڈرتے رہو اے خالص عقل والو۔ عقلِ سلیم کا مقتضی یہ ہے کہ تقویٰ سے غافل نہ ہو اور بغیر توشہ لیے سفر نہ کرو۔

اباحت تجارت در زمانہ عبادت | توشہ لینا تو کیسا توکل کے منافی ہوتا زمانہ حج میں تجارت بھی توکل کے منافی نہیں اس لئے تم پر

کوئی گناہ نہیں کہ تم زمانہ حج میں تجارت کرو اور اللہ کے فضل کو طلب کرو تاکہ وہ تجارت تمہارے لیے موجب سہولت و راحت ہو اور تمہاری عبادت میں موجب اعانت ہو پھر جب تم میدان عرفات سے لوٹو تو مزدلفہ میں مشعر حرام کے قریب اللہ کو دل اور زبان سے یاد کرو اور اللہ کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم کو ہدایت کی ہے یعنی کفار کی طرح اللہ کے ذکر میں کوئی کلمہ شرک کا نہ ملاؤ۔ خالص اللہ کا ذکر کرو اور تحقیق تم اللہ کی ہدایت اور رہ نمائی سے پہلے گمراہوں میں تھے صحیح راستہ ہمارے بتلانے سے تم کو معلوم ہوا پھر ہم تم کو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ حج کے بارے میں گمراہوں کے طریقہ پر نہ چلنا صحیح راستہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے اسی طریقہ پر حج کرنا چونکہ عرفات حدودِ حرم سے باہر ہے اور مزدلفہ حدودِ حرم میں ہے۔ اس لیے قریش مکہ نے اپنے لیے یہ طریقہ نکال رکھا تھا کہ مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور عام لوگوں کی طرح عرفات میں نہ جاتے اور یہ کہتے کہ ہم اہل اللہ ہیں اللہ والے ہیں۔ اور اس کے حرم کے رہنے والے ہیں اس لیے حرم سے باہر نہ جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم ہوا کہ سب لوگوں کو چاہیئے خواہ وہ قریش ہوں یا غیر قریش سب اسی جگہ سے واپس ہوں جہاں سے تمام لوگ واپس آتے ہیں اور سعید بن جبیرؓ کی قرأت میں ہے ثَمَوًا فَيُضْوَ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ثُمَّ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَنَاظَرُوا السَّمَاءَ فَابْتُلُوا وَأَنزَلَ اللَّهُ الْغَمَامَ فَقَالَتِ الْمَلَأَةُ لِمَنْ هَذَا قَالَ لِلْعِبَادَةِ يُذَكِّرُهُمْ يَوْمَهُمْ هُمْ عَلَىٰ شِرْكِهِمْ أَسْخَفُتُمْ أَبْصَارَكُمْ وَلَجَّتُمْ فِي غَمَامٍ غَمَامَةٍ مُّجْمَعِينَ

پاپ آدم بھولنے والے واپس ہوئے تھے یعنی حضرت آدم بھی عرفات سے واپس ہوئے تھے اور پھر مزدلفہ آئے اور پھر وہاں سے منیٰ آئے اس لیے حضرت آدم کا طریقہ بھی یہی ہے کہ واپسی عرفات سے ہو اور جب عرفات سے واپس ہو تو توبہ اور استغفار کرتے ہوئے واپس ہو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات کی مغفرت کا فرشتوں میں اعلان فرما دیا مگر تم کو چاہیئے کہ توبہ اور استغفار سے غافل نہ ہو جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیر کر تین مرتبہ استغفار فرماتے اسی طرح تم کو چاہیئے کہ عرفات سے واپسی پر توبہ اور استغفار کرو سابق مغفرت پر مغذور نہ ہو جاؤ عبادت کتنی ہی کامل کیوں نہ ہو مگر ہر حال میں لائق توبہ اور استغفار ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب حج سے فارغ ہو جاتے تو تین روز منیٰ میں قیام کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے آباء و اجداد کے مفاخر اور آثار بیان کرتے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور بجائے اس کے اپنے ذکر کا حکم دیا چنانچہ فرماتے ہیں پس جب تم اپنے افعال حج سے فارغ ہو جاؤ رمی جمرہ اور قربانی اور سرمنڈا چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسے ذوق و شوق سے کیا کرو جیسا کہ تم اپنے آباء و اجداد کا کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ باپ دادا کا احسان فقط اتنا ہے کہ انہوں نے تم کو پالا اور پرورش کیا مگر وہ

تمہارے خالق نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارا خالق اور سربراہ بھی ہے جس کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ایسے متبرک مقامات میں اللہ کو یاد کرنا چاہیئے آبار و اجداد کا ذکر بے سود ہے۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا

پھر کوئی آدمی کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں

وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی

مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي

ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور

الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ أُولَٰئِكَ

آخرت میں خوبی، اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ یہ لوگ

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ

انہی کو ہے کچھ حصہ اپنی کمائی سے اور اللہ جلد لیتا ہے

الْحِسَابِ ۚ ۚ وَأَذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ

حساب۔ اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے۔ پھر جو

تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ

کوئی جلدی چلا گیا دو دن میں اس پر نہیں گناہ اور جو کوئی رہ گیا

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

اس پر نہیں گناہ، جو کوئی ڈرتا ہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان

أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ۚ

رکھو کہ تم اسی پاس جمع ہو گے۔

اہل ذکر اور اہل دعا کی اقسام

قال تعالى. فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا... الى... وَاعْلَمُوا أَنكُمُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (ربط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کا حکم تھا اب اہل ذکر کی اقسام بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے والے اور اس سے دعا مانگنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ جو فقط دنیا کے طالب ہیں۔ یہ لوگ فقط دنیاوی عزت اور وجاہت اور فقط مال و دولت کی دعا مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں کہ جو دنیا اور آخرت دونوں کی خوبی اور بھلائی خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں ان کو تمام حسنات سے پورا حصہ ملے گا ایک تیسری قسم اور بھی ہے وہ یہ کہ سوائے آخرت کے کچھ نہ مانگے۔ سو اول تو ایسی قسم بہت ہی قلیل اور نادر بلکہ تقریباً معدوم ہے۔ نیز یہ صورت شرعاً بھی پسندیدہ نہیں۔ انسان ضعیف اور ناتواں ہے دنیاوی ضرورتوں سے مستغنی نہیں عبدیت کا مقتضی یہ ہے کہ جوتی کا قسم بھی خدا سے مانگے۔ انسان کو پیدا ہی مانگنے کے لیے کیا ہے۔ نیز انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی یہی ہے کہ تمام دینی اور دنیوی آفتوں سے پناہ مانگے تاکہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکے۔ نیز اللہ سے مانگنا عزت ہے اور مخلوق سے مانگنا ذلت ہے اللہ سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ خدا کے مقرب بنو گے۔ بخلاف مخلوق کے کہ اس سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ اس سے دور ہو گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ پس بعضے لوگ کوتاہ نظر جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ایسے متبرک اور مقدس مقامات میں فقط دنیا ہی کی دعا مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو جو کچھ دینا ہے وہ دنیا ہی میں دے دے اس شخص نے اگرچہ ہم کو پکارا اور ہم کو یاد کیا لیکن ہمارے گھر میں آکر ہم سے ہم کو نہ مانگا بلکہ دنیا سے دوں کو مانگا اس لیے اس شخص کو جو کچھ دینا ہو گا وہ ہم دنیا ہی میں دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہ ہو گا اور بعضے آخرت کے شیدائی اور فدائی ایسے ہوشیار ہیں کہ دنیا ہی میں آخرت کے طلبگار ہیں اور اپنی دعا میں یہ کہتے ہیں اے پروردگار ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے ایسی بھلائی اور نیکی عطا فرما جو ہمارے وہم و گمان سے بالاتر اور برتر ہو اور تیری خوشنودی اور رضا مندی کا ذریعہ ہو اور آخرت میں بھی ہم کو نیکی اور بھلائی عطا فرما یعنی ثواب اور رحمت سے سرفراز فرما اور عفو اور مغفرت کے ذریعہ ہم کو عذاب و دوزخ سے محفوظ فرما ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں بہت بڑا حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی دعا اور استدعا اور اعمال صالحہ سے کمایا ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔ یعنی قیامت قریب ہے تم اس سے غافل نہ ہو اور ایام تشریق میں اللہ کو یاد کرو جو گنتی کے دن ہیں۔ ایام معدودات سے ذی الحجہ

۱۲۔ یہ ترجمہ حسنہ کی تنوین تنکیر کا ہے۔ نکرہ وہ ہے جو معلوم نہ ہو معرفہ اس کی ضد ہے ۱۲۔

کی گیارھویں بارھویں تیرھویں تاریخیں مراد ہیں جن میں تینوں جمروں کی رمی ہوتی ہے بخلاف دسویں تاریخ کے کہ اس میں فقط جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے اس دسویں تاریخ کے علاوہ تین دن مراد ہیں ان دنوں میں منیٰ میں قیام کا حکم ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ نمازوں کے بعد تکبیر کہو اور رمی جمار کے وقت بھی تکبیر کہو اور قربانی کے وقت بھی تکبیر کہو اور دیگر اوقات میں بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور تکبیر پڑھو پس جو شخص منیٰ سے کوٹھ کرنے میں جلدی کرے اور کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد صرف دو دن منیٰ میں ٹھہر کر بارھویں کو مکہ واپس آجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اس کا حج پورا ہو گیا حج کے ثواب میں کوئی کمی نہ رہے گی اور جو شخص منیٰ میں ٹھہرا رہا اور تیرھویں تاریخ کی رمی کر کے مکہ واپس آیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ آیت اہل جاہلیت کے رد کے لیے نازل ہوئی بعض لوگ جلدی چلے جانے والے کو گنہگار سمجھتے تھے اور بعضے تاخیر کرنے والوں کو گنہگار سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تعجل میں گناہ ہے اور نہ تاخیر میں اگرچہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ تین دن قیام کر کے واپس ہو۔ بہر حال تعجل اور تاخیر ہر صورت میں حج مکمل ہو گیا اس کو حج کا پورا ثواب ملے گا اور تمام گناہ اس کے معاف ہو جائیں گے مگر یہ فضیلت اور یہ رعایت اس شخص کے لیے ہے جو اپنے حج میں رقت اور فسوق اور جدال اور دیگر افعال ممنوعہ سے بچتا رہا۔ اور تقویٰ کے لیے حج کی کوئی خصوصیت نہیں ہر کام میں ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ تم سب اللہ کے پاس جمع کیے جاؤ گے اور تمام اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ آیت شریفہ میں ایام معدودات سے علاوہ یوم النحر (یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کے علاوہ) تین دن مراد ہیں جن کو ایام تشریق بھی کہتے ہیں یعنی گیارھویں اور بارھویں اور تیرھویں تاریخیں مراد ہیں اور فَمَنْ تَعَجَّلَ فَيُؤْمِنِ يَوْمَ دُودَنْ عِلَافٍ دُودَنْ عِلَافٍ کے علاوہ دو دن یعنی گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ مراد ہیں۔ حضرات اہل علم کے لیے امام قرطبی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

”امراً لله سبحانه وتعالى عبادة بذكره في الايام المعدودات و هي الثلاثة التي بعد يوم النحر وليس يوم النحر منها لاجتماع الناس انه لا ينفر احد يوم النفر وهو ثاثة يوم النحر ولو كان يوم النحر في المعدودات لساغ ان ينفر من شاء متعجلاً يوم النفر لانه قد اخذ يومين من المعدودات خرج الدار قطنى والترمذى وغيرهما عن عبد الرحمن بن يعمر الديلى ان ناساً من اهل نجد اتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بعرفة فسألوه فامر مناديا فنادى بالحج عرفة فمن جاء ليلة جمع قبل طلوع الفجر فقد ادرك ايام منى الثلاثة فمن تعجل في يومين فلا اثم عليه ومن تأخر فلا اثم عليه اى من تعجل من الحاج في يومين من ايام منى صار مقامه

بمینی ثلاثة بيوم النحر وليسقط عنه رمي اليوم الثالث ومن لم
ينفر منها الا في آخر اليوم الثالث حصل له بميني مقام اربعة ايام
من اجل يوم النحر الخ.

(كذا في احكام القرآن للمقرطبي ج ۳ ص ۲)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْجِبُ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اور بعض آدمی ہے کہ خوش آوے تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں ،

وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۚ وَهُوَ

اور گواہ پڑتا ہے اللہ کو اپنے دل کی بات پر اور وہ

اللَّهُ الْخَصَّامُ ۚ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

سخت جھگڑالو ہے ۔ اور جب پیٹھ پھیرے ، دوڑتا پھرے ملک میں

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ ۚ وَ

کہ اس میں دیرانی کرے ، اور ہلاک کرے کھیتیاں اور

النَّسْلَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُ

جانیں اور اللہ خوش نہیں رکھتا فساد کرنا اور جو کہے اللہ

اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ

سے ڈر تو کھینچ لاوے اس کو غرور گناہ پر پھر بس ہے اس کو دوزخ

وَلِبَئْسَ الْيُهَادُ ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي

اور بُری تیاری ہے ۔ اور کوئی آدمی ہے جو بیچتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۚ

اپنی جان تلاش کرتا خوشی اللہ کی اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر

تقسیم دیگر

قال تعالى وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا... إِلَى... وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ (ربط) گزشتہ آیات میں اغراض دعا کے اعتبار سے تقسیم کا ذکر تھا اب ان آیات میں اخلاص اور نفاق کے اعتبار سے لوگوں کی تقسیم بیان فرماتے ہیں۔ پہلے ایک منافق کا حال بیان کرتے ہیں جس کا نام انفس بن شریق تھا۔ یہ شخص بڑا فصیح اللسان اور شیریں بیان اور حسین اور خوبصورت تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو بڑی باتیں بناتا اور قسمیں کھاتا کہ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور جب آپ کے پاس سے جاتا تو فساد پھیلاتا، لوگوں کی کھیتوں کو جلاتا اور موشیوں کو ہلاک کرتا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور بعض آدمی ایسا چرب لسان ہے کہ جب وہ دنیاوی اغراض اور مقاصد کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو آپ کو بھی اس کی بات حیرت اور تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا دل اسلام اور آپ کی محبت سے بریز رہا ہے اور حالانکہ دل اسکا عداوت سے بریز رہا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں سے ایسی شدید عداوت اور شدید خصومت رکھتا ہے کہ جگر نے میں کسراٹھا نہیں رکھتا ایسی شدید خصومت سے صاف ظاہر ہے کہ دل میں محبت کا نام و نشان بھی نہیں یہ حال تو دلی عداوت اور خصومت کا ہوا اور شرارت کا یہ حال ہے کہ جب آپ کی مجلس سے پشت پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے کہ زمین میں فساد اور تباہی پھیلائے اور کھیتوں اور موشیوں کو ہلاک کرے اگر حقیقتہً اللہ اور اس کے رسول کا محب ہوتا تو ہرگز ایسے کام نہ کرتا معلوم ہوا کہ محب نہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجہ کا مفسد ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے اور ایسا شخص تو اللہ کا محب ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس مغرور کو خدا تعالیٰ کی کوئی پرواہ نہیں اس کا حال تو یہ ہے کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر اور فساد نہ مچا اور لوگوں کی کھیتوں اور موشیوں کو مت برباد کر تو نخوت اور بڑائی اس کو اور گناہ پر آمادہ کرتی ہے اور ضد میں آکر اور زیادہ فساد برپا کرنے لگتا ہے پس سمجھ لو کہ جس کو تقویٰ اور خدا کے خوف کی نصیحت کافی نہ ہو تو اس کو جہنم ہی کفایت کرے گی۔ اور اس عزت اور نخوت کے بدلہ میں ہمیشہ کی ذلت میں مبتلا رہے گا اور جہنم کا یہ ذلت آمیز فرش بہت ہی بُرا فرش ہے اب آئندہ آیت میں ایک کامل الایمان مخلص کا ذکر فرماتے ہیں یعنی صہیب رضی اللہ عنہ کا جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت صہیب نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے آکر گھیر لیا حضرت صہیب نے کہا کہ میں تم کو اپنا تمام مال دے دیتا ہوں تم مجھ کو مدینہ جانے دو۔ قریش نے اس کو منظور کیا اس طرح حضرت صہیب مدینہ پہنچے اور حضور پر نور سے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور یہ فرمایا۔

رَبِّحْ بَيْعَكَ يَا أَيُّهَا صِيبُ
لے ابویحییٰ تیری بیع بہت فائدہ مند ہوئی۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ تیسکر بارے میں یہ آیت نازل ہوئی وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ الْخ یعنی اور بعض لوگ ایسے عاقل اور دانا ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ عزت اللہ کی راہ میں جان بازی اور سرفروشی اور تذل اور خاکساری سے حاصل ہوتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جان کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب اور تلاش میں کرتے ہیں اس کے سوا اور کوئی عرض نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں پر جو اس کی راہ میں اپنی جان بھی دے ڈالیں بڑے ہی مہربان ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سچے محب اور مخلص ہیں ان کو اگر خدا تعالیٰ کے تقویٰ کی نصیحت کرے تو ان کا عجب حال ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اَتَّقِ اللَّهَ (اللہ سے ڈرو) حضرت عمرؓ نے فوراً تواضع سے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا۔

ہارون رشید کا واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی ایک سال تک اپنی ضرورت لے کر ہارون رشید کے دروازہ پر حاضر ہوتا رہا۔ حاجت براری نہ ہوئی۔ ایک دن ہارون رشید محل سے برآمد ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ یہودی سامنے سے آکر کھڑا ہو گیا اور یہ کہا اتق اللہ یا امیر المؤمنین "اے امیر المؤمنین اللہ سے ڈرو" ہارون رشید یہ سنتے ہی فوراً سواری سے اتر پڑے اور وہیں زمین پر سجدہ کیا۔ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد حکم دیا کہ اس یہودی کی حاجت پوری کی جائے چنانچہ اسی وقت اس کی حاجت پوری کر دی گئی جب محل واپس ہوئے تو کسی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ ایک یہودی کے کہنے سے فوراً زمین پر اتر پڑے۔ فرمایا کہ یہودی کے کہنے کی وجہ سے نہیں اترتا بلکہ حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد یاد آیا۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَيْسَ الْمُهَادُّ اس لیے سواری سے اترنا اور سجدہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۹)

فائدہ | وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ لیشری سے بیع یعنی فروخت کرنے کے معنی مراد ہیں اس تفسیر پر ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اپنی جان کو خدا کے ہاتھ بمعادۂ جنت فروخت کر دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ لیشری بمعنی بیشری یعنی خریدنے کے معنی میں ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ بعض لوگ اعمال صالحہ کر کے اپنی جان کو خرید لیتے ہیں یعنی خطرات اور خوفناک چیزوں سے اپنی جان کو بچا لیتے ہیں۔ راجح قول یہی ہے کہ بیشری سے بیع کے معنی مراد ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنی جان خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ جان پھر انہی کے قبضہ میں رہنے دیتے ہیں اور جان کی حفاظت انہی کے سپرد کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری امانت ہے بغیر ہماری اجازت کے اس میں کوئی تصرف نہ کرنا۔ نیز بندہ کا اپنی جان کو خدا کے ہاتھ فروخت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا اس کو خریدنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے کہ ظاہراً بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنی جان کا مالک ہوں ورنہ فی الحقیقت سب چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ابن عطاء کا قول ہے کہ اِنَّ اَحَدَهُ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ ط كوسن کر عوام تو خوش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے
معاوضہ جنت ہماری جانیں خرید لیں اب ہم کو اس کے عوض جنت ملے گی مگر خواص شرم کے مارے زمین
میں گر گئے کہ ہم میں دعویٰ مالکیت کا تھا جب ہی تو اشتری فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَ

اے ایمان والو! داخل ہو مسلمان میں پورے پورے اور

لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

مت چلو قدموں پر شیطان کے، وہ تمہارا صریح دشمن

مُبِينٌ ۲۰۸ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ

ہے۔ پھر اگر ڈگنے لگو بعد اس کے کہ پہنچے تم کو

الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۲۰۹ هَلْ

صاف حکم تو جان رکھو کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ کیا

يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ

لوگ یہی انتظار رکھتے ہیں کہ آدے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں

وَالْمَلَائِكَةُ وَاقِفِينَ ۲۱۰ وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ عَلِيمٌ ۲۱۱

اور فرشتے اور فیصل ہو دے کام۔ اور اللہ کی طرف رجوع ہیں سب کام۔

● حکم دوازدهم۔ اُسْتَسْلِمُ تَامًا وَقَبُولُ جَمِيعِ احْكَامِ اِسْلَامِ ●

قال تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَ... وَاللَّهُ يَوْمَئِذٍ عَلِيمٌ ۲۱۱
اربط، گزشتہ آیات میں ایمان اور اخلاص کا ذکر تھا اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ
ایمان اور اخلاص کا مقتضی یہ ہے کہ دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اسلام میں
داخل ہونے کے بعد دین سابق یعنی یہودیت اور نصرانیت کی رعایت سے کوئی کام نہ کرو ایک

دین میں داخل ہونے کے بعد دوسرے دین کی طرف بھی نظر رکھنا یہ اخلاص کے منافی ہے۔ نیز جو شخص اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرے اور اس کی رضا اور خوشنودی کا طلب گار ہو اور اس کی اُس خاص رحمت و رأفت کا امیدوار ہو جو عباد مخلصین پر نازل ہوتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے اعمال میں قرآن کے بعد توریت اور انجیل کی رعایت نہ کرے ناسخ کے ہوتے ہوئے منسوخ کی رعایت، بدعت اور ضلالت ہے جو باعث عقوبت ہے۔ یہ آیت عبداللہ بن سلامؓ اور دیگر علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ اسلام لانے کے بعد آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ہم کو احکام کی تعمیل کے ساتھ اس کی بھی اجازت دے دی جائے کہ شریعت موسویہ کے مطابق ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور دودھ سے پرہیز کرتے رہیں اور توریت کی بھی تلاوت کرتے رہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اسلام میں ظاہراً اور باطناً، اعتقاداً اور عملاً پورے پورے داخل ہو جاؤ اور اسلام میں کسی اور چیز کو ہرگز نہ ملاؤ مبادا یہودیت اور نصرانیت کی آمیزش سے اسلام کے آب طہور کے رنگ یا یوں یا نہرہ میں کہیں فرق آجائے اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو ناسخ کے بعد منسوخ کی رعایت کرنا شیطان کے نشان قدم پر چلنا ہے۔ تحقیق وہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کہ جو چیز دین نہیں اس کو دین بتا کر تم سے کرانا چاہتا ہے اور بدعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جو چیز دین نہ ہو اس کو دین سمجھ لیا جائے ان مومنین اہل کتاب کے دل میں شیطان نے یہ دسوسہ ڈالاکہ شریعت موسویہ میں ہفتہ کی تعظیم واجب ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں اور اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہے اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں۔ اس لیے اگر ہم بدستور عملاً ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اعتقاداً اس کو واجب نہ سمجھیں اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو عملاً ترک کر دیں اور اعتقاداً اس کو حلال سمجھتے رہیں تو اس میں شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہوگا اور شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے گی اور وہ عمل زیادہ موجب ثواب ہوگا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس خیال کی اصلاح فرمائی کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد صرف اسلام ہی کی رعایت سے عمل کرنا فرض اور لازم ہے اور جو امر اسلام میں قابل رعایت نہیں، دین سمجھ کر اس کی رعایت کرنا بدعت ہے جو شیطان کا دسوسہ ہے اور ایک دین میں داخل ہونے کے بعد گزشتہ دین کی طرف نظر رکھنا اخلاص کے منافی ہے پس اگر تم واضح اور روشن احکام آنے کے بعد بھی پھسلے اور شیطان کے قدموں پر چلے اور شریعت محمدیہ کے احکام کے اتباع اور تعمیل میں اعتقاد ہی اور باطنی طور پر یہودیت اور نصرانیت کی رعایت کی تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب اور زبردست ہے ایسے لوگوں کو سخت سزا دے گا جو ظاہر تو یہ کریں کہ

۱۔ اس بیان میں وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ اور ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اور اللّٰهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۲

ہم شریعت محمدیہ پر عامل ہیں اور باطن میں یہودیت یا نصرانیت ملحوظ رہے اور بڑی حکمت والا ہے کہ ایسے لوگوں سے انتقام میں جلدی نہیں فرماتا کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے کیا یہ لوگ جو اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپاتے ہیں اب صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ قیامت قائم ہو۔ اور اولین اور آخرین جمع ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کے حساب و کتاب اور جزاء اور سزا کے لیے خود سفید ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں اور فرشتے بھی ساتھ آئیں اور ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا اور سزا دے دی جائے اور اس میں شک اور تردد کیا ہے تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ چونکہ ان لوگوں نے اپنے باطنی انکار کو ظاہری اقرار کے پردہ میں چھپایا اس لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا قہر، مہر کے پردہ یعنی سفید بادل کی شکل میں نمودار ہوگا۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اور فرشتوں کے آنے کا واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے **فائدہ اول** کَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًا وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى وَقَالَ تَعَالَى هَلْ يُنْظَرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ط

و عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يجمع الله الأولين والآخرين لميقات يوم معلوم قياما شاخصا ابصارهم إلى السماء ينتظرون فصل القضاء وينزل الله في ظل من الغمام من العرش إلى الكرسي أخرجه ابن مردويه (تفسير ابن كثير)

اور اسی قسم کا مضمون ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انبیاء کرام شفاعت کرنے سے عذر فرماویں گے اور شفاعت کی نوبت مجھ تک پہنچے گی تو میں کہوں گا کہ ہاں ہاں میں شفاعت کے لیے ہوں تمہاری شفاعت کروں گا اور جا کر عرش کے نیچے سجدہ میں کروں گا اور درخواست کروں گا کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فصل قضا کے لیے تشریف لائیں۔

فیشفعه الله ويأتي في ظل من الغمام بعد ما تشقق السماء الدنيا وينزل من فيها من الملائكة . پس اللہ تعالیٰ آپ کی درخواست منظور فرمائیں گے اور آسمان کے پھٹنے کے بعد ابر کے سائبانوں میں نزول اجلال فرمائیں گے اور فرشتے بھی اتریں گے۔

اور عرش بھی اترے گا اور فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہوں گے سبحان ذی الملك والملكوت سبحان ذی العزّة والجبروت سبحان الحی الذی لا یموت سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت سبحان قدوس رب الملائکة والروح سبحان قدوس سبحان ربنا الاعلیٰ سبحان ذی السلطان والعظمة سبحانہ سبحانہ ایدلاً (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ دوم | آیات اور احادیث میں حق جل شانہ کا آنا اور اترنا اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے اس کے بارے میں علماء سلف کا مسلک یہ ہے کہ ان کی تحقیق اور تفتیش میں نہ پڑے اور بلا تشبیہ اور بلا تمثیل کے ان پر ایمان لائے جس طرح اس کی ذات بے چون و چگون ہے۔ اسی طرح اس کے افعال بھی بے چون و چگون ہیں۔ اور علماء خلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ عوام کے عقائد کی حفاظت کے لیے کوئی مناسب تاویل کر لیتے ہیں۔ تاکہ ظاہر الفاظ سے عوام کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مثلاً **إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ احْتِسَامٌ** میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا قہر کا آنا مراد ہے وغیر ذلک اور حضرات صوفیہ کرام یہ فرماتے ہیں کہ **يَأْتِيَهُمُ احْتِسَامٌ فِي ظُلُلٍ مِنَ الْغَمَامِ** سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی تجلیات مراد ہیں۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ **ظُلُلٍ مِنَ الْغَمَامِ** میں متجلی ہوگا۔ جس طرح کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی (کما قال تعالیٰ **فَلَمَّا تَخَلَّىٰ رَبُّهُ لِيُجَبِّلَ**) بے چون و چگون تھی اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی ابر کے سائبانوں میں ہوگی اور جس طرح آنکھ کی پتلی میں آسمانوں کا جلوہ۔ اور الفاظ کے پردہ میں معانی کا جلوہ دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح ابر کے سائبانوں میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا بے چون و چگون جلوہ دیکھا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید آگیا۔ اور یہ بات میرے خیال میں آگئی اور صبح آگئی۔ آنا سب جگہ پایا جاتا ہے مگر حقیقت ہر جگہ مختلف ہے۔ آنا۔ آنے والے کے تابع ہے۔ زید کا آنا اور قسم کا ہے اور کسی بات کا دل میں آنا اور قسم کا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کے آنے کو سمجھو کہ اس کا آنا اس کی شان اور عظمت کے مطابق ہوگا جیسے حق تعالیٰ شانہ کی ذات بے چون و چگون ہے اسی طرح اُس کا آنا بھی بے چون و چگون ہوگا۔

فائدہ سوم | جب کہ دین موسوی کی رعایت سے اونٹ کے گوشت کا ترک کرنا اتباع شیطانی ہوا تو سامریان ہند کی رعایت سے ذبیحہ بقر کا ترک کرنا جو اعظم شعائر اسلام میں سے ہے بدرجہ ادلیٰ اغواء شیطانی ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

سَلْ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَ

پوچھ بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو آیتیں واضح اور

مَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ

جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی اُس کو

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۳۱۱﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا

تو اللہ کی مار سخت ہے۔ رجھایا ہے منکروں کو

الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

دنیا کی زندگی پر اور ہنستے ہیں ایمان والوں سے

وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ

اور پرہیزگار ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی

مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً

دیوے جس کو چاہے بے شمار۔ تھا لوگوں کا دین ایک

وَاحِدَةً قَدْ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَ

پھر بھیجے اللہ نے نبی خوشی اور

مُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ

ڈر سناتے اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصل

بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ

کرے لوگوں میں جس بات میں جھگڑا کریں۔ اور کتاب میں جھگڑا

إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

ڈالا نہیں مگر انہوں نے جن کو ملی تھی بعد اس کے کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم

بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا

آپس کی ضد سے پھر اب راہ دی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی

فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِأَذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ چلا دے جس کو چاہے

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۶۲﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا

سیدھی راہ ، کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر آتے نہیں احوال ان کے جو آگے ہو چکے تم سے۔

مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ

پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلاَ

لگا رسول اور جو اُس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی مدد اللہ کی سن رکھو

إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۶۳﴾

مدد اللہ کی قریب ہے۔

تنبیہات و تہدیدات

قال تعالیٰ: سَلِّ بَنِي إِسْرَءِیْلَ كَمَا أْتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ... أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ه (اربط) گزشتہ آیات میں دلائل واضح آجانے کے بعد حق کی مخالفت پر تنبیہ اور تہدید تھی۔ آئندہ آیات میں اور چند تنبیہات اور تہدیدات کو ذکر فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کے صریح اور واضح حکم کے بعد عدول حکمی موجب عذاب ہے اگر تم کو اس میں کچھ تردد ہے تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے ان کو کتنی واضح اور روشن دلیلیں عطا کی تھیں تاکہ حق واضح اور روشن ہو جائے۔ یہ حق جل شانہ کی ایک نعمت کبریٰ تھی اس نعمت کا شکر اور حق یہ تھا کہ دل و جان سے حق کو قبول کرتے۔ لیکن دیدہ و دانستہ حق سے انحراف کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب میں مبتلا ہوئے اور طرح طرح کی ذلتیں دیکھنی پڑیں جیسا کہ پہلے پارہ میں اُنکی شناختوں اور عقوبتوں کا بیان ہوا اور ہمارا قانون یہی ہے ہے کہ جو شخص اللہ کی نعمت کو بعد اس کے کہ وہ نعمت خود اس کے پاس پہنچ چکی ہے یعنی وہ نعمت بلا مشقت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملی ہے پس جو شخص ایسی نعمت کو کفر اور معصیت سے بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کی ناشکری کرے تو اللہ تعالیٰ بھی نعمت کو نعمت سے

اور انعام کو انتقام سے بدل دیتے ہیں۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ سخت عذاب والے ہیں اور ایسے ناشکرے اسی کے مستحق ہیں کہ ان کو سخت سزا دی جائے اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا پر ایسے شیدا اور فریفتہ ہوئے ہیں کہ دنیاوی زندگی ان کی نظروں میں اس درجہ مزین اور خوب صورت کر دی گئی ہے کہ آخرت ان کو بد صورت معلوم ہونے لگی اس لیے اپنی ظاہری عیش و عشرت کے نشہ میں ان لوگوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں جو آخرت پر شیدا اور فریفتہ ہیں اور ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان اور تقویٰ کے لباس فاخر سے آراستہ ہیں قیامت کے دن یہی لوگ ان کافروں سے بالا اور بلند ہوں گے۔ جن کو یہ کافر دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دے دیتا ہے۔ دیکھ لو انہیں فقرا مہاجرین کو، جن کو تم حقیر و ذلیل سمجھتے تھے کس طرح روم اور فارس کی سلطنت کا مالک بنا دیا معلوم ہوا کہ چند روز کے فانی عیش پر مغرور اور مست ہو کر حق کا انکار کرنا اور اہل حق کو حقیر سمجھنا حماقت ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ کے زمانہ کے قریب تک تمام لوگ ایک ہی جماعت تھے سب ایک ہی دین حق پر متفق تھے۔ اور احکام خداوندی پر عمل کرتے تھے۔ دسٹا قرن اسی طرح گزرے اس کے بعد جب لوگ دنیا پر فریفتہ ہوئے اور دنیا ان کو خوب صورت معلوم ہونے لگی تو دنیاوی اور نفسانی اغراض کی بنا پر حق میں اختلاف ڈالا۔ پس حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو بھیجا تاکہ حق میں کوئی اختلاف نہ ڈالے بلا اختلاف سب مل کر حق پر چلیں اس لیے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا کہ ایمان لانے والوں اور حق کے قبول کرنے والوں کو خوش خبری سنائیں اور حق میں اختلاف ڈالنے والوں کو خدا کے قہر سے ڈرائیں اور ان کے ساتھ حق تعالیٰ نے حق اور سچی کتابیں بھی اتاریں تاکہ وہ کتاب الہی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے جس حق کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ کتاب الہی کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کرتے اور اس کے حکم کے مطابق اپنے تمام اختلافات اور نزاعات کو ختم کر دیتے مگر افسوس کہ ان لوگوں نے اسی کتاب میں اختلاف شروع کر دیا کہ جو ان کو اختلاف کے مٹانے اور ختم کرنے کے لیے دی گئی تھی اور یہ اختلاف کسی اشتباہ اور التباس کی بناء پر نہ تھا بلکہ صریح اور واضح احکام اور دلائل آجانے کے بعد آپس کی ضد و تضاد کی بنا پر تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان خود غرضوں اور ہوا پرستوں کو تو اس باہمی اختلاف اور نزاع میں چھوڑ دیا جس کا منشا رسوائی حب دنیا کے اور کچھ نہ تھا۔ اور اہل ایمان کو جن کے قلوب حب دنیا اور حسد وغیرہ سے پاک تھے حق کی راہ دکھائی جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور یہ ہدایت محض اس کے لطف اور عنایت سے تھی اور اللہ تعالیٰ مالک اور مختار ہے۔ جس کو چاہے اور جس طرح چاہے سیدھا راستہ بتاتا ہے کسی کو بغیر آیات و بینات اور بغیر کسی دلیل و برہان اور بغیر کسی استاد اور معلم کے سیدھا راستہ بتلا دیتے ہیں اور کسی کو صاف نشانوں کے بعد بھی گمراہ کر دیتے ہیں۔ ہدایت اس کی ملک ہے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے لیکن اللہ کی عادت اور سنت یہ ہے کہ حق کی ہدایت سے اسی کو سرفراز فرماتے ہیں جو شخص دنیا پر فریفتہ نہ ہو اور

دنیا کی زینت نے اس کو اپنا گردیدہ اور شیدائی نہ بنالیا ہو۔ کیونکہ جن کے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں وہ کبھی حق کو قبول نہیں کرتے اور انبیاء کرام کی ہدایت اور نصیحت کی طرف کان نہیں لگاتے بلکہ ایسے لوگ ہمیشہ اہل حق کو ستاتے ہیں اور طرح طرح کی ایذاؤں سے ہرگز نہ گھبرانا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں مسلمانوں کی تسلی فرماتے ہیں کہ تم اہل باطل اور اہل دنیا کی ایذاؤں سے ہرگز نہ گھبرانا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے اہل باطل حضرات انبیاء اور اہل ایمان کو ایذا پہنچاتے چلے آئے ہیں۔ یہ دنیا دار ابتلا اور دار امتحان ہے۔ یہاں کے چند روزہ مصائب پر نظر نہ کرو صبر پر جو دار آخرت میں راحتیں اور نعمتیں ملیں گی ان پر نظر رکھو کیا تم کو یہ گمان ہے کہ جنت میں بلا محنت اور بلا مشقت داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ابھی تک وہ احوال اور احوال نہیں گذرے جو تم سے پہلے حضرات انبیاء اور اہل ایمان پر گذرے دشمنوں کے ہاتھ سے ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور طرح طرح سے جھڑجھڑائے گئے اور قسم قسم کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے ہلائے گئے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدد الہی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے اس زمانہ کے نبیؐ اور ان کے ساتھی شدائد اور مصائب سے مجبور اور لاچار اور بے تاب اور بے قرار ہو کر یہ بول اٹھے کہ اللہ کی وہ مدد کب آئے گی جس کا اس نے انبیاء اور اہل ایمان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بمقتضائے بشریت انتہائی پریشانی کی حالت میں یہ مایوسانہ کلمات زبان سے نکلے اور حق تعالیٰ کا منشاء بھی یہی تھا کہ ہمارے ماسوائے بالکل مایوس اور ناامید ہو جائیں چنانچہ اس وقت اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ گھبراؤ نہیں ثابت قدم رہو۔ آگاہ ہو جاؤ اور سن لو کہ اللہ کی مدد بہت نزدیک ہے۔ اے مسلمانو! اسی طرح تمہارا بھی امتحان ہو رہا ہے گھبراؤ نہیں۔ عنقریب اللہ کی مدد تم کو پہنچے گی اور تمام مصائب اور تکالیف کا خاتمہ کر دے گی۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ

تجھ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں؟ تو کہہ جو چیز خرچ کرد

خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ

فائدے کی سو ماں باپ کو اور نزدیک ناتے والوں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

اور راہ کے مسافر کو۔ اور جو کرو گے بھلائی سو وہ اللہ

يَهْدِيهِ عَلِيمٌ ۝۲۱۵

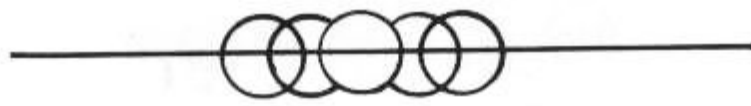
کو معلوم ہے

حکم سیزدہم متعلق بمصارف انفاق

قال تعالى . يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ اَلَمْ يَكُنْ لَكَ بِنَايَ ... فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا عَمِلُوا عَلِيمٌ

شروع سے احکامِ عملیہ کا بیان چلا آ رہا تھا۔ درمیان میں ضمناً ایمان اور اخلاص کی ترغیب اور دنیا کی محبت کی مذمت کا ذکر آیا اب آگے پھر احکامِ عملیہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم اپنی جانوں کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جان و مال سے کسی قسم کا دریغ نہ کرو اور اس کی راہ میں جو تکلیف پیش آئے اس کا تحمل کرو۔ اب اس کلیہ کے تحت میں کچھ مصارفِ انفاق اور جہاد اور نکاح اور طلاق اور خلع اور ایلا کے احکام بیان فرماتے ہیں جو باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ہمارے نبی! یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی خوشنودی اور ثواب کے لیے کیا خرچ کریں۔ آپ فرمادیجئے کہ یہ سوال مت کر دو کہ کیا خرچ کریں یہ چیز تو بالکل واضح ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کوئی خاص شے اور خاص مقدار معین نہیں جو میسر ہو وہ خرچ کرو ہاں یہ سوال کر دو کہ کہاں خرچ کریں سو آپ فرمادیجئے کہ جو مال بھی خرچ کرنا چاہو تو سب سے پہلے ماں باپ کی خدمت میں صرف کرو جو تمہارے وجود ظاہری کا سبب بنے اور جس شفقت اور محبت سے تم کو پالا تم اس کا عشر عشر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اولاد اگرچہ والدین کی مالی اور بدنی خدمت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے لیکن والدین کی شفقت اور عنایت اور نظرِ محبت کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں کر سکتی۔ اور والدین کے قرابت داروں میں خرچ کر دو تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں جمع ہو جائیں اور رشتہ داروں کے بعد یتیموں پر خرچ کر دو کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہیں اور ان کے بعد عام محتاجوں پر خرچ کر دو اور عام محتاجوں کے بعد مسافروں پر خرچ کر دو کہ جو وطن اور عزیز اور اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے بمنزلہ محتاج اور فقیر کے ہو گئے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی تم خیر اور نیکی کا کام کر دو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں تمہارے خرچ کی مقدار اور کمیت اور تمہاری نیت کو خوب جانتا ہے۔

فائدہ | یہ آیت نفل صدقات اور خیرات کے بارے میں ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ، مثل صدقہ فطر کے بارے میں نہیں اس لیے کہ والدین کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔



كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ

حکم ہوا تم پر لڑائی کا ، اور وہ بُری لگتی ہے تم کو اور شاید

أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ

تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو اور شاید تم کو خوش

تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ

لگے ایک چیز اور وہ بُری ہو تم کو اور اللہ جانتا ہے اور

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

تم نہیں جانتے - تجھ سے پوچھتے ہیں مہینے حرام کو

قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ط

اس میں لڑائی کرنا تو کہہ لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے

وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ ق

اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَآخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ

مسجد الحرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے

عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ

زیادہ گناہ ہے اللہ کے ہاں اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے زیادہ اور وہ تو لگے ہی

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ط

رہتے ہیں تم سے لڑنے کو یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر مقدور پادیں

وَمَنْ يَّرْتِدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ

اور جو کوئی پھرے گا تم میں اپنے دین سے پھر مر جاوے گا کفر ہی



كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

پر تو ایسوں کے ضائع ہوتے عمل دنیا میں اور

الْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۱۷﴾

آخرت میں اور وہ آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَدُوا

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور لڑے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ

اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی مہر کے اور اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم چہارم متعلق بفرضیت جہاد و قتال شہرِ حرام

قال تعالى كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ... وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
گزشتہ آیات میں حضرات انبیاء کے ابتداء اور مصائب کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ جنت میں داخل ہونا ابتلاء کے وقت صبر اور تحمل پر موقوف ہے۔ اس سلسلہ میں اولاً جہاد مالی یعنی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر فرمایا اب اس کے بعد جہاد جانی کا ذکر فرماتے ہیں کہ جہاد مالی اور جانی سے مل کر دین قائم ہوتا ہے۔ (کذا فی البحر المحیط) چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اے مسلمانو! تم پر جہاد فرض کر دیا گیا اور تمہیں طبعاً ناگوار ہے۔ کیونکہ اس میں جان پر مشقت اور مال کا خرچ ہے اور شاید کوئی شے تم کو طبعاً ناگوار ہو اور فی الواقع وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور جہاد فی سبیل اللہ بھی اسی قسم میں داخل ہے اس لیے کہ جہاد سے اسلام کو فتح و غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوئی ہارج اور مزاحم باقی نہیں رہتا اور دنیاوی فائدہ حکومت کا حاصل ہونا اور مال غنیمت کا ملنا ہے اور آخری فائدہ شہادت کی نعمت سے بہرہ یاب ہونا اور شاید تم کو کوئی چیز طبعاً بھلی معلوم ہو اور فی الواقع تمہارے حق میں

وہ بُری ہو جیسے جہاد میں سُستی اور کاہلی جو ظاہر میں راحت معلوم ہوتی ہے مگر ترک کا انجام سوائے ذلت اور مال غنیمت اور ثواب سے محرومی کے اور کچھ نہیں اور تمہاری بھلائی اور بُرائی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم اپنی مصلحتوں اور مسفرتوں کو نہیں جانتے لہذا تم اپنی طبعی رغبت اور کراہت کا اتباع مت کرو بلکہ احکام خداوندی کا اتباع کرو اسی میں تمہارے لیے خیر اور بہتری ہے احادیث میں جہاد کو افضل الاعمال اور سنام الاسلام یعنی اسلام کا کوہان قرار دیا ہے اس لیے کہ جہاد اسلام کی اشاعت اور خلق اللہ کی ہدایت اور دین کی عزت اور رفعت کا سبب ہے اور مجاہد کی کوشش سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوں گے اُن کی حسنات اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

شان نزول

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ چار مہینوں یعنی ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم الحرام اور رجب میں باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور ان مہینوں میں کسی پر چڑھائی کرنے کو معیوب جانتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے دو ماہ پیشتر ماہ جمادی الاخریٰ ۳ میں اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کی ایک جماعت کو جس میں سوائے مہاجرین کے اور کوئی نہ تھا کافروں کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک والا نامہ لکھ کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب دودن کا سفر طے کر لو اس وقت اس خط کو کھولنا۔ اور اپنے ساتھیوں کو سنا دینا اور کسی پر زبردستی نہ کرنا عبداللہ بن جحشؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس طرف جاؤں آپؐ نے فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ۔ عبداللہ بن جحشؓ وہاں سے روانہ ہوئے اور دودن کا سفر طے کرنے کے بعد ایک منزل پر پڑاؤ کیا اور آپؐ کا والا نامہ کھولا تو اس میں یہ مضمون تھا۔

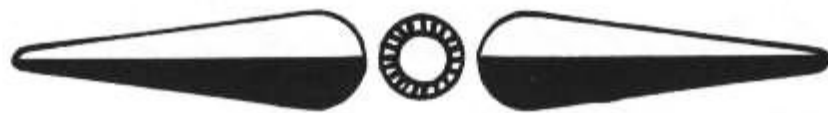
بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اما بعد فسر علی بركة الله	اما بعد اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ
بمن تبعك من اصحابك حتى	اپنے رفقاء کو لے کر چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ
تنزل بطن نخلة فترصد	جب مقام نخلہ پہنچو تو قریش کے تجارتی
بها عير قریش لعلك	قافلہ کا انتظار کرو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
ان تاتينا منه بخير.	ان کا مال تم کو عطا کرے اور پھر وہ مال
	تم ہمارے پاس لے آؤ۔

عبداللہ بن جحشؓ نے اس حکم نامہ کو پڑھتے ہی سمعاً و طاعتاً کہا اور اپنے ساتھیوں کو سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرما دیا تھا کہ کسی پر زبردستی نہ کروں۔ اب جس کو شہادت

کا شوق اور رغبت ہو وہ مسکے ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے وہ لوٹ جائے یہ سب دل و جان سے تعمیل ارشاد پر راضی ہو گئے اور ایک شخص بھی واپس ہونے کے لیے راضی نہ ہوا۔ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان جب مقام نخلہ میں جا کر اترے تو ابھی ٹھہرنے بھی نہ پائے تھے کہ اتنے میں قریش کا قافلہ دکھائی دیا جو طائف کی تجارت کا مال زیتون کا تیل اور کشمش اور چمڑے وغیرہ لے کر آ رہا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا۔ عمر بن الخطاب کو قتل کیا اور حکم بن کيسان اور عثمان بن عبد اللہ کو گرفتار کیا باقی لوگ بھاگ گئے۔ صحابہ کرام قیدیوں اور سامان کے اونٹوں کو لے کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ تاریخ یکم رجب الحرام تھی اور صحابہ کرام اس کو جمادی الثانیہ کی تیسویں تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر چاند انتیس کا ہو چکا تھا جس کا صحابہ کو علم نہ تھا اس لیے کفار نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ یہ لوگ شہر حرام میں بھی لڑتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر) لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک خاص طور پر ماہ حرام کا ارادہ کر کے قتال کرنا بے شک ایک اعظمیٰ ہے مگر مسلمانوں نے قصداً اور ارادۃً ایسا نہیں کیا بلکہ صحیح تاریخ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے یہ لغزش ہوئی مگر مشرکین کو اس اعتراض کا حق نہیں اس لیے کہ شہر حرام میں قتل و قتال بہت سے بہت گناہ کبیرہ ہے اور تم تو کفر اور شرک میں مبتلا ہو جو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا یعنی دین حق اور اسلام میں داخل ہونے سے ان کو روکنا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کرنا اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا کہ وہاں جا کر کوئی بیت اللہ کا طواف نہ کر سکے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی نہ کر سکے اور جو لوگ مسجد حرام کے واقعی اور حقیقی اہل اور مستحق تھے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان ان کو حرم اور مسجد حرام سے تنگ کر کے نکالنا سو یہ تمام حرکتیں شناعیت اور قباحت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر حرام میں بلا قصد قتال سرزد ہو جانے سے کہیں بڑھ کر ہیں اور فقط کفر اور شرک کا فتنہ اور فساد ہی قتل سے بڑھ کر ہے۔ پھر یہ کفار مسلمانوں کی ایک غلطی پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ غلطی سے درگزر کیا جاسکتا ہے مگر کفر و شرک کا جرم کسی طرح اور کسی وقت بھی قابل معافی نہیں اور یہ لوگ دین حق کی عداوت اور دشمنی میں اس درجہ پختہ ہیں کہ حق کے مٹانے کے لیے ہمیشہ تم سے برسرِ پیکار رہیں گے یہاں تک کہ خدا نخواستہ تم کو تمہارے اس پاک دین سے پھیر دیں اگر کچھ قابو پائیں اور دین اسلام سے کسی کو مرتد بنا دینا یہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس آیت میں دو اشارے ہیں ایک تو یہ کفار دین اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے۔ لہذا مسلمانوں کو متنبہ رہنا چاہیئے دوسرا اشارہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان کا قابو چلے گا نہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مرتد نہیں بنا سکیں گے۔ آئندہ آیت میں ارتداد کا انجام بیان فرماتے ہیں۔



انجام ارتداد

اور اے مسلمانو! تم پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ جو شخص تم میں سے دین اسلام سے پھر جائے گا اور اسی کفر کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے تمام عمل دنیا اور آخرت میں ضبط (ضائع) اور ضبط ہو جائیں گے۔ دنیا میں اعمال کے ضبط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی وجہ سے جو جان و مال محفوظ تھے وہ محفوظ نہ رہیں گے اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہو سکیں گے۔ اور آخرت میں ضبط ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی نیک عمل پر کوئی ثواب نہیں ملے گا اور یہ لوگ دوزخی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے۔

مسئلہ ۱۱ امام شافعی ر^۷ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مرجائے تب تو اس کے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور اگر مرتد ہونے کے بعد وہ مرنے سے پہلے تائب ہو گیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اس کے اعمال ضائع نہ ہوں گے کیونکہ اس آیت میں ضبط اعمال کے لیے دو چیزوں کا ذکر ہے ایک ارتداد یعنی وَمَنْ يَنْتَدِ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اور دوسرے موت علی الکفر یعنی فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ ضبط اعمال کے لیے ان دونوں باتوں کا پایا جانا شرط ہے امام ابو حنیفہ رحمہ فرماتے ہیں کہ محض ارتداد سے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ موت علی الکفر شرط نہیں بقولہ تعالیٰ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ وقولہ تعالیٰ لَنْ أَشْرَكَتَ لِيَحْبِطَنَّ عَمَلُكَ اور اس آیت میں جس طرح شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک ارتداد اور دوسرے موت علی الکفر اسی طرح جزاء کی جانب میں بھی دو چیزیں مذکور ہیں ایک ضبط اعمال فَاُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ اور دوسرے دخول النار فَاُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ اعمال تو محض مرتد ہونے سے ضبط ہو جاتے ہیں۔ اور جہنم میں جانے کے لیے موت علی الکفر شرط ہے۔ جس طرح شرط کے دو جز ہیں اسی طرح جزاء کے دو جز ہیں۔ جزاء کا پہلا جز شرط کے پہلے جز سے متعلق ہے اور جزاء کا دوسرا جز شرط کے دوسرے جز سے متعلق ہے۔

صحابہؓ کو جب یہ اطمینان ہو گیا کہ ہماری اس غلطی پر کوئی مواخذہ نہیں تو یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا ہمارے سفر جہاد میں شمار ہو گا اور کیا ہم کو اس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟ اس پر یہ آئندہ آیت نازل ہوئی یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْحَبْلِ الَّذِيْ فِيْ يَدَيْكَ وَارْتَمَوْا فِيْهِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا (اللہ کی رحمت اور عنایت کے امیدوار ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور مہربان ہیں۔ غلطی سے درگزر فرماتے ہیں اور ایسے مخلصین کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ مالِ غنیمت جو عبد اللہ بن جحشؓ لے کر آئے تھے ابھی تک وہ اسی

طرح وحی کے انتظار میں رکھا ہوا تھا آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نکال کر غنائین پر تقسیم کر دیا۔
 (۲) اشہر حرام میں قتل و قتال ابتداء میں ممنوع تھا۔ جمہور علماء کے نزدیک بعد میں مسدود (۲) وہ مانعت منسوخ ہو گئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ طَقُلُ فِيهِمَا إِثْمٌ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ ان میں گناہ

کبیر و منافع للناس و اثمهما اکبر

بڑا ہے، اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے

مِنْ تَفْعِيهِمَا ط

سے بڑا ہے۔

حکم پانزدہم متعلق بے شراب و قمار

قال تعالى: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ... الے... وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ تَفْعِيهِمَا
 (ربط) جس طرح خدا کی راہ میں جان و مال کا خرچ کرنا دین اور دنیا کی عزتوں کا سبب ہے (جیسا کہ پہلی آیتوں میں اس کا ذکر ہوا) اسی طرح شراب و کباب اور قمار یعنی جوئے میں مال کا خرچ کرنا دینی اور دنیاوی تباہی کا موجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ لوگ آپ سے شراب اور قمار یعنی جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں کے استعمال میں فقط ایک گناہ نہیں بلکہ ان کے اندر بہت سے بڑے بڑے گناہ مضمر اور پوشیدہ ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ معمولی فائدے بھی ہیں۔ اس لیے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا جائے یا نہ کیا جائے فائدہ اور منافع کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال جائز ہو اور مفاسد کا اقتضاء یہ ہے کہ استعمال ممنوع ہو آپ ان سے یہ اور فرمادیں کہ شراب اور قمار کا گناہ اور ضرر ان کے نفع اور فائدہ سے کہیں زیادہ ہے شراب اور قمار سے اول تو دنیا ہی میں بہت مضر تین لاحق ہوتی ہیں۔ شراب پی کر عقل جیسی بے مثال نعمت ہاتھ سے کھودینا اور بد مستیوں اور گالیوں میں مبتلا ہو جانا اور بغض و عداوت میں پڑ جانا ہے عرض

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں نے تو اٹم کبیر کا خیال کر کے شراب کو چھوڑ دیا اور بعض منافع الناس کی بناء پر پیتے رہے۔ ایک روز عبدالرحمن بن عوفؓ کے ہاں مہمان آگئے انہوں نے اُن کو شراب پلائی اور خود بھی پی جس سے نشہ ہوا اور مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ کسی نے اسی حالت میں عبدالرحمن بن عوفؓ کو امامت کے لیے آگے کر دیا۔ نماز میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنَعُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھا اور اخیر تک اسی طرح بغیر لا پڑھتے چلے گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سَكَارٰى يٰۤهٰذَا الَّذِيْ هُوَ لَكُمْ حٰرَمٌ وَّاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ فقط نماز کے وقتوں میں نشہ حرام کر دیا گیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں نے تو شراب کو بالکل چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ ایسی چیز میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں جو نماز سے روک دے اور بعض لوگ اوقاتِ صلوٰۃ کے علاوہ دوسرے وقتوں میں شراب پیتے رہے۔ کوئی عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیتا تو صبح کی نماز تک اس کا نشہ اُتر جاتا اور کوئی صبح کی نماز کے بعد پیتا تو ظہر کی نماز تک اس کا نشہ اُتر جاتا۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز عتبہ بن مالکؓ نے بہت سے آدمیوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد اس قدر شراب پی گئی کہ لوگ مست ہو گئے اور نشہ کی حالت میں ایک دوسرے کو مارنے اور گالیاں دینے لگے اور ایک دوسرے کی مذمت میں اشعار پڑھنے لگے یہاں تک کہ ایک انصاری نے اونٹ کا جبر اُٹے کر سعد بن ابی وقاصؓ کے سر پر مارا جس سے سعدؓ کا سر چھٹ گیا اس حال کو دیکھ

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں کوئی صاف اور واضح حکم نازل فرما۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی اِنْ شَاءَ الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْدُ لَا يُؤْمِرُكُمْ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ الْآيَاتِ یہ چوتھی آیت تھی جس میں صراحۃً شراب کی حرمت اور ممانعت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی ایک لخت شراب کے تمام ٹکے توڑ دیئے گئے۔ اور مدینہ کی گلی اور کوچوں میں شراب بھرنے لگی اور تمام مسلمان شراب سے فقط تائب ہی نہیں ہوئے بلکہ بیزار ہو گئے حدیث میں ہے کہ شراب تمام بے حیائیوں کی جڑ ہے۔ چوری اور زنا پر آمادہ کرتی ہے سورۃ مائدہ کی آیت میں جو حکم نازل ہوا وہ آخری حکم تھا۔ اس سے پہلے جس قدر احکام نازل ہوئے وہ سب منسوخ ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے شراب حرام ہو گئی۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ

اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں؟ تو کہہ جو افزودہ ہو اسی طرح

يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۹﴾

بیان کرتا اللہ تمہارے واسطے حکم شاید تم دھیان کرو

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حکم شانزدہم متعلق بمقدار انفاق^{۱۴}

قال تعالى: وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ الے فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط
(در ربط) گزشتہ آیت میں خمر اور میسر کی حرمت کا ذکر تھا۔ اب ارشاد فرماتے ہیں کہ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ سوتح سمجھ کر خرچ کرے دنیاوی حاجتوں کو پیش نظر رکھے۔ بندہ محتاج ہے بغیر دنیاوی ضرورتوں کے آخرت کا کام بھی نہیں کر سکتا۔ نیز بہت سی دینی حاجتیں یکایک پیش آجاتی ہیں اُن کا بھی خیال رکھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور آپؐ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں ہم کیا اور کتنا خرچ کریں آپؐ جواب میں کہہ دیجئے کہ آخرت کی اہمیت اور اس کے لازوال منافع کی عظمت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ سب کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو مگر وہ رحم الراحمین تم کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو۔

بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی دنیوی ضرورتوں اور حاجتوں سے جس قدر مال زائد اور فاضل ہو اتنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ تاکہ تم سارا مال دے کر پریشانی میں نہ پڑ جاؤ البتہ جو خدا کے ایسے عاشق ہیں کہ اُن کو سارا ہی مال فضول اور زائد نظر آتا ہے بلکہ مال کے نہ خرچ کرنے سے اُن کو پریشانی ہوتی ہے جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو ایسے لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایسے عاشق اس حکم میں داخل ہی نہیں ہ

موسیٰ آداب دانا دیگر اند سوختہ جانان رواناں دیگر اند
ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ اصحابِ صفہؓ میں سے ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے پاس سے ایک اشرفی نکلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر یہ فرمایا کہ دوزخ کی آگ کا ایک داغ ہے۔ بعد ازاں ایک اور شخص کا انتقال ہو گیا اس کے پاس سے دو اشرفیاں نکلیں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دو داغ ہیں (رواہ احمد والبیہقی) شرعاً ایک اشرفی اور دو اشرفی کا جمع کرنا حرام نہیں لیکن یہ دونوں حضرات اصحابِ صفہؓ میں تھے یعنی حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانقاہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح زاہدانہ اور درویشانہ زندگی گزاریں گے اور قوتِ لایموت سے زائد کچھ نہ رکھیں گے اس لیے اصحابِ صفہؓ کے لیے اجازت نہ تھی کہ وہ کوئی درہم دینار اپنے پاس رکھ سکیں۔ اس بناء پر یہ دونوں معتبور ہوئے۔ مسجد نبوی حضورؐ پر نورؐ کی درس گاہ تھی اور مسجد نبوی کے متصل جو ایک صفہ (چبوترہ) اصحابِ صفہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوایا تھا وہ حضورؐ پر نورؐ کی خانقاہ تھی جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے زاہد اور درویش رہتے تھے جن کی زندگی کا مقصد یہ تھا کہ کتنا ہی فقر و فاقہ گذرے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مجلس کی حاضری سے محروم نہ رہیں

بیک لحظہ زکوٰۃ یاد دہری در مذہب عاشقان حرام است

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے صاف صاف احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا کے بارے میں اور آخرت کے بارے میں خوب غور و فکر کر لو۔ دنیوی اور اخروی حقوق اور مصالح کو دیکھ لو اور اپنے احوال کو بھی دیکھ لو اور پھر شریعت جیسا حکم دے اس کے موافق خرچ کرو۔ تاکہ بعد میں پریشان اور پشیمان نہ ہو۔ اور یہ امر پیش نظر رکھو کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ فانی لذتوں کی بناء پر دائمی اور باقی لذتوں اور راحتوں کو نہ چھوڑ دینا۔

-:-

-:-

-:-

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحُهُمْ لَكُمْ خَيْرٌ

اور پوچھتے ہیں تجھ سے یتیموں کا حکم۔ تو کہہ سنو! ان کا بہتر ہے۔

وَإِنْ تَخَاطَبُوهُمْ فَأَخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور اگر خرچ بلا رکھوان کا تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ کو معلوم ہے

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ وَكَوْشَاءَ اللَّهِ لَاَعْنَتَكُمْ

خرابی کرنے والا اور سنوارنے والا اور اگر چاہتا اللہ تم پر مشکل ڈالتا۔

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔

حکم ہفدہم۔ مخالطت یتیم

قال تعالى: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ... اَللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
گزشتہ آیات میں جو احکام تھے یعنی ترک خمر و میسر اور انفاق حسب مصلحت۔ وہ خود ان کے اموال اور احوال کی اصلاح کے لیے تھے اب اس آیت میں دوسروں کی اصلاح کے احکام ذکر فرماتے ہیں یعنی یتیم جو کہ خود اپنی مصالح سے قاصر اور عاجز ہے تم اس کے مال میں جو بھی تصرف کرو اس میں یتیم کی صلاح اور مصلحت کو پیش نظر رکھو اور آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یتیموں کا خرچ علیحدہ رکھیں یا اپنے ساتھ رکھیں اگر یتیم کا کھانا علیحدہ پکائیں تو بوسا اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا ہے اور اس طرح یتیم کا نقصان ہوتا ہے اور اگر ساتھ ملا کر پکاتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ ہم زائد کھائیں اور یتیم کم۔ اور یتیم کا مال کھانا آگ کا کھانا ہے اس لیے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یتیموں کے مال کا کس طرح انتظام کریں تو آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یتیموں کی مصلحت اور خیر خواہی کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے۔ جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے مال کو بالکل علیحدہ رکھو اور نہایت احتیاط سے اس کا انتظام کرو۔ اور اگر خرچ میں ان کو شریک کرو اور شریک رکھنے ہی میں اُن کی بہتری اور خیر خواہی سمجھو تو کوئی حرج نہیں وہ تمہارے دینی اور نسبتی بھائی ہیں اور ایک بھائی دوسرے بھائی کی خیر خواہی اور امداد سے دریغ نہیں کرتا اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے مال سے کچھ نفع اٹھالے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور اکثر و بیشتر بھائی بھائی ملے جُملے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تباہ کار کو صلاح کار سے خوب جانتے ہیں کہ کس نے خیانت اور یتیم کا مال خراب کرنے کی نیت سے شرکت کی ہے اور کس نے یتیم کی مصلحت اور خیر خواہی کا قصد کیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور خرچ کو بلا جُملہ رکھنے کی اجازت نہ دیتا اور اگر بلا علم اور بلا قصد تم سے کوئی کمی بیشی ہو جاتی تو اس پر مواخذہ کرتا۔

لیکن اُس نے تم پر آسانی کی کہ شرکت اور مخالفت کی اجازت دے دی اور اللہ غالب ہے جو چاہے حکم دے خواہ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں اور بڑی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں اور کوئی حکم بندوں کو ایسا نہیں دیا جو اُن کے لیے مشقت اور دشواری کا باعث ہو۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا ۖ وَلَا مِمَّنْ طَّوْلًا مِّنْهُ مُؤْمِنَةٌ ۖ

اور نکاح میں نہ لاؤ مشرک والی عورتیں جب تک ایمان نہ لاویں اور البتہ لونڈی مسلمان

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ۖ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

بہتر ہے کسی مشرک والی سے اگرچہ تم کو خوش آوے اور نکاح نہ کر دو

الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا ۖ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

مشرک والوں کو جب تک ایمان نہ لاویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے کسی

مُشْرِكٍ ۚ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ

مشرک والے سے، اگرچہ تم کو خوش آوے۔ وہ لوگ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ

اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف، اپنے حکم سے اور بتاتا ہے

اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهٖمُ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اپنے حکم لوگوں کو، شاید وہ چوکس ہو جاویں۔

حکم ہشتادم مناکحت کفار

قال تعلی - وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ الے لَعَلَّهٖمُ يَتَذَكَّرُوْنَ ہ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں یتیموں کی مخالفت کا حکم بیان فرمایا۔ اس آیت میں مشرکین اور مشرکات کے ازدواجی اختلاط کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ ازدواجی تعلق کے لیے دینی اخوت ضروری ہے اور وہ ان میں مفقود ہے لہذا اہل شرک سے ازدواجی تعلق جائز نہیں۔ کافروں سے نکاحی اختلاط اور ازدواجی

تعلقات خمر اور میسر سے زیادہ مضر اور مہلک ہیں کافروں سے ازدواجی اور معاشرتی تعلق کے بعد نہ تو دین باقی رہتا ہے اور نہ اسلامی تمدن۔ چند روز کے بعد نہ اسلامی خصلتیں باقی رہتی ہیں اور نہ عادتیں۔ اپنی قومیت فنا کر کے دوسری قوم کا فرد بن جاتا ہے اور اسلامی تمدن کو حقیر سمجھنے لگتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور البتہ ایک مسلمان کنیز یعنی لونڈی اور باندی ایک مشرک عورت سے بدرجہا بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک عورت آزاد بھی ہو اور حسین و جمیل اور مال دار بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کی لازوال دولت کے مقابلہ میں کسی مال اور جمال کی کوئی حقیقت نہیں اگرچہ وہ مشرک عورت اپنے مال یا حسن و جمال یا حسن عادت کی بنا پر تم کو اچھی معلوم ہو اور علیٰ ہذا مسلمان عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایک غلام مسلمان ایک آزاد کافر سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ کافر مال و دولت یا عزت ووجاہت کی وجہ سے تم کو اچھا معلوم ہو۔ یہ مشرک لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی ایسے اقوال و افعال شرکیہ کی طرف بلاتے ہیں جو دوزخ میں لے جا کر ڈال دیں اور زن و شوئی کا تعلق اُن کی دعوت کی تاثیر کو قوی کرنے کا بہت بڑا سبب ہے اندیشہ ہے کہ اس تعلق کی بنا پر عقائد شرکیہ تم میں سرایت کر جائیں اور اسلام کی طرف سے تم کو شبہات میں ڈال دیں اور رفتہ رفتہ تم ہدایت اور گمراہی کو برا بر سمجھنے لگو۔ اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اپنے حکم سے اور لوگوں کے لیے اپنے احکام کو صاف اور واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور سمجھ لیں کہ غلام اور باندی کا تعلق جو جنت اور مغفرت کی طرف لے جائے اُس آزاد اور معزز کے تعلق سے کہیں بہتر ہے کہ جس کا تعلق جہنم کی طرف لے جائے۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی دعوت اور کافروں کی دعوت میں تضاد اور عداوت ہے خدا تعالیٰ سے اگر تعلق مقصود ہے تو اس کے دشمنوں سے ازدواجی تعلق نہ قائم کرو۔ اجتماع ضدین عقلاً بھی محال ہے۔ نیز مناکحت اور زوجیت کے لیے باہمی محبت اور موانست ضروری ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے اگر محبت نہ ہوئی تو زوجیت کا فائدہ کچھ نہ ہوا اور اگر محبت ہوئی اور کفر اور کافری اور شرک سے چشم پوشی کی گئی تو آخرت تباہ اور برباد ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے مناکحت کی قطعاً ممانعت کر دی۔

فوائد | اس آیت میں دو حکم ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان عورت کا کسی کافر مرد سے نکاح نہ کیا جائے یہ حکم اب بھی ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ مسلمان مرد کو کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں سو اس حکم میں ایک تخصیص ہے وہ یہ کہ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ وہ اہل کتاب حقیقتہً اہل کتاب ہوں۔ لہذا نہ اور دہریہ یا نہ عقائد نہ رکھتے ہوں اور بشرطیکہ اُس یہودی اور نصرانی عورت کے نکاح سے اس مسلمان مرد کے دین میں خلل آنے کا اندیشہ نہ ہو اس حکم کی تفصیل اور دلیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ مائدہ میں آئے گی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى لَا فَاعِلٌ لِّزَوَاجٍ

اور پوچھتے ہیں تم سے حکم حیض کا۔ تو کہہ وہ گندی ہے سو تم پر سے رہو

النِّسَاءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّىٰ

عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان سے جب تک

يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ

کہ پاک نہ ہوئیں پھر جب ستھرائی کر لیں تو جاؤ ان پاس جہاں سے

أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ

حکم دیا تم کو اللہ نے۔ اللہ کو خوش آتے ہیں تو بہ کرنے والے اور خوش

الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاءُكُمْ حَرَّتُمْ لَكُمْ فَأْتُوا

آتے ہیں ستھرائی والے عورتیں تمہاری، کھیتی ہیں تمہاری، سو جاؤ اپنی

حَرَّتُمْ أَنِي شِئْتُمْ وَقَدْ مَوَّأَ لَأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا

کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے

اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّلَقَوَةٌ وَبَشِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٣﴾

رہو اللہ سے، اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

حکم نوزدہم حرمت جماع در حالت حیض

قال تعالى۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ..... اے..... وَيَشِيرُ الْمُؤْمِنِينَ

(ربط) گزشتہ آیت میں نکاح کا حکم مذکور تھا۔ اس آیت میں حالت حیض میں جماع اور قربان کا حکم بیان کرتے ہیں۔ یہود میں یہ دستور تھا کہ آیام حیض میں عورت سے بالکل علیحدہ رہتے نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ پیتے بلکہ اس کو علیحدہ مکان میں رکھتے۔ اور اس کے برعکس نصاریٰ میں یہ دستور تھا کہ آیام حیض میں مخالطت تو درکنار مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے۔ مدینہ منورہ میں ہر قسم کے لوگ رہتے

تھے اس لیے صحابہ کرامؓ کو اس مسئلہ میں غلبان پیش آیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور لوگ آپؐ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ حالت حیض میں عورت کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے آپؐ کہہ دیجئے کہ حیض ایک گندگی اور ناپاکی ہے لہذا تم اُن سے اس حالت میں علیحدہ رہو یعنی اُن سے صحبت اور مجامعت نہ کرو باقی کھانے اور پینے اور ساتھ بیٹھنے میں کوئی پرہیز نہیں مقصود فقط گندگی سے علیحدہ رہنا ہے اور جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں اس وقت تک اُن سے قربان یعنی صحبت اور مجامعت نہ کرو پس جب وہ عورتیں اچھی طرح پاک ہو جائیں کہ ناپاکی کا شبہ بھی باقی نہ رہے تو پھر اُن سے مجامعت کرو مگر اس مقام سے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تم کو صحبت کرنے کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی جانب سے پیچھے کی جانب سے نہیں اور اگر غلطی سے ایام حیض میں صحبت کر لی ہے تو توبہ کر لو تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو گناہ گزر کرنے کے بعد توبہ کر لیتے ہیں اور جو لوگ سرے ہی سے گندگی سے پاک رہتے ہیں۔ ان سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ یعنی جو لوگ سرے ہی سے ناپاکیوں سے بچتے ہیں مثلاً ایام حیض میں صحبت سے پرہیز کرتے ہیں اور جس جگہ سے صحبت کی ممانعت ہے اس جگہ سے صحبت نہیں کرتے ایسے لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور آگے کی جانب سے تم کو صحبت کا حکم اس لیے دیا گیا کہ تمہاری عورتیں تمہارے لیے بمنزلہ کھیتوں کے ہیں۔ اُن کے رحم میں جو نطفہ ڈالا جاتا ہے وہ بمنزلہ تخم کے ہے اور بچہ بمنزلہ پیداوار کے ہے سو تم کو اختیار ہے کہ اپنی کھیتی میں جس طرح اور جس طرف سے چاہو آؤ بیٹھ کر یا لیٹ کر مگر بشرط یہ ہے کہ کھیتی سے باہر نہ جاؤ فقط حرث اور زرع (کھیتی) میں آنے کی تم کو اجازت دی گئی ہے۔ اور جو جگہ حرث (کھیتی) کے قابل نہیں یعنی پیچھے کی جانب اس جگہ میں تم کو جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں پیچھے کی جانب سے آنا یہ قوم لوط کا عمل ہے جس پر قہر خداوندی نازل ہوا۔ حدیث میں ہے۔

ملعون من اتى امرأة في دبرها (رواہ احمد و ابوداؤد)
ملعون ہے وہ شخص کہ جو عورت کی دبر میں دلی کرے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے حالت حیض میں دلی کی یا دبر کی جانب میں صحبت کی یا کسی کاہن اور نجومی کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اُس شخص نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ احکام کا کفر کیا۔ (رواہ الترمذی) شیعوں کے نزدیک بیوی سے اغلام درست ہے جو صریح قرآن کریم کے اس لفظ نسائکم حرث لکم کے خلاف ہے اس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے جیسے کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اغلام سے اولاد کا تولد ناممکن ہے۔ چنانچہ ترغیب نکاح کے بارہ میں جو حدیث نبوی مشہور ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ مکاش بکم الہم یعنی میں امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔ معلوم ہوا کہ ترغیب نکاح سے اولاد کی کثرت مطلوب ہے جس سے حضور پر نورؐ کو قیامت کے دن سامان افتخار ہاتھ آئے اور یہ یاد رکھو کہ تم کو صحبت کی اجازت

محض لذت کے لیے نہیں دی گئی بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس لذت کو ذریعہٴ آخرت بناؤ اور اپنے لیے آگے کی کچھ تدبیر کرو یعنی صحبت کے وقت اللہ کا نام لوتنا کہ اولاد شیطان کے اثر سے محفوظ رہے اور نیک اولاد کی نیت کرو تاکہ آخرت کی کھیتی بنے اور تمہارے لیے دعا اور استغفار کرے اور قیامت کے دن تمہارے کام آئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یعنی حالت حیض یا بے محل صحبت کرنے سے پرہیز کرو اور یقین رکھو کہ تم کو اللہ سے ملنا ہے ایک دن اس کے سامنے پیش ہونا ہے اور تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس روزِ تخم کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ بے وقت اور بے محل تو اس کو ضائع نہیں کر دیتا تھا اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجیئے کہ جنہوں نے اپنے تخم کو بروقت اور بر محل استعمال کیا اُن کو اس تخم کے ثمرات وہاں مل جائیں گے مطمئن رہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا

اور نہ ٹھہراؤ اللہ کو ہتھ کنڈا اپنی قسمیں کھانے کا کہ سلوک نہ کرو

وَتَتَّقُوا وَتَصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

اور پرہیزگاری اور صلح درمیان لوگوں کے اور اللہ سنتا

عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾ لَا يُوَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ

ہے جانتا۔ نہیں پکڑتا تم کو اللہ ناکاری قسموں پر تمہاری لیکن

يُوَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

پکڑتا ہے اس کام پر جو کرتے ہیں دل تمہارے۔ اور اللہ بخشتا ہے تحمل والا۔

حکم متعلق بہ احترام نام پاک خداوندِ انام

قال تعالیٰ۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ۔۔۔۔۔ اے۔۔۔۔۔ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

رابطہ گزشتہ آیت میں تقویٰ کا حکم مذکور تھا۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے نام پاک کا ادب اور احترام محفوظ رکھو اور بات بات میں اللہ تعالیٰ کی قسم نہ کھاؤ اور نہ دنیاوی اغراض اور منافع کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو استعمال کرو۔

یہ سب ادب کے خلاف ہے۔

شان نزول

عبداللہ بن رواحہؓ اور ان کے داماد بشیر بن نعمانؓ میں کسی بات پر کچھ تکرار ہوا۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے قسم کھائی کہ میں نہ تم سے ملوں گا اور نہ تم سے کلام کروں گا اور نہ تمہاری کسی بھلائی اور بُرائی میں دخل دوں گا۔ اس کے بعد عبداللہؓ سے جب کوئی اس بارے میں کوئی بات کرتا اور کچھ کہنا چاہتا تو یہ کہہ دیتے کہ میں نے اللہ کی قسم کھالی ہے اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کے لیے آڑ نہ بناؤ یعنی رشتہ داروں میں سلوک اور احسان کرنے کے لیے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا کام کرنے کے لیے اور لوگوں میں صلح کرانے کے لیے قسم کو بہانہ نہ بناؤ اور یہ نہ کہو کہ میں نے قسم کھالی ہے اس لیے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص نیک عمل کے چھوڑنے اور نہ کرنے پر قسم کھالے تو اس پر واجب ہے کہ وہ نیک کام کرے اور اس کا کفارہ دے۔ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز پر قسم کھالے خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اس پر قائم رہنا چاہیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور بتلادیا کہ قسم کی وجہ سے نیک کام کو نہ چھوڑو اور ایسی حالت میں قسم کو توڑ کر کفارہ دے دو اور نیک کام کرو۔ تاکہ تم کو کارِ خیر کا اجر حاصل ہو اور ایسی قسم کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ تمہارے عذر کو سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے کہ تمہاری نیت اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی نہ تھی محض تعمیل حکم اور نیکی کرنے کے لیے قسم کو توڑا ہے اور بصد ہزار ندامت و پشیمانی اس کی تلافی کے لیے کفارہ ادا کیا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں کو سننا ہے اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے کہ کس نیت سے قسم کھائی ہے۔ تمہارا لفظ اور قصد کوئی بھی اس سے مخفی نہیں لہذا قسم کھاتے وقت لفظوں میں احتیاط رکھو اور نیت اور ارادہ کرنے میں بھی احتیاط رکھو اور قسم کے متعلق ہمارا یہ ضابطہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے اُن قسموں پر مواخذہ اور گرفت نہ کریں گے جو بلا قصد و ارادہ تمہاری زبان سے نکل گئی ہیں یا قصد اور ارادہ تو تھا مگر تم اس کو اپنے گمان میں راست اور صحیح سمجھتے تھے۔ ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ گناہ لیکن اللہ تعالیٰ تم سے اُن قسموں پر آخرت میں مواخذہ فرمائیں گے کہ جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے اور معصیت کرنے کا قصد اور ارادہ کیا ہے یا اُس قسم کو کسی بُر اور تقویٰ سے علیحدہ رہنے کا ذریعہ اور بہانہ بنایا ہے اور اللہ بخشنے والا ہے کہ یمین لغو پر مواخذہ نہیں فرماتا اور بُرا حلیم اور بردبار ہے کہ باوجود بالقصد والا ارادہ جھوٹی قسم کھانے کے مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید توبہ کر لے۔ توبہ کے لیے مہلت دیتے ہیں۔

عے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ یمین لغو کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”یعنی لا واللہ وبلی واللہ بغیر قصد گوید یا غلط دانستہ سو گند خورد علی اختلاف المذہبین۔ واللہ اعلم۔“

فائدہ (۱) یمن یعنی قسم کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یمن لغو ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یمن لغو کے معنی یہ ہیں کہ جو قسم انسان کی زبان سے بلا قصد اور ارادہ نکل جائے جیسے عرب میں لا واللہ، اور بلی واللہ تکیہ کلام تھا۔ ایسی قسم میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یمن لغو وہ ہے کہ کسی گزشتہ چیز کو سچ سمجھ کر قسم کھالے اور واقع میں اس کے خلاف ہو لیکن اس نے اپنے گمان میں اس کو سچ سمجھ کر قسم کھالی ایسی قسم میں نہ کفارہ ہے اور نہ کوئی گناہ۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس میں ارادہ ہو اگر وہ نفس الامر کے خلاف ہو تو اس میں کفارہ واجب ہوگا۔ اگرچہ قسم کھانے والے کے گمان میں وہ واقع اور نفس الامر کے مطابق ہو۔

دوسری قسم یمن غموس ہے وہ یہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر قصداً جھوٹی قسم کھائے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اس قسم کی قسم پر حسب ارشاد باری وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ گناہ ہے جس کا علاج توبہ اور استغفار ہے۔ دنیا میں اس پر کوئی کفارہ نہیں اس لیے کہ کسی گزشتہ امر پر دیدہ و دانستہ قسم کھانا جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنے پر گناہ ہوتا ہے کفارہ نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمن غموس میں کفارہ واجب ہے کیونکہ سورہ مائدہ میں بجائے بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ کے بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ کا لفظ آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ اور مَا عَقَّدْتُمُ ایک ہی معنی مراد ہیں اور سورہ مائدہ میں کفارہ صراحۃً مذکور ہے معلوم ہوا کہ مواخذہ سے مراد کفارہ دینا ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُم میں اخروی مواخذہ مراد ہے یعنی دیدہ و دانستہ جھوٹ بولنے پر عذاب دینا مراد ہے کفارہ مراد نہیں۔

تیسری قسم یمن منعقدہ ہے یعنی آئندہ فعل کے متعلق قصداً قسم کھائے کہ کروں گا یا نہیں کروں گا ایسی قسم کے توڑنے پر بالاتفاق کفارہ واجب ہوتا ہے اور سورہ مائدہ میں وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُم بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ الْفَقِيرِ سے یہی یمن منعقدہ مراد ہے کہ جو آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھائی جائے اور اس زیر تفسیر آیت یعنی وَلَٰكِنْ يُّؤْخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ میں اسی قسم یعنی فعل آئندہ پر قسم کھانے کا حکم مذکور ہے کہ اگر تم آئندہ کے متعلق کسی گناہ اور خلافِ برّ اور خلافِ تقویٰ کام کی قسم کھا بیٹھے ہو کہ واللہ اپنے باپ سے یا رشتہ دار سے بات نہ کروں گا تو تم کو لازم ہے کہ ایسی قسم کو توڑو اور کفارہ دو جیسا کہ اس آیت کا شان نزول اس معنی کا شاہد عدل ہے لیکن اس آیت میں فقط اخروی مواخذہ کا ذکر ہے دنیاوی مواخذہ (یعنی کفارہ) کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔

اور سورہ نور کی اس آیت وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمُسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ میں بھی اسی قسم کی قسم کا ذکر ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی تھی کہ میں مسطح کو خراج نہ دوں گا اس کے بارے میں یہ آیت نازل

ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح کا وظیفہ دو چند کر دیا۔
ف (۲) اس آیت یعنی لَا يُؤْخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ مِمَّا فِيهَا غَمُوسٌ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ
 الْكَافِرِينَ يَكْتُمُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا الْآیۃ اس آیت میں یمن غموس
 پر اُخروی مواخذہ کا ذکر ہے دنیوی مواخذہ یعنی کفارہ کا ذکر نہیں اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک
 یمن غموس کی حقیقت جھوٹ اور افتراء ہے جو اعلیٰ درجہ کا گناہ کبیرہ ہے جس میں توبہ اور استغفار
 واجب ہے مگر کفارہ نہیں۔ اور علیٰ ہذا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ
 میں بھی یمن غموس کی طرف اشارہ ہے۔

ف (۳) اس آیت میں حق جل شانہ نے لَا يُؤْخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ
 کو وَلَكِنْ يُؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے
 اور کسب قلب سے بالا جماع کذب اور معصیت کا ارادہ مراد ہے معلوم ہوا کہ یمن لغو جو بِمَا كَسَبْتُمْ
 قُلُوبُكُمْ کے مقابلہ میں مذکور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس یمن میں کذب اور جھوٹ کا ارادہ
 نہ ہو بلکہ اپنے گمان میں سچ سمجھ کر قسم کھائی ہو وہ یمن لغو ہے جس میں کوئی مواخذہ نہیں نہ گناہ اور نہ
 کفارہ۔ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور ابوالہیثم نخعیؒ سے یمن لغو کی یہی تفسیر منقول ہے ادریہی
 امام اعظم ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ تفصیل کے لیے احکام القرآن للجصاص ص ۳۵۵ کی مراجعت کی جائے۔



لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ

جو لوگ قسم کھا رہتے ہیں اپنی عورتوں سے ان کو فرصت ہے چار مہینے۔

فَإِنْ فَاءُ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۲۶) وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

پھر اگر بل گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر ٹھہرایا رخصت کرنا

فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۲۷)

تو اللہ سنتا ہے جانتا۔

حکم سبست ویکم۔ ایلاء

قال تعالى: لِلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِسَائِهِمْ... الے... فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (رابطہ) گزشتہ آیات میں کچھ احکام عورتوں کے متعلق مذکور ہوئے اور کچھ احکام یمین یعنی قسم کے متعلق مذکور ہوئے۔ آئندہ آیت میں ایک خاص قسم کی یمین یعنی خاص قسم کی قسم کا ذکر فرماتے ہیں جو عورتوں سے متعلق ہے یعنی ”ایلاء“ اس میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ یا یوں کہو کہ ایلاء ایک خاص قسم کی یمین ہے جس کے احکام علیحدہ ہیں۔ اس لیے ایلاء کا حکم علیحدہ بیان فرمایا۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ اگر بڑ اور تقویٰ اور اصلاح کرنے کے لیے قسم کو توڑا جائے اور کفارہ ادا کر دیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں۔ اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایلاء کو سمجھو کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا یعنی یہ قسم کھائی کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا تو اگر اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے دے تو نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں یعنی یہ قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم ان سے صحبت نہ کریں گے ایسے لوگوں کے لیے چار مہینے کا انتظار لازم ہے بس اگر ان چار مہینے کے اندر اپنی قسم کو توڑ کر یہ لوگ اپنی عورتوں کی طرف رجوع کریں یعنی ان سے صحبت اور مجامعت کریں اور اس طرح اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دیدیں تو ان کا نکاح باقی رہے گا اور اللہ تعالیٰ قسم کے توڑنے اور عورت کو تکلیف پہنچانے کے تصور کو معاف کر دیں گے اور آئندہ کے لیے حقوق زوجیت ادا کرنے کی نیت کر لینے کی وجہ سے اس پر رحمت اور مہربانی فرمائیں گے اور اگر ان لوگوں نے قطع تعلق ہی کی ٹھان لی ہے اس لیے اس نے چار مہینے کے اندر رجوع نہیں کیا اور اسی طرح اپنی قسم پر قائم رہا تو چار ماہ گزرتے ہی اس پر طلاق پڑ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سنبھالے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں اس لیے اس کے مناسب یہ حکم دیا۔

ف (۱) عرب کا یہ دستور تھا کہ جب بیوی سے خفا ہوتے تو یہ قسم کھا لیتے کہ میں اب تیرے پاس نہ آؤں گا جاہلیت میں عورت کے ستانے کا یہ ایک طریق تھا اس سے نہ عورت بیوہ ہوتی اور نہ خاوند والی شریعت اسلامیہ نے اس کی ایک حد اور مدت معین کر دی۔ یعنی چار ماہ۔ اگر اس مدت میں رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا۔ اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا تو طلاق بائن پڑ جائے گی۔

ف (۲) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر ایلاء کرنے والا چار ماہ گزرنے کے بعد فوراً رجوع کرے تو وہ رجوع معتبر ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ پر فرطے

ہیں کہ اگر چار مہینے کے اندر اندر رجوع کرے تو معتبر ہے چار ماہ گزر جانے کے بعد رجوع کا اعتبار نہیں۔ اس لیے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں **فَإِنْ فَاءٌ وَافِيْهِنَّ** آیا ہے یعنی ان چار مہینے کے اندر رجوع کریں۔ اور یہ قراءۃ اگرچہ متواتر نہیں لیکن امام اعظمؒ کے نزدیک اگر قرأت شاذہ قرأت متواترہ کے معارض نہ ہو بلکہ اس کی مفسر اور شارح ہو تو وہ بھی حجت اور واجب العمل ہے۔ اور تعارض اس کو کہتے ہیں کہ جہاں دونوں کا جمع ہونا ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ **فَإِنْ فَاءٌ وَافِيْهِنَّ** کی قرأت **فَإِنْ فَاءٌ وَافِيْهِنَّ** کے منافی نہیں بلکہ اس کی تفسیر اور بیان ہے۔

ف (۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑتی۔ چار ماہ گزر جانے کے بعد قسم کھانے والا یا تو طلاق دے یا رجوع کرے طلاق کا پڑنا اس کے طلاق دینے پر موقوف ہے اور اگر نہ طلاق دے اور نہ رجوع کرے بلکہ سکوت کرے تو حاکم اس سے زبردستی طلاق دلائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر چار مہینے بلا رجوع کے گزر گئے تو اس پر طلاق پڑ جائے گی۔

ف (۴) شریعت میں ایلا اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو شخص یہ قسم کھائے کہ چار مہینے یا چار ماہ سے زائد یا بلا تعین مدت اپنی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اور اگر چار مہینے سے کم کے لیے قسم کھائی تو وہ ایلاء شرعی نہ ہوگا۔ اول کی تین صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر رجوع کر لیا تو نکاح باقی رہے گا اور کفارہ قسم دینا پڑے گا۔ اور اگر چار مہینے بلا رجوع کے گزر گئے تو طلاق بائن ہو جائے گی اب رجوع درست نہیں۔ البتہ جدید نکاح بدون حلالہ کے جائز ہے اور ایلا کی آخری صورت یعنی چار مہینے سے کم کے لیے اگر قسم کھائی ہے مثلاً تین مہینے کے لیے قسم کھائی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو کفارہ قسم دینا ہوگا اور نکاح باقی رہے گا اور اگر اپنی قسم کو پورا کیا یعنی تین ماہ کے اندر عورت کے پاس نہیں گیا تو تب بھی نکاح باقی رہے گا اور نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ کفارہ لازم ہوگا۔

ف (۵) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رجوع کے لیے فقط اتنا کافی ہے کہ میں نے رجوع کر لیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بلا دلی کے رجوع نہیں ہوتا۔



وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط

اور طلاق والی عورتیں انتظار کر وائیں اپنے تئیں تین حیض تک۔

وَلَا يَحِلُّ لِهِنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِيَّ

اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان

أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

کے پیٹ میں، اگر ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ

اور ان کے خاوندوں کو پہنچتا ہے پھیر لینا اُن کا اتنی دیر میں اگر

أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ

چاہیں صلح کرنی اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان پر حق ہے

بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ

موافق دستور کے اور مردوں کو ان پر درجہ ہے اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ

نزدہ دست ہے تدبیر والا۔

حکم لست دوم و سوم = عِدَّتِ طَلَاقُ مَدَّتِ رَجْعَتِ

قال تعالى وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ... الخ... واللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
(ربط) ایلام میں ایک محدود مدت یعنی چار مہینے کے لیے عورت سے علیحدگی ہوتی ہے اور طلاق
میں غیر محدود مدت کے لیے علیحدگی ہوتی ہے اس لیے محدود اور محصور (یعنی ایلام) کے بعد غیر محدود اور
غیر محصور (یعنی طلاق) کا ذکر مناسب ہوا۔ نیز ایلام میں بعض مرتبہ عزم یعنی ارادہ رجوع کا ہوتا ہے۔
اس لیے ان آیات میں طلاق کے ساتھ رجعت کے احکام بھی بیان فرمائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
اور طلاق والی عورتیں جن پر کسی طرح سے طلاق پڑ چکی ہے خواہ بذریعہ ایلام کے یا کسی اور طریقہ سے
ان کو چاہیے کہ تین حیض کے گزرنے کا انتظار کریں یعنی جب تک یہ تین حیض نہ گزر جائیں اس وقت
تک کسی دوسری جگہ نکاح نہ کریں تاکہ اگر حمل ہو تو معلوم ہو جائے اور دوسرے کی اولاد اس کے ساتھ
مخلوط نہ ہو جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان طلاق والی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو پوشیدہ
رکھیں جو اللہ نے اُن کے رحموں میں پیدا کیا ہے یعنی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے حیض یا حمل

کو چھپائیں کہ کسی طرح عدت جلدی پوری ہو جائے یا شوہر کو طلاق رجعی میں رجعت کا حق باقی نہ رہے۔ غرض یہ کہ عورتوں کے لیے اپنے حمل یا حیض کو چھپانا جائز نہیں اگر وہ حقیقۃً اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ایمان خیانت کی اجازت نہیں دیتا اور طلاق رجعی کی صورت میں ان کے شوہر ان کو اپنی زوجیت میں واپس لانے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ خواہ یہ عورتیں رضامند ہوں یا ناراض۔ مگر یہ یاد رہے کہ شوہروں کو طلاق دینے کے بعد رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی ہے کہ ان کا مقصود اس رجعت سے اصلاح اور خیر خواہی ہو جاہلیت کی طرح عورتوں کو ستانا اور پریشان کرنا مقصود نہ ہو یا اس طریق سے مہر کا معاف کرنا منظور نہ ہو۔ ستانے کی نیت سے رجعت اگرچہ صحیح ہے لیکن اس نیت سے رجعت کرنا گناہ ہے اور باعث سزا ہے۔ اِنْ اَرَادُوْا اَصْلَاحًا فَاٰتُوْا بِہَا مِثْلَ مَا کَانَ لَہَا۔ اور شرط اجازت خداوندی کی شرط ہے صحت رجعت کی شرط نہیں۔ رجعت ہر حال میں صحیح ہے مگر من جانب اللہ رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ نیت خیر خواہی اور اصلاح کی ہو اور اصلاح اور خیر خواہی اُس وقت مکمل ہوگی کہ جب ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے کیونکہ عورتوں کا بھی مردوں پر حق ہے جیسا کہ اُن پر مردوں کا حق ہے۔ دستور کے مطابق لیکن حقوق میں مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اس لیے رجعت کا حق اور اختیار مردوں کو عطا کیا عورتوں کو نہیں دیا اور اللہ غالب ہے مظلوم کا ظالم سے بدلہ لینے پر قادر ہے پس اگر کوئی عورت پر ظلم کرے گا تو اس سے بدلہ لے گا۔ اور بڑی حکمتوں والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ حکمت اور مصلحت اسی میں ہے کہ طلاق اور رجعت کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھ میں رہے۔ عورتیں کچھ تو کم عقل ہیں اور کچھ جلد بازہ اور بے صبری ہیں ان کے ہاتھ میں اگر طلاق اور رجعت کا اختیار دیدیا جاتا تو ہر شہر میں روزانہ ہزار طلاقیں پڑا کرتیں۔ اور پھر جب طلاق دینے کے بعد کچھ ہوش آتا اور اپنا اور اپنے بچوں کا انجام نظروں کے سامنے آتا تو سرپیٹتیں اور روتیں۔ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا لاکھ شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ اختیار نہیں دیا کیونکہ یہ اختیار اُن کی تباہی کا باعث ہوتا۔ بچوں اور عورتوں کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کو اختیار نہ دیا جائے۔

(۱) آیت میں لفظ مطلقات اگرچہ عام ہے مگر یہاں مطلقات سے وہ خاص عورتیں مراد ہیں کہ جو آزاد ہوں۔ لونڈی اور باندی نہ ہوں اور اُن کو حیض بھی آتا ہو۔ نا بالغ یا حاملہ نہ ہوں۔ اور اُن سے صحبت یا خلوت صحیح بھی ہو چکی ہو جن عورتوں میں یہ صفات پائی جائیں اُن کی عدت تین حیض ہے اور اگر آزاد نہ ہوں بلکہ لونڈی اور باندی ہوں تو اُن کی عدت دو حیض ہے اور ان کی طلاقیں بھی دو ہیں۔ اور اگر مطلقہ صغیر السن ہو یا بہت بوڑھی ہو گئی کہ حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر صحبت یا خلوت صحیح

سے پہلے ہی اس کو طلاق دے دی گئی تو اس پر عدت نہیں۔

ف (۲) لفظ قُرْءٌ اضداد میں سے ہے باتفاق ائمہ لغت حیض اور طہر دونوں پر بولا جاتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں قُرْء سے طہر کے معنی مراد ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں قُرْء سے حیض کے معنی مراد ہیں۔ خلفاء راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ قُرْء سے حیض کے معنی مراد ہیں (تفسیر ابن کثیر) نیز عدت کی مشروعیت سے غرض یہ ہے کہ رحم کا بچہ سے خالی ہونا معلوم ہو جائے اور یہ بات حیض ہی سے معلوم ہو سکتی ہے طہر سے معلوم نہیں ہو سکتی۔

ف (۳) وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ سے صاف ظاہر ہے کہ مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے اور جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات پر تقریریں کرتے ہیں وہ بے علم ہیں اور بے عقل بھی۔ اور جن پر نفسانی شہوتوں کا غلبہ ہے اُن کے نزدیک عورت کا درجہ مرد سے بڑھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ عقل اور ہدایت دے۔ آمین

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَإِمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ

طلاق ہے دو بار تک پھر رکھنا موافق دستور کے یا رخصت کرنا

بِإِحْسَانٍ ط

نیکی سے

حکم بست و چہارم عد طلاق زوجی

قال تعالیٰ۔ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ۔۔۔۔۔ الے۔۔۔۔۔ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ط
(رابطہ) گزشتہ آیت میں مرد کے لیے حق رجعت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ رجعت کا حق کب تک رہتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے وہ دو مرتبہ ہے۔ پھر دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد تم کو دو اختیار ہیں یا تو دستور اور حسن اسلوب کے ساتھ روک لو یعنی رجعت کر کے اُس کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور یا حسن اسلوب کے ساتھ اس کو چھوڑ دو کہ اس کی عدت گزر جائے اور جہاں چاہے وہ نکاح کر لے تم اس میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔



وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا

اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں کو، مگر کہ

إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ

وہ دونوں ڈریں، کہ نہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے۔ پھر اگر تم لوگ ڈرو

أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ

کہ وہ نہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے، تو نہیں گناہ دونوں پر جو بدلہ دے

بِهِ طِلْكَ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوا هَآءِهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ

کر چھوٹے عورت یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے سو اُن سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی بڑھ

حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾

چلے اللہ کے قاعدوں سے، سو وہی لوگ ہیں گنہگار۔

حکم بست و پنجسم: خلع

قال تعالى۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا بِمَا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا... اَلْ... فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔
(ربط، گزشتہ آیت میں طلاق کا ذکر فرمایا۔ اب اس آیت میں خلع کا ذکر فرماتے ہیں جو ایک قسم کی طلاق ہے یا طلاق کی طرح ایک قسم کا فسخ نکاح ہے۔ نیز گزشتہ آیت میں تشریح باحسان کا حکم تھا اب اس آیت میں یہ اندش دفرماتے ہیں کہ اگر بیوی سے خلع کی نوبت آئے تو اس کو حسن سلوک اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو۔ یعنی مہر وغیرہ جو کچھ اُس کو دے چکے ہو وہ اُس سے واپس نہ لو۔ دیئے ہوئے کو واپس لینا تشریح باحسان کے خلاف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ بیبیوں سے چھوڑنے کے وقت اُن سے اس مال میں سے کوئی شے واپس لو جو تم اُن کو نکاح کی حالت میں دے چکے ہو مگر جب کہ میاں بیوی دونوں کو یہ خوف ہو کہ ہم اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی آپس میں حقوق زوجیت نہ ادا کر سکیں گے تو ایسی صورت میں اگر مرد عورت سے کچھ مال لے کر اس کو چھوڑ دے اور عورت مال دے کر اپنے آپ کو اس کے نکاح سے چھڑا لے تو کوئی گناہ نہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُس کو خلع کہتے ہیں۔ سو اگر تم کو اندیشہ ہو کہ میاں اور بیوی باہمی

منافرت اور کمدرت کے باعث حقوق زوجیت کے بارے میں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت کچھ فدیہ یعنی بدلہ دے کر نکاح سے اپنا بچھا چھڑا لے تاکہ دونوں گناہ سے بچ جائیں ایسی صورت میں عورت کے لیے مال کا دینا اور مرد کے لیے مال کا لینا جائز ہے بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں پس ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ سراسر ظالم ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ثابت بن قیسؓ کی بیوی ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیسؓ کے دین اور اخلاق اور عادات پر کوئی عیب نہیں لگاتی مگر میں اور وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ میں نے برقع اٹھا کر بہت سے لوگوں میں ان کو آتے ہوئے دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ قام اور پست قد اور بد صورت ثابتؓ ہی نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو جو اس نے تم کو دیا ہے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیسؓ کو بلایا اور فرمایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دے دو اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ اسلام میں پہلا خلع تھا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ

پھر اگر اس کو طلاق دے تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح

زَوْجًا غَيْرَهُ ۖ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا پھر اگر وہ شخص اس کو طلاق دے، تب گناہ نہیں

يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ وَ

ان دونوں پر کہ پھر مل جاویں اگر خیال رکھیں کہ ٹھیک رکھیں گے قاعدے اللہ کے اور

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

یہ دستور باندھے ہیں اللہ کے، بیان کرتا ہے واسطے جاننے والوں کے۔

حکم بست و ششم۔ حلالہ در طلاق ثالث

قال تعالى: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ... إلخ... لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں دو طلاق کا حکم بیان فرمایا یعنی دو طلاق کے بعد تم کو امساک بمعروف اور تسریح باحسان کا اختیار ہے۔ اب اس آیت میں تیسری طلاق کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ تیسری طلاق کے بعد تم کو رجعت وغیرہ کا کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہتا بدون حلالہ کے تمہاری طرف واپس نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس اگر دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدے تو اس عورت کا تعلق اس سے بالکلیہ منقطع ہو جائے گا اس لیے کہ دو طلاق کے بعد تو رجعت کا امکان تھا اور جب تیسری طلاق بھی دے دی تو اب رجعت کا کوئی موقع نہیں رہا طلاق کی وضع ہی مفارقت اور انقطاع کے لیے ہے تیسری طلاق سے نکاح کی حلت بالکلیہ ختم ہو گئی اور یہ عورت اس کے لیے بالکل حلال نہ رہے گی۔ اب اس عورت سے نہ رجعت صحیح ہے اور نہ نکاح جدید یہاں تک کہ یہ عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر اگر یہ دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اس کو طلاق دے دے اور عدت بھی گزر جائے تو پھر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عورت اور پہلا شوہر جدید نکاح کر کے بدستور سابقہ حالت کی طرف لوٹ جائیں اور زن و شوئی کے تعلقات قائم کر لیں۔ بشرطیکہ دونوں کو گمان غالب ہو کہ ہم اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے اس لیے کہ آئندہ امور کے متعلق جزم اور یقین کا حاصل ہونا نہایت مشکل ہے اس لیے کہ غیب کا علم کسی کو نہیں کہ آئندہ کیا ہوگا اور یہ یعنی تیسری طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرنا اور پھر اس کا ہم بستری کے بعد طلاق دینا اور پھر شوہر اول اور عورت کا یہ گمان غالب ہونا کہ ہم دوبارہ نکاح کے بعد ایک دوسرے کے حقوق زوجیت میں کمی کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے۔ غرض یہ کہ یہ امور اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں جن سے تجاوز اور انحراف جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حدود اور احکام کو ایسے لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم اور فہم رکھتے ہیں اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ تیسری طلاق سے زوجیت اور محبت کا تعلق بالکل منقطع ہو جاتا ہے اور محبت اور موانست مبدل بکراہت و منافرت ہو جاتی ہے اس لیے اس کراہت و منافرت کے ازالہ کے لیے یہ ضروری ہوا کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس کی لذت چکھنے کے بعد اگر طلاق ہو جائے تو پھر شوہر اول سے تعلق کی تجدید ہو سکتی ہے۔

فائدہ | آیت قرآنیہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا خواہ وہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا اکٹھی دی ہوں۔ تمام صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ مجتمعاً اور خواہ متفرقاً

علاہ طلاق رجعی میں رجعت ہو سکتی ہے اور طلاق بائن میں اسی شوہر سے تجدید نکاح ہو سکتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد اسی شوہر سے تجدید نکاح بھی جائز نہیں جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کو طلاق دے تب شوہر اول سے تجدید نکاح ہو سکتا ہے ۱۳

وہ واقع اور لازم سمجھی جائیں گی۔ صرف بعض اہل ظاہر اور بعض حنبلیوں کا قول ہے کہ تین طلاق دینے سے ایک طلاق پڑتی ہے اور شیعوں کے نزدیک تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ اور داؤد ظاہریؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ دفعۃً تین طلاق دینے سے ایک طلاق بھی نہیں پڑتی۔ (کما سیاتی فی کلام القرطبی) امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہ جن کی تقلید اور اتباع پر (سوائے چند ظاہرین اور خود رائے لوگوں کے) امت محمدیہ کے علماء اور فقہاء اور محدثین اور مفسرین متفق ہیں اُن کا متفقہ اور اجماعی فتویٰ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اور اسی کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اختیار فرمایا جس کے لیے صحیح بخاری میں ایک خاص باب منعقد فرمایا۔

”باب من اجاز الطلاق الثلاث“ بقولہ تعالیٰ الطَّلَاقُ مَرَّتَیْنِ الْاِیَۃ۔

قال الامام القرطبی اتفق ائمة الفتوی علی لزوم ایقاع الطلاق فی کلمۃ واحدة وهو قول جمهور السلف وشذ طائوس وبعض اهل الظاہرالی ان طلاق الثلاث فی کلمۃ واحدة یقع واحدة ویرد علی هذا عن محمد بن اسحاق وحجاج بن ارطاة وقیل عنہما لا یلزم منہ شیء وهو قول مقاتل۔ ویحکی عن داؤد انه لا یقع وجمهور السلف والائمة انه لازم واقع ثلاثا ولا فرق بین ان یوقۃ ثلاثا مجتمعۃ فی کلمۃ او متفرقة فی کلمات الخ ص ۱۲۹ وقال فی ص ۱۲۸ وترجم البخاری علی هذه الایۃ باب من اجاز الطلاق الثلاث بقولہ تعالیٰ الطلاق مرثین فامسالك بمعروف وتسریح باحسان۔ وهذا اشارة منه الى ان هذا التعدید انما هو فسخة لهم فمن ضیق علی نفسه لزومه۔ اھ

بعد ازاں امام قرطبیؒ نے ان تمام شبہات کا جواب دیا کہ جو لوگ تین طلاق کو ایک طلاق بنانے کے لیے پیش کرتے ہیں حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تمام فقہاء صحابہؓ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی اور جو اس کے خلاف کرے گا اُس پر دُرے پڑیں گے اور سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے تفصیل کے لیے بخاری شریف اور ہدایہ کی شرح کی مراجعت کی جائے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ تین طلاق کے بارہ میں کتاب و سنت اور اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہؓ کا اتباع کریں اس زمانہ کے چند مدعیان عمل بالحدیث کے کہنے سے حرام کے مرتکب نہ ہوں اور اپنے نسب کو خراب نہ کریں جو شخص اجماع صحابہ کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت سے نہیں۔



حدیث ابن عباسؓ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمرؓ کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں پھر حضرت عمرؓ نے تین طلاقیں جاری کر دیں بعض ظاہر پرست اس روایت کو دیکھ کر اس طرف چلے گئے کہ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت سے تین طلاق کو تین طلاق قرار دے دیا تھا ابن تیمیہ حنبلیؒ اور ان کے شاگرد ابن قیم حنبلیؒ اپنے امام احمد بن حنبلؒ کے برخلاف اور تمام صحابہؓ و تابعینؒ کے اجماع کے برخلاف اور ائمہ مجتہدین کے برخلاف اور تمام اہل سنت والجماعت کے برخلاف شذوذ اور تفرد میں مبتلا ہوئے اور شیعوں کی طرح تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے قائل ہوئے۔ اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور تین طلاق سے عورت مغلفہ بائنہ ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے شیخ تقی الدین سبکیؒ اور عز بن جماعہؒ وغیرہما نے ابن تیمیہؒ کا رد کیا جو ابن تیمیہؒ کے ہم عصر اور ہم شہر تھے اور یہ واضح کر دیا کہ ابن تیمیہؒ کا مسئلہ طلاق میں تفرد اور شذوذ ابن تیمیہؒ کے اُن مسائل میں سے ہے جن میں ابن تیمیہؒ نے اجماع صحابہؓ اور اجماع ائمہ اربعہؒ کے خلاف کیا ہے اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہوا اور ہر زمانہ میں علماء نے اس مسلک کی تردید میں کتابیں اور رسائل لکھے اور بخاری اور مسلم کے شارحین نے خاص طور پر شرح حدیث میں اس مسلک کا بطلان اور ابن تیمیہؒ کی تردید کی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دلائل

(۱) تمام صحابہؓ و تابعینؒ سے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ اور فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَهُ تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا کی تفسیر اسی طرح منقول ہے کہ دو طلاق کے بعد خواہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً زوج کو رجعت کا حق رہتا ہے اور تین طلاق کے بعد خواہ وہ مجتمعاً ہوں یا متفرقاً رجعت کا حق باقی نہیں رہتا بے شمار روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ شروع اسلام میں لوگوں کی یہ حالت تھی کہ بعد و حساب طلاقیں دے دیتے تھے حتیٰ کہ سو سو اور ہزار ہزار طلاقیں دیدیتے تھے اور جب عدت گزرنے کے قریب ہوتی تو اس سے رجعت کر لیتے پھر اسی طرح ستانے کے لیے اس کو طلاق دیدی پھر رجعت کر لی اس پر یہ حکم نازل ہوا۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اِلٰی اٰخِرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی نے طلاق کی حد مقرر کر دی کہ آخری حد تین ہے ایک اور دو طلاق کے بعد تو رجعت کا حق ہے اور تین یعنی تیسری طلاق کے بعد رجوع کا اختیار نہیں رہتا (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۷ ج ۱)

(۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ عویمر عجلانیؓ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو لفظ واحد میں تین طلاقیں دیں اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر

کوئی انکار نہیں فرمایا۔

(۳۱) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور نسائی میں عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں بعد ازاں اُس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اُس دوسرے شوہر نے اُس کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے آپؐ نے فرمایا: نہیں جب تک دوسرا شوہر پہلے شوہر کی طرح صحبت اور مباشرت نہ کر لے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۸ ج ۱)

(۳۲) حدیث عائشہ صدیقہؓ در قصہ رفاعہ قرظیؓ جس کا مضمون گزشتہ روایت کے قریب قریب ہے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں آیت مذکورہ کو اور ان تینوں حدیثوں کو ذکر فرمایا اور ائمہ اربعہ کے مطابق طلاق ثلاث کے جواز کے لیے ایک ترجمہ منعقد فرمایا (باب من اجاز الطلاق الثلاث) دیکھو فتح الباری ص ۳۱۵ ج ۲۔ بعد ازاں امام بخاریؒ نے ایک اور باب منعقد فرمایا وہ یہ ہے باب اذا طلقها ثلاثا تزوجت بعد العدة زوجا غیرہ فلم یمسها۔ اور اس باب میں رفاعہ قرظیؓ کی حدیث نقل فرمائی دیکھو فتح الباری ص ۳۰۸ ج ۲۔

(۳۵) امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب قصہ فاطمہ بنت قیسؓ کے عنوان سے منعقد کیا۔ فاطمہ بنت قیسؓ کو اس کے شوہر نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے زمانہ میں تین طلاقیں دے دی تھیں چونکہ فاطمہ بنت قیسؓ کے مزاج میں کچھ حدت تھی اس لیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اُس کو دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی اجازت دے دی تھی دیکھو فتح الباری ص ۴۲۳ ج ۲۔

(۳۶) معجم طبرانی اور سنن بیہقی میں سوید بن غفلہؓ سے مروی ہے کہ عائشہ خثعمیہؓ امام حسن بن علیؓ کے زوجیت میں تھیں جب علیؓ کو اللہ وجہ شہید ہوئے تو خثعمیہ نے امام حسن کو مبارک باد دی اور یہ کہا کہ تنہا الخلفۃ خلافت آپ کو مبارک ہو امام حسنؓ کو سخت ناگوار گذرا اور کہا کہ کیا تجھ کو علیؓ کے قتل سے خوشی ہوئی اذہبی فانت طالق ثلاثا۔ جانتھے تین طلاق۔

اور امام حسنؓ نے بقیہ مہر اس کا بھیج دیا اور مزید براں دس ہزار درہم اور بھیج دیئے عائشہ خثعمیہؓ کو بہت صدمہ ہوا اس پر امام حسنؓ نے یہ فرمایا کہ اگر میں اپنے جد امجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نہ سنے ہوئے تو رجوع کر لیتا وہ قول یہ ہے۔

ایما رجل طلق امرأته ثلاثا	جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے
عند الاقراء او ثلاثة مبہمة لم	حیض کے وقت یا اور کسی طرح تو وہ اس
تحل لہ حتی تنکح زوجا	کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے
غیرہ۔	شوہر سے نکاح کرے۔

(۷) مسند امام احمد میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اُس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور اس نے اس کو طلاق قبل الدخول دے دی تو کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ جب تک شوہر ثانی شوہر اول کی طرح مباشرت نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۱)

(۸) اور اسی طرح کے مضمون کی ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۷ ج ۱)

حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما | محلی بن حزم میں اور زاد المعاد میں۔ اور سنن بیہقی میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا باسانید صحیحہ یہ قول نقل کیا ہے کہ تین طلاق دینے سے عورت مغفلہ بائٹہ ہو جاتی ہے بدون حلالہ کے اُس سے نکاح صحیح نہیں شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ خلفاء اور عبادلہ سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

اجماع صحیح کرام رضی اللہ عنہم | اور اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں حافظ ابن عبد البر سے اجماع نقل کیا ہے اور قاضی ابوالولید باجی نے منتقی میں اور امام ابوبکر رازیؒ جصاص نے احکام القرآن میں اور امام لہجادیؒ نے شرح معانی الآثار میں اس پر سلف کا اجماع نقل کیا ہے اور حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے۔

فالراجح فی الموضعین تحریم المنة وإيقاع الثلاث للجماع الذی انعقد فی عهد عمرؓ علی ذلك ولا یحفظ ان احدا فی عهد عمر خالفه فی واحدة منهما وقد دل اجماعہ علی وجود ناسخ وان کان خفی علی بعضهم قبل ذلك حتی ظهر لجمیعہم فی عهد عمر فالخالف بعد هذا الاجماع منابذله والجمهور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق والله اعلم (فتح الباری ص ۳۱۹ ج ۱)

اور حافظ ابن رجب حنبلیؒ جو سچپن سے حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کی صحبت میں رہے جب ان پر یہ منکشف ہوا کہ ہمارے استاذ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ بہت سے مسائل میں سلف صالحین کے خلاف ہیں تو اپنی تصانیف میں انکار دیا اور اس مسئلہ یعنی طلاق ثلاث کے بارہ میں ایک خاص کتاب ان کے رد میں لکھی جس کا نام بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة رکھا۔ اس کتاب مذکور میں حافظ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں۔

اعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف المعتد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شئ صريح في ان الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة اذا سبق بلفظ واحد كذا في الاشفاق على احكام الطلاق للعلامة الكوثري ص ۳۵ وقال ابن رجب لا نعلم من الامة احدا خالف في هذه المسألة مخالفة ظاهرة ولا حكما — ولا قضاء ولا علما ولا افتاء ولم يقع ذلك الا من نفر ليسير جدا وقد انكره عليهم من عاصرهم غاية الانكار وكان اكثرهم يستخفى بذلك ولا يظهر فكيف يكون اجماع الامة على اخفاء دين الله الذي شرعه على لسان رسوله واتباع اجتماع من خالفه برأيه في ذلك هذا لا يحل اعتقاده البتة - اه - ولعله ظهر بهذا البيان ان امضاء عمر للثلاث حكم شرعي مستمد من الكتاب والسنة مقارنة لاجماع فقهاء الصحابة فضلا عن التابعين ومن بعدهم وليس بعقوبة سياسية ضد حكم شرعي فلما خرج على امضاء عمر خارج على ذلك كله والله اعلم. كذا في الاشفاق على احكام الطلاق للعلامة الكوثري ص ۵۳.

حدیث ابن عباسؓ کا جواب

حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری ص ۳۱ ج ۹ میں جمہور کی طرف سے حدیث ابن عباسؓ کے آٹھ جواب دیئے ہیں جن میں سے چند ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

جواب اول قرآنہ اور احادیث صحیحہ مشہورہ اور اجماع صحابہ اور خلفاء راشدین کے فیصلہ کے خلاف ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیرؒ اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور عمرو بن دینارؒ اور مالک بن حویرثؒ اور محمد بن ایاسؒ اور نعمان بن ابی عیاسؒ یہ تمام اکابر ثقات ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دے دے تو اس کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ تھا کہ اس شخص نے خدا کی نافرمانی کی کہ یکدم تین طلاقیں دے دی۔ اس کی بیوی اس سے بائٹہ ہوگئی بغیر دوسرے شخص سے نکاح کیئے اور طلاق حاصل کیے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ان ائمہ اکابر نے ابن عباسؓ سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ جماعت صحابہ و تابعین کے مطابق ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ طاؤسؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی ہے (تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی) وہ بالکل ضعیف اور کمزور ہے یہ ممکن نہیں کہ ابن عباسؓ صحابہ کرامؓ کے خلاف کریں۔ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ طاؤسؒ کی روایت وہم اور غلط ہے۔ حجاز اور شام اور مصر اور مشرق اور مغرب کے علماء میں سے کوئی بھی اس طرف

نہیں کیا کہ تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۹ ج ۳)
 نیز یہ امر تو اتر کو پہنچا ہے کہ ابن عباسؓ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی طلاقیں پڑتی ہیں اور تین طلاق کے بعد عورت منغلظ بائنہ ہو جاتی ہے۔ امام ابن منذرؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کے ساتھ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے پاس محفوظ ہو اور وہ ہمیشہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے رہیں پس اولیٰ اور مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ ایک قول کے مقابلہ میں جماعت کے قول کو ترجیح دی جائے۔ (فتح الباری ص ۳۱۴)

قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے پس اجماع صحابہؓ کے مقابلہ میں اس کو کیسے مقدم رکھا جاسکتا ہے (فتح الباری ص ۳۱۴ ج ۹)

جواب دوم | یہ کہ حدیث ابن عباسؓ منسوخ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کے مشورہ اور اتفاق سے تین طلاقوں کو جاری کرنا اور صحابہ میں سے کسی کا خلاف نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس حکم کا نسخہ ثابت ہوا ہے جس کی بنا پر یہ حکم جاری کیا امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے یہی روایت کیا ہے کہ غالباً یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں باسناد صحیح ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنی اس روایت مذکورہ کے خلاف فتویٰ دیا کرتے تھے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کو کسی ذریعہ سے اس روایت کا منسوخ ہونا معلوم ہوا جب ہی تو فتویٰ اس کے خلاف دیا کرتے تھے (فتح الباری ص ۳۱۴) عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ فاروق اعظمؓ صحابہ کرام کو حدیث نبوی کے خلاف آمادہ کریں۔ اور صحابہ کرام بالاتفاق بلا چون و چرا حدیث کے خلاف ان کے حکم کو قبول کر لیں اور ابن عباسؓ (جو تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کے راوی ہیں) وہ حضرت عمرؓ سے ایک مرتبہ بھی یہ عرض نہ کریں کہ اے امیر المومنین آپ کا تین طلاقوں کو تین بنا دینا ارشاد نبوی کے خلاف ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں تو تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی رہیں۔ آپ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ابوبکر صدیقؓ کے خلاف کیسے حکم جاری کیا اور یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ نے کسی مصلحت سے یہ حکم جاری کیا یہ کمالِ ابلہی اور بے باکی ہے یہ ناممکن اور محال ہے کہ فاروق اعظمؓ کسی سیاست اور مصلحت کی بناء پر حکم نبوی کے خلاف کوئی حکم جاری کریں اور صحابہ کرامؓ میں کوئی متنفس زبان بھی نہ ہلائے اور ابن عباسؓ کی حدیث ان کو یاد نہ دلائے۔

جواب سوم | مان لو کہ حدیث ابن عباسؓ دربارہٴ وحدت طلاق صحیح ہے لیکن آیت قرآنی الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ اَلَاَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرًا کے صحیح اور صریح ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا دیگر روایات صریحہ میں سے تین طلاق ہونا ثابت ہے ان کے صحیح ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تو حاصل یہ نکلا کہ طلاق ثلاث کے مسئلہ میں ایک مختلف فیہ روایت تو ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے اور باقی

تمام احادیث صحیحہ و صحیحہ اور آیت قرآنہ تین طلاق کے تین ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور حضرت عمرؓ کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہوا فاروق اعظمؓ نے بمشورہ عثمانؓ و علیؓ و دیگر اکابر صحابہؓ اُن روایتوں کو ترجیح دی جو تین طلاق کے تین طلاق واقع ہونے پر دلالت کرتی تھیں تو امت کا فریضہ یہ ہے کہ احادیث مختلفہ میں جس جانب کو خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ بلا اختلاف اختیار کر لیں اگرچہ وہ حدیث باعتبار سند کے ضعیف ہو اسی جانب کا اتباع ضروری ہوگا اور جس چیز پر خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ متفق ہو گئے ہوں اُس کی مخالفت ناجائز ہوگی اور یہی ائمہ اربعہ اور تمام محدثین کا مسلک ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق کا واقع ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہؓ اور فاروق اعظمؓ کے حکم اور عثمانؓ اور علیؓ اور فقہاء صحابہؓ کے اتفاق سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ فاروق اعظمؓ کے حکم سے آنکھ بند کر لینا اور اجماع صحابہؓ کی پروا نہ کرنا نزعہ رافضیہ اور شیوہ شیعیت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بپناہ میں رکھے آمین ثم آمین۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو ، پھر پہنچیں اپنی عدت تک،

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا

تورکھ لو اُن کو دستور سے یا رخصت کرو دستور سے۔ اور مت

تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

بند کرو اُن کے ستانے کو تا زیادتی کرو۔ اور جو کوئی یہ کام کرے

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ

اُس نے بُرا کیا اپنا۔ اور مت ٹھہراؤ حکم اللہ کے ہنسی،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ

اور یاد کرو احسان اللہ کا جو تم پر ہے اور وہ جو اتاری تم پر کتاب

الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھاوے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان



أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۲۳۱

رکھو کہ اللہ سب چیز جانتا ہے۔

☆ حکم بست و ہفتم منع از اضرار لسا و زجر از لعن با حکام خودی

قال تعالى: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغْنِ أَجَلَهُنَّ... إِلَى... وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (ربط) گزشتہ آیت یعنی اِطْلَاقٌ مَرَّتَيْنِ صَ فَإِنْ مَسَّكَ بِمَصْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيٍّ بِإِحْسَانٍ میں یہ بیان فرمایا تھا کہ طلاق رجعی میں تم کو دو اختیار ہیں یا تو حسن اسلوب کے ساتھ اس کو روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ اس کو رخصت کر دو۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کچھ بھی کرو تمہیں اختیار ہے لیکن عورتوں کو تکلیف اور ضرر پہنچانے کے ارادہ سے نہ کرو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دو اور پھر وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب ہو جائیں یعنی اُن کی عدت اور ميعاد قریب الختم ہو مگر ابھی ختم نہ ہوئی ہو۔ پس اگر اُن کو اپنے نکاح میں رکھنا منظور ہے تو اچھے طریق سے اُن سے رجعت کر کے اُن کو اپنے نکاح میں روک لو یا اُن کو اپنی زوجیت میں رکھنا مقصود نہ ہو تو پھر خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دو کہ وہ اپنی عدت گزار کر جہاں چاہیں نکاح کریں اور ستانے اور ایذا دینے کے لیے ان کو نہ روکو یعنی ایذا پہنچانے کی غرض سے ان سے رجعت نہ کرو تاکہ روک کر اُن پر کچھ ظلم اور زیادتی کرو جیسا کہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بیوی کو ستانے کی غرض سے طلاق دیتے اور پھر جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوتی تو رجعت کر لیتے اور پھر طلاق دیتے اور پھر اسی طرح کرتے رہتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ایسا مت کرو اور جو شخص ایسا کام کرے گا پس بلاشبہ اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا اور اے مسلمانو تم ان جاہلوں کی طرح اللہ کے احکام کو تمسخر اور ٹھٹھانہ بناؤ۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ اول طلاق دے دیتے اور پھر یہ کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اور اسی طرح غلام اور لونڈی کو آزاد کر دیتے اور پھر کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا چرچہ حقیقت تو حقیقت ہی ہے۔ مگر ان کا ہزل یعنی اُن کا ہنسی اور مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کا حکم رکھتا ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ نکاح، طلاق اور رجعت۔ یعنی ان چیزوں میں تمہارے الفاظ کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ بندہ ہ کے جن اعمال کا تعلق فقط حق تعالیٰ سے ہو وہاں شریعت نے نیت کا اعتبار کیا ہے اور

جو اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہاں الفاظ کی لفظی دلالت کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ طلاق اور رجعت بھی اسی قبیل سے ہیں۔ طلاق اور رجعت میں الفاظ کا اعتبار ہوگا نیت کا اعتبار نہ ہوگا اس لیے کہ اگر معاملات اور معاشرت میں ظاہر الفاظ کے خلاف نیت کا اعتبار کیا جائے تو دوسروں کے حقوق پر اس کا اثر پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ معاشرت اور معاملات میں اگر الفاظ کی دلالت کا اعتبار نہ ہو اور لوگوں کی نیت کے مطابق فیصلے ہونے لگیں تو کارخانہ عالم دریم بزم ہو جائے۔ خود غرض لوگ طلاقیں دیں گے اور پھر عورتوں کو روکنے کے لیے اپنی نیتوں کو بہانہ بنائیں گے اور اس طرح عورتوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں گے۔ اور اللہ کی نعمت کی یاد کر دے کہ اُس نے تم پر احسان کیا کہ تم کو عورتوں پر حاکم بنا دیا اور اگر وہ چاہتا تو تم کو عورتوں کے ہاتھ تلے کر دیتا اور پھر وہ بھی اسی طرح تمہارے ستانے پر قادر ہوتیں اس لیے تم کو چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر کرو اور اس کی نعمت کو یاد کر دے کہ اُس نے تم پر کتاب اور حکمت کو اتارا یعنی قرآن کریم اور سنت نبویؐ تم کو عطا کی تاکہ تم اپنے علم اور عمل کی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ کتاب و سنت کے مقتضی پر چلو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے طلاق اور رجعت سے جو نیت بھی کر دے وہ اس سے مخفی نہیں۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا

اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچ چکیں اپنی عدت کو تو اب

تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا

نہ روکو ان کو کہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے جب راضی ہو جاویں

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

آپس میں، موافق دستور کے۔ یہ نصیحت ملتی ہے اس کو، جو کوئی تم میں

يَوْمَئِذٍ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمَزَكَاةٌ لَكُمْ وَ

یقین رکھنا ہے اللہ پر، اور پچھلے دن پر۔ اسی میں سنوار زیادہ ہے تم کو

أَطْهَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

اور ستھرائی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حکمِ لبست و شتم - منع از اضرارِ نساً بعد از عدت

قال تعالى: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ... وَ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ه (ربط) گزشتہ آیات میں اندرونِ عدت ضرر پہنچانے کی ممانعت کا بیان تھا۔ اس آیت میں عدت گزرنے کے بعد ضرر پہنچانے کی ممانعت کا بیان ہے کہ عدت گزرنے کے بعد عورتوں کو نکاح سے نہ روکو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم یعنی تمہارا کوئی عزیز عورتوں کو طلاق دے دے اور پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت پوری ہو جائے اور وہ پھر اپنے سابق شوہر سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو اپنے پہلے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ شریعت اور مروت کے دستور کے مطابق نکاح کرنے پر باہم رضامند ہو جائیں۔ البتہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرنے لگے یا عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنے لگے تو پھر خویش اور اقارب کو ایسے نکاح سے روکنے کا حق حاصل ہے۔

یہ آیت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ معقلؓ نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا۔ بعد چند سے اُس شخص نے ان کی بہن کو طلاق دے دی عدت گزرنے پر پھر اُسی شخص نے پیغام دیا۔ معقلؓ نے کہا میں نے پہلے تم سے اپنی بہن کا نکاح کیا اور تمہارا گھر بسا یا مگر تم نے اس کو طلاق دے دی اور اب پھر پیغام لے کر آئے ہو۔ خدا کی قسم اب وہ تمہارے گھر ہرگز نہیں جاسکتی معقلؓ کہتے ہیں کہ وہ آدمی کچھ بُرا نہ تھا اور میری بہن بھی اس کے یہاں جانا چاہتی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَلَا تَعْصِلُوهُنَّ آلايَةً جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں ضرور اُس سے نکاح کر دوں گا۔ اور پھر میں نے اسی شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔ یہ نصیحت اس شخص کو کی جاتی ہے کہ جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ نصیحت اسی کو فائدہ دیتی ہے جسے خدا کا خوف اور آخرت کا یقین ہو۔ اور خوب سمجھ لو کہ یہ جو کچھ تم کو نصیحت اور ہدایت کی گئی یہی تمہارے لیے خیر اور برکت اور طہارت اور نزاہت کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے روکنے میں کیا مضر تیں اور کیا خرابیاں ہیں اور تم پیش آنے والے مفاہد کو نہیں جانتے اگر باوجود باہمی رضامندی اور رغبت کے تم نے عورتوں کو نکاح سے روکا تو شیطان طرفین کے دلوں میں طرح طرح کے دوسے ڈالے گا اور اس طرح سے دلوں کی طہارت اور نزاہت کو مکر کرے گا اور عجب نہیں کہ نکاح سے روکنا خود اہل خانہ سے ناجائز تعلقات کا ذریعہ نہ بن جائے۔ ذَلِكُمْ اَرْذٰلُكُمْ دیکھو کہ یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور لڑکے والیاں دودھ پلاویں اپنے لڑکوں کو دو برس پورے

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ

جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے پر ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ

کھانا اور پہننا ان کا موافق دستور کے۔ تکلیف نہیں کسی شخص کو

إِلَّا وَسْعَهَا ۚ لَا تَضَارُّ وَالِدَاتُهُمْ بِوَلَدِهِنَّ وَلَا

مگر جو اس کی گنجائش ہے نہ ضرر چاہے ماں اپنی اولاد کا ، اور نہ

مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

لڑکے والا اپنی اولاد کا۔ اور وارث پر بھی یہی ذمہ ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ

پھر اگر دونوں چاہیں دودھ چھڑانا آپس کی رضا سے اور مشورت سے تو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

ان کو نہیں گناہ۔ اور اگر تم مرد چاہو کہ

تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ

دودھ پلوا لو اپنی اولاد کو تو تم پر نہیں گناہ جب حوالہ کر دیا

مَّا أَتَيْتُمُ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ

جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے۔ اور ڈرو اللہ سے، اور جان رکھو کہ

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۲﴾

اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے۔

حکم بست و نہم متعلق برضاع

قال تعالى: وَالْوَالِدَتُ يُرَضَّعْنَ أَوْلَادَهُنَّ... إلخ... وَعَلَّمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (رابطہ) گزشتہ آیات میں عورتوں کے احکام کا بیان تھا یعنی طلاق اور عدت اور رجعت کے احکام کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں بچوں کے احکام بیان فرماتے ہیں یعنی رضاعت کی مدت اور اس کی اجرت کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ بچہ والی عورتوں کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔ اگرچہ اُن کے شوہروں نے اُن کو طلاق دے دی ہو اور یہ مدت اس کے لیے ہے کہ جو شیر خوارگی کو مکمل کرنا چاہے اور جو مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے کہ دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑا دے اور باپ پر جس کے لیے دراصل یہ بچہ پیدا کیا گیا کیونکہ بچہ باعتبار نسب کے باپ ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اُن دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور پہنانا دستور کے مطابق واجب ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کسی نفس کو کسی حکم کا مکلف نہیں بنایا جاتا مگر اُس کی طاقت اور گنجائش کے موافق لہذا ماں کو بچہ کی وجہ سے کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچایا جائے اور علیٰ ہذا نہ باپ کو لڑکے کی وجہ سے کوئی تکلیف دی جائے یعنی طلاق ہو جانے کے بعد ماں کو یہ نہ چاہیے کہ دودھ پلانے میں نخرے کرے اور شوہر سے نفقہ اور اجرت دستور سے زیادہ مانگے یا بچہ کی خبر گیری میں کمی کرے اور علیٰ ہذا باپ کو یہ نہ چاہیے کہ ضد میں بجائے ماں کے کسی آتا سے دودھ پلوئے اور اس کو تو اجرت دے مگر ماں کو دودھ پلانے کی اجرت نہ دے یا ماں کی اجرت میں کمی کرے۔

غرض یہ کہ دودھ پلانے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے اور اگر باپ زندہ ہو تو پھر اسی طرح کا خرچہ وارث کے ذمہ ہے۔ وارث کی تفسیر میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وارث سے ذی رحم محرم مراد ہے اس لیے کہ عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي السَّرْحِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذَلِكَ آیا ہے۔ اور ایک قراءت دوسری قراءت کی مفسر ہوتی ہے یعنی وارث سے وہ ذی رحم محرم مراد ہے کہ اگر بچہ مر جائے تو یہ اس کا وارث بنے بقدر میراث کے سب پر خرچ لازم ہوگا۔ مثلاً اگر ذی رحم محرم دو بھائی یا دو بہنیں ہیں تو دونوں سے نصف نصف لیا جائے گا اور اگر ایک بھائی اور ایک بہن ہے تو بھائی سے دو ثلث اور بہن سے ایک ثلث لیا جائے گا اور وارثوں پر خرچہ اس صورت میں ہے کہ خود بچہ کے پاس مال نہ ہو ورنہ اگر بچہ کے پاس مال ہے تو پھر تمام خرچہ اسی کے مال میں سے دیا جائے گا اور امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ وارث سے خود وہ لڑکا ہی مراد ہے جو اپنے متوفی باپ کا وارث ہے اس کے دودھ پلانے کی اجرت اسی کے مال میں سے لی جائے گی اور اگر اُس کے پاس مال نہ ہو تو پھر ماں کے ذمہ ہے اور بچہ کے خرچہ کے لیے سوائے والدین کے کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا پس اگر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے دوبرس سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں اور اگر تم کسی ضرورت یا مصلحت کی وجہ سے

یہ ارادہ کر دے کہ اپنے بچوں کو بجائے ماں کے کسی دایہ کا دودھ پلوانا چاہو بشرطیکہ تم حوالہ اور سپرد کر دو جو کچھ تم نے دینا مقرر کیا تھا دستور کے موافق یعنی دودھ پلانے والی کا حق پورا دے دینا اس میں سے کچھ کمی نہ کرنا کسی کا حق مارنا یا کاٹنا بہت بُری بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ جو احکام ماؤں اور دودھ پلانے والیوں کے متعلق دیئے گئے ہیں اس کی خلاف ورزی نہ ہو اور اس بات کو پیش نظر رکھو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ طلاق دے دینے کے بعد ماں سے دودھ پلوانے میں یا ماں کے ہوتے ہوئے کسی اتنا سے بچہ کو دودھ پلوانے میں کوئی نفسانی غرض تو شامل نہیں کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر حق تعالیٰ تمہارے دل کے خیالات اور نفس کے خطرات کو بھی دیکھتا ہے۔

ف (۱) طلاق کے بعد اکثر و بیشتر میاں اور بیوی کے درمیان میں ایک قسم کی عداوت اور منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص کر جب کہ طلاق ایسی حالت میں ہو کہ گود میں خمیر خوار بچہ بھی ہو تو یہ باہمی منافرت اور کدورت ایک قسم کی مخالفت اور منازعت کا سبب بن جاتی ہے۔ اور پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں عجب دشواری پیش آتی ہے کبھی مرد یہ چاہتا ہے کہ بچہ کو ماں سے چھین کر کسی اور عورت سے دودھ پلوائے اور اس طرح بیچاری ماں کو فراق میں تڑپائے اور کبھی عورت بچہ کو دودھ پلانے سے اس لیے انکار کرتی ہے کہ ظاہر میں کوئی اور دودھ پلانے والی موجود نہیں۔ پہلا شوہر مجبور ہو کہ میری خوشامد کرے گا اور جو معاوضہ مانگوں گی وہ مجبوراً دے گا اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فیصلہ فرمادیا کہ مائیں دو برس تک بچہ کو دودھ پلائیں اور باپ کے ذمہ اس کے معاوضہ میں اس کا کھانا اور پہنانا واجب ہو گا ایک دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے اور نہ کسی کا حق کاٹے۔

ف (۲) مدت رضاعت جمہور کے نزدیک دو سال ہیں اور امام اعظمؒ کے نزدیک ڈھائی سال یعنی تیس مہینے ہیں جیسا کہ حنبلہؒ وَ فِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا میں مذکور ہے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جائے۔

ف (۳) یہ آیت اگرچہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی مگر بیوی بھی اس حکم میں داخل ہے اور اگر بچہ کو دودھ پلانے کی وجہ سے بیوی کو کچھ دیا جائے تو حق زوجیت اس کے لیے مانع نہیں۔

ف (۴) ماں اگر معذور نہ ہو تو دینا نہ اس کے ذمہ۔ بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے اور منکوحہ کے لیے یا اس مطلقہ کے لیے جو ابھی تک عدت میں ہو اُجرت لینا جائز نہیں البتہ عدت گزرنے کے بعد اُجرت دینا واجب ہوگی۔

ف (۵) ماں کا دودھ اگر بچہ کے لیے مضر ہو تو ایسی صورت میں کسی اور عورت سے دودھ پلوانے میں کوئی حرج نہیں۔



وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اور جو لوگ مر جائیں تم میں اور چھوڑ جائیں عورتیں

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

وہ انتظار کروائیں اپنے تنہیں چار مہینے اور دس دن

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

پھر جب پہنچ چکیں اپنی عدت کو تو تم پر نہیں گناہ

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ

جو وہ اپنے حق میں کریں موافق دستور کے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔

حکم سی ام = عدت و فوات زوج

قال تعالیٰ: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا۔۔۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔
(رابطہ) گزشتہ آیات میں عدتِ حیات یعنی عدتِ طلاق کو بیان فرمایا اور اسی کے ساتھ
اشداء عدت میں مدتِ رضاعت اور اجرتِ رضاعت کا حکم بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں عدتِ حیات
کے بعد عدت و فوات کو بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عدت و فوات اور عدتِ حیات الگ الگ
ہیں اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر کو پوری کر کے دنیا سے چلے جائیں اور بیویوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان
کو چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو نکاح سے روکے رکھیں جب تک یہ مدت نہ گزر جائے
کہیں نکاح نہ کریں پس جب کہ وہ اپنی مدت اور عدت پوری کر لیں تو اسے وارثانِ میت تم پر
اب کوئی گناہ نہیں اس کام میں جو وہ اپنی ذات کے لیے دستور کے مطابق کریں اب ان کو زینت
کرنے کی اور نکاح کرنے کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اگر تم نے
کسی امر مشروع پر ان کو ملامت کی یا ان کی کسی بات میں ہارج اور مزاحم ہوئے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس
کی سزا دے گا۔

- ف (۱) یہ عدت اُس بیوہ کی ہے کہ جو حاملہ نہ ہو اس لیے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہے۔ کمال قال تعالیٰ. وَ اُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔
- ف (۲) آئندہ ایک آیت میں آئے گا کہ عدت وفات ایک سال ہے وہ حکم پہلے تھا جو اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے۔
- ف (۳) شریعت نے عدت کا حکم پہلے نکاح کی عزت و حرمت اور نسب اور حمل کی حفاظت کے لیے دیا۔



وَلَا جُنَّةَ عَلَيْكُمْ فِي مَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةٍ

اور گناہ نہیں تم پر جو پردے میں کہو پیغام نکاح عورت

النِّسَاءِ أَوْ أَكُنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ

کو یا چھپا رکھو اپنے دل میں معلوم ہے اللہ کو کہ تم

سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا

البتہ ان کا دھیان کر دو گے لیکن وعدہ نہ کرو ان سے چھپ کر، مگر

أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزَمُوا

یہی کہ کہہ دو ایک بات جس کا رواج ہے اور نہ باندھو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ط

گرہ نکاح کی جب تک پہنچ چکے حکم اللہ کا اپنی مدت کو

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ

اور جان رکھو، کہ اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے

فَاذْكُرُوهُ ج وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ع (۲۳۵)

تو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشتا ہے تحمل والا -



حکم سی و یکم متعلق پیغام نکاح در ثناعت

قال تعالیٰ: وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَزَّضْتُمْ بِهِ... إلخ... إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(رابطہ) گوشہ آیت میں عدت کے بعد نکاح کی اجازت مذکور تھی۔ اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ عدت کے اندر اندر نکاح اور نکاح کا وعدہ اور نکاح کا صریح پیغام تو جائز نہیں البتہ نکاح کا اشارہ اور کنایہ جائز ہے اس لیے کہ کسی کے مرتے ہی اس کی بیوہ سے نکاح کا پیغام دینا بے مروتی ہے گویا کہ پیغام دینے والا اس کی موت کا منتظر ہی تھا خصوصاً جب کہ بیوہ صاحب کمال اور صاحب جمال بھی ہو تو پیغام والے اور بھی جلدی کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا عدت کے اندر عورت کا نکاح کے متعلق گفتگو کرنا بے وفائی پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے شوہر کے مرتے ہی اس کے حق رفاقت کو بھول گئی اور سابق نکاح کی عزت اور حرمت کا کوئی لحاظ نہ کیا کہ جس کے گھر میں عدت گزار رہی ہے اور جس کی میراث تقسیم کر رہی ہے اس کے مرتے ہی نکاح کی بات چیت کر رہی ہے۔ گویا کہ یہ بے وفا عورت اپنے شوہر کے مرنے کی ہی منتظر تھی۔ اس لیے ان آیات میں اس کی بابت حکم فرمایا۔ اور جس طرح عدت کے بعد نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں اسی طرح تم پر اس بارے میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ عدت و فوات کے اندر عورتوں کے پیغام کے متعلق بطور تعریض اور کنایہ کچھ اشارہ کرو۔ مثلاً یہ کہو کہ مجھے ایک نیک عورت کی ضرورت ہے یا نکاح کے خیال کو بالکل دل میں مضمر رکھو اور کسی طرح اس کا ذکر نہ کرو نہ صراحتاً اور نہ تعریضاً اور نہ کنایتاً اس کی طرف کوئی اشارہ کرو اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم عدت کے بعد ان سے صراحتاً اس کا ذکر کرو گے اور بغیر ذکر کے تم صبر نہ کر سکو گے اس لیے تم کو تعریض اور کنایہ کی اجازت دے دی۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر یہ بھی نہ ہو تو بہتر ہے یہ بھی ایک قسم کا عتاب ہے لیکن تم کو چاہیے کہ اجازت سے آگے نہ بڑھو یعنی عدت کے اندر ایک دوسرے سے مخفی طور پر نکاح کا صریح وعدہ نہ کرو کہ عدت کے بعد ضرور نکاح کر لیں گے مگر اتنی بات کہو کہ جو قانون شرعی کے مطابق ہے یعنی بطور تعریض اور کنایہ کچھ کہہ سکتے ہو صراحتاً کہنے کی اجازت نہیں اور جب تک عدت اپنی پوری مدت تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک عقد نکاح کا عزم مصمم بھی نہ کرو۔ یعنی یہ ارادہ اور عزم کہ عدت گزرنے کے بعد ضرور نکاح کریں گے یہ بھی ممنوع ہے بسا اوقات عزم کر لینے کے بعد صبر نہیں ہوتا اور عدت کے اندر ہی نکاح کر بیٹھتا ہے اس لیے بطور سدّ ذرائع اس ارادہ کی بھی ممانعت کر دی گئی اگرچہ یہ ممانعت تحریم کے درجہ میں نہیں بلکہ تنزیہ کے درجہ میں ہے جیسے وَلَا تَقْرَبُوا الزَّیْنٰا میں زنا کے قریب جانے کی ممانعت فرمائی اور حدیث میں ہے کہ جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے عجب نہیں کہ وہ کسی وقت چراگاہ کے اندر گھس بھی جائے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں عدت کے اندر نکاح کا میلان چھپا ہوا ہے بس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانو کہ اللہ تعالیٰ

بڑا بخشش والا ہے کہ میلان اور رغبت پر مواخذہ نہیں فرماتا اور جو قصداً ارادہ کے بعد اللہ کے خوف کی وجہ سے نہ کرے اُس کو معاف کر دیتا ہے اور بڑا تحمل والا ہے کہ خلاف حکم کرنے والوں پر مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ

گناہ نہیں تم پر ، اگر طلاق دو عورتوں کو ،

مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً

جب تک یہ نہیں کہ ان کو ہاتھ لگایا ہو یا مقرر کیا ہو ان کا کچھ حق

وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ

اور ان کو خرچ دو وسعت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے

قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۳﴾

پر اس کے موافق جو خرچ دستور ہے لازم ہے نیکی والوں کو ۔

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ

اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا

فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

چکے ہو اُن کا حق تو لازم ہو آدھا جو کچھ ٹھہرایا تھا۔

إِلَّا أَنْ يَعْفُوَنَّ أَوْ يُعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ

مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے جس کے ہاتھ گره ہے

النِّكَاحِ ط وَ أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ط وَلَا تَنْسُوا

نکاح کی اور تم مرد درگزر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے۔ اور نہ بھلا دو

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۴﴾

بھلائی رکھنی آپس میں۔ تحقیق اللہ جو کرتے ہو سودیکھتا ہے۔

حکم سی و دوم۔ بابت مہر

قال تعالى: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ... إلخ... وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (رابطہ) گزشتہ آیات میں عدت کے اعتبار سے مطلقہ کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں مطلقہ کے احکام باعتبار لزوم مہر کے ذکر کرتے ہیں اس لیے کہ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر معین ہوا تھا اور پھر خلوت کے بعد ان کو طلاق دی گئی تو اس صورت میں شوہر کو تمام مہر دینا ہوگا جو نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا دوم یہ کہ مہر تو معین ہوا تھا مگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو اس صورت میں شوہر کو آدھا مہر دینا لازم ہوگا۔ شوم یہ کہ نہ مہر معین ہوا تھا اور نہ خلوت کی نوبت آئی تھی خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی اس صورت میں مہر نہیں بلکہ دستور کے مطابق خرچہ اور جوڑا دینا پڑے گا۔ چہارم یہ کہ مہر تو مقرر نہ ہوا تھا مگر خلوت یا صحبت کے بعد طلاق دی ایسی صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی اس خاندان کی عورتوں کا جو مہر رائج ہے وہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم عورتوں کو ایسے وقت میں طلاق دے دو کہ ابھی تک تم نے ان کو چھو یا اور ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ ان کے لیے تم نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر کیا ایسی حالت میں اگر تم ان کو طلاق دے دو تو نہ تو کوئی گناہ ہے اور نہ تم سے کوئی مہر کا مطالبہ ہے اور البتہ اس سے جدائی اور مفارقت کے وقت ان کو کچھ نفع اور فائدہ پہنچا دو یعنی پہننے کا کوئی جوڑا اور کچھ خرچہ دے دو۔ وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حالت کے بقدر واجب ہے اور یہ فائدہ پہنچانا خوش خوئی اور خوبصورتی کے ساتھ چاہیئے حاکم کی زبردستی سے نہ ہو یہ فائدہ پہنچانا نیکو کاروں پر حق واجب ہے جن کی نظر اللہ پر رہتی ہے وہ خلق خدا کو نفع پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ جوڑا دینا واجب ہے اور قائم مقام مہر کے ہے جیسا کہ صیغہ امر اور لفظ علیٰ اور حقاً سے وجوب ظاہر ہوتا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے واجب نہیں اور اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دو دراصل حالیکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے تھے تو ایسی صورت میں تم کو اس مہر کا نصف دینا پڑے گا جو تم نے نکاح کے وقت ٹھہرایا تھا اور نصف تم سے معاف ہو جائے گا۔ مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ایک یہ کہ عورتیں اپنا حق (نصف مہر) معاف کر دیں اور شوہر سے کچھ نہ لیں۔ یا یہ کہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اپنا حق معاف کر دے۔ یعنی بجائے نصف مہر دینے کے پورا مہر دے دے اور اگر شوہر پورا مہر دے چکا ہے تو نصف مہر عورت سے واپس نہ لے اور تمہارا اپنے اپنے حق کو معاف کر دینا تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت ہی قریب ہے۔ یہ خطاب مردوں اور عورتوں دونوں کو ہے اور تم باہمی احسان اور نیکوئی کو نہ بھولو ہر ایک

کو چاہیے کہ اس کی کوشش کرے کہ فضل و احسان میرے ہاتھ سے سرزد ہو دوسرے کے احسان پر نظر کرنا فضل اور فضیلت کے خلاف ہے تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں وہ اس کو بھی دیکھتے ہیں کہ کون احسان کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون دوسرے کے احسان کی طرف نظر کرتا ہے۔

فائدہ چار صورتیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان آیات میں صرف دو کا حکم مذکور ہے ایک یہ کہ مہر نہیں ٹھہراتھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی۔ دوسرے یہ کہ مہر تو ٹھہرا تھا مگر طلاق ہاتھ لگانے سے پہلے ہی دے دی اور دو صورتیں باقی رہ گئیں جن کا حکم ان آیات میں ذکر نہیں کیا گیا۔ ایک یہ کہ مہر مقرر ہوا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی تو پورا مہر لازم ہو گا۔ یہ حکم سورۃ نسا میں مذکور ہے۔ دوسرے یہ کہ مہر نہیں ٹھہراتھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی تو اس صورت میں مہر مثل دینا پڑے گا یعنی اُس عورت کے خاندان میں جو دواج ہے اس کے مطابق مہر دینا ہو گا۔

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ۖ وَ

خبردار رہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور

قَوْمُوا لِلّٰهِ قَنِتِينَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ

کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیادہ پڑھو یا

رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمُ

سوار۔ پھر جس وقت چین پاؤ تو یاد کرو اللہ کو، جیسا تم کو سکھایا

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

حکم سی سوم۔ محافظتِ صلوات عموماً و صلوة وسطیٰ خصوصاً

قال تعالى۔ حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ الے كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۖ (رابطہ) دور سے سلسلہ کلام، احکام معاشرت کے بارے میں چل رہا ہے اس کے ضمن میں محافظتِ صلوة کا حکم اس لیے ذکر کیا کہ اکثر و بیشتر اہل و عیال میں مشغولی نماز اور نیاز سے غفلت کا باعث ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ
وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ۝

اے ایمان والو! مال اور اہل و عیال
کا تعلق تم کو خدا کی عبادت اور بندگی
سے غافل نہ کرے۔ اور جو ایسا کریں گے
وہ خابریں میں سے ہوں گے۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ

انما اموالکم را یاد گیر
یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں حقوق العباد کا ذکر تھا۔ اس آیت میں حق اللہ کا ذکر ہے۔
یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں یعنی لَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ میں یہ حکم تھا کہ باہمی سلوک اور
احسان کو فراموش نہ کرو اور اس آیت میں اشارۃً یہ حکم ہے کہ اپنے نفس کو سلوک اور احسان سے نہ بھولو
جس نے نماز ادا کی اُس نے اپنے نفس پر احسان کیا اور جس نے نماز سے غفلت برتی اس نے اپنے
نفس کو فراموش کیا کہ آخرت کے منافع سے اس کو محروم کیا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں طلاق کی اجازت مذکور تھی اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ طلاق
اگرچہ بوجہ ضرورت شرعاً جائز ہے مگر حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور ایک ناپسندیدہ امر کے
ضمن میں کتنے ناپسندیدہ امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے وہ اللہ ہی کے علم میں ہے اس لیے آئندہ آیت میں
نماز کا حکم نازل کیا تاکہ نماز کی محافظت ناپسندیدہ امور کے ارتکاب کا کفارہ بن سکے۔ کما قال تعالیٰ
رَأَتْ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ
السَّيِّئَاتِ ط

بیشک نیک کام (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے
ہیں بُرے کاموں کو۔

نماز دین کا ستون ہے۔ گناہوں کو مٹاتی ہے۔ اور دلوں کے زنگ کو کھڑچتی ہے اہل و عیال کی
ملاست سے جو دلوں پر میل کچیل آجاتا ہے وہ نماز کی محافظت سے صاف ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ دن میں پانچ نمازوں کا ادا کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی کے دروازہ کے آگے نہر
بہتی ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے کیا اُس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ یعنی سر اور بدن
پر پانی بہا لینے سے بھی غسل ہو جاتا ہے لیکن غسل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ بجائے اپنے اوپر پانی بہانے کے
خود نہر کے اندر گھس جائے کہ جس کا پانی تیزی سے بہ رہا ہو۔ ایسی نہر میں جس کا پانی نہایت تیزی کے ساتھ
چل رہا ہو غسل کر لینے سے میل باقی نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور تمام نمازوں کی محافظت کرو اور
خصوصاً درمیانی نماز کی یعنی عصر کی۔ نمازوں کی حفاظت اور نگرانی کے معنی یہ ہیں کہ نمازوں کو اپنے وقتوں
پر ادا کرو اور نماز کے ارکان اور واجبات اور سنن اور آداب کا پورا پورا لحاظ رکھو۔ تم نماز کی حفاظت کرو نماز
تمہاری حفاظت کرے گی۔ اسی وجہ سے حَافِظُوا باب مفاعله کا صیغہ لایا گیا جو مشارکت پر دلالت کرتا
ہے۔ جس درجہ تم نماز کی حفاظت اور خبر گیری کر دو گے اسی درجہ نماز تمہاری حفاظت کرے گی اور کھڑے

رہو اللہ کے سامنے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ نماز میں نہایت خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو کسی سے کوئی بات نہ کرو۔ نگاہ نیچی رکھو۔ ادھر ادھر نہ دیکھو۔ دنیاوی خیالات سے قلب کو محفوظ رکھو۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (ابتداء میں) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے نماز میں بات چیت بھی کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی **وَقُتِبَ عَلَيْكُمُ اتِّعَازُ النَّفْسِ الَّتِي حَقَّتْ لَهَا بِالْغَيْبِ** تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم ہو گیا۔ اور نماز میں باتیں کرنے سے ہم کو منع کر دیا گیا (بخاری و مسلم وغیرہ) اس لیے کہ نماز کی حقیقت مناجاتِ خداوندی ہے آپس میں باتیں کرنے سے خدا تعالیٰ سے مناجات باقی نہیں رہ سکتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ اس نماز میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے (بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ نماز تو وہ ہے کہ جس میں دل سے بھی باتیں نہ ہوں چہ جائیکہ زبان سے باتیں اور آنکھوں سے اشارے ہوں پس اگر تم کو کسی دشمن وغیرہ کا خوف ہو جس کی وجہ سے تم نماز کے آداب اور سنن کی پوری حفاظت نہ کر سکو تو پھر جس طرح بھی ممکن ہو۔ پیادہ یا سوار نماز پڑھ لو اور اس طرح اصل نماز کی حفاظت کر لو۔ اگرچہ اس خوف کی حالت میں رکوع اور سجود اور خشوع اور خضوع اور استقبال قبلہ کی پوری رعایت اور حفاظت نہ کر سکو تو پھر جب تم کو امن اور سکون حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو پورے سکون اور اطمینان اور آداب کے ساتھ یاد کرو جس طرح اس نے تم کو اپنی بندگی اور یاد کے طریقے سکھائے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ خوف کی حالت مجبوری کی حالت ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس حالت میں بغیر رکوع و سجود کے اشارہ سے نماز کی اجازت دے دی اگرچہ تمہارا منہ بھی قبلہ کی طرف نہ ہو۔

ف (۱) صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں اقوال مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز صبح مراد ہے۔ جو رات کی نماز یعنی عشاء اور دن کی نماز یعنی ظہر کے درمیان ہے ابو قبیصہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مغرب کی نماز مراد ہے کیونکہ یہ نماز ثلاثی ہے (تین رکعت والی ہے) ثنائی اور رباعی کے درمیان ہے یعنی دو رکعت والی سے زائد اور چار رکعت والی نماز سے کم ہے۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں میں سے ایک نماز بلا تعیین کے صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ اسم اعظم اور شب قدر اور ساعت جمعہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کو پوشیدہ رکھا ہے جمہور علماء کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے عصر کی نماز مراد ہے اور بہت سی احادیث صحیحہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مختار ہے۔

ف (۲) عصر کی تخصیص، تاکید اور اہتمام کے لیے کی گئی کیونکہ یہ وقت لوگوں کے بازاروں میں مشغول رہنے کا ہے۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ یہ نماز فوت نہ ہو جائے یا بغیر جماعت کے ادا کی جائے یا تاخیر سے پڑھی جائے۔

ف (۳) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خوف کی حالت میں نماز پیروں پر کھڑے ہو کر یا سواری پر جائز ہے مگر چلتے چلتے نماز جائز نہیں اس لیے کہ رجالاً۔ راجل کی جمع ہے اور راجل کے معنی لغت میں چلنے والے کے نہیں بلکہ لغت میں راجل پیروں پر کھڑے ہونے والے کو کہتے ہیں اور اس آیت میں راجل کو مقابلہ میں راکب کے ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجل سے مراد وہ شخص ہے کہ جو سوار نہ ہو امام شافعیؒ کے نزدیک اگر دشمن کا خوف شدید ہو تو چلتے چلتے بھی نماز درست ہے۔ جس طرح بن پڑے نماز پڑھ لے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر خوف اتنا شدید ہے کہ ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو پھر نماز کو مؤخر کرے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں نمازوں کو مؤخر فرمایا اور چلتے چلتے نمازیں نہیں پڑھیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا

اور جو لوگ تم میں مرجاویں اور چھوڑ جاویں عورتیں۔

وَصِيَّةٌ لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ

وصیت کردیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس، نہ نکال دینا

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا

پھر اگر وہ نکل جاویں تو گناہ نہیں تم پر، جو کچھ

فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ

کریں اپنے حق میں دستور کی بات اور اللہ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ

زبردست ہے حکمت والا۔

حکم سی و چہارم۔ وصیت برائے سکونت بیوہ

قال تعالى۔ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا۔ الى۔۔ واللہ عزیز حکیم۔
(ربط) احکام معاشرت کے ضمن میں محافظت صلوات پر تنبیہ فرمایا۔ اب اُس تنبیہ کے بعد پھر

کچھ احکام بیان فرماتے ہیں۔ گزشتہ آیات میں مطلقاً کے متعہ کا ذکر فرمایا اب اس آیت میں بیوہ کے متعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ تم میں سے اپنی عمر پوری کر کے دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف انتقال کر جائیں اور عورتوں کو دنیا میں چھوڑ جائیں تو ان پر یہ شرعاً واجب ہے کہ وہ بیبیوں کے لیے ایک سال تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں اس طرح پر کہ وہ عورتیں انہیں کے مکان میں رہیں اور ایک سال تک ان کو نان و نفقہ ملتا رہے بغیر اس کے کہ ان کو ایک سال کے اندر گھر سے نکال دیا جائے۔ شوہر کو چاہیے کہ وصیت نامہ میں اس کی بھی تصریح کر دے کہ ان عورتوں کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔ پھر اگر وہ عورتیں ایک سال پور کیے بغیر ہی چار ماہ اور دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد خود بخود ہی کسی ضرورت کی وجہ سے بغیر وارثوں کے نکالے ہوئے نکل جائیں تو اسے وارثوں اس چیز پر کہ جو یہ عورتیں شریعت کے دستور کے مطابق اپنے بارے میں کریں۔ مثلاً زیب و زینت کریں یا نکاح کریں تو تم کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں۔ البتہ ورثہ کو یہ حق ہے کہ گھر سے چلے جانے کے بعد عورت کا خرچ اگر بند کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اور اللہ غالب ہے خلاف حکم کرنے والوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے۔ حکمت والا ہے مروت اور مصلحت کے مطابق حکم دیتا ہے۔

فائدہ عورتوں کے لیے ایک سال کی وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ جب وارثوں کے حصے مقرر نہ تھے اور آیت میراث ابھی نازل نہ ہوئی تھی بلکہ مردہ کے اختیار پر تھا کہ وہ جس قدر وارثوں کو دلوانا چاہے اس کے مطابق وصیت کر جائے۔ شروع اسلام میں والدین اور اقارب کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ مرنے والے پر وصیت واجب تھی۔ کما قال تعالیٰ کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ الْآيَةُ اسی طرح مرنے والوں پر اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا واجب تھا کہ وہ ایک سال تک اُن کے مال میں سے کھانے پہننے کا فائدہ اٹھاتی رہیں اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس لیے اُس کو اختیار تھا کہ چاہے سال بھر شوہر کے گھر میں رہ کر ورثہ سے اپنا حق وصول کرے یا چار مہینہ اور دس دن پورے کر کے چلی جائے اور اپنا حق چھوڑ دے عورت کے لیے اپنے اختیار سے چلا جانا جائز تھا مگر وارثوں کو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا۔ غرض یہ کہ اس آیت کی رو سے مرنے والوں پر اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے نفقہ اور سکنی کی وصیت واجب تھی بعد میں جب آیت میراث نازل ہوئی اور والدین اور اقارب اور بیوی کا حصہ میراث میں مقرر ہو گیا تو بیوی وغیرہ کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا۔

الا لا وصیۃ لوارث۔ آگاہ ہو جاؤ وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔
غرض یہ کہ شروع اسلام میں عورت کی عدت ایک سال تھی اور عورت کے لیے کوئی میراث نہ تھی صرف یہی ایک سال کا نان و نفقہ تھا۔ آیت میراث کے نازل ہونے کے بعد نان و نفقہ کی وصیت

کا حکم منسوخ ہو گیا اور آیت **يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا** سے جو پہلے گزر چکی ہے ایک سالہ عدت کا حکم منسوخ ہو گیا اور یہ آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں مؤخر ہے جیسا کہ آیت **سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ آلُ الْحَارِثِ تَلَاوت میں مقدم ہے اور آیت **قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ** نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہے۔**

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی **مَتَاعًا إِلَى الْخَوْلِ غَيْرِ اخْرَاجِ** محکم ہے منسوخ نہیں۔ اصل عدت تو چار مہینے اور دس دن ہے۔ اس عدت کا پورا کرنا واجب اور لازم ہے اور ایک سال کی عدت کا حکم استحبابی اور اختیاری ہے۔ چار ماہ اور دس دن کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ چاہے سال بھر پورا کرے یا نہ کرے اس لیے کہ اس آیت سے عورت پر ایک سال کی عدت کا واجب ہونا مفہوم نہیں ہوتا بلکہ شوہروں پر ایک سال کی وصیت کا وجوب مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت میں تر بص (عدت نشینی) کا ذکر نہیں جیسا کہ آیت عدت میں ہے اس آیت میں تو صرف وصیت کا ذکر ہے اور شوہروں کو حکم ہے کہ تم مرتے وقت بیویوں کے لیے ایک سال کی وصیت کر جاؤ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہے اس وصیت کے موافق ایک سال تک رہیں اور چاہیں تو چار مہینے اور دس دن پورے کر کے چلی جائیں پس مجاہدؒ کے اس قول پر عدت کی دو میعادیں ہو گئیں ایک ضروری اور حتمی جو اقل میعاد ہے یعنی چار مہینے اور دس دن۔ اور دوسری اختیاری میعاد جو زائد اور اکثر ہے یعنی ایک سال لہذا اس صورت میں نہ اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے اور نہ اس آیت کو **أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا** والی آیت سے نزول میں مقدم ماننے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ جب دو آیتوں کو دو حالتوں پر محمول کر لیا تو تعارض ہی نہ رہا تو پھر نسخ کی کیا ضرورت رہی۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں عدت ایک سال تھی جو بعد میں چار مہینے اور دس دن کی آیت سے منسوخ ہوئی۔ اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے اور اسی پر تمام علماء اسلام کا اجماع ہے اور کسی امام اور فقیہ نے مجاہدؒ کی موافقت نہیں کی اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی سے مجاہدؒ کے موافق منقول نہیں بلکہ ابن جریرؒ نے مجاہدؒ سے جمہور کے مطابق ایک قول نقل کیا ہے۔ پس الحمد للہ کہ اجماع مکمل ہوا اور خلاف مرتفع ہوا (احکام القرآن للامام القرطبی ص ۲۲۴ ج ۳)

وَلَمَّا طَلَّقْتَ مَتًّا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۲۳۱

اور طلاق دالیوں کو خرچ دینا ہے موافق دستور کے لازم پر ہینر گاروں کو۔

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝۲۳۲

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنی آیتیں شاید تم بوجھ رکھو۔

حکم سی و پنجم = متعہ برائے مطلقات

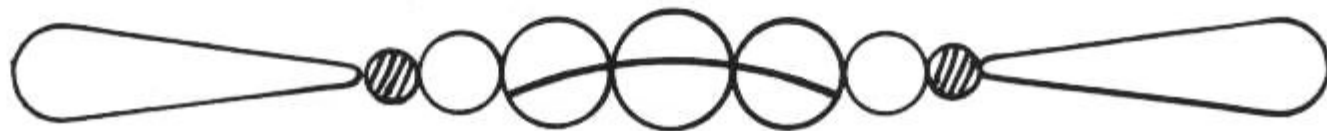
قال تعالى۔ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَعٌ بِالْمَعْرُوفِ ... الے ... لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

(رابطہ) گزشتہ آیات میں ان مطلقات کے متعہ (جوڑا) کا ذکر تھا جن کا مہر نہ مقرر ہوا ہو اور ہاتھ لگانے سے پہلے ان کو طلاق دے دی ہو۔ اب اس آیت میں عام طلاق والی عورتوں کے متعہ کا ذکر فرماتے ہیں اور تمام طلاق والیوں کے لیے دستور کے مطابق کچھ نہ کچھ نفع پہنچانا ہے من جانب اللہ یہ حق گردانا گیا ہے۔ پرہیز گاروں پر یعنی تمام مسلمانوں پر جو کفر اور شرک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو اور اس کے احکام کی حکمتوں میں غور و فکر کرو کہ اس کے احکام کیسی کیسی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہیں۔ یہاں تک نکاح اور طلاق کے احکام تمام ہوئے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

ف (۱) جس عورت کا کوئی مہر نہ ٹھہرا اور ہاتھ لگانے سے پہلے اس کو طلاق دے دی گئی ہو اس کو جوڑا دینا واجب ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں گزرا۔ باقی اور طلاق والی عورتوں کو جوڑا دینا واجب نہیں صرف مستحب ہے اس لیے کہ جو عورت مستحق مہر کی ہے وہ مستحق متعہ کی نہیں جس کے لیے پورا مہر یا آدھا مہر واجب ہے اس کے لیے متعہ واجب نہیں۔

ف (۲) اس آیت میں تمام مطلقات کے متعہ کا ذکر ہے جو واجب اور غیر واجب سب کو شامل ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ”وَلِلْمُطَلَّقاتِ“ میں ”الف لام“ عہد کا ہے اس سے وہی مطلقات مراد ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی جن کا مہر نہ مقرر ہوا ہو اور خلوت سے پہلے اُن کو طلاق دے دی گئی ہو اُن کے لیے متعہ واجب ہے۔ اب یہ آیت عام نہ ہوگی بلکہ پہلی ہی آیت کے حکم کی تاکید ہوگی اس لیے کہ پہلی آیت کے اخیر میں یہ تھا مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ جس سے بعض صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ یہ متعہ دنیا محض احسان اور تبرع ہے واجب اور لازم نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ جس میں حق لازم ہونے کی عام مومنین پر تصریح فرمادی۔



أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ

تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جو نکلے اپنے گھروں سے ، اور وہ

أَلَوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ

ہزاروں تھے، موت کے ڈر سے۔ پھر کہا ان کو اللہ نے مر جاؤ پیچھے

أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ

ان کو جلایا اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر اور لیکن

أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۲﴾

اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

خاتمہ احکام معاشرت برتذکر آخرت

حکایتِ قصہ گر زندگیاں از موت و باہر اے تنبیہ شیفتگانِ حیات دنیا

و تمہید تشجیع بر جہاد و قتال و ترغیب انفاق مال

قال تعالى. أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ... إِلَى... وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ه (رابطہ) یہاں تک ابواب البر والصلہ کے متعلق مختلف الانواع اور مختلف الاقسام احکام مذکور ہوئے مگر ان احکام میں سب سے زیادہ اہم اور مہتم بالشان اور نفس پر شاق اور گراں دو حکم ہیں ایک جہاد و قتال کا اور دوسرا انفاق مال کا۔ چنانچہ اصول بر کے بیان میں وَ اتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ اور الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ حِينَ الْمَبَأْسِ کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اس لیے کہ انسان کو خداوند ذوالجلال کی اطاعت سے روکنے والی زیادہ تر دہی چیزیں ہوتی ہیں ایک حبِ دنیا اور ایک کراہتِ موت بلکہ یہی دو چیزیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں مغل اور منراہم ہوتی ہیں اس لیے حق جل شانہ نے اولاً بنی اسرائیل کا ایک قصہ ذکر فرمایا جو موت اور دبا کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے اور غضبِ خداوندی سے سب ہلاک ہوئے اور پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے تاکہ اس بلا سببِ موت اور بلا سببِ حیات کے مشاہدہ سے یہ یقین کر لیں کہ موت اور حیات کسی ظاہری سبب پر موقوف نہیں۔ موت اور حیات کا خالق اور مالک صرف خدا تعالیٰ ہے وہ بغیر دبا اور طاعون کے اور بغیر میدانِ کارزار کے بھی موت دے سکتا ہے لہذا موت کے خوف سے بھاگنا بے سود ہے۔ نیز اس بلا سببِ موت اور بلا سببِ دوبارہ زندگی کے مشاہدہ سے گویا کہ آخرت

اور حشر اور نشر اور قیامت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جس سے آخرت کے بارے میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی اور اب تک آخرت اور قیامت کے بارے میں جو ایمان استدلالی اور بُرہانی تھا اب وہ اس دوبارہ زندگی کے مشاہدہ کے بعد بمنزلہ شہودی اور عیانی کے ہو گیا جس میں ارتداد کا احتمال نہیں۔ استدلال میں احتمال کی گنجائش ہے مشاہدہ اور معاینہ میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے

پائے استدلالیاں چوبیس بود پائے چوبیس سخت بے تمکین بود

پس یہ قصہ اُن دو حکموں کی تمہید ہے جو آئندہ آیات میں مذکور ہوں گے۔ ایک جہاد و قتال کا حکم جو اس قصہ کے متصل مذکور ہے یعنی وَ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ دوسرا حکم انفاقِ مال کا ہے جس کو مَنْ ذَٰلِذِی يُقْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا الخ سے بیان فرمایا پھر ان دو حکموں کے بعد اولاً جہاد و قتال کی ترغیب اور تاکید کے لیے قصہ طلوت و جالوت ذکر فرمایا اور ثانیاً خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کے احکام اور فضائل بیان فرمائے جو دور تک چلے گئے اور پھر احکام صدقات سے فراغت کے بعد ربا اور سود کے احکام بیان فرمائے اس لیے کہ ربا اور سود صدقہ اور خیرات کی ضد اور نقیض ہے اور پھر اس سورت کو ایمان اور اطاعت اور دعا و رحمت و مغفرت پر ختم فرمایا۔ اس سورت کا آغاز بھی ایمان اور ہدایت اور تقویٰ اور فلاح سے ہوا تھا هُدًی لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ الخ۔ وَ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور خاتمہ بھی ایمان اور اطاعت اور دعا و رحمت پر ہوا جو کہ عین فلاح اور عین ہدایت اور عین سعادت ہے۔

بیان ربط بطریق دیگر | دور سے نکاح اور طلاق کے احکام کا سلسلہ چلا آ رہا تھا یہاں آکر احکام معاشرت پورے ہوئے۔ اس لیے اب احکام

معاشرت کے بعد ایک قصہ تذکیرِ آخرت کے لیے ذکر فرمایا جس کو عدت و نفات کے احکام سے خاص مناسبت ہے

یعنی اگر تم بے کس عورتوں کا عرصہ حیات تنگ کرو گے اور اُن کے مہر اور متعہ کے دینے میں کوتاہی کرو گے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عدولِ حکمی کی سزا میں تمہارے اموال اور ذخائر کو اور تمہاری مستعار حیات کو تم سے واپس لے لے جیسا کہ پہلی امتوں میں اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے دیکھنے والے اور اے سننے والے تو نے بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سنا مگر کیا تو نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل گئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے بطور سزا اور تنبیہ یہ حکم دیا کہ سر جاؤ یہ حکم تکوینی تھا اسی وقت سب مر گئے اور جس موت کے ڈر سے بھاگے تھے اسی میں اچانک پکڑے گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک نبی کی درخواست اور استدعا پر دوبارہ زندہ کر دیا۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ طاعون سے بھاگ کر نکلے تھے۔

ایک بیابان میں جا کر اترے اور یہ گمان کیا کہ اب ہم سلامتی اور تندرستی کی جگہ پہنچ گئے تب بحکم خداوندی سب کے سب وہیں مر گئے۔ اور ایک ہفتہ یا کچھ عرصہ بعد حزقیل علیہ السلام جو انبیاء بنی اسرائیل میں سے تھے وہاں سے گذرے اور یہ منظر دیکھا کہ ہزاراں ہزار آدمی مرا پڑا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور اُن سب کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔

ضحاک اور مقاتل اور کلبی سے یہ منقول ہے کہ یہ لوگ جہاد سے بھاگے تھے کہ غنیم سے لڑنا نہ پڑے موت کے ڈر سے وطن چھوڑ کر نکل گئے۔ بھاگ کر جہاں پہنچے اللہ کے حکم سے موت بھی وہیں پہنچ گئی اور سب کا کام تمام کیا۔ پھر بعد چندے اُس زمانہ کے پیغمبر کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے۔

نکتہ قاضی ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ یہ موت موت عقوبت تھی یعنی بطور سزا اور تنبیہ تھی۔ موت اجل نہ تھی جو کہ عمر پوری ہونے کے بعد آتی ہے اس لیے سزا اور تنبیہ کے بعد دوبارہ حیات عطا کر دی گئی تاکہ اپنی عمروں کو پورا کر لیں اور اگر یہ موت موت اجل ہوتی یعنی عمریں پوری کر چکے ہوتے تو پھر حیات واپس نہ ہوتی اس لیے کہ موت اجل کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۳۱، ۳۴۰)

فائدہ اللہ کے یہاں عام قاعدہ تو یہی ہے کہ کوئی مرنے کے بعد قیامت سے پہلے دنیا میں نہیں آتا لیکن بطور خرق عادت کبھی احیانا اللہ تعالیٰ مردہ کو دنیا میں زندہ کرتے ہیں تاکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ظاہر ہو اور منکرین قیامت پر حجت تمام ہو۔

اور تحقیق بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے کہ اس طرح دوبارہ زندہ کر کے اپنی قدرت کا کرشمہ اور قیامت کا نمونہ ایک نبی کی نبوت کی دلیل اور معجزہ لوگوں کو دکھلادیا تاکہ ملاحظہ اور منکرین قیامت اور مکذبین نبوت و رسالت عبرت حاصل کریں اور سمجھ جائیں کہ نہ تو مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا محال ہے اور نہ خدا تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر کسی خارق عادت کرشمہ کا ظاہر ہونا ناممکن ہے۔ اور ایمان کے اصل اصول بھی یہی تین اسرہیں۔ یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت جو اس واقعہ سے ثابت ہوئے اور اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَذُبُّوْا بَقَرَةَ اَيْ جوقصہ ذکر کیا گیا وہ بھی اسی طرح ان تین امور کی دلیل تھا اور آئندہ پارہ میں حضرت ابراہیم کا جوقصہ آنے والا ہے وہ بھی ان ہی تین امور کی دلیل واضح ہے اب دیکھ لو کہ کس طرح سے سورۃ کا اوّل اور آخر اور اوسط باہم متناسب اور مرتبط ہیں۔ ملاحظہ کو چاہیے تھا کہ اس واقعہ کو سامان ہدایت سمجھتے اور اس کو خدا کی نعمت جان کر شکر ادا کرتے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور ایسے واقعات سے عبرت اور ہدایت حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔ یہ واقعہ کوئی معمولی نعمت نہ تھا کہ ایمان بالغیب کو شہودی اور عیانی بنا دیا۔ اور ارتداد کے خطرہ سے نکال دیا اس نعمت پر تو اگر لاکھوں اور کروڑوں جانیں بھی قربان ہو جائیں

تو بہت کم ہیں۔ اور اُن نبی پر بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں جن کی توجہ اور دعا سے یہ نعمت ظہور میں آئی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معهم یا رحم الراحمین۔

ف (۱) اَلْكَوْتَرُ کے معنی ”کیا تو نے نہیں دیکھا“ مگر محاورہ میں اس کے معنی اَلْكَوْتَعْلُو کے ہیں کیا تم کو معلوم نہیں۔ ظاہراً چونکہ روایت بصری علم کا ذریعہ ہے اس لیے لفظ روایت بول کر علم کے معنی مراد لیے گئے۔ فصحاء اور بلغار کے نزدیک یہ لفظ تنبیہ اور تشویق کے لیے مستعمل ہوتا ہے یعنی متنبہ کرنے اور شوق دلانے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سیبویہ سے منقول ہے کہ اَلْكَوْتَرُ کے معنی تَنْبِيْہٌ اِلٰی اُمْرِ الذِّیْنَ کے ہیں (تفسیر القرطبی ص ۲۳ ج ۳) یعنی یہ واقعہ عجیب و غریب ہے اس قابل ہے کہ اس کو شوق اور رغبت کے ساتھ سنا جائے یہ چیز قابلِ دید تھی۔ اور چونکہ یہ واقعہ شہرت اور تواتر کی وجہ سے بمنزلہ محسوس اور مشاہد کے تھا اس لیے بجائے اَلْكَوْتَعْلُو کے لفظ اَلْكَوْتَرُ لایا گیا۔ جیسا کہ حضرات فقہاء اور محدثین نے لکھا ہے کہ خبر متواتر سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بمنزلہ مشاہدہ اور روایت بصری کے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جو امور خبر متواتر سے ثابت تھے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا اُن کو اَلْكَوْتَرُ سے تعبیر کیا ہے۔

یہ بھاگنے والے بنی اسرائیل میں سے ایک قوم تھی جو واسط کے قریب قصبہ دَاوُدَّان میں رہتی تھی۔

ف (۲) وَهُمُ الْكُوفُ۔ اور یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہزار تھے بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ہزار تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ چار ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین ہزار تھے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔

والصحيح انهم زادوا عشرة آلاف
لقولہ تعالیٰ وہم الکوف وهو جمع
الکثرة ولا يقال في عشرة فما
دونها الکوف۔
صحیح ہے کہ دس ہزار سے زیادہ تھے۔
اس لیے کہ الکوف جمع کثرت ہے۔ اس
کا اطلاق دس اور دس سے کم پر نہیں آتا۔
(تفسیر قرطبی ص ۲۲ ج ۳)

ف (۳) حدیث میں ہے کہ جب تم یہ سُنو کہ فلاں زمین میں وبادا در طاعون ہے تو تم اس زمین میں داخل نہ ہونا اور اگر وبادا در طاعون اُس زمین میں پھیل جائے جس میں تم رہتے ہو تو تم اس سے بھاگ کر نہ نکلنا۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو مقام سرخ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شام میں طاعون اور وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس وقت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ حدیث سنائی۔ حضرت عمرؓ یہ حدیث سُن کر سرخ سے واپس آ گئے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔

أَفْرَارًا مِنْ قَدَرِ اللَّهِ

اے امیر المومنین کیا اللہ کی قضا و قدر سے بھاگتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لَوْ غِيرَكَ قَالَهَا يَا أبا عبيدة، نعم نفس من قدر الله الی قدر الله -

کاش! تیرے سوا کوئی یہ شبہ کرتا۔
(یعنی یہ کلمہ تیری شان کے مناسب نہیں)
ہاں ہم اللہ کی ایک قضا و قدر سے خدا کی دوسری قضا و قدر کی طرف بھاگ رہے ہیں

جس طرح بیماری میں علاج کرنا ایک قضا و قدر سے دوسری قضا و قدر کی طرف بھاگنا ہے اس لیے کہ بیماری بھی اللہ کی قضا و قدر سے ہے اور علاج اور دوا بھی اللہ کی قضا و قدر ہے اسی طرح ہمارا وبائی زمین میں داخل نہ ہونا اور وطن کی طرف لوٹ جانا ایک قدر سے دوسری قدر کی طرف جاننا ہے۔ یہ آیت معاد جسمانی کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل ہے۔ معاد جسمانی کا اقرار اصول ایمان میں سے ہے اور معاد جسمانی کا منکر باجماع امت بلا شبہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اور لڑو اللہ کی راہ میں، اور جان لو کہ اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۳﴾

سُنا ہے جانتا۔

تشجيع شاکرین بر جہاد و قتال کافرین

قال تعالى: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
گزشتہ آیت میں حکم جہاد کی تمہید تھی۔ اس آیت میں اصل مقصود کو بیان کرتے ہیں۔ نیز گزشتہ آیت شاکرین اور غیر شاکرین کے بیان پر مشتمل تھی اب اس آیت میں شکر گزاروں کو ناشکروں سے جہاد و قتال کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اب تو تم نے دیکھ لیا کہ موت سے بھاگنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ لہذا خدا کی راہ میں خوب دل کھول کر لڑو۔ خدا کی راہ میں اگر موت بھی آتی ہے تو حقیقت

اس کی حیات ہوتی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جہاں میں جانے اور نہ جانے کی بابت جو باتیں کرتے ہو وہ سب سنتا ہے اور جو نیت دل میں چھپائے ہو اس کو جانتا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ

کون شخص ہے ایسا؟ کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض، کردہ اس کو دونا

لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ

کردے کتنے برابر؟ اور اللہ تنگی کرتا ہے اور کشائش

وَالِيهِ تَرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

اور اسی پاس اُٹے جاؤ گے۔

ترغیب انفاق مال در راہ خداوند ذوالجلال

قال تعالیٰ۔ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ... اُلے... وَالِيهِ تَرْجَعُونَ ۝
گزشتہ آیت میں خدا کی راہ میں جان دینے کا بیان تھا اب اس آیت میں مال دینے کا بیان ہے کون شخص ہے جو اللہ کو نہایت عمدہ اور اچھا قرض دے یعنی حلال مال سے اخلاص اور خوش دلی کے ساتھ دے پس اللہ تعالیٰ اُس کو گونا گوں بڑھا کر دیں گے۔ دنیا کی طرح برابر برابر نہ دیا جائے گا۔ خداوند ذوالجلال معاذ اللہ حاجت کی بناء پر قرض نہیں مانگتا بلکہ تم سے اس لیے قرض مانگتا ہے کہ تم سے ایک لے کر بے شمار اس کے عوض عطا کرے۔ باپ کبھی اپنے خور و سال بچے کو ایک پیسہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ بیٹا یہ پیسہ ہم کو قرض دے دو۔ جب وہ بچہ باپ کے ہاتھ پر وہ رکھ دیتا ہے تو باپ بصد ہزار محبت و پیار اس کے ہاتھ پر ایک دینار رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی مطلق اور مالک مطلق ہے اس کو کسی کے قرض کی ذرہ برابر حاجت نہیں وہ اپنے خزانہ سے جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے دسعت اور کشائش کے ساتھ دیتا ہے اور جس طرح تم دنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے اسی طرح تم خالی ہاتھ اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ اگر خدا تعالیٰ تم سے قرض کے نام سے بھی نہ مانگتا اور نہ کسی معاوضہ کا وعدہ فرماتا تب بھی تم کو تمام مال اس کے لیے حاضر کر دینا تھا۔ یہ مال اور جان اور یہ وجود سب اسی کا عطیہ ہے۔

ف (۱) خدا کی راہ میں دینے کو مجازاً قرض کہا گیا اس لیے کہ قرض دینے کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اپنا مال اس شرط پر دے کہ پھر وہ برابر سراسر اس کے پاس واپس آجائے اور بندہ حقیقتاً کسی چیز کا مالک نہیں سب چیز اللہ کی ہے۔ آقا کو غلام سے قرض مانگنے کی کیا ضرورت۔ خود غلام اس کا مملوک ہے۔

محض تطف اور اظہار عنایت کے لیے اس کا نام قرض رکھ دیا کہ خدا کی راہ میں جو خرچ کرو گے من جانب اللہ اس کا معاوضہ ملے گا جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنْ اَمْوَالِکُمْۤ اَنْفُسَکُمْ وَاَمْوَالُکُمْ بِاَنْ لَّکُمُ الْجَنَّةُ۔ میں نفوس اور اموال کے عوض میں جنت دینے کا نام بیع و شراء رکھا۔ حالانکہ جان اور مال اور جنت سب کے وہی مالک ہیں۔ بیع و شراء کے لیے یہ ضروری ہے کہ بائع اور مشتری کی ملک علیحدہ علیحدہ ہو۔ پس جس طرح اس آیت میں درحقیقت وہی بائع اور وہی مشتری ہیں محض ظاہر کے اعتبار سے بندہ کو بائع اور اپنے کو مشتری مجازاً قرار دیا اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ لینے والے اور دینے والے سب وہی ہیں مجازاً اس کو قرض سے تعبیر کر دیا تاکہ اس ظلم و جہول کا دل خوش ہو جائے اور اگر کچھ عقل ہے تو غیرت سے زمین میں گڑ جائے کہ اللہ اکبر خود اپنے فضل و کرم سے مال و دولت ہم کو دیتے ہیں اور پھر ہمارے ہاتھ میں دے کر یہ فرماتے ہیں کہ لاؤ اس میں سے کچھ ہم کو قرض دے دو اور حکم بھی بصورت امر نہیں بلکہ استفہام کی صورت میں ہے کہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کو قرض دے یہود بے بہبود بڑے ہی نادان تھے کہ اس تطف اور عنایت کو تو نہ سمجھے بلکہ الٹا یہ سمجھے کہ معاذ اللہ خدا حاجت مند ہے۔ اس لیے ہم سے قرض مانگتا ہے۔ کما قال تعالیٰ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَ نَحْنُ اَغْنِیَاۤءُ۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں مضاف مقدر ہے۔ اِی من ذالذی یقرض عباد اللہ یعنی کون ہے جو اللہ کے بندوں کو قرض دے اللہ کو قرض دینے سے اس کے بندوں کو قرض دینا مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔

اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عبادت نہ کی۔ میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھ کو کھانا نہیں دیا۔ میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھ کو پانی نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! آپ کو کیسے پلاتا آپ تو تمام عالم کے مربی اور کھلانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے کھانا نہیں

یا ابن آدم مرضت فلم تعد فی واستطعمتک فلم تطعمنی و استسقیئتک فلم تسقنی قال یارب کیف اسقیئت و انت رب العالمین قال استسقاک عبدی فلان فلم تسقه اما انتک لو سقیته وجدت ذلک عندی الحدیث اخرجه

مسلم و البخاری کذا فی

تفسیر القرطبی ص ۲۴ ج ۳۔

دیا اگر تو اس کو کھانا دیتا تو اس کو ضرور میرے

پاس پاتا۔ الی آخر الحدیث۔

(۲) حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا نَّالِ ہوئی تو ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے (بطور مسرت اور لذت) عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ان اللہ تعالیٰ

یرید منا القرض قال نعم یا

ابا الدحداح۔

ابوالدحداحؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے پاس دو باغ ہیں ایک عالیہ میں اور ایک سافلہ میں اور

خدا کی قسم ان دو باغوں کے سوا اور کسی چیز کا مالک نہیں۔ دونوں باغوں کو خدا تعالیٰ کے لیے قرض دیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک باغ خدا کے لیے دیدے اور ایک باغ اپنے اہل و عیال کے گذران معاش کے لیے رہنے دے۔ ابوالدحداحؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں آپؐ کو گواہ بناتا ہوں کہ ان دو باغوں میں جو سب سے بہتر باغ ہے جس میں چھ تنو کھجور کے درخت ہیں وہ اللہ کے لیے دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِذَا يَجْزِيكَ اللَّهُ بِهِ
الْجَنَّةَ
اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کے عوض میں جنت
میں باغ دے گا۔

ابوالدحداحؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر اپنے اس بڑے اور عمدہ باغ میں پہنچے جسے خدا تعالیٰ کی نذر کر آئے تھے۔ ابوالدحداحؓ کی بیوی ام دحداحؓ اور بچے اُسی باغ میں تھے اور پھل کھا رہے تھے اور درختوں کے سایہ میں کھیل رہے تھے ابوالدحداحؓ باغ میں داخل ہوئے اور بیوی دام دحداحؓ سامنے آئیں۔ ابوالدحداحؓ نے یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔

هَذَاكَ رَبِّي سُبُلَ الرَّشَادِ
إِلَى سَبِيلِ الْخَيْرِ وَالسَّادِ

اللہ تعالیٰ تجھ کو رشد اور ہدایت اور خیر اور صواب کے راستے پر چلائے۔

وَبَيْنِي مِنَ الْخَائِطِ بِأَلْوَدَادِ
فَقَدْ مَضَى قَرْضًا إِلَى التَّنَادِ

اس باغ سے فرحت اور مسرت کے ساتھ ابھی علیحدہ ہو جاؤ اور باہر چلی جاؤ۔ یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قیامت تک کے لیے قرض دیدیا ہے۔

أَقْرَضْتُهُ اللَّهُ عَلَى اِعْتِمَادِي
بِالطَّوْعِ لَا مَنِّ وَلَا اِزْتِدَادِ

یہ باغ میں نے اللہ تعالیٰ کو نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ قرض دیا ہے جس کا نہ کوئی احسان ہے اور نہ جس کو واپس لینا ہے۔

إِلَّا رَجَاءُ الضَّعْفِ فِي الْمَعَادِ
فَارْتَحِلِي بِالنَّفْسِ وَالْأَوْكَادِ

صرف اضعا فاضاعہ اجر اور ثواب کی امید پر قرض دیا ہے لہذا اسی وقت تو خود مع بچوں کے باغ سے باہر نکل جا اب یہ باغ خدا تعالیٰ کا ہو چکا ہے ہمارا نہیں رہا۔
وَالْبِرُّ لَا شَكَّ فَخَيْرٌ زَادَ قَدَمَهُ الْمَرْءُ إِلَى الْمَعَادِ
اور آخرت کا بہترین توشہ وہ خدا کی راہ میں نیکوئی ہے یعنی اپنی محبوب چیز کو خدا کی راہ میں دے دینا ہے کما قال تعالیٰ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔
ام و حداح نے شوہر کا یہ کلام سُننے ہی اول تو مبارک باد دی اور یہ کہا۔

رَبِّحْ بِبَيْعِكَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ تیری تجارت نفع مند ہوئی اللہ تعالیٰ
فِيمَا اشْتَرَيْتَ برکت دے اُس میں جو تو نے خریدا ہے۔

بعد ازاں شوہر کی نظم کا جواب نظم میں دیا اور یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔
بَشِّرْكَ اللَّهُ بِخَيْرٍ وَفَرَحْ مِثْلُكَ أَذَى مَا لَدَيْهِ وَنَصَحْ
تجھ کو خیر اور فرحت کی بشارت ہو تجھ جیسا ہی ایسے حوصلے کے کام کرتا ہے
قَدْ مَتَّمَ اللَّهُ عِيَالِي وَمَنَحْ بِالْعُجُوَّةِ السَّوْدَاءِ وَالزَّهْرُ الْبَلَحْ
اللہ تعالیٰ نے میرے بچوں کو قسم قسم کی کھجوریں دی ہیں۔ اگر ایک باغ خدا کو دے دیا تو کیا ہوا۔

وَالْعَبْدُ يَسْعَىٰ وَلَهُ مَا قَدْ كَدَحْ طُولَ اللَّيَالِي وَعَلَيْهِ مَا اجْتَرَحْ
بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اپنی ہی منفعت اور آخرت کی درستی کے لیے کرتا ہے
یعنی خدا تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں نیکی سے بندہ کو ثواب ملتا ہے اور گناہ کا وبال اس پر پڑتا ہے۔

بعد ازاں ام و حداح بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں بچے جو پھل دامنوں میں لے رہے تھے وہ دامن جھٹک دیئے اور جو کھجوریں بچوں کے منہ میں تھیں وہ انگلی ڈال کر نکال دیں اور بچوں سے کہا کہ اس باغ سے نکلو اور اسی وقت دو گرا باغ میں منتقل ہو گئیں۔

اں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا۔

كَمْ مِنْ عَذَقٍ رَدَّاحٍ وَدَارٍ نِيَّاحٍ نہ معلوم ابو الدحداح کے لیے آخرت میں
لَا بَنِي الدَّحْدَاحِ (تفسیر قرطبی) کتنے بے شمار کھجور کے لمبے لمبے درخت
ہیں اور کتنے وسیع اور کشادہ مکان ہیں۔

ص ۲۳ ج ۳

(۳) قرض دینے میں بڑا اجر عظیم ہے مسلمان کی پریشانی اُس سے دور ہوتی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا۔

الصدقة بعشر امثالها والقرض
بثمانية عشر - صدقہ کا اجر دس گونہ ہے اور قرض کا
اٹھارہ گنا۔
میں نے جبریل سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ قرض کو صدقہ سے افضل قرار دیا گیا۔ جبریل نے کہا سائل
سوال کرتا ہے اور اس کے پاس کچھ ہوتا ہے۔ اور قرض مانگنے والا بغیر حاجت کے قرض نہیں مانگتا۔
(تفسیر قرطبی صفحہ ۲۴۷ ج ۳)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ

تو نے نہ دیکھی ایک جماعت بنی اسرائیل میں ،

مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّهِمْ

موسیٰ کے بعد ؛ جب کہا اپنے نبی کو ، کھڑا

اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ

کر دے ہم کو ایک بادشاہ ، کہ ہم لڑائی کریں اللہ کی

اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

راہ میں ، وہ بولا کہ یہ بھی توقع ہے تم سے ، کہ اگر حکم ہو تم کو

الْقِتَالُ اَلَّا تَقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ

لڑائی کا تب نہ لڑو ۔ بولے ہم کو کیا ہوا ہم نہ لڑیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ اخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

اللہ کی راہ میں ، اور ہم کو نکال دیا ہے۔ ہمارے گھر سے اور

اَبْنَانَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا

بیٹوں سے۔ پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا پھر گئے مگر

قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ

تھوڑے ان میں سے۔ اور اللہ کو معلوم ہیں گنہ گار ۔ اور کہا

لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ط

ان کو ان کے نبی نے اللہ نے کھڑا کر دیا تم کو طالوت بادشاہ - بولے

قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ

کہاں ہو گی اس کو سلطنت ہمارے اوپر اور ہمارا حق زیادہ

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُوتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ

ہے سلطنت میں اس سے اور اس کو ملی نہیں کشائش مال کی کہا

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي

اللہ نے اس نے اس کو پسند کیا تم سے اور زیادہ کشائش دی عقل

الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ط

میں اور بدن میں اور اللہ دیتا ہے اپنی سلطنت جس کو چاہے

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۲۳۴ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ

اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا - اور کہا ان کو اُن کے نبی نے نشان ان

مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ

کی سلطنت کا یہ کہ آوے تم کو صندوق جس میں ہے دل جمعی تمہارے

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

رب کی طرف سے اور کچھ بچی چیزیں جو چھوڑ گئے موسیٰ اور ہارون کی اولاد ،

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ

اٹھالادیں اس کو فرشتے اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر یقین

مُؤْمِنِينَ ۝۲۳۵ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۚ قَالَ إِنَّ

رکھتے ہو - پھر جب باہر ہوا طالوت فوجیں لے کر کہا اللہ تم



اللَّهُ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ

کو آزماتا ہے ایک نہر سے۔ پھر جس نے پانی پیا اس کا وہ میرا نہیں

وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ

اور جس نے اس کو نہ چکھا وہ ہے میرا، مگر جو کوئی بھرے

غُرْفَةً يُبَدِّهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ

ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھری گئے اس کا پانی مگر تھوڑے ان میں۔

فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ قَالُوا لَا

پھر جب پار ہوا وہ اور ایمان والے اس کے ساتھ کہنے لگے

طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ

قوت نہیں ہم کو آج جالوت کی اور اس کے لشکروں کی بولے جن کو

يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلاقُوا اللَّهَ ۚ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

خیال تھا کہ اُن کو ملنا ہے اللہ سے بہت جگہ جماعت تھوڑی

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً ۚ يَٰٓأَذِينَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ مَعَ

غالب ہوئی ہے جماعت بہت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ

الصَّابِرِينَ ۖ ﴿٢٣٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا

ہے ٹھہرنے والوں کے۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے بولے

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا

اے رب ہمارے ڈال دے ہم میں جتنی مضبوطی ہے اور ٹھہرا ہمارے پاؤں اور مدد

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۖ ﴿٢٤٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَ

کر ہماری اس کافر قوم پر پھر شکست دی ان کو اللہ کے حکم سے اور

قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

مارا داؤد نے جالوت کو اور دی اس کو اللہ نے سلطنت اور تدبیر

وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ

اور سکھایا اس کو جو چاہا ۔ اور اگر نہ کروادے اللہ لوگوں کو

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ

ایک کو ایک سے تو خراب ہو جاوے ملک لیکن اللہ

ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ أَنْتَلُوهَا

فضل رکھتا ہے جہاں کے لوگوں پر ۔ یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

کو سنا تے ہیں۔ تحقیق اور تو بے شک رسولوں میں ہے ۔

قصہ طالوت و جالوت

برائے ترغیب جہاد و قتال و رعایت آداب جہاد

قال تعالى: أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَكِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى... وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ه (رابط) حق جل شانہ ان آیات میں بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ بیان فرماتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً اور اندازاً گیارہ سو سال پہلے گذرا ہے۔ اس قصہ سے جہاد و قتال کی ترغیب اور آداب جہاد کی تعلیم اور صبر و تحمل کی تلقین مقصود ہے۔ نیز گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا قابض اور باسط ہونا مذکور ہوا وَاللَّهُ يَغْبِضُ وَيُبْغِضُ وَالْيَهُ تَرْجِعُونَ۔ اب ان آیات اور اس قصہ میں جو یہاں مذکور ہوا اس کے قبض اور بسط کی دلیل ہے کہ وہ مالک الملک ایسا قابض اور باسط ہے کہ جب چاہتا ہے فقیر کو بادشاہ اور بادشاہ کو فقیر بنا دیتا ہے۔ بادشاہت کا دینا اور چھیننا سب اس

سہ کما فی التفسیر المحقانی ۱۳

کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے مخاطب! تو نے بنی اسرائیل کے سربراہ آدرہ اور اشراف لوگوں کی جماعت کو نہیں دیکھا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ایک زمانہ بعد اپنے زمانہ کے ایک نبی جن کا نام شمول تھا یہ کہا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے جس کے ساتھ ہو کر ہم راہ خداوندی میں جہاد و قتال کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک مدت تک بنی اسرائیل کا حال درست رہا اور ان کا کام بنا رہا۔ رفتہ رفتہ جب وہ احکامِ تورات سے دور ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو ان پر مسلط کیا اور علاقہ ان پر غالب آ گئے اور جالوت جو کافر بادشاہ تھا اُس نے بنی اسرائیل کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا اور سینکڑوں بچوں کو پکڑ کر لے گیا اور ان کو غلام اور لونڈی بنالیا۔ اور بنی اسرائیل سے توریت بھی چھین کر لے گئے۔ جب ذلت اور رسوائی یہاں تک پہنچ گئی تو بنی اسرائیل کے اشراف اور سرداروں کو خیال پیدا ہوا کہ اس ذلت کا کوئی مداوی ہو اس لیے اپنے نبی سے جن کا نام شمول تھا بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی حضرت شمول نے ان کو یہ جواب دیا کہ کیا تم سے اس کی توقع ہے کہ اگر تم کو جہاد و قتال کا حکم ہو جائے تو نہ لڑو یعنی تمہاری حالت سے مجھے توقع نہیں کہ اگر تم پر جہاد و قتال فرض ہو جائے تو تم بادشاہ کے ساتھ ہو کر جہاد و قتال کرو۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمیں کیا ہوا کہ خدا کی راہ میں جہاد و قتال نہ کریں اور حالانکہ جہاد کے لیے اس وقت ایک خاص داعیہ اور سبب بھی موجود ہے وہ یہ کہ ہم اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اپنے بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ غرض یہ کہ اس طرح لوگوں نے جہاد پر اپنی بے چنگی اور آمادگی کو ظاہر کیا پس جب ان کے اصرار اور اظہارِ بے چنگی کے بعد ان پر جہاد و قتال فرض کیا گیا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے اور وہ چند آدمی وہ تھے کہ جو نہر سے پار اترے جس کا بیان عنقریب آئے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں اور ستمگاروں کو خوب جانتا ہے ظلم اور معصیت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔ اور ظلم و ستم کی اصل جڑ نبی پر اعتراض کرنا ہے جس نے نبی کی بات کو بے چون و چرا قبول کیا اس نے اپنی جان پر رحم کیا اور جس نے نبی کی بات پر اعتراض کیا اس نے اپنی جان پر ظلم عظیم کیا۔ چنانچہ جس وقت ان کے نبی نے ان کے جواب میں کہا کہ (اول) تو یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یعنی تمہاری عزت اور سرداری کے حصول کے لیے طاوت بادشاہ مقرر کیا ہے سنتے ہی نبی پر اعتراضات شروع کیے اور یہ کہا کہ طاوت کو ہم پر حکومت اور سلطنت کا کیا حق حاصل ہے۔ طاوت ایک فقیر آدمی ہے قوم کا ستقار یا

۱۔ یہ ترجمہ لفظ ملا کا ہے اس لیے کہ ملا لغت میں اشراف اور سرداروں کی جماعت کو کہتے ہیں جو اپنی عظمت اور ہیبت سے مجلس کو بھر دے۔ ۲۔ جمہور کا قول یہی ہے کہ ان کا نام شمول تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی شمعون تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام یوشع بن نون تھا اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے قریب زمانہ کا ہے اور یوشع بن نون حضرت موسیٰ کے کچھ عرصہ بعد وفات پا گئے تھے ۱۲۔

رنگیز ہے۔ شاہی خاندان سے نہیں۔ اور ہم سلطنت کے اُس سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم شاہی خاندان سے ہیں اس لیے کہ ہم یہود کی اولاد میں سے ہیں جس میں بادشاہت چلی آرہی ہے اور علاوہ ازیں طاوت کو مال و دولت کی فراخی اور فراوانی بھی حاصل نہیں اور ہم دولت مند اور اصحاب ثروت ہیں۔ لہذا ایسے شخص کو کہ جس کو نہ خاندانی وجاہت حاصل ہو اور نہ مالی عزت حاصل ہو بادشاہ بنانا کسی طرح مناسب نہیں۔ اللہ کے نبی نے ان کے اعتراض کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے یہ اعتراض سب مہمل اور لایعنی ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے طاوت کو محض تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے پسند کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جس کو سلطنت کے لیے پسند فرمائیں گے اُس سے بڑھ کر کوئی شخص سلطنت اور حکمرانی کا اہل نہیں ہو سکتا اور خصوصاً جب کہ ارادہ خداوندی تمہارے نفع اور خیر کا ہے جیسا کہ لفظ لکھو سے صاف ظاہر ہے تو ایسی صورت میں تو کسی شر اور فساد کا احتمال ہی نہیں رہتا۔ معلوم ہوا کہ طاوت کی سلطنت تمہارے لیے سراپا خیر و برکت ہوگی اور دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے تمہارے لیے باعث عزت ہوگی۔

حق جل شانہ جب کسی قوم کی تباہی اور بربادی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس پر ظالموں اور ستمگاروں کو حاکم بناتے ہیں اور جب کسی قوم کی فلاح اور بہبودی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پاکیزہ اور پسندیدہ حکمران اُن کے لیے مقرر فرماتے ہیں۔ غرض یہ کہ طاوت کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خیر اور نفع اور مصلحت کے لیے پسند کیا ہے اور تم اپنی مصلحتوں کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتے اس لیے اس انتخاب خداوندی میں تم کو خدشہ اور دوسوہ نہ کرنا چاہیئے اور دوسرے یہ کہ سلطنت اور بادشاہت کا اصل دار و مدار عقل سلیم اور جسم سلیم پر ہے حسب و نسب اور مال و دولت پر نہیں جس شخص کے قوائے عقلیہ اور اکیہ اور قوائے جسمانیہ صحیح اور تندرست ہوں وہی بادشاہ بنائے جانے کا مستحق ہے اور یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ نے طاوت کو عطا کی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم و فہم اور عقل و دانش میں وسعت اور فراخی عطا کی ہے اور قوت جسمانیہ اور بدنیہ میں بھی اس کو زیادتی عطاء فرمائی ہے اور بادشاہ ہونے کے لیے انہی دو صفتوں کی ضرورت ہے علم اور فہم سے ملکی انتظام پر قدرت ہوگی اور بدنی قوت اور جسمانت شجاعت اور بہادری کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ جب فہم و فراست کے ساتھ شجاعت بھی مل جائے گی تو کارخانہ سلطنت نہایت خیر و خوبی کے ساتھ چلے گا۔ اس لیے کہ سلطنت چلانے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ بادشاہ کی عظمت اور ہیبت لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو۔ اگر دلوں میں بادشاہ کی عظمت اور ہیبت نہ ہو تو لوگ اطاعت اور فرمانبرداری نہ کریں گے اور کارخانہ سلطنت نہ چلے گا اور حقیقی عظمت اور ہیبت کا مدار فہم و فراست اور قوت و شجاعت پر ہے اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ نے طاوت کو عطا کی ہیں طاوت علم اور فہم میں بھی سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور قوت جسمانیہ کا یہ حال تھا کہ طاوت تمام بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ خوبصورت اور قد آور اور بہادر تھے اور اِنَّ اَکْثَرَ اَصْطَفٰی سَے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاوت مُلْهُم مِّنْ اَحَدِ

بھی تھے یعنی صاحب الہام بھی تھے اس لیے کہ قرآن کریم میں جس کسی کو شانِ اصطفیٰ سے حصہ ملا ہے وہ ضرور صاحب الہام اور صاحب کشف و کرامت ہوا ہے اور فی العلم کا لفظ اپنے عموم اور اطلاق کی بنا پر علم ظاہری اور علم باطنی اور علم شریعت اور علم سلطنت اور علم سیاست سب کو شامل ہے کیونکہ ایسی سلطنت جس سے دین اور دنیا دونوں ہی درست ہوں وہ جب ہو سکتی ہے کہ جب بادشاہ اوصاف مذکورہ کا حامل ہو۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں اس کی عطا اور بخشش کے لیے کسی اہلیت اور قابلیت کی شرط نہیں بلکہ اہلیت اور قابلیت کے لیے اس کی عطا شرط ہے کسی کی مجال کیا ہے جو اس خداوند ذوالجلال سے سوال کر سکے وہ مالک مطلق ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں بادشاہی عطا کرتے ہیں اور اگر وہ شخص بادشاہت کی ذرہ برابر لیاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس کو سلطنت کی لیاقت اور قابلیت عطا فرما دیتے ہیں اور غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور کشائش والے ہیں اس کے خزانہ کی کوئی حد اور نہایت نہیں انہیں کسی فقیر کو امیر بنا دینا کیا مشکل ہے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بادشاہت کے لائق ہے۔ اور کون اس کے لائق نہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں طالوت کی بادشاہی کے چار سبب بیان کیے اول اس کی خداداد صلاحیتیں جس کو اصطفا سے تعبیر کیا دوم وسعت علم جس پر حکمرانی اور تدبیر ملے کا دار و مدار ہے سوم توانائی جسم جو شجاعت اور ہیبت اور قدرت علی المدافعت کا موجب ہے چہارم تائید غیبی جس کو اللہ یُوْنٰی مِّنْ مَّوَدِّہٖ اٰیۃً مَّکِیۃً الخ سے ظاہر فرمایا۔

چونکہ بنی اسرائیل کے سرداروں نے طالوت کے بادشاہ بنانے کو بہت بعید سمجھا اس لیے اُن کے رد میں قدرے تفصیل فرمائی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ کہ بادشاہت کا اصلی اور حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش اور اس کا اصطفا اور پسندیدگی ہے خدا تعالیٰ جس کو بادشاہت کے لیے پسند فرمائے وہی بادشاہ ہے اور خدا تعالیٰ جس کو پسند فرمائے وہ کبھی ناپسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ اور اگر تمہاری نظر ظاہری اسباب پر ہے تو سمجھ لو کہ سلطنت کا مدار حسب و نسب اور مال و دولت پر نہیں اس لیے کہ مال آنے جانے والی چیز ہے صبح آتا ہے اور شام جاتا ہے۔ بلکہ سلطنت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ علم اور فہم ہو اور اس کے ساتھ قوت بدنیہ ہو تاکہ اس قوت جسمانیہ سے علم اور فہم کے موافق عمل کرنے کی قدرت حاصل ہو سکے ورنہ علم بغیر قدرت اور قوت کے بیکار ہے خصوصاً کارخانہ سلطنت محض علم سے بدون قدرت کے نہیں چلتا۔ اور تیسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو مجال دم زدنی نہیں۔ وہ تمام مصلحتوں کو تم سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے وہ تم پر تم سے زیادہ مہربان ہے۔ اس لیے اب تم کو طالوت کی بادشاہت میں کوئی حجت نکالنا روا اور زیبا نہیں۔ مگر یہ ظالم کب خاموش ہونے والے تھے اللہ کے نبی نے ان ظالموں کے اعتراض کا نہایت

علم۔ اس لفظ ظالم میں گزشتہ آیت وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظَّالِمِیْنَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۷۲

شافی اور کافی جواب دے دیا لیکن یہ لوگ اپنے دوسو سول کی وادی تہ میں بھٹکتے رہے اور بالآخر ان لوگوں نے حضرت شمول سے یہ کہا کہ اچھا ہمیں طاوت کی بادشاہت اور ان کے برگزیدہ ہونے کی کوئی ظاہری نشانی بتلائیے جسے دیکھ کر ہمیں ان کے بادشاہ ہونے کا بالبداہت یقین آجائے اور قلب مطمئن ہو جائے اس وقت ان کے پیغمبر نے یہ فرمایا کہ تحقیق طاوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس بلا کسی ظاہری سبب کے وہ صندوق آجائے گا جو تم سے چھین گیا تھا۔ اس صندوق کے اس طرح آنے میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری دل جمعی اور سکون قلب اور آرام دل کا سامان ہوگا اور اس صندوق میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے خاندان کے کچھ برکات بھی ہوں گے جنکو وہ چھوڑ گئے ہیں، ان برکات کا تمہیں مل جانا صد ہزار خیرات و برکات کا موجب ہوگا۔ ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور سدیؓ اور عکرمہؓ اور ربیع بن انسؓ اور ابوصالحؓ سے مروی ہے کہ اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے عصا اور ان کے عمامے اور جوتے وغیرہ تھے۔ اور اس صندوق کی آمد بھی عجب شان سے ہوگی۔ وہ یہ کہ فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر لائیں گے اور طاوت کے سامنے لا کر رکھ دیں گے تحقیق اس صندوق کے اس طرح آنے میں تمہارے لیے ایک نشانی ہوگی جو طاوت کی بادشاہت اور میری نبوت کی صداقت کی دلیل ہوگی۔ اگر تم باور کرو۔ صندوق کا اس خارق عادت طریق پر آنا جس طرح طاوت کی بادشاہت کی دلیل ہوگا۔ اسی طرح حضرت شمولؑ کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہوگا کہ اللہ کے نبی نے جس طرح خبر دی تھی اسی طرح ظہور ہوا اور فرشتوں نے وہ تابوت لا کر طاوت کے سامنے رکھ دیا۔ بنی اسرائیل خوش ہو گئے اور ان کو بادشاہ مان لیا اور سب کے سب جہاد کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ پس جب طاوت ان فوجوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا تو فوجوں سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارے صبر اور تحمل کی آزمائش فرمائیں گے ان لوگوں نے اللہ کے نبیؑ پر اعتراضات کیے اور طاوت کی بادشاہت کی نشانی طلب کی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک آزمائش میں مبتلا کیا۔ بظاہر یہ ابتلا اور آزمائش کا حکم بذریعہ وحی حضرت شمولؑ پر نازل ہوا اور پھر حضرت شمولؑ کی ہدایت کے مطابق طاوت نے اس حکم کا اعلان کیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت طاوتؑ کو اس کا الہام ہوا ہو اس لیے کہ حضرت طاوت خدا کے پسندیدہ تھے اگرچہ نبی نہ تھے۔ مگر ولی ضرور تھے۔ الہام یا خواب کے ذریعہ سے اس کا القاء ہونا کوئی مستبعد نہیں اور ولی کا الہام اگرچہ فی حد ذاتہ ظنی ہے مگر جب نبیؑ اس کی تصدیق کر دے تو وہ قطعی ہو جاتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ ایسے عظیم الشان امر کے متعلق طاوت کو کوئی الہام ہو اور وہ اپنے اس الہام کا بغیر حضرت شمولؑ کی تصویب اور اجازت کے اعلان کریں۔ نبیؑ کی تصدیق اور تصویب تو بہت بڑی چیز ہے کسی چیز کو ہوتے دیکھ کر نبیؑ کا انکار نہ کرنا یہ بھی اس امر کے جائز ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس کو تقریر نبوی کہتے ہیں۔ یعنی نبی کے سکوت اور عدم انکار نے اس امر کو جائز اور درست قرار دیا جو باجماع امت

حجت ہے۔ اب آئندہ آیت میں اس امتحان کی تفصیل ہے۔ پس جو شخص اس نہر سے سیر ہو کر پانی پی لے گا اس کا میسر سے کوئی تعلق نہیں یعنی میرے گروہ سے نہیں رہا اور جس شخص نے اس کا مزہ بھی نہ چکھا یعنی پینا تو درکنار منہ سے بھی نہ لگایا تو وہ بلاشبہ میرے سے وابستہ ہے اور میرے خاص رفقاء اور ساتھیوں میں سے ہے مگر وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے سودہ میرے گروہ سے خارج نہ ہوگا۔ عزیمت اور اصل حکم تو یہی تھا کہ پانی کو بالکل نہ چکھتا۔ بمقدار ایک چلو کے رخصت ہے یعنی جس نے سیر ہو کر تو پانی نہیں پیا اور صرف جان بچانے کے لیے ہی برائے نام پی لیا تو وہ بھی فی الجملہ مقبول ہے اور غنیمت ہے پس جب اُس نہر پر پہنچے تو سب نے بے تحاشا اس نہر سے منہ لگا کر پانی پی لیا مگر تھوڑے آدمیوں نے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی انہوں نے عزیمت اور رخصت پر عمل کیا اور اجازت سے تجاوز نہ کیا۔ جن لوگوں نے چلو سے پانی پیا اُن کی پیاس بجھ گئی اور ان کا دل قوی ہو گیا اور جن لوگوں نے زیادہ پیا وہ بزدل اور نامرد ہو گئے اور نہ ان کی پیاس بجھی اور نہ وہ اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہو سکیں پس جب طالوت اور ان کے رفقاء مومنین نہر سے پار ہو گئے اور دیکھا کہ ہم ایک مٹھی بھر جماعت ہیں اور جالوت کا لشکر ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہے اس لیے بعض ضعیف القلب یہ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ دشمن کی طاقت بہت ہے اور ہم بہت تھوڑے ہیں البتہ ان میں سے جو لوگ اولوالعزم اور اہل ہمت تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک دن خدا سے ملنا ہے اور اس کو منہ دکھانا ہے اور خدا تعالیٰ نے جو فتح اور نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق ہے۔ ان لوگوں نے کمزوروں کو ہمت دلائی اور یہ کہا کہ گھبراؤ نہیں فتح و نصرت کا دار و مدار قلت و کثرت پر نہیں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بہت تھوڑی اور چھوٹی سی جماعت بڑی سے بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے کے لیے میدان میں نکلے تو اپنی ہمت اور شجاعت پر نظر نہیں کی بلکہ خداوند ذوالجلال کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعا مانگنی شروع کی اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کو پانی کی طرح بہا دے کہ سر سے پیر تک صبر کے پانی میں نہا جائیں اور صبر کی برودت اور سکینت ہمارے ظاہر اور باطن میں سرایت کر جائے اور کافروں کے مقابلے میں ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہم کو فتح دے۔ پس اس صبر اور تحمل اور اللہ پر اعتماد اور توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تھوڑے آدمیوں نے جالوت کی فوجوں اور لشکروں کو اللہ کی تائید سے شکست دی اور داؤد علیہ السلام نے جو

عہ اشارہ اس طرف ہے کہ اُفْرَغْ عَلَيْنَا میں استعارہ ہے۔ افراغ اصل میں پانی بہا دینے کو کہتے ہیں اور کلمہ علی علینا میں استعلاء کے لیے ہے یعنی وہ صبر ہماری کمزوری پر غالب آجائے ۱۲

اس وقت مع اپنے والد اور چھ بھائیوں کے طاوت کے لشکر میں تھے اور ابھی تک اُن کو نبوت نہیں ملی تھی جاوت کو قتل کر ڈالا۔ داؤد علیہ السلام اپنے سب بھائیوں میں چھوٹے تھے جب میدان کارزار سامنے آیا اور جاوت نہایت کز و فر کے ساتھ زرہ اور خود پہن کر میدان میں آیا اور بنی اسرائیل سے مبارزہ اور مقابل طلب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام بغیر تلوار اور بغیر ہتھیار کے صرف تین پتھر لے کر اس کے مقابلہ کو نکلے۔ جب سامنے آئے تو اُن پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر جاوت کی پیشانی پر مارا۔ وہ پتھر جاوت کی گدڑی کی جانب سے نکل گئے۔ اور جاوت منہ کے بل زمین پر گر پڑا فوراً اُس کی تلوار نکال کر اس کا سر قلم کیا۔

کہا جاتا ہے کہ راستہ میں داؤد علیہ السلام کو ایک پتھر نے آواز دی۔

يَا دَاوُدُ خُذْ فِي تَقَاتِلِ
لَا دَاوُدُ! مَجْهُوًّا مِثْلًا
سے تم جاوت کو مارو گے۔

پھر اسی طرح ایک اور پتھر نے آواز دی۔ اور پھر ایک اور پتھر نے آواز دی داؤد علیہ السلام نے تینوں پتھروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور روانہ ہوئے۔ جب جاوت گھوڑے پر سوار ہو کر اور زرہ اور تلوار لگا کر میدان میں نکلا تو داؤد علیہ السلام فقط یہ تین پتھر لے کر آگے بڑھے اور یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ کرے تو تلوار اور گھوڑا اور ہتھیار بھی بے کار ہے۔ جاوت نے داؤد علیہ السلام سے کہا کہ تم تو فقط پتھر لے کر میرے سامنے آرہے ہو جیسے کوئی کتے کے مارنے کے لیے نکلتا ہے۔ فرمایا تو کتے سے بھی بدتر ہے اور اللہ کا نام لے کر وہ تینوں پتھر جاوت کے مارے جو ماتھے میں لگے اور گدڑی کے پیچھے سے نکل گئے (تفسیر قرطبی ص ۲۵ ج ۳)

طاوت نے اس خوشی میں اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دے دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے طاوت کے مرنے کے بعد داؤد علیہ السلام کو سلطنت عطا کی اور طاوت کے مرنے کے بعد اتفاق بنی اسرائیل داؤد علیہ السلام بادشاہ مقرر ہوئے۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کسی کی بادشاہت پر اتنے مجتمع نہیں ہوئے جتنا کہ داؤد علیہ السلام کی بادشاہت پر ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت اور بادشاہت کے ساتھ علم اور حکمت یعنی نبوت بھی عطا کی اور داؤد علیہ السلام سے پہلے کبھی کسی آدمی میں سلطنت اور نبوت جمع نہیں ہوئیں۔ سلطنت شاہی خاندان میں رہتی تھی اور نبوت نبی کے خاندان میں رہتی تھی اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو جو امور چاہے سکھائے۔ جیسے بغیر آلات کے زرہ بنانا سکھایا اور لوہے کو مثل موم کے اُن کے لیے نرم کر دیا پس اپنے ہاتھ سے کام کرتے اور اس کی مزدوری سے کھاتے اور پرندوں اور چوٹیوں کی بولی اور زبان سکھائی اور خوش آوازی عطا کی۔

ف نبی اگرچہ نبی ہونے سے پہلے نبی نہیں ہوتا مگر ولی ضرور ہوتا ہے اور اولیاء کی کرامتیں

حق ہیں۔ جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ محض تین پتھروں سے جالوت کو مارنا یہ داؤد علیہ السلام کی کرامت تھی اور آئندہ نبوت کا ارباب یعنی پیش خیمہ تھی اور حضرت داؤد کی یہ کرامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا نمونہ تھی جو حضور سے جنگ حنین میں ظاہر ہوا کہ ایک مشت خاک سے ہوازن سر اسیمہ ہو گئے (تفسیر قرطبی ص ۲۵۸ ج ۳) اور اسی صبر استقلال کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایک عظیم الشان سلطنت عطا کی جو داؤد کی سلطنت کا نمونہ تھی۔

بیان حکمت مشروعیت جہاد

اب اس واقعہ جہاد کے ذکر کے بعد جہاد کی عام حکمت اور مصلحت کو بیان فرماتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں یعنی کافروں کے شر اور فساد کو اپنے بعض خاص بندوں یعنی مومنین کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے اور کفر اور شرک غالب آجائے اور مسجدیں ویران ہو جائیں اور کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں تمام لوگوں پر۔ اس لیے اس نے تم پر جہاد فرض کیا تاکہ کفر کا فتنہ اور فساد دفع ہو اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں جہاد سے اسی فساد کا دفع کرنا اور اسی شر اور فتنہ کا ازالہ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر مسلمانوں کو کافروں سے جہاد کا حکم نہ دیتے تو بڑا فساد پھیل جاتا۔ جہاد اسی فساد کی اصلاح اور انسداد کے لیے مقرر ہوا ہے۔ اس لیے جہاد کو اللہ کا بڑا فضل سمجھو۔

اثبات رسالت محمدیہ

یہ واقعات جن کا ذکر کیا اللہ کی آیتیں ہیں جن کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر ہم آپ کو سناتے ہیں جس میں ذرہ برابر شک نہیں۔ یہ واقعات جس طرح ہم نے بیان کیے اسی طرح حق اور صدق ہیں اہل کتاب جس طرح بیان کرتے ہیں وہ قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ تمام واقعات اللہ کی قدرت اور پھر آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ ایسے قدیم زمانہ کے واقعات کا بغیر کسی سے پڑھے اور بغیر کسی سے سنے صحیح صحیح بیان کرنا بغیر وحی خداوندی کے ممکن نہیں۔ اور آپ بلاشبہ خدا کے رسولوں میں سے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے دشمنوں سے جہاد کا حکم دیا اور باوجود بے سرومانی کے کافروں کے بڑے بڑے لشکروں کو ان کے غلام اور غلاموں کے ہاتھ سے تہ و بالا کر لیا۔ جہاد انبیاء کی سنت ہے اور وہ لوگ نادان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جہاد و قتال نبیوں کا کام نہیں جہاد ہمیشہ رہا ہے اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیں۔

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔ والصلوة والسلام

علی سید الموجودات و خلاصة الکائنات و علی الہ

و اصحبہ و ازواجه الطاهرات المطہرات

۳ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ بعد صلاة المغرب — جامعہ اشرفیہ — لاہور



تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ

یہ سب رسول بڑائی دی ہم نے ان میں ایک کو ایک سے کوئی ہے کہ

مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا

کلام کیا اس سے اللہ نے اور بلند کیے بعضوں کے درجے اور دی ہم نے

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں صریح اور زور دیا اُس کو روح پاک سے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مَنْ

اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے ان کے پچھلے بعد اس کے کہ پہنچے

بَعْدَ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فِيهِمْ

ان کو صاف حکم لیکن وہ پھٹ گئے پھر کوئی

مَنْ أَمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلُوا

ان میں یقین لایا اور کوئی منکر ہوا۔ اور اگر چاہتا اللہ نہ لڑتے

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۲۵۳﴾

لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے

ذکر فضائلِ رسل بیانِ حالِ ام

قال تعالى: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ... الى ... وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ
(رابطہ) گزشتہ آیت (وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ) میں انبیا و مرسلین کا اور اُن کی اُمتوں
کے معاملات کا ذکر فرمایا اور کافروں سے اُن کے جہاد اور قتال کے واقعے اور اُن کی بے مثال اور خارق
عادت فتح و نصرت اور تائیدِ غیبی کا ذکر کیا۔ اسی طرح اب آئندہ آیات میں رسل کے فضائل و درجات
اور ان کے کمالات اور معجزات کے ساتھ اُن کی اُمتوں کے احوال اور انبیاء و رسل کے ساتھ اُن کے اختلاف

کو بیان فرماتے ہیں کہ باوجود آیات بینات اور دلائل واضحات کے دیکھ لینے کے پھر بھی ایمان نہ لائے اور حق سے اختلاف کیا اور انبیاء و رسل کی مخالفت کی اور حق کی دعوت اور تبلیغ میں مزاحم ہوئے اور اس لیے حق تعالیٰ نے اُن کا شر اور فساد دفع کرنے کے لیے حضرات مرسلین کو جہاد کا حکم دیا۔ اہل باطل کی طرف سے حضرات انبیاء کی مخالفت جہاد و قتال کی مشروعیت کا سبب بنی۔ حضرات انبیاء اور اُن کے اصحاب نے دین حق اور ہدایت کی بقاء اور حفاظت کے لیے اور متقی اور پرہیزگاروں اور خدا کے پرستاروں کے تحفظ کے لیے جہاد کیا تاکہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور اس کی نازل فرمودہ ہدیٰ یعنی ہدایت اور اس کی ہدایت پر چلنے والے متقی اور پرہیزگار اور نماز گزار بندے کفار ناہنجار کی مزاحمت سے محفوظ اور مامون ہو جاویں اور کفر کی یہ مجال نہ رہے کہ وہ دین حق کی طرف نظر اٹھا سکے۔ خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں کافروں سے جہاد و قتال کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں کافروں سے جہاد و قتال کا سبب بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ انبیاء کرام کی مخالفت اور اُن کی بے چون و چرا اطاعت سے سربازی اور گردن کشی کی وجہ سے کافروں کی سرکوبی اور گردن کشی کا حکم نازل ہوا۔ اس فقرے سے انشاء اللہ تعالیٰ ان آیات کا سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات (ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ) کے ساتھ بھی ربط ظاہر ہو جائے گا۔ جو مزید غور و فکر کا بھی محتاج نہیں۔ اور آئندہ آیات یعنی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ میں چونکہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر ہے جس میں جہاد میں مالی امداد کرنا بھی داخل ہے اس لیے ان آئندہ آیات کو بھی جس طرح گزشتہ آیات جہاد و قتال سے ربط ہے۔ اسی طرح ان آیات کو سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے بھی ربط ہے۔

اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ سے دو ترک صدقات اور راہ خداوندی میں خرچ کرنے کی ترغیبات کا سلسلہ چلا گیا ہے اور اس کے بعد حق تعالیٰ نے ربا (سود) کے احکام ذکر فرمائے چونکہ سود صدقہ اور خیرات کی ضد ہے اس لیے صدقات اور خیرات کے بعد سود کے احکام بیان فرمائے اور سودی کاروبار کرنے کو خدا اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قرار دیا۔ اس لیے عجب نہیں کہ سود خواری کا انجام دلوں پر مہر لگ جانا ہو کہ جس سے حق اور باطل اور حلال اور حرام کا فرق اس کو نظر نہ آئے پس جس طرح آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ سورہ بقرہ کی اس ابتدائی آیت یعنی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے مرتبط ہے اسی طرح عجب نہیں کہ اَحْلَ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا الخ کی آیتوں کو ختم اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَاَعْيَاْ أَبْصَارِهِمْ کے ساتھ کوئی خاص ربط ہو اور تجربہ اور مشاہدہ بھی کچھ اسی کا شاہد ہے اس لیے دیکھا یہ گیا ہے کہ سود خواروں کو کوئی نصیحت کا رگ نہیں ہوتی اُن کی حالت سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ کا نمونہ ہوتی ہے ع بدوزد طمع دیدہ ہوشمند

نیز اول پارہ میں زیادہ تر یہود بے شہادتوں کا بیان تھا۔ اور قرآن کریم میں ہے کہ یہود کے ملعون اور مغضوب ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ان کی سود خواری بھی ہے کما قال تعالیٰ **وَ أَكْلِهِمُ الرِّبَا** اور **أَكَا لُونِ لِلشُّحِّ**۔ اور حرام مال آدمی کو قسی القلب، سنگ دل اور بے رحم بنا دیتا ہے اور قسوت قلب سے بڑھ کر دین دنیا کو تباہ کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے اس امت کو سود سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ خدا نخواستہ یہود کی طرح قسی القلب اور سنگدل نہ ہو جائیں اور اس اعتبار سے آیات ربکا تعلق **ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَقْوَسُ** سے بھی کوئی بعید نہیں۔ الحمد للہ کہ ان آیات کا ربط گزشتہ آیات سے بھی ظاہر ہو گیا اور سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتوں سے بھی مرتبط ہونا معلوم ہو گیا۔

ربط دیگر | گزشتہ آیت (وَ أَنْتَ لِمَنْ أَمْسَلَ سَلِيلٌ) میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بیان تھا کہ آپ اللہ کے بلاشبہ رسول ہیں۔ مگر معاندین باوجود دلائل نبوت اور شواہد رسالت کے مشاہدہ کے آپ کی رسالت کو نہیں مانتے۔ ان آیات میں آپ کی تسلی کا مضمون مذکور ہے کہ آپ ان معاندین کی تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں۔ پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کو قسم قسم کے دلائل نبوت اور شواہد رسالت دیئے گئے مگر پھر بھی سب ایمان نہیں لائے۔ آپ کا انکار کوئی نئی بات اور کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا کہ جس پر سب ایمان لے آئے ہوں لہذا آپ معاندین کی تکذیب اور کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ یہ آپ کی رسالت کا قصور نہیں۔ یہ تقدیر خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اسی طرح ہے کہ کوئی ایمان لائے اور کوئی کفر کرے۔

در کار خانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

باقی رہا یہ امر کہ اس میں حکمت اور مصلحت کیا ہے سودہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ قضا و قدر کا سرسبزہ راز ہے جو آج تک کسی پر منکشف نہیں ہوا۔ وہ مالک مطلق ہے جس کو چاہے بینائی (ہدایت) دے اور جس کو چاہے نابینا (گمراہ) بنائے۔ **لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُونَ**

کمر از صرہ آل کہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زباں تازہ کردن باقراریہ تو ینگیختن علت از کاریہ تو

یہ سوال کرنا کہ اس کو تو من اور اس کو کافر کیوں بنایا یہ ایسا ہی سوال ہے کہ اس کو بینا اور اس کو نابینا کیوں بنایا جو جواب اس کا ہے وہی اس کا ہے۔

اب آئندہ آیت میں خبر دیتے ہیں کہ ہم نے بعض رسل کو بعض پر فضیلت دی تاکہ خدا کی قدرت کا کرشمہ اور ہر رسول کی شان اعجاز کا ایک نیا نمونہ دنیا کو نظر آئے۔ ع
ہر گلے را رنگ دبوئے دیگر است

یہ پیغمبروں کی جماعت ^{علہ} جن کا ہم نے ابھی قِرَائَتُكَ لِمَنْ الْمُؤَسَّدِينَ میں ذکر کیا جن میں آپ بھی داخل ہیں اگرچہ وصف نبوت ورسالت میں سب مشترک ہیں لیکن ہم نے علاوہ نبوت ورسالت بعض کو بعض پر ایک خاص فضیلت دی ہے یعنی ہر رسول کو کسی خاص خصوصیت اور خاص فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جو دوسرے میں نہ پائی جائے تاکہ ہر ایک کا فضل و کمال الگ الگ نظر آئے کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں آسمانوں پر انبیاء کرام کو درجہ بدرجہ دیکھا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ نفس نبوت کی حیثیت سے برابر ہیں مگر مدارج اور مراتب کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ان کے درجات جُدا جُدا ہیں۔ فضائل و کمالات میں تمام انبیاء برابر نہیں چنانچہ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن سے اللہ نے بلا واسطہ فرشتہ کے کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام سے بلا واسطہ فرشتوں کے کلام فرمایا جیسا کہ یَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ اور اخیر میں خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں بلا واسطہ کلام فرمایا اور بعضوں کو اپنی ہم کلامی کا شرف تو نہیں عطا کیا لیکن ان کو دوسرا شرف عطا کیا کہ اور طرح طرح سے اُن کے درجے بلند کیے جیسے داؤد علیہ السلام کو نبوت ورسالت کے ساتھ بے مثال بادشاہت بھی عطا کی۔

ف بعض علماء کا قول ہے کہ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ میں۔ بعض سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں کہ اللہ نے اُن کو اپنا خلیل بنایا اور مقام غلت سے اُن کو سرفراز فرمایا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ادریس علیہ السلام مراد ہیں کما قال تعالیٰ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ابن عباس اور شعبی اور مجاہد سے منقول ہے کہ بعضہم سے سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء پر ایک درجہ میں نہیں تمام درجات اور فضائل و کمالات میں بلند اور برتر کیا۔ (۱) آپ کو تمام انبیاء کا امام اور خطیب اور سرور بنایا (۲) اور تمام امتوں کا شفاعت کرنے والا۔ (۳) اور تمام نبیوں کا خاتم اور آخر بنایا (۴) اور آپ کو سب سے افضل اور اکمل کتاب عطا کی (۵) اور آپ کی شریعت کو سب شریعتوں سے زیادہ جامع بنایا (۶) اور تمام انبیاء سے بڑھ کر آپ کو معجزات عطا کیے۔ (۷) اور آپ کو تمام عالم جن اور انس کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا (۸) اور آپ کے پیرو تمام انبیاء کے پیروں سے زیادہ ہوں گے (۹) اور سب سے پہلے آپ اپنی امت کو لے کر پل صراط سے گزریں گے (۱۰) اور سب سے پہلے آپ اپنی امت کو لے کر جنت میں داخل ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو اُن کی نبوت ورسالت کی صریح اور واضح نشانیاں عطا کیں تاکہ اُن کی نبوت ورسالت میں کسی کو شبہ نہ رہے اور روح القدس یعنی جبریل امین کو ان کی تائید اور تقویت کے لیے

علہ یعنی تِلْكَ الرِّسَالُ کا اشارہ تانیث جماعت رسل کی طرف ہے۔

مقرر کیا کہ ہر وقت یہود سے اُن کی حفاظت کریں تاکہ مُردوں کے زندہ کرنے اور مادرِ زاد نابینا اور کوڑھیوں کے تندرست کرنے سے کسی کو اُن کی الوہیت (خدائی) کا شبہ نہ ہو اس لیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو اوّل تو دشمنوں سے کیوں ڈرتے؟ دوم یہ کہ اُن کو جبریل امینؑ کی حفاظت کی کیا ضرورت ہوتی معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی کی حفاظت کا محتاج ہوتا ہے؟ چونکہ یہود حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے اور نصاریٰ اُن کی الوہیت کے قائل تھے اس لیے پہلے جملہ وَاَتَيْنَا عِيسَىٰ بِنِّوٰہَرِیْمَ الْبَيْتِ میں یہود کے رد کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا اور دوسرے جملہ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ میں اُن کی الوہیت کا رد کیا جس کے نصاریٰ قائل تھے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو دین حق پر متفق کر دیتا اور پھر لوگ پیغمبروں کے بعد دین میں اختلاف نہ کرتے اور نہ آپس میں لڑتے خصوصاً دلائل واضحہ کے بعد تو اختلاف کا نام و نشان بھی نہ رہتا اس لیے کہ دلائل واضحہ کا اقتضایہ تھا کہ سب حق پر متفق ہو جاتے۔ لیکن باوجود دلائل واضحہ کے پھر حق کے قبول کرنے میں اختلاف کیا سو بعض ان میں سے ایمان لائے اور بعضوں نے کفر اختیار کیا اور نبوت قتل و قتال اور جنگ و جدال تک پہنچی اور اگر اللہ چاہتا تو باوجود ایمان اور کفر کے اختلاف کے پھر بھی یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ باوجود اختلاف مذہب کے ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں لیکن اللہ کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ یہ دنیا حق اور باطل کا میدان کا رزار بنی رہے وہ حکیم مطلق حاکم مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس پر اعتراض کرے کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا؟

اس تمام کلام سے مقصود آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ انبیاء سابقینؑ کی طرح آپ کی نبوت و رسالت بھی دلائل اور براہین اور آیات بینات سے ثابت ہے اور جس طرح بہت سے لوگ انبیاء سابقینؑ پر باوجود آیات بینات ایمان نہیں لائے اسی طرح اگر بہت سے معاندین آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق نہ کریں تو تعجب نہ کیجئے ایمان عام کسی امت میں نہیں ہوا۔ کسی نے تصدیق کی اور کسی نے تکذیب اور اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں جس کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں۔ وَكُوشَاءَ رَبِّكَ لَا مَن مِّنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (تفسیر غرائب البیان للنیسابوری ص ۳۶۰)

ف (۳) شروع آیت وَكُوشَاءَ رَبِّكَ مَا أَفْتَتَلُ الَّذِينَ الْخٰ اور پھر اخیر آیت میں وَكُوشَاءَ رَبِّكَ مَا أَفْتَتَلُوا فرمایا مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت تاکید کے لیے مکرر لائی گئی ہے اور شیخ الاسلام ابو السعود فرماتے ہیں کہ یہ تکرار تاکید کے لیے نہیں بلکہ

علہ والمعنی علی ما قال النیسابوری تلك الرسل - الی - وایدنا بروح القدس - ومع ذلك قدرنا لهم من قومهم ما ذكرنا ذلك بعد مشاهدة المعجزات وانت رسول مثلهم فلا تحزن علی ماتری من قومك ولو شاء الله لم یختلف امم اولئك ولكن ما قضاه الله فهو كائن وما قدره فهو واقع. تفسیر نیسابوری ص ۳۶۰

اس تنبیہ کے لیے اس آیت کو کمر لایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کا اختلاف اور باہمی قتل و قتال سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کوئی شئی بغیر اللہ کی مشیت کے نہیں ہو سکتی۔

اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ پیغمبروں کے درمیان تفضیل اور مفاضلہ نہ کرو اس سے مراد اس تفضیل کی مانعت ہے جو محض عصبیت اور قومی حمیت کی بناء پر ہو یا ایسی تفضیل کی مانعت مراد ہے جو دوسرے نبی کی تنقیص اور تحقیر کا سبب بنے اس طرح بحمدہ تعالیٰ آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہ رہے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ

اے ایمان والو خرچ کرو کچھ ہمارا دیا پہلے اس دن

يَأْتِي يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

کے آنے سے جس میں نہ بیکنہ ہے اور نہ آشنائی ہے اور نہ سفارش۔

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۳﴾

اور جو منکر ہیں وہی ہیں گنہ گار۔

ترغیبات و ترہیبات در بارہ صدقات و نفقات

قال تعالى۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا اے هُمُ الظَّالِمُونَ

(ربط) دور کو خرچ پیشتر حق تعالیٰ شانہ نے دو حکم دیئے تھے ایک جہاد اور دوسرا خدا تعالیٰ کو قرض دینے کا۔ پہلے حکم کی تائید اور تقویت کے لیے طالوت اور جالوت کا قصہ ذکر فرمایا۔ اب دوسرے حکم کی تائید اور تقویت کے لیے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیبات اور ترہیبات کو بیان فرماتے ہیں۔ یہ بیان دور تک چلا گیا ہے۔

نیز گزشتہ آیت فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ میں مکلفین کو دو قسموں پر منقسم فرمایا۔ مومن اور کافر۔ اب اس آیت میں اہل ایمان کو اپنے خطاب سے عزت دی اور ان کو

۱۰ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۱۱ مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۱۲

اہل ایمان کے لقب سے مخاطب فرمایا اے ایمان والو! اس رزق میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ کچھ ہماری راہ میں بھی خرچ کر لو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں قصور کے تلافی کی کوئی سبیل نہیں یعنی مرنے سے پہلے اس لیے کہ قیامت میں نہ کوئی خرید فروخت ہے اور نہ کوئی دوستی کارآمد ہے۔ اور نہ کوئی سفارش کارگر ہے اور کافر ہی ظالم ہیں کہ جان اور مال سب بے موقع صرف کر رہے ہیں۔ پس اے ایمان والو! تم ان کافروں کی طرح اپنی جانوں اور مالوں پر ظلم نہ کرنا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ

اللہ! اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ جیتا ہے سب کا تھامنے والا ہے نہیں پکڑتی اس کو

وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ

اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ کون

ذَ الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يُعَلِّمُ مَا بَيْنَ

ایسا ہے کہ سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کے اذن سے جانتا ہے جو خلق

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ

کے ردبرو ہے اور پیٹھ پیچھے اور یہ نہیں گھیر سکتے اس کے علم میں

عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَ

سے کچھ گھر جو وہ چاہے گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمان اور

الْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۰۵﴾

زمین کو اور تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے اور وہی ہے اوپر سب سے بڑا۔

اثبات توحید ذات و کمال صفات

(آیت الکرسی)

قَالَ تَعَالَى - اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ... اَللّٰهُ ... وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

گزشتہ رکوع کی آیت وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ میں اثبات رسالت کا ذکر تھا اور اس آیت میں اثبات توحید کا بیان ہے نیز وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ۔ میں حق تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کا ذکر تھا اور اس کا بیان تھا کہ قیامت کے دن کوئی سفارش اور کوئی دوستی کام نہ آئے گی جس سے خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت مفہوم ہوتی ہے کہ اس کے سامنے کسی کو مجال دم نہ دن نہیں۔ اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ کی توحید ذات اور کمال صفات بیان فرماتے ہیں۔ نیز گزشتہ آیت وَ الْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ میں کافروں کو ظالم بتلایا تھا۔ اب اس آیت میں ان کے ظلم کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ کافر اور مشرک اس لیے ظالم ہیں کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔ اور صحیح عقیدہ توحید کو بیان فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم کافروں کی طرح شرک کر کے ظالم نہ بنو بلکہ عقیدہ توحید کو حرجان بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اللّٰهُ ذَاتٌ هِيَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں صرف وہی عبادت کا مستحق ہے استحقاق عبادت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس لیے کہ صرف خدا تعالیٰ اپنی ذات سے خود بخود زندہ اور موجود ہے اس کی حیات اور بقا ذاتی اور ابدی ہے اس کی حیات کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا اور اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات سے مُردہ اور معدوم ہے اور اس کی حیات مستعار کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ اس لیے کہ کوئی شے اپنی ذات سے قائم نہیں خدا تعالیٰ ہی ہر شے کا قائم رکھنے والا ہے۔ ہر شے اپنی حیات اور بقا اور وجود میں اس کی محتاج ہے جیسے یہ اپنی اصل کا محتاج ہوتا ہے ممکنات اپنے وجود اور بقا میں اس سے کہیں زائد خدا کے محتاج ہیں۔ ممکنات کی حیات اور وجود اسی واجب الوجود کی حیات کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

کل ما فی الکوّن وہم او خیال او عکس فی المرایا او ظلال

غرض یہ کہ حق تعالیٰ تمام عالم کا قائم رکھنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں اس لیے کہ اُس کو اونگھ اور نیند نہیں پکڑتی اس لیے کہ نیند ایک قسم کا تغیر ہے جو وجوب کے منافی ہے اور حیات کو ضعیف اور کمزور بناتا ہے پس جس کو اونگھ اور نیند آئے گی اس کی حیات بھی ناقص اور کمزور ہوگی اور دوسروں کی تدبیر بھی نہیں کر سکے گا کیونکہ نیند موت کی بہن ہے لہذا نیند کی وجہ سے اس کی حیات بھی ناقص ٹھہرے گی اور اس کی شان قومیت میں بھی قصور اور نقصان لازم آئے گا اور چونکہ وہی سب کے وجود اور حیات کا قائم رکھنے والا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے اور پر سے لے کر نیچے تک اسی کی حکومت اور بادشاہی ہے اس لیے کہ اصل مالک وہ ہے جو وجود اور حیات کا مالک ہو اور اس کی عظمت اور جلال اور شان کبریائی کا یہ عالم ہے کہ اس کی بارگاہِ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کر سکے۔ چہ جائیکہ کوئی اس کے حکم کو ہٹا سکے یا ٹلا سکے۔ یہ تو اس کی عظمت اور جلال کا حال ہوا اور اس کے

علم کی یہ شان ہے کہ وہی مخلوقات کے تمام اگلے اور پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے تمام عقلاً عالم بل کر بھی معلوماتِ خداوندی میں سے کسی ایک معمولی چیز کے علم اور ادراک کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنی مقدار وہ تم کو علم دینا چاہے۔ فقط اتنی مقدار تم اس چیز کو جان لیتے ہو اصل کُنہ اور حقیقت کا علم اور اس کا علمی احاطہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَمَا أَوْتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا
اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

غرض یہ کہ خداوند ذوالجلال کا علم ذاتی اور تام ہے اور مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے جو اس کی وحدانیت اور قیومیت اور کمال عظمت پر دال ہے اور بندوں کا علم نہایت قلیل اور ناتمام بلکہ برائے نام ہے بندہ بدون اس کی تعلیم کے ایک ذرہ کو بھی نہیں جان سکتا اور ایک ذرہ کے بھی تمام احوال اور کیفیات اور جہات اور حیثیات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک حال کو جان لیتا ہے تو سو حال سے جاہل اور بے خبر رہتا ہے اور اس علم ناتمام کے ساتھ اس بارگاہ میں شفاعت کرنا جس کا علم ذاتی اور تام ہو اور تمام اشیاء کی حقیقت اور کُنہ اور تمام احوال کو محیط ہو بغیر اس کی اجازت کے ممکن نہیں اس لیے کہ شفاعت وہاں ہوتی ہے جہاں شفاعت کرنے والا بادشاہ کو ایسی چیز سے آگاہ کرے جس کی بادشاہ کو خبر نہ ہو یا اس کو عفو کی مصلحت کی خبر نہ ہو اور بارگاہِ خداوندی میں یہ ناممکن ہے کہ اس کو کسی شے کا علم نہ ہو اور اس کی مالکیت تمام کائنات کو محیط ہے اس لیے کہ اس کی کرسی جو اس کے عرش سے کم ہے وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کو گھیرے ہوئے اور اپنے اندر سمائے ہوئے ہے جس طرح چاہے زمین اور آسمان میں تصرف کرتا ہے کسی کی مجال کیا ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کا کلمہ زبان سے نکال سکے شافع اور مشفوع لے سب اسی کی ملک ہیں اور اس کی قدرت اور قیومیت کا یہ حال ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اور نگہبانی اس پر ذرہ برابر شاق اور گراں نہیں اور کیسے اس پر گراں ہو سکتی ہے۔ وہ بڑا عالی شان اور بلند مرتبہ ہے۔ ذات اور صفات میں کوئی بھی کسی طرح اس کے برابر نہیں وہ اتنا بلند مرتبہ ہے کہ اس کی شان کے مطابق کوئی حمد و ثنا بھی نہیں کر سکتا۔ بڑی عظمت والا ہے کہ ہر چیز اس کے سوا حقیر اور قبیح ہے۔ وہ اپنے افعال میں کسی کا محتاج نہیں عظمت و جلال کی وجہ سے سب سے مستغنی اور بے نیاز ہے پس جس ذات پاک کی یہ صفات ہوں کیا اس کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا ظلمِ عظیم نہ ہو گا کما قال تعالیٰ فی الآیۃ الدلیٰ وَ الْکُفْرُ وَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

فوائد و لطائف

اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ شانہ کی توحید ذاتی اور صفاتی کا ذکر ہے۔ توحید اور نبیل اور کتب سابقہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی کمال ذات اور

کمال صفات کے متعلق جیسا اس آیت میں ذکر ہے اس کا شمعہ بھی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔
اس آیت میں سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنی توحید ذاتی کو بیان فرمایا۔ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔
بعد ازاں ان صفات کو بیان فرمایا۔

(۱) الْحَيُّ

کمالات و جود یہ میں سب سے پہلا حیات ہے۔ ”حی“ لغت میں اس زندہ شے کو کہتے ہیں جو واقف ہو اور سنتا اور دیکھتا اور قادر ہو پس صفت حیات تمام صفات کمال کا مبداء ہے۔

(۲) الْقَيُّوْمُ

یعنی کائنات کو قائم اور باقی رکھنے والا۔ ”حی“ سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا اور قیوم سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا یعنی بذاتہ اور بنفسہ وہ واجب الوجود ہے اور دوسروں کو وجود اور حیات ہیہ اور عطا کرنے والا ہے ممکن میں جو وجود بھی ہے وہ اسی واجب الوجود کا ہیہ اور عطیہ ہے صفت حیات کو ذکر کر کے کمال وجود کو بیان فرمایا۔ اور صفت قیومیت کو ذکر کر کے کمال ایجاد کو بیان فرمایا۔

(۳) لَا تَاْخُذُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

اس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اس سے حق تعالیٰ کا تغیرات اور حوادث اور خصائص ممکنات سے پاک اور بری ہونا بیان فرمایا۔ یہ جملہ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کی تاکید ہے کیونکہ اونگھ اور نیند سے حیات میں نقصان آتا ہے اس لیے کہ نیند موت کی بہن ہے اور خدا تعالیٰ موت کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ علاوہ ازیں جس کی حیات ناقص ہوگی اس کی قیومیت یعنی حفاظت اور نگرانی بھی ناقص اور کمزور ہوگی لہذا لَا تَاْخُذُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسا قیوم اور مدبر ہے کہ ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی قیومیت میں سہو اور نسیان اور غفلت اور سستی سے پاک اور منزہ ہے۔

(۴) لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اس جملہ سے صفت مالکیت کو ثابت کرنا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اس لیے کہ مالک حقیقی وہ ہے جو وجود عطا کرے پس جس نے آسمانوں اور زمینوں کو وجود عطا کیا اور جو ان کے وجود کا قائم رکھنے والا اور تنہا منے والا ہے وہی ان کا مالک حقیقی ہے۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

اس جملہ سے اس کی حاکمیت اور جلال اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس کی بارگاہِ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے لب کشائی کر سکے۔

(۶) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اس جملہ میں اس کے علم محیط کو بیان فرمایا کہ اس کا علم مخلوقات کے تمام احوال کو محیط ہے۔

(۷) وَلَا يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ الْإِيمَانِ

اس جملہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح مخلوقات کا وجود عطیہ خداوندی ہے اسی طرح مخلوقات کا علم بھی عطیہ خداوندی ہے۔ بندے فقط اتنی مقدار جان سکتے ہیں۔ جتنا وہ چاہے بندوں کا علم اس کی مشیت کے تابع ہے۔ بندہ کا علم نہایت ہی قلیل اور محدود ہے۔ اور اس کا جہل بالفعل غیر محدود اور غریبناہی ہے۔

(۸) وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

اس جملہ میں یہ بتلایا کہ حق تعالیٰ کی حاکمیت اور مالکیت آسمانوں اور زمینوں سے بھی متجاوز ہے۔ جہاں تک بندوں کا دہم و خیال بھی نہیں۔

فائدہ (۱) احادیثِ نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرسی ایک جسم ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑا ہے اور عرش سے چھوٹا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے اندر ایسے ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں کرسی کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہے جیسے عرش اللہ اور بیت اللہ کی نسبت ہے بظاہر یہ کوئی خاص قسم کی تجلی ہے اور جس طرح تجلیات کی انواع اور اقسام میں ہر شے کی تجلی علیحدہ ہے اسی طرح عجب نہیں کہ کرسی اور عرش کی تجلیات علیحدہ علیحدہ ہوں اور ایک دوسرے سے متماز ہوں۔ جمہور سلف کے نزدیک آیت میں کرسی سے ظاہری اور متبادر معنی مراد ہیں۔ اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ کرسی اس کی عظمت اور سلطنت کی تصویر اور محض ایک مثال ہے ورنہ درحقیقت نہ کوئی کرسی ہے اور نہ وہاں کوئی بیٹھنے والا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لفظ سے حقیقی ہی معنی مراد لیے جائیں قرآن کریم میں صد ہا جگہ مجازی اور کنائی معنی مراد لیے گئے ہیں۔

(۹) وَلَا يَؤُودُكَ حِفْظُهُمَا

اور اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی حفاظت ذرہ برابر گراں نہیں۔ اس جملہ سے یہ بتلانا ہے کہ اس کی

صفت قدرت اور قیومیت ضعف اور نقصان سے پاک اور منزہ ہے۔

(۱۰) وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

اس جملہ میں اللہ کی صفت علو اور عظمت کو بیان فرمایا۔

ف (۲) مستدرک حاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سورة البقرة فيها آية سيدآي القرآن لا تقرا في بيت فيه شيطان الا خرج منها۔
(آية الكرسي)
سورة بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیات قرآن کی سردار ہے وہ آیت الکرسی ہے جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان اُس سے نکل جاتا ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوالمنذر قرآن میں سب سے اعظم یعنی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ میں نے کہا اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابوالمنذر علم تمہیں مبارک ہو۔

اور اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت، آیت الکرسی ہے۔ (درمنثور ص ۳۲۵ ج ۱)

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم اللہ و کلا الہ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مُردوں کے زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یَا حَيُّ یَا قَيُّوْمُ پڑھ کر دعا فرماتے۔ اور آصف بن برخیاؓ نے جب بلقیس کے عرش کو لانے کا ارادہ کیا تو یَا حَيُّ یَا قَيُّوْمُ پڑھ کر دعا مانگی (تفسیر قرطبی ص ۲۶ ج ۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آیت الکرسی سورۃ بقرہ کا قلب ہے اور الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ بمنزلہ روح اور جان کے ہے اور باقی آیات

بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہیں اس سورت کے تمام مطالب اسی آیت کے گرد گھومتے ہیں۔ جس طرح اعضاء اور جوارح جان کے شئون اور مظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس سورت کی تمام آیتیں الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کے شئون اور مظاہر ہیں۔ سورہ بقرہ کے کل چالیس رکوع ہیں۔ کوئی ایسا نہیں کہ جس میں حیات اور قیومیت اور

۱۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں لیسھنک العلم یا ابوالمنذر ۱۲۔

ہمیشہ کی زندگانی کا مضمون مذکور نہ ہو گیا کہ یہ تمام سورت الْحَيُّ الْقَيُّومُ ہی کی شرح اور بسط اور حیات اور قیومیت ہی کی توضیح اور تلویح ہے۔ ابتداء سورت میں ذَلِكْ اَلْكِتَابُ مَكْرُوبٌ فِيهِ سَمْعُ الْقُرْآنِ کا آب حیات ہونا بیان فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور تقویٰ سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے اور کفر اور نفاق سے دائمی ہلاکت۔ پھر تیسرے رکوع میں افرادِ انسانی کی فرداً فرداً حیات کا ذکر فرمایا وَ كُنْتُمْ اَمْوَآتًا فَاَحْيَاكُمْ اور زمین و آسمان کی پیدائش اور دنیا کی نعمتوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو دنیوی حیات کا ذریعہ ہیں اور پھر اپنی عبادت کا حکم دیا جو انسان کی حیاتِ اخروی اور قیامِ ابدی کا ذریعہ ہے۔ بعد ازاں ابوالبشر کی حیات اور منصبِ خلافت اور ملائکہ پر اُن کی فضیلت کو ذکر فرمایا۔ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً بعد ازاں پانچویں رکوع سے ایک خاص خاندان کی حیات کا ذکر شروع فرمایا یعنی بنی اسرائیل کی حیات اور ان پر اپنے ظاہری اور باطنی انعامات کا بیان شروع کیا جو تقریباً آخر پارے تک چلا گیا جس میں ان کو جہانوں پر فضیلت دینا اور من و سلویٰ کا ان کے لیے نازل کرنا اور اُن کی ہدایت کے لیے توریت کا عطا کرنا اور اس خاندان میں ہزاروں پیغمبروں کو ہدایت کے لیے مبعوث کرنا بیان فرمایا۔ چودھویں رکوع تک جب اس خاندان کی حیات کا قصہ تمام ہوا تو پندرہویں رکوع سے ایک دوسرے خاندان کی حیات کا ذکر شروع فرمایا، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا کہ ان کی اقامت اور توطن کے لیے خانہ کعبہ کی تعمیر ہوئی یہ جگہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ اور یہ قبلہ آخری قبلہ ہے۔ دوسرے سلسلہ کلام چلا گیا جب ان دونوں خاندانوں کی حیات اور قائمی سے فارغ ہوئے تو پھر اس کے بعد چند اقسامِ حیات کو ذکر فرمایا کہ جو بظاہر حیات کے خلاف معلوم ہوتے ہیں من جملہ اُن کے شہادت فی سبیل اللہ اور مصائب پر صبر کرنا اور قصاص کو جاری کرنا اور وصیت کو بغیر تغیر و تبدل کے جاری کرنا اور روح کو زندہ رکھنے کے لیے روزہ رکھنا اور دین کی بقاء کے لیے جہاد کرنا اور شعائرِ ملت کو زندہ اور قائم رکھنے کے لیے حج اور عمرہ کرنا اور مال اور آبرو کی حیات قائم رکھنے کے لیے شراب اور جوئے سے پرہیز کرنا اور حقوقِ نکاح اور زوجیت کے زندہ اور قائم رکھنے کے لیے ایلاء اور خلع اور طلاق اور عدت اور حالتِ حیض میں مباشرت اور اجرتِ رضا عت وغیرہ کی حدود کی پوری پوری رعایت رکھنا تاکہ خاندانی اور معاشرتی حیات قائم رہے اور اس کا شیرازہ منتشر نہ ہو۔

پھر جب ان اقسامِ حیات کے بیان سے فراغت ہوئی تو اَلْمَرْتَدِّ اِلَى الْاٰثِمِ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اَلْوَقْتُ حَذَرَ الْمَوْتِ سے چند عجیب و غریب قصے بیان فرمائے جن میں خدائے حئی و قیوم کی طرف سے بلا اسباب ظاہری حیاتِ غیبیہ کا عطا ہونا بیان فرمایا، تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ اس کے سوا کوئی حئی اور قیوم نہیں۔ جو بھی زندہ اور قائم ہے وہ اس کی دی ہوئی حیات سے قائم ہے حق تعالیٰ نے دو قصے اس کلمہ حئی و قیوم سے پہلے ذکر فرمائے اور تین قصے اسی مدعا کے اثبات کے لیے آیت اَلْمَرْسٰی کے بعد ذکر فرمائے۔

پہلا قصہ حیات بنی اسرائیل کی اس جماعت کا ذکر فرمایا کہ جو وہاں سے ڈر کر بھاگے اور پھر ایک نبی کی دعا سے زندہ ہوئے۔

دوسرا قصہ طالوت اور جالوت اور تابوتِ سکینہ کا ذکر فرمایا جس سے اس خاندان کی گم شدہ حیات پھر واپس آئی۔

اس کے بعد آیت الکرسی کو ذکر فرمایا جس میں حق جل شانہ کی حیات اور قیومیت اور مالکیت اور عظمت اور ہیبت اور قدرت کا ملہ اور علم محیط کا ذکر فرمایا۔ اور یہ بتلادیا کہ اسلام اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ خدا کو وحدہ لا شریک مانا جائے۔ حق واضح ہے جس کا جی چاہے قبول کرے کسی پر زبردستی نہیں۔

اس کے بعد پھر اپنی حیات اور قیومیت کے اثبات کے لیے تین قصے ذکر فرمائے جس سے حیاتِ اُخروی کا نمونہ معلوم ہو اور یہ واضح ہو جائے کہ وہ جی و قیومِ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے تاکہ لوگ قیامت کے بارے میں شک نہ کریں۔ پھر اس کے بعد صدقات اور خیرات کے احکام بیان فرمائے جو انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کے قیام کا سبب ہیں اور سود سے ممانعت فرمائی کہ جو انسان کی دینی اور دنیوی حیات کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ پھر اس سورت کو **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** مآ فی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْاٰیٰتِ سے ایمانیات اور اعتقادیات اور دعا اور استغفار کے مضمون پر ختم فرمایا۔ اس لیے کہ ایمان اور توبہ اور استغفار ہی سے مردہ دلوں کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ تمام سورت حق تعالیٰ کے اسم جی و قیوم کی شرح اور تفصیل ہے اور آیت الکرسی اس سورت کے لیے بمنزلہ دل کے ہے اور یہ اسم جی و قیوم بمنزلہ جان کے ہے اور باقی آیتیں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لَا اِكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

زور نہیں دین کی بات میں کھل چکی ہے صلاحیت اور بے راہی

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ

اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور یقین لاوے اللہ پر اس نے

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ

پکڑی گہر مضبوط جو ٹوٹنے والی نہیں اور

اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۵۶ اللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا یُخْرِجُهُم

اللہ سنتا ہے جانتا - اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو

مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَٰئِهِمُ

اندھیروں سے اُجالے میں اور وہ جو منکر ہیں ان کے رفیق

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۚ

ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو اُجالے سے اندھیروں میں ۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵۰﴾

وہ ہیں دوزخ والے، وہ اسی میں رہ پڑے ۔

حق اور باطل نور اور ظلمت کا فرق واضح ہے

کسی پر کوئی زبردستی نہیں جو چاہے اختیار کرے،

قال تعالى: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ.... الے.... هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
(ربط) گزشتہ آیت وَ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ میں اثبات رسالت کا ذکر تھا اور آیت الکرسی میں اثبات توحید کا ذکر تھا اور یہی دو باتیں دین اسلام کا اصل الاصول ہیں جو دلائل واضح سے ثابت ہیں جس سے کافروں کے لیے کوئی عذر اور گنجائش باقی نہیں جس کا جی چاہے حق کو قبول کرے دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ تحقیق ہدایت گمراہی سے بالکل جدا اور ممتاز ہو چکی ہے۔ حق کا حسن و جمال اور باطل کا قبح خوب ظاہر اور نمایاں ہو چکا ہے اور زبردستی اس امر پر ہوتی ہے جو ناپسندیدہ ہو اور کرنے والے کا دل اس سے خوش نہ ہو اور اسلام کا حسن و جمال ایسا بے مثال ہے کہ عقل سلیم اس پر عاشق اور فریفتہ ہے البتہ نفس پر اسلام کے احکام شاق اور گراں ہیں نفس تو نجاست خور اور شہوت پرست ہے اس کی گرانی اور ناگواری کا اعتبار نہیں گنتے کو قے اور گنداپانی ہی لذیذ معلوم ہوتا ہے مگر سلیم الطبع کو اس تصور سے بھی تکدر اور انقباض ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلام میں اکراہ اور زبردستی ممکن ہی نہیں اس لیے کہ اسلام کے لیے تصدیق قلبی اور دلی اذعان کا اعتبار ہے اور دل پر کسی کی زبردستی چل نہیں سکتی۔

یا آیت کے یہ معنی ہیں کہ دین کے بارے میں تم کسی پر زبردستی نہ کرو کیونکہ یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے۔ مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں۔ اس لیے کہ جزاء و سزا کا مدار اختیاری افعال پر ہے۔

اس صورت میں یہ جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے معنی میں ہوگا یعنی لَا اِکْرَاہَ کی نفی معنی میں نہیں کے ہوگی اور لَا اِکْرَاہَ معنی میں لَا تُکْرِہُوْا کے ہوگا۔ جیسا کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔
حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت حصین انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی حصین انصاریؓ کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ ایک روز حصین انصاریؓ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ پر ان کا نصرانی ہونا بہت گراں ہے اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اُن کو اسلام پر مجبور کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی کسی پر اسلام میں داخل ہونے کے لیے جبر اور زبردستی نہ کرو ہم نے ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح کر دیا ہے اب لوگوں کو اختیار ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

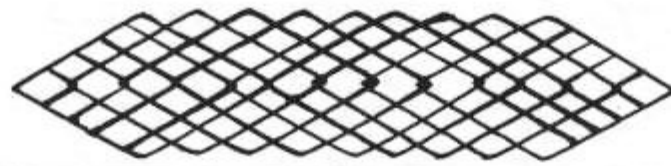
اس قسم کی آیات اُن آیات کے معارض نہیں جن میں کافروں سے جہاد و قتال کا حکم آیا ہے اس لیے کہ جہاد شر اور فساد کے رفع اور دفع کرنے کے لیے ہے۔ کفار چونکہ خدا کی زمین میں فساد مچاتے ہیں اور خدا کی نازل فرمودہ ہدایت اور شریعت کے اجراء اور نفاذ میں حارج اور مزاحم ہوتے ہیں اور بندگان خدا کو عبادت سے روکتے ہیں اس لیے جہاد کا حکم نازل ہوا۔ جہاد سے مقصود احکم الحاکمین کے دین متین کی حکومت قائم کرنا ہے بجز کسی کو مسلمان بنانا مقصود نہیں۔ کافر اگر اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہے تو جزیہ دے کر بھی اپنے مذہب پر رہ سکتا ہے اور چونکہ جہاد دفع فساد کے لیے ہے اس لیے بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں اور راہبوں کے قتل کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس لیے کہ ان لوگوں سے فتنہ اور فساد کی امید نہیں اور جس طرح موذی جانوروں سانپ اور بچھو کا ایذا رسانی کے بعد قتل کرنا جائز ہے اسی طرح سانپ اور بچھو کو ڈنگ مارنے سے پہلے ہی ختم کر دینا عقل اور دانائی ہے اسی طرح اگر مسلمانوں کو کسی کافر حکومت سے کوئی خطرہ ہو تو پہلے ہی سے اس کا خاتمہ کر دینا عین تدبیر اور عین سیاست ہے اصطلاح شریعت میں اس کا نام جہاد اقدامی ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح انسان ایمان اور کفر کے قبول کرنے میں مختار ہے مجبور نہیں اسی طرح تمام اعمال خیر اور اعمال شر کے کرنے اور نہ کرنے میں بھی مختار ہے مجبور نہیں لیکن اچھے اور بُرے افعال پر ان کے مناسب جزا اور سزا کا مرتب ہونا جبر و اکراہ کو مستلزم نہیں۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا جانا اور زانی محسن کا سنگسار کیا جانا اور خون ناحق کا قصاص لیا جانا یہ تمام تر اس کے افعال اختیار یہ کی سزا ہے جبر اور اکراہ نہیں۔ اس شخص نے اپنے اختیار سے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا اس لیے یہ سزا بھگتنی پڑی۔ پس اسی طرح جو مسلمان مرتد اور سزائے ارتداد میں قتل کیا گیا تو یہ جبر اور اکراہ نہیں بلکہ اس کے فعل اختیار (ارتداد) کی

سزا ہے اور کافروں سے جہاد و قتال اُن کے فعل اختیاری یعنی کفر کی جزا ہے۔
حیرت کا مقام ہے کہ قانونی سزائیں تو عین مصلحت اور عین تدبیر اور عین سیاست بن جائیں اور شرعی حدود و قتل مرتد اور رجم زانی وغیرہ وغیرہ یہ سزائیں جبر اور اکراہ قرار دی جائیں اور وحشیانہ سزائیں کہلائیں قتل مرتد کے مسئلہ میں اشکال ہے اور مارشل لا میں کوئی اشکال نہیں۔ کیا قانون مارشل لا میں ووٹ کی قائم شدہ حکومت کے مرتدین کا قتل نہیں؟ کیا افسوس کا مقام نہیں کہ مجازی اور جعلی حاکم کے مرتدین کا قتل تو عین تہذیب اور عین تمدن ہو اور خدائے احکم الحاکمین کے مرتدین کے قتل پر ناک بھوں چڑھائیں اور اس کو وحشیانہ فعل قرار دیں۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ ہماری بغاوت تو جرم ہے اور خدا تعالیٰ کی بغاوت جرم نہیں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو عقل دے جو بندوں پر اپنا حق خدا تعالیٰ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

پس حق اور ہدایت کے روز روشن کی طرح واضح ہو جانے کے بعد جو شخص طغیان اور ضلال کی طرف بلانے والی چیزوں سے تعلق قطع کر لے اور ایمان لا کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرے تو اس نے نہایت مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا اور اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور وہ ایمان باللہ کا حلقہ ایسا مضبوط ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا البتہ غفلت کی وجہ سے ہاتھ سے چھوٹ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان اور کفر کے دعوؤں کو سننے والا ہے اور نیتوں کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا کار ساز ہے جو ایمان لائے اور خدا سے وابستہ ہوئے انکو وہ اپنی خاص ہدایت اور توفیق کے ذریعہ شکوک اور شبہات اور وسوس اور خطرات کی تاریکیوں اور اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے جاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور خدا تعالیٰ سے تعلق قطع کر لیا اُن کے دوست اور رفیق جن اور انس کے شیاطین ہیں جو ان کو نور ہدایت اور نور دلائل سے نکال کر شبہات اور نفسانی خواہشات کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جو انبیاء اور علماء اور صلحاء اور دلائل عقل سے بھاگتے ہیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ دوزخ کے باشندے ہیں یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

حق تعالیٰ نے کافروں کے حق میں دوزخ کی وعید کو ذکر فرمایا اور اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کے لیے کسی خاص وعدہ اور بشارت کا ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ اللہ کی ولایت اور محبت اور کار سازی ہر وعدہ اور بشارت کو متضمن ہے۔



اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي حَاجَّ اِبْرٰهٖمَ فِی رَبِّہٖ اَنْ اَتَّہ

تو نے نہ دیکھا وہ شخص جو جھگڑا ابراہیم سے اس کے رب پر؟ واسطہ یہ کہ دی

اللَّهُ الْمَلِكُ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي

تھی اس کو اللہ نے سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے

وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ

اور مارتا ہے، بولا میں ہوں جلاتا اور مارتا، کہا ابراہیم نے اللہ

اللَّهُ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ

تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تولے آ اس کو

الْمَغْرِبِ فِيهِتَ الَّذِي كَفَرْتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

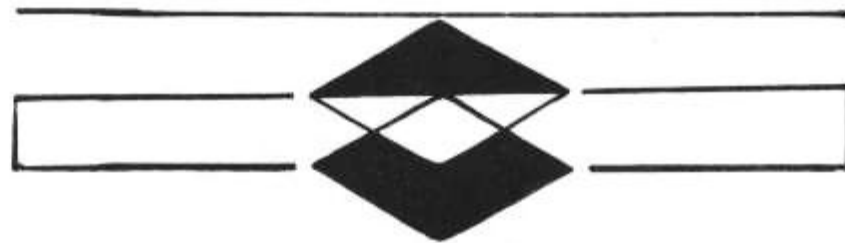
مغرب سے، تب حیران رہ گیا وہ منکر اور اللہ نہیں راہ دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

بے انصاف لوگوں کو۔

ذکر مسدود و معاد

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کو بیان فرمایا اس کے بعد تین قصے اس کے مناسب ذکر فرمائے ہیں اول قصہ وجود باری کے اثبات کے لیے ہے اور دوسرا اور تیسرا قصہ اثبات حشر و نشر یعنی اثبات قیامت کے لیے ہے تاکہ مبدا اور معاد کی معرفت مکمل ہو جائے اور خدائے ذوالجلال کی حیات اور قیومیت خوب واضح ہو جائے اور نور ہدایت اور ظلمت ضلالت کا نمونہ نظر آجائے کہ خدا تعالیٰ کس طرح ہدایت دیتا ہے۔ اور کس طرح گمراہ کرتا ہے اور جہاد و قتال کی مشروریت کی وجہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کفار ناہنجار خدائے کردگار کی صحیح معرفت کو مٹانا چاہتے ہیں اور لوگوں کو خدا تعالیٰ سے باغی بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان سے جہاد و قتال کا حکم دیا گیا اور اگر خود جہاد میں شریک نہ ہو سکیں تو مالی امداد کریں۔



عاجز ہوگا۔ پس خدا کا منکر اس روشن اور نورانی دلیل کو سن کر حیران اور بھونچکاں رہ گیا اور کسی قسم کی کوئی تاویل اور تلبیس بھی نہ کر سکا اور ایسا مدہوش ہوا کہ کچھ بھی نہ بول سکا مطلب یہ کہ نمرود حضرت ابراہیمؑ کی اس روشن دلیل کو سن کر ہٹکا بکا رہ گیا اور بطور معارضہ یہ نہ کہہ سکا کہ اگر تیرا معبود ایسا زبردست ہے تو اُس سے کہو کہ وہ آفتاب کو کسی دن بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دے اس لیے کہ اس نے خوب سمجھ لیا کہ اگر ابراہیمؑ اپنے خدا سے یہ دعا مانگیں کہ اے خدا اس آفتاب کو بجائے مشرق کے مغرب سے نکال دیکھتے تو یقیناً ایسا ہی ہو جائے گا۔ ابراہیمؑ کا خدا جس طرح آگ کو بردا و سلام بنا سکتا ہے اسی طرح ابراہیمؑ کا خدا سورج کو بجائے مشرق کے مغرب سے بھی نکال سکتا ہے لیکن نمرود باوجود اس نورانی اور روشن دلیل کے کفر کی ظلمت اور تاریکی سے نہ نکلا اس لیے اپنے عناد پر قائم رہا اور ایمان نہ لایا اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو گمراہی کی ظلمتوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف نہیں لے جاتے معاند کتنے ہی معجزات اور نشانات دیکھے وہ ظلمت سے نور ہدایت کی طرف نہیں آتا چنانچہ نمرود کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ غر۔ پشہ۔ کارش کفایت ساختہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ قصہ ابراہیمؑ علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے بعد کا ہے اور بعض

فائدہ کہتے ہیں کہ بتوں کے توڑنے کے بعد کا ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ وہ اپنے تئیں سجدہ کروانا تھا سلطنت کے غرور سے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُس کو سجدہ نہ کیا۔ اُس نے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب ہی کو سجدہ کرتا ہوں۔ اُس نے کہا رب تو میں ہوں۔ انہوں نے کہا میں رب حاکم کو نہیں کہتا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے اس نے دو قیدی بلائے جن کو جلانا پہنچتا تھا مار ڈالا اور جس کو مار ڈالنا پہنچتا تھا چھوڑ دیا تب انہوں نے آفتاب کی دلیل سے اُس کو لا جواب کیا (۱۲ منہ) اور حضرت ابراہیمؑ کی تقریر سن کر بے اختیار نمرود کے دل میں یہ بات آگئی کہ خدا ضرور ہے اور آفتاب کا مشرق سے نکالنا اس کا فعل ہے اور وہ خدا مغرب سے بھی نکال سکتا ہے اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ شخص اسی خدا کا پیغمبر ہے اور اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو عالم میں انقلاب برپا ہو جائے گا اور ساری دنیا اسی کی راہ پر ہو لے گی اور میرے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہے گی۔



اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ

یا جیسے وہ شخص، کہ گذرا ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی

۱۔ اس عبارت میں اس آیت کا گزشتہ آیت اللہ ذی الذین آمنوا یخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ ۲۔

عُرُوشَهَا ۚ قَالَ أَنَىٰ يُحْيٰى هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

چھتوں پر ، بولا کہاں جلاوے گا اس کو اللہ مر گئے

مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ

پیچھے؟ پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس، پھر اٹھایا۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ

کہا تو کتنی دیر رہا؟ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم۔

قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَأَنْظِرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ

کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ کھانا اپنا

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّه ۚ وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ

اور پینا ، سٹر نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ

اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے، اور دیکھ ہڈیاں کس طرح

كَيْفَ نُنْشِرُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ

ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت۔ پھر جب اس پر ظاہر

لَهُ ۚ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

ہوا، بولا، میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قصہ دوم

برائے اثبات معاد یعنی برائے اثبات حشر و نشر

قال تعالیٰ۔ اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ.... الے.... اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

یا اے مخاطب کیا تو نے اُس جیسے شخص کی طرف نظر نہیں کی کہ جن کا ایک بستی پر گذر ہوا۔ محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ وہ گذر نے والے حضرت ارمیا بنی تھے اور حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ عزیر تھے۔ اور مجاہدؒ سے منقول ہے کہ نمرود کے ساتھ ذکر کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ گذر نے والا شخص کافر تھا۔ جس کو بعثت میں شک اور تردد تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ کافر ایسی عزت اور کرامت کا مستحق نہیں جس کا آیت میں ذکر ہے اور قریہ سے بیت المقدس مراد ہے جس کو بخت نصر نے ویران اور برباد کیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا اور بہت سوں کو قید کر کے لے گیا۔ ان میں حضرت عزیرؑ بھی تھے حضرت عزیرؑ جب قید سے چھوٹ آئے اور اس ویران بستی پر گذر ہوا جس کے تمام آدمی مرے پڑے ہیں اور عمارت بھی سب گری ہوئی ہے۔ اور اس وقت وہ بستی ایسی حالت میں تھی کہ وہ اپنی پھتوں پر گری ہوئی پڑی تھی یعنی اس کی چھتیں گر کر پھر ان پر دیواریں گر گئی تھیں اس ویرانی کو دیکھ کر بطور حسرت اور تعجب یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو مرے پیچھے کس طرح زندہ کرے گا۔ مقصود اس کہنے سے بستی کے دوبارہ زندہ اور آباد ہونے کی طلب اور تمنا تھی مگر چونکہ عادتاً ایسا ہونا بعید تھا اس لیے یہ خیال گذرا کہ کیا میری یہ دعا قبول ہوگی۔ معاذ اللہ خدا کی قدرت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا بعثت کا یقین کامل تھا۔ لیکن تمنا یہ تھی کہ کاش میں بھی اس کا نمونہ دیکھ لوں۔ پس حق تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر کے ان کو سو برس تک مردہ رکھا۔ اور اس عرصہ میں بخت نصر بھی مر گیا اور بنی اسرائیل کو اس کے ظلم و ستم سے رہائی ملی اور شہر بیت المقدس از سر نو آباد ہو گیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور پھر سو برس کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا تاکہ واضح ہو جائے کہ جو خدا سو برس کے مردہ کو زندہ کر سکتا ہے وہ سو ہزار برس کے مردہ کو بھی زندہ کر سکتا ہے اس کی قدرت کے لیے کوئی خاص مدت شرط نہیں جس وقت اٹھے سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود یا بذریعہ فرشتہ کے پوچھا کہ کتنی دیر ٹھہرا؟ اور اس حالت میں کتنی مدت تک رہا۔ بولے کہ میں اس حالت میں ایک دن رہا یا ایک دن سے کچھ کم اگر یہاں کل اسی وقت آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو ایک دن سے بھی کم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ تم اس حالت میں سو سال ٹھہرے ہو یعنی تم حقیقتہً مر چکے تھے۔ سو سال کی موت کے بعد ہم نے تم کو اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے یہ طویل مدت خواب میں نہیں گزری اور تم خواب سے بیدار نہیں ہوئے بلکہ موت سے دوبارہ زندہ ہوئے ہو پس اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ باوجود اتنی طویل مدت گزرنے کے میرے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ کر باوجود اتنی طویل مدت گزرنے کے اس میں ذرہ برابر تغیر نہیں آیا حالانکہ کھانے پینے کی چیز میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے اور موسم گرما میں تو صبح کا کھانا شام ہی تک خراب ہو جاتا ہے پس جو خدا کھانے پینے کی چیز کو اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہی خدا تمہارے جسم کو بھی اتنی مدت تغیر سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اس کے مقابل اپنی سواری کے گرہے کی طرف نظر کیجئے کہ وہ گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہے اور اس کی ہڈیاں اس قدر بوسیدہ ہو چکی ہیں کہ ہاتھ لگانے کی بھی تاب

نہیں رکھتیں۔ گدھے کی یہ حالت ایک دن میں نہیں ہو سکتی۔ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے لیے ایک مدت مدید چاہیے اور اب ہم عنقریب تمہارے سامنے ہی اس مردہ گدھے کو زندہ کریں گے۔ اور دوبارہ اس کو گوشت اور پوست عطا کریں گے تاکہ تم اپنی آنکھوں سے مردہ کو زندہ ہوتا ہوا دیکھ لو اور ہم نے تم کو سو برس کی موت کے بعد اس لیے زندہ کیا تاکہ ہم تم کو تمہارے طعام اور شراب میں اور تمہاری سواری (عمار) میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں اور تمہارے تعجب اور استبعاد ظاہری (اَنی یُحْیِیْ هٰذِہُ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا) کو دور کریں اور تاکہ ہم تم کو لوگوں کے لیے قیامت کی ایک نشانی بنائیں کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح اللہ کی قدرت سے مردے قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے اور لوگ جب تم کو دیکھیں تو قیامت کی ایک مجسم دلیل اور برہان سمجھیں اور یقین کریں کہ قیامت میں بھی مردے اسی طرح جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اپنی ذات کے علاوہ احیاء موتی کی کیفیت کا مشاہدہ کرو تو اس سرے ہوئے گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ کس طرح ہم اُن کو جوڑتے ہیں اور پھر کس طرح ان پر گوشت چڑھاتے ہیں اور پھر کس طرح ان میں جان ڈالتے ہیں اسی طرح وہ گدھا زندہ ہو کر ان کے روبرو کھڑا ہو گیا اور گدھوں کی طرح بولنے لگا۔ پس جب مردہ کا زندہ ہونا مشاہدہ سے ظاہر اور واضح ہو گیا تو بے اختیار جوشِ مسرت میں یہ بولے کہ یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مردہ کے زندہ ہونے کا علم یقین تو پہلے بھی تھا لیکن اس مشاہدہ اور معاینہ کے بعد عین یقین کا درجہ حاصل ہو گیا یعنی مجھ کو پہلے ہی سے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے پس جس چیز کو پہلے سے جانتا تھا اب اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ اور جو چیز پہلے سے یقینی تھی اب وہ مشاہدہ عینی بن کر سامنے آگئی حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا کرشمہ مجھ کو میری آنکھوں سے دکھلادیا۔

ف اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کو چار نشانیاں دکھلائیں۔ دو اُن کی ذات میں اور دو خارجی ۱۷، سو سال مردہ رکھ کر ان کو دوبارہ زندہ کرنا (۲) سو سال تک ان کے جسم کا صحیح سالم محفوظ رہنا۔ حدیث میں ہے۔

ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے بدن کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اور خارجی دونشائیاں یہ تھیں ایک طعام و شراب کی کہ سو سال میں تغیر نہ آیا جس طرح حضرت عزیرؑ کے جسم مبارک میں کوئی تغیر نہ آیا اور دوسری نشانی حمار (گدھے) کی کہ سرکہ ہڈیوں کا ڈھیر ہو گیا اس کو دوبارہ زندہ کر کے دکھایا تاکہ کیفیت احیاء موتی کی معلوم ہو جائے راکب اور مرکوب دونوں سو سال کے بعد زندہ ہوئے۔ حضرت عزیرؑ یہاں سے اُٹھ کر اسی حمار پر سوار ہو کر بیت المقدس واپس ہوئے اور شہر کو آباد پایا اور اپنے محلہ اور گھر پہنچے تو کسی نے نہ پہچانا اس لیے کہ بچے تو بڑھے ہو چکے تھے اور حضرت عزیرؑ علیہ السلام جوان رہے اللہ تعالیٰ نے اُن کی حیات اور جوانی کو محفوظ رکھا۔ پھر

علامتیں دیکھ کر سب نے پہچانا اور یقین کیا کہ یہ عزیز ہمارے باپ ہیں تفصیل کے لیے امام قرطبی کی تفسیر ص ۲۹۴ ج ۳ کو دیکھیے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب! دکھا مجھ کو کیونکر جلاوے گا تو مردے؟

قَالَ أَوْلَمْ تُؤْمِنُنِي قَال بَلَىٰ وَلَكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا ۖ

فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں! لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ

فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑتے پھر اُن کو ہلا اپنے ساتھ سے، پھر

اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ

ڈال ہر پہاڑ پر اُن کا ایک ایک ٹکڑا، پھر ان کو پکار،

يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمَنَّ أَنَّهُ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

کہ آویں تیرے پاس دوڑتے، اور جان لے کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا

قصہ سوم

نیز برائے اثبات حشر و نشر

قال تعالى . وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ

اور اسی گزرنے والے شخص کے قصہ کے مانند حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر کیجئے جس وقت کہ ابراہیم نے

کہا کہ اے پروردگار آپ مجھ کو یہ دکھلا دیجئے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ کرتے ہیں تاکہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ آپ قیامت کے دن کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ مردوں کو زندہ فرمائیں گے۔ آپ کی قدرت کی کوئی نہایت نہیں آپ جس کیفیت کیساتھ چاہیں مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے زندہ کرنے کی عقلاً بیشمار کیفیات ممکن ہیں معلوم نہیں کہ قیامت کے دن مردوں کے زندہ کرنے کی کیا کیفیت ہوگی اس لیے اسکی تعیین چاہتا ہوں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ کس کیفیت کے ساتھ مردے زندہ ہوں گے۔

کیونکہ کیف کے ذریعہ سے جو سوال کیا جاتا ہے اگرچہ اکثر اور بیشتر وہ کیفیت دریافت کرنے کے لیے ہوتا ہے اصل شئی تو یقینی ہوتی ہے فقط کیفیت کی تعیین مطلوب ہوتی ہے لیکن بعض مرتبہ کیف کا استعمال انکار اور تعجب کے موقع پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں یہ بوجھ اور وزن اٹھا سکتا ہوں اور تمہارا گمان یہ ہو کہ یہ شخص اس وزن کے اٹھانے سے قاصر ہے تو ایسے موقع پر اس سے یہ کہتے ہو۔

ادنی کیف تحمل هذا
مجھ کو دکھاؤ کہ تم اس بوجھ کو کس طرح اٹھاؤ گے۔

اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم نہیں اٹھا سکو گے۔ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا قلب سلیم اس احتمال کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہے اس لیے سوال فرمایا اَفَلَسْتَ تَوَدُّ مِنْ لَیْ ابراہیم کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے تاکہ ابراہیم علیہ السلام جب اس سوال کا جواب دیں تو ان کی مراد اور ان کا مقام اور مرتبہ معلوم ہو جائے اور کسی کم عقل کو غلیل اللہ کی مراد کے سمجھنے میں کوئی غلطی نہ پیش آئے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں عرض کیا اے پروردگار کیوں نہیں مجھے آپ کے کمال قدرت کا یقین کامل ہے آخر مجھ کو بھی تو آپ نے اپنی قدرت سے زندہ کیا ہے لیکن یہ درخواست یقین حاصل کرنے کے لیے نہیں کی بلکہ اس لیے کی ہے تاکہ میرے قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے اس لیے کہ جب یہ مشاہدہ گزشتہ اذعان اور ایقان کے ساتھ مل جائے گا تو مزید اطمینان کا موجب ہوگا اور مشاہدہ سے احیاء کی کیفیت بھی متعین ہو جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ خبر مشاہدہ اور معاینہ کے برابر نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خبر دی کہ آپ کی قوم کو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس اطلاع پانے پر الواح توراۃ یعنی توریت کی تختیوں کو ہاتھ سے نہیں پھینکا اور جب شہر میں واپس آکر ان کی گو سالہ پرستی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو غصہ میں آکر تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔ کما رواہ احمد والطبرانی بسند صحیح۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ وَاَلْقَى الْاَلْوَاَحَ

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال شک اور تردد کی بنا پر نہ تھا بلکہ مشاہدہ اور معاینہ کے ساتھ خاص اطمینان اور سکون کا حاصل کرنا مقصود تھا کیونکہ جو سکون اور اطمینان مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے وہ خبر اور استدلال سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں یعنی عین الیقین می خواہم واللہ اعلم یعنی برائی العین مجھ کو اجیاء موتی کی کیفیت دکھا دے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَلَكِنْ لِلْعَيْنِ لَطِيفٌ مَعْنً لَّهٗ سَأَلَ الْمَشَاهِدَةَ الْخَلِيلُ

یاد رہے کہ بارگاہِ خداوندی میں اس قسم کا سوال وہی کر سکتا ہے کہ جس کو اس بارگاہ میں خاص تقرب حاصل ہو جو شش محبت اور مقام انس اور مقام ناز اس کو اس عرض دنیا پر آمادہ کرے۔ باقی

جس شخص کو خدا کی قدرت ہی میں شک اور شبہ ہو اس کا اس بارگاہِ عالی میں گزر ہی ممکن نہیں سوال
را چہ مجال۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا پس چار پرندے لے لو اور پھر اُن کو اپنے نزدیک کر لو یعنی ان
کی صورت پہچان کر اپنے پاس کر لو اور اپنے سے ہلا لو تاکہ ان کی خوب شناخت ہو جائے اور وہ بھی
زندہ ہونے کے بعد تم کو پہچان لیں اور تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں۔ بعد ازاں
ان کو ذبح کر کے اور ان کے گوشت اور پوست کو غلط ملط کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو
پھر ان کو بلاؤ سب زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے۔ اس طرح سے تم اپنا اطمینان
کر لو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور زبردست ہے کوئی اس کی مشیت اور ارادہ کو روک
نہیں سکتا یعنی جس طرح خدا تعالیٰ ان جانوروں کے متفرق اجزاء کو دوبارہ جوڑ کر اور گوشت اور
پوست چڑھا کر زندہ کر سکتا ہے اسی طرح قیامت کے دن مردوں کے جسموں کے متفرق ریزوں کو جمع
کر کے اُن میں روح ڈال سکتا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ کوئی اس کے افعال کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتا۔
اس کی حکمت کہ اس نے چار پرندوں کے ذبح کر کے پہاڑوں پر رکھنے کا کیوں حکم دیا اسی کو معلوم ہے کہ
اس میں کیا حکمت ہے۔

فوائد و لطائف

۱۔ یہ قصہ اور گزشتہ قصہ قریب قریب ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس قصہ میں حضرت ابراہیمؑ کے نام کی
تصریح فرمائی اور پہلے قصہ میں گزرنے والے کا نام نہیں ذکر فرمایا۔ بظاہر وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے
سوال میں ادب کو خاص طور پر ملحوظ رکھا۔ اور گزشتہ سوال اُنّی یحییٰ ہذیہ اللہ بعد موتہا میں
ایہام اور شبہ انکار اور تعجب کا ہوتا تھا۔ اس لیے ان کا نام نہیں ذکر کیا گیا۔ نیز جواب میں امتحان اور
تجربہ خود ان پر ہوا۔ اور سو سال مردہ رکھنے کے بعد سوال کا جواب دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام
کو فوری جواب دیا گیا۔

۲۔ یہ دونوں واقعے یعنی حضرت عزیرؑ کا واقعہ اور حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ

۱۔ یہ ترجمہ فصّٰرُہُنَّ اَکْبَرُ کا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں پس بہم آور ہمہ را نزدیک خود
۲۔ فی الآیۃ دلیل لمن ذهب الی ان احياء الموتی يوم القيامة بجمع الاجزاء المتفرقة
وارسال السروح اليها بعد ترکیبها وليس هو من باب اعادۃ المعدوم الصرف لانہ سبحانه
وتعالیٰ بین الکيفية بالتفريق ثم الجمع واعادۃ السروح ولم یعدم هناك سوى الجزء الصوری
والهيئة التركيبية دون الاجزاء المادية ۱۲ روح المعانی ص ۲۶ ج ۳۔

قیامت کے دن احياء موتی اس طرح سے ہوگا کہ اجسام کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ان میں ان کی روح ڈال دی جائے گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معاد جسمانی ہوگی نہ کہ فقط روحانی۔ اور جو لوگ معاد جسمانی کے منکر ہیں وہ صریح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے منکر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں جیسا کہ امام غزالی نے اس کی تصریح کی ہے۔

۳۔ نیز ان دونوں قصوں سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کبھی کبھی بطور خرق عادت اور بطور معجزہ دنیا میں بھی مردوں کو زندہ فرما دیتے ہیں اور اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے صراحتاً دنیا میں مردوں کا زندہ کرنا بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کو ایک مرتبہ ہلاک کر کے دوبارہ زندہ کرنا وَاِذْ قُلْتُمْ يَمْوُتُ سَيِّئٌ لَّنْ نُّؤْمِنُ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى الْاِلٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذْنَاكُمْ الصَّيْعَةَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ میں ذکر فرمایا۔ اور علیٰ ہذا بنی اسرائیل کے اُن ہزاروں آدمیوں کا جو موت سے ڈر کر بھاگے تھے مار کر دوبارہ زندہ کرنا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ فِيْ صِرَاطٍ مَّذْكُوْرٍ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا وَاِذْ تَحٰجِي الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ قرآن کریم میں متعدد جگہ صراحتاً مذکور ہے۔

مرزا قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور دیکھا کہ مسیح بن مریم کی طرح میں تو مردوں کو زندہ کر کے دکھانے سے عاجز ہوں اس لیے اس نے اپنی فرض نبوت کے قائم رکھنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کرامؑ کے اس قسم کے تمام معجزات کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو ایک دفعہ مار کر دوبارہ دنیا میں بھیجے۔ اگر یہ اللہ کی عام عادت ہوتی تو لوگ قیامت کے منکر نہ ہوتے۔ بیشک اللہ کا یہ عام قانون ہے مگر ناممکن اور محال نہیں۔ حق تعالیٰ بطور اعجاز اور اکرام کبھی کبھی دنیا میں بھی کسی مردہ کو اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی دعا سے دوبارہ زندہ فرما دیتے ہیں تاکہ خدا کی قدرت اور اس نبی کی نبوت اور قیامت کی حقانیت ثابت ہو جائے۔

محدث اور بے دین لوگ جو حضرات انبیاء کے معجزات اور خوارق عادت کے منکر ہیں وہ اس قسم کے واقعات میں طرح طرح کی تحریفات کیا کرتے ہیں خوب سمجھ لو۔

۴۔ ان چار پرندوں کے نام اگرچہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مگر ابن عباسؓ اور علماء تابعین سے منقول ہے کہ ان کے نام یہ تھے مور اور کبوتر اور مرغ اور کوا اور بعض نے بجائے کوا کے عزوق کو ذکر کیا ہے۔

انسان چونکہ عناصر اربعہ سے مرکب ہے اس لیے عجب نہیں کہ اس کے مناسب چار پرند مختلف الطبائع لینے کا حکم دیا گیا ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ قیامت کے دن بھی اسی طرح اجزاء و عنصروں کے متفرق اور جدا ہونے کے بعد پھر آپس میں مل جائیں گے اور روح ڈال کر زندہ کر دیئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ فَصُرْهُنَّ اَيْلَکَ کی جو تفسیر ہم نے ذکر کی ہے کہ چار پرندے لے کر ان کو ذبح کرو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرو اور چار مختلف پہاڑوں پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو اور پھر ان کو آواز دو بحکم خداوندی سب زندہ ہو کر تمہاری آواز پر تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے یہی تفسیر علماء صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔ ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ اور عکرمہؓ اور ابوما لکؓ اور ابوالاسودؓ دؤلی اور وہب بن منبہؓ اور حسن بصریؓ اور سدیؓ وغیرہم سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۵ ج ۲) اور یہی معنی مجاہدؓ اور ابو عبیدہؓ اور ابن الانباریؓ اور زجاجؓ سے منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳ ج ۳) امام فخر الدین رازیؒ اس تفسیر کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی تفسیر پر تمام مفسرین کا اجماع ہے اور یہی ظاہر قرآن کا مدلول ہے۔ صرف ایک ابو مسلم اصبہانی سے منقول ہے کہ وہ اس قصہ کا منکر تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قصہ کوئی حقیقت اور واقعہ نہیں بلکہ محض تشبیہ اور تمثیل ہے اور مراد یہ ہے کہ چار پرندے لے کر پال لو اور ان کو اپنے سے مانوس کر لو اور دانہ ڈال کر ان کو اپنے سے ایسا ہلاکو کہ اگر وہ پہاڑ پر بھی بیٹھے ہوں اور تم ان کو آواز دو تو وہ فوراً تمہاری آواز پر دوڑے چلے آئیں۔ اسی طرح لے کر ابراہیمؑ تم لوگوں کو اپنے سے اتنا مانوس بناؤ کہ جب تم ان کو حق کی طرف بلاؤ تو سب دوڑے چلے آئیں۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ابو مسلم کا یہ قول، مفسرین کی اجماعی تفسیر کے خلاف ہے اس لیے کہ اس پر سب کا اجماع ہے کہ وہ پرندے ذبح کیے گئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے لہذا ذبح اور قطع سے انکار کرنا اجماع سے انکار کرنا ہے۔ علاوہ ازیں اگر آیت کا یہ مطلب ہو جو ابو مسلم نے بیان کیا ہے تو پھر احیاء موتی کا کیا معجزہ ظاہر ہوا۔ پرندوں کو دانہ ڈال کر اپنے سے ہلا لینا یہ کام تو وہ لوگ بہت زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں جو مرغ اور بٹیر پالتے ہیں اس میں ابراہیمؑ خلیل اللہؑ کی کیا خصوصیت ہوئی اور حضرت ابراہیمؑ کی کیا کیفیت ظاہر ہوئی چند جانوروں کو پال لینا اور ہلا لینا اس کا نام احیاء موتی کیسے ہو سکتا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰی، درخواست کی تھی کہ مجھ کو یہ امر دکھلا دیا جائے کہ مردے کس طرح زندہ ہوتے ہیں۔ ابو مسلم کے قول پر وہ درخواست منظور نہیں ہوئی حالانکہ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا درجہ اجابت کو پہنچی اور ابو مسلم کے قول پر دعا کا اجابت کو پہنچنا نہیں پایا جاتا۔ نیز اس آیت میں ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا کا جو لفظ آیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان پرندوں کے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ زندہ پرندوں کا ہلا لینا مراد نہیں (تفسیر کبیر ص ۲۹۷ ج ۲ تفسیر نیسا بوری ص ۳۸ ج ۳) علامہ آلوسیؒ ابو مسلم کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وَلَا يَخْفٰی اَنْ هٰذَا خِلَافُ اَجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرْبُ مِنَ الْهٰذِيَانِ لَا يَرْكَنُ اِلَيْهِ اَرْبَابُ الدِّينِ وَعَدُوٌّ عَمَّا يُقْتَضِيهِ ظَاهِرُ الْاٰیَةِ

اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ ابو مسلم کا یہ قول اجماع مسلمین کے خلاف ہے اور ایک قسم کا ہڈیان اور بکواس ہے جس کی طرف اہل دین بھی مائل نہ ہوں گے۔ نیز

المؤید بالانبياء
الصحيحة والاثار
الراجعة الى ما
تمجده الاسماع
ولا يدعوا اليه داع
فالحق اتباع الجماعة
ويد الله تعالى معهم
(روح المعاني ص ۲۶ ج ۳)

.. ..
.. ..

اس معنی پر آیت کے ظاہری مدلول سے بے چو
عدول اور انحراف کرنا ہے اور اخبار صحیحہ اور
آثار معتبرہ اس ظاہر کی موید ہیں۔ لہذا ایسے
ظاہر اور صریح کو چھوڑ کر ایسے معنی کی طرف
مائل ہونا جس کے سننے سے بھی کانوں کو گرانی
ہوتی ہے کوئی وجہ نہیں کہ بلا کسی وجہ اور بلا کسی
داعی کے اس معنی کی طرف رجوع کیا جائے۔
لہذا حق یہ ہے کہ جماعت مفسرین نے آیت
کے جو معنی بیان کیے ہیں اسی کا اتباع کیا جائے
اور اللہ کا ہاتھ جماعت کے سر پر ہوتا ہے۔

حکایت بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو دیکھ کر فرمایا: **عَزَّيْزٌ حَكِيمٌ** پر ختم فرمایا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اے ابراہیم تم نے ہم سے
رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ كِي در خواست کی ہم نے اس کو منظور کیا۔ ایک وقت آنے والا ہے
کہ ہم تم سے یہ کہیں گے کہ عَبْدِ اَرِنِي كَيْفَ تُمِيتُ الْاَحْيَاءَ اے میرے بندے تو مجھ کو یہ دکھا کہ
تو میرے لیے زندہ کو کس طرح موت دیتا ہے یعنی زندہ بیٹے کو کس طرح میرے لیے قربان کرتا ہے۔
(روح المعانی ص ۲۶ ج ۳)

رجوع باحکام صدقات

ابتداء پارہ میں اہل ایمان کو حکم دیا تھا کہ وقت کو غنیمت سمجھیں اور موت اور قیامت کے آنے
سے پیشتر جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کر سکیں اُس سے دریغ نہ کریں۔ بعد ازاں اس کے مناسب مبداء اور
معاد کے اثبات کے لیے تین قصے ذکر فرمائے اب پھر خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر فرماتے ہیں کہ اے
اہل ایمان جب قیامت کا حق ہونا معلوم ہو گیا تو پھر آخرت کے لیے کوئی توشہ بھی تیار کرو جو قیامت
کے دن تمہیں کام آئے۔ نیز نفس پر آخرت کے لیے خرچ کرنا بہت شاق اور گراں ہوتا ہے۔ اور جب
قیامت اور آخرت کا یقین ہو جائے تو پھر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے اس لیے اثبات قیامت اور
آخرت کے بعد عالم آخرت کے لیے ساز و سامان تیار کرنے کی ترغیب دی جس کا سلسلہ دورتک چلا گیا ہے۔

لَقَدْ قَالَ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتُنْفِقُوا أَمْثَارًا زُرْتُمْ مِّن قَبْلُ أَنْ يَأْتِيَنَا يَوْمُ الْآيَةِ

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ

جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو

مِائَةِ حَبَّةٍ ط وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ

سو دانے۔ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہتا ہے اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۱﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي

کثائش والا ہے سب جانتا جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

سَبِيلِ اللَّهِ شُمْ لَا يُتَّبَعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا

اللہ کی راہ میں پھر پیچھے خرچ کر کر نہ احسان رکھتے ہیں نہ

أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ستاتے ہیں انہیں کو ہے ثواب ان کا اپنے رب کے ہاں اور نہ ڈر ہے اُن پر،

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ

اور نہ وہ غم کھا دیں گے۔ بات کہنی معقول اور درگزر کرنی

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذَى ط وَاللَّهُ غَنِيٌّ

بہتر اس خیرات سے جس کے پیچھے ستانا، اور اللہ بے پروا ہے

حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ

تھمل والا اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنی خیرات،

بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ

احسان رکھ کر اور ستا کر، جیسے وہ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُ

کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ سو اس کی

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ

مثال جیسے صاف پتھر، اس پر بڑی ہے مٹی، پھر اس پر برسازور کا مینہ

فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا

تو اس کو کرکھا سخت کچھ ہاتھ لگتی نہیں ان کو اپنی کمائی

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٣﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو

فَضَيَّلَتْ اَلْفَاقَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَذَكَرَ بَعْضُ شَرَايِطِ قَبُولِ ۝

قال تعالى. مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - الى - وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ .
ان آیات میں عالم آخرت کے لیے ساز و سامان تیار کرنے کی ترغیب کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں جو ضمناً اثبات قیامت کی بھی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جو ذات پاک زمین میں ایک دانہ ڈالنے اور سات سودا نے اُگانے پر قادر ہے، وہ مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے جو کہ سات بالیں اُگائے اور ہر بال میں سودا نے ہوں اسی طرح صدقہ دینے والا بمنزلہ مزارع کے ہے اور مال بمنزلہ تخم اور دانہ کے ہے اور سبیل اللہ بمنزلہ زمین زراعت کے ہے جو خدا کی راہ میں مال خرچ کرے گا۔ اور سات سو گونہ کی کوئی تحدید نہیں۔ اللہ تعالیٰ بقدر اخلاص اور بقدر نیت اور مشقت کے جس کے لیے جس قدر چاہتا ہے اور بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والا ہے اسکی عطا اور بخشش کی کوئی حد اور نہایت نہیں۔ دینے سے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور اخلاص اور نیت اور اس کی مقدار اور کیفیت کو بھی خوب جاننے والے ہیں اس کے مطابق بڑھاتے ہیں اور جس طرح پیداوار کے لیے یہ شرط ہے کہ تخم اور دانہ خراب نہ ہو اور زمین تخم ریزی کے قابل ہو اور آئندہ چل کر بھی کھیتی آفتوں سے محفوظ اور مامون رہے تب پیداوار ہوگی اسی طرح صدقہ کے لیے یہ شرط ہے کہ مال حلال ہو اور جس راہ میں خرچ

کیا جا رہا ہے وہ بھی خیر اور نیکی کی راہ ہو یعنی صحیح ہو اور آئندہ چل کر وہ صدقہ احسان جتانے اور ایذا رسانی کی آفت سے بھی محفوظ اور مامون رہے تب اس صدقہ کا سات سو گونہ بدلہ ملے گا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ارشاد فرماتے ہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو زبان سے احسان جتلاتے ہیں اور نہ کسی اپنے عمل اور برتاؤ سے اس کو ایذا پہنچاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کو اُن کے پروردگار کے یہاں صدقہ کا اجر اضعا فاضعا عطف ملے گا اور نہ اُن کو آئندہ ڈر ہے کہ ہمارا صدقہ کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہو جائے اور نہ قیامت کے دن غمگین ہوں گے کہ ہمارا صدقہ بیکار گیا اس لیے کہ صدقہ کی کھیتی سماوی آفتوں سے تباہ اور برباد نہیں ہوتی۔ بلکہ خرچ کرنے والے کے نفس کی طرف سے جو ”مَن“ اور ”اذی“ اور ”ریاء“ کی آفتیں آتی ہیں اُن سے تباہ اور برباد ہوتی ہے۔ اور صدقہ دینے کے بعد مَن اور اذی یعنی احسان جتلانے اور ستانے سے اس لیے منع کیا گیا کہ سائل کو معقول اور مناسب طریقہ سے جواب دے دینا اور نرمی کے ساتھ اپنی ناداری اور نہ دینے کا عذر کر دینا اور اگر سائل اصرار کرے اور کچھ سخت اور سُست کہے تو اُس سے درگزر کرنا اس خیرات سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کے بعد ستایا جاوے۔ اس لیے کہ صدقہ اور خیرات سے محتاج اور سائل کی تکلیف کو دور کرنا تھا۔ پس جب وہ مقصد حاصل نہ ہوا تو وہ صدقہ بیکار ہی گیا۔ ایسی سخاوت سے تو بخل بہتر ہے کہ جس کے بعد اس کو ذلیل اور حقیر کیا جائے سائل کی ایک تکلیف دور کی اور پھر دوسری تکلیف اُس کو پہنچائی۔ یہ ایسا ہے کہ ایک کا ٹٹا نکالا اور دوسرا کا ٹٹا چبھو دیا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اُن کو کسی کے مال اور خیرات کی ذرہ برابر حاجت نہیں۔ جو خیرات کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور بُردبار اور تحمل والے ہیں۔ احسان جتانے والے اور ستانے والے کو جلدی سزا نہیں دیتے۔ ان آیات میں مَن اور اذی کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں ریا کا بیان فرماتے ہیں کہ صدقہ کی قبولیت کے لیے اخلاص اور نیت شرط ہے اگر دکھاوے کی نیت سے خرچ کیا تو بیکار ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اس پتھر پر دانہ ڈالے جس پر کچھ مٹی نظر آتی ہو اور ظاہر نظر میں یہ گمان ہو کہ یہ جگہ قابلِ زراعت ہے اور جب اس پر بارش پڑی تو سب بہہ گیا اور کوئی چیز بھی اُس کے قبضہ میں نہ رہی۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے سے ضائع مت کرو۔ احسان جتلانا احسان کرنے کے منافی ہے اور نیکی کرنا اور تکلیف پہنچانا ایک دوسرے کی ضد ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ خیرات کر کے احسان جتلانے والا اور ایذا پہنچانے والا اس شخص کے مشابہ ہے جو اپنا مال لوگوں کو دکھلانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اور اللہ اور یومِ آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ یعنی اللہ کی خوشنودی اور آخرت کے ذخیرہ کے لیے خیرات نہیں کرتا بلکہ محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے خیرات کرتا ہے جو مومن کی شان نہیں بلکہ منافق کی خصلت ہے۔ پس ریا اور نمود کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے کہ ایک صاف پتھر ہو۔ جس پر کوئی چیز نہیں آگئی اور اس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہو۔ اس کو دیکھ کر اس میں دانہ ڈالے اور یہ گمان کرے کہ اس میں سات دانے

پیدا ہوں گے۔ پھر اس پر ایک سخت بارش پڑی جس نے اس پتھر کو بالکل صاف کر دیا۔ اور مٹی اور دانہ کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ ظاہر ہے کہ اب اس میں کیا اُگے گا۔ اسی طرح نفاق اور ریاہ صدقہ اور خیرات کو بہا کر لے جاتا ہے پس قیامت کے دن ریاہ اور نفاق سے خرتج کرنے والے اور خرتج کر کے احسان جتانے والے اور ستانے والے اپنی کمائی میں سے کسی چیز کا ثواب حاصل کرنے پر ذرہ برابر قادر نہ ہوں گے۔ کوئی چیز اُن کے ہاتھ نہ لگے گی۔ اس لیے کہ ثواب ملنے کی شرط یہ ہے کہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ دیا ہو۔ پس جس نے ریاہ اور نفاق سے کچھ خیرات کیا اُس کی مثال تو ایسی ہے کہ جس نے پتھر پر دانہ ڈالا اور بارش اُس کو بہا کر لے گئی اور جس نے اخلاص سے دیا اور بعد میں احسان جتایا اور ایذا پہنچائی اُس کی مثال ایسی ہے کہ پودا لگایا اور پھر خود ہی اُس کو اپنے ہاتھ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ کا فزول کو اپنی توفیق اور عنایت سے سرفراز نہیں فرماتے اشارہ اس طرف ہے کہ ریا اور دکھلاوے کے لیے خرتج کرنا اور احسان جتاننا اور ستانا یہ کافروں کی صفات ہیں۔ مومن کی شان نہیں کہ ایسا کرے۔

فائدہ جس طرح نماز کے لیے دو قسم کی شرائط ہیں۔ ایک شرائط صحت، جیسے وضو اور طہارت اور دوسرے شرائط بقا، جیسے نماز میں کسی سے باتیں نہ کرنا اور کھانے اور پینے سے پرہیز کرنا۔ پس اگر وضو ہی نہ کرے تو سرے ہی سے نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر وضو اور طہارت کے بعد نماز شروع کی، مگر ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد نماز میں کھانا اور پینا اور بولنا شروع کر دیا تو اس کی نماز باقی نہ رہے گی۔

اسی طرح صدقات اور خیرات کے لیے بھی دو قسم کی شرطیں ہیں۔ ایک شرائط صحت اور دوسری شرائط بقا۔ اخلاص شرط صحت ہے۔ بغیر اخلاص کے صدقہ صحیح ہی نہیں ہوتا۔ لہذا جو صدقہ ریاہ اور نفاق کے ساتھ دیا جائے وہ شریعت میں معتبر نہیں اور منّ اور اذیٰ سے پرہیز شرط بقا ہے یعنی صدقہ اور خیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب تک صدقہ دینے کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ سائل کو کسی قسم کی ایذا پہنچائی جائے۔ اگر صدقہ دینے کے بعد احسان جتایا یا ستایا تو وہ صدقہ ضائع اور باطل ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں صدقہ اور خیرات کے مفسدات میں سے ہیں جیسے کھانے اور پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح منّ اور اذیٰ سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ جو صدقہ نفاق اور ریاہ سے دیا جائے اس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے اس صدقہ کو جو منّ اور اذیٰ کی وجہ سے باطل ہو اُس کو اس صدقہ کے ساتھ تشبیہ دی جو کہ ریاہ اور نفاق کی وجہ سے باطل ہو۔ اس لیے کہ صدقہ ریاہ اور نفاق ابتداء ہی سے باطل ہے کیونکہ شرط صحت مفقود ہے اور صدقہ منّ اور اذیٰ اصل سے صحیح تھا۔ بعد میں منّ اور اذیٰ کی وجہ سے باطل ہوا اس لیے کہ شرط بقا کی منتفی ہوئی اب اس تقریر کے بعد معتزلہ کا یہ شبہ کا فور ہو گیا کہ جس طرح کفر اور تدا سے تمام اعمال جط ہو جاتے ہیں اسی طرح ہر سنیہ اور ہر معصیت کے ارتکاب سے گزشتہ تمام طاعات جط ہو جاتی ہیں اس لیے کہ صدقہ منّ اور اذیٰ سے اس لیے باطل ہو کہ صدقہ جو کہ ایک طاعت تھا اس کی شرط بقا

نہیں پائی گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً ہر سیئہ کے ارتکاب سے گزشتہ حسنات بھی جبط ہو جائیں۔ اور جن آیات اور احادیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ معاصی اور سیئات سے گزشتہ طاعات اور حسنات جبط ہو جاتے ہیں اُن کا مطلب یہ نہیں کہ معاصی اور سیئات کے ارتکاب سے گزشتہ طاعات باطل ہو جاتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے اِذَا زَنِی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ۔ یعنی جب بندہ زنا کرتا ہے تو اُس سے ایمان کا نور زائل ہو جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ زنا کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے اللہ کی

مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشِيئًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

خوشی چاہ کر، اور اپنا دل ثابت کر کر جیسے ایک باغ

جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أُكُلَهَا

ہے بلندی پر، اس پر پڑا مینہ تو لایا اپنا پھل

ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ

دوہا پھر اگر نہ پڑا اُس پر مینہ تو اس ہی پڑی اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾

تمہارے کام دیکھتا ہے۔

مثال نفقات مقبولہ

قال تعالى۔ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ۔ الی۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (ربط) گزشتہ آیات میں صدقات غیر مقبولہ کی مثال بیان فرمائی۔ اب ان آیات میں صدقات مقبولہ کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ اور مثال اُن لوگوں کی جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں محض خدا تعالیٰ

کی رضامندی اور خوشنودی طلب کرنے کے لیے اور دلی تصدیق اور یقین کی بنا پر یعنی اُن کو یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو صدقات پر جزاء اور ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور اُن کے دلوں کو یقین اور اطمینان ہے کہ قیامت کے دن اُن کو پورا بدلہ ملے گا۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

پس ان لوگوں کے صدقات اور خیرات کی مثال اُس باغ کی مانند ہے جو بلندی پر واقع ہو۔ جو دیکھنے میں نہایت خوبصورت معلوم ہو بلند جگہ پر جو درخت ہوتے ہیں وہ دیکھنے میں نہایت اچھے معلوم ہوتے ہیں اور بلند جگہ کی آب و ہوا بھی بہت لطیف ہوتی ہے اور اس پر زور کی بارش پڑی ہو۔ پس لایا ہو وہ باغ اپنا دونا پھل اور اگر اس باغ کو زور کی بارش نہ پہنچے تو شبنم اور اس ہی اس کو کفایت کرتی ہے۔ کیونکہ زمین عمدہ ہے۔ اور آب و ہوا نہایت لطیف ہے۔ اس لیے تھوڑا پانی بھی اس کے لیے کافی ہوتا ہے بہر حال وہ باغ ایسی عمدہ جگہ پر ہے کہ اُس کو تھوڑا پانی پہنچے یا زیادہ وہ باغ خراب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مومن مخلص کی خیرات بمنزلہ باغ کے ہے کہ وہ ضائع اور برباد نہیں ہوتی۔ بقدر اخلاص اور بقدر نیت اور بقدر اس کے خرچ کے اُس کو ثواب ملے گا زور کی بارش سے بہت مال خرچ کرنا مراد ہے اور شبنم اور اس سے تھوڑا مال خرچ کرنا مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والے ہیں کہ کون اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے دیتا ہے اور کون ریا اور نفاق سے دیتا ہے اور کون دینے کے بعد احسان جتلاتا ہے۔ اور حاصل مثال یہ ہے کہ اہل اخلاص کا عمل ضرور نافع اور مفید ہوتا ہے۔ خواہ اہل اخلاص سابقین اور مقربین میں سے ہوں یا اصحاب یمین میں سے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ اور شعبیؓ اور قتادہؓ اور ابو صالحؓ اور ابن زیدؓ سے منقول ہے کہ **ف** تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال اُن مومنین کی ہے جو اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں تاکہ اُن کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اور تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کے یہ معنی ہیں کہ اُن کو دل سے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان

لے یہ ترجمہ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ کا ہے جو ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور شعبیؓ اور سدیؓ سے منقول ہے اور اسی کو زجاجؒ نے اختیار کیا ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ قيل معناه تصديقاً و يقيناً قال ابن عباسؓ وقال ابن عباسؓ ايضاً و قتادہؓ معناه و احتساباً من انفسهم (تفسير قرطبي ص ۳۱۴ ج ۳) وقال الزجاج تصديقاً للسلام و تحقيقاً للجزاء من اصل انفسهم جاز مین بان الله لا يضيع ثوابهم فمن على هذا لا يتدار و جز مهم بالثواب هو المراد بالتثبيت۔ تفسير نيسابوری ص ۵۲ ج ۳۔ و تفسير کبیر ص ۳۵۳ ج ۲۔ اور اسی معنی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار فرمایا ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۲ مزید تفصیل آئندہ فوائد کے ذیل میں آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں۔ ”حاصل اس مثل آنست کہ عمل اہل اخلاص۔ فائدہ می دہد از سابقین باشد یا از اصحاب یمین“

کی اس خیرات کی کامل جزا عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے۔ من صام رمضان ایمانا واحسابا۔ یعنی جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور وہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ نے یہ روزے فرض کیے ہیں اور احتساباً کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے ثواب کی توقع اور امید رکھے اور اسی معنی کو امام ابن جریر نے اختیار فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۲ ج ۲)

اس تفسیر پر من النفسہم کا من ابتدائیہ ہے۔ ای تثبیتا ناشا من نفوسہم یعنی ایسی تصدیق اور ایسا یقین کہ جو ان کے دلوں سے نکلا ہو۔ اس بنا پر ہم نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی کہ (دلی تصدیق اور یقین کی بنا پر) شاہ ولی اللہ تثبیتا من النفسہم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔
”ولسبب اعتقاد ناشی از دل خویش“

ف (۲) مجاہد اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ تثبیت سے احتیاط کے معنی مراد ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں
معناہ انہم یثبتون این یضعون صدقاتہم۔ یعنی وہ احتیاط کرتے ہیں کہ اپنا صدقہ اور خیرات کس جگہ خرچ کریں۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۱۴ ج ۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۶۳ ج ۲)

ف (۳) اور بعض ائمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ تثبیتا کے معنی نفس کو مقام عبودیت اور منزل ایمان میں ایسا ثابت قدم بنادینا کہ اُس کے پائے استقامت میں کوئی ترزل نہ آئے اور حرص اور طمع اور مال کی محبت اُس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اور من اس تفسیر پر تبعیضیہ ہے اور تثبیتا کا مفعول ہے یعنی تثبیتا بعض النفسہم اور معنی یہ ہیں کہ جس نے اپنا مال خدا کے لیے خرچ کیا اُس نے اپنے بعض نفس کو ایمان پر جمالیا۔ اور جس نے جان اور مال دونوں خدا کے لیے خرچ کیے اس نے اپنے سارے نفس کو ایمان پر ثابت اور قائم کر دیا اور اس آیت شریفہ یعنی تَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ میں یہی مراد ہے یعنی کل نفس کو ایمان پر ثابت اور قائم کر دینا مراد ہے امام فخر الدین رازیؒ اس وجہ کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

هذا الوجه ذكره صاحب الكشاف
و هو كلام حسن وتفسير لطيف
اس وجہ کو صاحب کشف یعنی علامہ زمخشری
نے ذکر کیا ہے اور یہ کلام بہت خوب ہے
اور نہایت لطیف تفسیر ہے۔
(تفسیر کبیر ص ۳۵۳ ج ۲)

أَيُّوْدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ

بھلا خوش گلتا ہے تم میں کسی کو؟ کہ ہووے اس کا ایک باغ کھجور

وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ

اور انگور کا، نیچے اس کے بہتی ہیں ندیاں، اس کو وہاں حاصل

كُلُّ الشَّارِبِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ ۖ

سب طرح کامیوہ، اور اس پر بڑھاپا پڑا اور اس کے اولاد ہیں ضعیف،

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

تب پڑا اس باغ پر بگولہ، جس میں آگ تھی، تو وہ جل گیا۔ یوں سمجھاتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۚ

اللہ تم کو آیتیں، شاید تم دھیان کرو۔

مثال نفقات طاعات غیر مقبولہ

قال تعالى - أَيْوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ ۖ

کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک ایسا باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا کہ اُس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور اس باغ میں علاوہ کھجوروں اور انگوروں کے اس کے لیے ہر قسم کے پھل اور میوے ہوں اور اس کو بڑھاپا آپہنچا کہ جس وقت میں چل پھر کر کمانے پر قدرت نہیں رہی اور بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے ضرورت اور لاچارگی بڑھ گئی اور اس کی اولاد ہیں ضعیف اور ناتواں۔ جو کمانے پر قادر نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ بوڑھے باپ کی خدمت کریں خود محتاج خدمت ہیں۔ یہ وقت باپ کے لیے بڑی پریشانی کا ہے کہ خود بھی عاجز اور مجبور اور بچے بھی کمزور اور ناتواں۔ پس اچانک ایسی حالت میں اُس باغ کو ایک بگولا آگ، جس میں آگ تھی۔ پس وہ باغ جل کر خاک ہو گیا۔ اسی طرح قیامت کے دن جو انتہائی ضرورت اور پریشانی کا وقت ہوگا صدقات اور خیرات کے وہ تمام باغات جن کو مسن اور اذی کا بگولہ پہنچا۔ جس میں غضب خداوندی کی آگ پنہاں تھی جل کر خاک ہو جائیں گے اور کف افسوس ملتا ہوا رہ جائے گا۔ اور تمام امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو واضح فرماتا ہے تاکہ تم فکر کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں۔

حاصل مثال کا یہ ہے کہ احسان جتانے والے اور ریا سے صدقہ دینے والے کے اعمال شدید احتیاج کے وقت جط ہو جائیں گے جیسے

حاصل این مثل آنست کہ عمل منان و مرانی در وقت شدت احتیاج جط شود۔ چنانچہ بوستان این شخص در وقت شدت

احتیاج بسوخت۔

اس شخص کا باغ شدید احتیاج کے وقت جل کر خاک ہو گیا۔

یعنی یہ مثال ہے اُن لوگوں کی جو احسان رکھ کر اپنی خیرات کو ضائع کرتے ہیں۔ جیسے کسی نے جوانی کے وقت باغ تیار کیا تاکہ ضعیفی اور بڑھاپے میں کام آئے اور اس سے میوہ کھائے۔ پس جب بڑھاپا اور ضرورت کا وقت آیا تو عین ضرورت کے وقت وہ باغ جل گیا۔

اسی طرح صدقہ اور خیرات مثل میوہ دار باغ کے ہیں کہ ان کا میوہ آخرت میں کام آتا ہے جب کسی کی نیت بُری ہو یا احسان جتائے یا ستائے تو وہ باغ جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا میوہ جو کہ ثواب ہے وہ کیونکر نصیب ہو؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

اے ایمان والو! خرچ کرو ستمری چیزیں اپنی

كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا

کمان میں سے، اور جو ہم نے نکال دیا تم کو زمین میں سے اور نیت

تَيَسَّسُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ

نہ رکھو گندی چیز پر کہ خرچ کرو، اور تم آپ وہ نہ لوگ

إِلَّا أَنْ تَغِيْضُوا فِيْهِ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

مگر جو آنکھیں موند لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پردا ہے

حَمِيدٌ ۚ ۞ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ

خوبیوں والا۔ شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگی کا اور حکم کرتا ہے

بِالْفَحْشَاءِ ۚ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا

بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے اپنی بخشش کا اور فضل کا

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۚ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَ

اور اللہ کشائش والا ہے سب جانتا۔ دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے اور

مَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۖ وَ

جس کو سمجھ ملی بہت خوبی ملی اور

مَا يَذْكُرُهُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۖ (۲۶۹) وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ

وہی سمجھیں جن کو عقل ہے - اور جو خرچ کرو گے

نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ ۖ وَ

کوئی خیرات یا قبول کرو گے کوئی سنت، سو اللہ کو معلوم ہے اور

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۖ (۲۷۰) إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ

گنہگاروں کا کوئی نہیں مددگار - اگر کھلی دو خیرات تو

فَنِعْمَ آهِيَ ۚ وَإِنْ تُخَفُّوْهَا وَتَوْتُوْهَا الْفُقَرَاءُ فَهُوَ

کیا اچھی بات، اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَ يُكْفِرُ عَنْكُمْ ۖ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۖ وَاللَّهُ

بہتر ہے - اور اتارتا ہے کچھ گناہ تمہارے اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ۖ (۲۷۱) لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنْ

تمہارے کام سے واقف ہے - تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا لیکن

اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے اور مال جو خرچ کرو گے سو

فَلَا أَنْفُسِكُمْ ۖ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۖ

اپنے واسطے جب تک خرچ کرو گے مگر اللہ کی خوشی چاہ کر

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا

اور جو خرچ کرو گے خیرات پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ

تُظْلَمُونَ ﴿۲۴۲﴾ لِّلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ

رہے گا دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ

اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ

میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو

الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءُ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ

بے خبر محظوظ ان کے نہ مانگنے سے تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

سے نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو خرچ کرد گے کام کی چیز وہ

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۴۳﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

اللہ کو معلوم ہے۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال

بِالْئِيلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

اللہ کی راہ میں رات اور دن چھپے اور کھلے تو ان کو ہے مزدوری

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۴﴾

ان کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھادیں گے۔

بیان بقیہ آداب صدقات و ذکر مصارف خیر

قال تعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ - إِلَى - وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ -
(رابط) اب ان آیات میں ان امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کی صدقہ اور خیرات میں رعایت
ضروری ہے اور بعد ازاں یہ بیان فرمائیں گے کہ کن لوگوں کو صدقہ دینا جائز ہے اور صدقہ اور خیرات
کے اصل مستحق کون لوگ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جو چیز تم نے اپنی تجارت یا صنعت و حرفت سے کمائی ہے۔

اس میں سے پاکیزہ یعنی حلال اور عمدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اور علیٰ ہذا ہم نے جو چیز تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اس میں سے بھی پاکیزہ اور عمدہ ہی چیز خرچ کرو۔ اور خراب اور گندی چیز کا ارادہ بھی نہ کرو کہ اس میں سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ خدا کی راہ میں خبیث اور ناپاک مال خرچ کا ارادہ اور نیت بھی گستاخی ہے البتہ اگر بلا قصد اور بلا ارادہ تمہاری خیرات میں کوئی خراب چیز مل جائے تو اس پر مواخذہ نہیں۔ حالانکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہارا حق کسی کے ذمہ چاہتا ہو اور وہ تم کو کوئی خراب چیز دینے لگے تو اس خراب کو لینے والے نہیں مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں چشم پوشی کرو۔ پس جبکہ تم اپنے حقوق میں خراب چیز لینا پسند نہیں کرتے، تو خدا کی راہ میں خراب چیز دینے کو کیسے پسند کرتے ہو اور تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمہارا یہ چشم پوشی کرنا حاجت اور ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور بے پروا ہے۔ اسے تو پسندیدہ اور پاکیزہ کی بھی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی خوبیوں والا ہے۔ خوب سے خوب کو پسند کرتا ہے اور پاکیزہ ہی چیز کو قبول کرتا ہے۔

شیطان کبھی تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے کہ اگر تم خدا کی راہ میں خرچ کرو گے یا عمدہ مال خیرات کرو گے تو تنگ دست ہو جاؤ گے۔ اگر دینا ہی ہے تو خراب اور ردی چیزیں خیرات کرو دو اور کبھی شیطان تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے کہ ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے یا رباً اور دکھلاوے کے ساتھ خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے خرچ کرنے پر اور خصوصاً پاکیزہ کمائی سے خرچ کرنے پر اپنی جانب سے بخشش اور فضل اور احسان کا وعدہ کرتا ہے۔ یعنی جو شے ہماری راہ میں خرچ کرو گے اس پر ہم تمہاری مغفرت کریں گے اور دنیا اور آخرت میں اس سے کہیں زائد اضعافاً مضاعفہ تم کو عطا کریں گے جو تمہارے وہم و گمان سے بھی کہیں بالا اور برتر ہو گا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الْكَافِرِينَ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا کشائش والا ہے۔ اس کے خزانہ میں کوئی کمی اور تنگی نہیں۔ اور بڑا دانا ہے۔ تمہارے اخلاص اور نیت کے بمقدار انعام دے گا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اُس کو حکمت اور دانائی یعنی صحیح فہم عطا فرماتے ہیں۔ جس سے وہ القاءِ رحمانی اور خیالِ شیطانی میں فرق کرنے لگتا ہے۔ مثلاً جب اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر خیرات کروں گا تو مفلس رہ جاؤں گا۔ تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ دوسرا شیطانی ہے۔ شیطان مجھ کو خیرات سے روکنا چاہتا ہے اور جب یہ خیال آتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گناہوں کی مغفرت ہوگی اور دنیا میں خرچ کیا ہوا آخرت میں کام آئے گا اور خدا کی راہ میں دینے سے کمی نہیں آتی تو سمجھ لیتا ہے کہ یہ القاءِ رحمانی ہے باقی ایسا صدقہ اور خیرات کہ جس سے ظاہر اسباب میں یقیناً یا بظن غالب مفلس ہو جانے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے خود ایسے صدقات اور تبرعات کو ممنوع قرار دیا ہے۔ البتہ بخیلانہ خیالات اور دوسوسوں کے اتباع سے منع کیا ہے آج کل کے متمدن بخیلوں نے اپنے بخل کا نام ”اقتصاد“ رکھ لیا ہے تاکہ خدا کی راہ میں نہ دینے کا بہانہ بن جائے اور جس کو من جانب اللہ حکمت اور دانائی عنایت ہو گئی۔ بلاشبہ اس کو بڑی خیر اور بھلائی مل گئی۔ اس لیے کہ دنیا اور آخرت کے سب کام حکمت اور دانائی سے درست اور ٹھیک ہوتے ہیں اور نہیں نصیحت قبول

کرتے مگر وہی لوگ جو خالص عقل والے ہیں۔ یعنی جن کی عقلیں وہموں اور شیطانی وسوسوں اور نفسانی خطرات سے محفوظ اور مامون ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنی خواہشوں کو اللہ کی اطاعت اور رضامندی میں فنا کر چکے ہیں اور جو کچھ تم خرچ کر دو گے تھوڑا ہو یا بہت، پوشیدہ ہو یا ظاہر، حق میں یا باطل میں۔ یا کوئی منت اور نذر مانو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اس کے موافق تم کو جزا دے گا۔ اور ظالم اور ستمگاروں کے لیے کہ جو اپنا مال نہ تو راہ مولے میں خرچ کرتے ہیں اور نہ اپنی فتنیں پوری کرتے ہیں یا دکھلاوے اور معصیت کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن ان کو عذاب الہی سے بچا سکے۔

ف یہاں تک صدقہ کے آداب اور شرائط کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ صدقہ علانیہ بہتر ہے یا پوشیدہ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اگر تم اپنے صدقات اور خیرات کو ظاہر کر دینے سب کے سامنے دو لیکن قصد دکھلانے کا نہ ہو تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ تمہارا یہ نیک عمل دیکھ کر دوسرے بھی اتباع کریں گے۔ اور نیک دل لوگ تمہاری اس سخاوت کو دیکھ کر تمہارے لیے دعا کریں گے کہ اے اللہ ایسے سخی کو زندہ رکھ جو تیری راہ میں خرچ کرتا ہے۔ نیز دوسرے مستحقین کو جب تمہاری اعانت اور امداد کا علم ہو تو وہ بھی تمہارے وجود اور جود کو اپنے لیے سہارا سمجھیں گے اور تمہارے لیے دعا کریں گے۔ اور اگر تم اپنے صدقات کو چھپاؤ اور پوشیدہ طور پر فقیروں کو دے دو تو وہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ تمہارا صدقہ ریا اور نمود سے محفوظ رہا۔ اور فقیر ندامت اور شرمندگی سے محفوظ رہا اور چونکہ تم نے پوشیدہ دے کر فقیروں کی پردہ پوشی کی اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اس پوشیدہ صدقہ کے صلہ میں تمہارے کچھ گناہوں اور برائیوں کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ اور واقف ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ صدقہ کا اظہار اور اخفا دونوں ہی بہتر ہیں مگر صدقہ کا اخفا بہت بہتر ہے۔ البتہ بعض حالات میں صدقہ کا اظہار زیادہ نافع ہوتا ہے یہ عارضی امر ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے اپنے مشرکین رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کو مکروہ سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو آپؐ نے ان کو اجازت دی اور اس بارہ میں یہ آئندہ آیت نازل ہوئی یعنی لَيْسَ عَلَيْكَ هُدًى نَازِلٌ هُوَ نَازِلٌ هُوَ (نسانی، طہرانی و بزار وغیرہ) اور مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ تم اپنے ہی دین کے لوگوں کو صدقہ دیا کرو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کا راہ راست پر لانا آپ کے ذمہ نہیں۔ جس کے لیے آپ اتنا اہتمام کریں اور یہ خیال کریں کہ شاید اس تدبیر سے یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور لیکن اللہ ہی راہ راست پر لاتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ بھی تم خرچ کر دو گے تو وہ تمہارے ہی نفع کے لیے ہے۔ تم اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہارا صدقہ مسلمان کو ملے یا کافر کو صلہ رحمی اور انسانی ہمدردی کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں۔

اور تم تو خدا کے ایسے مخلص ہو کہ کوئی چیز بھی خرچ نہیں کرتے مگر محض اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی کے لیے اور جو مال بھی تم خدا کی رضا مندی کے لیے خرچ کر دو گے اس کا پورا پورا اجر تم تک پہنچا دیا جائے گا۔ اور تمہارے اجر میں ذرہ برابر کمی نہ کی جائے گی۔ لہذا اس فکر میں نہ پڑو کہ تمہارا صدقہ اور خیرات مسلمان ہی کو ملے اور کافر کو نہ ملے شیخ سعدیؒ کا ارشاد ہے جو گویا اس آیت کی تفسیر ہے

گر آدمی برد بيش آتش سجود
تو داپس چرامی کشي دست جود

حکایت ایک عالم بڑی خیرات کیا کرتے تھے اور کوئی پوچھتا تو قسم کھاتے کہ خدا کی قسم میں نے کسی کے ساتھ کوئی خیر نہیں کی۔ کسی نے اس عالم سے دریافت کیا کہ آپ خیرات کرتے ہیں اور پھر یہ قسم کھاتے ہیں تو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں کسی کے ساتھ خیر نہیں کرتا۔ جو خیر کرتا ہوں وہ اپنے ہی لیے کرتا ہوں اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُفْسِدُكُمْ یعنی تم جو بھی خیر کرتے ہو وہ اپنے ہی نفس کے لیے کرتے ہو۔

فائدہ ان آیات میں صدقات نافلہ اور عام خیرات کا بیان ہے اور نفلی صدقہ اور خیرات دینا کافر کو بھی جائز ہے۔ البتہ زکوٰۃ سوائے مسلمان کے کسی اور کو دینا جائز نہیں۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ فرمایا کہ وہاں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور جب اسلام قبول کر لیں تو ان کو یہ بتلا دینا کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو انہی مسلمان امیروں سے لے جائے گی اور انہی کے غریبوں کو دی جائے گی۔ پس جس طرح زکوٰۃ مسلمانوں ہی کے امیروں پر فرض ہے اسی طرح ان سے لے کر مسلمان فقیروں ہی پر تقسیم کی جائے گی۔ کافر فقیروں پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا۔

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ صدقہ اور خیرات مومن کے ساتھ مخصوص نہیں کافر کو بھی خیرات دینا جائز ہے اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ صدقات اور خیرات کے کون لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ صدقات کا اصل استحقاق۔ ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں مقید اور پابند ہیں۔ یعنی دین کی خدمت اور علوم ظاہری اور باطنی کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ قرآن کریم حفظ کرتے ہیں اور علم دین سیکھتے ہیں اور ظاہری اور باطنی دشمنوں کے جہاد میں لگے ہوئے ہیں۔ ظاہری دشمن سے کفار مراد ہیں اور باطنی دشمن سے نفس امارہ مراد ہے جس طرح کافروں کی گردن کشی کے لیے جہاد و قتال بزرگ ترین عبادت ہے اسی طرح نفس کشی کے لیے مجاہدات اور ریاضات بھی عظیم ترین عبادت ہے۔ حدیث میں ہے المجاہد من جاهد نفسه اور ایک ضعیف روایت میں جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا ہے جیسے اصحاب صفہ تجارت اور زراعت کو چھوڑ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب جو ایک صفہ (چبوترہ اور سائبان تھا) وہاں لیل و نہار بسر کرتے تھے تاکہ حضور کی صحبت میں علم سیکھیں اور جب جہاد کا موقع آئے تو جہاد میں جائیں۔ غرض یہ کہ صدقات کے اصل

مستحق وہ فقرا اور حاجت مند لوگ ہیں کہ جو علوم دینیہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور علم اور جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے ملک میں تجارت اور مزدوری کے لیے چل پھر نہیں سکتے اس لیے کہ ایک آدمی سے دو کام نہیں ہو سکتے۔

ف مسلمانوں کو چاہیے کہ صدقات اور خیرات میں ان حاجت مند طالب علموں کا خاص طور پر خیال رکھیں جو علم دین کے حاصل کرنے میں مشغول ہیں اگر دنیا میں یہ گروہ نہ رہے تو دنیا سے علم دین اور دین سب رخصت ہو جائے اور لوگ بے دین اور گمراہ ہو جائیں اس لیے کہ کسی چیز کا باقی رہنا اس شے کے علم کے باقی رہنے پر موقوف ہے۔ طب جہانی کی اگر تعلیم نہ ہو اور نہ اس کی کوئی درسگاہ ہو تو نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا بیماروں سے پُر ہوگی اور کوئی طبیب اور معالج نہ ملے گا۔ اسی طرح اگر طب روحانی یعنی علم دین کی کوئی درسگاہ نہ ہو تو دنیا روحانی مریضوں یعنی کفر اور الحاد اور معصیت کے روحانی بیماروں سے بھری ہوگی اور کوئی طبیب اور معالج نہ ہوگا یعنی ایمان اور کفر اور اطاعت اور معصیت کا فرق بتلانے والا کوئی نہ ملے گا۔ باقی جو شخص کفر اور معصیت کو بیماری ہی نہ سمجھتا ہو اس سے ہمارا خطاب نہیں اور انجان آدمی جو ان کے حال سے ناواقف اور بے خبر ہے وہ ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے مالدار اور دولت مند سمجھتا ہے۔ قناعت کی وجہ سے یہ لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ اس لیے عام طور پر ان کی حلیہ بندی کا علم نہیں ہوتا البتہ تم ان کی حاجت اور تنگی کو کسی وقت ان کے چہرے کی حالت اور قیافہ سے پہچان سکتے ہو اس لیے کہ بعض مرتبہ بھوک اور تنگی کے باعث چہرہ پر پڑ مردگی اور بدن پر لباس شکستہ ہوتا ہے اس لیے ان کی تنگی کا علم ہو جاتا ہے۔ قناعت کی وجہ سے اول تو یہ لوگ کسی سے سوال نہیں کرتے اور اگر شاذ و نادر کبھی مجبور ہو کر سوال کرتے ہیں تو لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے یعنی کسی کے سر نہیں ہوتے اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خواہ وہ لوگ سوائی ہو یا بے سوائی، ان کی حاجت اور تنگی کم ہو یا زیادہ، تو اللہ تعالیٰ تم کو بقدر استحقاق کے اس کی جزاء دے گا۔ اس لیے کہ اس کو تمہاری نیت خوب معلوم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے کسی زمان اور مکان اور وقت اور حال کی قید نہیں۔ جو لوگ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں جس میں مستحق کا پورا پتہ نہیں چل سکتا یا دن میں جس میں ریا کا اندیشہ ہے اور علیٰ ہذا نہ کسی حال کی تخصیص ہے ظاہر خرچ کریں یا تو پوشیدہ پس ان کے لیے ان کا ثواب ہے ان کے پروردگار کے یہاں۔ جس پروردگار نے ان کے صدقات کی تربیت کی ہے اور ان کو بڑھایا ہے اور نہ ان پر کوئی خوف و خطر ہے اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے بلکہ صدقات کے انعامات کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کہ کاش خدا کی راہ میں سارا ہی گھر لٹا دیا ہوتا۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے

الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپٹ کر یہ اس واسطے کہ

قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ

انہوں نے کہا سودا کرنا بھی ویسا ہی ہے جیسا سود لینا، اور اللہ نے حلال کیا

وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ

سودا اور حرام کیا سود - پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی اور

فَأَنتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ

باز آیا تو اس کا ہے جو آگے ہو چکا اور اس کا حکم اللہ کے اختیار اور جو

عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٤٥﴾

کوئی پھر کرے وہی ہیں دوزخ کے لوگ وہ اسی میں رہ پڑے -

يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

مٹاتا ہے اللہ سود اور بڑھاتا ہے خیرات اور اللہ نہیں چاہتا

كُلِّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٤٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کسی ناشکر گنہگار کو جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے،

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ

اور قائم رکھی نماز اور دی زکوٰۃ ان کو ہے بدلہ ان کا

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٤٧﴾ يَا أَيُّهَا

اپنے رب کے پاس اور نہ اُن پر ڈر ہے نہ وہ غم کھائیں گے۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا

ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو رہ گیا سود

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا

اگر تم کو یقین ہے ۔ پھر اگر نہیں کرتے تو خبردار ہو جاؤ

بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۴۹﴾ وَ

کو پہنچتے ہیں اصل مال تمہارے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر اور

إِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ

اگر ایک شخص ہے تنگی والا، تو فرصت دینی چاہیئے جب تک کشائش پاوے اور

تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۵۰﴾ وَاتَّقُوا

اگر خیرات کرو تو تمہارا بھلا ہے اگر تم کو سمجھ ہو اور ڈرتے

يَوْمًا تَرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ

رہو اس دن سے جس میں اٹے جاؤ گے اللہ کے پاس، پھر پورا ملے گا ہر شخص کو

مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵۱﴾

جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۔

احکامِ ربا (سود)

قال تعالى: الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا... اَلْ... وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں خیرات اور صدقات کا بیان تھا، اب آئندہ آیات میں سود کے احکام ذکر فرماتے ہیں جو کہ صدقات اور خیرات کی ضد اور نقیض ہے۔ اس لیے کہ صدقہ اور خیرات سے اخلاق اور مروت اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں ترقی ہوتی ہے اور سود میں سراسر بے مروتی اور ضرر رسانی ہے۔ صدقہ اور خیرات میں صلہ رحمی اور غریبوں کی امداد ہوتی ہے اور سود میں سخت دلی اور غریبوں

پر زیادتی ہوتی ہے۔ اس لیے صدقہ کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور حرمت کا بیان نہایت مناسب ہوا تاکہ سود کی مذمت اور حرمت سے صدقہ کی فضیلت اور بخت ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ جس درجہ سود میں بُرائی ہے اسی درجہ خیرات میں بھلائی ہے۔ ایک ضد کی قباحت سے دوسری ضد کا حسن و جمال واضح ہوتا ہے۔ نیز صدقہ سے مال ظاہر میں گھٹتا ہے اور حقیقت میں بڑھتا ہے۔ اور سود میں مال ظاہر میں تو بڑھتا ہے اور حقیقت میں گھٹتا ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں صدقہ کرنے والوں کا حال بیان فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں ان کو خیرات کا عوض اور ثواب ملے گا اور آخرت میں ان کو کسی قسم کا رنج و غم نہ ہوگا۔ اب آئندہ آیات میں سود خواروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ وہ قبروں سے مدہوش اور وحشت زدہ اٹھیں گے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے حلال اور حرام کو یکساں کر دیا اور سود اور خرید و فروخت کو برابر سمجھا اور ظاہر ہے کہ حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز کو یکساں کر دینا منجھوٹا الحواس آدمی کا کام ہے اس لیے سود خواروں کی سزا یہ تجویز ہوئی کہ قیامت کے دن قبروں سے آسیب زدہ اور مجنوں کی طرح اٹھیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو جنات نے جسطی اور بدحواس بنا دیا ہو لپٹ کر سود خوار مال کے عشق اور خبط میں گرفتار رہا اور اسی خبط اور خیال میں مرا اور اسی خبط کی حالت میں اس کا حشر ہوگا یہ سزا اس لیے تجویز ہوئی کہ یہ سود خوار حلال اور حرام کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور سود کے حلال کرنے کے لیے استدلال میں یہ کہتے ہیں کہ بیع یعنی خرید و فروخت اور سود اگر ی بھی تو مثل سود کے ہے جس طرح بیع میں زیادتی اور نفع ہوتا ہے اسی طرح سود میں بھی زیادتی اور نفع ہوتا ہے دونوں میں فرق نہیں۔ پھر کیا وجہ کہ بیع تو جائز ہو اور سود حرام ہو۔

ف اصل کلام اس طرح تھا کہ انما الربا مثل البیع یعنی سود مثل سود اگر ی کے ہے لیکن کفار نے حرمت ربوا کی نفی میں مبالغہ کرنے کے لیے اصل کلام کا عکس کر دیا۔ اور یہ کہا انما البیع مثل الربا یعنی بیع حلال ہونے میں مثل سود کے ہے گویا کہ حلت یعنی حلال ہونے میں سود اصل ہے اور بیع حلال ہونے میں مثل سود کے ہے گویا کہ حلت یعنی حلال ہونے میں سود کے مشابہ ہے۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے فقط اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے۔ دونوں کو حلال سمجھ لیا حالانکہ بیع اور ربوا میں بڑا فرق ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدیر کوئی فرق بھی نہ ہوتا تو فرق کے لیے اتنا کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے اس نے بیع اور تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے اور جب حق تعالیٰ مالک مطلق ہیں تو ان کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ کسی کو دریافت کرنے کا بھی حق نہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُوَ یُسْئَلُ عَنْ عَمَلِهِ۔ دست سلطان آں چہ خواہد آں کند

بیع اور سود میں فرق

بیع میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ مال کے مقابلہ اور عوض میں ہوتی ہے۔ اور سود میں جو نفع اور زیادتی ہوتی ہے وہ بلا عوض کے ہوتی ہے۔ مثلاً کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم میں فروخت کیا تو یہ دونوں درہم کپڑے کے عوض اور مقابل سمجھے جائیں گے۔ اور اگر ایک درہم کو دو درہم کے مقابلہ میں فروخت کیا تو ایک درہم تو ایک درہم کے مقابلہ میں ہو جائے گا اور دوسرا درہم بلا عوض اور کسی مقابلہ کے ہوگا، کیونکہ سب درہم ایک جنس ہیں اور کپڑا اور درہم علیحدہ علیحدہ قسم ہیں۔ ہر ایک کا نفع اور ہر ایک کی غرض بھی علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لیے کپڑے اور درہم میں فی نفسہ موازنہ اور مقابلہ ناممکن اور محال ہے۔ خرید و فروخت میں مقابلہ حاجت اور ضرورت اور رغبت کا ہوتا ہے۔ کسی کی ضرورت اور رغبت کچھ ہے اور کسی کی کچھ۔ کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس روپیہ کا کپڑا اس کی نظر میں کچھ نہیں ہوتا، اور کسی کو ایک کپڑے کی جس کی قیمت بازار میں ایک درہم ہے اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس درہم کی اس کو اتنی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا اگر ایسی صورت میں کوئی ایک درہم کے کپڑے کو ایک ہزار درہم میں بھی خریدے تو وہ سود نہ ہوگا یعنی یہ نفع خالی از عوض نہ ہوگا کیونکہ کپڑے اور روپیہ میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات ممکن نہیں اس لیے کہ جنس مختلف ہے لہذا معیار اور پیمانہ اپنی اپنی ضرورت اور رغبت ہوگی۔ اور ضرورتوں اور رغبتوں میں بے انتہا تفاوت ہے پس اگر ایک روپیہ کی قیمت کا کپڑا دس روپیہ میں فروخت کیا تو مجموع قیمت کا مجموع مال سے مقابلہ کیا جائے گا اجزاء کا اجزاء سے مقابلہ نہ ہوگا۔ اور اگر ایک درہم کو دو درہم کے مقابلہ میں فروخت کیا تو یہاں مقابلہ مجموعہ کا مجموعہ سے نہ ہوگا بلکہ اجزاء کا اجزاء سے مقابلہ ہوگا۔ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اجزاء میں مساوات اور موازنہ ممکن ہے۔ لہذا ایک درہم ایک درہم کے مقابلہ میں ہوگا اور دوسرا درہم خالی از عوض ہو کر سود ہو جائے گا جس کو شریعت نے حرام کیا ہے۔ بیع میں قابل معاوضہ چیزوں کا مبادلہ ہوتا ہے اور بالاصل قرض پر کچھ زیادہ لینے کو کہتے ہیں جو مہلت اور تاخیر وقت کے عوض میں زیادتی کی جاتی ہے اور تاخیر وقت اور مہلت نہ عقلاً کوئی مال ہے اور نہ عرفاً کوئی ایسی چیز ہے کہ جس پر قبضہ کیا جاسکے اور عوض اور مقابل بن سکے اور جو چیز بلا عوض و بدل حاصل کی جائے وہ باطل اور ناحق ہے۔ پس جس شخص نے بیع اور سود کو برابر قرار دیا اور اس نے مقابلہ اور معاوضہ میں خبط اور بدحواسی سے کام لیا اس لیے اس کا انجام یہ ہوا کہ سود خوار قبر سے دیوانہ اور مغبوط المحاس بنا کر اٹھایا جائے گا۔ ہر عمل کی جزاء اس کے مناسب ہوتی ہے۔

علہ یہ تمام تر فقال مروزی کے کلام کی تشریح ہے جس کو امام رازی نے تفسیر کبیر ص ۳۷۳ جلد دوم میں ذکر کیا ہے۔

سود خوار کے استدلال کی ایک مثال | سود خوار کا اپنے استدلال میں یہ کہنا کہ جس طرح بیع میں نفع اور زیادتی ہوتی ہے اسی طرح سود میں بھی نفع اور زیادتی ہوتی ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں اس استدلال کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ جیسے بیوی عورت ہے اسی طرح ماں بھی عورت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بیوی تو حلال ہے اور ماں حرام ہے۔

یایوں کہے کہ کتا بھی بکری کی طرح ایک جانور ہے کیا وجہ ہے کہ ایک حلال ہے اور ایک حرام ہے؟

ربا کی اقسام | ربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ربانسیئۃ۔ اور ایک ربا الفضل۔ ربانسیئۃ تو وہ سود ہے جو قرض اور ادھار میں ہو۔ زمانہ جاہلیت میں اسی قسم کا ربا شائع تھا۔ وہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کو معین میعاد پر قرض دیتا اور اس پر کچھ ماہوار مقرر کر لیتا۔ پھر جب میعاد معین پر وہ روپیہ ادا نہ ہوتا تو قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر اس کو مہلت دے دیتا اور کبھی سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگاتا۔ یہاں تک کہ سود اصل قرض سے اضعا فاضل و چند اور سہ چند اور چہار چند ہو جاتا۔ اور ربا الفضل وہ سود ہے کہ جو ایک جنس کی چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ مبادلہ کرنے میں ہو۔ مثلاً ایک سیر گیہوں کو ڈیڑھ سیر گیہوں کے معاوضہ میں فروخت کیا جائے، یہ ربا الفضل ہے۔

آیت قرآنی کا اصل نزول باجماع مفسرین ربا کی قسم اول میں ہوا۔ مگر آیت اپنے عموم کی وجہ سے ربا کی قسم ثانی کو بھی بلاشبہ شامل ہے۔ جس کی تفصیل احادیث متواترہ سے معلوم ہوئی۔ اور مزید تفصیل اقوال صحابہ و تابعین سے معلوم ہوئی۔ اور احادیث میں ربا کی جس قدر صورتیں مذکور ہیں آیت قرآنی اپنے عموم کی وجہ سے سب کو شامل ہے۔

سود کے حرام ہونے کی وجہ | تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ضرورت مند کی اعانت اور امداد عین مروت اور کمال انسانیت ہے اور غریب اور فقیر کی ضرورت اور حاجت کو تحصیل زر اور حصول منفعت کا ذریعہ بنانا کمال دنارت اور غایت خست ہے۔ سوائے بخیلوں اور خود غرضوں کے کسی کا اس مسئلہ میں خلاف نہیں۔

(۱) سود خوار بلا کسی عوض کے اپنے روپیہ سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب اصل روپیہ بعینہ اور بتمامہ واپس آگیا تو یہ زائد روپیہ کس چیز کا معاوضہ ہے؟

اگر یہ کہا جائے کہ یہ معاوضہ اس مہلت اور تاخیر کا ہے کہ جو قرض خواہ کی طرف سے مقروض کو ملی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمانہ اور مدت کوئی مال نہیں کہ جس کے معاوضہ میں روپیہ لیا جاسکے۔

(۲) نیز سود آدمی کو بے رحم بنادیتا ہے اور بے ایمانی اور فریب دہی کے عجیب عجیب طریقے اس کے نفس میں القا کرتا ہے حتیٰ کہ آدمی کو آدمیت سے خارج کر دیتا ہے۔

(۳) نیز سود سے ملک کی ترقی پر اثر پڑتا ہے اس لیے کہ جب مال دار سود کے ذریعہ سے اپنا

مال بڑھائیں گے تو تجارت اور زراعت اور صنعت اور حرفت پر روپیہ نہیں لگائیں گے جس پر ملک کی ترقی کا مدار ہے۔ اس شخص کو بلا مشقت اور بلا محنت اگرچہ فائدہ ہو جائے گا مگر یہ فائدہ انفرادی اور شخصی ہوگا اجتماعی نہ ہوگا۔

(۴) سود خواری سے صلہ رحمی اور انسانی ہمدردی اور سروت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۵) سود خواری کی وجہ سے مال اور دنیا کی محبت قلب میں اس درجہ راسخ ہو جاتی ہے کہ طمع اور حرص

اس کو ہر عیب اور معصیت سے اندھا بنا دیتی ہے

(۶) نیز تجارت کا دار و مدار باہمی رضامندی پر ہے کما قال تعالیٰ اَلَا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

مِنْكُمْ اور اسی رضامندی کی تکمیل کے لیے شریعت نے خرید و فروخت میں خیار عیب اور خیار شرط اور خیار ردیت کو مشروع کیا۔

تجارت میں جو شخص مثلاً غلہ خریدتا ہے تو وہ اپنے کھانے کے لیے یا کاشت کے لیے یا فروخت کرنے

کے لیے خریدتا ہے اور یہ سب حقیقی منافع اور واقعی فوائد ہیں جن کے حصول کے لیے روپیہ خرچ کیا جاتا اور

باع اور مشتری کے اختیار اور اُن کی رضا و رغبت سے یہ معاملہ ہوتا ہے اور سود کا جو بھی معاملہ ہوتا ہے

وہ مجبوری اور ناگواری کے ساتھ ہوتا ہے جو شخص بھی سو روپیہ لے کر ایک سو دس دینے کا معاملہ کرتا ہے

وہ ہرگز ہرگز خوشی سے نہیں کرتا بلکہ مجبوراً اور لاچار ہو کر بصد تلخی و ناگواری کرتا ہے اور دل سے یقین رکھتا

ہے کہ اس سودی معاملہ سے مجھ کو حقیقی اور واقعی فوائد حاصل نہیں ہوئے آئندہ کے موہوم منافع کی اُمید

پر سودی قرض لیتا ہے عرض یہ کہ سود خواری انسانی ہمدردی اور رحم کے بھی خلاف ہے اور مصلحت عامہ

کے بھی خلاف ہے اور اصول تجارت کے بھی خلاف ہے کہ معاملہ کی بنا مجبوری اور لاچاری اور تلخی اور

ناگواری پر ہے اس معاملہ میں دل بجائے شادمانی کے پریشانی محسوس کرتا ہے اور اس سودی قرض کو

اپنی گردن پر ایک بوجھ سمجھتا ہے اور اس کے اظہار سے شرماتا ہے اور اخیر میں پچھتا رہا ہے اور اجتماع اور

تمدن کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور روحانی اور اخلاقی مفاسد کا ذریعہ ہے جو شریعت کی نگاہ میں نہایت

سخت اور بالکل ہی ناقابل درگزر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ربا کو حرام کیا جو کمالِ رحم اور کمالِ مصلحت

پر مبنی ہے۔

(۷) نیز سودی کاروبار حکمت کے خلاف ہے اور درہم و دینار کے اصل وضع کے منافی ہے اس

بارہ میں ہم امام غزالی قدس اللہ سرہ کے کلام معرفت التیام کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جو غایت

درجہ لطیف اور لذیذ ہے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم کی کتاب الشکر ص ۴۹ میں فرماتے ہیں کہ ربا کی حقیقت یہ ہے کہ روپیہ

کی روپیہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا جائے اور روپیہ کی روپیہ سے تجارت کرنا اس کی اصل وضع کے

خلاف ہے اس لیے کہ درہم و دینار (سونہ و چاندی) مقصود بالذات نہیں بلکہ ضروریات زندگی کے حصول کا

ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ اور وسیلہ اور غیر مقصود کو اس کی حد سے نکال کر اس کو مقصود بالذات تک پہنچانا یہ سراسر اس کی وضع کے خلاف ہے جب روپیہ کی روپیہ سے تجارت ہونے لگے تو وسیلہ وسیلہ نہ رہا بلکہ مقصود بن گیا سونا اور چاندی مقصود بالذات نہیں فقط سونے اور چاندی سے انسان کی زندگی نہیں گذر سکتی جب تک سونے اور چاندی کو کھانے اور پینے اور رہنے سہنے کا ذریعہ نہ بنائے محض سونے اور چاندی سے دنیا کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ سونا اور چاندی اپنی ذات سے ایک قسم کے پتھر ہیں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے سونے اور چاندی کو ایک میزان (ترازو) بنایا ہے۔ جس سے اشیاء عالم کی قیمتوں کا وزن ہوتا ہے اور یہ سونا اور چاندی خدا کی پیدا کردہ عجیب ترازو ہے جو شخص اس کا مالک ہو گیا وہ دراصل سب چیزوں کا مالک ہو گیا جو چاہے وہ سونے اور چاندی کے ذریعہ خرید سکتا ہے کپڑے سے کھانے کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی اور کھانے سے کپڑے کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی مگر روپیہ سے ہر قسم کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے مگر با اس ہمہ محض سونے اور چاندی کی ذات سے نہ بھوک اور پیاس دفع ہو سکتی ہے اور نہ سردی اور گرمی دور ہو سکتی ہے معلوم ہوا کہ سونا اور چاندی مقصود بالذات نہیں بلکہ ضروریات مقصودہ کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں درہم و دینار۔ نحویں کے حرف کی طرح ہیں کہ معنی فی نفسہ کے لیے وضع نہیں ہوتے بلکہ معنی فی غیرہ کے لیے وضع ہوئے ہیں۔ آئینہ کی طرح ہیں کہ جس طرح آئینہ دوسری اشیاء کے اوان (رنگتوں) کے دیکھنے کا آلہ ہے خود مقصود نہیں اسی طرح درہم و دینار اشیاء عالم کی قیمتوں اور مرتبوں کے اندازہ کرنے کا ایک آلہ ہے خود مقصود نہیں سونا اور چاندی ظاہر میں سب کچھ ہے مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کا ٹکڑا اور پھٹے ہوئے کپڑے کا چیتھڑا کام دے جاتا ہے مگر سونے کا ٹکڑا کام نہیں دیتا تندرستی میں غذا مقصود ہے اور بیماری میں دوا مقصود ہے اور سونا اور چاندی اس مقصود کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ اُس کے ذریعہ اپنی ضروریات زندگی کو حاصل کرو۔ پس جس شخص نے روپیہ کی روپیہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا اُس نے اُس کی اصل وضع کے بالکل خلاف کیا اور بڑا ہی ظلم کیا۔ اور کسی شئی کو بے محل رکھنا اور خلاف وضع استعمال کرتے ہی کا نام ظلم ہے دیکھو احیاء العلوم کتاب الشکر ص ۴۹ ج ۴ اور دیکھو اشباح شرح احیاء للعلامة الزبیدی از ص ۶۳ ج ۹ تا ص ۶۴ ج ۹

سود تمام شریعتوں میں حرام رہا ہے

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سود تمام شریعتوں اور آسمانی دینوں میں حرام رہا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہود کی مذمت میں یہ فرمایا ہے وَ أَخَذِیْهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ کہ یہود سود لیتے ہیں حالانکہ توریت میں ان کو سود سے منع کیا گیا تھا۔ (تفسیر قرطبی۔ ص ۳۶۶ ج ۳)

توریت سفر خروج باب ۲۲ درس ۲۵ میں ہے۔
 ”اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا؟“
 اور علیٰ ہذا انسجیل لوقا باب ششم درس ۳۵ میں بغیر سود کے قرض دینے کی ترغیب مذکور ہے۔

سود ترقی کا ذریعہ نہیں بلکہ تنزل کا ذریعہ ہے

لوگوں کی زبان پر ہے کہ مسلمان مٹتے جاتے ہیں حالانکہ سود خواری مسلمانوں میں بڑھ رہی ہے اور دن بدن تنزل ہے۔ مسلمانوں کا جو ترقی کا زمانہ گزرا ہے اس میں سود کا نام و نشان نہ تھا باقی مغربی اقوام کی ترقی ان کی صنعت اور حرفت کی وجہ سے ہے نہ کہ سود کی وجہ سے بارہ سو سال تک مسلمانوں کی سلطنت عروج اور ترقی پر رہی اور کبھی سود کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی جب سے مسلمان امیروں اور وزیروں نے دین سے منہ موڑا اور عیش و نشاط اور رقص و سرود میں مبتلا ہوئے تب سے زوال شروع ہوا اور پھر ہوا جو ہوا۔

رہا یہ سوال کہ اس زمانہ میں بغیر سود کے کام کیسے چلے؟ جواب یہ ہے کہ جیسے پہلے چلتا تھا اور خوب چلتا تھا۔ رشوت خواری رشوت کے جواز کے لیے یہی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ بغیر رشوت کے کام نہیں چلتا۔ پس جس کو پہنچ گئی نصیحت اس کے پروردگار کی جانب سے یعنی ربوہ کی حرمت اور اس کی ممنوعیت اس کو پہنچ گئی پس باز آگیا اس فعل حرام اور قول کفر سے یعنی سود لینا بھی چھوڑ دیا اور انَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا کہنا بھی چھوڑ دیا، تو اس کے لیے ہے جو کچھ اس حکم کے آنے سے پہلے لے چکا ہے۔ یعنی سود حرام ہونے سے پہلے جس قدر لے چکا ہے وہ اس سے واپس نہ لیا جائے گا وہ سب اس کی ملک ہے اور نہ اس پر عند اللہ کوئی مواخذہ ہوگا۔ اور دل کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر صدق نیت سے باز آیا ہے تو اللہ اس کی جزا دے گا۔ اور اگر کسی دنیاوی مصلحت اور ظاہر داری کی بنا پر توبہ کی ہے تو اس کے مطابق معاملہ ہوگا۔

اور جو شخص اس نصیحت کے بعد پھر اُسی فعل حرام اور قول کفر کی طرف رجوع کرے یعنی حکم تحریم کے بعد بھی سود سے باز نہ آئے بلکہ سود لیتا رہے اور حسب سابق انَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا کہتا رہے یعنی سود کے حلال ثابت کرنے کے لیے تفریہ کرتا رہے یا مضمون لکھتا رہے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ کیونکہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے جو دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا باعث ہے۔

اور سود میں اگرچہ فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے لیکن مال اور انسجام اس کا تباہی اور بربادی ہے۔

اس لیے کہ اللہ سبحانہ کی عادت یہ ہے کہ سود کو مٹاتے ہیں اس میں برکت نہیں ہوتی۔ سود خوار پر کبھی تو دنیا ہی میں بربادی آجاتی ہے۔ اور اگر دنیا میں اللہ نے ڈھیل دی تو آخرت میں تو تباہی اور بربادی یقینی ہے۔

ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ **يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا** کے معنی یہ ہیں کہ سود کے مال میں سے نہ کوئی صدقہ اور خیرات مقبول ہے اور نہ حج اور جہاد اور کوئی صلہ رحمی مقبول ہے۔ یہ دنیا کی بربادی ہوئی کہ سود کے روپیہ کا کوئی عمل مقبول نہ ہوا۔ اور اہل عقل کی نظر میں بھی حرام مال کے ہدیہ کی کوئی وقعت اور قیمت نہیں۔ اور خداوندِ قدوس کے یہاں اگر پاک اور حلال بھی قبول ہو جائے تو اس کا فضل اور احسان ہے۔

اور صدقہ اور خیرات میں اگرچہ مال گھٹتا ہے۔ لیکن حقیقت میں مال بڑھتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صدقات اور خیرات کو بڑھاتا ہے صدقہ اور خیرات سے جس قدر نکلتا ہے اس سے کہیں زائد اللہ اس میں برکت دے دیتا ہے۔ غافل مال کی ظاہری کثرت کو دیکھتا ہے۔ اور عاقل اور دانا مال کی باطنی طہارت اور نظافت کو دیکھتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ
وَلَوْ أَغْبَتْكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ
آپ کہہ دیجئے کہ پاک اور ناپاک برابر
نہیں ہوتے۔ اگرچہ (لے نادان) تجھ کو
ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔

ایک پرہیزگار ملازم اپنے سو روپیہ پر قناعت کرتا ہے۔ اور دوسرا سو روپیہ کا رشوت خوار ملازم ایک مہینہ میں سو کے ایک ہزار کر لیتا ہے۔ اول کے سو عطر اور گلاب ہیں اور وہ دوسرے کے ایک ہزار پیشاب ہیں۔

صدقہ اور خیرات کی مثال مسہل کی سی ہے کہ مسہل سے بدن دبلا اور پتلا تو ہو جاتا ہے مگر طبیب اور ڈاکٹر جانتا ہے کہ یہ تندرستی ہے۔ بدن سے فاسد مادہ نکل گیا۔ اور سود اور رشوت کی مثال ورم کی سی ہے اگر کسی کے منہ اور ہاتھ اور پیروں پر ورم آجائے تو نادان اس کو مٹا پا سمجھتا ہے اور طبیب اور ڈاکٹر اس ورم کو دیکھ کر پیغامِ موت سمجھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے اور گنہ گار سے راضی نہیں جو گناہوں میں منہمک ہو۔ اس سود خوار کی اس سے بڑھ کر کیا ناشکری ہوگی کہ خدا نے اس کو مال دیا اور مال دار ہونے کے باوجود اس سے اتنا نہ ہوا کہ اس نعمت کے شکر میں کسی محتاج کو کچھ صدقہ اور خیرات دے دیتا۔ اور اگر صدقہ اور خیرات پر اس کا دل آمادہ نہ ہوا تھا تو کم از کم بلا سود کے اس کو قرض ہی دے دیتا بھلا اس سے بڑھ کر خدا کی نعمت کی کیا ناشکری ہوگی۔ ایسے ناسپاسوں اور ناشکروں کے مال میں اللہ برکت نہیں دیتا۔ اور صدقات اور

خیرات میں جو خیر و برکت ہوتی ہے وہ ایمان اور اعمال صالحہ کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ ایمان لائے یعنی اللہ کے تمام احکام کو مانا اور جس چیز کو خدا نے حلال اور حرام کیا اسی کے مطابق اس کو حلال اور حرام سمجھا اور نیک عمل کیے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی ایسے لوگوں کے مال میں اللہ تعالیٰ برکت دیتا ہے ان کو اپنے اعمال اور خیرات کا بدلہ اور ثواب ملے گا اپنے پروردگار کے پاس یعنی آخرت میں اور قیامت کے دن ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ یہ لوگ غمگین ہوں گے۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے حلال اور حرام میں فرق نہ کیا تھا وہ طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوں گے۔ اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور حلال اور حرام اور جائز اور ناجائز کو ایک نہ بناؤ اور جو سود تمہارا لوگوں کے ذمہ بقایا رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہو۔ یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے وہ لے چکے اب ممانعت کے بعد جو سود بقایا رہ گیا ہے اس کے لینے اور مانگنے کی اجازت نہیں۔ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت کر دی جائے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ پس اگر تم اس حکم کے بعد ایسا نہ کرو یعنی بقایا سود کو نہ چھوڑ دو تو خبردار ہو جاؤ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑنے کو یعنی اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو تو سمجھ لو کہ خدا اور اس کے رسول کے وفاداروں کی فہرست سے تمہارا نام کٹ گیا اور خدا اور اس کے رسول کی طرف سے تمہاری گرفتاری کے احکام جاری ہوں گے اور گرفتاری کے بعد تم کو حسب قواعد شریعت اور حسب احکام قتل کیا جائے گا یا قید میں رکھا جائے گا اور اسلامی عدالت ان احکام کو تم پر جاری کرے گی۔ اور اگر تم توبہ کرتے ہو تو تمہارے اصل مال اور اصل رقم تم کو مل جائے گی اس حکم کے بعد نہ تم کسی پر ظلم اور زیادتی کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم اور زیادتی کی جائے۔ یعنی جو سود تم پہلے لے چکے ہو اگر اس کو تمہارے اصل مال میں محسوب کر لیا جائے تو وہ تم پر ظلم ہے۔ اور ممانعت کے بعد جو سود چڑھا ہے وہ اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے اور تمہارا قرض دار اگر مفلس اور تنگ دست ہے تو اس کو فراخی کے زمانہ تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم اس کو بالکل معاف کر دو تو تمہارا یہ صدقہ کہنا تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہوگا کہ سود تو کیا لیتے اصل ہی معاف کر دیا۔ اگر تم جانتے ہو کہ مہلت دینے اور صدقہ کر دینے اور معاف کر دینے کی فضیلت ہے۔ جس فضیلت کو تم حاصل کر سکو اس میں دریغ نہ کرو اور اس دن کی پیشی سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی اور ان پر کسی قسم کا ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ لہذا جو شخص دنیا میں مقروض کے ساتھ چشم پوشی اور نرمی کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ اپنے حقوق میں چشم پوشی اور نرمی فرمائیں گے۔

فوائد و لطائف

(۱) جو شخص سود کو حلال سمجھے وہ باجماع امت کافر اور مرتد ہے۔ اور اگر سود کو حلال تو نہیں سمجھتا

مگر چھوڑنا بھی نہیں تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسے شخص کا قید کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور اگر کوئی اس قسم کی جماعت اور جتھا ہے جن کا قید کرنا مشکل ہے تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسی جماعت سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو فرائض کو چھوڑ دے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کو یا علی الاعلان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اس پر اڑا رہے۔ تفصیل کے لیے ابوبکر رازی جصاص کی احکام القرآن ص ۴۶ ج ۱ کی مراجعت کریں یا تفسیر مظہری دیکھیں۔

(۲) قال جعفر الصادق حرم الله
السربا ليتقراض الناس۔
امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
نے سود کو اس لیے حرام فرمایا تاکہ قرض سے
ایک دوسرے کی مدد کریں۔

وعن ابن مسعود عن النبي صلى الله
عليه وسلم قرضٌ مرتين يعدل
صدقة مرة اخرجہ البزار (تفسیر قرطبی ص ۳۵۹)
عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی کو دو مرتبہ
قرض دینا ایک مرتبہ صدقہ دینے کے برابر ہے۔

(۳) حرام مال سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سود اور رشوت کا جو پیسہ اس کے پاس ہے وہ صاحب حق کو واپس کرے یا اس سے معاف کرائے۔ اور اگر اس شخص کو نہ تلاش کر سکے اور نہ کہیں اس کو پاس کے تو اس کی طرف سے خیرات کرے اور ایسے مصرف میں اس کو خرچ کرے جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع اور فائدہ ہو۔ اور اگر کسی کی کل آمدنی حرام ہو تو سب کا خیرات کرنا واجب اور فرض ہے۔ سوائے ستر عورت کے کپڑے کے کسی شے کا اپنی ملک میں رکھنا جائز نہیں۔ جو کیا ہے اس کو بھگتنا پڑے گا۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۳۶۶ ج ۳ کی مراجعت کریں۔

(۴) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرام مال پر زکوٰۃ نہیں۔ لہذا جس شخص کے پاس سود یا رشوت کا کروڑ روپیہ بھی جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ حلال مال پر واجب ہوتی ہے۔ جو مال سود یا رشوت یا خیانت یا چوری سے حاصل کیا جائے وہ دوسروں کا حق ہے اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو؟ جو شخص حرام مال کا صدقہ کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو اندیشہ کفر کا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں ناپاک اور گندی چیز پیش کرنا اور پھر اس پر اس کی رضا اور خوشنودی کی امید رکھنا کمال بے ادبی اور گستاخی ہے۔

(۵) احکام ربو کو و اتقوا یومًا تُنزل جعون فیہ الی اللہ پر ختم فرمایا تاکہ دنیا اور مافیہا کا فناء اور زوال اور آخرت کی طرف سب کا رجوع کرنا اور ذرہ ذرہ کا حساب ہونا نظروں میں گھوم جائے اور دنیا کے حریص اور دلدادہ ہوش میں آجائیں۔ دنیا کے مجنوں الحواس کا علاج سوائے آخرت کی یاد کے کچھ نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَى

اے ایمان والو ! جس وقت معاملت کرو ادھار کی کسی

أَجَلٍ مُّسَمًّى فَالْكُتْبَةُ وَلِيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ

وعدہ مقررہ تک ، تو اس کو لکھو۔ اور چاہیے لکھ دے تمہارے

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ

درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے، اور نہ کنارہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے

كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلِيُمِلَّ الَّذِي

جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو وہ لکھے اور بتادے جس پر

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسُ مِنْهُ

حق دینا ہے اور ڈرے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور ناقص نہ کرے

شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ

اس میں سے کچھ۔ پھر اگر جس شخص پر دینا آیا بے عقل ہے ، یا

ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ

ضعیف ہے یا آپ نہیں بتا سکتا تو بتا دے اُس کا اختیار

وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۖ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ

والا انصاف سے اور شاہد کرو دو شاہد اپنے

رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد ، تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

جن کو پسند رکھتے ہو شاہدوں میں ، کہ بھول جاوے ایک عورت

فَتَذَكَّرَ أَحَدُهَا الْأُخْرَىٰ ۖ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ

تو یاد دلاوے اس کو وہ دوسری اور کٹارہ نہ کریں شاہد

إِذَا مَا دُعُوا ۖ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ

جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو یا

كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۖ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ

بڑا ، اس کے وعدہ تک اس میں خوب انصاف ہے اللہ کے ہاں اور درست

لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ ۖ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

رہتی ہے گواہی اور لگتا کہ تم کو شبہ نہ پڑے ، مگر ایسا کہ سودا ہو روبرو

حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

کا پھر بدل کرتے ہو آپس میں تو گناہ نہیں تم پر کہ

أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۖ وَأَشْهَدُوا وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارُّ

نہ لکھو اس کو ، اور شاہد کرو جب سودا کرو اور نقصان نہ کیا

كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۖ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ

جادوے لکھنے والا نہ شاہد ، اور اگر ایسا کرو ، تو یہ گناہ کی بات

بِكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيَعْلَمُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ سب چیز سے

عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا

واقف ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرد ہاتھ

فَرِهْنِ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا

میں رکھنی پھر اگر اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہیے

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اُؤْتِيَ مَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ

پورا کرے جس پر اعتبار کیا اپنے اعتبار کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ اِثْمٌ

ہے اس کا اور نہ چھپاؤ گواہی کو اور جو کوئی وہ چھپا دے تو گنہگار ہے

قَلْبُهُ ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝۲۸۳

دل اس کا۔ اور اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔

احکام قرض و رہن

قَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ - ا لے - - وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (ربط) حق تعالیٰ نے صدقہ اور خیرات کے فضائل کے بعد سود کی مذمت بیان فرمائی اور چونکہ سود کی ضرورت اکثر قرض اور ادھار کی حالت میں پیش آتی ہے۔ اس لیے سود کے بعد قرض اور ادھار کے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ سود سے بیچ جائیں اور مال بھی محفوظ رہے۔ نیز صدقہ اور رہا اور دین تینوں مالی معاملات میں پہلا محض رحمت ہے اور مقتضائے شفقت ہے اور دوسرا محض ظلم ہے اور مقتضائے حرص و ہوا ہے اور تیسرا محض عدل اور انصاف ہے اور مقتضائے مروت ہے اس لیے آئندہ آیات میں دین کے احکام بیان کیے تاکہ حاجتمند کی ضرورت پوری ہو جائے اور قرض دینے والے کا مال ضائع اور تلف ہو جانے سے محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! جب تم کسی سے ایک معین مدت تک ادھار کا معاملہ کیا کرو۔ خواہ قیمت ادھار ہو یا وہ چیز ادھار ہو، جس کا خریدنا مقصود ہے۔ جیسے بیع سلم میں تو اس کو لکھ لیا کرو، تاکہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیش نہ آئے۔ جہور فقہار کے نزدیک یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ لہذا اگر نہ لکھے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ امر وجوبی ہے۔

بیع کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع الدین بالدین یعنی بیع اور قیمت دونوں ادھار فائدہ ہوں۔ یعنی ادھار کو ادھار کے بدلہ میں فروخت کرنا یہ بیع بالاجماع باطل ہے (۲) بیع العین

بالدین یعنی بیع نقد ہو اور قیمت ادھار ہو۔ یہ صورت بالاجماع جائز ہے (۳) بیع الدین بالعین یعنی قیمت نقد ہو اور بیع ادھار ہو اسی کو بیع سلم کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور

لہ قال ابن عباسؓ ہذہ الآیۃ نزلت فی السلم خاصۃ کذا فی تفسیر القرطبی ص ۳۷ ج ۳۔

پر بیع سلم کی اجازت کے لیے نازل ہوئی۔ مگر بیع سلم کے لیے یہ شرط ہے کہ معاملہ کے وقت مدت اور بیع کی نوع اور قسم اور اس کی مقدار اور نرخ سب مقرر کر لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی نزاع پیش نہ آئے (۴) بیع العین بالعين یعنی بیع اور قیمت دونوں نقد ہوں۔ حق جل شانہ نے بیع کی اس قسم کو آئندہ آیت میں تجارت حاضرہ سے تعبیر فرمایا ہے کما قال تعالیٰ اَنْ تَكُونِ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَكْتَبُوهَا۔ جس کا حکم یہ فرمایا کہ تجارت حاضرہ میں بیع سلم کی طرح دستاویز لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ دو گواہوں کی گواہی کرا لینی چاہیے کہ کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان یہ دستاویز نہایت انصاف سے لکھے کہ نہ اس میں کوئی کمی کرے اور نہ زیادتی اور نہ کسی کی رعایت کرے۔ اور جو شخص لکھنا جانتا ہو اس کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھایا۔ پس اس نعمت کے شکر یہ میں چاہیے کہ دوسروں کو اپنی کتابت سے نفع پہنچائے۔ احسن کما احسن اللہ الیلک لہذا اور جو شخص اس سے وثیقہ اور دستاویز لکھوانا چاہے، تو اس کا تب کو چاہیے کہ لکھ دے۔ اور اس دستاویز اور وثیقہ کا املار وہ شخص کرائے کہ جس کے ذمہ حق واجب ہے۔ یعنی جس کے ذمہ دین اور قرض ہے وہ خود لکھوائے تاکہ اس کا اقرار آئندہ خود اس پر حجت ہو۔ بخلاف قرض خواہ کے کہ اس کے قول کا اعتبار نہیں، جب تک خود قرض دار یعنی مقروض اور مدیون اقرار نہ کرے یا ثبوت شرعی کے بعد حاکم حکم نہ کرے۔ اور چاہیے کہ لکھوانے والا یا لکھنے والا اپنے پروردگار سے ڈرے اور لکھوانے اور لکھنے میں حق سے ذرہ برابر کمی نہ کرے یعنی ٹھیک ٹھیک لکھے پس اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے یعنی جس کے ذمہ دین آتا ہے وہ کم عقل ہو۔ یعنی دیوانہ یا دل چلا ہو کہ اندھا دھند خرچ کرتا ہو اور انجام نہ سوچتا ہو، جیسے مُبَذِّر (بے جا صرف کرنے والا) یا ضعیف البدن ہو۔ یعنی کم عمر ہو یا بہت بوڑھا ہو کہ اس کی عقل میں فتور آگیا ہو یا کسی اور وجہ سے خود نہ لکھوا سکتا ہو مثلاً گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو یا قید میں ہو یا بیمار زیادہ ہو یا ایسی جگہ ہو کہ جہاں کا تب نہ ہو یا پردہ نشین عورت ہو کہ وہ کا تب کے سامنے نہیں آ سکتی، تو ایسے حالات میں اس کا مختار اور کارگذار ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوادے۔ اور لکھوانے اور معاملہ کے قلمبند ہو جانے کے بعد احتیاطاً اپنے مردوں میں سے دو گواہ بھی بناو یعنی دو آزاد مسلمان بالغوں کو گواہ بناؤ۔ غلام اور کافر اور بچہ کو گواہ نہ بناؤ۔ کیونکہ جب کتابت کے ساتھ شہادت بھی مل جائے گی تو نزاع اور مخالفت کا کوئی خدشہ باقی نہ رہے گا اور اگر گواہی کے لیے دو مرد میسر نہ آئیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لیے کافی ہیں۔ بشرطیکہ یہ سب ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم گواہ بنانے کے لیے پسند کرتے ہو۔ یعنی ثقہ اور امین ہوں۔ فسق و فجور اور بے مروتی سے متہم نہ ہوں اور نہ دونوں میں کوئی ایسی قرابت ہو جو کہ شبہ اور تہمت کا باعث ہو۔ اور ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کا ہونا اس لیے شرط کیا گیا کہ شاید ایک عورت اپنی فطری غفلت اور ذاتی قصور عقلی کی وجہ سے واقعہ شہادت کے کسی جز کو بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلادے۔ اور اس طرح شہادت کا مضمون مکمل ہو جائے

حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں عجب نہیں کہ مجموعہ بنی آدم میں من اولہم الی آخرہ مرد و تہائی عورتیں اور ایک تہائی مرد ہوں اور حکم ازلی نے باعتبار جہت تقابل کے بھی وہی حاب للذکر مثل حظ الانثیین بٹھا کر ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا ہو اور گواہوں کو جب گواہی دینے کے لیے یا گواہ بنانے کے لیے بلایا جائے تو اُن کو چاہیے کہ انکار نہ کریں۔ کیونکہ گواہ بننے میں اپنے بھائی کے حق کی حفاظت اور اعانت ہے اور گواہ بننے کے بعد گواہی نہ دینے میں اپنے بھائی کی حق تلفی ہے۔ اور حق کے لکھنے میں کاہلی نہ کرو۔ خواہ وہ حق چھوٹا ہو یا بڑا۔ شروع وقت سے لے کر اخیر میعاد تک اس کو لکھ لیا کرو۔ یہی بات اللہ کے نزدیک نہایت منصفانہ اور عادلانہ ہے۔ اور نیز شہادت کے قائم اور محفوظ رکھنے میں نہایت معین اور مددگار ہے نیز اس بات کے بہت قریب ہے کہ تم گواہی دینے کے وقت کسی شک اور شبہ میں نہ پڑو۔ نہ قرض کی مقدار میں اور نہ اس کی جنس اور نوع میں اور نہ اُس کی مدت وغیرہ میں۔ ان وجوہ کی بناء پر ہر حالت میں لکھ لینا نہایت بہتر ہے۔ مگر اس وقت کہ جب معاملہ دست بدست ہو جس کا تم آپس میں نقد لین دین کر رہے ہو۔ بیع بھی نقد ہو اور دام بھی نقد ہو۔ تو ایسی صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اس معاملہ کو نہ لکھو کیونکہ جب معاملہ نقد ہے اور بیع اور قیمت کوئی شے ادھار نہیں، تو ایسی صورت میں بظاہر کسی نزاع اور خصومت کا احتمال بعید ہے اس لیے لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن مستحب یہ ہے کہ جب کبھی تم کوئی خرید و فروخت کیا کرو تو احتیاطاً گواہ بنالیا کرو۔ اگرچہ عوضین نقد ہوں، یعنی اگرچہ سودا دست بدست ہو۔ تب بھی یہی بہتر ہے کہ اس پر گواہ بنالیا جائے تاکہ نواع اور خصومت کا بالکل سد باب ہو جائے۔ اور جس طرح ہم نے کاتب اور شاہد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کرے، اسی طرح تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ لکھنے والے اور گواہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً کاتب اور شاہد اپنے کسی ضروری کام میں مشغول ہوں یا بیمار اور نا طاقت ہوں ایسی حالت میں ان کو لکھنے اور گواہی دینے کی تکلیف نہ دی جائے۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو سمجھ لو کہ یہ تمہارے لیے اللہ کی اطاعت سے خراج کرنا ہوگا، جو کسی طرح تمہارے لیے لائق نہیں اور تم کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں اطاعت سے نکلنے پر پکڑ نہ ہو جائے۔ اور تم اللہ کی اطاعت سے کیسے خارج ہوتے ہو اور اللہ تو تم کو دین اور دنیا کی مصلحتیں سکھاتا اور بتاتا رہتا ہے۔ لہذا تم کو اللہ کی اطاعت سے خارج نہ ہونا چاہیے اور اگر کسی حکم کی مصلحت تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے جو حکم دے اس کی اطاعت کرو خواہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ پہلے جملہ میں تقویٰ کی ترغیب دی اور دوسرے جملہ میں اپنی نعمتِ تعلیم کو ذکر فرمایا اور اس تیسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمتِ شان کو بیان فرمایا۔

لے قال الحسن جمعت هذه الآية (ای ولا یأب الشہداء اذا ما دعوا) امرین و هما ان لا یتأبی اذا دعیت الی تحصیل الشہادة ولا اذا دعیت الی ادائها قال ابن عباسؓ ۱۲ تفسیر قرطبی ص ۳۹۸ ج ۳۔

اور اگر سفر کی حالت میں قرض اور ادھار کا معاملہ کرو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی لکھنے والا تم کو میسر نہ آئے۔ تو تم کو لازم ہے کہ جس کا تم نے قرض اور ادھار لیا ہے، قرض کے عوض میں کوئی شے اُس کے پاس رہن رکھ دو کہ جو اُس کے قبضہ میں دے دی جائے۔

ف (۱) سفر کی قید احترازی نہیں کہ قیام کی حالت میں رہن جائز نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بہ نسبت حضر کے سفر میں رہن کی زیادہ حاجت پیش آتی ہے اس لیے آیت میں سفر کا خاص طور پر ذکر فرمایا، ورنہ رہن سفر اور حضر دونوں حالتوں میں بالاجماع جائز ہے اور یہ رہن رکھنے کا حکم اس وقت ہے کہ جب ایک کو دوسرے پر اطمینان نہ ہو۔ اور اگر ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو اور ایک دوسرے کا اعتبار کرتا ہو۔ اور رہن اور لکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھتا ہو۔ پس اُس شخص کو چاہیے کہ جس کا اعتبار کیا گیا اور بلا رہن اور بلا لکھے اُس کو قرض دے دیا گیا وہ اپنی امانت یعنی اپنے قرضہ کو پورا پورا ادا کر دے۔ یعنی جس نے اُس کا اعتبار کیا ہے، اُس کا حق پورا پورا ادا کر دے۔

ف (۲) امانت سے قرضہ مراد ہے۔ قرضہ کو امانت سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ مامون ہونے کی وجہ سے بغیر تحریر اور بغیر رہن کے اس کو قرض دے دیا۔ اور اُس کو چاہیے کہ اللہ سے ڈرے کہ نہ خیانت کرے اور نہ حق کا انکار کرے اور اے گواہو! جس وقت تمہاری شہادت کی ضرورت ہو اور بغیر تمہاری شہادت دیئے کسی کے حق کے ضائع اور تلف ہونے کا اندیشہ ہو، خصوصاً جس وقت بغیر کسی رہن اور بغیر کسی تحریر کے کسی کو کوئی قرض دیا گیا ہو، تو اس وقت تم اپنی شہادت کو مت چھپانا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شہادت کو دل میں چھپا کر رکھتا ہے اور ضرورت کے وقت زبان سے اُس کو ظاہر نہیں کرتا تو بلاشبہ اُس کا قلب بالذات اور بلا واسطہ گنہ گار ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کتمان شہادت بلا واسطہ قلب کا فعل ہے جس میں کسی عضو اور جارحہ کو بالکل دخل نہیں۔ اور قلب چونکہ رئیس الاعضاء ہے، اس لیے اُس کی معصیت بھی رأس المعاصی ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولادِ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس وقت تک وہ درست رہتا ہے، تو سارا بدن درست رہتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ وہ ٹکڑا ”دل“ ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ اور واقف ہے۔ تمہارے گواہی دینے اور نہ دینے اور شہادت کے چھپانے اور ظاہر کرنے کو بھی بخوبی جانتا ہے۔ جو شہادت تم نے دل میں چھپائی ہے اگرچہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔

وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ مِثْلَ الْغَوَاہِ بِنَانِہِ كَالْحَمِّ اسْتِجَابِی
مسئلہ ۱- ہے۔

مسئلہ ۲- سوائے شہادت زنا کے ہر امر کی شہادت کے لیے دو ثقہ آدمیوں کی گواہی کافی

ہے۔ البتہ زنا کی شہادت کے لیے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے کیونکہ زنا کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے اس لیے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہوئی کہ گویا دو گواہ مرد کے زنا کے لیے اور دو گواہ عورت کے زنا کے لیے۔ نیز شریعت کا مقصود پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔

پھر سوائے زنا کے حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی کافی ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی گواہ عورت نہ ہو۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں زہریؒ سے منقول ہے مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین بعدہ ان لا شہادۃ للنساء فی الحدود یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔

باقی ان کے سوا اور تمام معاملات میں خواہ مالی ہو یا غیر مالی دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔

يَللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

اللہ کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔

وَ اِنْ تَبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ ط

اور اگر کھولو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے۔

يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط

حساب لے گا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے ،

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ

اور عذاب کرے گا جس کو چاہے ، اور اللہ سب چیز پر

قَدِيْرٌ ۝۲۸۳ اَمَّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ط

قادر ہے۔ مانا رسول نے جو کچھ اُترا اس کو اس کے رب کی طرف

وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّهُمْ اَمَّنٌ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ ط

سے اور مسلمانوں نے۔ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو

وَرُسُلِهِ قَفْ لَا تَفْرِقْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ قَفْ وَقَالُوا

اور رسولوں کو، ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں اور بولے

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۸۵﴾

ہم نے سنا اور قبول کیا، تیری بخشش چاہیے اے رب ہمارے! اور تجھی تک رجوع ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ط لَهَا مَا كَسَبَتْ

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو، مگر جو اس کی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے جو کیا

وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا

اور اُسی پر پڑتا ہے جو کیا، اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں

أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إصْرًا كَمَا

یا چوکیں، اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا

حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ط رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا

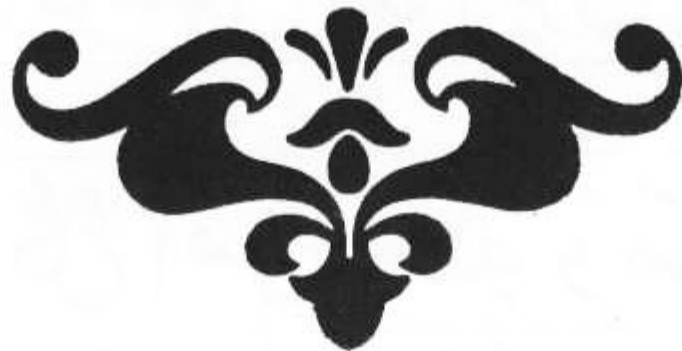
رکھا تھا تو نے اگلوں پر، اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے

لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ط وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا قَفْ

جس کی طاقت نہیں ہم کو اور درگزر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر

أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾

تو ہمارا صاحب ہے، مدد کر ہماری قوم کافر پر۔



خاتمہ سورۃ

مشمول بر تذکیر حلال خداوندی و عظمت و کبریا و محاسبہ آخرت و تلقین ایمان
و سمع و طاعت و تعلیم عافہ دارین و آخرت عفو و مغفرت و دنیا فتح و نصرت

قال تعالیٰ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ... اَلَا ... فَاَنْصُرُنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ ۔

(ربط) یہ رکوع، سورۃ بقرہ کا آخری رکوع ہے جس پر سورۃ بقرہ ختم ہو رہی ہے۔ یہ عجیب خاتمہ ہے جس کو اول سورت سے بھی خاص ربط ہے اور آخر سورت سے بھی اور درمیان سورت سے بھی اور مجموعہ سورت سے بھی۔

ان آیات سے پہلے جو آیتیں گزریں ان میں کتمان شہادت کو دل کا گناہ بتلایا تھا۔ اب ان آیات میں اس امر کو بیان فرماتے ہیں کہ قلب کے کن افعال پر مواخذہ ہے اور کن پر نہیں۔ نیز گزشتہ آیات میں یہ حکم دیا تھا کہ امانت میں خیانت نہ کرو اور اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اُس کے عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے رہو۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی مالکیت اور اس کی قدرت اور اُس کے محاسبہ اور مواخذہ کو بیان فرماتے ہیں۔ اور ابتداء سورت سے یہ مناسبت ہے کہ ابتداء سورت میں متقین کی صفات کا ذکر تھا کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سب کی بلا تفریق کے تصدیق کرتے ہیں اور آخرت کا خاص طور پر یقین رکھتے ہیں اور عبادات بدنیہ اور مالیہ کو دل و جان سے بجالاتے ہیں۔ اب اس سورت کے آخری رکوع میں پھر انہی متقین کی مدح ہے۔ اور اُن کی سمع و طاعت اور بارگاہِ خداوندی میں اُن کی دالہانہ دعا اور مناجات کا تذکرہ ہے۔ نیز ابتداء سورت میں ایمان بالغیب کا ذکر تھا کہ یہ پرہیزگاروں کا گروہ محض خدا اور رسول کے اعتماد پر بے دیکھی چیزوں پر ایمان رکھتا ہے مگر اس غیب کی تفسیر مذکور نہ تھی کہ غیب سے کون کون سی چیزیں مراد تھیں۔ اب اس آخری رکوع میں اُس غیب کی تفسیر کی طرف اشارہ فرمایا کہ غیب سے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور اُس کے نازل فرمودہ صحیفے اور کتابیں اور تمام پیغمبر مراد ہیں۔ گویا کہ کُلُّ اَمْنٍ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ کُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ اَلَا یُؤْمِنُونَ بِالْغِیْبِ کی تفسیر ہے۔ یعنی یُؤْمِنُونَ بِالْغِیْبِ میں لفظ غیب سے ان چیزوں پر ایمان لانا مراد ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں اس کی توضیح گذر چکی ہے دوبارہ وہاں دیکھ لیا جائے اور قَالُوا سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا یہ

لفظ یَقِیْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ کِ تَفْسِیْرُہِ اَوْرِ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ اَوْرِ رَبَّنَا لَا تَوَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا الْاٰیٰتِیْنَ اَوْ اَمَّا نَا a

اور اسی سورت کا دل آیت انکرسی ہے جس میں حق جل شانہ کی صفت حیات اور قیومیت کا بیان تھا اور مومن کی باطنی اور روحانی حیات اور قیومیت کا دار و مدار ایمان اور اطاعت پر ہے جس کا اس رکوع میں تفصیل کے ساتھ بیان ہے۔

اور مجموعہ سورت کے ساتھ یہ ربط ہے کہ یہ سورت معاش اور معاد کے متعلق ہمیشہ ہمہ قسم کے احکام پر مشتمل ہے اس لیے مناسب ہوا کہ خاتمہ احکام پر حق جل شانہ کی مالکیت اور اس کے احاطہ علم و قدرت اور اس کے محاسبہ اور مواخذہ کو ذکر کیا جائے تاکہ احکام خداوندی کی تعمیل میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے جس میں تمہارا دل اور اس کے خطرات بھی داخل ہیں۔ وہی ان سب کائنات کا مالک ہے کیونکہ اسی نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ کما قال تعالیٰ اَکْثَرُ عَلَمٌ مِّنْ خَلْقٍ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ اور جب تم یہ سمجھ گئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت اور خالقیت تمام کائنات کو محیط ہے، اسی طرح اس کا علم قدیم بھی تمام کائنات کو ہر اعتبار سے محیط ہے۔ تو اب یہ سمجھو کہ جو اخلاق اور اعمال تمہارے دل اور ضمیر میں مضمر اور پوشیدہ ہیں، اُن کو زبان یا اعضاء اور جوارح سے ظاہر کرو یا دل ہی میں چھپائے رکھو، اُن سب پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم سے حساب لے گا اور پھر محاسبہ کے بعد جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ جس ظاہر اور پوشیدہ کو چاہے گا معاف کرے گا اور جس پر چاہے گا سزا دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اگر چاہیں تو صغیرہ پر بھی عذاب دے سکتے ہیں اور چاہیں تو کبیرہ کو بھی بلا توبہ ہی معاف فرماویں۔ تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اعمال قلبیہ اور قلوبیہ

اور افعال نفسانیہ اور جسمانیہ خواہ صغائر ہوں یا کبائر سب پر محاسبہ حق ہے اور جزاء اور سزا سب اللہ کے اختیار ہیں۔ کوئی شے اُس پر واجب نہیں۔

جب یہ آیت یعنی وَإِنْ تُبْذِلُوا مَالَكُمْ أَوْ أَنْفُسَكُمْ أَوْ تُخْفُوا بِحَسْبِ كُفْرِهِ اللہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام الفاظ کے ظاہری عموم کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اس لیے کہ ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دل کے خیالات پر بھی حساب ہوگا۔ اس لیے صحابہؓ نے حضورؐ پر نور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم سخت مشکل ہے اختیاری امور سے تو بچ سکتے ہیں مگر خطرات قلبیہ اور غیر اختیاری دوسو سوں سے بچنا مشکل ہے۔

حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے اس قول کو سُن کر یہ فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکار مت کرو اور دل و جان سے اس کے حکم کو قبول کرو۔ یعنی اہل کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا نہ کہو بلکہ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانُكَ رَبَّنَا وَإِنَّكَ الْمَصِيبُ پڑھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظارِ وحی میں از خود آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہؓ کو ادب کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ صحابہؓ نے فوراً ہی سَمِعْنَا اور أَطَعْنَا کہا اور کلماتِ ایمان دل و جان سے کہے۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ بات پسند آئی۔ اس پر آئندہ آیتیں یعنی اَمِنْ السَّوْلُ الخ نازل ہوئیں جس میں اَوَّل کی دو آیتوں میں صحابہؓ کی مدح اتری اور تفصیل کے ساتھ ان کے ایمان اور ان کی اطاعت کو بیان فرمایا تاکہ اُن کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عشاق اور محبین کے دلوں میں جو خلیجان اور اضطراب تھا وہ دور ہو جائے اور پھر ان کی اس مدح کے بعد اُن کے اس خلیجان اور اشکال کا جواب جو اُن کو پیش آیا تھا لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ سے ذکر فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلف نہیں۔ لہذا دل میں جو گناہ کا خیال اور خطرہ آجائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے۔ اور علیٰ ہذا بھول چوک پر بھی کوئی مواخذہ نہیں، البتہ جو باتیں بندہ کی قدرت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔

مدح اہل ایمان

ایمان لائے پیغمبر تمام اس چیز پر جو ان کے رب کی طرف سے اُن کی جانب اتاری گئی اور آپ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ کے تمام مسلمان بھی اس پر ایمان لائے سب کے سب یعنی رسول اور تمام مؤمنین ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے تمام فرشتوں پر اور اُس کی تمام کتابوں پر اور اُس کے تمام پیغمبروں پر جن کے واسطے سے ہم تک اللہ کے احکام پہنچے۔ اللہ کی کتابیں اور اس کے پیغمبروں کی شریعتیں اگرچہ فردعی اور وقتی مسائل میں کچھ مختلف ہیں لیکن ہم ایمان لانے میں پیغمبروں کے درمیان

تفریق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ یہود کا شیوہ رہا کہ بعض کو نہ مانا۔ اور جو احکام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اُن کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرے احکام کو سنا اور دل و جان سے اُن کو قبول کیا۔ اور اے پروردگار چونکہ ہم سراپا تقصیر ہیں سہوہ نسیان ہمارے خمیر میں پڑا ہے اس لیے اے پروردگار تیری مغفرت اور بخشش کے طلب گار ہیں۔ ہمارا کوئی عمل بھی کوتاہی سے خالی نہیں۔ اور کیسے تجھ سے مغفرت کی درخواست نہ کریں کیونکہ مرنے کے بعد آپ ہی کی طرف لوٹنا اور آپ ہی کے سامنے پیش ہونا ہے۔

بیان مدار تکلیف بعد از بیان مدح و توصیف

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

صحابہؓ کی مدح اور توصیف کے بعد تکلیف شرعی کے دار و مدار کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ان کا شبہ اور غلبان دور ہو۔ صحابہؓ کو شبہ یہ تھا کہ کیا نفوس اور قلوب کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ سے نفوس کے اختیاری افعال مراد ہیں غیر اختیاری افعال مراد نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کا کسی کو مکلف اور پابند نہیں بناتے مگر بقدر اس کی طاقت اور گنجائش کے اس لیے کہ جس چیز کا مادہ ہی مکلف میں نہ ہو اس کی تکلیف خدا تعالیٰ کی طرف سے متصور نہیں در نہ پھر انسان معذور تھا کون نہیں جانتا کہ کان سے آنکھ کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہر نفس کو ثواب اور عذاب، نفع اور ضرر اس کے مطلق ہوگا جو اس نے اپنی قدرت اور اختیار سے کیا اور کمایا ہے۔ لہذا جو باتیں تمہارے دلوں میں بے اختیار گزرتی ہیں ان پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جس چیز کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس پر نہ ثواب ہے اور نہ عذاب۔

البتہ وہ امور ذیلہ جو تم نے اپنے دلوں میں اپنے اختیار سے چھپا رکھے ہیں جیسے تکبر اور حسد اور کینہ اور حرص اور طمع اور ریا اور نفاق اُن پر محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔ اور جو اخلاق پسندیدہ ہیں مثلاً اخلاص اور صبر اور توکل اور شکمہ اور قناعت وغیرہ وغیرہ، قیامت کے دن اُن پر اجر ملے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ کی تشفی ہو گئی اور پہلی آیت سن کر جو صدمہ ہوا تھا وہ دور ہو گیا اور غلبان مذکور کا فور ہو گیا۔

تعلیم عاج جامع متضمن لصلاح دارین

گزشتہ آیات میں حق جل شانہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مومن کی شان سمع و طاعت ہے اور

اپنی تقصیرات پر طلب مغفرت ہے اور بعد ازاں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طاقت اور مقدور سے زیادہ کسی کو اپنے احکام کا مکلف اور پابند نہیں بناتے اور قیامت کے دن محاسبہ اور مواخذہ انہی افعال پر ہوگا جو اختیاری ہیں غیر اختیاری امور پر محاسبہ اور مواخذہ نہ ہوگا۔

اب آئندہ آیت میں ایک جامع دعا کی تعلیم فرماتے ہیں۔ جس میں خطا اور نسیان کے حکم کی طرف بھی اشارہ ہے اس لیے کہ خطا اور نسیان اگرچہ بظاہر غیر اختیاری ہیں اور داخل تکلیف نہیں لیکن من وجہ اختیاری بھی ہیں، اس لیے کہ بسا اوقات خطا اور نسیان غفلت اور کوتاہی اور بے توجہی اور بے احتیاطی کی بنا پر پیش آتا ہے اور بے توجہی اور لا پرواہی انسان کا اختیاری فعل ہے۔ اس لیے عقلاً اور شرعاً خطا اور نسیان پر بھی مواخذہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر خادم سے کسی غفلت اور بے توجہی کی بنا پر کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس پر مواخذہ اور باز پرس ہوتی ہے کہ یہ غلطی کیوں ہوئی اور حضرت آدمؑ کے قصہ میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد فَنَسِيَ وَ لَمْ يَجِدْ لَهُ عَزْماً بھی اس کا مؤید ہے۔ اور اسی وجہ سے شریعت نے بہت سے مواضع خطا میں ویت اور ضمان کو واجب قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ خطا انسان کے تساہل اور عدم احتیاط کی بنا پر پیش آئی ہے جو انسان کا فعل اختیاری ہے اور داخل تکلیف ہے اور قابل مواخذہ ہے۔ اس لیے حق جل شانہ نے ہم کو یہ دعا سکھائی کہ اپنی تقصیرات کو پیش نظر رکھ کر اس طرح دعا مانگا کر دے۔ اے ہمارے پروردگار تیرا حق عبودیت اور حق ربوبیت ہم سے کہاں ادا ہو سکتا ہے۔ بھول چوک ساتھ لگی ہوئی ہے اس لیے تجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اگر ہم تیرے کسی حکم یعنی امر و نہی کو بھول جائیں اور بھولے سے اُس کی تعمیل نہ کر سکیں یا کسی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر چوک جائیں کہ امر کو نہی اور نہی کو امر سمجھ جائیں یا ٹھیک عمل کرنے میں غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ اور دار گیر نہ فرما۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ خطا اور نسیان پر مواخذہ عقلاً و شرعاً ممتنع نہیں۔

فائدہ نشہ آور چیزوں کے استعمال سے غیر اختیاری طور پر افعال کا صدور ہوتا ہے۔ مگر عقلاً و شرعاً شراب پینے والا مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ افعال اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر ان غیر اختیاری افعال کا سبب تو فعل اختیاری ہے یعنی نشہ آور چیز کا استعمال۔ اس شخص نے اپنے اختیار کے بے محل استعمال سے حفاظت کیوں نہیں کی اس لیے قابل مواخذہ ہے۔ نسیان اگرچہ بالذات غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب عموماً اختیاری ہوتا ہے اسی وجہ سے بسا اوقات بھولنے والے پر لاابالیت اور بے پروائی کا الزام عائد کرتے ہیں اور خطا کار پر سہل انگاری اور بے احتیاطی اور بے توجہی کا الزام رکھتے ہیں۔

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

لا تو اخذ ان نینا شد گواہ کہ بود نیاں بوجھے ہم گناہ
زانکہ استکمال تعظیم اد نکرد ورنہ نیاں در نیا در دے نبرد

گرچہ نسیاں لا بدونا چار بود
چوں تہا دن کرد در تعظیمہا
ہیچو مستے کو جنتیہا کند
گویش لیکن سبب لے زشت کار
بیخودی نامہ بخودتش خواندہ
در سبب درزیدن او مختار بود
تا کہ نسیاں زاد یا سہو و خطا
گوید او معذور بودم من ز خود
از تو بد در رفتن آں اختیار
اختیار از خود نشدش راندہ
(شہنوی دفتر پنجم ص ۲۱۷)

اے پروردگار اور مت رکھ ہمارے سروں پر احکام شاقہ کا بار گراں جیسا کہ آپ نے رکھا تھا ہم سے پہلے لوگوں پر۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے پہلی امتوں کے متکبرین اور سرکشوں پر شدید اور سخت احکام اتارے تھے۔ ایسے سخت احکام کے متعلق درخواست ہے کہ اے اللہ ہم پر پہلی امتوں کی طرح سخت احکام نہ نازل فرما کہ بجا لانا ہم کو دشوار ہو۔ اے پروردگار اور مت رکھ ہمارے سروں پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ یعنی ہماری طاقت اور قوت سے بڑھ کر ہم کو مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا نہ فرما۔

ف (۱) پہلی دعا یعنی وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا أَصْرًا تشریعیات کے متعلق تھی ہم کو تکالیف شاقہ کا مکلف نہ بنا۔ اور پہلی امتوں کی طرح ہم پر سخت احکام نازل نہ فرما اور یہ دوسری دعا یعنی وَ لَا تُحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ یہ دعا تکنیاتیات کے متعلق ہے یعنی تکنیکی اور تقدیری طور پر ہم پر ایسی مصیبتیں اور بلائیں نازل نہ فرما جو کہ ہماری طاقت اور تحمل سے باہر ہوں۔

تشریعیات اور تکنیاتیات میں فرق یہ ہے کہ انسان تشریعیات کا مکلف ہے اور تکنیاتیات کا مکلف نہیں مگر دعا کی تعلیم دونوں کے لیے کی گئی۔ اور اے پروردگار چونکہ احکام شاقہ اور ناقابل برداشت مصائب کے نزول کا سبب بھی ہمارے ہی گناہ ہیں۔ اس لیے تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری پردہ پوشی فرما۔ دنیا اور آخرت کی ذلت سے ہم کو بچا اور عفو اور مغفرت کے بعد آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر مہربانی اور احسان بھی فرما۔ آپ ہی ہمارے آقا اور ولی نعمت اور دوست ہیں۔ اور ہم آپ کے غلام اور نام لیا اور محب اور عاشق ہیں۔ وقال تعالیٰ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ فِي الْحَدِيثِ الشَّرِيفِ اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ۔

پس آپ ہماری اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں خاص مدد کیجیے یعنی کافر قوم کے مقابلہ میں ہم کو فتح و نصرت عطا فرمائیے۔ کافروں کی قوم آپ کی اور آپ کے دین کی اور آپ کے پیغمبروں کی اور آپ کے دوستوں کی دشمن ہے اور مولے اور آقا اپنے غلاموں کا اور محبوب اپنے عاشقوں کا حامی اور مددگار ہوتا ہے۔ لہذا آپ سے یہ درخواست ہے کہ اپنے دوستوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمائیے۔ تاکہ بے کھٹکے تیری

عبادت کر سکیں اور بلا کسی دغدغہ کے تیرے قانون کو جاری کر سکیں۔

(۲) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔
ف لَوْلَمْ تُرْدِ نَيْلَ مَا نَرْجُو وَنَطْلُبُهُ مِنْ فَيْضِ جُودِكَ مَا عَلَّمْنَا الطُّلُبَا

اگر ہماری اس درخواست کے منظور کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو ہم کو درخواست کرنا ہی نہ سکھاتے اور نہ درخواست کرنے کا حکم دیتے۔

ایں دعا از تو اجابت ہم نہ تو لطف تو بر ما نوشتہ صد نکو

معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ جب سورۃ بقرہ ختم کرتے تو آمین کہتے۔

الحمد للہ آج ۱۰ جمادی الاول ۱۳۸۵ھ یوم دوشنبہ بوقت چاشت مقام لاہور میں سورۃ بقرہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ اے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کی تمیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ آمِنُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ بِرَحْمَتِكَ

يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

الحمد للہ آج ۱۱ محرم الحرام یوم سہ شنبہ ۱۳۸۳ھ کو نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔

فللہ الحمد والمنة

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تفسیر سورۃ آل عمران

آیات ۲۰ : ۳ : سورۃ آل عمران مکیہ : ۸۹ رکوع ۲۰

یہ سورت مدنیہ ہے جس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ چونکہ اس سورت میں آل عمران کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ آل عمران ہے اور اس سورت کا نام مجادلہ بھی ہے اس لیے کہ یہ سورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مجادلہ اور مباحثہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ عنقریب شان نزول سے واضح ہوگا

(رابط) اس سورت کو سورۃ بقرہ کے ساتھ متعدد وجوہ سے ربط ہے۔

وجہ اوّل

سورۃ بقرہ کی ابتداء کتاب الہی کے ذکر سے ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا کہ کس نے کتاب الہی سے ہدایت حاصل کی اور کس نے اُس سے اعراض کیا۔ اسی طرح اس سورت کا آغاز بھی کتاب الہی کے ذکر سے ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ سلیم الطبع لوگوں نے اُس کی ہدایت کو قبول کیا اور زانغین اور کج طبیعتوں نے بجائے محکمات کے متشابہات کی پیروی کی اور اپنے مطلب اور خواہش اور غرض کے مطابق آیات الہیہ کی تاویلیں کیں اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا ایسے لوگ اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق کہلاتے ہیں اور ملحد اور زندیق شریعت میں منافق کے حکم میں ہے۔ سورۃ بقرہ کے شروع میں منافقین کا ذکر تھا اور اس سورت میں ملحدین اور زندیقین کا ذکر ہے جس کو حق جل شانہ نے زانغین کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

زنیغ کے معنی میلان اور انحراف کے ہیں اور ملحد وہ شخص ہے جو دین میں ٹیڑھی راہ چلتا ہو۔ صراط مستقیم یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ سے ہٹا ہو اور صحابہ اور تابعین کے خلاف آیات کے نئے نئے معنی بیان کرتا ہو جو شخص آیات قرآنیہ کے ایسے معانی بیان کرے جو آل ذین اُخِصَّت یعنی صحابہ و تابعین کے سمجھے ہوئے کے خلاف ہوں اور اس زمانہ کے معصوب علیہم اور ضالکین یعنی یہود اور نصاریٰ کے تہذیب اور تمدن کے مطابق ہوں تو یقین کر لو کہ یہ شخص بلاشبہ صراط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے اور حسب ارشاد باری و اُمّ الذین فی قلوبہم زنیغ میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسے لوگوں سے بچتے رہنا چاہیے یعنی ان کی کتابوں کے دیکھنے سے پرہیز کرو۔

وجہ دوم

ربط کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں زیادہ تر محاجہ اور مباحثہ یہود سے تھا اور سورۃ آل عمران میں محاجہ اور مباحثہ زیادہ تر نصاریٰ سے ہے اور یہود چونکہ نصاریٰ سے مقدم ہیں اس لیے سورۃ بقرہ کو سورۃ آل عمران سے پہلے لایا گیا۔

وجہ سوم

سورۃ بقرہ میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کا ذکر تھا اور اس سورت میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر ہے۔ وَقَالَ تَعَالَى إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ.

وجہ چہارم

ہر سورۃ کا خاتمہ ایک خاص دُعا پر ہوا سورۃ بقرہ کا خاتمہ کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دُعا پر ہوا جو دین کی ابتدائی حالت کے مناسب ہے اور سورۃ آل عمران کا خاتمہ دُعا حسن ثواب اور جزاء اعمال اور ایفاء مواجید کی درخواست پر ہوا جو مومنین متقین کے مناسب ہے جن کا ذکر سورۃ بقرہ کے شروع میں تھا۔

وجہ پنجم

سورۃ بقرہ کی ابتداء متقین اور مفلحین کے ذکر سے ہوئی اور اس سورۃ کا خاتمہ متقین اور مفلحین کے ذکر پر ہوا۔ کما قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اسی طرح سے اس سورت کی نہایت پہلی سورت کی ہدایت میں مندرج ہو گئی اور سورۃ آل عمران کا اختتام سورۃ بقرہ کے افتتاح میں مندرج ہو گیا قرآن کریم جس طرح علوم و معارف اور فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے حدا عجاز کو پہنچا ہوا ہے اسی طرح باعتبار ربط کے بھی حدا عجاز کو پہنچا ہوا ہے۔

نکتہ

سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا نام احادیث میں زہراؤین آیا ہے جس کے معنی دو روشن سورتوں کے ہیں سورتیں تو ساری ہی روشن ہیں مگر گمان یہ ہے کہ شاید سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کے انوار اور تجلیات باہم ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام زہراؤین رکھا گیا ہو اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سورۃ بقرہ اور آل عمران کے قرأت اور تلاوت پر قاری کو ایک نور تمام عطا کیا جائے گا۔ نیز سنن ابی داؤد وغیرہ میں اسماء بنت یزید سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے سورۃ بقرہ کی یہ آیت وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ اور سورۃ آل عمران کی یہ آیت إِنَّ اللَّهَ لَكَلِمَةٌ

إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اور یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ نیز اس سورت کا آغاز آیۃ الکرسی سے ملتا جلتا ہے جو قرآن کا دل ہے پس عجب نہیں کہ اس اشترک کی وجہ سے بھی ان دونوں سورتوں کو زہرا دین کہا گیا ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان ہے رحم والا

الْم ۱ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۲ نَزَّلَ

اللہ! اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جیتا ہے۔ سب کا تھامنے والا۔ اتاری

عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

تجھ پر کتاب تحقیق، ثابت کرتی اگلی کتاب کو

وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۳ مِن قَبْلُ هُدًى

اور اتاری تھی توریت اور انجیل - اس سے پہلے لوگوں کی

لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۴ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہدایت کو، اور اتارا انصاف جو لوگ منکر ہیں

بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۵ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو

اللہ کی آیتوں سے ان کو سخت عذاب ہے - اور اللہ زبردست ہے

اِنْتِقَامٍ ۶ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ

بدل لینے والا۔ اللہ اس پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ

اور نہ آسمان میں - وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں،

كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

جس طرح چاہے۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، زبردست حکمت والا۔

اثبات توحید و بیان محکم در ابطال الوہیت عیسیٰ بن
مریم و مناظرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بانصارتے نجران

قال الله تعالى لا اله الا هو الحي القيوم... الى... هو العنيز الحكيم...
محمد بن اسحاق وغیرہ سے منقول ہے کہ سورہ آل عمران کے شروع کی تراسی آیتیں نصارتے نجران
کے بارے میں نازل ہوئیں۔ نجران۔ علاقہ یمن میں ایک شہر کا نام ہے جو اس زمانہ میں عیسائیوں کا
علمی مرکز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی خبر جب اطراف اور اکناف
میں پہنچی تو یہ خبر سن کر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد۔ مناظرہ اور مباحثہ کے لیے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اس وفد میں ساٹھ سوار تھے جن میں
سے چودہ آدمی خاص طور پر بڑے شریف اور معزز تھے اور ان چودہ آدمیوں میں تین شخص
ایسے تھے جو ان کا مزاج الاسرتھے یعنی سب کا مادی اور ملجائے تمام کام انہیں تین کے
مشورہ سے ہوتے تھے۔

ایک ان کا امیر اور سردار تھا جس کا نام عبدالمسیح تھا جو بڑا زیرک اور ہوشیار اور ذی رائے
تھا۔ اور دوسرا اس کا وزیر و مشیر جس کا نام ایہیم تھا۔ اور تیسرا ان میں کا سب سے بڑا عالم
اور پادری تھا۔ جس کو وہ جبر اور سقفت کہتے تھے اس کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا۔ شاہان روم اس
پادری کی اس کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی توقیر و تعظیم کرتے تھے۔ اور عیسائی بادشاہوں
اور امیروں کی طرف سے اس کو بڑی جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ حضرت مسیح کی الوہیت
اور ابنیت کے قائل تھے اُن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے جب مدینہ منورہ حضور پر نور کی خدمت
میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں گفتگو شروع ہوئی گفتگو کر نیوالے

یہی تین آدمی تھے عبدالمسیح، ایہم، ابو حارثہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے استدلال میں یہ کہا کہ

- ۱- عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔
- ۲- عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔
- ۳- عیسیٰ علیہ السلام غیب کی باتیں بتاتے تھے۔
- ۴- عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورتیں بناتے اور پھر ان میں پھونک مارتے اور زندہ ہو کر وہ پرند بن جاتے۔

اور ان تمام چیزوں کا قرآن کریم نے اقرار کیا ہے لہذا ثابت ہوا کہ وہ خدا تھے۔

اور حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے پر اس طرح استدلال کیا کہ

- ۱- وہ بلا باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔
- ۲- نیز حضرت عیسیٰ نے گہوارہ میں کلام کیا اُن سے پیشتر کسی نے گہوارہ میں کلام نہیں کیا۔ یہ بھی خدا کے بیٹا ہونے کی دلیل ہے۔

اور مسئلہ تثلیث یعنی حضرت عیسیٰ کے ثلاث ثلاثہ ہونے پر یہ استدلال کیا کہ حق تعالیٰ جا بجا یہ فرماتے ہیں فَعَلْنَا وَ أَمَرْنَا وَ خَلَقْنَا وَ قَضَيْنَا ہم نے یہ کام کیا۔ ہم نے یہ حکم دیا ہم نے یہ پیدا کیا ہم نے یہ مقدر کیا یہ تمام صیغے جمع کے ہیں اور جمع کا اول درجہ تین ہے پس اگر خدا تعالیٰ ایک ہوتا تو صیغہ جمع کا استعمال نہ ہوتا بلکہ بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال ہوتا اور یوں کہا جاتا فَعَلْتُ وَ أَمَرْتُ وَ خَلَقْتُ وَ قَضَيْتُ میں نے حکم دیا۔ میں نے پیدا کیا۔ میں نے مقدر کیا یہ اس مایہ ناز و فد کے استدلالات تھے جس کو اپنے علم پر فخر اور ناز تھا جن کی حقیقت اہل عقل اور اہل فہم کی نظر میں ادہام اور خیالات سے زیادہ نہیں اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوابات اور ارشادات کو سنئے۔

- ۱- فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ وَلَدٌ إِلَّا وَهُوَ لِشَبِّهِ أَبَاهُ قَالُوا بَلَىٰ
 - ۲- قَالَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَبَّنَا حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَ أَنَّ عِيسَى يَأْتِي عَلَيْهِ الْفَنَاءُ قَالُوا بَلَىٰ
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے وفد نے کہا کیوں نہیں۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ خدا تعالیٰ بے مثل اور بے چون و چگون ہے کوئی شے اس کے مشابہ نہیں۔
- بعد ازاں آپ نے وفد سے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے کبھی بھی اس کو موت نہیں آسکتی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ضرور موت اور فنا آنے والی ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے۔

دند نے اقرار کیا کہ بے شک یہ صحیح ہے ایک نہ ایک وقت ان پر موت اور فنا ضرور آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ پر موت اور فنا کا طاری ہونا ناممکن اور محال ہے۔

تنبیہ

نصاری کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب و مقتول ہو کر مر چکے ہیں لیکن حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے الزام کے لیے یہ نہیں کہا کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو موت آچکی ہے اس لیے کہ یہ امر خلاف واقعہ ہے عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور چند روز کے بعد وفات پائیں گے۔ جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے واضح ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے وہی کلمہ نکلا جو واقع کے موافق تھا۔ خلاف واقع چیز کا نبی برحق کی زبان سے نکلنا مناسب نہیں اگرچہ اس چیز کا ذکر محض بطور الزام ہو اور عجب نہیں کہ نصاریٰ نے اس کا اقرار اس لیے کیا ہو کہ وہ اتنی بات کو غنیمت سمجھے اور یہ خیال کیا ہو کہ ہمارے عقیدہ کے مطابق ہم پر الزام اور حجت اور بھی پوری ہو جائے گی۔ نیز نصاریٰ میں مختلف فرقے ہیں ایک فرقہ کا عقیدہ یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہونے کے بعد وفات پائیں گے۔ پس ممکن ہے کہ اس دند کے لوگ اسی عقیدہ کے ہوں جو اسلام کے مطابق ہے۔

- ۳۔ قال الستم تعلمون ان ربنا
قیم علی کل
شیء یکلؤہ و یحفظہ
و یرزقہ قالوا بلی قال
فہل یملک عیسی من
ذلک شیئا قالوا لا۔
- ۴۔ قال افلستم تعلمون ان
اللہ لا یخفی علیہ شیء
- پھر آپ نے فرمایا: کیا تم کو معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہی ہر چیز کے وجود کو تھامنے والے اور اس کے محافظ اور نگہبان اور رزق رساں ہیں انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ بتلاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز کے مالک اور قادر ہیں یعنی کیا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی مخلوقات کو وجود عطا کیا ہے اور اپنی قدرت سے ان کے لیے سامان بقا پیدا کیا ہے انہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان چیزوں پر قادر نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ
قَالُوا بَلَىٰ قَالَ فَمَلِّ يَعْزِمُ
عِيسَىٰ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا
أَلَّا مَا عَلِمَ قَالُوا لَا.

۵۔ قَالَ فَاَلَمْ رَبَّنَا صَوِّسْ
عِيسَىٰ فِي الرَّحْمِ كَيْفَ
شَاءَ.

۶۔ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَبَّنَا لَا
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَلَا يَشْرِبُ
الْشَّرَابَ وَلَا يَجْدُثُ الْحَدَثُ قَالُوا بَلَىٰ
۷۔ قَالَ السَّمْعُ تَعْلَمُونَ أَنَّ
عِيسَىٰ حَمَلَتْهُ امْرَأَةٌ كَمَا تَحْمِلُ
الْمَرْءَةُ ثُمَّ وَضَعَتْهُ كَمَا
تَضَعُ الْمَرْءَةُ وَلَدَهَا ثُمَّ
غَذَىٰ كَمَا تَغْذِي الْمَرْءَةُ
الصَّبِيَّ ثُمَّ كَانَ يَأْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَشْرِبُ الشَّرَابَ
وَيَجْدُثُ الْحَدَثُ قَالُوا
بَلَىٰ.

۸۔ قَالَ فَكَيْفَ يَكُونُ هَذَا كَمَا زَعَمْتُمْ
فَعَرَفُوا ثُمَّ ابْوَا لَا جُحُودًا
فَانْزَلَ اللَّهُ - اللَّهُ لَا
إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ - اخْرَجَهُ
ابْنُ جَرِيرٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ
الْبَيْهَقِيِّ (تفسير در مشور ص ۳ ج ۲)

مخفی نہیں انہوں نے کہا بے شک آپ نے
فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے بجز اس
چیز کے جس کا خدا تعالیٰ نے ان کو علم دے
دیا تھا کوئی اور شے بھی جانتے تھے انہوں
نے کہا کہ نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے
عیسیٰ علیہ السلام کی مریم کے رحم میں اپنی مرضی
کے موافق صورت بنائی۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نہ کھاتا ہے
اور نہ پیتا ہے اور نہ پاخانہ اور پیشاب کرتا
ہے انہوں نے کہا بے شک۔

پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ
عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی طرح حاملہ ہوئیں
جس طرح ایک عورت اپنے بچہ کو پیٹ میں
رکھتی ہے اور پھر اس کو جنتی ہے اسی طرح
عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور بچوں کی
طرح ان کو غذا دی گئی اور پھر بڑے ہوئے
اور وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور پیشاب
اور پاخانہ کرتے تھے انہوں نے کہا بے شک
ایسے ہی تھے۔

آپ نے فرمایا کہ جب تم کو ان سب باتوں
کا اقرار ہے تو بتاؤ کہ ایسا ہو کر عیسیٰ خدا کیسے
ہوئے جیسا تمہارا گمان ہے پس آپ کے اس
ارشاد سے ان لوگوں نے حق کو خوب پہچان لیا۔
مگر جان بوجھ کر انکار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ
نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اَللّٰهُ لَا
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

القر۔ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

الوہیت اور خدائی اسی کے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ (۱) وہ بذاتہ زندہ ہے اور اس کی حیات ازلی اور ابدی ہے موت اور فنا کا اس کی ذات اور صفات میں کہیں امکان نہیں (۲) اور وہی تمام کائنات کے وجود اور حیات کو تھامنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔

پناہ بندی و پستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی
قرار ہمہ ہست بر نیستی توئی آنکہ یک برقرار نیستی

اور عیسیٰ علیہ السلام کی حیات نہ ذاتی ہے اور نہ ازلی اور ابدی۔ اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے سے وہ زندہ ہوئے ان کی حیات اور ان کی زندگی بلاشبہ حادث اور فانی ہے اور جس کا وجود اور جس کی حیات حادث اور فانی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذا عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو مخلوقات کو کوئی وجود اور حیات عطا کی اور نہ ان کے لیے کوئی سامان حیات پیدا کیا اور نہ وہ کائنات کے وجود کے تھامنے اور قائم رکھنے پر قادر ہیں لہذا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ (۳) نیز حق تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں۔ جس نے بندوں کی ہدایت کے لیے آپ پر ایک کتاب اتاری جو حق اور سچائی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔ جو اس کی صفت کلام کا آئینہ ہے اور اس کے احکام اور قوانین کا ایک مجموعہ ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ وہ گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہے اور اسی طرح حق تعالیٰ نے اس قرآن سے پہلے توریت اور انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اتارا اور اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر کتابوں کا اتارنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ رب العالمین احکم الحاکمین ہے اور انبیاء و مرسلین خدا نہیں بلکہ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جو احکام خداوندی کے پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اگر خدا ہوتے تو ان پر اللہ کی وحی اور اس کی کتاب نازل نہ ہوتی۔ وحی کا نزول بندہ پر ہوتا ہے خدا پر وحی نازل نہیں ہوتی۔

نیز کتب الہیہ اور صحف سماویہ سب کی سب توحید پر متفق ہیں کما قال تعالیٰ
وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْ لِهَذَا تَشْلِيْثِ
اور انبیت کا عقیدہ تمام کتب الہیہ کے خلاف ہے۔ (۴) اور اتارے اللہ تعالیٰ نے معجزات تاکہ حق اور باطل کا خوب فرق ظاہر ہو اور دشمنان حق اس کے مقابلہ سے عاجز ہو کر حق تعالیٰ کی قدرت اور انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کا یقین کریں معجزات اور خوارق عادات ایک طرف خداوندیکہ کی وحدانیت اور قدرت کی دلیل ہیں اور ایک طرف انبیاء کرام کی نبوت و رسالت کی برہان ہیں۔

لہذا تحقیق جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کیا اور خوارق عادات کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء کرام کی نبوت کے قائل نہ ہوئے یعنی ان کو خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ اور فرستادہ خداوندی نہ مانا ان کے لیے نہایت سخت عذاب ہے۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ

عزت والا اور زبردست اور صاحب انتقام ہے۔ جو شخص اس کے مقابلہ کے لیے سراٹھاتا ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس عزیز مقتدر کے پنجہ قدرت سے نکل نہیں سکتا اور نہ اس عزیز منتقم کے انتقام سے بچ کر بھاگ سکتا ہے۔ اس جملہ میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابطال الوہیت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح صلیب پر لٹکائے گئے اور ایللی ایللی کہتے جان دے دی اور اپنے آپ کو دشمنوں کے پنجہ ظلم سے چھڑا سکے اور نہ ان سے کوئی انتقام لے سکے پس ایک عاجز اور مظلوم اور مغلوب کو جس پر اس کے دشمن غالب آگئے ہوں خدا کہنا یا خداوند قادر مطلق کا بیٹا کہنا کیا کھلی ہوئی نادانی نہیں عقلائے عالم کے نزدیک خدائی اور ذلت کا جمع ہونا ناممکن اور محال ہے۔ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عزیز مقتدر ہو البتہ نصاریٰ کے نزدیک خدا کا دشمنوں کے ہاتھ سے ذلیل ہونا ممکن ہے۔ (۶) تحقیق اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ کے اقتدار کامل اور اختیار کامل کو بیان فرمایا اب اس آیت میں اس کے علم کامل کو بیان فرماتے ہیں یعنی جس طرح اس کی قدرت ادلیہ تمام ممکنات کو محیط ہے اسی طرح اس کا علم بھی محیط ہے کوئی چھوٹی اور بڑی چیز اس کے علم سے غائب اور پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا علم محیط حاصل نہ تھا صرف اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ ان کو بتلا دیتا تھا اور نصاریٰ نے خود اس کا اقرار کیا اور موجودہ اناجیل سے بھی یہی ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے بہت سی چیزیں ان پر مخفی رہتی تھیں۔ اللہ کی وحی اور روح القدس کے سنہانی سے معلوم ہوتی تھیں۔ (۷) وہی خدا رحمتوں میں تمہاری صورتیں اور نقشے جس طرح چاہتا ہے بنا رہے۔ کسی کو مرد اور کسی کو عورت کسی کو خوبصورت اور کسی کو بدصورت پس کیا جس کی صورت اور نقشہ رحم مادر میں بنا ہو اور بطنِ مادر کی تاریکیوں سے نکل کر وہ اس دار فانی میں آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا اور پیتا اور پاخانہ اور پیشاب کرتا ہو معاذ اللہ وہ کس طرح خدائے قدوس اور خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے خدا وہ ہے کہ جو اپنے ارادہ اور مشیت سے رحم مادر میں صورتیں اور نقشے بنائے اور جو نقشہ اور صورت رحم مادر میں بنا ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو صورت بنتی ہے وہ مخلوق ہے اور خالق کی محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں ہوتا اس لیے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں لہذا وہی سنراوار ربوبیت اور شایانِ عبودیت ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ خداوند قدوس ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی سب پر غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے جس کی قدرت اور حکمت کی کوئی انتہا نہیں اس نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت مسیح کو بدن

باپ کے اور حضرت حواؑ کو بدون ماں کے اور حضرت آدمؑ کو بدون باپ اور ماں کے پیدا کیا۔ جس مخلوق کو جس طرح چاہا پیدا فرمایا۔ اس کی حکمتوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ کس نکشود و نکشاید حکمت میں معمار

فوائد و لطائف

۱۔ امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس سورت کا آغاز نہایت عجیب و غریب ہے جو اثبات توحید اور اثبات رسالت دونوں پر مشتمل ہے۔

اثبات توحید تو اس اعتبار سے ہیں کہ صفات خداوندی کے بیان پر مشتمل ہے کہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حی اور قیوم اور عالم الغیب اور عزیز منتقم ہو۔ اور رحم مادر میں اولاد کی تصویر بنانے پر قادر ہو اور عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات موجود نہ تھیں لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ خدا نہ تھے۔ (جیسا کہ تفصیل پہلے گذر چکی ہے)

اور اثبات رسالت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کا نبی اور رسول ہونا اور توریت اور انجیل کا ان پر نازل ہونا تم کو بھی تسلیم ہے اب بتاؤ کہ توریت اور انجیل کے کتاب الہی ہونے کی کیا دلیل ہے جو دلیل ان کے لیے ہے۔ قرآن کے لیے اس سے ہزار درجہ بڑھ کر دلائل موجود ہیں اور جس دلیل سے تم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہو اسی طرح کی دلیل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ ناچیز کہتا ہے اثبات توحید اور اثبات رسالت کے علاوہ اثبات قیامت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ اثبات قیامت کی دلیل ہے کہ جو خدا اپنی قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ زندہ کرنے پر قادر ہے وہ دوسری مرتبہ بھی زندہ کرنے پر قادر ہے اس طرح اس سورت کے مطلع میں اسلام کے اصول ثلاثہ توحید اور رسالت اور قیامت کے اثبات کے دلائل کی طرف اجمالی اشارہ ہو گیا۔

۲۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسانوں کی صورتوں اور شکلوں کا مختلف ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہ ہیں اور نہ محض اتفاق سے ہے بلکہ یہ اختلاف حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے بلکہ یہ تمام قادر علیم اور عزیز حکیم کی کارگیری ہے۔

۳۔ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ میں فرقان کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرقان سے معجزات مراد لیے اور بعضوں نے زبور مراد لی ہے اور بعض نے قرآن کریم مراد لیا ہے امام رازیؒ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ

اس آیت میں فرقان سے معجزات مراد لیے جائیں جیسا کہ ہم نے تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں پکی ہیں،

هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ ط فَاَمَّا الَّذِينَ

سو جڑ ہیں کتاب کی، اور دوسری ہیں کئی طرف ہمتی، سو جن کے دل

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ

پھرے ہوئے ہیں، وہ لگتے ہیں ان کی ڈھب والیوں سے، تلاش

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا

کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں انکی کل ٹیھانی، اور ان کی کل کوئی نہیں جانتا سوا

اللَّهِ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ

اللہ کے، اور جو مضبوط علم والے ہیں، سو کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے، سب

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور سمجھائے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔

رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا

اے رب ہمارے دل نہ پھیر، جب ہم کو ہدایت دے چکا، اور دے ہم کو اپنے ہاں

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا

سے مہربانی، تو ہی ہے سب دینے والا۔ اے رب!

إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن، جس میں شبہ نہیں۔ بیشک اللہ



لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۹

خلافت نہیں کرتا وعدہ -

تقسیم آیات بسوئے محکمت و متشابہات مع تقسیم سامعین بسوئے لغین فہم و راخین علم

قال الله تعالى هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ.... الى.... إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ -
جب دلائل واضحہ سے توحید کا اثبات اور تثلیث اور ابنیت کا رد اور ابطال ہو گیا تو نصاریٰ
نے عاجز ہو کر بطور معارضہ یہ کہا کہ آخر آپ بھی حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ مانتے ہیں پس یہی
الفاظ ہمارے مدعا کے اثبات کے لیے کافی ہیں۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں ان کے اس شبہ کا جواب ایک عام ضابطہ اور قاعدہ کے شکل میں
دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد صد ہا اور ہزار ہا شبہات اور اشکالات اور نزاعات اور مناقشات کا خاتمہ
ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الہیہ میں آیات خداوندی کی دو قسمیں ہیں ایک محکمت کہ
جن کی مراد واضح اور متعین ہو اور بدنیّت ان کے مفہوم اور معانی میں الٹ پھیر کر کے اور ان آیات
کے ظاہری الفاظ کو اپنی غرض پر نہ ڈھال سکتا ہو یہ آیتیں اُمّ الکتاب اور اصل کتاب کہلاتی ہیں جو کتاب
الہی اور شریعت اور تمام تعلیمات کی جڑ ہوتی ہیں۔ انہی پر دین اور شریعت کا دار و مدار ہوتا ہے جیسے آیات
توحید و تنزیہ وغیرہ۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں ایک گونہ خفا اور ابہام ہوتا ہے اور مراد پوری واضح اور
متعین نہیں ہوتی دوسرے معنی کا بھی ان میں احتمال ہوتا ہے۔ ان آیات کا حکم یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی
طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے جو معنی محکمت کے مطابق ہوں اُن کو لیا جائے اور جو معنی آیات محکمت
کے خلاف ہوں اُن کو نہ لیا جائے۔

بعض آیات کو حق جل شانہ نے قصداً مجمل اور متشابہ نازل فرمایا ہے تاکہ بندوں کا امتحان کریں کہ
کون صریح اور واضح المراد یعنی آیات محکمت کا اتباع کرتا ہے اور کون کج رو ان مجملات اور متشابہات
کو اپنی غرض پر ڈھالتا ہے اور محکمت اور آیات واضحات سے پہلو تہی کرتا ہے اور ایک حکمت آیات
متشابہات کے نازل کرنے میں یہ ہے کہ جب باوجود جدوجہد کے متکلم کی مراد متعین نہ کر سکیں تو اپنے
قصور علم کا اقرار کریں اور بزبان حال جو ہمدانی کے دعوے دار بنے ہوئے تھے اس سے توبہ کریں اور

جس طرح قصور علم اور قصور فہم کی وجہ سے اور دیگر بے شمار حقائق پر دسترس نہیں اسی طرح آیاتِ مشابہات کو بھی ان کی فہرست میں شامل کر لیں مگر ایسی تاویلات سے پرہیز کریں کہ جو آیاتِ بیانات اور محکات اور اسلام کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں۔

پس جن آیات اور عبارات سے نصائر نے نجران نے استدلال کیا ہے مثلاً روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے الفاظ سے وہ سب کے سب اقسامِ مشابہات سے ہیں اور جن آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بندہ اور لبشر ہونا صاف اور واضح طور پر بیان کیا ہے وہ آیات محکات ہیں مثلاً قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تصریح کر دی۔ اِنَّ هُوَ اَلْاَعْبُدُ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ يَوْمَ تَكُنُّ عِيسَىٰ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَنْ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ يٰمُثَلِّا ذٰلِكَ عِيسَىٰ بَنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ يٰمُثَلِّا جن بے شمار آیات میں حق تعالیٰ نے یہ امر واضح طور پر بیان فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے کوئی بیٹا ہے مَسَاكُتٍ وَّلَیْهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ يُوْلَدٌ لَّیْسَ كَمِثْلِهِ شَیْءٌ۔

پس آیات محکات میں صاف طور پر غیر اللہ کی الوہیت اور ابنیت کا رد کیا گیا ہے ان سے تو آنکھیں بند کر لینا اور کلمتہ اکثماہا لے کر کلمہ جیسی آیات مشابہات کو لے دوڑا۔ اور ان کی ایسی تاویل کرنا جو صریح بیانات اور آیات محکات کے منافی ہوں یہ کج رو اور گمراہ لوگوں کا طریق ہے کہ جو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے اور سید راستہ سے ہٹانے کے لیے ایسا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عزیز و حکیم وہی ذات ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے آپ پر ایک جامع اور کامل کتاب اتاری جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں یعنی ظاہر المراد اور واضح المعنی ہیں جن کے معنی اور مفہوم میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس نہیں جو شخص ان کو سننے اور زبان سے اور اصطلاحات شریعت سے واقف ہو اس پر ان کا مفہوم مشتبہ نہیں رہتا۔ یہی آیتیں کتاب الہی کی اصل اور جڑ ہیں۔ انہی پر ساری تعلیم کا دار و مدار ہے اور یہی آیتیں قرآن کا مغز ہیں۔

اور کچھ آیتیں اس کی متشابہ ہیں جن کی مراد میں کچھ خفاء اور اشتباہ ہے سامع کو باوجود زبان دان ہونے کے اور باوجود غور و تامل کے اور باوجود اصول شریعت سے واقف ہونے کے ان کی پوری پوری مراد واضح نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے بندوں کو جتنا بتلانا چاہتے ہیں اتنی مقدار واضح فرما دیتے ہیں اور جس قدر نہیں بتلانا چاہتے اتنی مقدار اس میں خفاء اور ابہام رکھ دیتے ہیں اور اس عزیز حکیم کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کو ہم نے ظاہر اور واضح کر دیا اس کا اتباع کرو اور کتاب الہی کی جو چیز تم پر مخفی اور مشتبہ رہے اس پر بے چون و چرا ایمان لاؤ اور اس قسم کی آیات کی تفسیر میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھو کہ ان آیات کے کوئی معنی ایسے ہرگز نہ بیان کیے جائیں جو آیات محکات اور شریعت کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں۔ مشابہات کو محکات کی طرف راجع کرو۔ امام ابو منصور ماتریدیؒ

فرماتے ہیں کہ آیت محکم کی مراد عقل سے معلوم ہوتی ہے اور آیت متشابہ میں بدون نقل اور روایت کی مد کے دخل دینا ممکن نہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ طبعی طور پر کسی کفر اور بدعت کی طرف مائل ہیں نام کے مسلمان ہیں دل میں اپنے خیالات اور مزعومات چھپائے ہوئے ہیں سو یہ لوگ کتاب الہی میں سے صرف آیات متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ حق اور باطل کو مشتبہ بنا سکیں اتباع متشابہات سے کبھی تو ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو الحاد اور بدعت کے فتنہ میں مبتلا کریں اور لوگوں کے دلوں میں دین کی طرف سے شکوک اور شبہات ڈالیں اور اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسائیں اور کبھی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان آیات متشابہات کی کوئی ایسی تاویل تلاش کی جائے۔ جو ان کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اور کھینچ تان کر کے آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے جو ان کی رائے اور ہوائے نفسانی کے موافق ہو ایسے لوگ اپنی مطلب برآری کے لیے آیات محکات اور احادیث واضحات کی طرف نظر نہیں کرتے اور ہوائے نفسانی کی وجہ سے آیات متشابہات کا پیچھا کرتے ہیں تاکہ ان کے خفا اور بہام کی وجہ سے ان میں کھینچ تان کر کے اپنا مطلب نکال سکیں اور عوام کو دھوکہ دے سکیں۔ حالانکہ ان متشابہات کی صحیح حقیقت اور یقینی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس نے اپنے لطف و کریم سے جس قدر حصہ پر آکاہ کرنا چاہا کر دیا اور جتنا حصہ اپنی حکمت سے مخفی رکھنا چاہا وہ مخفی اور مشتبہ رکھا اور جو لوگ علم میں پختہ اور ثابت قدم ہیں۔ جب وہ آیات متشابہات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں متعدد معانی کا احتمال ہے تو اپنی نفسانی خواہش اور طبعی میلان کا ذرہ برابر بھی لحاظ نہیں کرتے بلکہ متشابہات کو محکات کے ساتھ ملا کر معنی بیان کرتے ہیں جتنا سمجھیں آگیا اُس کو سمجھ گئے اور جو نہ سمجھیں اُس کو اللہ پر چھوڑ دیا واللہ اعلم اللہ ہی بہتر جاننے والا۔ ہم کو تو ایمان سے مطلب ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ان متشابہات پر اللہ کی مراد کے مطابق ایمان لائے سب کچھ یعنی محکم اور متشابہ اور نسخ اور منسوخ جس کی مراد ہم کو معلوم ہے اور جس کی مراد ہم کو معلوم نہیں یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں محکم اور متشابہ سب سے ہماری تربیت مقصود ہے محکات کو اس لیے نازل فرمایا کہ اس کے مطابق اعتقاد رکھیں اور عمل کریں۔ اور متشابہات کو اس لیے اتارا کہ اپنی قصور استعداد اور قصور علم کا اعتراف کریں اور ایسے مواقع پر آیات محکات کا اتباع کریں۔ نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر وہی لوگ کہ جن کی عقل سلیم اور خالص ہے نفسانی خواہشوں کے رنگ سے پاک اور صاف ہے جس بات کا مطلب ان کی سمجھ میں نہیں آتا اس کو متکلم علیم و حکیم کے حوالہ کرتے ہیں اور لا ادری اور لا اعلم کہہ کر نصف علم حاصل کر لیتے ہیں اور باوجود اس کے وہ خائف رہتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مبادا کسی پوشیدہ نفسانی خواہش کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اس لیے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار بعد اس کے کہ تو نے کتاب نازل فرما کر ہم کو ہدایت دی اور اُس کتاب کے محکم اور متشابہ پر ایمان لانے کی توفیق عطا کی اب اس لطف و عنایت اور اس توفیق

اور ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو حق اور ہدایت سے کج اور منحرف مت فرما ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں۔ دلوں کا ہدایت پانا اور حق کو قبول کرنا سب آپ کی توفیق سے ہے اور دے ڈال ہم کو اپنے پاس سے ہم کو خاص الخاص رحمت اور مہربانی یعنی توفیق اور فہم صحیح بے شک تو ہی سب کچھ عطا کرنے والا اور دے ڈالنے والا ہے۔ جس طرح ظاہری نعمتیں تیری بارگاہ سے ملتی ہیں اسی طرح علم صحیح اور فہم صحیح اور تاویل صحیح کی نعمت بھی تیری ہی بارگاہ سے ملتی ہے اور یہ سب تیری رحمت اور مہربانی ہے۔ تجھ پر کوئی شے واجب نہیں اور اے پروردگار چند علوم اور معارف اور متفرق تاویلات کا کسی کے سینہ میں جمع کر دینا تیرے لیے کوئی دشوار نہیں اس لیے کہ تحقیق تو تمام لوگوں کو اکثاف عالم سے اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے۔ جس میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ ہی نہیں۔ پس اگر آپ اپنی رحمت سے ہم نابکاروں کے سینہ میں صحیح علوم اور صحیح تاویلات کو جمع فرمادیں تو بعید از رحمت نہیں ہم اگرچہ اس کے اہل اور لائق نہیں مگر آپ کا اہل انابت اور اہل مجاہدہ سے یہ وعدہ ہے کہ جو ہماری طرف رجوع کرتا ہے اُس کو اپنی خاص ہدایت اور توفیق سے سرفراز کرتے ہیں۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ وَيَهْدِي إِلَىٰ مَنِ يَنْتِيبُ۔

تحقیق اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں یا یہ معنی ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب کو جمع کر کے نزاعی مسائل کا دو ٹوک فیصلہ فرمائے گا۔ جس میں زائفین اور راسخین فی العلم کے اختلاف کا فیصلہ بھی داخل ہے۔ اس لیے ہمیں ڈر ہے کہ ہم زائفین اور مجرمین کا راستہ نہ اختیار کر لیں۔ کیونکہ ہمیں اپنے دلوں پر اطمینان نہیں اس لیے آپ ہی سے استقامت اور کجی سے محفوظ رہنے کی درخواست کرتے ہیں باوجود راسخین فی العلم ہونے کے اپنے علم پر مغرور نہ ہونا یہ بھی ان کے راسخ فی العلم ہونے کی ایک علامت ہے۔

لطائف معارف

۱۔ محکم اور متشابہ کی تفسیر میں سلف سے مختلف تعبیرات منقول ہیں۔ سب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ محکات وہ آیتیں ہیں کہ جن کے معنی ظاہر ہوں اور اُن کی مراد معلوم اور متعین ہو خواہ نفس لغت کے اعتبار سے اُن کے معنی ظاہر ہوں یا شریعت کے بیان کر دینے سے اُن کی مراد متعین ہو یعنی ان کی مراد یا تو اس لیے متعین ہے کہ لغت اور ترکیب اور سیاق و سباق کے اعتبار سے نظم قرآنی میں کوئی ابہام اور اجمال نہیں اور یا شریعت کے اعتبار سے اس کی مراد متعین ہے مثلاً لفظ صلوٰۃ اور لفظ زکوٰۃ اگرچہ لغت کے اعتبار سے دعاء اور پاکیزگی کے معنی میں ہیں جس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن شریعت کے بیان اور نصوص

قطعیہ اور اسلام کے اصولِ مسلمہ اور اجماع امت سے یہ قطعاً متعین ہو چکا ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے متکلم کی مراد مخصوص طریقہ پر بدنی اور مالی عبادت بجالانا ہے۔ شریعت کے بیان سے ان آیات کی مراد اس قدر صاف اور واضح ہے کہ کوئی بدزیت سے بدزیت بھی ان کے مفہوم اور معنی میں الٹ پھیر نہیں کر سکتا ایسی آیات کو محکمت کہتے ہیں۔

اور متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد اور معنی کے معلوم اور متعین کرنے میں کسی قسم کا اشتباہ اور التباس واقع ہو جائے اور چونکہ اشتباہ اور تشابہ ایک امر اضافی ہے جس کے درجات اور مراتب ہیں اس لیے تشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک تشابہ تو وہ ہے جس کی مراد معلوم ہونے کی نہ تو امید ہی باقی رہی ہو اور نہ اس کی مراد معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ اور امکان ہو جیسے مقطعات قرآنیہ المکر۔ طس۔ وغیرہ وغیرہ نہ لغت سے ان کے معنی معلوم ہو سکتے ہیں اور نہ شریعت نے ان کے معنی بیان کیے ہیں اور دوسری قسم تشابہ کی یہ ہے کہ آیت میں اجمال اور ابہام یا اشتراک لفظی کی وجہ سے اُس کی مراد میں اشتباہ پیش آگیا ہو۔ تشابہ کے یہ اصطلاحی معنی۔ مجمل اور مودول کو بھی شامل ہیں۔ پس اگر آیت میں متشابہات سے پہلے معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو تشابہ کی مراد سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور اگر متشابہات کے دو معنی مراد لیے جائیں تو اس معنی کو متشابہات کے معنی اور تاویل۔ راسخین فی العلم کو بھی بقدر اپنے علم اور فہم کے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ اصل کُنہ اور حقیقت اور پوری کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن راسخین فی العلم جب محکمت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خداداد علم اور فہم سے ان میں غور و فکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جتنی تاویل اور معنی ان پر واضح کرنا چاہتے ہیں اتنی تاویل اور معنی ان پر واضح فرما دیتے ہیں اور تشابہ کی قسم اول کو اصطلاح میں تشابہ حقیقی کہتے ہیں اور تشابہ کی قسم ثانی کو تشابہ اضافی کہتے ہیں۔

۲۔ سلف صالحین سے آیات متشابہات کی تاویل میں دو قول منقول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں جیسا کہ ابی بن کعبؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ اور اکثر سلف سے یہی منقول ہے اور ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور ربیع بن انسؓ وغیرہم سے منقول ہے۔

ان دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں جن سلف کا یہ قول ہے کہ متشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں اُن کی مراد تشابہ کی قسم اول ہے جیسے مقطعات قرآنیہ اور جن سلف سے یہ منقول ہے کہ متشابہات کی تاویل راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں اُن کی مراد تشابہ کی قسم ثانی ہے۔

جو مجمل اور مؤول اور محتمل سب کو شامل ہے۔
 ۳۔ وَ مَا يَعْلَمُ تَاوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ الْحَمْدُ فِي قُرْآنِهِ اور مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض کا قول یہ ہے کہ إِلَّا اللَّهُ پر وقف ضروری اور لازم ہے اور الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ جملہ مستانفہ یعنی کلام جدید ہے ماقبل پر عطف نہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تشابہات کی تاویل سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ اور راسخین فی العلم تشابہات کی تاویل اور حقیقت کو محض اللہ پر چھوڑتے ہیں اور جو کچھ خدا تعالیٰ کی مراد ہے اس پر ایمان لاتے ہیں ان کا مسلک محض تفویض تسلیم ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ إِلَّا اللَّهُ پر وقف جائز ہے ضروری اور لازم نہیں یعنی یہ بھی جائز ہے کہ إِلَّا اللَّهُ پر وقف کیا جائے اور الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کو کلام جدید قرار دیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ إِلَّا اللَّهُ پر وقف نہ کیا جائے بلکہ الرَّاسِخُونَ کا لفظ اللہ پر عطف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد راسخین فی العلم بھی تشابہات کی تاویل اور معنی کو جانتے ہیں۔ سلف صالحین کی ایک کثیر جماعت کا یہی مسلک ہے۔ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے
 اَنَا مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ اَنَا اَعْلَمُ تَاوِيلَهُ۔
 میں راسخین فی العلم سے ہوں اور میں تشابہ کی تاویل کو جانتا ہوں۔

غرض یہ کہ وقف اور عطف کے بارہ میں سلف کے یہ دو قول ہیں اور سلف کا یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے جن لوگوں نے تشابہ کے پہلے معنی مراد لیے ان کے نزدیک إِلَّا اللَّهُ پر وقف ضروری اور لازم ہے اس لیے کہ مقطعات قرآنیہ جیسے تشابہات کی تاویل سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور جن لوگوں نے تشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے جو مجمل اور محتمل اور مؤول کو بھی شامل ہیں ان کے نزدیک وَالرَّاسِخُونَ کا عطف لفظ اللہ پر جائز ہے اس لیے کہ ایسے تشابہات کی تاویل اور معنی غور و خوض کرنے اور محکمت کی طرف رجوع کرنے سے راسخین فی العلم کو بھی بقدر ان کے علم اور فہم ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اگرچہ اصل حقیقت اور اصل کلمہ اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے مگر بقدر علم راسخین فی العلم بھی اُس کی تاویل کو جانتے اور سمجھتے ہیں اور تشابہ کے دوسرے معنی لے کر یہ بھی جائز ہے کہ إِلَّا اللَّهُ پر وقف کیا جائے اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ تشابہات کی اصل تاویل اور صحیح کلمہ اور پوری حقیقت سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تشابہات کے اول معنی مراد لیے جائیں تو إِلَّا اللَّهُ پر وقف ضروری اور لازم ہوگا اور اگر آیت میں تشابہات کے دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو آیت میں وقف اور عطف دونوں

جائز ہیں جس نے وقف کو ضروری قرار دیا اُس نے تشابہ کے پہلے معنی مراد لیے اور آیت میں وقف اور عطف کی جو قرأتیں آئی ہیں وہ دونوں حق اور صحیح ہیں جس قرارت میں غیر اللہ سے تشابہ کی تاویل کی نفی کی گئی ہے وہاں تشابہ کے اول معنی مراد ہیں اور جس قرارت میں غیر اللہ یعنی راسخین کے لیے تشابہات کی تاویل کے علم کو ثابت کیا گیا ہے وہاں تشابہ کے دوسرے معنی مراد ہیں (خوب سمجھ لو) اور جس نے عطف جائز قرار دیا اس نے تشابہ کے دوسرے معنی مراد لیے اس لیے عرض کیا گیا کہ یہ اختلاف اور نزاع حقیقی نہیں بلکہ لفظی اور صوری ہے۔

۴۔ لفظ تاویل متقدمین کی اصطلاح میں تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے تفسیر ابن جریر میں صاحب تاویل کا لفظ تفسیر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور متأخرین کی اصطلاح میں کسی قرینہ دلیل کی بنا پر ظاہر سے غیر ظاہر کی طرف پھرنے کا نام تاویل ہے اور بلا کسی دلیل اور بلا کسی قرینہ کے ظاہر سے پھرنے کا نام تحریف ہے لیکن تاویل کے یہ دونوں معنی اصطلاحی ہیں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے وہاں تاویل سے مخفی حقیقت اور مصداق اور مال اور انجام اور نتیجہ اور حکمت اور کلام کی غرض اور غایت کے معنی مراد لیے گئے ہیں لفظ تاویل اصل میں اول سے مشتق ہے جس کے معنی اصل کی طرف رجوع کرنے کے ہیں مثلاً هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ سے یوم آخرت مراد ہے جس دن وعدہ اور وعید کا مصداق ظاہر ہوگا اور جزاء اور سزا کی حقیقت واضح ہوگی۔

اور بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ میں تاویل سے خبر خداوندی کے مصداق کا ظہور مراد ہے یا عاقبت اور انجام کے معنی مراد ہیں ہر خبر کا ایک لفظی مفہوم اور اور مدلول ہوتا ہے اور ایک اس کا خارجی اور واقعی مصداق ہوتا ہے جو وقوع کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ قرآن کریم نے خبر کے اس خارجی اور واقعی مصداق کو تاویل سے تعبیر کیا ہے۔ بسا اوقات خبر کا لفظی مدلول اور مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور اس کا خارجی مصداق مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے۔ راسخین فی العلم اس خبر کے لفظی اور ظاہری مفہوم کو جانتے ہیں اور اس کے خارجی مصداق کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور ہذا تاویل روای میں تاویل سے تعبیر مراد ہے جو خواب کا مال اور انجام اور خارجی مصداق ہے اور وَزَنُوا بِالْقِسْطِ اِلَى الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَأْوِيلًا میں تاویل سے مال اور انجام کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے۔ اور ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا۔ میں تاویل سے مصداق اور خارجی حقیقت اور حکمت کے معنی مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعِلْمِهِ اے اللہ اس کو دین کی سمجھ دے اور تاویل

کا علم عطا فرما۔

التاویل۔

ظاہر ہے کہ یہاں تاویل سے مخفی حقیقت اور پوشیدہ حکمت کا منکشف کرنا اور مال اور انجام کا ظاہر کرنا مراد ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی رکوعہ و سجودہ سبحانک اللہم ربنا و بحمدک اللہم اغفر لی یتأول القرآن مصداق بیان فرماتے کہ آیت قرآنی میں تسبیح و تحمید اور استغفار کی تاویل یہ ہے کہ رکوع میں اس طرح تسبیح اور استغفار پڑھی جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ حدیث میں تاویل سے کلام کا ظاہر سے پھیرنا مراد نہیں بلکہ اس کے خارجی مصداق کا تعین مراد ہے۔

۵۔ اس سورت میں آیات قرآنی کی دو قسمیں بیان کی گئیں ایک محکم اور ایک متشابہ۔ اور سورہ ہود کے شروع میں یعنی کُتِبَ الْحُكْمُ اٰیٰتُہ میں قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم بتلایا گیا۔ اور سورہ زمر کی اس آیت۔ اٰدٰتُہ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشٰبِہًا میں سارے قرآن کو متشابہ بتلایا گیا۔ سو ان آیات میں محکم اور متشابہ کے دو معنی مراد ہیں محکم کے معنی لغت میں مضبوط اور مستحکم کے ہیں۔ چونکہ قرآن کریم نظم اور معنی کے اعتبار سے نہایت مستحکم اور سراسر حق اور سراپا حکمت ہے کہیں جائے انگشت نہیں اس لیے سارے قرآن کو محکم کہا گیا۔ اور متشابہ کے معنی لغت میں مشابہ اور ملتے جلتے کے ہیں اور چونکہ قرآن کی تمام آیتیں حسن اور خوبی۔ اور ہدایت اور فصاحت اور بلاغت میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اختلاف اور تناقض سے پاک ہونے میں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اَخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ اس لیے تمام قرآن کو کتابا متشابہا فرمایا۔ پس جس جگہ قرآن کی بعض آیتوں کو محکم اور بعض کو متشابہ کہا گیا وہاں محکم اور متشابہ کے اور معنی مراد ہیں اور جہاں سارے قرآن کو محکم یا متشابہ کہا گیا وہاں اور معنی مراد ہیں۔ پس جب ہر جگہ معنی جدا جدا ہوئے تو آیات میں کوئی تعارض اور تناقض نہ رہا۔

۶۔ آیت کو راسخین فی العلم سے شروع فرمایا اور اَلْاَوَّلٰی لِبَابٍ پُر ختم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جن کی عقل نفسانی خواہشوں سے کج اور خراب نہ ہو گئی ہو جب تک عقل سے نفسانی خواہشوں کا رنگ دور نہ ہو وہ اللہ کے نزدیک راسخین فی العلم میں سے نہیں۔

قال ابن ابی حاتم ثنا محمد بن عوف الحمصی ثنا نعیم بن حماد ثنا فیاض الرقی ثنا عبید اللہ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بیان کیا کہ عبید اللہ بن یزید ذکر جنہوں نے صحابہ کرام کو پایا اور انس بن مالک اور ابوامامہ اور ابوالدرداء

بن یزید وکان قد ادرك اصحاب
النبي صلى الله عليه وسلم النساء
وابا امامة و ابا الدر داء ان
رسول الله صلى الله عليه وسلم
سئل عن الراسخين في العلم فقال
من برت يمينه وصدق لسانه و
استقام قلبه و من عفا بطنه ووجهه فذلك
من الراسخين في العلم (تفسير ابن كثير ص ۲۳۲)

کو دیکھا، وہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم سے دریافت کیا گیا کہ راسخین فی العلم جن
کا آیت میں ذکر ہے وہ کون لوگ ہیں آپ
نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی قسم اور زہد میں
پورا ہو اور زبان کا سچا ہو اور دل اس کا جادہ
محبت و وفا پر قائم اور مستقیم ہو اور اس کا شکم
اور اس کی شرمگاہ حرام اور مشتبہ سے عقیف اور
پاک ہو پس ایسا شخص راسخین فی العلم میں سے ہے۔

یعنی علم میں پختہ اور ثابت قدم وہی شخص ہے جس کا حال اور قال یہ ہو جو بیان کیا گیا اور ظاہر ہے کہ
یہ حال اور یہ قال انہیں لوگوں کا ہو سکتا ہے جن کے دل نفسانی خواہشوں کے رنگ سے صیقل ہو چکے ہوں۔
اور انوار و تجلیات کے عکس قبول کرنے کے لیے صاف و شفاف آئینہ بن چکے ہوں۔
اور راسخین فی العلم کے مقابل زائفین کا گردہ ہے جو نفسانی خواہشوں کی وجہ سے کج اور خراب ہو چکے
ہیں۔ حق بات ان کے دل میں نہیں اترتی۔

لمحہ اور زندقہ رافضی اور غار جی اور تمام بدعتی فرقے اس میں داخل ہیں جس طرح تمام اہل حق
راسخین فی العلم میں داخل ہیں جس کا صحیح مصداق اہل سنت والجماعت ہیں جو کتاب و سنت کے
محکمات کو مضبوط پکڑتے ہیں اور تشابہات کو محکمات کے ساتھ ملا کر آیات کے معنی بیان کرتے ہیں۔ اپنی
نفسانی خواہشوں کا اتباع نہیں کرتے بلکہ صحابہ و تابعین کے نقش قدم پر چلتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے
اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا پس جس شخص کا علم اور فہم خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین کے
اجماع سے ٹکراتا ہو تو سمجھ لو کہ ایسا شخص زائفین میں سے ہے اُس سے بچتے رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

جو لوگ منکر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے ان کے مال

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ - وہی ہیں پھٹیاں

وَقَوْمُ النَّارِ ۚ كَذَٰبٍ أَلٍ فِرْعَوْنَ ۚ وَالَّذِينَ

(ابن دھن) دوزخ کی - جیسے دستور فرعون والوں کا، اور جو ان

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ

سے پہلے تھے ، جھٹلاتے ہماری آیتیں ، پھر پکڑا ان کو اللہ نے

يَذْنُوبُهُمْ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ لِلَّذِينَ

ان کے گناہوں پر، اور اللہ کی مار سخت ہے۔ کہہ دے منکروں

كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ

کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے دوزخ کو۔

وَبِئْسَ الْيَهَادُ ۝۱۲ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي

اور کیا بُری تیاری ہے۔ ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ، دو

فِئَتَيْنِ التَّتَقَا فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ

فوجوں میں جو بھڑی تھیں۔ ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں، اور

أُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَهُمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ وَ

دوسری منکر ہے یہ ان کو دیکھتے ہیں اپنے دو برابر، صریح آنکھوں سے اور

اللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً

اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں خبردار ہو جاویں جن کو

لِلأُولَىٰ الْأَبْصَارُ ۝۱۳

آنکھ ہے۔

مالِ اولاد کے نشہ میں حق سے استغنا پر وعید اور تہدید

قَالَ تَعَالَىٰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ... لَعِبْرَةٌ لِلأُولَىٰ الْأَبْصَارِ ط

(ربط) یہ آیتیں بھی نصارائے نجران کے بارہ میں نازل ہوئیں دلائل اور براہین سے حق ان پر واضح ہو چکا تھا مگر مال و دولت کے غرور اور نشہ نے ان کو قبول حق اور قبول ہدایت سے باز رکھا اس لیے ان ارباب غرور کی وعید اور تہدید کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آخرت میں مال اور اولاد کچھ کام نہ آئیں گے اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ اب ان کافروں سے یہ کہہ دیں کہ یہ لوگ عفریقہ دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے اور قیامت کے دن جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر واقعہ بدر کو ان کی عبرت کے لیے ذکر فرمایا۔ محمد بن اسحاق کی سیرت میں ہے کہ نصارائے نجران کا وفد جب بغرض مناظرہ مدینہ منورہ روانہ ہوا تو راستہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ اُن کا بڑا عالم ابو حارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا یکا یک خچر کو ٹھوکر لگی اور وہ عالم سواری سے گرا تو اس کے بھائی کُرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تَعَسَى الْاَلْبَعْدُ یعنی ہلاک ہو وہ شخص جس کے پاس ہم جا رہے ہیں اُس نے اَلْاَلْبَعْدُ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا۔ العیاذ باللہ۔

ابو حارثہ نے کہا۔

بَلْ تَعِسْتَ اَنْتَ التَّشْتَمُ
رَجُلًا مِّنَ الْمُرْسَلِينَ
اِنَّهٗ الَّذِیْ بَشَّرَہٗ عِیْسٰی
وَ اِنَّہٗ لَفِی التَّوْرٰتِ وَ
وَاللّٰہُ اِنَّہٗ الذِّیْ
الَّذِیْ نَنْتَظِرُكَ

اس پر ابو حارثہ کے بھائی کُرز نے کہا۔

فَمَا یَمْنَعُکَ مِنْہٗ
وَ اَنْتَ تَعْلَمُ
ہذا۔

ابو حارثہ نے جواب دیا۔

لَا نَہٗوَ لَہٗوَ الْمُلُوکِ اَعْطُوْنَا
اَمْوَالًا کَثِیْرَةً وَ اَکْرَمُوْنَا
فَلَوْ اَمْنَا بِہٖ لَا خَذُوَا مِنَّا
کُلَّ ہٰذِہٖ الْاَشْیَآءِ۔

۔۔۔

بلکہ تو ہلاک ہو۔ کیا تو ایسے شخص کی شان میں نازیبا الفاظ کہتا ہے جو رسولوں میں سے ہے تحقیق بلاشبہ آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسیٰ بن مریمؑ نے بشارت دی ہے اور جن کا تذکرہ توریت میں ہے اور خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کے اخیر زمانہ میں ظہور کے ہم سب منتظر ہیں۔

کہ جب تم کو ان کی نبوت و رسالت کا اس درجہ علم اور یقین ہے تو پھر ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے۔

کہ ہم ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان عیسائی بادشاہوں نے جو بے شمار اموال ہم کو دے رکھے ہیں اور ہمارا اعزاز و اکرام کرتے ہیں اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو یہ سب ہم سے پھینک دیں گے۔

یہ کلمہ کرز کے دل میں اتر گیا اور یہ کہا کہ خدا کی قسم جب تک مدینہ پہنچ کر ایمان نہ لے آؤں گا اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ اور کرز اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا اونٹنی کو تیز کیا اور بطور جزئیہ پڑھتا جاتا تھا۔

إِلَيْكَ تَفْدُو قَلْبًا وَضَيْنُهَا مُعْتَرِضًا فِي بَطْنِهَا جَنِينُهَا
آپ ہی کی طرف یہ اونٹنی چل رہی ہے دریاں حالیکہ اس کا تنگ حرکت کر رہا ہے اور اس کے پیٹ میں اس کا جنین حرکت کر رہا ہے۔

مُخَالَفًا دِينَ النَّصَارَى دِينُهَا

اب اس اونٹنی کا (یعنی اس کے سوار کا) دین۔ نصاریٰ کے دین کے خلاف ہے۔

یہاں تک کہ کرز وفد سے پہلے مدینہ منورہ پہنچا اور مشرف باسلام ہوا اور وفد بعد میں پہنچا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۸۱ وروض الائف ص ۴۵ و اصابہ ص ۲۹۳ ترجمہ کرز بن علقمہ) اور مشرف باسلام ہونے کے بعد کرز نے حج بھی کیا۔

خلاصہ کلام

یہ کہ یہ آیتیں اسی وفد کے بارہ میں نازل ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس مال کے لالچ میں تم نے ایمان سے روگردانی کی ہے وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئے گا اور جن سلاطین اور امراء پر تم کو بھروسہ ہے وہ عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مقہور اور مغلوب ہوں گے اور تمہارا تو ذکر ہی کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر اور انکار کی راہ اختیار کی اللہ کے مقابلہ میں اُن کے مال اور اُن کی اولاد جس پر اُن کو ناز اور فخر ہے۔ ہرگز کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ البتہ مسلمانوں کے مال اور اولاد آخرت میں کام آئیں گے اس لیے کہ مسلمانوں نے اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کیے اور اولاد کو اللہ کی عبادت اور دین کی تعلیم میں لگایا۔ اور ایسے کافر تو مع مال اور اولاد کے دوزخ کا ایندھن ہوں گے اور ان کا حال اور مال تو فرعونوں جیسا ہے کہ جس طرح دنیا میں فرعونوں کو ان کے مال اور اولاد اُن کو اللہ کے قہر سے نہ بچا سکے ان کی بھی ایسی ہی گت بنے گی اور کچھ کام نہ آئے گا۔ اور جس طرح ان سے پہلے لوگوں نے یعنی قوم عاد اور ثمود اور قوم لوط نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس اللہ نے اُن کو اُن کے جرائم کی بنا پر پکڑا اور ہلاک کیا اُن کا سارا مال و متاع اور اولاد دھری رہ گئی اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو سمجھ لو کہ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے جس کے مقابلہ میں مال اور اولاد کچھ کام نہیں دیتا۔ اے نبی کریم! آپ ان کافروں سے جو اپنے مال و دولت اور قوت اور کثرت پر نازاں ہیں یہ کہہ دیجئے کہ تم عنقریب اسی دار دنیا میں ہمارے دوستوں کے ہاتھ سے مغلوب اور مقہور ہوؤ گے

اشارہ اس طرف ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر جلاہ وطن کیے جائیں گے اور خیبر اور مکہ فتح ہوگا یہ ذلتیں تو ان منکرین کو دنیا میں پہنچیں گی اور آخرت کی بابت یہ فرما دیجئے کہ تم جہنم کی طرف جانوروں کی طرح ہانکے جاؤ گے اور دوزخ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس سے محفوظ رکھے۔ چونکہ کفار اپنے مال اور اولاد یعنی قوت اور کثرت اور ثروت پر نازاں تھے اور یہ کہتے تھے کہ نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ اور یہ خیال کرتے تھے کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی مال و اولاد کام آئیں گے کما قال تعالیٰ حکایتہ عنہم اَفْرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَ وَلَدًا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو ان آیات میں متنبہ فرمایا کہ مال و دولت صرف آخرت ہی میں بے سود نہ ہوگی بلکہ بسا اوقات وہ دنیا میں بھی سودمند اور کارآمد نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ جس کو غلبہ دینا چاہتے ہیں اس کے مقابلہ میں ساری قوت اور ثروت اور کثرت دھری رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی چند روز کے بعد وہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے بنو قریظہ اور بنو نضیر کو مقہور اور مغلوب کیا اور خیبر اور مکہ انہی فقراء مسلمین کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ جن کو یہ حقیر سمجھتے تھے۔

ذکر استشہاد برائے دفع استبعاد

حق جل شانہ نے جب گزشتہ آیت (قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْرٌ وَاسْتَغْلِبُونَ الْاٰلَہَ) میں مسلمانوں کے غلبہ کی خبر دی تو منافقین نے اس کو مستبعد سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے استبعاد دفع کرنے کے لیے بطور استشہاد واقعہ بدر کو ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق تمہارے لیے دو جماعتوں کے بارہ میں ایک عبرت اور عجیب نمونہ قدرت ہے کہ جو باہم ایک دوسرے سے لڑیں اس معرکہ اور لڑائی میں ایک جماعت تو وہ تھی کہ جو خدا کی راہ میں لڑتی تھی یعنی مسلمانوں کی جماعت تھی جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور بے سرو سامان تھی اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جن کی تعداد نو سو پچاس تھی جو جنگی ساز و سامان سے لیس تھی اور جس کو اپنی قوت اور شوکت اور کثرت اور ثروت پر ناز تھا بدر کے میدان میں دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا عین مقابلہ اور مقابلہ کے وقت یہ کافر کھلی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دو چند دیکھتے تھے۔ یعنی مسلمان کافروں کو دو چند (تقریباً دو ہزار) دکھائی دیتے تھے جس سے کافروں کے دل مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور یہ اس طرح کا دیکھنا صریح اور کھلی آنکھوں سے تھا کوئی خواب و خیال نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ قلیل کو کثیر اور کثیر کو قلیل کر کے دکھلائے حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اَحْوَلُ (بھینگے) کو ایک کے دو دکھلاتا ہے یہ کوئی کذب اور دروغ نہیں بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے جس طرح خوردبین اور دوربین سے چھوٹی چیز بڑی نظر آنے لگتی ہے تو یہ جھوٹ نہیں بلکہ کارگیری اور صنعت کا کمال ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ جو بعد میں مشرف باسلام ہوئے انہوں نے یہ بیان کیا کہ مسلمان ہم کو تعداد میں بہت

نظر آئے اسی طرح سمجھو کہ اگر حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اپنے دشمنوں کو وقتی طور پر دو درجہ کا بھیجے گا بنادے کہ بجائے ایک کے تین نظر آنے لگیں تو یہ کوئی کذب اور دروغ نہیں بلکہ اس کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔

فائدہ

لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسلمان کافروں کی نظر میں تھوڑے دکھائی دیتے تھے جیسا کہ سورہ انفال میں ہے **وَيَقِلُّكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ** یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو کافروں کی نظر میں تھوڑا کر کے دکھلاتا تھا۔ لیکن جب اس کے بعد گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو کافر مسلمانوں کو خود اپنے سے بھی دوچند دیکھنے لگے پس اس آیت میں عین جنگ کے وقت کا ذکر ہے اور سورہ انفال میں جنگ چھڑنے سے پہلے کا ذکر تھا۔ لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض اور تناقض نہیں رہا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں اور فتح اور غلبہ کا اصل مدار تائید خداوندی پر ہے تائید خداوندی کے مقابلہ میں کوئی طاقت اور قوت غالب نہیں آسکتی جیسا کہ تم نے بدر کے معرکہ میں اس کا مشاہدہ کر لیا تحقیق اس بدر کے واقعہ میں آنکھ والوں کے لیے بڑی عبرت اور نصیحت ہے کہ کس طرح ایک کمزور اور بے سروسامان گروہ ایک پوری قوت اور شوکت والے گروہ پر غالب آگیا وجہ اس کی یہ تھی کہ تائید خداوندی اور امداد غیبی مسلمانوں کے ساتھ تھی اور خدا کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے تم کو چاہیے کہ تم اپنے مال و دولت کے غرور سے تائب ہو کر اس جماعت میں داخل ہو جاؤ کہ جن کے ساتھ تائید خداوندی ہے۔

فائدہ

آیت **يَذُوْنَهُمْ مِّثْلِيْهِمْ** کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یرون کے ضمیر فاعل فئۃ کافرہ کی طرف راجع ہے جو قریب ہے اور **هُمْ** کی ضمیر مفعول مسلمانوں کی طرف راجع ہے اور **مِثْلِيْهِمْ** کی ضمیر مجرور کافروں کی طرف راجع ہے یعنی کافروں کا گروہ مسلمانوں کو اپنے سے دوچند دیکھتا تھا۔ تفسیر میں ہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یرون کی ضمیر تو حسب سابق فئۃ کافرہ کی طرف راجع ہو اور **هُمْ** کی ضمیر مفعول بھی مسلمانوں کی طرف راجع ہو لیکن **مِثْلِيْهِمْ** کی ضمیر مجرور بجائے کافروں کے مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ کافر مسلمانوں کو مسلمانوں کے اعتبار سے دوچند دیکھتے تھے یعنی مسلمان کافروں کی نظر میں بجائے تین سو تیرہ کے چھ سو چھبیس دکھائی دیتے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ کافر جب مسلمانوں کی ایک عظیم تعداد دیکھیں گے تو مرعوب ہو جائیں گے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یَرُدُّنَ کی ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور هُمْ کی ضمیر مفعول کا فَرُدُّنَ کی طرف راجع ہو اور مِثْلِهِمْ کی ضمیر مجرور مسلمانوں کی طرف راجع ہو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ مسلمان کافروں کو اپنے سے دوچند دیکھتے تھے یعنی کافر مسلمانوں کی نظریں چھ سو چھبیس دکھائی دیئے۔ کفار اگرچہ فی الواقع مسلمانوں سے سہ چند تھے مگر مسلمان اُن کو اپنے سے صرف دوچند دیکھتے اور سمجھتے تھے کیونکہ بہادر اور جری طبیعتیں اپنے سے دوچند سے مقابلہ کرنے کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن دوچند سے زیادہ کا مقابلہ باعث تشویش اور پریشانی ہوتا ہے۔ چوتھا قول اور یہ درحقیقت قول نہیں بلکہ محض احتمال ہے وہ یہ کہ یَرُدُّنَ کی ضمیر فاعل مسلمانوں کی طرف راجع ہو اور هُمْ اور مِثْلِهِمْ کی دونوں ضمیریں کافروں کی طرف راجع ہوں اور معنی یہ ہوں کہ مسلمان کافروں کو کافروں سے دوچند دیکھتے تھے یعنی کافر مسلمانوں کو تقریباً دو ہزار دکھائی دیتے تھے اس قول کا کوئی قائل نہیں محض احتمال عقلی ہے جو غیر معقول بھی ہے اس لیے کہ جب مسلمان کافروں کو دو ہزار کی تعداد میں دیکھیں گے تو طبعی طور پر مرعوب ہو جائیں گے۔ تفصیل کے لیے تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ

رجھایا ہے لوگوں کو مزدوں کی محبت پر، عورتیں اور

وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ الْمُقَنْطَرَةَ مِنَ الذَّهَبِ

بیٹے، اور ڈھیر جوڑے ہوئے سونے کے،

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط

اور روپے کے، اور گھوڑے پلے ہوئے اور مواشی اور کھیتی۔

ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ

یہ برتنہا ہے دنیا کی زندگی میں، اور اللہ جو ہے اسی پاس

حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۳

ہے اچھا ٹھکانہ۔

بیانِ تحارت لذاتِ دنیویہ

قال تعالیٰ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ... الی... وَاللَّهُ عِنْدَکُمْ حَسْبُ الْمَوَازِیَ (ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کا حال بیان فرمایا کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں چور ہیں اس لیے حق کو قبول نہیں کرتے۔ اب ان آیات میں دنیوی لذات کا بیج اور فانی ہونا بیان کرتے ہیں کہ یہ تمام عیش و عشرت کے سامان محض چند روزہ ہیں اور عالم جاودانی کے مقابلہ میں بمنزلہ خواب کے ہیں پھر اس کے بعد آئندہ آیات میں حق تعالیٰ نے آخرت کی عظیم الشان اور جلیل القدر نعمتوں کو ذکر فرمایا جو آخرت میں اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو عنایت ہوں گی۔

ان تمام آیات میں دغدغہ نجران کی طرف اشارہ ہے کہ مال و جاہ کی محبت نے حق کے اتباع سے باز رکھا اور نصاریٰ کا سب سے بڑا عالم۔ ابو حارثہ۔ باوجود اعتراف اور اقرار کے اسی مال و دولت کی بدولت۔ ایمان و ہدایت کی لازوال دولت سے محروم رہا۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ ان آیات میں لذات کے اصول اور شہوات کے انواع اور اقسام کو بیان فرمایا کہ جن پر تمام دنیا کے تمتع اور فوائد کا دار و مدار ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ آراستہ اور خوشنما کردی گئی ہے عام طور پر لوگوں کے لیے محبت۔ خواہشوں اور نفس کی آرزوؤں کی لوگ شہوات اور نفسانی خواہشات پر اتنے فریفتہ ہوئے کہ ان کا عیب اور نقصان بھی نظروں سے پوشیدہ ہو گیا ان شہوات کی ظاہری زیب و زینت تو نظر آتی ہے اور باطنی قبح اُن کا نظر نہیں آتا اسی وجہ سے کبھی ان سے کنارہ کشی کا خیال بھی دل میں نہیں آتا۔ بے شک شہوات کی محبت آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے۔ البتہ جو اولی الابصار ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے دل کی بینائی عطا کی ہے۔ وہ شہوات اور خواہشات کے پیچھے اندھے نہیں بن جاتے۔ نفس کے مقابلہ میں عقل کا اتباع کرتے ہیں اور اپنی ابصار کو نابینا ہونے سے محفوظ رکھتے ہیں اور دنیا کے ساز و سامان پر مفتون اور فریفتہ نہیں ہو جاتے بلکہ ان سے عبرت پکڑتے ہیں گزشتہ آیت یعنی اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر تھا اب اس کے بعد ان شہوات اور خواہشات کے انواع اور اقسام کو ذکر فرماتے ہیں جن کی دھن میں ساری دنیا سرگردان اور حیراں ہے یعنی اُن شہوات اور خواہشات میں کہ جن میں آدمی پھنس کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے ان میں سے سب سے اول عورتیں ہیں کہ دنیوی لذتوں اور شہوتوں کا منتہی ہیں متاع دنیا میں سے کسی چیز کی محبت۔ عورتوں کی محبت کو نہیں

علم اس عبارت سے زین للناس حب الشهوات کا گزشتہ آیت ان فی ذلک لعبرة لاولی الابصار کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

پہنچتی اسی وجہ سے حدیث میں ہے مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةٌ اَضَرَّ عَلَى الرَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں جو مردوں کے لیے ضرر رساں ہو۔

اور دوسرے درجہ میں بیٹوں کی محبت ہے اور تیسرے درجہ میں سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں کی محبت ہے کہ جو تمام خواہشوں اور لذتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں اور چوتھے درجہ میں خوبصورت اور فربہ گھوڑوں کی محبت ہے جو سفر اور سیر و تفریح کا ذریعہ ہیں اور ظاہری شان و شوکت اور عزت ووجاہت اور فخر و مباہات کا سبب ہیں اور پانچویں درجہ میں چوپاؤں اور مولیشی کی محبت ہے یعنی اونٹ اور گائے اور بیل اور بھیڑ اور بکری کی محبت ہے جو انسان کا ذریعہ معاش ہیں گوشت اور دودھ کی غذا انہیں سے مہیا ہوتی ہے اور اداں اور کھال اور چمڑا بھی انہی چوپاؤں سے حاصل ہوتا ہے جس سے کبیل اور جو تے وغیرہ بنتے ہیں اور چھٹے درجہ میں کھیتی کی محبت ہے جس پر انسان کی حیات کا دار و مدار ہے۔ زراعت اگرچہ ضرورت کے لحاظ سے سب سے اول ہے لیکن شہوت اور لذت کے لحاظ سے سب سے آخر ہے۔ اس لیے اس کو سب سے آخر میں ذکر فرمایا۔ شہوات کی یہ انواع ستہ جو بیان ہوئیں بس یہی چند روزہ دنیاوی زندگی کا کل سامان ہے۔ جس کا تمتع اور انتفاع عنقریب ختم ہو جائے گا اور اللہ کے نزدیک نہایت عمدہ ٹھکانہ ہے جس کی لذت اور نفاست کی کوئی حد نہیں اور اس کی بقا اور دوام کی کوئی انتہا نہیں عاقل کا کام یہ ہے کہ اپنی تمام تر ہمت اور توجہ اس متاع آخرت کے حصول میں لگا دے اور چند روزہ متاع کے پیچھے لگ کر حقیقی اور دائمی متاع سے غافل نہ ہو جائے۔

لطائف و معارف

(۱) شہوات۔ شہوت کی جمع ہے جس کے معنی خواہش اور رغبت کے ہیں لیکن اس جگہ شہوات سے مراد خواہش اور رغبت کی چیزیں ہیں۔ محض خواہش اور رغبت مراد نہیں اس لیے کہ محبوب اور مزین حقیقتہً وہ مرغوبات اور مشتہیات ہیں۔ خود شہوت اور رغبت محبوب اور مزین نہیں لیکن حق جل شانہ نے تو بیخ اور ملامت میں مبالغہ کرنے کے لیے قابل شہوت اور قابل رغبت چیزوں کو شہوات سے تعبیر فرمایا ہے کہ تم ان اشیاء کی محبت میں اس درجہ مستغرق ہو گئے ہو کہ ان شہوات اور خواہشات کی محبت ہی تمہاری نظروں میں محبوب اور مزین بن گئی ہے اور بجائے اشیاء مرغوبہ کے اُن کی رغبت ہی تمہاری مرغوب خاطر ہو گئی اور قابل اشتہاء چیزوں کی شہوت کی محبت ہی تمہاری محبوب اور مطلوب بن گئی ہے یہ عشق کا آخری

علہ یہ ترجمہ من النساء الخ میں سے لفظ من کا ہے اشارہ اس طرف ہے کہ یہ من بیانہ ہے۔

درجہ ہے کہ محبوب کی محبت خود مستقل محبوب بن جائے اسی طرح قابل شہوت چیزوں کی شہوت کا محبوب بن جانا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ شخص لذات اور شہوات کے عشق میں آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں یہ ہے اَحْبَبْتُ حُبَّ الْحَيٰثِ اور حدیث میں یہ ہے اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُ اِلَیْ حُبِّكَ۔ نیز خواہش اور رغبت کی چیزوں کو شہوات سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ ان اشیاء سے نفرت دلانا مقصود ہے اس لیے شہوات کا مفہوم ہی خست اور ذلت پر دلالت کرتا ہے اور شہوتوں کا اتباع بہائم کا کام ہے۔

(۲) خیل مسومہ کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ خیل مسومہ سے وہ گھوڑے مراد ہیں جن پر نمبر یا نشان لگا ہوا ہو۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مسومہ کے معنی موٹے تازے خوبصورت گھوڑے کے ہیں سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مسومہ سے چرنے والے گھوڑے مراد ہیں یعنی جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دیئے گئے ہوں اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ علاوہ سواری کے جو گھوڑے چراگاہ میں چرتے ہوں ان پر زکوٰۃ ہے جیسے انعام (چرنے والے) مولیشی میں زکوٰۃ ہے اسی طرح خیل سائٹم چرنے والے گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ ہے تفصیل کے لیے بخاری شریف اور ہدایہ کی شرح کو دیکھا جائے۔ (۳) ذہب ذہاب سے مشتق ہے جس کے معنی زوال اور فناء کے ہیں اور نفقۃ انفضاض سے مشتق ہے جس کے معنی تفرق اور جدا ہونے کے ہیں ان دونوں لفظوں کا اشتقاق ہی ان کے فناء اور زوال کا خبر دیتا ہے اس لیے آیت کو ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحٰیٰوٰةِ الدُّنْیَا پر ختم فرمایا یعنی یہ ساری چیزیں محض چند روزہ نفع کی ہیں اور کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

والھما اخرھذا الدرھما لھما جاری
مُعَذِّبُ الْقَلْبِ بَیْنَ الْهَمِّ وَالنَّارِ

النَّارُ اٰخِرُ دَیْنَارٍ نُّطَقَتْ بِہِ
وَالْمَرْءُ بَیْنَهُمَا اِنْ كَانَ ذَاوِرَع

قُلْ اَوْنَبِّئُكُمْ بِخَیْرِ مِّنْ ذٰلِکُمْ لِلَّذِیْنَ

تو کہہ، میں بتاؤں تم کو اس سے بہتر؟ پرہیزگاروں کو

اَتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّہُمْ جَنَّتْ تَجْرِیْ مِنْ

اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے بہتی

تَحْتِہَا الْاَنْہَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

ہیں ندیاں، رہ پڑے انہیں میں، اور عورتیں ہیں ستھری،

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝۱۵ الَّذِينَ

اور رضامندی اللہ کی - اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے - وہ جو

يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمَتٌ فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم یقین لائے ہیں، سو بخش ہم کو گناہ ہمارے اور

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ

بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے - وہ محنت اٹھانے والے اور سچے -

وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝۱۷

اور بندگی میں لگے رہتے، اور خرچ کرتے اور گناہ بخشواتے، پچھلی رات کو۔

بیانِ نفاستِ نعماءِ خرویه و مستحقینِ انہا

قُلْ أَوْ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذِكْرِ..... الے..... وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ

(ربط) گزشتہ آیات میں لذاتِ دنیویہ کی حقارت اور خُست کو بیان فرمایا اب ان آیات میں اُخروی نعمتوں کی نفاست کو بیان فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان نفیس اور لازوال نعمتوں کے اہل اور مستحق کون لوگ ہیں۔

نیز گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ دنیا کے سامان سے فقط دنیا کی چند روزہ زندگی میں نفع اٹھایا جاسکتا ہے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مستقل اور پائیدار فائدہ اور دائمی فلاح کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے جو شہوات اور لذات کی محبت میں گرفتار ہیں یہ کہہ دیجئے کہ آؤ! میں تم کو اس چیز کی خبر دوں جو اس متاعِ دنیا اور اس کی تمام شہوات اور لذات سے کہیں بہتر اور برتر ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں اور اپنے آپ کو شہوات اور لذات کی محبت اور پیروی سے بچا کر چلتے ہیں جیسے اہل صفۃ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے حضرات صوفیہ ایسے لوگوں کے لیے اُن کے پروردگار کے نزدیک عجیب و غریب قسم کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ لوگ اُن باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے داخل ہونے کے بعد کبھی بھی ان سے نہیں نکلیں گے اور ان کے لیے ایسی بیبیاں ہوں گی جو ظاہر اور باطن اور صورت و سیرت ہر اعتبار سے صاف

اور ستھری ہوں گی اور ظاہری اور باطنی گندگی سے بالکل پاک ہوں گی اور ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ان کو یہ نعمت ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو رضا مندی اور خوشنودی کا پروانہ عطا ہوگا۔ اور جنت ہی فی الحقیقت اسی وجہ سے مطلوب ہے کہ وہ رضا خداوندی کا محل ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے خاص بندوں پر خاص نظر عنایت ہے۔

نکتہ | اس آیت میں جنت (یعنی باغات) کا ذکر ان تمام شہوات اور خواہشات کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔ جنت کے متعلق ارشاد خداوندی ہے **وَفِيهَا مَا تَشْتَهُيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ** یعنی جنت میں نفس کی تمام خواہش پوری ہوں گی اس آیت میں من النساء کے مقابلہ میں ازواج مطہرات کو ذکر فرمایا کہ جو حسن جمال میں آفتاب اور مہتاب سے بھی بڑھ کر ہوں گی اور حیض و نفاس وغیرہ کی آلائشوں سے بالکل پاک و صاف ہوں گی۔ اور جنت میں بنین یعنی بیٹے اور سب رشتے دار بھی جمع ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ **الْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ وَمَا أَلْتَنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ** رہے قناطر مقلطہ سو جنت کے مکانات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنے ہوئے ہوں گے وہاں ایک اینٹ سونے کی ہوگی اور ایک چاندی کی اور گارہ مشک کا ہوگا اور جنت کے برتن اور اس کا سامان بھی سونے اور چاندی کا ہوگا۔ اور موتیوں کے خیمے ہوں گے اور سواری کے لیے حقیقتہً برق رفتار گھوڑے ہوں گے اور لیل اور پیشاب سے پاک ہوں گے اور جنت میں انعام اور حرث بھی ہوں گے غرض یہ کہ اس آیت میں جنت کا ذکر ان تمام شہوات اور متاع الحیوة اور دنیا کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

خلاصہ کلام | یہ کہ اہل ایمان کو آخرت میں یہ چیزیں ملیں گی۔ (۱) اپنے مالک خداوند کریم کا قرب نصیب ہوگا۔ (۲) رہنے کے لیے باغات ہوں گے۔ (۳) ہر دم ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (۴) ایسی بیویاں ملیں گی جو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے پاک ہوں گی۔ (۵) سب سے اعلیٰ اور عمدہ نعمت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ ان سے راضی ہو جائے گا۔ بھلا کہاں یہ نعمتیں اور لذتیں اور کہاں وہ دنیوی آلائشیں۔

صفات متقین

اور جن عباد متقین کے لیے حق تعالیٰ نے سابق الذکر نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو خاص طور پر یہ دُعا ضرور مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار۔ ہم دل و جان سے ایمان لا چکے ہیں۔ ہمارے پاس اگر ایمان کے سوا کوئی بھی عمل صالح نہ ہو تو تیری بارگاہ میں تنہا ایمان ہی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے پس تو اپنی رحمت سے فقط ایمان ہی کو کافی قرار دے کر ہمارے تمام گناہوں کو بخش

دے اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچالے اور یہ متقی لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں خدا کی راہ میں شہداء اور مصائب کا تحمل کرنے والے ہیں اور شہوات اور خواہشات سے مغلوب ہونے والے نہیں اور سچے اور راست باز ہیں اپنے اقوال اور افعال اور احوال اور نیتوں اور ارادوں سب میں سچے ہیں اور خشوع اور خضوع پر قائم رہنے والے ہیں اور خشوع اور خضوع ہی تمام عبادتوں کی روح ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبودیت پر بالمدام قائم ہیں۔

ف اقنوت کے معنی خشوع اور خضوع کے بھی آتے ہیں اور اطاعت پر قائم و دائم رہنے کے آتے ہیں۔ آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی دولت کو خدا کے حکم کے مطابق خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں اٹھ کر استغفار کرنے والے ہیں یعنی باوجود اس اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے اپنی تفصیلات اور کوتاہیوں سے سحر میں دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ اپنے فضل سے ہم کو معاف فرما۔

ف (۲) اخیر شب کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اخیر شب کی نیند نفس کے لیے غایت درجہ لذیذ ہے ایسے وقت میں اٹھ کر دعا مانگنا شہواتِ نفس کا پورا مقابلہ کرنا ہے جو کمال ایمان کی دلیل ہے۔ نیز یہ وقت دعا کی قبولیت کا بھی ہے اور خدائے ذوالجلال کی بے چون و چگون اور بے مثال نزولِ اجلال کا وقت ہے۔ یہ وقت دعا کے لیے غنیمتِ کبریٰ ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا

اللہ نے گواہی دی، کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے، اور علم

الْعِلْمُ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۸﴾

دالوں نے، وہی حاکم انصاف کا۔ کسی کو بندگی نہیں سوا اُس کے، زبردست حکمت والا۔

رجوع بسوئے مضمون توحید

قال تعالى شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اے هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(ربط) ابتداء سورت میں نصارائے نجران سے خطاب تھا جس میں توحید کا اثبات اور الوہیت مسیحؑ کا ابطال تھا درمیان میں اور مناسب مضامین کا ذکر فرمایا اب پھر اصل مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ جو اصل ایمان ہے کیونکہ توحید کی شہادت ایمان کی اصل الاصول ہے اور توحید ہی پر خدا تعالیٰ کی رضامندی

اور خوشنودی کا دار و مدار ہے گواہی دی اللہ تعالیٰ نے کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام کتابوں اور صحیفوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا اور صحیفہ کائنات کا ایک ایک ورق اس کی توحید کی شہادت دے رہا ہے۔

و فی کل شیء لہ شاهد
ہر گیا ہے کہ از زمین روید
یدل علی انہ واحد
وحدہ لا شریک لہ گوید

اور فرشتوں نے بھی اس کی گواہی دی فرشتوں کی کوئی تسبیح اور تحمید اللہ کی توحید کے ذکر سے خالی نہیں اور علم والوں نے بھی ہر زمانہ میں توحید کی گواہی دی۔ علماء ہمیشہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کرتے رہے اور شرک کو باطل کرتے رہے یہاں تک کہ توحید کا مسئلہ اس درجہ واضح ہو گیا کہ مشرکین بھی اپنے کو مشرک کہنے سے عار کرنے لگے اور وہ معبود بھی اس شان کا ہے کہ ہر تدبیر کو انصاف اور اعتدال کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے اس کی کوئی تدبیر عدل و انصاف سے باہر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے ظلم وہ ہے جو دوسرے کی ملک میں تصرف ہو اللہ تعالیٰ کی ہر تدبیر کا عین عدل اور عین حکمت ہونا یہ بھی اس کی توحید کی ایک مستقل دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کے سوا کوئی لائق بندگی نہیں اس لیے کہ الہ یعنی معبود کے لیے عزت اور حکمت کا ہونا ضروری ہے اور وہی عزت والا ہے اور وہی حکمت والا ہے اسکی عزت اور غلبہ کا یہ عالم ہے کہ کوئی اس کے عدل اور تدبیر کو توڑ نہیں سکتا اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ اس کی کوئی شے مقتضائے حکمت کے خلاف نہیں۔

نکتہ | عجب نہیں کہ لفظ قائماً بالقسط میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کے ابطال کی طرف اشارہ ہو کہ یہ کون سا عدل اور انصاف ہے کہ ساری دنیا کے جرائم تنہا ایک شخص پر لا دیئے جائیں اور پھر اس ایک شخص کو بے قصور پھانسی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ معصوم شخص سارے گنہگاروں کے لیے کفارہ بن جائے۔ خدائے عادل قدوس اس قسم کی گستاخیوں سے پاک اور منزہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ

دین جو ہے اللہ کے ہاں، سو یہی مسلمانی حکم برداری، اور مخالف نہیں ہوئے

أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

کتاب والے، مگر جب اُن کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد سے۔ اور جو

بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعٌ

کوئی منکر ہو اللہ کے حکموں سے، تو اللہ شتاب

الْحِسَابِ ۱۹ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ

لینے والا ہے حساب۔ پھر جو تجھ سے جھگڑیں، تو کہہ، میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے

وَمِنْ أَتَّبَعَنِي وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ

علموں پر، اور جو کوئی میرے ساتھ ہے اور کہہ دے کتاب والوں کو، اور

ءَاسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا

ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع ہوتے ہو؟ پھر اگر تابع ہوئے تو راہ پر آئے۔ اور اگر ہٹ رہے، تو

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۖ وَاللَّهُ بِصِيرِ الْعِبَادِ ۚ ۲۰

تیرا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا۔ اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے۔

بیان حقانیت اسلام و جواب مجادلہ مخالفین اسلام

قال تعالى إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ..... إلخ.... وَاللَّهُ بِصِيرِ الْعِبَادِ ۚ

(ربط) گزشتہ آیت میں توحید کی شہادت کو ذکر فرمایا جو اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین، صرف دین اسلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق وہ دین کہ جو اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے وہ صرف اسلام ہے۔ نہ کہ یہودیت اور نصرانیت۔ اس لیے کہ اسلام کے معنی اپنے آپ کو ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینے کے ہیں اور مسلم اور مسلمان اس بندہ کو کہتے ہیں جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہو اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دی ہو اور بالفاظ دیگر اسلام نام اطاعت اور فرمانبرداری کا ہے اور مسلم اس بندہ کا نام ہے کہ جو خدائے واحد کا فرمانبردار اور اطاعت شعار ہو شروع سے لے کر اخیر تک تمام انبیاء کرام کا یہی دین رہا ہے کہ ایک خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے پس جو لوگ حضرت مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مسیح اور مریم کی تصویروں کو پوجتے ہیں یا جو بے وقوف درختوں اور پتھروں اور چاند اور سورج اور ستاروں کو پوجتے ہیں اُن کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں توحید اور اخلاص و اطاعت کے لحاظ سے تمام انبیاء اور تمام ادیان سماویہ متفق رہے۔ کما قال تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

فَاعْبُدُونِ غرض یہ کہ اسلام اور توحید ایک واضح اور مسلم حقیقت تھی اس میں ذرہ برابر اختلاف کی گنجائش نہ تھی مگر شہوات اور لذات کی محبت نے خود غرضوں اور شہوت پرستوں کو اختلاف پر آمادہ کیا کوئی حضرت مسیحؑ کی الوہیت کا قائل ہوا اور کوئی ان کی ابنیت اور فرزندیت کا قائل ہوا اور کوئی حلول کا قائل ہوا کہ معاذ اللہ خداوند قدوس حضرت مسیحؑ میں حلول کر آیا ہے اور کوئی اتحاد کا قائل ہوا کہ خدا تعالیٰ اور مسیح بن مریمؑ ایک ہیں اور اہل کتاب نے اس بارہ میں لاعلمی کی بناء پر اختلاف نہیں کیا مگر صحیح علم آنے کے بعد جان بوجھ کر اختلاف کیا اہل کتاب کو اس بات کا خوب علم تھا کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے کیونکہ توریت اور انجیل میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان فرمایا ہے اور یہ ان کا اختلاف اشتباہ اور خفا کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض باہمی حسد اور آپس کی ضد سے تھا۔ ابن جریرؒ نے محمد بن جعفرؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کو کسی نے نہیں جانا اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندہ اور رسول ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جو اختلاف ہوا وہ یہودیوں کی عداوت کی بنا پر ہوا۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت سے انکار کیا اور حضرت مریمؑ پر تہمت لگائی اس لیے نصاریٰ ضد میں حضرت عیسیٰؑ کی ابنیت کے قائل ہو گئے کہ معاذ اللہ یہ خدا کے بیٹے ہیں اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں اختلاف سے اسلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اختلاف کرنا مراد ہے اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار یا اللہ کے حکموں سے انحراف کرے اور اسلام اور توحید کو نہ مانے تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے ان لوگوں سے اس اختلاف پر محاسبہ کرے گا اور سزا دے گا پس جب کہ دلائل اور براہین سے اسلام کی حقانیت واضح ہو گئی اس کے بعد بھی اگر اہل کتاب آپسے کٹ جھگڑتی اور مناصمہ کریں اور اس صریح اور واضح امر میں آپسے جھگڑیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے اور میرے متبعین نے تو اپنا چہرہ خالص اللہ کے سامنے جھکا دیا ہے اور اسلام اور توحید کی راہ اختیار کر لی ہے یعنی میں نے اور میرے متبعین نے تو انبیاء کرام کا دین اختیار کر لیا ہے پس اگر تم تمام انبیاء کرام کی تعلیم کے برخلاف کسی کو خدا اور خدا کا بیٹا بناتے ہو تو بناؤ میں اور میرے متبعین اس سے بری ہیں اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جن کو کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ سے اور ان پڑھوں سے یعنی مشرکین عرب سے بھی جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ان سب سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا تم بھی ہماری طرح اسلام میں داخل ہوتے ہو یا نہیں پس اگر یہ لوگ تمہاری طرح اسلام لے آئیں تو وہ تمہاری طرح ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر تمہاری طرح اسلام لانے سے منہ موڑیں اور الوہیت اور ابنیت مسیح کے عقیدہ پر اڑے رہیں تو آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ آپ کے ذمہ فقط حق کا پہنچا دینا اور دلائل اور براہین سے واضح کر دینا ہے سو وہ آپ کو چکے اور اللہ کی نگاہ میں ہیں تمام بند ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

ف جو شخص دلائل اور براہین کو نہ مانے اور صریح عناد پر اُتر آئے تو ایسے شخص کے سامنے بحث کرنا فضول ہے۔ اور ناحق اپنے وقت کا ضائع کرنا ہے اس لیے اتمام حجت کے لیے یہ بات کہہ کر کلام ختم کر دینا مناسب ہے کہ ہم تو خالص اللہ کے فرمانبردار بندے بن چکے ہیں اب تم اپنی جانو۔ ہم کسی پر زبردستی نہیں کرتے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ

جو لوگ منکر ہیں اللہ کی آیتوں سے، اور مار ڈالتے ہیں نبیوں

بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ

کو ناحق اور مار ڈالتے ہیں جو کوئی کہے انصاف کو

مِنَ النَّاسِ ۚ فَبَشِّرْهُمْ بَعْدَآبِ أَلِيمٍ ۝۲۱ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

لوگوں میں سے، سوان کو خوشخبری سناؤ دکھ والی مار کی۔ وہی ہیں جن کی

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

محنت ضائع ہوئی، دنیا میں اور آخرت میں، اور کوئی نہیں ان کا

نَصِيرِينَ ۝۲۲ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنْ

مددگار۔ تو نے نہ دیکھے، وہ لوگ جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ

الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کتاب کا اُن کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب پر، کہ ان میں حکم کرے، پھر ہٹ

يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝۲۳ ذَٰلِكَ

رہتے ہیں بعض ان میں تفاضل کر کے۔ یہ اس واسطے

بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن تَمْسَسَنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ

کہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ، مگر کئی دن گنتی کے۔

وَاغْرَهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ

اور بھکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی باتوں پر ۔ پھر کیسا ہوگا؟

إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَوُفِّيَتْ كُلُّ

جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن، جس میں شبہ نہیں۔ اور پورا پادے گا ہر

نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

کوئی اپنا کسب، اور ان کا حق نہ رہے گا۔

ذکر بعض احوال شنیعہ یہود بے بہود

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ اے وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ
 شروع سورت میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اور گزشتہ آیات میں اہل کتاب
 کے عنوان سے یہود اور نصاریٰ دونوں کو خطاب تھا اب ان آیات میں خاص یہود کے بعض افعال
 شنیعہ کو بیان فرماتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی امت کے علماء کو قتل کرنا یہود کا خاص شیوہ ہے قرآن کریم
 کی متعدد آیات میں یہود کا قاتل انبیاء ہونا بیان ہوا ہے اس لیے اس آیت سے خصوصیت کے
 ساتھ یہود کو خطاب شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے
 ہیں اور انبیاء کو دیدہ و دانستہ جان بوجھ کر ناحق قتل کرتے ہیں یعنی خود بھی جانتے ہیں کہ ہمارا یہ فعل
 سراسر ناحق ہے مگر حق کی عدوات اور دنیا کی محبت میں اتنے اندھے بنے کہ جو برگزیدہ صفات حضرت
 حق اور ہدایت کو لے کر آتے تھے ان کو قتل کرنے لگے اور انبیاء کے بعد ان کی امت کے علماء اور صلی
 کو بھی قتل کرتے ہیں جو ان کو عدل اور انصاف اور حکمت کی باتوں کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ آج کل یہود
 آپ کے قتل کے درپے ہیں اور آپ کے صحابہ کے قتل سے ان کو دریغ نہیں یہی ان کے اسلاف کا طریقہ
 تھا جس پر یہ گامزن ہیں۔ سو ایسے قسبی القلب لوگوں کو آپ دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے یہی
 وہ گروہ ہے جس کے اعمال حسنہ دنیا اور آخرت میں ضائع اور بے کار گئے یعنی دونوں جہان کی کامیابی سے
 محروم ہوئے اور دنیا اور آخرت کی ذلتیں سرپڑیں اور کوئی ان کا مددگار نہیں کہ ان کے اعمال کو ضبط
 ہونے سے بچائے اور دنیا اور آخرت کی کسی ذلت اور مصیبت کو ان سے دفع کر سکے۔

فوائد

- ۱۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ عذاب اُس شخص کو ہوگا جس نے خدا کے کسی نبی کو قتل کیا یا اُس شخص کو قتل کیا جس نے اچھی بات کا حکم کیا اور بری بات سے منع کیا اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْفِرُوْنَ سَے وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ تک اور یہ ارشاد فرمایا اے ابو عبیدہ۔ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تینتالیس نبیوں کو ایک گھڑی میں قتل کیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے ایک سوستر عابد و زاہد اور صوفی لوگ کھڑے ہوئے اور ان ناہنجاروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ بنی اسرائیل نے اخیر دن میں ان تمام نصیحت کرنے والوں کو بھی قتل کر دیا (اخر ص ۱۰۰ ج ۱)۔
- ۲۔ علماء چونکہ انبیاء کے وارث ہیں اور ان کا مرتبہ انبیاء کے بعد ہے اس لیے علماء کے قتل کا جرم انبیاء کے قتل کے بعد دوسرے درجہ میں ہے۔
- ۳۔ آیت میں انبیاء اور علماء کے قاتلین کی دو سزائیں ذکر کی گئیں ایک جط اعمال دوسرے وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ انبیاء کرام چونکہ منبع ہدایت تھے اس لیے اُن کے قتل پر جط اعمال کی سزا ملی۔ اور علماء چونکہ انبیاء کرام کے اُغوان اور انصار اور معین و مددگار تھے اس لیے علماء کے قتل کی سزائیں وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ فرمایا یعنی ان کو خدا کی سزا سے کوئی بچانے والا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔

استعجاب بر اعراض اہل کتاب

گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت کو دلائل اور براہین سے واضح فرمایا اور اہل کتاب کو خاص طور پر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی گئی مگر ان لوگوں نے اعراض کیا اب آئندہ آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کا اسلام سے اعراض کرنا نہایت عجیب ہے کہ تو ریت اور انجیل کے عالم ہیں اور نبی کریم کی بشارت اور صفت جو تو ریت اور انجیل میں مذکور ہے اس سے واقف ہیں مگر پھر بھی اعراض کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیت المدراس (یہودیوں کے مدرسہ میں) تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اُن کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ نعیم بن عمرو اور

حارث بن زید نے کہا کہ آپ کا دین کیا ہے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ابراہیم کا دین تھا انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم تو خود دین یہود پر تھے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر یہ سچ ہے تو توریت لے آؤ اور اس میں دکھلا دو، یہ مضمون کس جگہ لکھا ہے کہ ابراہیم دین یہود پر تھے ان دونوں شخصوں نے توریت لانے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَكْفُرْتُمْنِي اُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا نصیباً من الکتاب یذعون الی کتاب اللہ الخ یعنی اے نبی کریم کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جن کو توریت کے علم کا ایک کافی حصہ دیا گیا جس سے حق اور باطل کا فرق ان پر واضح ہو سکے مگر تعجب ہے کہ ان لوگوں کو اسی اللہ کی کتاب (توریت) کی طرف بلایا جاتا ہے جس کے یہ حامل اور عالم ہیں اور اس پر ایمان کے مدعی ہیں تاکہ یہ توریت اُن کے درمیان فیصلہ کر دے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا نہیں اور جو ان کا مقدمہ زنا حضور پر نور کے سامنے پیش ہوا ہے توریت اس کا بھی فیصلہ کر دے کہ توریت میں رجم کا حکم مذکور ہے یا نہیں پس یہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور فصل خصوصیات کے لیے نازل ہوئی ہے مگر باوجود اس اقرار کے پھر بھی ان کا ایک فریق اس سے اعراض اور روگردانی کرتا ہے اور یہ لوگ اس وقتی اور عارضی اعراض پر اقتصار نہیں کرتے کہ اس وقت سے پہلے توریت کے احکام پر عمل کرتے رہے ہوں اور فقط اسی ایک موقع پر اعراض اور روگردانی کر بیٹھے ہوں۔ بلکہ یہ لوگ ہر حال میں اعراض کرنے والے ہیں یعنی اعراض ان کی لازمی صفت اور دائمی عادت ہے۔

فَیَتَوَلَّوْا فَرِیقٌ مِّنْهُمْ میں تولے سے بالفعل اور وقتی طور پر اعراض کرنا مراد ہے۔ اور **وَهُمْ مُّعْرِضُونَ** سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اعراض اُن کا دائمی اور لازمی وصف تھا۔ اس لیے کہ جملہ اسمیہ ثبات اور دوام کے بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے **فَیَتَوَلَّوْا فَرِیقٌ مِّنْهُمْ** کے بعد **وَهُمْ مُّعْرِضُونَ** کا ذکر غایت درجہ بلیغ اور لذیذ ہو گا اور ان کے اس اعراض اور انحراف کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم کو آگ ہرگز نہ لگے گی مگر چند گنتی کے روز یعنی چالیس دن کی مقدار کہ جس میں ان کے بڑوں نے گو سالہ کی پرستش کی تھی فقط اتنی مقدار عذاب ہو گا اور پھر مغفرت ہو جائے گی اور عذاب سے نجات مل جائے گی۔ اسی فاسد اعتقاد کی بناء پر یہ لوگ ایمان اور عمل کا اہتمام نہیں کرتے اگر خدا کے عذاب کو دائمی سمجھتے تو پھر اس کے مطابق اہتمام کرتے چند روزہ سمجھ کر پرواہ نہیں کرتے۔

علامہ اور بعض علمائے تفسیر نے اس جگہ کتاب اللہ سے قرآن کریم مراد لیا ہے کہ ان کو قرآن کریم کی طرف دعوت دی جاتی جو توریت اور انجیل کی بشارات کے موافق آیا ہے اور تمہارے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے پس ان میں علماء کا ایک فریق اعراض کرتا ہے حالانکہ قرآن کی طرف دعوت دینا درحقیقت توریت اور انجیل کی طرف دعوت دینا ہے اور قرآن پر ایمان لانا توریت و انجیل پر ایمان لانا ہے مگر محققین نے اس جگہ کتاب اللہ سے توریت مراد لی ہے اس لیے ہم نے تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا۔

حضرات انبیاء کے انتساب پر اعتماد کیے ہوئے ہیں اور اپنی نجات کا اعتقاد کیے ہوئے ہیں اس لیے آخرت کی عقوبت کو سہل اور خفیف سمجھتے ہیں اور ایمان اور عمل صالح کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ تمام انبیاء کرامؑ اس بات کو بیان کرتے چلے آئے کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ پر ہے۔ بدوین ایمان کے انتساب کچھ کام نہیں آئے گا اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کو دین کے بارہ میں ان اعتقادات اور خیالات نے جو یہ اپنی طرف سے بنائے رہتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں اور اس کے نبیوں کی اولاد ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کی اولاد کو عذاب نہ دے گا مگر برائے نام اور نصاریٰ نے کفارہ کا مسئلہ نکال رکھا ہے کہ سارے عالم کے گناہوں کا حساب ایک اکلوتے بیٹے کے صلیب پر چڑھ جانے سے بیکار ہو گیا پس یہ لوگ اپنی ان افتراء پر دازیوں پر آج دنیا میں اپنا دل خوش کر لیتے ہیں مگر یہ تو سوچیں کہ اس وقت ان کا کیا حال ہو گا کہ جب ہم سب کو حساب و کتاب کے لیے ایک دن جمع کریں گے جس کے بارہ میں ذرہ برابر کوئی شک و شبہ نہیں اور وہ دن ایسا ہو گا کہ ہر نفس کو اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا جو اس نے دنیا میں کمایا تھا اور ذرہ برابر ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا کہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ ان کو سزا دے دی جائے یا ان کی کوئی حق تلفی ہو جائے یعنی نیکیوں کا بدلہ نہ دیا جائے یا کم دیا جائے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ

تو کہہ ، یا اللہ مالک سلطنت کے ! تو سلطنت دیوے جس کو چاہے ، اور

تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ

سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے ، اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل

مَنْ تَشَاءُ طِبِّدُكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

کرے جس کو چاہے ، تیرے ہاتھ سب خوبی ، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

قَدِيرٌ ۚ تَوَجَّهْ إِلَيْكَ فِي النَّهَارِ وَتَوَجَّهْ إِلَيْكَ فِي

تو لے آوے رات کو دن میں اور تو لے آوے دن کو

الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

رات میں، اور تو نکالے جیتا مردے سے اور تو نکالے مردہ

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۷

جیتے سے ، اور تو رزق دیوے جس کو چاہے بے شمار ۔

بَشَارَتِ غَلَبَةِ مُؤْمِنِينَ بِرَأْعَادِ بَعْنَوانِ مُنَاجَاتِ دُعَا

قال تعالى قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(ربط، کفار۔ دنیا۔ اور سامان دنیا پر مغرور تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب اور احباب کو فقر و فاقہ کی وجہ سے بنظر حقارت دیکھتے تھے اس آیت میں اسی کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ سلطنت اور دولت کا عروج اور نزول اور عزت اور ذلت سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ اس طرح دعا مانگو ہم تم کو بے مثال سلطنت عطا کریں گے جس کو یہ مذاق اڑانے والے بھی دیکھ کر حیران اور دنگ رہ جائیں گے گویا کہ یہ دعا ایک طرح کی پیشین گوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کلیا پلٹ ہونے والی ہے اور یہ بے سر و سامان مسلمان قوم عزتوں اور سلطنتوں کی مالک بنے گی اور جو بادشاہت کر رہے ہیں وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ذلت کے گڑھے میں گر آئیں گے اور یہ مادی سلطنت کیا چیز ہے جس خداوند ذوالجلال نے نبوت رسالت کے منصب جلیل کو بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دیا تو اسے روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے۔

شانِ نزول

غزوہ احزاب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صحابہ کو خندق میں کھودنے کا حکم دیا ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کھودنے کے لیے مقرر کیا صحابہ نے خندق کھودنا شروع کیا اس درمیان میں ایک بڑی چٹان نمودار ہوئی جس پر کدال کچھ کام نہ کرتا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ اس جگہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور سلمان رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر اس چٹان پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ چٹان شق ہوئی اور اس سے ایک ایسی روشنی نمودار ہوئی جس سے تمام مدینہ روشن ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندھیرے میں چراغ روشن ہو گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر پڑھی یعنی اللہ اکبر کہا اور صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کہا پھر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں حیرہ کے محلات دکھائے گئے پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اس سے بھی ایک روشنی نمودار ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں روم کے سرخ محلات دکھائے گئے یہ کہہ کر آپ نے پھر تیسری بار کدال ماری جس سے پھر ویسی ہی روشنی نمودار ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں صنعاء (جو ملک یمن کا دارالسلطنت ہے) کے محلات دکھائے گئے اور مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ عنقریب ان سب ممالک پر میری امت کا تسلط اور غلبہ ہوگا جب کافروں اور منافقوں نے یہ سنا تو کہنے لگے اے مسلمانو تمہارا نبی بھی خوب ہے کیسی عجیب باتیں کرتا ہے یرش سے اس کو مدائن اور حیرہ کی عمارتیں نظر آتی ہیں اور خوف کا حال یہ ہے کہ ایک معمولی دشمن کے ڈر سے تم سے خدقین کھدوا رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار ناہنجاہ کے تمسخر اور استہزاء کی طرف ذرہ برابر التفات نہ کریں یوں کہو۔ یعنی اس طرح ہم سے دعا مانگو ہم آپ کے غلاموں اور خادموں کو سلطنت عطا کریں گے۔ اس طرح دعا مانگو اے اللہ مالک بادشاہی اور سلطنت کے ہم کو بادشاہی اور عزت عطا فرما تاکہ کوئی کافر تیرے دین اور تیرے نام لیواؤں کو ذلیل نہ کر سکے اور شان و شوکت کے ساتھ تیرے دین کے احکام جاری ہوں ہم اگرچہ قلیل اور ظاہر میں ذلیل ہیں مگر آپ کو سب کچھ قدرت ہے اس لیے کہ آپ مالک مطلق اور قادر مطلق ہیں جس کو چاہیں بادشاہی اور سلطنت عطا فرمائیں اور جس سے چاہیں سلطنت چھین لیں تیرے ہاتھ میں ہے ہر بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر قادر ہیں اور عزت کو ذلت سے اور ذلت کو عزت سے بدلنا ایسا ہی آپ کی قدرت میں ہے جیسا کہ نور کو ظلمت سے اور ظلمت کو نور سے بدلنا آپ کی قدرت میں ہے اس لیے کہ آپ کو یہ قدرت ہے کہ رات کے ایک حصہ کو دن میں داخل کر دیتے ہیں جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور کسی فصل میں دن کے کسی حصہ کو رات میں داخل کر دیتے ہیں جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے مثلاً کسی موسم میں رات چودہ گھنٹے کی ہوتی ہے اور دن دس گھنٹہ کا پھر چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیئے جاتے ہیں جس دن چودہ گھنٹے کا ہو جاتا ہے اور رات دس گھنٹہ کی رہ جاتی ہے اور تو ہی نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور تو ہی نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے جیسے بیضہ سے چوزہ اور چوزہ سے بیچہ اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم اور مؤمن سے کافر اور کافر سے مؤمن اور تو ہی روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار یہ آپ کی قدرت کاملہ اور جو دو کرم کے چند نمونے ہیں اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو ایمان اور تقویٰ کے نور سے منور فرما اور ہم کو حکومت و سلطنت عطا فرما تاکہ تیرے اتارے ہوئے دستور اور قانون کو شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں جاری کر سکیں۔

فوائد

۱۔ طبرانی کی معجم صغیر میں ہے کہ ایک جموعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو نماز میں

نہ دیکھا تو خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا اے معاذ کیا بات ہے آج میں نے تم کو نہیں دیکھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک ادقیہ (چالیس درہم) قرض تھا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے نکلا راستہ میں اس یہودی نے مجھ کو روک لیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے معاذ کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا کر دے وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تَوْفِي الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِسُودِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تَوْبِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوْبِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ رَحْمَنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمُهُمَا تُعْطِي مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَاءُ اِرْحَمْنِي رَحْمَةً تَغْنِيْنِيْ بِهَا عَنْ رَّحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ وَتَوَفَّنِيْ فِيْ عِبَادَتِكَ وَجِهَادِيْ فِيْ سَبِيلِكَ (تفسیر قرطبی ص ۵۲ ج ۱ و درمنثور و شرح حصن حصین ص ۲۹)

۲۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس آیت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس پر مداوت کرے اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے سبکدوش فرماتا ہے۔

۳۔ بعض بزرگوں نے یہ تخصیص بھی کی ہے کہ ہر نماز کے بعد سات سات بار پڑھے اور بزرگوں نے اس عمل کو مجرب لکھا ہے۔

۴۔ معجم طبرانی میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم جس کے ذریعہ سے دعا قبول ہوتی ہے وہ آل عمران کی اس آیت میں ہے اَللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تَوْفِي الْمُلْكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِسُودِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ ج ۲)

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ

نہ پکڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ

الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ

کر اور جو کوئی یہ کام کرے، وہ اللہ کا کوئی نہیں،

فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتَ ۚ وَيُحَذِّرُكُمْ

مگر یہ کہ تم پکڑا چاہو ان سے بچاؤ - اور اللہ

اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ تَخَفُوا

تم کو ڈراتا ہے آپ سے۔ اور اللہ ہی تک پہنچنا ہے : تو کہہ، اگر تم بھپاؤ

مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمَهُ اللَّهُ ۖ وَيَعْلَمُ

گئے اپنے جی کی بات، یا ظاہر کر دے گے، وہ اللہ کو معلوم ہے اور اسکو معلوم ہے

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ

جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔ اور اللہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

پر قادر ہے۔ جس دن پاوے گا ہر شخص جو کی ہے نیکی

مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ

رد برد۔ اور جو کی ہے برائی۔ آرزو کرے گا

أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۖ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ

کہ مجھ میں اور اس میں فرق پڑ جائے دور کا۔ اور اللہ ڈراتا ہے تم کو

نَفْسَهُ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

آپ سے۔ اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر۔

ممانعتِ دوستان از دوستی دشمنان

قال تعالى لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ اے وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا گیا کہ عزت اور ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں یعنی اہل اسلام کو حکم دیتا ہے کہ تم مسلمانوں کو چھوڑ کر دشمنان خدا کی موالات اور دوستی کی طرف کوئی قدم نہ اٹھانا اور کافروں کی ظاہری اور وقتی شان و شوکت کو دیکھ کر

یہ گمان نہ کرنا کہ شاید ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے کوئی دنیوی عزت ووجاہت مل جائے گی۔ حاشا وکلا۔ اَيُّتَتَّخُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا۔ کافروں کے پاس جو عزت نظر آتی ہے وہ حقیقی عزت نہیں محض صورت ہے حقیقی عزت اللہ کے پاس سے ملتی ہے البتہ اگر کسی وقت بحالت مجبوری دشمنوں کے شر اور فساد سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر ان کی موافقت کر لو تو اس کی مانعت نہیں۔ تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے اس قسم کی ظاہرداری بشرط ضرورت اور بقدر حاجت موالات کے حکم سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ یہ موالات کی حقیقت نہیں بلکہ محض صورت ہے۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حجاج بن عمرو اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زبید اس قسم کے چند یہودی چند انصار سے کچھ خلا ملا رکھتے تھے تاکہ موقع پا کر ان کو دین اسلام سے برگشتہ کر دیں (اکثر مسلمانوں کو ان کی اس بدیتی کا حال معلوم نہ تھا مگر جو صاحب نظر تھے وہ پہچان گئے کہ یہود کا کیا مقصد ہے) چنانچہ رفاعہ بن منذرؓ اور عبداللہ بن جبیرؓ اور سعد بن خیشمہؓ نے ان مسلمانوں سے کہا کہ تم یہود کی اس جماعت سے بچتے رہنا کہیں تم کو دین سے برگشتہ نہ کر دیں ان انصاریوں نے ان کی اس بات کو نہ مانا اس پر یہ آیت نازل ہوئی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کافروں کو دوست نہ بنائیں مسلمان کو چھوڑ کر یعنی سوائے مسلمانوں کے کسی کو ظاہراً اور باطناً دوست نہ بنائیں اس لیے کہ ایمان نور ہدایت ہے اور کفر ظلمت و ضلالت ہے اور نور اور ظلمت اور ہدایت اور ضلالت اور حق اور باطل میں دوستی ممکن نہیں اجتماع ضدین۔ عقلاً و نقلاً محال ہے اور جو کوئی یہ کام کرے یعنی کافروں کو دوست بنائے تو ایسے شخص کو اللہ سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ کافر اللہ کے دشمن ہیں اور دشمن کا دوست بھی دشمن ہی ہوتا ہے اور مومن اللہ کے دوست ہیں۔ پس مومن رہتے ہوئے کافر کے ساتھ دوستی رکھنا ممکن نہیں۔ مگر ایک صورت میں محض تدبیر اور انتظام کے درجہ میں کافروں سے ظاہری دوستی کی اجازت ہے۔ وہ یہ کہ تم کافروں کے شر سے بچنا چاہو کسی خاص سچاؤ کے ذریعہ سے یعنی محض اُن کے شر اور ضرر سے بچنے کے لیے حفاظتی تدبیر کے درجہ میں اُن سے فقط بقدر ضرورت محض ظاہری تعلق پیدا کرنا جائز ہے۔ باقی ولی تعلق اور قلبی محبت کسی حال میں بھی جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس سلسلہ میں کسی معصیت کا مرتکب ہونا پڑے یا مسلمانوں کی جاسوسی کرنی پڑے اور مسلمانوں کے راز اور خبریں کافروں کو دینے لگے۔ فقط دفع شر اور دفع ضرر کیلئے بقدر ضرورت قواعد شریعت کے ماتحت کافروں سے فقط اپنی حفاظت اور سچاؤ کے لیے تعلق رکھنے کی اجازت ہے باقی کافروں سے ایسا تعلق جو مسلمانوں کے لیے یا مسلمانوں کی حکومت کے لیے مضر ہو یہ کسی

طرح اور کسی حالت میں جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی اپنے ذاتی جلال اور قہر سے ڈراتا ہے کہ جو کافروں سے دوستی کرنے پر مرتب ہوگا اشارہ اس طرف ہے کہ کافروں کی دوستی پر خدائے قہار کا جو قہر مرتب ہوتا ہے وہ قہر ذاتی ہے قہر فعلی نہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ تم کافروں کی محبت خواہ اپنے سینوں میں چھپاؤ یا اُسے اپنے کسی قول یا فعل سے ظاہر کرو تو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اس لیے کہ اس کے سامنے ظاہر اور باطن سینہ اور زبان سب برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یعنی اُس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے علم کی طرح اس کی قدرت بھی محیط ہے لہذا تم کو چاہیے کہ اس علیم و قدیر کے دوستوں سے دوستی کرو اور اس کے دشمنوں کی دوستی سے ظاہر و باطن میں احتیاط رکھو اور اس دن کے حساب و کتاب سے ڈرو کہ جس دن ہر نفس اپنے اعمال نیک و بد کو اپنی اصلی شکلوں میں حاضر کیا ہوا پائے گا اس وقت جب کہ اعمال اپنی اصلی شکلوں میں نمودار ہوں گے اس وقت اُن اعمال کا حسن و قبح نظروں کے سامنے آجائے گا اور اس وقت یہ تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور میرے بُرے اعمال کے درمیان ایک طویل اور در دراز مسافت حائل ہوتی اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنے قہر اور جلال سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بڑا مہربان ہے کہ ان کو پہلے ہی بتلادیا کہ دنیا میں کن سے دوستی جائز ہے اور کن سے دوستی ناجائز ہے۔

فوائد

۱۔ کافروں سے موالاة یعنی محبت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو دینی حیثیت سے محبوب رکھا جائے یہ قطعاً کفر ہے دوسری صورت یہ ہے کہ دل سے اُن کے مذہب اور دین کو بُرا سمجھے مگر معاملات دنیویہ میں اُن سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش آئے یہ بالاجماع جائز بلکہ ایک درجہ میں مستحسن ہے۔ تیسری صورت ان دونوں صورتوں کے بین بین ہے وہ یہ کہ دل سے تو ان کے مذہب کو بُرا سمجھے مگر کسی قرابت یا دوستی یا دنیوی غرض کی وجہ سے اُن سے دوستانہ تعلقات رکھے اور ان کی اعانت اور امداد کرے یا کسی وقت مسلمانوں کی جاسوسی کرے۔ یہ صورت کفر تو نہیں مگر سخت گناہ ہے حاطب ابن ابی بلتعہ کے قصہ میں یہی صورت پیش آئی کہ انہوں نے اپنی قرابت کی وجہ سے کفار کی مدد کی اور اُن کے ساتھ ایک قسم کا سلوک اور احسان کیا سورۃ ممتحنہ کا نزول اسی قسم کی موالات کی ممانعت کے لیے ہوا ہے (تفسیر کبیر)

۲۔ کافروں کی سی وضع قطع اختیار کرنا یہ علامت ہے کہ اس شخص کو کافروں کی وضع پسند ہے اور اسلام کی وضع اس کو ناپسند ہے اس لیے کہ تمام عقلاء کے نزدیک ظاہری حرکات و سکنات۔ قلبی

کیفیات کی ترجمان ہوتی ہیں۔

۳۔ ثقۃ سے آیت میں۔ کافروں اور دشمنوں کے شر سے بچنے کی تدبیر مراد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ باقی رہا شیعوں کا تقیہ سو آیت قرآنیہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ

تو کہہ، اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی، تو میری راہ چلو کہ اللہ تم

اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۱

کو چاہے، اور بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ

تو کہہ، حکم مانو اللہ کا اور رسول کا، پھر اگر وہ ہٹ رہیں تو اللہ

لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝۳۲

نہیں چاہتا منکروں کو۔

آغاز مضمون رسالت

وبیان آنکہ معیار محبت خداوندی اتباع رسول است

قال تعالیٰ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي الے فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝
(ربط) ۱۔ گزشتہ آیات میں یہود اور نصاریٰ سے موالات کا حکم مذکور تھا اب ان آیات میں یہود اور نصاریٰ کے اس قول کی طرف تعریف ہے کہ جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں۔
نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُهُ ان آیات میں حق جل شانہ نے ان کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا کہ تم اللہ کی محبت اور دوستی کے دعوے دار ہو تو ہمارے نبی کا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست رکھے گا یعنی اگر تم ہمارے نبی کا اتباع کرو گے تو اس کا صلہ یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو مجتہدین کے درجہ سے مجتہدین

کے درجہ تک پہنچا دے گا اور اس طرح تم محب سے محبوب بن جاؤ گے اور طالب سے مطلوب ہو جاؤ گے۔
۲۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں دشمنانِ خدا سے موالات اور محبت کی ممانعت کا ذکر تھا اب اس آیت میں انبیاء و رسل کی محبت اور متابعت کا ذکر ہے اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی۔ عزتِ حضراتِ انبیاء و کرامؑ کی اتباع میں ہے۔

عزیز یکہ از درگہش سربافت
بہر در کہ شد پیچ عزت نیافت

۳۔ یایوں کہو کہ شروعِ سورت سے اب تک توحید کا بیان تھا اب یہاں سے نبوت و رسالت کا بیان شروع ہوتا ہے سب سے پہلے پیغمبرِ آخر الزمانؑ کی اطاعت کا ذکر فرمایا اور پھر اس کے بعد والی آیتوں میں (یعنی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَ نُوحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَّ اٰلَ عِمرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۱۶) میں ان مقبول اور محبوب اور پسندیدہ اور برگزیدہ ہستیوں کا ذکر فرمایا کہ جن کی اطاعت اور متابعت اپنے اپنے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی محبت کا معیار رہی اور اب نبیِ آخر الزمانؑ کی نبوت و رسالت کا دور دورہ ہے جو بلاشبہ خداوندِ ذوالجلال کے حبیب اور خلیل ہیں لہذا اب جو شخص اللہ کی محبت اور دوستی کا دعویٰ کرے تو اس کا معیار یہ ہے کہ وہ حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے چون و چرا اتباع کرے ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا اور تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا جس درجہ ہمارے نبیؐ کا اتباع کر دے اسی درجہ خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔
۴۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں خدا کے دشمنوں سے محبت کی ممانعت تھی اب اس آیت میں خدا تعالیٰ کے بزرگ ترین حبیب اور خلیل کی محبت اور متابعت کا حکم ہے۔

۵۔ یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں تحویف اور تہدید تھی تاکہ معصیت پر جری اور دلیر نہ ہو جائیں اور اس آیت میں تبشیر اور تسلی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں چنانچہ فرماتے ہیں۔
اے ہمارے نبیؐ آپ لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے زعم میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو یعنی میری راہ پر چلو کیونکہ محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی اور خوشی کی تلاش ہو اور جن چیزوں سے محبوب کو نفرت ہے ان سے محب بھی نفرت کرے اور یہ بات آپ کے اتباع اور پیروی ہی سے ممکن ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا پتہ عقل سے نہیں چلتا بلکہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کے ذریعہ سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے اور حضراتِ انبیاء و رسل ہی کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات و صفات کی صحیح معرفت اور اس کے ادا امر اور نواہی کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے اور محب اپنے محبوب کی معرفت اور طریقہ اطاعت کے علم کا حریص اور مشتاق ہوتا ہے تاکہ اس کی محبت کا اہل اور اس کے تقرب کا مستحق ہو سکے پس اگر تم

اللہ کی محبت کے مدعی ہو تو میری راہ پر میرے پیچھے میرے نقش قدم پر چلے آؤ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب اور مقرب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ محض محبت پر مغرور نہ ہو جاؤ بلکہ اس اللہ کی اطاعت کرو جس کی محبت کے تم مدعی ہو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے محبوب کا محبوب بھی محبوب اور واجب اطاعت ہوتا ہے۔ پس اگر یہ لوگ آپ کی اطاعت اور اتباع سے منہ موڑیں اور یہ گمان کریں کہ ہمیں رسول کی اتباع کی ضرورت نہیں تو خوب سمجھ لیں کہ خدا کے فرستادہ اور محبوب کی اطاعت اور اتباع سے اعراض (گمراہی) کرنا کفر ہے اور تحقیق اللہ کا فرد کو محبوب نہیں رکھتا یہود اور نصاریٰ یہ کہتے تھے نَحْنُ ابْنَاءُ اللَّهِ وَاجِبَاءُ ۖ کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ کافر خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ خدا کا محبوب وہی شخص ہو سکتا ہے جو خدا کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون و چرا اطاعت کرے۔

نکتہ | ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ لَا يَجْبِئُهُمْ فرماتے لیکن بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لائے اور یہ فرمایا لَا يُجِبُّ الْكَافِرِينَ تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبی کی اتباع اور اطاعت سے اعراض کفر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ

اللہ نے پسند کیا آدم کو، اور نوح کو، اور ابراہیم کے گھر کو اور

عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ط

عمران کے گھر کو، سارے جہان سے :- کہ اولاد تھے ایک دوسرے کی

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

اور اللہ سنتا جانتا ہے :-

ذِكْرَ اصْطَفَىٰ بَعْضُ بَرَكَزِيدِ كَانِ خَدَوْنِدِرَانَامِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

قال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ الے وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

(رابط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے معیار کا بیان تھا اب اس آیت میں

اللہ تعالیٰ اپنے چند برگزیدہ بندوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی محب اور محبوب تھے تاکہ ان کے حالات اور واقعات سن کر ان کے اتباع اور محبت کا شوق دل میں پیدا ہو اور یہ سمجھ لیں کہ حق تعالیٰ سے تعلق اور محبت بدون ان حضرات کی اتباع اور پیروی کے ناممکن ہے اور ان چند مجبین اور محبوبین خدا کا ذکر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ — صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی تمہید ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ بہر حال مقصود اس تذکرہ سے یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں وصول بدون حضرات انبیاء کرام کے ناممکن اور محال ہے انہی حضرات کے اتباع سے حق تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے جس نے دنیا کو خدا تعالیٰ کی محبت کی تعلیم دی اور اس کا طریقہ بتلایا وہ ہمارے محترم ترین باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو خداوند ذوالجلال کے خلیفہ ہیں اور علم اور معرفت میں فرشتوں سے بڑھ کر ہیں۔ اور سب سے پہلے خدا کے نبی اور رسول مکرم ہیں۔

اور پھر حضرت نوح علیہ السلام اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر آل عمران اور پھر سب سے اخیر میں ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جن کی بے چون و چرا متابعت اور اطاعت محبت خداوندی کا معیار ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا کہ اپنی خلافت کا تاج اُن کے سر پر رکھا اور مسجود ملائک بنایا اور جس نے اُن کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور ان کی ہمسری کا مدعی بنا اس کو ملعون اور مغضوب بنا کر اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا اور اُن کے ایک عرصہ دراز کے بعد خاص طور پر نوح کو برگزیدہ بنایا کہ اُن کی اتباع کرنے والوں کو نجات دی اور ان کی اطاعت اور اتباع سے اعراض کرنے والوں کو کیلیخت غرق کیا اور ابراہیم کی اولاد میں سے بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو دونوں کے لیے برکت کا وعدہ فرمایا اور علی ہذا خاندان عمران میں سے بھی بعض کو برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ وَالْإِمْرَانِ عَلَى الْعَالَمِينَ میں عمران سے کون سے عمران مراد ہیں آیا عمران بن ماثان مراد ہیں جو حضرت مریم کے والد ہیں اور حضرت مسیح کے جد ہیں یا عمران بن یصھر بن قاہث بن لادی مراد ہیں جو حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد ہیں اور آیت کے سیاق اور سابق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں عمران بن ماثان۔ حضرت مریم کے والد مراد ہیں اس لیے کہ ان آیات کا نزول نصاریٰ نجران کے بارہ میں ہوا جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے الوہیت کے قائل تھے بہر حال اس عمران سے اگر حضرت موسیٰ کے والد مراد ہیں تو اولاد عمران سے حضرت موسیٰ اور ہارون مراد ہوں گے اور اگر عمران سے حضرت مریم کے والد مراد ہیں تو آل عمران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوں گے غرض یہ کہ ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ اور پسندیدہ بنایا اور تمام جہانوں میں سے ان کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ در آنجا یکہ یہ جماعت ایک نسل ہیں جو ایک دوسرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک طینت اور ایک خمیر ہیں جو

اصطفاء اور اجتباء کے یکے بعد دیگرے وارث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب اقوال کے خوب سننے والے اور سب ظاہری اور باطنی احوال کے خوب جاننے والے ہیں کہ کون شخص اصطفاء اور برگزیدگی کے لائق ہے اللہ کا اصطفاء علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

فائدہ

اس آیت میں صراحۃً اسمعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں وجہ یہ ہے کہ ان آیتوں کا نزول ان لوگوں کے مقابلہ میں ہوا ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کی نبوت اور برگزیدگی کو مانتے تھے ان پر حجت پورا کرنے کے لیے ان حضرات کا ذکر کیا گیا جن کی محبت کے وہ دعوے دار تھے اس لیے اس الزام اور توبیخ میں اُن افراد کا ذکر نہیں کیا گیا جن کی نبوت و بعثت کے وہ قائل نہ تھے نیز آیت میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں کہ اصطفاء انہی حضرات میں منحصر ہے لہذا اگر حضرت اسمعیلؑ کے اصطفاء کا اس آیت میں ذکر نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں دوسری آیتوں میں ان کا اور دوسرے حضرات انبیاء کا ذکر مفصل آیا ہے جن کا اس آیت میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکتہ اِنَّ اَصْطَفٰی کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آل ابراہیم اور آل عمران مثلاً عیسیٰ علیہ السلام سے جو خوارق اور معجزات ظہور میں آئے وہ اُن کی برگزیدگی اور نبوت کی دلیل ہیں۔ نادانی سے ان کو الوہیت کی دلیل نہ سمجھ جانا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ

جب بولی عورت عمران کی، کہ اے رب! میں نے نذر کیا

لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

تیری، جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد سو تو مجھ سے قبول

مِیْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا

کر۔ تو ہے اصل سُنّا جانتا پھر جب اُس کو جنی،

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

بولی اے رب میں نے یہ لڑکی جنی۔ اور اللہ کو بہتر معلوم

وَضَعْتُ وَلَيْسَ الذَّكْرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا

ہے جو کچھ جینی اور بیٹا نہ ہو جیسے وہ بیٹی اور میں نے اس کا نام

مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُس کو، اور اسکی اولاد کو شیطان مردود

الرَّجِيمِ ۝۳۶ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا

سے ۔۔۔ پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول کرنا اور بڑھایا

نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

اس کو اچھی طرح بڑھانا، اور سپرد کی زکریا کو ۔ جس وقت آتا اُس پاس

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَرِيمُ

زکریا حجرے میں پاتا اُس پاس کچھ کھانا، بولا اے مریم!

أَنِّي لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ط إِنَّا لِلَّهِ

کہاں سے آیا تجھ کو یہ؟ کہنے لگی، یہ اللہ کے پاس سے ۔ اللہ

يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۷

رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس ۔۔۔

قصہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام

قال تعالى اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّي نَذَرْتُ لَكَ اَلْاَلْءَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ه
(رابطہ) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کے چند محب اور محبوب بندوں کا اجمالاً ذکر تھا اب
اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے آل عمران کا قصہ ذکر فرمایا جس سے مقصود
یہ ہے کہ اہل کتاب کے دو بڑے گروہ یہود اور نصاریٰ دونوں کے خیالات اور منزعواتِ فاسدہ کا

اور ان کی افترا پر دازیوں کا فیصلہ کر دیا جائے۔ یہود بے بہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں غایت درجہ تفریط کی اُن کو اُن کی شان عالی سے گھٹایا، اور اُن کو کاہن اور جادوگر بتلایا اور نصاریٰ نے افراط کی یعنی ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ کیا کہ ان کی ابنیت اور الوہیت کے قائل ہوئے اس لیے حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور طفولیت اور ان کی کہولیت اور ان کے بشری احوال کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنس بشر سے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔ معاذ اللہ خدا اور خدا کے بیٹے نہیں اس لیے کہ احوال بشریت اور اطوار انسانیت سے گزرنا الوہیت اور ابنیت کے قطعاً منافی ہے حق تعالیٰ احوال اور تغیرات سے پاک اور منزہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا ہوتے تو ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوتے اور نہ ماں کی گود میں پرورش پاتے۔ الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور طفولیت اور کہولیت کو نصارا نے نجران کے عقیدہ الوہیت اور ابنیت کے ابطال کے لیے ذکر فرمایا۔

بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور اُن کے فضائل اور معجزات اور رفع الی السما کو یہود کے رد کے لیے بیان فرمایا تاکہ یہود بے بہود یہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور اُن کے دشمنوں کو ذلیل اور خوار کرتا ہے اور مال اور اولاد کی کثرت اُن کے کچھ کام نہیں آتی۔ حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ اپنے کسی دوست کو دشمنوں کے ترغیب سے نکال کر آسمان پر لے جائے اور دشمنوں ہی میں سے کسی کو اپنے دوست کے ہمنشین بنا کر پھانسی پر لٹکا دے اور تاکہ ان باتوں سے یہود یہ سمجھ جائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے کاہن اور ساحر نہ تھے غرض یہ کہ اس طریق سے یہود اور نصاریٰ دونوں کا خوب رد ہو گیا اور دونوں گروہ کے عقیدہ کا فاسد اور باطل ہونا خوب واضح ہو گیا۔

یایوں کہو کہ ان حضرات انبیاء و مرسلین کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ان حضرات کا اتباع اور اطاعت ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ نبی کی اطاعت ہے۔ فَلَا تَمْتَرْنَ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ اور صحیح دین بھی وہی ہے جو ان حضرات کا تھا اور وہی دین اسلام ہے اور جو دین تم نے اختیار کیا ہوا ہے وہ انبیاء و مرسلین کا دین نہیں۔ انبیاء و مرسلین کا دین بھی دین اسلام ہے جس کی طرف تم کو نبی آخر الزمان بلا رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب کہ عمران کی بی بی نے جن کا نام حنہ بنت فاوذا تھا اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق حالت حمل میں یہ منت مانی کہ لے میرے پروردگار میں نے آپ کے لیے نذر کیا وہ بچہ جو میرے شکم میں ہے تیری عبادت کے لیے اور تیرے گھر کی خدمت کے لیے آزاد ہوگا۔ ماں باپ اُس سے اپنی کوئی خدمت نہ لیں گے۔ باقی تمام دنیوی مشاغل سے آزاد ہو کر فقط تیری عبادت اور تیرے گھر کی خدمت میں لگا رہے گا پس تو اپنی رحمت سے میری اس نذر کو قبول فرمائے۔

تحقیق تو میری عرض و معروض کو سن رہا ہے اور میری نیت اور اخلاص کو جاننے والا ہے اس لطیف اور پاکیزہ عنوان سے دعا مانگنے میں اشارہ اس طرف تھا کہ مجھ کو فرزند عطا فرما کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کیلئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ پس جب خلاف توقع لڑکی جنی تو نہایت حسرت سے کہا اے میرے پروردگار میں نے تو اس حمل کو لڑکی کبھا میری نذر تو اب کیا پوری ہوگی اس لیے کہ لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔ امراۃ عمران تو حسرت کر رہی تھیں اور اللہ کو بہتر معلوم ہے جو کچھ اُس نے جنا۔ اور وہ فرزند جس کی وہ خواہش کرتی تھیں اس دختر کے برابر نہیں جو منجانب اللہ ان کو دی گئی۔

ف یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ۔ قول خداوندی ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمران کی بیوی کی حسرت اس بنائے ہوئے ہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ لڑکی کس شان اور مرتبہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لڑکی کیسی مبارک اور مسعود ہے اور اس کے وجود میں ایک ایسے عظیم الشان فرزند ارجمند کا وجود مخفی اور مضمر ہے جو خیر و برکت میں اس کے دہم دگمان سے کہیں بالا اور برتر ہے یہاں تک بطور جملہ معترضہ کلام خداوندی تھا اب آگے پھر عمران کی بی بی کا قول ہے اور تحقیق میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا۔ مریم کے معنی اُن کی زبان میں عابدہ یعنی عبادت کرنے والی کے تھے حضرت حنہ کا مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ مریم کو اسم بامسمیٰ بنادے اور یہ عرض کیا کہ بار اہا میں مریم کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی ہی کو لڑکے کے عوض قبول فرمایا نہایت عمدہ قبول کے ساتھ یعنی لڑکوں سے بڑھ کر اس لڑکی کو قبول فرمایا اور مجاورین بیت المقدس نے بھی باوجود خلاف دستور ہونے کے اس لڑکی کو قبول کر لیا اور مریم علیہا السلام کا لڑکی ہونا قبولیت کے لیے مانع نہ ہوا اور بڑھایا اللہ تعالیٰ نے اُس لڑکی کو اچھی طرح بڑھانا یعنی اُن کی ظاہر اور باطنی تربیت فرمائی اور اُن کی بالیدگی کو ایسا مکمل کیا کہ کوئی چیز اُن کو بگاڑ نہ سکے اور ان کی قبولیت اور انبات حسن یعنی اُن کی تربیت کی ایک صورت یہ پیدا فرمائی کہ اپنے ایک مقبول اور برگزیدہ بندہ یعنی حضرت زکریا کو ان کا کفیل اور خبر گیر بنا دیا اور جب حضرت مریم کچھ سیانی ہو گئیں تو حضرت زکریا نے اُن کے لیے مسجد کے قریب ایک حجرہ مخصوص کر دیا جو محراب کے قریب تھا جس میں رہ کر دن بھر اللہ کی عبادت کرتیں جب کبھی حضرت زکریا مریم کے پاس محراب یعنی حجرہ میں آتے تو ان کے نزدیک کچھ کھانا رکھا ہوا پاتے۔ جس کا ظاہر میں کوئی سبب نہ تھا کیونکہ وہ کھانا نہ تو ان کے گھر کا تھا اور نہ باہر کا اس لیے کہ حضرت زکریا جب چلے جاتے تھے تو حجرہ کا دروازہ بند کر دیتے تھے اور پھر تعجب یہ تھا کہ ان کے سامنے غیر موسم کا پھل رکھا ہوا دیکھتے سردیوں کا میوہ گرمیوں میں اور گرمیوں کا سردی میں اس لیے حضرت زکریا نے تعجب سے کہا اے مریم یہ تیرے لیے کہاں سے آیا مریم بولی یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے اللہ جس کو چاہے بغیر قیاس اور بغیر اندازہ اور بغیر دہم دگمان کے روزی دے اس کے رزق دینے کے لیے کسی ظاہری سبب کی ضرورت نہیں۔

فوائد

۱۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدا ہوتے وقت شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چھوتا ہے جس سے وہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم اور ان کے بیٹے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو یہ دونوں اس سے مستثنیٰ رہے اور چونکہ امراۃ عمران کی یہ دعا استعاذہ عین ولادت کے ساتھ تھی اس لیے اس وقت تک شیطان کا مس واقع نہ ہوا تھا اگرچہ قرآن کریم میں امراۃ عمران کی اس دعا استعاذہ کا ذکر بعد ولادت کے واقع ہوا لیکن دا و ترتیب وقوعی پر دلالت نہیں کرتا۔ لہذا اب یہ اشکال نہیں رہا کہ امراۃ عمران کی یہ دعا تو ولادت کے بعد ہوئی اور مس شیطان اس سے پہلے عین وضع حمل اور ولادت کے وقت ہوتا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ دعا تو عین ولادت کے وقت تھی مگر قرآن کریم میں ذکر اس دعا کا بعد میں ہے یہ دعا ذکر میں مؤخر ہے اور وقوع میں مقدم ہے۔

۲۔ ولادت کے وقت شیطان ہر بچہ کو مس کرتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔ لیکن عباد مخلصین کو یہ مس شیطانی کوئی ضرر نہیں پہنچاتا اور نہ اس مس سے ان کی عصمت اور نزاہت میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ اس ایک خاص خصوصیت کی بنا پر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کی اور انبیاء کرامؑ پر افضلیت ثابت ہوتی ہے۔

یہ امر بدیہی اور مسلم ہے کہ حضرت مریم۔ شان اور رتبہ میں ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ سے اعلیٰ اور افضل نہیں اس لیے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے بارہ میں یہ نہیں آیا کہ شیطان نے ان کو مس نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خلعت اور تکلیم سے سرفراز فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کو مس شیطانی سے مستثنیٰ فرمایا اور دوسرے حضرات انبیاء جو خدا کے مقدس اور معصوم بندے ہیں اگرچہ وہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اس لیے کہ ان عباد مخلصین پر شیطان کی کوئی حرکت کارگر نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جس راستہ پر عمر چلتا ہے شیطان وہ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے کیا کوئی خوش فہم اس سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے اور معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ نہ تھا کہ حضرت عمرؓ مجھ سے بھی افضل ہیں۔ بلکہ اس سے مقصود حضرت عمرؓ کی ایک خاص فضیلت اور خاص خصوصیت بیان کرنی تھی الغرض اس قسم کے خصوصی امتیازات سے فضیلت تو ثابت ہوتی ہے لیکن افضلیت ثابت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو کوئی خاص خصوصیت دی ہے۔

هٰذَا لَكَ دَعَا زَكِيًّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ

وہاں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر

لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ

مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ ، بے شک تو

سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

سننے والا ہے دعا :- پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے ، جب وہ کھڑا تھا

يُصَلِّيٰ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا

نماز میں حجرے کے اندر کہ اللہ تجھے خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی جو گواہی

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ

دے گا اللہ کے حکم کی اور سردار ہوگا اور عورت پاس نہ جاوے گا اور نبی ہوگا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنۢى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّ قَدْ

نیکوں میں :- بولا ، اے رب کہاں سے ہوگا مجھے کو لڑکا ؟ اور مجھ پر

بَلَغَنِ الْكِبَرُ وَاُمْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ

آیا بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح

اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً

اللہ کرتا ہے جو چاہے ، :- بولا اے رب مجھ کو دے کوئی نشانی ۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْرًا

کہا نشانی تیری یہ کہ نہ بات کرے تو لوگوں سے تین دن گمراہی سے ۔



وَ اذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ اِلا بُكَارِهٖ

اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح

قصہ دعا رکریا علیہ السلام برائے فرزند ارجمند

قال اللہ تعالیٰ هٰذَا لَكَ دُعَاؤُكَ كَرِيْمًا رَبِّكَ اے وَ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَ اِلا بُكَارِهٖ
حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے اور اولاد سے ناامید ہو چکے تھے جب حضرت مریمؑ
کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو یکایک دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں اللہ کی
رحمت سے کیا بعید ہے کہ مجھ کو بھی بے موسم میوہ مل جائے (یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو
جائے) کیونکہ مرد پیر اور زن عاقر سے اولاد کا پیدا ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ گرمی میں جاڑوں کے
پھلوں کا مہیا ہو جانا اس لیے کہ خدا کی قدرت اور ارادہ کے لیے کسی سبب کا پایا جانا شرط نہیں پس اس
وقت اور موقع کو دیکھ کر حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ اے پروردگار جس طرح مریمؑ
پر تیری رحمت کی بارش ہوئی ہے اور قدرت کے کرشمے نمودار ہو رہے ہیں مجھ کو اپنے پاس سے بلا
کسی سبب ظاہری کے پاکیزہ اولاد عطا فرما جو نفسانی اور شہوانی خیالات سے پاک اور منزہ ہو اور جسمانی
اور روحانی دونوں حیثیتوں سے میرا فرزند ہو جو میرے بعد ظاہراً اور باطناً میرا قائم مقام اور جانشین ہو
تحقیق آپ بڑے دعا کے سننے والے ہیں۔ یعنی قبول کرنے والے ہیں پس آواز دی ان کو فرشتوں نے
در انھا لیکہ حضرت زکریا محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں
کہ آپ کے ایک لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ جن میں خاص طور پر یہ پانچ صفتیں ہوں گی۔

۱۔ پہلی صفت یہ ہوگی کہ وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔
حضرت عیسیٰؑ کو کلمۃ اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کلمہ کُن یعنی حکم خداوندی سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔
اس وجہ سے اُن کو کلمۃ اللہ کہنے لگے۔ حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ سے تین سال یا چھ ماہ بڑے تھے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام
کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے حضرت یحییٰؑ تھے حضرت یحییٰؑ کو پہلے سے خبر دیتے
تھے کہ حضرت مسیحؑ پیدا ہونے والے ہیں۔

۲۔ دوسری صفت اس مولود میں یہ ہوگی کہ وہ اپنی قوم کا سردار ہوگا یعنی اپنی قوم میں علم اور علم
اور کرم اور تقویٰ اور زہد اور عبادت اور تمام عمدہ خصلتوں میں سب سے بڑھے ہوئے ہوں گے۔
۳۔ تیسری صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ عورتوں سے بے رغبت ہوں گے یعنی لذتوں سے اتنے

دور ہوں گے کہ جو لذتیں شرعاً و عقلاً جائز اور مباح ہیں مثلاً نکاح ان سے بھی علیحدہ اور یکسو ہوں گے۔
۴۔ چوتھی صفت ان میں یہ ہوگی کہ وہ نبی ہوں گے۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہوگی کہ وہ نیکو کاروں میں سے ہوں گے یعنی اس گروہ سے ہوں گے جو سرتاپا صلاح اور نیکی تھے اور صغیرہ اور کبیرہ سے معصوم تھے۔ جانتا چاہیے کہ یہاں صلاح سے وہ معمولی درجہ کی صلاح مراد نہیں جو عام مؤمنین صالحین کو حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاح مراد ہے جو منصب نبوت کے شایانِ شان ہو اور زجاج سے منقول ہے کہ صلاح وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرتا ہو۔ (تفسیر قرطبی ص ۶۹)
اور بعض نے من الصالحین کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ صالحین سے انبیاء مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اولادِ انبیاء سے ہوں گے۔

الغرض جب فرشتوں نے حضرت زکریا کو یہ مشرکہ سنایا تو حضرت زکریا نے فرط مسرت سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کیسے ہوگا اور تحقیق میری حالت تو یہ ہے کہ مجھ پر تو بڑھاپا آچکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ میری عمر اکیس سو بیس سال کی ہے اور بیوی کی عمر اٹھانوے سال کی ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضرت زکریا نے دریافت کرنے کے طور پر یہ عرض کیا اور مقصود یہ تھا کہ فرزند کے پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی کیا مجھ کو اور میری بیوی کو جوان کر دیا جائے گا یا دوسری بیوی سے یہ بچہ عنایت ہوگا یا ہم دونوں کو اسی پیرائے سالی کی حالت میں رکھ کر بچہ عنایت ہوگا حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اس کی قدرت و مشیت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں وہ بغیر اسباب کے بھی جو چاہتا ہے کرتا ہے زکریا علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ حمل قرار پا گیا تاکہ آثار ولادت دیکھ کر تیری نعمت کے شکر میں مشغول ہو جاؤں اور شکر کی بدولت اور مزید نعمت کا مستحق ہو سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا مگر اشارہ سے اور اس وقت اگرچہ لوگوں سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی سو اس وقت تم اللہ کو کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام اُس کی تسبیح میں لگے رہنا سبحان اللہ کیا نشانی ہے نشانی کی نشانی بھی ہے اور نشانی سے جو عرض تھی (یعنی شکر نعمت) وہ بھی پوری حاصل ہے اور چہر اس پر لطف یہ کہ ذکر اور تسبیح کو تو اختیاری رکھا اور لوگوں سے بات کرنے کی

عَلِهِ وَالصَّلَاحُ صِفَةٌ تَنْتَظِمُ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَالْمُرَادُ بِهِ هُنَا مَا فُتِقَ الصَّلَاحُ الَّذِي لَا يَدُمُ مَتْنُهُ فِي مَنْصِبِ النُّبُوَّةِ الْبَلَّتْهُ
مِنْ أَقْصَى مَرَاتِبِهِ كَذَا فِي رُوحِ الْبَيَانِ ص ۳۲۲ وَرُوحُ الْمَعَانِي ص ۱۳۱ وَتَفْسِيرُ كَبِيرِ ص ۲۶۴ -
ع ۲ قَالَ الزَّجَّاجُ الصَّالِحُ الَّذِي يُؤَدِّي مَلَكُهُ مَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ وَاللَّيْسَ حَقُّهُمْ
(تفسیر قرطبی ص ۶۹)

قدرت ہی نہ رہی۔ تاکہ سوائے خدا کے ذکر و شکر کے کچھ کر ہی نہ سکیں پس ایک ہی چیز دونوں غرضوں کی علامت بن گئی حصول ولد اور شکر نعمت۔

ف (۱) حضرت زکریا کو حق جل شانہ کی قدرت میں کوئی شک اور تردد نہ تھا اُن کو یقین کامل تھا کہ حق تعالیٰ بڑھاپے میں بھی اولاد عطا فرما سکتے ہیں لیکن بڑھاپے میں بانجھ عورت سے اولاد کا ہونا خارق عادت ہے اس لیے بارگاہ خداوندی میں خارق عادت امر کی درخواست کو خلاف ادب سمجھ کر سکوت کیا مگر جب حضرت مریم کی خارق عادت احوال کا مشاہدہ کیا تو اس نوع کی درخواست کی دل میں ہمت پیدا ہوئی اور عرض کیا کہ اے پروردگار مجھ کو ایک ولد صالح عطا فرمائیں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی تو فرط مسرت سے عرض کیا اِنِّیْ یُکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ۔ معاذ اللہ حضرت زکریا کو قدرت خداوندی میں کوئی شک نہ تھا بلکہ چونکہ ناامیدی کے بعد ایک خارق عادت امر کی بشارت ملی اس لیے اس مسرت میں اُس کی کیفیت دریافت کرنے لگے تاکہ اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے اور نیز اس سوال کے جواب میں جب اس کیفیت کو بتلایا جائیگا تو حصول ولد کی بشارت اس مکرر بیان سے اور پختہ ہو جائیگی۔ بادشاہ اگر کسی شخص کو کوئی بشارت دے اور وہ شخص جوش مسرت میں بادشاہ سے یہ سوال کرے کہ حضور کے اس انعام سراپا اکرام کی کیا صورت ہوگی تو اس کا یہ سوال بادشاہ کی قدرت میں شک کی بنا پر نہیں بلکہ بطور لذت و فرحت ہے نیز جو چیز انسان کو تمنا اور آرزو کے بعد بحالت ناامیدی ملتی ہے اسکو سنکر خوشی میں مدہوش ہو جاتا ہے اور مختلف عنوان سے اسکو دریافت کرتا ہے تاکہ قلب کو خوب اطمینان ہو جائے اسی طرح حضرت زکریا کے سوال کو سمجھیے۔

ف (۲) بعض کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام عینین تھے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ عینین نہ تھے اول اس لیے کہ حضور مبالغہ کا صیغہ ہے حصر سے مشتق ہے جو فعل متعدی ہے جس کے معنی اپنے اختیار سے روکنے کے ہیں اور حضرت یحییٰ کو حضور اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو شہوات اور لذات کے اتباع سے روکنے والے تھے دوم یہ کہ حق تعالیٰ نے حضور کی صفت کو مقام مدح و ثناء میں ذکر کیا ہے اور قابل تعریف فعل اختیاری ہوتا ہے نہ کہ فعل اضطراری اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ حضور وہ شخص ہے کہ جو باوجود قدرت کے عورت کے قریب نہ جاتا ہو (تفسیر قرطبی ص ۸۶)

ف (۳) نکاح نہ کرنا غالباً یہ حضرت یحییٰ کی خصوصیت تھی ورنہ تمام انبیاءؑ کی شریعتوں میں نکاح کرنا افضل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَ ذُرِّیَّةً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اگرچہ رفع الی السما سے پہلے نکاح نہیں فرمایا لیکن نزول من السماء کے بعد نکاح فرمائیں گے جیسا کہ احادیث میں مقرر ہے۔

نکتہ بعض ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ مریم اُس عورت کو کہتے ہیں جس کو مردوں کی حاجت نہ ہو لہذا

عَلَمَ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ ابْنُ جَبْرِ وَ قَتَادَةُ وَ عَطَاءُ وَ ابُو الشَّعْثَارِ وَ الْحَسَنُ وَ السَّدِّیُّ وَ ابْنُ زَيْدٍ الْحَصَوْرُ هُوَ الَّذِیْ یُكْفَى عَنْ النِّسَاءِ وَ لَا یُقَرَّبُهُنَّ مَعَ الْقَدَرَةِ وَ هَذَا اَصَحُّ وَ جِهَيْنِ احَدُهُمَا اِنَّهُ مَدْحٌ وَ ثَنَاءٌ عَلَیْهِ وَ الثَّنَاءُ اِنَّمَا یَكُوْنُ عَنِ الْفِعْلِ الْمَكْتُبِ دُونَ الْجَمْلَةِ فِی الْغَالِبِ وَ الثَّانِیْ اِنْ فَعُولًا فِی الْلَفْظِ مِنْ صِبْغِ الْفَاعِلِیْنَ فَالْمَعْنٰی اِنَّهُ یُحْصَرُ نَفْسَهُ عَنِ الشَّهَوَاتِ (تفسیر قرطبی ص ۸۶ ج ۴)

گمان یہ ہے کہ چونکہ حضرت زکریاؑ نے فرزند کی یہ دعا حضرت مریمؑ کے زمانہ تربیت میں مانگی اس لیے انہیں جیسا ایک فرزند حضور عطا کیا گیا کہ جس کو عورتوں کی ضرورت نہ ہو واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ

اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو پسند کیا،

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَى نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں سے ۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ

اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ

الرُّكْعَيْنِ ﴿۳۷﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ

رکوع کرنے والوں کے ۔ یہ خبریں غیب کی ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم ، کہ کون پا

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اے مریم کو ؟ اور تو نہ تھا اُن کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے ۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم ! اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک

مِّنْهُ ۗ اِسْمُ الْمَسِيْحِ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِی

اپنے حکم کی ، جس کا نام مسیح عیسیٰ ، مریم کا بیٹا مرتبہ والا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّرٰتِ ﴿۳۹﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ

دنیا میں اور آخرت میں اور نزدیک والوں میں ۔ اور باتیں کرے گا لوگوں

فِي السَّهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾ قَالَتْ رَبِّ

سے جب ماں کی گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں ہے۔ بولی اے رب!

أَنِّي يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ

کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا کسی آدمی نے کہا

كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب حکم کرتا ہے ایک کام کو

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ

تو یہی کہتا ہے اُس کو ہو وہ ہوتا ہے اور سکھا دے گا اس کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۳۸﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ

اور کام کی باتیں اور توریت اور انجیل اور رسول ہوگا

بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تم پاس، نشان لے کر تمہارے رب کا

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

کہ میں بنادیتا ہوں تم کو مٹی کی صورت جانور کی پھر اس میں

فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ

پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جائے اُڑتا جانور اللہ کے حکم سے، اور چنگا کرتا

الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُجِّي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ

ہوں جو اندھا پیدا ہو اور کوڑھی، اور جلاتا ہوں مردے اللہ کے حکم سے،

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي

اور بتا دیتا ہوں تم کو، جو کھا کر آؤ اور رکھیاؤ اپنے گھر

بُيُوتِكُمْ إِن فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ

میں - اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین

مُؤْمِنِينَ ﴿۳۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيِّ مِنَ

رکھتے ہو - اور سچ بتاتا ہوں تورات کو، جو مجھ سے پہلے

التَّوْرَةِ وَلِأَحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ

کی ہے اور اسی واسطے کہ حلال کر دوں تم کو بعض چیز جو حرام

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ

تھی تم پر، اور آیا ہوں تم پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سوڈرد اللہ سے

وَاطِيعُونَ ﴿۴۰﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ

اور میرا کہا مانو - بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو۔

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾

یہ سیدھی راہ ہے -

تتمہ قصہ حضرت مریم علیہا السلام

قال الله تعالى وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ... لے... هذا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

یہاں تک حق جل شانہ نے آل عمران اور آل ابراہیم کے اصطفاء اور ان پر اپنی توجہات و عنایات کے واقعات ذکر فرمائے اب آگے ایک اور قصہ اسی سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں جو درحقیقت حضرت مریم کے قصہ کا بقیہ تتمہ ہے اس لیے کہ سلسلہ کلام کا آغاز حضرت مریم کے

قصہ سے ہوا تھا۔ درمیان میں مناسبت کی وجہ سے ضمناً حضرت زکریا کا قصہ ذکر فرمایا اب آگے پھر حضرت مریم کے قصہ کا بقیہ ذکر فرماتے ہیں اور وہ دوسرا قصہ یہ ہے کہ جب فرشتوں کے ایک گروہ نے بالمشافہ حضرت مریم سے کہا کہ اے مریم! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تجھ کو برگزیدہ کیا کہ اپنی کرامات و عنایات کا مورد بنایا۔ اور ابتدا میں باوجود لڑکی ہونے کے تجھ کو اپنی نیاز میں قبول فرمایا اور اب اخیر میں تجھ کو فرشتوں کے کلام اور خطاب سے عزت بخشی اور تجھ کو ظاہری اور باطنی عیوب سے پاک اور منزہ کیا اور اپنے پاک گھر یعنی مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لائق بنایا۔ ظاہری پاکی یہ عطا کی کہ حیض و نفاس سے پاک کیا اور باطنی طہارت و نزاہت یہ عطا کی کہ مس شیطانی سے تجھ کو محفوظ رکھا اور تمام جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تجھ کو بعض خصوصی فضائل اور امتیازات عطا کیے بلا مس بشر کے حضرت مسیح جیسا مبارک اور اولوالعزم پیغمبر فرزند تم کو عطا کیا جو تمہارے سوا اور کسی عورت کو نہیں عطا ہوا لہذا اے مریم ان نعمتوں کے شکریہ میں اپنے پروردگار کی بندگی میں لگی رہو اور اپنی نماز میں قیام کو طویل کرو اور سجدہ کرتی رہو تاکہ تم کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔ **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** اور رکوع کیا کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو اس لیے کہ رکوع اگرچہ رتبہ میں سجدہ سے کم ہے لیکن رکوع کی معیت کی وجہ سے جب رکوع کے انوار و برکات بھی اس کے ساتھ مل جائیں گے تو یہ رکوع قریب قریب سجود ہی کے قرب خداوندی میں معین اور مددگار ہوگا اور حضرت مریم کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم یا تو اس بناء پر تھا کہ اس زمانہ کی شریعت میں عورتوں کو نماز جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی یا حضرت مریم کی خصوصیت تھی۔

جماعت میں شریک ہونے کے لیے غالباً رکوع کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ جس نے جماعت کے ساتھ رکوع پالیا اس نے رکعت کو پالیا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور اسی پر فقہاء امت کا اجماع ہے اور بعض علماء نے **وَازْكُوعُوا مَعَ الرَّكْعَيْنِ** کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اے مریم جس طرح رکوع کرنے والے رکوع کرتے ہیں اسی طرح تم بھی رکوع کیا کرو یعنی رکوع میں مسلمانوں کی موافقت کرو اور جس طرح وہ نماز پڑھتے ہیں اسی طرح تم بھی پڑھا کرو۔

اب حق جل شانہ ان مضامین کے ضمن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل ذکر فرماتے ہیں جو ان واقعات کے بیان سے مترشح ہوتی ہے یہ باتیں اور یہ قصے جو حضرت حنہ اور مریم اور حضرت عیسیٰ اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کے ہم نے ذکر کیے متجملہ غیبی خبروں کے ہیں جن کی دجی ہم آپ تک بھیج رہے ہیں یہ دلیل ہے آپ کے نبی برحق ہونے کی اس لیے کہ کسی شے کے جاننے کی صرف تین صورتیں ہیں۔ عقل یا خبر کا مستننا یا مشاہدہ کرنا قصص اور واقعات میں عقل کو دخل نہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ گزشتہ واقعات کو عقل سے معلوم کر لینا باجماع عقلاً محال ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کو کسی سے سنا بھی نہیں اور اگر کسی کو یہ گمان ہے کہ تو ریت اور انجیل کے فلاں عالم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس عالم کو سامنے لائے یا خود اس سے پوچھ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ

اُمّی تھے اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ آپؐ نے کسی کتاب میں دیکھ کر یہ واقعات بیان فرمائے وہ کون سی کتاب اور کون سا دفتر ہے جس میں یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے ہوں اور وہ کتاب اور دفتر کہاں ہے اور کس کتب خانہ میں ہے جسے حضورؐ پر نورؑ دیکھ کر یہ واقعات بیان کرتے ہیں۔ معترضین خود جا کر اس کتاب اور دفتر کو دیکھ لیں اور دیکھ کر وہ بھی اسی طرح ان واقعات کو بیان کر دیں اب صرف تیسری صورت مشاہدہ کی رہ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان واقعات کو بچشم خود دیکھا ہو تو کسی ذی عقل اور ذی ہوش کو اس کا وسوسہ بھی نہیں آسکتا کہ حضور صد ہا سال قبل کے واقعات کے وقت موجود تھے۔ پس جب کہ آپؐ نے ان واقعات کا نہ بچشم خود مشاہدہ کیا اور نہ کسی خارجی طریقہ و ذریعہ سے آپؐ کو ان کا علم حاصل ہوا پس متعین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کا علم بذریعہ وحی کے معلوم ہوا کہ آپؐ اللہ کے برحق نبی ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور بذریعہ وحی کے آپؐ کو انباء الغیب سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور آپؐ ان کے نزدیک نہ تھے جب وہ قرعہ کے لیے اپنے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون شخص مریمؑ کی پردریش کا کفیل اور خبر گیر ہو جائے اور آپؐ ان کے پاس نہ تھے جب وہ مریمؑ کی پردریش کے بارہ میں جھگڑ رہے تھے۔ حق جل شانہؑ نے جب حضرت مریمؑ کو نذر میں قبول فرمایا تو مسجد کے مجاہدین میں جھگڑا ہوا کہ مریمؑ کو کس کی پردریش میں رکھا جائے حضرت مریمؑ چونکہ سردار کی لڑکی تھیں اس لیے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پردریش میں رہے حضرت زکریاؑ نے فرمایا میں زیادہ مستحق ہوں میری بی بی اس لڑکی کی خالہ ہے وہ نہایت محبت سے اس کی پردریش کرے گی فیصلہ اس پر ہوا کہ ہر ایک اپنا قلم جس سے توریث لکھتے تھے بہتے ہوئے پانی میں ڈالے جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا ہے وہ حضرت مریمؑ کا حق دار سمجھا جائے۔ اس میں قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام کا نکلا اور حق، حق دار کو پہنچ گیا۔ پس جب آپؐ ان واقعات اور حالات کے وقت موجود نہ تھے تو معلوم ہوا کہ ان امور کا علم آپؐ کو بذریعہ وحی کے ہوا ہے۔ اور جس پر اللہ کی وحی کا نزول ہو وہ خدا کا نبی ہے۔

آغاز قصہ عیسیٰ علیہ السلام

اس وقت کو یاد کرو جب کہ فرشتوں نے حضرت مریمؑ سے یہ بھی کہا اے مریمؑ تحقیق اللہ تم کو بشارت دیتا ہے اپنے ایک کلمہ کی جو من جانب اللہ ہوگا یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی خوشخبری دیتا ہے جو بلا باپ کے تم سے پیدا ہوگا اور بلا باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ کلمۃ اللہ کہلائے گا اور اللہ کی طرف اس نسبت اور اضافت سے اُس کو ایک خاص شرف اور عزت حاصل ہوگی جس کا نام اور لقب مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ مسیح اصل میں مشیحا تھا عبرانی زبان میں اس کے معنی مبارک کے ہیں۔ معرب ہو کر مسیح ہو گیا جیسے موسیٰ

موشا کا مُعَرَّب ہے باقی دجال کو جو مسیح کہا جاتا ہے وہ بالاجماع عربی لفظ ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مسیح کے معنی پونچھ دینے اور زائل کر دینے کے ہیں چونکہ دجال سے تمام عمدہ خصلتیں پونچھ دی گئی ہیں اس لیے اس کو مسیح دجال کہتے ہیں اور عیسیٰ اصل میں ایشوع تھا یہ بھی عبرانی زبان کا لفظ ہے عبرانی میں ایشوع کے معنی سردار کے ہیں عیسیٰ۔ ایشوع کا معرب ہے۔

نکتہ | حضرت عیسیٰ کو ابن مریم (یعنی مریم کا بیٹا) اس لیے فرمایا حالانکہ خطاب خود حضرت مریم کو ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو جائے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوں گے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے ماں کی طرف منسوب نہیں ہوتی اب آگے اُس مولود مسعود کے کچھ اوصاف بیان کرتے ہیں کہ وہ مولود مسعود دنیا اور آخرت میں باعزت اور آبرو والا ہوگا اہل دنیا اور اہل آخرت دونوں ہی کی نظروں میں معظم اور محترم اور مرتبہ والے ہوں گے اس صفت کے ذکر سے حضرت مریم کی تسلی مقصود ہے اس لیے کہ جب حضرت مریم کو بغیر باپ کے فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تو ممکن ہے کہ حضرت مریم بمقتضائے بشریت، تشویش میں پڑ جائیں کہ دنیا میں کون اس کو باور کرے گا کہ لڑکا بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ ناچار لوگ مجھ پر تو تہمت رکھیں گے اور بچہ کو ہمیشہ بُرے نام سے مشہور کریں گے میں کس طرح اپنی برأت ظاہر کروں گی حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ تم گھبراؤ نہیں ہم نے برأت اور نزاہت کا انتظام کر دیا ہے حق تعالیٰ خصوصی طور پر تم کو تمام بُرے الزام اور تہمتوں سے بری کرے گا چنانچہ پہلی مرتبہ وجاہت کا ظہور اس طرح سے ہوا کہ پیدا ہونے کے بعد شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا اور یہ کہا اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ اَتَانِی الْکِتَابَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا وَجَعَلَنِی مُبَارَکًا اِلٰی اٰخِرہ اس کلام کو سنتے ہی دلوں سے تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں اور سمجھ گئے کہ یہ مولود مسعود نہایت مبارک ہے محض خدا کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت مریم کو بتلادیا کہ جب کوئی اس بارہ میں تم سے کچھ سوال کرے تو تم اس بچہ کی طرف اشارہ کر دینا وہ خود اپنی طہارت و نزاہت کو بیان کر دے گا جس کی تفصیل سورہ مریم میں آئے گی دوسری بار وجاہت اس وقت ظاہر ہوئی جب دشمنوں نے پکڑنے اور قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے زندہ اور صحیح و سالم آسمان پر اٹھالیا اور دشمن دیکھتے ہی رہ گئے۔ باقی دنیاوی وجاہت کی پوری پوری تکمیل۔ نزول من السماء کے بعد ہوگی جیسا کہ تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے اور وہ مولود مسعود فقط باعزت اور با آبرو ہی نہ ہوگا بلکہ حق جل شانہ کے خاص الخاص مقربین میں سے ہوگا۔ یعنی بارگاہ ایزدی کے ان مقربین میں سے ہوگا جو قرب ذاتی اور صفاتی سے متصف ہوں گے اور تجلیات ربانیہ کے مورد اور مظہر ہوں گے اور ان کے مقرب ہونے پر وہ ارحامات اور خوارق عادات دلالت کریں گے جو ان سے قبل از نبوت ظہور میں آئیں گے۔ مثلاً وہ بچہ لوگوں سے ایسا حکیمانہ کلام کرے گا جیسا کہ انبیاء کا کلام ہوتا ہے حالانکہ وہ بچہ اس وقت ماں کی گود میں ہوگا اور اُس کی یہ حالت مستمر اور دائم رہے گی یہاں تک کہ وہ معمر اور بڑی عمر کا ہوگا اور اس حالت میں بھی ایسا ہی کلام کرے گا۔ عہد طفولیت اور عہد کہولت کے کلاموں

میں کوئی تفادیت نہ ہوگا ان احوال کے مشاہدہ کے بعد کسی کو وہم بھی نہ ہوگا کہ گہوارہ اور ماں کی گود میں جو کلام سرزد ہوا تھا وہ کسی شیطان یا جن کا اثر تھا اور وہاں شیطان کا اثر یا گذر کہاں ہو سکتا ہے وہ تو نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک سختوں میں سے ہوں گے اور شیطان کا اثر فاسق اور فاجر اور بدکار لوگوں پر ہوتا ہے اور کسی نقصان اور دینی خلل اور فساد کا گذر عباد صالحین پر نہیں ہو سکتا۔

حضرت مریمؑ کا تعجب اور اس کا جواب

یہ بشارت سن کر حضرت مریمؑ سمجھ گئیں کہ وہ لڑکا بے باپ کے پیدا ہوگا اور اسی وجہ سے وہ کلمۃ اللہ اور ابن مریمؑ کہلائے گا یعنی میری طرف منسوب ہوگا اس لیے حضرت مریمؑ نے اس بشارت کو سن کر بطور تعجب یہ کہائے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور بچہ عادیہً بغیر مرد کے تعلق کے پیدا نہیں ہوتا پس معلوم نہیں میرے جو بچہ ہوگا وہ کس طرح ہوگا آیا محض قدرت خداوندی سے بغیر باپ کے بچہ پیدا ہوگا یا مجھ کو نکاح کرنے کا حکم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے واسطے سے جواب میں فرمایا کہ ویسے ہی بلا باپ کے پیدا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یعنی وہ کسی چیز کے پیدا کرنے میں کسی سبب کا محتاج نہیں حق جل شانہ اس پر قادر ہے کہ وہ اشیاء کو بتدریج قانون عادت کے موافق مادہ اور سبب سے پیدا کرے اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ دفعۃً بغیر مادہ اور بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کر دے آخر اسی نے تو اپنی قدرت کاملہ سے اسباب کو بلا سبب کے اور مادہ کو بغیر مادہ کے پیدا کیا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ تو ہو جا پس وہ چیز فوراً ہوجاتی ہے لہذا تم اس بچہ کے بدون مس بشر کے پیدا ہونے پر تعجب نہ کرو وہ لڑکا اسی طرح ہوگا خدا کی غیر محدود قدرت کسی سبب اور مادہ کی محتاج اور پابند نہیں۔

خوارقِ عادات کے متعلق فلاسفہ اور ملاحدہ کے

شبہات کے جوابات

جو لوگ پابند اسباب ہیں اور اپنی محدود معلومات اور مخصوص مزعومات کے موافق دنیا کی ہر چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس قسم کی آیات قدرت کا اکثر و بیشتر انکار کر بیٹھتے ہیں انہی آیات قدرت میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی ہے یہ لوگ اس کے بھی منکر ہیں حالانکہ ان کے پاس

کوئی ایسی عقلی دلیل نہیں کہ جس سے وہ اس کو محال ثابت کر سکیں سوائے اس کے کہ یہ کہیں کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا عادت کے خلاف ہے سو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ خلاف عادت ہونے سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

روزمرہ کائنات میں ایسے عجائب و غرائب کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے جو پہلے سے ہرگز عادی اور معروف نہ تھے بلکہ وہم و گمان میں بھی نہ تھے جن عجائب و غرائب کے اسباب و علل معلوم ہو جاتے ہیں ان کو آج کل کی اصطلاح میں اکتشاف اور اختراع کہتے ہیں اور جن کے اسباب و علل تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکی ان کو فلتات طبعیہ سے تعبیر کر کے خاموش ہو جاتے ہیں یعنی جو چیزیں طبعی اور فطری طور پر ناگہانی اور اچانک طریقہ سے بلا کسی سبب اور علت کے ظہور میں آگئی ہیں ان کو فلتات طبعیہ کہتے ہیں جس کا لفظی ترجمہ ہے (عالم کائنات کے اتفاقی کرشمے) جب اس قسم کی چیزیں ظہور میں آجاتی ہیں تو ان کے غیر عادی اور خارق عادت وجود سے تو انکار ہو نہیں سکتا تو ان کو فلتات طبعیہ کے نام سے موسوم کر کے خاموش بیٹھ جاتے ہیں کہ عقل اور تجربہ نے ان کے اسباب و علل بتلانے سے جواب دے دیا ہے اب ہم ان منکرین معجزات سے انہیں فلتات طبعیہ کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ جب ان فلتات طبعیہ کے ظاہری اور معلوم اسباب تو ہوتے نہیں تو وہ حال سے خالی نہیں یا تو یوں کہو کہ ظاہری اسباب اگرچہ نہیں مگر ان کا ظہور اسباب خفیہ کے بنا پر ہوا ہے جو ہمیں معلوم نہیں ہو سکے یا یوں کہو کہ ان فلتات طبعیہ کے لیے اسباب ظاہرہ اور اسباب معلومہ کی طرح اسباب خفیہ بھی نہیں مطلقاً بلا کسی ظاہر اور خفی سبب کے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اگر منکرین معجزات شق اول کو اختیار کرتے ہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح فلتات طبعیہ بلا کسی ظاہری اور معلوم سبب کے ظہور میں آسکتے ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اگرچہ ظاہر کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا لیکن ممکن ہے کہ ان کا کوئی خفی سبب ہو جو اب تک ہماری تحقیق میں نہ آیا ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہو جائیں اور اس طرح کی ولادت کا کوئی خفی سبب ہو جو ہماری تحقیق میں نہ آیا ہو پس کیا وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو تو آپ محال اور ناممکن بتائیں اور فلتات طبعیہ کو ممکن بلکہ ان کے واقع ہونے کے قائل ہوں۔

اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ فلتات طبعیہ مطلقاً بلا کسی سبب کے ظہور میں آئے ہیں جس طرح ظاہر میں ان کے وجود کا کوئی سبب نہیں اسی طرح باطن میں بھی کوئی خفی سبب ان کے وجود کا نہیں تو اس صورت میں تو ان گرفتار ان عادت کو اور بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ اسباب عادیہ لازم اور مطرد نہیں ان اسباب عادیہ کے بغیر بھی کائنات ظہور پذیر ہو سکتی ہیں لہذا اس اقرار و اعتراف کے بعد آیات قدرت اور خوارق عادت کا محض اس بنا پر انکار کرنا کہ یہ اسباب عادیہ کے خلاف ہیں انتہائی نادانی اور کمال ابلہی سمجھا جائے گا۔

اگلے لوگوں نے اگر اس قسم کی چیزوں کا انکار کیا تو ان کو کچھ معذور سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ چیزیں اس

وقت غیر مالوف اور غیر مانوس تھیں مگر اس زمانہ والوں کے لیے کیا غدر ہے جبکہ وہ سائنس کے حیرت انگیز تجربوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

آج کل تمام مغربی حکماء نے بالاتفاق تولد ذاتی کے امکان کو تسلیم کر لیا ہے کہ حیوان کا بدون حیوان کے محض جمادات سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور دن رات اس کے تجربے ہو رہے ہیں۔ پس جب کہ حیوان کا بدون حیوان کے پیدا ہونا ممکن ہے تو پھر کسی حیوان کا ایک حیوان سے پیدا ہونا کیوں محال ہے یہ تو بدرجہ اولے جائز ہونا چاہیئے اس لیے کہ یہ اقرب الی المحصول ہے۔

آئے دن کوئی نہ کوئی نئی بات دریافت ہوتی رہتی ہے جو اب تک سر بستہ راز تھی اسی طرح ممکن ہے کہ خوارقِ عادات بھی ایک سر بستہ راز ہوں جو آئندہ چل کر کچھ منکشف ہو جائیں محض اپنے عدم علم کی بنا پر کسی چیز کا انکار کر دینا یا اس کو محال بتانا سراسر بے عقلی ہے انسانوں کا علم اور تجربہ خواہ کتنا ہی وسیع ہو جائے بہر حال محدود اور متناہی ہے اس محدود اور متناہی علم اور تجربہ کی بنا پر خدائے قدوس کی غیر محدود کائنات پر حکم لگانا کھلی ہوئی سفاہت اور غبات ہے اور جب انسان کا علم ہی حجت نہ ہو تو اس کی لاعلمی اور بے خبری کہاں سے حجت ہو جائے گی۔

ملاحظہ اور زنادقہ یہ چاہتے ہیں کہ جو چیز کتاب و سنت کے نصوص اور انبیاء کرام کے اجماع سے ثابت ہے اور جس کو تمام امتیں بطریق تو اتّر نقل کرتی آئی ہیں۔ اس کو محض اپنی لاعلمی کی بنا پر رد کر دیں۔ آئے دن ہم ایسی چیزوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جو ہمارے معلوم شدہ قوانین کے خلاف ہوتی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ جن کے اعضاء عادت اور ہماری مقررہ تعداد سے زیادہ ہوتے ہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض حیوانات اپنی جنس کے علاوہ غیر جنس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے مشاہدہ سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے حکماء اور فلاسفہ اس قسم کے امور کو فطرت طبعیہ (عالم کائنات کے اتفاقی کرشمے) کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کے وقوع کا قانون ہماری عقل اور ادراک سے بالا اور برتر ہے ہمیں صرف چند روزمرہ پیش آنے والے امور کے متعلق کچھ تھوڑا بہت کوئی قاعدہ اور قانون معلوم ہے باقی اس قسم کے شاذ و نادر واقعات کے وقوع کے متعلق خداوند ذوالجلال کا کیا قانون ہے وہ کسی کو معلوم نہیں پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بھی اسی پر قیاس کر دے کہ یہ بھی منجملہ انہی شاذ و نادر واقعات میں سے ہے جس کا قانون سوائے خدا کے کسی حکیم اور فلسفی کو معلوم نہیں جدید اکتشافات کے ذریعہ ہم صرف چند ظاہری باتوں کو جان لیتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں مگر اس کی رلم اور حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے اور یہی حق ہے۔

ہم انسان میں حق اور نطق کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر اس کے تعلق اور رابطہ کو نہیں جانتے اور نہ جان سکتے ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ دانہ سے گیہوں پیدا ہوتا ہے لیکن کس طرح اگتا ہے اور اس کی ڈنڈی سیدھی ہونے

اور پتوں کے جھکنے میں کیا تناسب اور ربط ہے اور اس کی کیا حقیقت اور کیا علت ہے اس کے کچھ خبر نہیں غرض یہ کہ نادانی کا تو یہ عالم کہ کائنات کے ایک ذرہ کے حقیقت اور علت سمجھنے سے قاصر اور خالق کائنات کی خبروں پر نکتہ چینی کے لیے تیار نہ ہو۔ بریں عقل و دانش بباہر گریست۔

فضائل و کمالات عیسیٰ علیہ السلام

اور اے مریم تم اس بچہ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے یہ خیال مت کرو کہ ولادت کے بعد لوگ طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے بلکہ وہ مولود تمہاری عزت و وجاہت کا سبب بنے گا اس لیے کہ وہ مولود مسعود عجیب و غریب فضائل و کمالات کا معدن اور مخزن ہوگا جس کو دیکھتے ہی اہل فہم سمجھ جائیں گے کہ یہ بیکہ فضائل و شمائل معاذ اللہ ولد الزنا نہیں ہو سکتا بلکہ نمونہ روح القدس ہے کہ جس کے پھونک مارنے سے مردے زندہ ہو رہے ہیں اور اس کے مبارک ہاتھ پھیرنے سے کوڑھی اور نابینا چنگے اور سمکھے بن رہے ہیں اس مولود مسعود کی صفات یہ ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بلا کسی معلم اور بغیر اساذ کے آسمانی کتابوں کے علوم اور دانائی اور حکمت کی باتیں سکھائے گا۔ اور بالخصوص اُن کو توریت اور انجیل کا علم عطا کرے گا اور بنی اسرائیل کی طرف ایک عظیم الشان رسول بنا کر بھیجے گا جو صاحب معجزات ہوگا اور تحدی کے ساتھ ان سے یہ کہے گا کہ میں تمہارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کی ایک روشن نشانی لے کر آیا ہوں یعنی ایسے معجزات قاہرہ لے کر آیا ہوں جو میری رسالت کی روشن دلیلیں ہیں جن کو دیکھ کر تم بدھتے یہ جان لو گے کہ یہ معجزات بلاشبہ من ربکم یعنی تمہارے رب کی جانب سے ہیں اس لیے کہ اس زمانہ کے تمام حکماء اور اطباء اُن کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہوں گے اور وہ معجزات یہ ہیں کہ میں تمہارے لیے اور تمہارے اطمینان کے لیے گارے سے پرندہ جیسی ایک صورت اور شکل بناؤں گا اور پھر اس مصنوعی صورت اور شکل میں پھونک ماروں گا پس وہ ظاہری صورت و شکل اللہ تعالیٰ کے حکم سے حقیقتاً زندہ پرندہ بن جائے گی اور اس کے علاوہ دوسرا معجزہ میرا یہ ہوگا کہ میں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو ہاتھ پھیر کر اچھا اور چنگا کر دوں گا اور مردوں کو زندہ کر دوں گا۔ اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہوگا۔ ظاہراً اگرچہ میرا ہاتھ ہوگا مگر در پردہ اللہ کا حکم ہوگا اور مادر زاد اندھا ہونا اور کوڑھی ہونا یہ وہ بیماریاں ہیں جن سے تمام اطباء اور حکماء عاجز ہیں۔ بالخصوص مردہ کو زندہ کرنا یہ سب ہی سے بڑھ کر اعجاز ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ طب کا چرچا تھا اس لیے حضرت عیسیٰ کو اس قسم کے معجزات دیئے گئے تاکہ اطباء اور حکماء کا عجز ظاہر ہو۔

لفظ باذن اللہ کا تکرار الوہیت کا شبہ رفع کرنے کے ہے کہ مردہ کو زندہ کرنا بندہ کا کام نہیں بلکہ خدا کا کام اور اس کا حکم ہے۔ اب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزات

نکتہ

کا ذکر ہوا۔ اَوَّلُ خَلْقِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ۔ دَوَّمْ اِبْرَارِ اَكْمَہ۔ سَوَّمْ اِبْرَارِ اَبْرَص۔ چہارم اجبار موتی۔ یہ چاروں معجزات فعلی تھے اب آگے پانچویں معجزہ کو ذکر کرتے ہیں جو علمی اور قولی معجزہ تھا وہ یہ کہ میں تم کو خبر دوں گا اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو یعنی بذریعہ وحی کے بعض منیبات پر تم کو مطلع کروں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار علمی معجزات کے بعد یہ ایک علمی معجزہ ذکر فرمایا۔ تحقیق ان تمام علمی اور علمی معجزات میں میری صداقت کی پوری پوری نشانی اور علامت ہے تمہارے لیے یعنی تمہاری ہدایت کے لیے اگر تم ایمان لانا چاہو تو ایمان لے آؤ میرے دعوتے نبوت کی صداقت۔ دلائل قاہرہ اور معجزات باہرہ سے تم پر واضح اور روشن ہو چکی ہے اور یہ پانچ معجزے میری نبوت و رسالت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور مجھ سے پہلے جو توریت نازل ہو چکی ہے میں اس کی تصدیق کے لیے آیا ہوں کہ بیشک وہ خدا کی کتاب تھی اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے کہ آسمانی کتابوں کو سچا بتاتے ہیں اور ایک نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے اور میں اس لیے آیا ہوں کہ حلال کردوں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو جو تم پر حرام تھیں یعنی وہ بعض چیزیں جو تم پر توریت میں حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی اس کی حرمت کو منسوخ کر دینا اور مثلاً ہفتہ کے دن جو پھل کھانے کی ممانعت تھی اسکو بھی منسوخ کر دینا اور حاصل کلام یہ ہے کہ میرا نبی اور رسول ہونا تم پر خوب واضح ہو چکا ہے۔ کیوں کہ میں اپنی نبوت کی نشانی خدا کی طرف سے تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں پس اللہ سے ڈرو یعنی میری مخالفت اور تکذیب میں اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بے چون و چرا میری فرمانبرداری کرو یعنی جو کہتا ہوں اس کو مانو تحقیق اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی تمہارا پروردگار ہے یعنی ان معجزات کی وجہ سے مجھ کو اپنا رب اور خدا نہ سمجھنا رب میرا اور تمہارا وہی ایک خدا ہے جس کی ہم سب عبادت کرتے ہیں اور میں اس خدا کے پروردگار کا برگزیدہ بندہ اور رسول ہوں معاذ اللہ اس کا بیٹا نہیں۔ یہ تین باتیں جو میں نے تم کو بتلائیں خدا تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے یعنی توحید اور تقویٰ اور اطاعت رسول اور توحید اور تقویٰ وہی معتبر ہے جو نبی اور رسول کی ہدایت اور تلقین کے مطابق ہو خود ساختہ توحید اور تقویٰ ہیچ ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ

پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر ، بولا ،

مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْخَوَارِيُّونَ

کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں ؟ کہا خاریوں نے ،

نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ

ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کے ، ہم یقین لائے اللہ پر، اور تو گواہ رہ

يَا أَيُّهَا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا أَمَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

کر ہم نے حکم قبول کیا ۔۔۔ اے رب! ہم نے یقین کیا جو تو نے اتارا، اور ہم تابع

الرَّسُولَ فَالْكَتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَكْرُوهًا وَ

ہوئے رسول کے، سو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں ۔۔۔ اور فریب کیا ان کافروں

مَكَرَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِيرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ

نے، اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ۔۔۔ جس وقت کہا اللہ نے

يَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ

اے عیسیٰ! میں تجھ کو بھروں گا اور اٹھا لوں گا اپنی طرف، اور پاک کردوں گا

مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ

کافروں سے، اور رکھوں گا تیرے تابعوں کو

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ج شَمَّ إِلَىٰ

اوپر منکروں سے، قیامت کے دن تک ۔۔۔ پھر میری طرف

مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

ہے تم کو پھر آنا، پھر فیصلہ کردوں گا تم میں جس بات میں تم جھگڑاتے تھے ۔۔۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَعَذَابُ اللَّهِمْ عَذَابًا شَدِيدًا

سو وہ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب،

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٥٦﴾ وَ

دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں ان کا مددگار ۔۔۔ اور

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

وہ جو یقین لائے، اور عمل نیک کیے سو ان کو پورا دے گا

أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ

ان کا حق - اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف :- یہ پڑھ سناتے ہیں

عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ

ہم تجھ کو آیتیں، اور مذکور تحقیق :- عیسیٰ کی مثال

عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ طَخَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسے مثال آدم، بنایا اُس کو مٹی سے پھر کہا اس کو

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنْ

ہو جا وہ ہو گیا :- حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے، پھر تو مت رہ

الْمُتَرَدِّينَ ﴿٦٠﴾

شک میں :-

ذَكَرَ عَدَاوَتِ يَهُودَ بَا عِيسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَفَاطَتِ خُدَّائِهِمَ

وَبَشَارَتِ رَفْعِ إِلَى السَّمَاءِ وَمُحْفُوظِيَّتِ أَرْمَكِرَ أَعْدَاءِ

قَالَ تَعَالَى فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمْ الْكُفْرَ إِلَى فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُتَرَدِّينَ

حسب بشارت جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر نبی ہوئے اور لوگوں کو توحید اور تقویٰ اور اپنی اطاعت کی دعوت دی اور سیدھی راہ کی طرف بلایا اور معجزات اور نشانات اُن کو دکھلائے تو یہود بے بہود نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کے ایذا اور قتل کے درپے ہوئے۔
حق جل شانہ نے ان آیات میں یہود کی عداوت کا ذکر کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے قتل کی کیا کیا

تدبیریں کر رہے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کا ذکر فرمایا کہ ہم نے اُن کی حفاظت کی کیا تدبیر کی وہ یہ کہ ہم نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور دشمنوں کی ساری تدبیریں اور امیدیں خاک میں ملا دیں اصل مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دینا ہے کہ آپ دشمنوں سے بالکل مامون اور محفوظ رہیں گے اور زندہ آسمان پر اٹھائے جائیں گے چنانچہ فرماتے ہیں پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی جانب سے کفر اور انکار کو محسوس کر لیا اور دیکھ لیا کہ یہ لوگ میرے قتل کے درپے ہیں تو اپنے مخصوص اصحاب سے جو حواریین کہلاتے تھے یہ کہا کہ کون ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں میری مدد کرے اللہ کی طرف ہو کر حواریتین بولے کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے ہم آپ ہی کی دعوت اور تبلیغ سے اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں گے کہ ہم اللہ کے اور آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے بعد حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے ایمان کی سختگی اور استقامت کے لیے یہ دعا کی اے پروردگار ہم ایمان لائے ان تمام چیزوں پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور دل و جان سے رسول کے تابع ہوئے پس ہم کو اپنے دین کے شاہدوں کے زمرہ میں لکھ دیجیئے یعنی کالمین کے زمرہ میں ہمارا نام لکھ دیجیئے۔ مقصود یہ تھا کہ جب ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا تو گویا کہ ہمارا ایمان رجسٹری ہو جائے گا کہ پھر لوٹنے کا احتمال نہ رہے گا اور یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے اور قتل کرنے کی خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت اور سچاؤ کی ایسی پوشیدہ تدبیر فرمائی جو وہم و گمان سے بھی بالا اور برتر تھی وہ یہ کہ انہی میں سے ایک شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہمشکل بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا یہودی اسی ہمشکل کو عیسیٰ سمجھ کر پکڑ کر لے گئے اور عیسیٰ سمجھ کر اس کو قتل کیا اور سولی پر چڑھایا۔ اور خوش ہو گئے اور ادھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبریل گھر کے روشن دان سے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالے گئے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی اُس وقت جبکہ دشمن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نزعہ میں لیے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پریشانی دور کرنے کے لیے پانچ بشارتیں دیں۔

بشارت اول فرمایا اے عیسیٰ تم گھبراؤ نہیں تحقیق میں تم کو ان دشمنوں کے نزعہ سے بلکہ اس جہان ہی سے تم کو پورا پورا لے لوں گا اور تمہارا کوئی جزاں میں باقی نہ چھوڑوں گا کہ جس کو یہ ہاتھ بھی لگا سکیں پکڑنا اور صلیب پر چڑھانا تو کجا تیرا سایہ بھی ان کو نہ ملے گا۔

بشارت دوم اور ان کافروں سے پورا پورا ایسے لینے کے بعد تجھ کو اپنی طرف اٹھالوں گا یعنی آسمان پر بلا لوں گا جو ملائکہ کی قرار گاہ ہے۔ حق تعالیٰ نے اول توفی کی بشارت دی کہ دشمنوں کے نزعہ سے پورے پورے اور صحیح و سالم نکال لیے جاؤ گے۔ اور پھر دشمنوں سے نجات پانے کے بعد رفع الی السماء کی بشارت دی کہ فقط دشمنوں سے نجات اور رہائی نہ ہوگی بلکہ رفع آسمانی اور معراج جسمانی سے سرفراز کیے جاؤ گے۔

بشارت سوم | اور میں تجھ کو ان ناپاک اور گندوں یعنی کافروں کے متعفن اور بدبودار پڑوس سے پاک کروں گا اور ایسی پاک وصاف اور مطہر اور معطر جگہ میں پہنچا دوں گا جہاں کفر اور عداوت کی نجاست کا رائحہ کر یہہ بھی محسوس نہ ہو سکے بلکہ ہر دم فرشتوں کی تسبیح و تقدیس کی خوشبوئیں سونگھتے رہو گے۔

بشارت چہارم | اور ناہنجار یہ چاہتے ہیں کہ تجھ کو بے عزت کر کے تیرے دین کے اتباع سے لوگوں کو روک دیں سو میں اس کے بالمقابل تیری پیروی کرنے والوں کو تیرے مخالفوں پر قیامت تک غالب اور فائق رکھوں گا کہ ہمیشہ ہمیشہ تیرے خادم اور غلام۔ تیرے مخالفوں اور منکروں پر حکمران ہوں گے اور یہ نالائق و ناہنجار تیرے پیروؤں کے محکوم اور باج گزار ہوں گے۔ قیامت تک یوں ہی سلسلہ چلتا رہے گا کہ نصاریٰ ہر جگہ یہود پر غالب اور حکمران رہیں گے چنانچہ اس وقت تک سنا بھی نہیں گیا کہ یہود کو نصاریٰ پر کبھی غلبہ نصیب ہوا ہو اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت قریب آجائے گی اور دجال کو جو ایک جزیرہ میں مجوس ہے جیل خانہ سے چھوڑ دیا جائے گا تو یہود بے بہبود اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور یہ کوشش کریں گے کہ اس کی سرکردگی میں اپنی حکومت قائم کریں اس لیے کہ دجال قوم یہود سے ہوگا اس وجہ سے تمام یہودی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ اس وقت یکایک عیسیٰ علیہ السلام بصد جاہ و جلال آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو جو یہود کا بادشاہ بنا ہوا ہوگا۔ اس کو خود اپنے دست مسیحائی سے قتل فرمائیں گے اور باقی یہود کے لشکر کا قتل و قتل اور اس گروہ کا بالکل استیصال امام مہدی کے سپرد ہوگا امام مہدی مسلمانوں کے لشکر کو ساتھ لے کر۔ دجال کے متبعین کو چن چن کر قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ کے نزول سے پہلے اگر چہ یہود۔ حضرت مسیح کے پیروؤں کے غلام اور محکوم تھے مگر زندہ رہنے کی تو اجازت تھی مگر حضرت مسیح کے نزول کے بعد زندہ رہنے کی بھی اجازت نہ رہے گی ایمان لے آؤ یا اپنے وجود سے دست بردار ہو جاؤ۔ اور نصاریٰ کو یہ حکم ہوگا کہ میری الوہیت اور ابنیت کے عقیدہ سے توبہ کرو۔ اور مسلمانوں کی طرح مجھ کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھو اور صلیب کو توڑیں گے جو نصاریٰ کا نشان ہے اور خنزیر کو قتل کریں گے جو یہودیوں کا خاص شعار ہے اسی طرح نصرانیت اور یہودیت کو ختم کریں گے اور سوائے دین اسلام کے کوئی دین قبول نہ کریں گے حتیٰ کہ کسی کافر سے جزیہ بھی قبول نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ جزیہ کا حکم اس وقت تھا جب تک کافر کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت تھی اب وہ اجازت اور مہلت ختم ہو چکی ہے اب سوائے اسلام کے کسی اور مذہب پر رہنے کی اجازت نہیں کیونکہ اب فیصلہ کا وقت یعنی قیامت قریب آگئی ہے اس لیے اب سوائے دین اسلام کے کسی دین کا وجود برداشت نہیں کیا جاسکتا۔

بشارت پنجم | الغرض حضرت عیسیٰ۔ نزول من السماء کے بعد اس طرح تمام اختلافات کا فیصلہ فرمائیں گے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں **ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ**۔ پھر تم سب کا میری طرف لوٹنا ہے پس

اس وقت میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ کر دوں گا۔ وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے کا یہ زعم باطل ہو جائے گا کہ ہم نے حضرت مسیح کو قتل کر دیا۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى وَقَوْلُهُمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اور نصاریٰ کا یہ زعم باطل ہو جائے گا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے ہیں اور حیات مسیح کے مسئلہ کا بھی فیصلہ ہو جائے گا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل کیے گئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور اب عرصہ دراز کے بعد اسی جسم کے ساتھ آسمان سے نزول ہو رہا ہے۔

اب آئندہ آیت میں اس حکم کی قدر سے تفصیل فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے پس جو لوگ کافر ہوئے ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں دنیا میں قتل ہوں گے اور اسیر ہوں گے اور ان پر جزیہ مقرر ہوگا اور طرح طرح سے ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا اور کوئی نہیں ان کا مددگار جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا سکے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے سو اللہ تعالیٰ ان کو پورا حق دے گا اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا بے انصافی کرنے والوں کو یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کا حق ادا نہ کریں۔ اور اللہ اور اس کے رسولوں کا حق ایمان لانا ہے۔

اِسْتِدْلَالُ بَرْنُبُوْتِ مُحَمَّدٍ بِقَصَّةِ مَذْكُوْرِهِ

چونکہ یہ قصہ بھی منجملہ انباء الغیب کے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو بتلایا اس لیے اس سے آپ کی نبوت کی دلیل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں یہ قصہ ہم آپ کو پڑھ کر سنارہے ہیں۔ جو منجملہ آپ کی دلائل نبوت سے ہے اور نصیحت اور حکمت کی باتوں میں سے ہے جو ہر طرح سے موجب بصیرت ہے۔

نصاریٰ کے ایک استدلال یا شبہ کا جواب

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ مَخْلُوْقًا مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

اس آیت میں حق جل شانہ نے نصاریٰ کے نجران کے ایک شبہ کا جواب دیا ہے جس کو وہ حضرت عیسیٰ کے انبیت کے لیے بطور استدلال ذکر کرتے تھے وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے معلوم ہوا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے تھے حق تعالیٰ نے ان کے جواب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا کچھ تعجب انگیز نہیں ہم نے آدم کو اپنی قدرت سے بغیر ماں اور باپ کے مٹی سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ اگرچہ

بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن اپنی جنس کے ایک فرد سے تو پیدا ہوئے مگر آدم علیہ السلام تو بالکل ہی غیر جنس سے پیدا ہوئے پس اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل الوہیت ہے تو آدم علیہ السلام اس کے زیادہ سزاوار ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی مثال ہے آدم کی تصویر کو مٹی سے بنایا پھر اس میں روح پھونکی اور اس قالب کو حکم دیا کہ زندہ آدمی ہو جا تو فوراً اسی طرح ہو گیا۔ جس طرح حکم ہوا تھا یہی بات حق ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں بتلا دی گئی پس اے مخاطب تو ان لوگوں میں سے مت بن جو حضرت عیسیٰ کے بارہ میں شک اور تردید میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہود کی طرح نہ ان کی والدہ ماجدہ پر تہمت لگا اور نہ نصاریٰ کی طرح اُن کو ابن اللہ سمجھ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے بتلادیا ہے۔ اس کے مطابق ایمان لاوہ یہ کہ حضرت عیسیٰ خدا کے برگزیدہ بندہ تھے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور جب دشمنوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا۔

نکتہ | روح الامین کی طرح ان کا لقب بھی روح اللہ ہوا تو معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ صورت انسان اور بشر تھے مگر حقیقتہً جنس ملائکہ سے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھایا تاکہ اپنے ہم جنس فرشتوں میں زندگی بسر کریں اور حضرت عیسیٰ کو جو معجزات دیئے گئے ان کو بھی رفع الی السماء سے خاص مناسبت تھی وہ یہ کہ مٹی کا پتلا پھونک مارنے سے باذن اللہ پرند بن کر اُڑنے لگتا تھا اشارہ اس طرف تھا کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح اُڑ کر آسمان پر چلے جائیں گے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں۔ اس لیے حضرت عیسیٰ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے جیسے آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر اترے تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ کا نزول۔ حضرت آدم کے صبوط کے مشابہ ہوگا اور جس طرح آدم علیہ السلام کا صبوط من السماء جہانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول من السماء بھی جہانی ہوگا۔

لطائف و معارف

۱۔ حواری۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ یار کا لقب تھا حواری اصل میں دھوبی کو کہتے ہیں۔ پہلے دو شخص جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تابع ہوئے وہ دھوبی تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو میں تم کو دل دھونے سکھا دوں وہ ان کے ساتھ ہو گئے پھر اسی طرح سب ساتھیوں کا یہی لقب پڑ گیا (کذا فی موضح القرآن) غرض کہ حواریں سے حضرت یسح کے انصار اور خاص اصحاب مراد ہیں۔ قاموس میں ہے کہ حواری کے معنی دھوبی یا خالص دوست یا نبی کے مددگار کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص اصحاب۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاون ہونے کی وجہ سے حواریین کے نام سے موسوم ہو گئے۔ صحیحین

میں ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں تین مرتبہ آواز دی۔ تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

۲۔ مکر کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے مفسرین کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ مکر اصل لغت میں اُس حیلہ کو کہتے ہیں جو دوسرے کے نقصان کا سبب ہو۔ اور یہ بظاہر قبیح اور مذموم ہے۔ اس لیے یہ لفظ مکر۔ منکر بن عیسیٰؑ کے حق میں تو بطور حقیقت استعمال ہوا ہے اور مکر اللہ میں جو مکر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ وہ بطریق مجاز ہے یعنی مقابلہ اور ازدواج کے طور پر استعمال ہوا ہے اس لیے کہ مکر ایک برا فعل ہے جس سے ذات باری تعالیٰ کو منزہ ہونا چاہیے اس لیے زجاج کا قول ہے کہ مکر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اُن کے مکر کا بدلہ دیا جیسے جزاء و سبب سبب مثلاً میں برائی کے بدلہ اور سزا کو بطور مقابلہ برائی سے تعبیر کیا گیا ہے اور جیسے قرآن کریم میں جزاء خداع اور جزاء استہزاء کو خداع اور استہزاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ مکر اصل لغت میں کسی بُرے معنی پر دلالت نہیں کرتا تاکہ بغرض تنزیہ و مکر اللہ میں معنی مجازی مراد لیے جائیں کیونکہ اصل میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے ہیں جو ایسے نامعلوم طریقہ سے کی جائے کہ دوسرے کو اس کا خیال بھی نہ ہو پس اگر یہ تدبیر کسی محمود اور مستحسن غرض کے لیے کی جائے تو یہ تدبیر بھی محمود اور مستحسن ہوگی اور اگر کسی غرض فاسد کے لیے کی جائے تو قبیح اور مذموم ہوگی۔ عرف میں اگرچہ لفظ مکر بری تدبیروں ہی کے لیے بولا جاتا ہے مگر حقیقت اور اصل لغت میں۔ اچھی اور بُری دونوں ہی قسم کی تدبیروں۔ مکر کے مفہوم میں داخل ہیں یعنی اگر کسی حکمت اور مصلحت سے کسی کے حق میں بھلائی کی تدبیر چکے چکے کی جائے تو وہ مکر محمود ہوگا اور اگر کسی غرض فاسد سے کسی کی برائی کے لیے خفیہ تدبیر کی جائے تو وہ مکر مذموم ہوگا اور لَا يَحْنِقُ الْمُكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ۔ میں مکر کے ساتھ سیئی کی قید لگانا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی اب اس تحقیق کی بنا پر لفظ مکر۔ و مکر اللہ میں اپنے حقیقی اور لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں اگرچہ آیت میں معنی مجازی بھی صحیح اور درست ہو سکتے ہیں تاہم بہتر یہی ہے کہ معنی حقیقی مراد لیے جائیں۔ اصل لغت کے اعتبار سے مکر کے معنی میں کوئی برائی نہیں تاکہ بغرض تنزیہ اس کو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اور ذوق اور وجدان بھی ہی کہتا ہے کہ اللہ کا مکر محمود تھا اور بنی اسرائیل کا مکر مذموم تھا اس لیے کہ و مکر اللہ کو ماقبل پر بطور عطف ذکر فرمایا ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے۔

بعض اولیاء اللہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کیسے مکر کرتا ہے تو ایک چنچ ماری اور یہ کہا کہ اللہ کے فعل کے لیے کسی علت اور سبب کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے بعد

وَقَدْ سَأَلَ بَعْضُهُمْ
كَيْفَ يَمْكُرُ اللَّهُ فَصَاحَ
وَقَالَ لَا عِلَّةَ لِمُنْعِهِ وَانْشَأَ
يَقُولُ۔

یہ شعر پڑھنے شروع کیے۔

فَذَيْتُكَ قَدْ جُبِلْتُ عَلَى هَوَاكَ ۝ وَنَفْسِي لَا تَنَارُ عُنِي سِوَاكَ
تربان ہو جاؤں تجھ پر اے محبوب میری جبلت اور فطرت میں تیری محبت داخل ہے اور میرا نفس تیرے
سوا کسی کی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتا۔

أَحْبَبُّكَ لَا يَبْعُضِي - بَلْ بِحُبِّي ۝ وَإِنْ لَمْ يَبْقِ حُبُّكَ لِي حَرَاكَ
میں تجھ کو محبوب رکھتا ہوں مگر اپنے بعض اجزاء کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنے کل اجزاء کے
اعتبار سے تجھ کو محبوب رکھتا ہوں اگرچہ تیری محبت نے مجھ میں ہلنے کی بھی سکت باقی نہیں چھوڑی۔
وَيَقْبَحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِي ۝ وَتَفْعَلُهُ فَيَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَ
اور تیرے سوا سے جو فعل صادر ہوتا ہے وہ میرے نزدیک قبیح اور بُرا ہوتا ہے اور جب
اسی فعل کو تو کرتا ہے تو وہ نہایت مستحسن اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ (روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۳)

۳۔ یہود کا مکر یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور صلب کا ارادہ کیا اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو جبریل امین کے ذریعہ گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھوا لیا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ
سے مروی ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کیں بادشاہ کے کان بھر
دیئے کہ یہ شخص معاذ اللہ لحد ہے تو ریت کو بدلنا چاہتا ہے اور سب کو بے دین بنانا چاہتا ہے بادشاہ نے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیا جب وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے گرفتار کرنے کے لیے گئے تو اللہ تعالیٰ
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچانے کی یہ تدبیر کی کہ انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کے ہمشکل بنا دیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا لوگوں نے اس شخص کو جو انہی میں کا تھا اور حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کے ہمشکل بنا دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن عباسؓ
سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر عربی، ص ۳۶۵ ج ۱)

۴۔ لفظ توفی کے متعلق حافظ ابن تیمیہ الجواب الصحیح ص ۲۸۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں لفظ التوفی فی
لغة العرب معناه الاستيفاء والقبض وذلك ثلاثة انواع احدها توفی النوم. والثاني توفی
الموت والثالث توفی الروح والبدن جميعا۔

یعنی لغت عرب میں توفی کے معنی استيفاء، پورا پورا لے لینے اور اپنے قبضہ میں کر لینے کے ہیں۔
اور توفی کی تین قسمیں ہیں۔ ایک توفی نوم۔ یعنی خواب اور نیند کی توفی جس میں انسان کے شعور اور ادراک کو
پورا پورا قبض کر لیا جاتا ہے اور دوسری توفی موت۔ یعنی موت کے وقت روح کو پورا پورا قبض کر لینا۔ تیسری
توفی الروح والجسد۔ یعنی جسم اور روح کو پورا پورا لے لینا۔ انتہی یعنی روح اور جسم دونوں کو پورا پورا آسمان
پر لے جانا۔

لفظ توفی کے متعلق ابوالبقاؒ اپنی کلیات میں لکھتے ہیں۔ التوفی الاماتة وقبض الروح وعليه

استعمال العامة ادا لا استيفاء و اخذ الحق دعليه استعمال البلغاء اھ۔ یعنی توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور روح قبض کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک استيفاء یعنی کسی چیز کے پورا پورے لینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ توفی کے اصل معنی تو استيفاء کے ہیں اور موت پر جو لفظ توفی کا اطلاق آتا ہے وہ بھی اسی درجہ سے آتا ہے کہ اس میں جان پوری پوری لے لی جاتی ہے۔ یا یہ کہ عمر پوری کر دی جاتی ہے پس اگر فقط جان پوری پوری لے لی جائے تو بھی توفی ہے اور اگر جان اور جسم دونوں کو پورا پورے لیا جائے تو بدرجہ اولیٰ توفی ہوگی بلکہ اعلیٰ درجہ کی توفی ہوگی کیونکہ جن ائمہ لغت نے توفی کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ فقط قبض روح کو توفی کہتے ہیں اور اگر قبض روح مع البدن ہو تو اس کو توفی نہیں کہتے بلکہ ظاہر ہے کہ اگر قبض روح کے ساتھ قبض بدن بھی ہو تو بدرجہ اولیٰ توفی ہوگی۔ غرض یہ کہ اصل لغت کے اعتبار سے توفی کے معنی استيفاء اور قبض کے ہیں جو اپنی معنی اصلی اور جنسی کے لحاظ سے نوم (نیند) اور موت اور رفع جسمانی سب پر صادق آتا ہے۔

دیکھیے حق جل شانہ نے اپنے اس ارشاد اَدَلُّهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا میں توفی نفس کی دو صورتیں بتلائی ہیں ایک موت اور دوسری نوم یعنی نیند۔ اور عین موتہا کی قید لگا کر یہ بتلادیا کہ کبھی توفی موت کے وقت ہوتی ہے عین موت نہیں ورنہ شئی کا خود اپنے لیے ظرف ہونا لازم آئے گا۔ اور وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ میں بھی توفی کا استعمال نیند کے موقع پر کیا گیا ہے۔

نکتہ توفی کے اصلی معنی تو پورا پورا وصول کر لینے کے ہیں محاورہ عرب میں لفظ توفی نوم اور موت کے لیے مستعمل نہیں ہوتا تھا لیکن قرآن کریم نے لفظ توفی کو نوم اور موت کے معنی میں اس لیے استعمال کرنا شروع کیا تاکہ اہل عرب پر موت اور نوم کی حقیقت واضح ہو جائے کہ انسان کے بدن میں کوئی چیز پوشیدہ ہے جس کو حق تعالیٰ نوم اور موت کی حالت میں بندہ سے لے لیتے ہیں عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان مگر نیست دنا بود ہو جاتا ہے۔ موت کو فنا اور عدم کے مرادف سمجھتے تھے اسی لیے وہ بعث یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے اور یہ کہتے تھے۔ اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَتَيْنَا لَكَ خَلْقًا جَدِيدًا حق تعالیٰ نے اُن کے رد کے لیے یہ ارشاد فرمایا قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ یعنی آپ ان منکرین بعث سے کہہ دیجیے کہ تم مگر فنا نہیں ہو جاتے بلکہ موت کا فرشتہ تم سے اللہ کا پورا پورا حق وصول کر لیتا ہے یعنی وہ ارواح جو اللہ کی امانت ہیں وہ تمہارے جسموں سے لے لی جاتی ہیں اور اللہ کے یہاں محفوظ رہتی ہیں قیامت کے دن پھر انہی ارواح کو تمہارے اجسام کے ساتھ متعلق کر کے حساب و کتاب لیا جائے گا چنانچہ سٹا ہ عبدالقادر فرماتے ہیں۔ ”تم اپنے آپ کو دھڑ بھڑتے ہو کہ خاک میں رُل گئے تم جان ہو وہ فرشتہ لے جاتا ہے فنا نہیں ہوتے“ اھ

۵۔ تمام امت محمدیہ کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے

اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے سلف اور خلف میں سے نہ کوئی حضرت عیسیٰ کے رفع الے السماء کا منکر ہے اور نہ نزول من السماء کا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص جبر ص ۳۱۹ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے تفصیل کے لیے کلمۃ اللہ فی حیۃ روح اللہ کو دیکھیے۔

اختلاف صرف اس میں ہے کہ رفع الے السماء سے پہلے کچھ دیر کے لیے موت طاری ہوئی یا نہیں یا حالت نوم میں آسمان پر اٹھائے گئے۔

جمہور صحابہ و تابعین اور عامہ سلف صالحین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد نہیں بلکہ توفی کے اصلی اور حقیقی معنی مراد ہیں یعنی کسی شے کا پورا پورا لے لینا کیونکہ دشمنوں کے ہجوم اور نزعہ کے وقت توفی کی بشارت حضرت عیسیٰ کی تسلی اور تسکین کے لیے ہے کہ اے عیسیٰ تم دشمنوں کے ہجوم اور نزعہ سے گھبراتا نہیں۔ میں تم کو پورا پورا روح اور جسم سمیت ان نابکاروں سے چھین لوں گا تیرا وجود۔ ان کے لیے میری ایک عظیم نعمت تھا ان کے کردار سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ نابکار اور ناہنجار اس قابل نہیں کہ تیرے وجود کی نعمت کو ان کے لیے باقی رکھا جائے ان کی ناقدری اور ناسپاسی کی سزا یہ ہے کہ ان سے یہ نعمت پوری پوری واپس لے لی جائے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ قدس سرہ اس بارہ میں فرماتے ہیں۔

وَجُودُهُ لَمْ تَكُنْ أَهْلًا لِخَيْرٍ ... فَيَأْخُذُ مِنْهُمْ عَيْسَىٰ رَافِعًا
یہ چہرے کسی خیر کے قابل نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچ لیا۔
وَيَرْفَعُهُ وَلَا يُبْقِيهِ فِيهِمْ ۖ كَأَخْذِ الشَّيْءِ لَمْ يُشْكَرْ عَلَيْهِ
اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا اور ان میں باقی نہ چھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو ان سے ایسا لے لیا جیسا کہ اُس شے کو لے لیا جاتا ہے جس کی ناقدری کی جائے۔
وَحِينَئِذٍ كَمَا يُخَازِ الشَّيْءُ حِفْظًا ۖ ذَاذًا لِّمَا دَوَّىٰ لَدَيْهِ
اور ان سے چھین کر اپنے پاس ان کو خاص طور سے محفوظ رکھا اور اپنے قریب میں ان کو ٹھکانہ دیا۔

غرض یہ کہ آیت میں توفی سے پورا پورا لے لینے کے معنی مراد ہیں۔ موت کے معنی مراد نہیں اور نہ اس مقام کے مناسب ہیں اس لیے کہ جب ہر طرف سے خون کے پیاسے اور جان کے لیواکھڑے ہوئے تو اس وقت تسلی اور تسکین خاطر کے لیے موت کی خبر دینا کہ میں تجھ کو موت دوں گا مناسب نہیں دشمنوں کا تو مقصود ہی جان لینا ہے اس وقت تو مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ تم گھبراؤ نہیں تم کو تمہارے دشمنوں کے نزعہ سے پورا پورا اور صحیح و سالم نکال لے جائیں گے کہ دشمنوں کو تمہارا سایہ بھی نہ مل سکے گا پس اگر آیت میں توفی سے موت کے معنی مراد ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی تو نہ ہوگی البتہ یہود کی تسلی ہو جائے گی اور مطلب یہ ہوگا کہ اے یہود تم بالکل نہ گھبراؤ اور نہ مسیح کے قتل کی فکر کرو میں خود ہی ان کو موت دوں گا۔

گیا اور پھر آخری زمانہ میں تمہارے نازل ہونے کے بعد تم کو موت دوں گا۔

اس تفسیر کی رو سے رفع - توفی پر مقدم ٹھہرتا ہے اور آیت میں تقدیم و تاخیر کا قائل ہونا لازم آتا ہے لیکن یہ اعتراض قابل التفات نہیں اس لیے کہ داؤد ترتیب کے لیے وضع نہیں ہوا اور تقدیم و تاخیر نہ قواعد عربیت کے خلاف ہے اور نہ فصاحت و بلاغت میں مغل ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

و مثله من التقديم والتأخير
کثیر فی القرآن (تفسیر کبیر ص ۲۸۸)
ابن عباس کی تفسیر میں جو تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے سو اس قسم کی تقدیم و تاخیر قرآن کریم میں بہت کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

اور قرآن کریم میں تقدیم و تاخیر کے نظائر اور شواہد ہم نے اپنے رسالہ - کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ میں لکھ دیئے ہیں وہاں دیکھ لیے جائیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے باسانید صحیحہ منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اور آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں توفی سے توفی موت مراد ہے لیکن یہ اخیر زمانہ میں ہوگی۔

اخرج اسحاق بن بشر و ابن عساکر
من طریق جوہر عن الضحاک عن
ابن عباس فی قوله تعالیٰ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ
ورافعک الی یعنی رافعک ثم متوفیک
فی آخر الزمان (تفسیر درمنثور ص ۳۶ ج ۲)
اسحاق بن بشر اور ابن عساکر ضحاک
سے راوی ہیں کہ ابن عباس مُتَوَفِّیْکَ
کی تفسیر میں یہ فرماتے تھے کہ حضرت مسیح
کا رفع مقدم ہے اور ان کی وفات اخیر
زمانہ میں ہوگی۔ (تفسیر درمنثور)

پس اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متوفیک کی تفسیر میتک کے ساتھ منقول ہے تو انہی ابن عباس سے باسانید صحیحہ و جیدہ یہ بھی منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے تو پھر ان کے نصف قول کو ماننا اور نصف کا انکار کر دینا کونسی عقل اور کونسی دیانت ہے قادیان کے دہقان ابن عباس کے اس نصف قول کو قبول کرتے ہیں جو ان کی ہوائے نفسانی اور غرض کے موافق ہے۔ اور دوسرا نصف جو ان کی غرض کے خلاف ہے اس سے گریز کرتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تارک صلوٰۃ - لَا تَقْرَءُوا الصَّلَاةَ سے حجت پکڑتے ہیں اور اَنْتُمْ سَکَارٰی سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

نکتہ | رہا یہ امر کہ اس تقدیم و تاخیر میں نکتہ کیا ہے سو نکتہ یہ ہے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ
الٰی الخ سے مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسلی ہے کہ یہ دشمن جو آپ کے قتل اور صلب
کے درپے ہیں اور آپ کی جان لینا چاہتے ہیں یہ ہرگز آپ کے قتل کرنے اور سولی دینے پر قادر نہ ہوں
گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو وقت مقدّر پر طبعی موت سے وفات دیں گے اور فی الحال آپ کو اپنی طرف

اٹھالیں گے آپ بالکل مطمئن رہیں کہ دشمن آپ کی جان نہیں لے سکیں گے۔ غرض یہ کہ دشمن جان لینا چاہتے تھے اس لیے تو فی کا ذکر مقدم فرمایا جس سے مقصود دشمنوں سے محفوظ رہنے کی بشارت دینا ہے کہ موت ان کے قبضہ میں نہیں وہ ہمارے ہاتھ میں ہے جو ہمارے حکم سے اپنے وقت پر ہوگی۔

نیز تو فی کی تقدیم میں ایک نکتہ یہ ہے کہ بیک وقت اور بیک لفظ یہود اور نصاریٰ دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہود کی تردید اس طرح ہوئی کہ یہود اُن کے ماننے میں کامیاب نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ خود ان کو وقت مقرر پر وفات دے گا۔

اور نصاریٰ کی تردید اس طرح ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں کیونکہ ان پر ایک وقت آنے والا ہے کہ اس وقت ان پر موت اور فناء آئے گی۔ اور فانی خدا نہیں ہو سکتا۔

۶۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وعدہ تو فی کا جس کی تفصیل گذر گئی۔

دوسرا وعدہ رفع الی السماء کما قال تعالیٰ وَرَافِعُكَ اُکَّی۔ یعنی اے عیسیٰ میں تم کو اپنی طرف اٹھاؤں گا جہاں میرے فرشتے رہتے ہیں وہاں تم کو رکھوں گا اس آیت میں رفع سے جسمانی رفع مراد ہے اس لیے کہ (۱) وَرَافِعُكَ اُکَّی میں خطاب عیسیٰ علیہ السلام کو ہے جو مجموعہ ہے جسم اور روح کا (۲) اور یہاں رفع درجات اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے حاصل تھا اور رفع جسمانی میں تو اور بھی رفع درجات حاصل ہو جاتا ہے رفع جسمانی۔ رفع درجات کے منافی نہیں اور فقط رفع روحانی اس لیے مراد نہیں ہو سکتا کہ رفع روحانی ہر مرد صالح کو بوقت موت حاصل ہوتا ہے۔ اس کو خاص طور پر بطور وعدہ ذکر کرنا بے معنی ہے۔

نیز باتفاق محدثین و مفسرین و مؤرخین یہ آیتیں نصارائے نجران کے حق میں اُن سے مناظرہ اور ان کے عقائد کی اصلاح کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام۔ خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول اور مصلوب ہوئے اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر اٹھائے گئے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں عقیدہ ابنیت اور عقیدہ قتل و صلب کی صریح لفظوں میں تردید اور نفی فرمائی کہ وہ خدا کے بیٹے نہ تھے بلکہ خدا کے بندہ اور رسول تھے اور یہود کا یہ زعم کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ بَنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ اور نصاریٰ کے تیسرے عقیدہ یعنی رفع الی السماء کی تصویب اور تصدیق فرمائی اور وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ (یعنی دشمنوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ سولی دی) میں قتل اور صلب کی نفی کرنے کے بعد متصلاً یہ فرمایا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ اِلَيْهِ بَلْکَ اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ آسمان پر اٹھایا اگر عقیدہ قتل و صلب کی طرح عقیدہ رفع الی السماء بھی غلط تھا تو جس طرح وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کہہ کر عقیدہ قتل و صلب کی صراحت تردید فرمائی اسی طرح بجائے بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ اِلَيْهِ کے مَا رَفَعَهُ اللَّهُ

فرما کر عقیدہ رفع الی السما کی تردید فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نہیں اٹھایا۔
تیسرا وعدہ - وَ مُطَهِّرُكُم مِّنَ الذِّمَنِ كَفَرُوا کا ہے تطہیر سے مراد یہ ہے کہ اہل کفر کے نجس اور ناپاک قرب و جوار سے الگ کر کے تم کو آسمان پر بلا لوں گا۔

چوتھا وعدہ - یہ ہے کہ تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر غالب رکھوں گا۔ اور تیرے دشمنوں کو کبھی حاکمانہ اقتدار نصیب نہ ہوگا۔ کما قال تعالیٰ دَجَاعِلُ الذِّمَنِ اتَّبَعُولُكَ فَوَقَّ الذِّمَنِ كَفَرُوا آتِیَ یَوْمِ الْقِیَامَةِ جَانَا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ کے تابع اور پیرو نصاریٰ تھے جو حضرت عیسیٰ کے دین پر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح پیرو مسلمان ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کی وصیت مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِی اَسْمُهُ اَحْمَدُ پر عمل کرنے والے ہیں۔ پس حاصل یہ نکلا کہ امت محمدیہ اور نصاریٰ۔ ہمیشہ یہود پر غالب اور حاکم رہیں گے چنانچہ یہ وعدہ جلد ہی پورا ہوا کہ یہود ذلیل اور خوار ہوئے اور سلطنت ان کی ختم ہوئی اور پھر آج تک یہود جہاں کہیں بھی ہیں یا تو نصاریٰ کی رعایا ہیں یا اہل اسلام کی اور اس وقت فلسطین میں جو یہودیوں کی برائے نام حکومت قائم ہوئی ہے وہ درحقیقت نصاریٰ (امریکہ و برطانیہ) کی ہے نام یہود کا ہے اس برائے نام سلطنت کا وجود تمام تر نصاریٰ کے رحم و کرم اور اعانت اور امداد کا مرہون منت ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا صرف چالیس دن کے لیے دجال کا شور و غوغا ہوگا اور یہودی اس کے ساتھ ہوں گے سو اس چند روزہ شور و غوغا کو سلطنت نہیں کہا جا سکتا اور عجب نہیں کہ فلسطین میں یہ برائے نام حکومت اس لیے قائم ہوئی ہو کہ یہودی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدیؑ کو نزل اور ظہور کے بعد قتل میں سہولت ہو کہ سب ایک جگہ جمع ہیں قتل کے لیے تلاش نہ کرنا پڑے۔

پانچواں وعدہ - فیصلہ اختلاف ہے ثَمَّ اَتِیَ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ یہ پانچواں وعدہ ہے کہ جو اختلافات کے فیصلہ سے متعلق ہے تمام اختلافات کا آخری فیصلہ تو آخرت اور قیامت کے دن ہوگا لیکن یہود اور نصاریٰ اور اہل اسلام کے اختلافات کا ایک فیصلہ قیامت قائم ہونے سے کچھ روز پہلے ہی ہو جائے گا اور وہ مبارک وقت ہوگا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور یہود کو چین چین کر ماریں گے کوئی یہودی اس وقت اپنی جان نہ بچا سکے گا۔ حدیث میں ہے کہ اس وقت اگر کوئی یہودی جان بچانے کے لیے کسی شجر یا حجر کے پیچھے چھپ جائے گا تو شجر اور حجر میں سے آواز آئے گی ہذا یہودی وراثی فاقتله یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اس کو قتل کیجئے غرض یہ کہ اس طرح کی تیغ بے دریغ سے تو یہودیت کا فیصلہ اور خاتمہ ہو جائے گا۔ اور حضرت عیسیٰؑ نزل کے بعد صلیب کو جو کہ (نصرانیت کا نشان ہے) توڑیں گے جس سے نصرانیت کا فیصلہ اور خاتمہ ہو جائے گا۔ اور یہود اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے اور یہود

عقیدہ قتل و صلب سے ثابت ہو جائیں گے اور نصاریٰ عقیدہ ابنیت سے ثابت ہو جائیں گے۔ اور مسلمان تو پہلے ہی سے حضرت عیسیٰ کے بارہ میں صحیح عقیدہ رکھتے تھے اور ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے تھے مسلمان نزول کے بعد جب ان تمام چیزوں کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے تو مسلمانوں کا ایمان بالغیب۔ ایمان شہودی بن جائے گا جس کے بعد ارتداد کا اندیشہ نہیں رہتا اور چونکہ مسلمانوں کا ایمان اور عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں بالکل صحیح ہو گا اس لیے حضرت عیسیٰ کا نزول مسلمانوں ہی کی ایک مسجد کے منارہ پر ہو گا اور مسلمان ہی آپ کے گرد و پیش اور آپ کے معین و مددگار ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دین اسلام ہی کی تجدید کے لیے ہو گا۔

غرض یہ کہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا اور خدا تعالیٰ کا یہ آخری وعدہ دنیا کے اخیر میں پورا ہو گا۔

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور اسی سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال زمین پر زندہ رہیں گے اور اس کے بعد وفات پائیں گے اور حجرہ نبوی میں مدفون ہوں گے اس طرح وفات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوگی۔ (کذا فی عقیدۃ الاسلام ص ۲۹)

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ

پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد اس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ

علم، تو تو کہہ آؤ! بلاویں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے

وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ تَفْتَمُّ

اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان۔ پھر دُعا

نَبْتِهَلُ فَتَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۖ إِنَّ

کریں، اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔ یہ جو

هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ

ہے سو یہی ہے بیان تحقیق، اور کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۲﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ

اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا ۔ پھر اگر قبول نہ کریں تو

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾

اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے ۔

دعوت مباہلہ برائے اتمام حجت براہل مجادلہ

قال تعالى فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اے فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ۔
(ربط) یہاں تک حق کو دلائل اور براہین سے ایسا واضح کر دیا گیا کہ جس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی لیکن جو شخص یا جو گروہ معاند اور ضدی ہو اور باطل پر مصر ہو اس سے کیا معاملہ کیا جائے آئندہ آیات میں اُس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے ساکت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُن کو مباہلہ کی دعوت دی جائے اور معاملہ اللہ کے سپرد کیا جائے ایسے لوگوں پر اتمام حجت کا یہ طریقہ ہے اور یہ امر ہم شروع سورت ہی میں لکھ آئے ہیں کہ سورہ آل عمران کی شروع کی ترسی آیتیں نجران کے نصرانیوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں اس آیت میں بھی انہی کو خطاب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بارہ میں حق واضح ہو چکا ہے ان واضح اور روشن دلائل کے بعد بھی اگر یہ جھگڑا کریں۔ تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ تم اپنی عورتوں اور لڑکوں سمیت حاضر ہو جاؤ اور ہم بھی اسی طرح اپنی عورتوں اور لڑکوں کو لے آئیں۔ اور سب مل کر خدا تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو جب جھوٹے پر حق تعالیٰ کا تہر آئے گا تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا چنانچہ فرماتے ہیں پس جب کہ یہ بتلادیا گیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور وہ خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے اور نہ ولد الزنا تھے بلکہ وہ اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اس پر بھی اگر آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں کوئی جھگڑا کرے اور کسی طرح حق کو نہ مانے بعد اس کے کہ پہنچ چکا ہے آپ کے پاس اس بارہ میں علم قطعی اور یقینی تو آپ اُن کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اب مناظرہ اور مباحثہ تو ختم ہوا تمہاری ضد اور عناد کے ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آؤ مباہلہ کریں اس طرح سے کہ بلائیں ہم سب مل کر اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی ذاتوں کو اور تمہاری ذاتوں کو پھر ہم سب ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر عجز و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا کریں پس یہ دعا کریں کہ اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو جھوٹوں پر پس جو جھوٹا ہو گا اس پر اللہ کا تہر آئے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون سچا ہے اور

کون جھوٹا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں افراط اور تفریط کرتے ہیں اور کسی طرح امر حق کو ملنے ہی نہیں اور کسی دلیل و برہان پر کان دھرتے ہی نہیں تو ایسے معاندین سے احقاق حق کی تدبیر اور فیصلہ کی آخری صورت یہ ہے کہ آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ تم اپنے آدمیوں کی ایک جماعت لے آؤ اور ہم مؤمنین کی ایک جماعت اپنے ساتھ لاتے ہیں اور پھر دونوں فریق مل کر دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدائے تعالیٰ کی لعنت اور عذاب ہو۔ اللہ تعالیٰ خود غیب سے جھوٹے پر کوئی قہر نازل فرمائے گا جس سے راست باز کی راستی اور صداقت ظاہر ہو جائے گی اور جب اس بددعا کا اثر ظاہر ہوگا تو عام لوگ خود ہی صادق اور کاذب کی تعیین کر لیں گے۔

چنانچہ جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے وفد کو بلایا اور یہ آیت پڑھ کر اُن کو سنائی اور مباہلہ کی اُن کو دعوت دی انہوں نے یہ کہا کہ ذرا صبر کیجئے، ہم ذرا غور کر لیں اور باہم مشورہ کر لیں۔ کل آپ کے پاس آئیں گے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ کہا کہ آپ ہم کو تین دن کی مہلت دیجئے اور یہ کہہ کر چلے گئے اور باہم مشورہ کیا۔

مشورہ میں اُن کے سردار نے عاقب سے کہا کہ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ یہ مرد نبی مرسل ہے اور اگر تم نے اس سے مباہلہ کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور واللہ کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ نہیں کیا اور پھر اُن کے بڑے زندہ رہے ہوں اور چھوٹے جوان ہوئے ہوں یعنی سب ہلاک ہوئے پس اگر تم ان کے اتباع اور پیروی کو نہ مانو اور اپنے ہی دین پر قائم رہنا چاہو تو اس شخص (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے صلح کرو اور اپنے شہروں کو واپس چلے جاؤ۔

قال السيد للعاقب قد
والله علمتم ان الرجل
نبی مرسل ولئن لا عنتموه
انه ليست اصلكم وما لا عن
قوم نبيا قط فبقی کبیرهم
ولا تبت صغیرهم فان ابیتهم
ان تتبعوه وایتمم الا الف دینکم
فوادعوه وارجعوا الی بلادکم
(در منشور ص ۳۹ ج ۲)

.. ..
.. ..
.. ..

یہ تجویز لے کر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے اور امام حسنؑ کی انگلی پکڑے ہوئے اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کو ساتھ لیے ہوئے تشریف لارہے تھے اور اُن سے یہ فرما رہے تھے کہ میں دعا کروں تو تم آئین کہنا وفد نجران کے بڑے پادری نے ان نورانی صورتوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ خدا کی قسم آج مجھ کو ایسے چہرے نظر آتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اس بات کی درخواست کریں کہ یہ پہاڑ اس جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی درخواست قبول کرے گا لہذا تم ان سے مباہلہ کر کے اپنے کو ہلاک اور برباد نہ کرو۔ ورنہ

روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مباہلہ اور مقابلہ سے گریز کیا اور آپ سے صلح کر کے واپس ہو گئے۔ صلح اس پر ہوئی کہ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ہزار حلتے (لنگی اور چادر) ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں دیا کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ دلائل ابی نعیم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پُر نورؐ نے جب وفد نجران کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے آپ سے تین دن کی مہلت مانگی۔ مہلت ملنے کے بعد مشورہ کے لیے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے مشورہ لیا۔

فاشاروا علیہم ان یصلحوا
ولا یلاعنوه وهو النبی الذی
نجدہ فی التوراة فصالحوا النبی
صلی اللہ علیہ وسلم
علی الف حلة فی صفر
والف فی رجب ودرہم۔
(درمنثور ص ۳۹ ج ۲)

یہود نے بالاتفاق یہ مشورہ دیا کہ آپ سے صلح کریں اور آپ سے مباہلہ اور مقابلہ نہ کریں آپ وہی نبی ہیں جن کو ہم توریت میں لکھا ہوا پاتے ہیں پس نصاریٰ نجران نے آپ سے صلح کر لی کہ ایک ہزار حلتہ آپ کو صفر میں دیا کریں گے اور ایک ہزار رجب میں اور کچھ درہم بھی۔

غرض یہ کہ نصاریٰ میں جو لوگ دانا اور سمجھدار تھے اُن کے مشورہ سے وفد نے مقابلہ اور مباہلہ سے گریز کیا اور جزیہ دینا قبول کیا تحقیق یہ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام کی بابت بیان کیا گیا یہی بیان تحقیق اور سچا بیان ہے اور سوائے اللہ کے کوئی بھی معبود نہیں تثلیث اور ابنیت کا عقیدہ بالکل غلط ہے اور تحقیق اللہ ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ سچوں کو عزت دیتا ہے اور اپنے دست قدرت اور اپنی حکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ اس کے مناسب حال معاملہ کرتا ہے پس اگر اس کے بعد اہل کتاب کلمہ عدل سے روگردانی کریں نہ دلائل کو مانیں اور نہ مباہلہ پر آمادہ ہوں تو سمجھ لو کہ تحقیق حق مقصود نہیں اور نہ دل میں اپنی صداقت پر وثوق اور اطمینان ہے مباہلہ سے انکار اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ اپنے عقائد میں متزلزل ہیں اپنے عقائد کی صحت پر ان کے پاس دلائل نہیں جس سے اُن کو اپنے دعوائے حقانیت کا یقین ہو سکے محض شبہات کی بنا پر اپنے عقائد پر اڑے ہوئے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مقصود محض فتنہ اور فساد ہی ہے تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے اگر ان کو اپنے عقائد کی حقانیت پر یقین ہے تو پھر ایک جگہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ سے اس دعا اور التجا کر کے کہ اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے۔ کیوں تردد ہے۔

روافض۔ اس آیت سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے

فائدہ | ہیں کہ اس آیت میں اُبناءً ثانیاً سے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں اور نساءً ثانیاً سے حضرت فاطمہؑ اور انفساً سے حضرت علیؑ مراد ہیں تو ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ عین رسول اور رسول اللہ کی طرح

مسلمانوں کے جان و مال میں تصرف کے حقدار ہیں۔ کما قال تعالیٰ اَلْبَنِيُّ اَوْ لَیْ بِاَمْلُوْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اور جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ تصرف کا حقدار ہو وہی ان کا امام اور خلیفہ ہے۔

یہ ہے کہ اَنْفُسَنَا سے خاص حضرت امیر مراد نہیں بلکہ جماعت مؤمنین مراد ہے جو دین اور ملت میں آپ کے رفیق ہیں۔ جیسا کہ اَنْفُسُكُمْ سے کافروں کی جماعت

جواب

مراد ہے اور یہ مطلب نہیں کہ یہ سب نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے عین ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک دین اور ایک ملت میں سب شریک ہیں اور قریب اور شریک دین اور رفیق ملت کے لیے لفظ نفس کا استعمال قرآن میں شائع اور ذائع ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثَمَرًا اَنْتُمْ هُوَ لَا تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ وَلَا تَكْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ۔ لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔ وقال تعالیٰ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ وقال تعالیٰ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ چونکہ حضرت امیر کو نسب اور قرابت اور مصاہرت اور اتحاد فی الدین والملت کی وجہ سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص اتصال تھا۔ اس لیے لفظ نفس سے تعبیر کر دیا گیا اس تعبیر سے اتحاد اور عینیت اور مساوات کا گمان کرنا خیال باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت علی تمام صفات میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہو جائیں اور یہ امر فریقین کے نزدیک باطل ہے اس لیے کہ اگر اَنْفُسَنَا کا یہ مطلب ہو کہ حضرت علیؑ سراسر عین رسول ہیں اور تمام صفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوی ہیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت علیؑ نبی اور رسول بھی ہوں اور خاتم النبیین اور تمام جن و انس کی طرف مبعوث بھی ہوں اور تمام انبیاء و مرسلین کے سرشار بھی ہوں۔ نیز لازم آئے گا کہ معاذ اللہ جناب سیدہ کا حضرت علیؑ سے نکاح بھی درست نہ ہو عرض یہ کہ اَنْفُسَنَا کے لفظ سے تمام صفات میں مساوی ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ بعض صفات میں شرکت اور موافقت مفہوم ہوتی ہے اور بعض صفات میں شرکت مفید مدعا نہیں اس لیے محققین شیعہ بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ آیت حضرت امیر کی محض ایک گونہ فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ افضلیت اور امامت اور خلافت بلا فصل سے آیت کا ذرہ برابر تعلق نہیں اور یہی اہل سنت والجماعت کہتے ہیں۔

اور نساء کے معنی عورتوں کے ہیں اس کا اطلاق عام طور پر زوجہ (بیوی) پر ہوتا ہے جیسا کہ یا نساء النبی میں بالاتفاق زوجہ کے معنی مراد ہیں۔ لہذا نساء کے لفظ سے بیٹی کے معنی مراد لینا اور یہ کہنا کہ نساء عرنا سے حضرت فاطمہؑ مراد ہیں لغت اور عرف کسی اعتبار سے بھی صحیح نہیں اور علیؑ ہذا ابناء عرنا سے نواسوں کا مراد ہونا معنی حقیقی نہیں بلکہ معنی مجازی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ۔ اور معنی مجازی کے لحاظ سے لفظ ابناء عرنا حسنین کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بھتیجوں اور بھانجوں کو بھی شامل ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا

تو کہہ لے کتاب والو ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے

وَبَيْنَكُمْ إِلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَ

درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کو اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز اور

لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ط

نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوا اللہ کے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۳﴾

پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں تو کہہ، شاہد ہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

دعوتِ اہل کتاب بلطفِ رعایات

قال تعالى قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا
(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک نصاریٰ نجران سے محاجہ اور مناظرہ کا اور پھر مباحلہ کا بیان
تھا محاجہ اور مناظرہ سے نصاریٰ پر دلیل اور برہان کے اعتبار سے حجت قائم کی اور مباحلہ کی دعوت
سے ضمیر اور وجدان کے اعتبار سے ان پر حجت قائم کی اور ظاہر ہے کہ مباحلہ انتہائی اور آخری حجت ہے
اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ اس آخری حجت کے بعد ان سے خطاب ہی چھوڑ دیا جاتا اس لیے کہ خطاب
اس سے کیا جاتا ہے جو حق کا طالب ہو اور جو معاند اور مفسد ہے اس سے روگردانی ہی مناسب ہے لیکن
باقتضای رحمت و رأفت پھر ان کو مخاطب بناتے ہیں کہ گو تمہاری ہٹ دھرمی انتہا کو پہنچ چکی ہے مگر
ہم اپنی بے پایاں رحمت سے پھر تم کو حق دیتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کو نرمی اور ملاطفت
کے ساتھ حق اور توحید کی دعوت دی جاتی ہے۔

نیز گزشتہ آیات میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف تھا اب آئندہ آیات میں خطاب عام
ہے جو یہود اور نصاریٰ دونوں کو شامل ہے۔ نیز زبان سے یہود اور نصاریٰ دونوں توحید کے مدعی تھے
کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم
ہے اور تمام انبیاء کرام اس کی دعوت دیتے چلے آئے تو اس متفقہ اصول کا اقتضایہ یہ ہے کہ سوائے خدا

کے کسی کی عبادت نہ کی جائے اور نہ کسی کو رب ٹھہرایا جائے اور نہ کسی کو خدا کا بیٹا اور پوتا بنایا جائے اہل کتاب بے شک زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ خدا بے شک وحدہ لا شریک ہے مگر بائیں اقرار طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن کو پھر ایک دفعہ حق کی دعوت دیجئے اور اُن کے اُن مسلمات سے ان پر حجت قائم کیجئے جن کے تسلیم کیے بغیر اُن کو چارہ نہیں تاکہ اس قدر لاچار اور معقول ہو جانے کے بعد شاید کسی کو اتباع حق کا خیال پیدا ہو جائے اور وہ حق کو قبول کر لے اس لیے فرماتے ہیں قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْاۤ اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ لِّلْاٰیَةِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اُن سے کہیے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک سیدھی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر مسلم ہے جس پر قرآن اور توریت اور انجیل اور تمام انبیاء کی شریعتیں متفق ہیں کسی کا اس میں اختلاف نہیں وہ توحید ہے کہ جس کا زبان سے سب اقرار کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ بنائیں آپس میں ایک دوسرے کو رب اور پروردگار خدا کو چھوڑ کر یہود اور نصاریٰ قولاً ان تینوں باتوں کو تسلیم کرتے تھے مگر عمل ان تینوں باتوں کے برخلاف تھا۔ حضرت عیسیٰ اور عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے اور نصاریٰ تو کھلم کھلا تثلیث کے قائل تھے کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدا ہوتے ہیں اور اپنے اخبار اور رہبان یعنی پادریوں اور راہبوں کو رب اور پروردگار کے مرتبہ میں مانتے تھے یعنی اخبار اور رہبان کا ہر امر اور ہر نبی حق تعالیٰ کے حکم کی طرح بے چون و چرا واجب الطاعت ہے اور اُن کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال کریں اور جس کو چاہیں حرام کریں اور آیت میں ایک دوسرے کو رب بنانے سے یہی مراد ہے کہ اس کا ہر امر اور ہر نبی بے چون و چرا واجب الطاعت ہو اور اُس کو تشریع اور تحلیل اور تحریم کا کلی اختیار حاصل ہو اور یہی حقیقت شرک کی ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات مختصہ یا حقوق مختصہ میں کسی کو شریک گردانا جائے چنانچہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت اَتَّخَذُوْاۤ اٰخْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ نَادُوْاۤ اِلٰہُوْاۤ تَوْحٰدِیْ بن حاتم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو اُن کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بَلٰی اَنَّهُمْ حَرَّمُوْا عَلٰیہِمْ الْحَلَالَ
وَاحْلَوْا لَہُمْ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوْہُمْ
فَذٰلَکَ عِبَادَتُہُمْ اِیَّاہُمْ (اخرجه
الترمذی واحمد)

یعنی غیر اللہ اور مخلوق کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے کہنے سے خدا کے حلال کردہ چیز کو حرام مان لیا جائے اور خدا کی حرام کردہ چیز کو کسی کے حکم سے حلال ٹھہرا لیا جائے ایسی ہی تقلید بلاشبہ حرام بلکہ کفر اور شرک ہے اور من دون اللہ کا مصداق ہے کہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر غیر اللہ کے حکم کو مانا جائے۔

اور رؤسا دین جو احکام چاہیں اپنی طرف سے مقرر کریں اور پھر ان کے احکام کی احکام منترکہ من اللہ کی طرح بجا آوری لازم اور ضروری سمجھی جائے یہ ہے اجبار اور رہبان کو رب بنانا اور معاذ اللہ ثم معاذ اللہ رسول اللہ کی اطاعت اس کا مصداق نہیں بلکہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے کما قال تعالیٰ وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ اس لیے کہ رسول کا ہر امر وہی۔ وحی خداوندی ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ اور اسی طرح علماء اور اولیاء اور سلاطین اور حکام کی اطاعت بشرطیکہ شریعت کے موافق ہو وہ بھی درپردہ اللہ ہی کی اطاعت ہے چنانچہ حکم خداوندی ہے۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولٰٓئِیْہِ السُّلٰطَیْنُ۔ آیت میں اولی الامر سے علماء اور ائمہ مراد ہیں۔ ہاں اگر کسی عالم اور حاکم کی اطاعت خلاف شرع ہو تو وہ بے شک بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ میں داخل ہوگی۔

تنبیہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس آیت کے مضمون میں داخل ہے معاذ اللہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے ائمہ مجتہدین کو یہ اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کر دیں اور نہ معاذ اللہ کسی امام نے خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دیا اور نہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال بنایا۔ بلکہ ائمہ مجتہدین تو قانون شریعت کے بہترین شارح اور مفسر ہیں اور چونکہ امت میں ائمہ مجتہدین کا علم اور فہم اور درجہ اور تقویٰ مسلم ہے اس لیے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور اپنے ناقص اور ناتمام علم اور کم عقلی اور کم فہمی اور صلاح اور تقویٰ سے دوری کی وجہ سے اپنے سمجھے ہوئے پر اعتماد کو روا نہیں سمجھتے رَأٰی الْمَعْلِیْلِ عَلِیْلٌ۔ نبی کریم اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کرنا ہی صراط مستقیم ہے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں اسی طرح فقہاء کرام کے اقوال احادیث نبویہ کی شرح ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس اللہ سرہ تفسیر منظر ہی میں لکھتے ہیں۔ ان اهل السنة والجماعة اختلفت بعد القرون الثلاثة او الاربعة على اربعة مذاهب ولم يبق في فروع المسائل سوى هذا المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجتمع امتي على الضلالة وقال الله تعالى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّوْا وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيرًا۔ یعنی قرون ثلاثہ یا اربعہ کے بعد اہل سنت والجماعت ان چار مذہبوں (حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی) پر منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں ان چار کے سوا کوئی پانچواں مذہب باقی نہیں رہا پس جو قول ان چاروں مذہب کے خلاف ہو اس کے باطل ہونے پر اجماع مرکب منعقد ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی اور ارشاد خداوندی ہے کہ سبیل مومنین یعنی مسلمانوں کے اجماعی مسلک سے انحراف بُرے انجام کا ذریعہ ہے۔

و قال ابن الہمام فی التقریر انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاهب المخالفة للایمة الاربعة۔

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے عقد المجید میں۔ ائمہ اربعہ کی تقلید کو سواد اعظم کا اتباع قرار دیا ہے اور ہندوستان میں خاص امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تقلید کو واجب قرار دیا ہے جس کا جی چاہے اصل کتاب کو دیکھ لے۔ پس اگر اصول مسلم کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں اور اس صاف اور سچی بات کو قبول نہ کریں جس پر تمام آسمانی کتابوں اور تمام پیغمبروں کا اتفاق ہے تو اے مسلمانو تم یہ کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ یعنی اللہ کے فرما بردار اور اس کے حکم کے تابع رہیں حدیث میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفد نجران سے کہا اسلموا مسلمان ہو جاؤ تو کہنے لگے کہ اسلمنا ہم تو مسلمان ہیں اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نصاریٰ نجران جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں وہ غلط ہے اس لیے کہ جب توحید ہی کے قائل نہیں جو تمام شریعتوں کا مسلم اصول ہے تو پھر دعوتِ اسلام بالکل غلط ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحَاجُّونَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ

اے کتاب والو کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم پر ؟

وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ

اور توریت اور انجیل تو اُتریں اس کے

بَعْدِهٖۙ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هَاَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ

بعد ، کیا تم کو عقل نہیں ؟ سنتے ہو تم لوگ

حَاجَّتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ

جھگڑ چکے ، جس بات میں تم کو خبر تھی ، اب کیوں جھگڑتے ہو

فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۙ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

جس بات میں تم کو خبر نہیں ؟ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

تَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا

جانتے - نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی ،

وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ

اور لیکن تھا ایک طرف کا حکم بردار - اور نہ تھا شرک

الشِّرْكَیْنَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَآلِئِنَّ

والا - لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے ان کو تھی ،

اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ

جو ساتھ اس کے تھے ، اور اس نبی کو اور ایمان والوں کو - اور اللہ والی

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾

ہے مسلمانوں کا ۔

ابطال دعوائے اہل کتاب رباۃ ملت ابراہیم علیہ السلام

قال تعالى يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ اَللّٰهُ وَاللّٰهُ وَلِحِى الْمُؤْمِنِينَ ه
(ربط) جس طرح دعوائے توحید میں سب مشترک تھے اسی طرح حضرت ابراہیم کی تعظیم و تکریم میں سب شریک تھے اور یہود اور نصاریٰ ہر ایک فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ حضرت ابراہیم ہمارے دین پر تھے عیسائی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم نصرانی تھے اور ہم ملت ابراہیمی پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں اور یہودی یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور ہم ان کی ملت پر ہیں اور ان سے زیادہ قریب ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کے اس دعوے کے رد اور ابطال کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ تم سب غلط کہتے ہو تم کو ابراہیم سے کیا واسطہ تم سب مشرک ہو اور ابراہیم علیہ السلام موحّد اور مُسْلِم یعنی خدا کے فرمانبردار بندہ تھے ابراہیم سے محبت کرنے والے اور ان کے طریقہ پر چلنے والے یہ نبی اور مسلمان ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو اور ان کو یہودی یا نصرانی بتلاتے ہو اور حالانکہ توریت اور انجیل حضرت ابراہیم کی ایک مدت دراز کے بعد نازل ہوئیں اور یہودیت اور نصرانیت توریت اور

انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی اس لیے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ سے ایک ہزار سال
مقدم تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی ملت
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور شریعت سے مقدم تھی تو پھر حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی طرف یہودیت اور نصرانیت کی نسبت کیسے ممکن ہو سکتی ہے پس کیا تم کو اتنی عقل نہیں کہ
ایسی باطل بات زبان سے نکالتے ہو کہ جو جو طریقہ (یہودیت اور نصرانیت) حضرت ابراہیمؑ کے ایک ہزار یا
دو ہزار برس بعد ظاہر ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس کے وجود سے پہلے کیسے اُس کے متبع تھے آگاہ ہو
جاؤ تم ہی وہ لوگ ہو جو اس چیز میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا اور اس کے متعلق
تمہیں کچھ شدُّ بُد تھی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور نبی آخر الزمانؑ
کی بشارت وغیرہ کی تمہیں کچھ خبر تھی حالانکہ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ جب تک آدمی کو پورا علم نہ ہو اس بارہ میں
بحث اور مناظرہ نہ کرے پس اے احمق اس چیز میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ
کا کیا مذہب اور مسلک تھا اور آج دنیا میں کون سی جماعت ان کے مسلک کے قریب ہے اور اللہ ہی جانتا
ہے اور تم نہیں جانتے اور جس چیز کو آدمی نہ جانتا ہو اس کو چاہیے کہ اس کے علم کو خدا کے سپرد کرے اللہ ہی
کو معلوم ہے کہ ابراہیمؑ کا کیا طریقہ تھا سنو ان کا طریق یہ تھا کہ ابراہیمؑ نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی و لیکن حنیف تھے
یعنی سب طرف سے بیزار ہو کر صرف ایک خدا کے فرمانبردار اور تابعدار تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے
بلکہ موحّد اور حنیف اور مُسْلِم تھے حنیف کے معنی ہیں کہ سب باطل راہوں کو چھوڑ کر راہ حق پکڑے اور سب طرف
سے ہٹ کر ایک طرف (یعنی خدا کا) ہو جائے اور مسلم کے معنی فرمانبردار اور تابعدار کے ہیں اور اے اہل کتاب
تم نہ موحّد ہو اور نہ حنیف ہو اور نہ مسلم ہو شرک میں مبتلا ہو نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہو احکام
خداوندی کو پس پشت ڈالے ہوئے ہو اور ثالث ثالثہ کا عقیدہ رکھتے ہو اور حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیح
کو ابن اللہ کہتے ہو تو پھر تم کیسے دم بھرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں تحقیق تمام لوگوں میں سے ملت اور مذہب
کے اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ سب سے زیادہ قریب اور خصوصیت رکھنے والے البتہ اول تو وہ لوگ
تھے جنہوں نے اُن کے وقت میں حضرت ابراہیمؑ کا اتباع اور پیروی کی وہ آپ کی امت کے آدمی تھے اور
بلاشبہ آپ کے دین پر تھے اور پھر اس اخیر زمانہ میں یہ نبی اور سلمان حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ نزدیک ہیں۔
کہ جن کی شریعت کے اکثر احکام ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اللہ کو ایک مانتے ہیں اور قربانی اور فتنہ کرتے
ہیں اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں اور حج اور عمرہ بجالاتے ہیں اور غسل جنابت کرتے
ہیں اور جن باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش ہوئی تھی اور حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام ان میں پورے
اترے مسلمان اُن کو پوری طرح ادا کرتے ہیں اور اللہ مسلمانوں کا والی اور کارساز ہے اور جس کا خدا والی ہو۔
اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا اور نہ اس کو کوئی راہ حق سے ہٹا سکتا ہے خلاصہً جو اب خداوندی یہ ہے کہ
تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے یعنی معاذ اللہ یہودی یا نصرانی تھے اگر اس معنی کرہتے ہو کہ

وہ توریت یا انجیل پر عمل کرتے تھے تو یہ صریح بے عقلی ہے تو ریت حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت ابراہیم سے ایک ہزار برس بعد ہوئے اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی جو حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس بعد ہوئے تو حضرت ابراہیم کو دین یہودی اور دین مسیحی کا پیرو بتلانا صریح بے عقلی ہے اور اگر حضرت ابراہیم کو یہودی یا نصرانی بتلانے کا یہ مطلب ہے کہ اُس زمانہ میں اہل ہدایت اور اچھے دینداروں کا نام یہودی یا نصرانی تھا تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو حنیف اور مسلم کہا ہے اور حنیف کے معنی یہ ہیں کہ جس نے تمام باطل راہوں کو چھوڑ کر ایک حق کی راہ پکڑ لی ہو اور مسلم کے معنی حکم بردار اور تابع دار کے ہیں کہ جس نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہو اب تم خود غور کرو کہ یہ صفت تم میں ہے یا مسلمانوں میں اور اگر حضرت ابراہیم کے یہودی یا نصرانی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سب دینوں میں یہودی یا نصرانی کے دین کو حضرت ابراہیم کے دین سے زیادہ مناسبت ہے تو یہ بات بھی غلط ہے حضرت ابراہیم سے سب سے زیادہ مناسبت اُس وقت کی امت کو تھی اور پچھلی امتوں میں سب سے زیادہ مناسبت امت محمدیہ کو ہے کہ جس کا پیغمبر خَلَقًا وَخَلْقًا وَصُورَةً و سیرۃ حضرت ابراہیم کے مشابہ ہے اور اُن کی خاص دعا ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ الْخ اور آپ کی امت کا بھی وہی نام ہے جو حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں فرمایا تھا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور آپ کی شریعت کے قواعد کلیہ وہی ہیں جو ملت ابراہیمی کے تھے اور غالباً اسی مناسبت کی وجہ سے درود شریف میں کما صلیت علی ابراہیم فرمایا۔ تشبیہ میں کسی اور نبی کا ذکر نہیں فرمایا۔

ضروری تنبیہ

یاد رہے کہ وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا میں ابراہیم علیہ السلام کے مسلم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ آپ شریعت اسلامیہ کو مانتے تھے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی کیونکہ اس صورت میں بھی وہی اعتراض وارد ہوگا کہ یہ شریعت بھی تو توریت اور انجیل کی طرح ابراہیم علیہ السلام کے بعد میں نازل ہوئی پھر ابراہیم علیہ السلام اس شریعت کے کیونکر متبع ہو سکتے ہیں بلکہ اس آیت میں اسلام سے معنی لغوی یعنی تفویض اور تسلیم توحید اور اخلاص فی العمل اور فرمانبرداری کے معنی مراد ہیں جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے اس نام اور صفت کو روشن کیا۔ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلَمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهِ لِلْجَبِينِ۔ اور یہی تفویض اور تسلیم اور توحید اور اخلاص فی العمل۔ اصل حقیقت ہے شریعت محمدیہ یعنی اسلام کی اور اس سے اہل کتاب بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین بایں معنی اسلام تھا کیونکہ خود اُن کی کتابوں میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو کچھ آیا ہے وہ بالکل اسی معنی پر منطبق ہے اور تمام انبیاء اپنے اپنے وقت میں اسی معنی کو اسلام کی دعوت دیتے چلے آئے یعنی توحید اور اخلاص فی العمل اور یہی لفظ اسلام اسی معنی اور حقیقت کے اعتبار سے مسلمانوں کے دین اور مذہب کا نام ہو گیا ہے پس اگر اس نام اور صفت اور اس معنی اور حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلمان ہی ابراہیم علیہ السلام

سے اقرب اور اشبہ ہوں گے یہود اور نصاریٰ کو حضرت ابراہیمؑ سے کیا نسبت۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نَوَّ

آرزو ہے بعض کتاب والوں کو، کس طرح تم کو

يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾

راہ بھلا دیں، اور راہ بھلاتے نہیں مگر آپ کو اور نہیں سمجھتے :-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ

اے کتاب والو! کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے اور تم

تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ

قائل ہو :- اے کتاب والو! کیوں ملاتے ہو صحیح میں

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ

غلط؟ اور چھپاتے ہو سچی بات کو جان کر :- اور کہا

طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَىٰ

ایک لوگوں نے اہل کتاب میں، کہ مان لو جو کچھ اترا

الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا وَآخِرَهُ لَعَنَهُمُ

مسلمانوں پر دن چڑھے، اور منکر ہو جاؤ آخردن، شاید وہ

يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ

پھر جاویں :- اور یقین نہ کریو مگر اسی کا جو پہلے تمہارے دین پر، تو کہہ

إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا

ہدایت دہی جو ہدایت کرے اللہ، اس واسطے کہ کسی کو ملا جیسا کچھ تم

أَوْتَيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ

کو ملا تھا، یا مقابلہ کیا تم سے تمہارے رب کے آگے۔ تو کہہ بڑائی اللہ

بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۳﴾

کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ گنجائش والا ہے خبردار :-

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے۔ اور اللہ کا فضل

الْعَظِيمِ ﴿۴۴﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ

بڑا ہے :- اور بعض اہل کتاب میں وہ ہے کہ اگر تو اس پاس امانت

بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَّهُ بِيَدٍ

رکھے ڈھیر مال کا، ادا کرے تجھ کو، اور بعض ان میں وہ ہے، اگر تو اس پاس امانت رکھے ایک

لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ

اثرنی، ادا نہ کرے تجھ کو مگر جب تک تو رہے اس کے سر پر کھڑا۔ یہ اس واسطے کہ انہوں

قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّمِينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ

نے کہہ رکھا ہے نہیں ہم پر جاہلوں کے حق کا گناہ۔ اور جھوٹ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ بَلَىٰ مَنْ

بولتے ہیں اللہ پر جانتے (جان بوجھ کر) :- کیوں نہیں!

أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقِ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾

جو کوئی پورا کرے اپنا اقرار اور پرہیزگار ہے، تو اللہ چاہتا ہے پرہیزگاروں کو :-

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ

جو لوگ خرید کرتے ہیں اللہ کے اقرار پر، اور اپنی قسموں پر

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

تھوڑا مول، اُن کو کچھ حصہ نہیں آخرت میں،

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا اُن کی طرف قیامت کے دن

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۷۰ وَإِنَّ مِنْهُمْ

اور نہ سنوارے گا ان کو، اور ان کو دُکھ کی مار ہے اور ان میں

فَرِيقًا يَلْكُونُ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ

ایک لوگ ہیں، کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب، کہ تم جانو

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ

وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں۔ اور کہتے ہیں

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَ

وہ اللہ کا کہا ہے، اور وہ نہیں اللہ کا کہا اور

يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۷۱

اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں جان کر

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

کسی بشر کا کام نہیں، کہ اللہ اسکو دیوے کتاب اور حکم

وَالنَّبُوءَةُ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ

اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو

مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ

اللہ کو چھوڑ کر، لیکن تم ربی ہو جاؤ جیسے تھے تم

تَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۴۹﴾ وَ

کتاب سکھاتے، اور جیسے تھے تم پڑھتے :- اور

لَا يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ اَرْبَابًا

نہ یہ کہے تم کو، کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۵۰﴾

کیا تم کو کفر سکھاوے گا؛ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکو :-

یہودی شرارتوں اور خیانتوں اور فراتر اُپر دازیوں کا بیان

قال تعالى وَذٰتُ ظَآئِفَةٍ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوِ يُضِلُّوْا نَفْسًا اے اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ
(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب سے مناظرہ اور مباہلہ کا بیان تھا کہ یہ لوگ نہ تو کسی دلیل کو مانتے
ہیں اور نہ مباہلہ پر آمادہ ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ حق کی تحقیق مقصود نہیں بلکہ مقصود شرارت اور فتنہ پردازی
ہے اس لیے آئندہ آیات میں یہودی کچھ شرارتوں اور عداوتوں اور دغا بازیوں اور فریب کاریوں
کو بیان کرتے ہیں کہ کس طرح سے یہ لوگ حق اور باطل کو غلط ملط کرنے میں مکر اور فریب سے کام
لیتے ہیں یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ تم حق پر اور سید راستہ پر ہو مگر یہ لوگ تم کو دھوکہ دے کر گمراہ
کرنا چاہتے ہیں۔ دور تک یہی سلسلہ کلام چلا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت دل
سے آرزو رکھتی ہے کہ کسی طرح تم کو گمراہ کر دیں یعنی صحیح راستہ سے تم کو ہٹا دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں
کر رہے ہیں مگر اپنے آپ کو اور وہ سمجھتے بھی نہیں کہ اس کا وبال ان ہی کے سر ہے۔ یعنی ان پر دگنا عذاب
ہوگا ورنہ خود تو پہلے ہی سے گمراہ ہیں گمراہ کو گمراہ کرنا مراد نہیں بلکہ گمراہ کر دینے کا وبال مراد ہے۔
یہودی دلیل و نہار مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور اپنی چالوں سے مسلمانوں

کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور توریت کی ان آیات بینات کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے جو حضور پُر نور کے نبی برحق ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور علیٰ ہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے جو آپ کی نبوت کے دلائل اور شواہد ہیں پس یہود کی یہ کوشش دوسروں کی تفصیل نہیں بلکہ درحقیقت خود اپنی ہی تفصیل ہے مگر اُن کو اس کا شعور اور احساس بھی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اس کا کیا انجام ہے۔

اب آئندہ آیات میں ایمان داروں کو ہوشیار کرنے کے لیے اہل کتاب کے چند کمرے ذکر کرتے ہیں۔ (ادل) یہ کہ اہل کتاب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو سحر بتاتے ہیں اور آپ کی جو بشارتیں کتب سابقہ میں مذکور ہیں باوجود شہادت دینے کے اُن کو چھپاتے ہیں اور طرح طرح سے اُن کی تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا دیدہ و دانستہ اور حالانکہ تم اپنی زبان سے اس کے قائل اور گواہ ہو کہ یہ آیتیں حق ہیں۔

ف آیات اللہ سے یا تو توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور نعت اور صفت کا ذکر ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن عظیم کے متعلق جو بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور ہیں تم خود اپنی خلوتوں میں اُن کا اقرار کرتے ہو پس ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے خوب سمجھ لو کہ آپ کی نبوت کا انکار کرنا توریت اور انجیل اور تمام کتب سماویہ کا انکار کرنا ہے یا آیات اللہ سے قرآن کی آیتیں مراد ہیں یعنی تم خود بھی جانتے ہو کہ یہ اللہ کی آیتیں ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے یا آیات اللہ سے نشانیاں یعنی معجزات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ معجزات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نبی برحق ہیں پھر کیوں آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہو۔ یہ تو ملامت ہوئی خود اُن کی ضلالت یعنی خود اُن کی گمراہی پر اب آئندہ آیت میں اضلال یعنی دوسروں کے گمراہ کرنے پر ملامت فرماتے ہیں اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے ہو اور سچ کے ساتھ کیوں جھوٹ کو ملاتے ہو اور کیوں حق اور سچی بات کو چھپاتے ہو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہے اور یہ باطل اور یہ بھی جانتے ہو کہ حق کو چھپانا اور حق کو باطل کے ساتھ ملانا کتنا بڑا جرم ہے۔ قانون حکومت میں ایک حرف کا تغیر و تبدل بھی جرم عظیم ہے۔ اہل کتاب توریت کے بعض احکام کو تو دینیوی اغراض کی خاطر بالکل موقوف ہی کر ڈالتے تھے اور بعض آیات میں لفظی تحریف کرتے اور بعض آیات کے معنی پھیر ڈالتے یعنی تاویل فاسد کرتے اور بعض چیزوں کو چھپا کر رکھتے ہر کسی کو خبر نہ دیتے جیسے پیغمبر آخر الزمان کی بشارتیں پس ”باطل“ سے یہ تمام تحریفات اور تاویلات فاسدہ مراد ہیں کہ ان کو حق کے ساتھ خلط ملط کر دیتے تھے تاکہ حقیقت واضح نہ ہو غرض یہ کہ لفظی تحریف بھی کرتے تھے اور تاویل فاسدہ کے ذریعہ سے معنوی تحریف بھی کرتے تھے اور کبھی حق بات کو چھپا کر رکھتے یہ تحریف کا نہ لاطریق تھا کہ تحریف کا نام بھی نہ ہو اور تحریف کا مقصد حاصل ہو جائے جیسے لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ کو ذکر کر دینا اور ذَا نَسُو سْکَارٰی کو چھپالینا یہ بھی تحریف ہی ہے۔

اب آئندہ آیت میں یہود کی مسلمانوں کو دین حق سے گمراہ کرنے کی ایک عجیب و غریب سازش اور مکر و فریب کو ظاہر کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن صیف اور عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے چند لوگ صبح کے وقت چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر ظاہراً ایمان لے آئیں اور پھر شام کو اس کا انکار کر دیں تاکہ لوگ شک اور تردد میں پڑ جائیں کہ یہ لوگ علماء اہل کتاب ہیں انہوں نے دین اسلام میں ضرور کوئی عجیب اور نقصان کی بات دیکھی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے شاید دوسرے لوگ بھی ہم کو اس طرح دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مکر سے مطلع کر دیا اور بتا دیا کہ وہ اس قسم کے مکر اور فریب سے مسلمانوں کو گمراہ نہیں کر سکتے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے مشورہ کر کے یہ کہا کہ جو کتاب مسلمانوں پر نازل ہوئی ہے اس پر شروع دن میں ظاہراً ایمان لے آؤ اور پھر آخر دن میں اس سے منکر ہو جاؤ شاید مسلمان بھی شک میں پڑ جائیں اور اپنے دین سے پھر جائیں کہ یہ لوگ علم والے ہیں اور بے تعصب ہیں کہ اسلام میں داخل ہو گئے ان لوگوں نے دین اسلام میں ضرور کوئی خرابی دیکھی ہوگی جو داخل ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ صرف مسلمانوں کے دکھانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمانوں کی کتاب پر ایمان لاؤ اور صدق دل سے کسی کے قول کی تصدیق نہ کرو یعنی سچا ایمان جس میں دل اور زبان موافق ہوتے ہیں وہ کسی کے لیے بھی نہ لاؤ مگر جو شخص تمہارے دین کا پیرو ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو یہود مسلمانوں کے پاس جا کر شروع دن میں ظاہراً ان کی کتاب پر ایمان لائیں اور بطور نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کریں ان کو یہ بات برابر ملحوظ رہے کہ وہ اس ظاہری ایمان کی وجہ سے اپنے کو مسلمان نہ سمجھیں بلکہ صدق دل سے اپنے کو یہودی ہی سمجھیں اور سچے دل سے اسی شخص کی بات کو قبول کریں جو ان کے دین کا پیرو ہو سوائے اپنے مذہب والوں کے کسی کی بات کا یقین نہ کریں اس صورت میں مَنْ يَمُنْ بِمَعْنٰی میں لام زائد ہوگا اور بعض نے وَلَا تَوْمِنُوْا اِلَّا مَنْ يَمُنْ بِمَعْنٰی کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تمہارا صبح کے وقت ظاہری طور پر ایمان لانا بھی محض اُن لوگوں کے دین کی حفاظت کے لیے ہو جو تمہارے ہم مذہب اور تمہارے دین کے پیرو ہیں اس صورت میں مَنْ يَمُنْ بِمَعْنٰی کا لام انتفاع کے لیے ہوگا یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہیے کہ وہ آئندہ چل کر مسلمان نہ ہو جائیں یا جو ہمارے ہم مذہب مسلمان ہو چکے ہیں وہ اس تدبیر سے پھر واپس آجائیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود کے ان علماء اور رؤسا

علہ اشارہ اس طرف ہے کہ وَلَا تَوْمِنُوْا کا عطف بِالَّذِيْ اُنْزِلَ پر ہے اور یہ جزر آیت کلام یہود کا بقیہ ہے اور اُن کے کلام سابق پر معطوف ہے وَكَذٰلِكَ قَالَ ابْنُ عَطِيَّةٍ لَا خِلَافَ بَيْنَ اَهْلِ التَّوْبِيلِ اِنْ هٰذَا الْقَوْلُ مِنْ كَلَامِ الطَّائِفَةِ، انتہی۔

سے کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ مکرو فریب سب بیکار ہے تحقیق ہدایت وہ ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت ہو جس کے دل میں اللہ ہدایت کا نور ڈال دے اُس کو کسی کا مکرو فریب گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور تمہارا یہ مکرو فریب ہدایت نہیں۔ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو عطا ہوئی اور اللہ جس کو چاہے تمہاری طرح کتاب اور دین دے کہ ہدایت کر سکتا ہے کوئی وجہ انکار نہیں اور تم مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی یہ چال بازیوں اور مکاریاں اس لیے کر رہے ہو کہ تمہیں اس بات پر حسد ہے کہ کسی اور کو بھی تم جیسا دین اور کتاب اور حکمت دیا جائے جیسا پہلے تمہیں دیا گیا یہود کا یہ گمان تھا کہ نبوت و شریعت اور علم و حکمت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے۔ عرب کے اُمیین کو اس فضیلت اور نعمت سے کیا واسطہ یا یہ مکرو اور تدبیر تم نے اس حسد اور جلن میں کی ہے کہ دین کی مددگاری میں رب کے سامنے تم پر کوئی غالب نہ آجائے کیونکہ وہ ہدایت پر ہیں نہ کہ تم یعنی اس حسد نے تم کو اس مکرو پر مجبور کیا تم کو حسد یہ ہے کہ دین کی مددگاری میں ہمارا مقابل کوئی اور کیوں ہو یا یہ معنی ہیں کہ یہ حسد اس بنا پر ہے کہ تم کو یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان تم کو خدا کے روبرو ملزم نہ ٹھہرائیں کہ توریت اور انجیل میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی بشارتیں مذکور تھیں اور یہ لوگ اس کا اقرار بھی کرتے تھے مگر باوجود اس اقرار اور اعتراف کے آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ آپ ان رؤسا یہود سے یہ کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ حسد اور یہ تدبیر اس صورت میں کارگر ہو سکتی ہے کہ جب فضل اور انعام تمہارے ہاتھ میں ہو لیکن تحقیق فضل و نعمت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں وہ مالک الملک ہے جس کو چاہے عطا کرے اور تم اس کے انعام میں کسی قسم کی کمی اور تنگی بھی نہیں کر سکتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والا ہے یعنی اس کا فضل نہایت وسیع ہے اور خوب جاننے والا ہے کہ کون اُس فضل و انعام کے لائق ہے وہ اپنی مہربانی اور بخشائش سے جس کو چاہتا ہے خاص کرتا ہے اور اس وقت اس نے اپنی رحمت سے مسلمانوں کو خاص فرمایا ہے اور خداوندِ ذوالجلال کی رحمت پر حسد کرنا فضول بلکہ حماقت ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

علم اشارہ اس طرف ہے کہ اَوْ يُحَاجُّوْكُمْ کا عطف یوْتی پر ہے اور اُن کی وجہ سے منصوب ہے اور یحاجوکم کی ضمیر مرفوع احد کی طرف راجع ہے اور لفظ احد اگرچہ مفرد ہے مگر بلحاظ معنی جمع ہے اور ان یوْتی الے آخرہ بتقدیر لام فعل محذوف کی علت ہے۔ اِی لاجل ان یوْتی احد مثل ما اوْتیتم او یحاجوکم عند ربکم قلتُم ذلک القول ود برتم تذلل المکیدۃ اِی فعلتم ذلک حسد او خوف من ان تذهب ریاستکم و یشارکم احد فیما اوْتیتم من فضل العلم او یحاجکم عند ربکم اِی یقیمون الحجۃ علیکم عند اللہ اذ کتابکم طاف بنبوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ملزم لکم ان تو منوابہ و تتبعوہ کذا فی البحر المحیط۔

اہل کتاب میں اہل امانت کی طرح اور اہل خیانت کی مذمت

گزشتہ آیت میں اہل کتاب کی تبلیغ اور کتمان حق کا بیان تھا اب اس آیت میں اُن کی خیانت فی المال کا ذکر ہے کہ ان لوگوں میں امانت داری اور خدا ترسی نہیں چند پیسوں کے لیے خیانت سے دریغ نہیں کرتے۔ دین اور آخرت کے معاملہ میں ان پر کیسے بھروسہ کیا جائے البتہ ان میں بعض بعض اب بھی امین ہیں جن کو حق کے قبول کرنے میں دریغ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بعض اہل کتاب سے ایسے امین ہیں کہ اے مخاطب اگر تو اس کے پاس کوئی خزانہ اور مال کا ڈھیر بھی امانت رکھ دے تو وہ تیری امانت سمجھ کر واپس دے دیں گے اگرچہ تو ان سے اپنی امانت کا مطالبہ بھی نہ کرے پس جو شخص مخلوق کے معاملہ میں اس درجہ امین ہوگا تو وہ خالق کے معاملہ میں بدرجہ اولیٰ امین ہوگا ایسا شخص تو ریت کے احکام میں اور نبی آخر الزماں کی بشارتوں میں ذرہ برابر خیانت نہ کرے گا اس لیے کہ وہ اللہ کی امانت ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار اور دوسو ادقیہ سونا امانت رکھا آپ نے بعینہ اُس کی امانت ادا کر دی۔ یہ آیت ان کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اس کے پاس اگر ایک اشرفی امانت رکھ دو تو وہ بھی سمجھ کو ادا نہ کرے گا مگر جب تک رہے تو اس کے سر پر کھڑا۔ یعنی جب مجبور ہو جائے تب امانت ادا کرے یہ آیت فحاص بن عازر وراہ یہودی کے بارہ میں نازل ہوئی جس کے پاس کسی شخص نے ایک اشرفی امانت رکھی تھی۔ اور اس نے اس میں بھی خیانت کی اور ان کی یہ خیانت اس وجہ سے ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ناخواندوں اور ان پڑھوں یعنی عربوں کے مال میں ہم پر کوئی راہ نہیں یعنی ہم پر خدا کے یہاں عربوں کے مال میں کوئی مواخذہ اور مطالبہ نہیں عربوں کے مال ہمارے لیے حلال ہیں۔ اہل کتاب کا یہ عقیدہ تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں اور ساری دنیا جاہل ہے اور غیر اہل کتاب مثلاً قریش وغیرہ کے مال میں خیانت کرنے میں ہم پر مذہباً کوئی گناہ نہیں جیسے برہمنوں نے ہندوؤں کے بہکانے کے لیے بہت سی باتیں بنا رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس دعوے کی تکذیب میں فرماتے ہیں۔ اور یہ لوگ اللہ پر دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی مخالف اور دشمن کے مال میں چوری اور خیانت کی کبھی اجازت نہیں دی ان لوگوں نے پرا یا مال کھانے کے لیے یہ مسئلہ بنایا کہ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت جائز ہے جان بوجھ کر جھوٹ بنا لیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے امانت میں خیانت کی کبھی اجازت نہیں دی اور شریعت اسلامیہ کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ مسلمان ہو یا کافر۔ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں اور یہ خود بھی جانتے ہیں کہ توریت میں کوئی ایسا حکم نہیں اور آج کل یورپین اقوام کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً اور ایشیائی اقوام کے ساتھ عموماً عہد و میثاق کا پورا کرنا ضروری

نہیں وقت کا جو تقاضا ہو اس پر چلتے ہیں کیوں نہیں ضرور خیانت پر مواخذہ ہوگا کیونکہ اس کے متعلق ہمارا قانون یہ ہے کہ جو شخص اپنے عہد کی وفا کرے خواہ وہ عہد خالق سے ہو یا مخلوق سے ہو اور ہیزگاری کرے یعنی اللہ سے ڈرے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ ہو جائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو مجبور رکھتا ہے اور اللہ کا دوسرا قانون یہ ہے کہ تحقیق جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلہ میں دنیا کا تھوڑا سا مول یعنی حقیر معاوضہ خرید کرتے ہیں۔ یعنی معمولی نفع اور معمولی فائدہ کے لیے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا بیٹھتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے نہ کوئی بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک و صاف کرے گا یعنی ان کے گناہوں کو نہیں بخشے گا اس لیے کہ خیانت حقوق العباد میں سے ہے اور ان میں لا محالہ قصاص یعنی بدلہ ہے اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا آگ بھی ہوگی اور خطاب تہدید و توبیخ بھی ہوگا اور نظر غضب بھی ہوگی اور کفر و شرک کی نجاستوں اور گندگیوں سے پاک بھی نہ کیے جائیں گے اور یہ سب کچھ کیوں نہ ہو تحقیق ان اہل کتاب میں سے ایک ایسا گروہ ہے جو کتاب کو زبان سرور کر پڑھتے ہیں اور اس میں کچھ اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور کتاب ہی کے لہجہ میں اُس کو پڑھتے ہیں تاکہ تم اس ملائے ہوئے کو کتاب کا جز نہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا جز نہیں ہوتا بلکہ وہ ان کی طرف سے ہوتا ہے یہ لوگ چالاکی سے آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے گھنٹا بڑھا کر ایسے انداز اور لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف آدمی سن کر دھوکہ میں آجاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ الفاظ اور یہ عبارت بھی آسمانی کتاب کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے زیادتی اور اضافہ کر دیتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر ص ۲۳ ج ۳)

صحیح بخاری میں طرق متعددہ سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں۔

یا معشر المسلمین کیف تسألون	اے گروہ مسلمین تم اہل کتاب سے کیسے
اہل الکتاب عن شیء و کتاب اللہ	پوچھتے ہو حالانکہ اللہ کی وہ کتاب جو اس
الذی انزلہ علی نبیہ احدث	نے اپنے نبی پر اتاری ہے وہ سب سے
اخبار اللہ تقرؤنہ غضا لمیشب	نئی اور آخری کتاب ہے جس کو تم ترونازہ
وقد حدثکم اللہ تعالیٰ ان اہل الکتاب	پڑھتے ہو اور اس میں کسی دوسری چیز کا ذرہ

علمہ روى الضحاك عن ابن عباس ان الآية نزلت في اليهود والنصارى جميعا وذلك انهم حرفوا التوراة والانجيل والحقوا بكتاب الله ما ليس منه (كذا في روح المعاني ص ۱۸۷ ج ۳) وخرج ابن جرير وابن ابی حاتم من طريق العوفي عن ابن عباس في قوله وان منهم لفریقا یلوون السننهم بالکتاب قال هم اليهود كانوا یزیدون فی کتاب الله ما لم یزل الله (درمنثور ص ۴۶ ج ۲)

قد بدلوا کتاب اللہ و
غیر وہ و کتبوا بایديهم
الکتاب و قالوا هو من
عند اللہ لیشتروا به ثمنًا
قلیلًا افلا ینہاکم ما جاءکم
من العلم عن مساءلتهم
ولا والله ما رأینا منهم احدا
قط سألکم عن الذی انزل
علیکم کذا فی تفسیر ابن کثیر
تحت تفسیر قوله تعالیٰ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِينَ یُکْتَبُونَ الْکِتَابَ
بِأَیْدِهِمْ ۱۶ (طبع بیروت ص ۱۱۷)

برابر شائبہ بھی نہیں یعنی بعینہ اللہ کی کتاب
پڑھتے ہو اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو
بتلا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب
میں یعنی توریت وغیرہ میں تغیر و تبدل کر لیا
ہے اور بہت سی چیزیں اپنے ہاتھ سے لکھ
کر اس میں شامل کر دی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ
یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ
دنیا کا فائدہ حاصل کریں کیا جو صحیح اور تازہ
علم تمہارے پاس آیا ہے وہ تم کو اہل کتاب سے
سوال اور استفادہ سے منع نہیں کرتا یعنی صحیح
علم کے ہوتے ہوئے محرف کتاب کی طرف
کیوں نظر کرتے ہو علاوہ ازیں تمہارا اہل کتاب

سے سوال کرنا غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لیے کہ خدا کی قسم ہم نے تو اہل کتاب کو کبھی
نہیں دیکھا کہ وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن کے متعلق تم سے کچھ سوال کرتے ہوں پھر تم کیوں ان
سے سوال کرتے ہو۔ (رواہ البخاری)

اور تفسیر کبیر ص ۵۰۲ ج ۲ و تفسیر نيسابوری ص ۲۲۸ ج ۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ
آیت اُن یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جو کعب بن اشرف یہودی کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے کر آئے
جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اُن صفات اور علامات کو بدل دیا تھا جو توریت میں آئی تھیں بنی
قریظہ نے اُن کی لکھی ہوئی کتاب کو لیا اور اپنی کتاب میں اس کو ملایا۔
اور فقال مروزی اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں لَيْتًا يَا لَيْسَنَتِھُمْ سے یہ مراد ہے کہ یہود
بعض الفاظ کی حرکات اعرابہ کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے تھے کہ جس سے لفظ کے معنی کچھ کے کچھ ہو جاتے
تھے جیسے راعنا کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری رعایت فرمائیے لیکن یہود جب اس لفظ کو زبان موڑ کر پڑھتے
تو یہ لفظ راعینا بن جانا جس کے معنی ہمارے چرواہے کے ہیں جو سراسر تحقیر ہے یا یہ کہ بعینہ ہی لفظ عبرانی اور
سربیانی زبان میں گالی کا تھا۔

عنه نقل عن ابن عباس انه قال ان النصر الذين لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر
اليهم كتبوا كتبًا شوا فيه نعت محمد صلى الله عليه وسلم وخطوه بالكتاب الذي كان فيه
نعت محمد صلى الله عليه وسلم ثم قالوا هذا من عند الله (تفسير کبیر ص ۵۰۲ ج ۲)

خلاصہ کلام

جمہور مفسرین کے نزدیک جن میں عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؓ اور قتادہؓ وغیرہم بھی ہیں کیا بالثبتہم سے کتاب خداوندی میں لفظی تحریف کرنا اور اپنی طرف سے کسی چیز کا کتاب الہی میں ملا لینا مراد ہے اور قتال مروزیؒ کے نزدیک کیا بالثبتہم سے حرکات اعرابہ کو اس طرح توڑ موڑ کر پڑھنا مراد ہے کہ جس سے معنی بدل جائیں اور مطلب کچھ کا کچھ بن جائے جاننا چاہیے کہ ان دونوں معنوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں اس لیے کہ لئی کے معنی پھیرنے اور موڑنے کے ہیں یعنی زبان کلام الہی اور کتاب خداوندی کو اس طرح موڑے کہ وہ کلام راستی سے ہٹ کر کجی کی طرف آجائے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کتاب کی اصل عبارت ہی کو مسخ کر دیا جائے یعنی اُس کے حروف اور الفاظ میں تغیر و تبدل کر دیا جائے یا اس میں کوئی دوسری چیز ملا لی جائے جیسا کہ علماء یہود و قریظہ کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہوا اور یہ صریح تحریف لفظی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ الفاظ کی حرکات اعرابہ کو اس طرح موڑ توڑ کر پڑھا جائے کہ معنی بدل جائیں اور کلام اصل معنی اور اصل حقیقت سے دور جا پڑے یہ دو درجہ کی تحریف ہے اور یہود میں دونوں طرح کی تحریف شائع تھی کبھی اصل لفظ ہی کو بدل ڈالتے اور کبھی تلفظ اور قرارت میں ایسا تغیر و تبدل کرتے کہ جس سے لفظ کے معنی بدل جائیں۔

اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد یَحْسُبُوْا مِنْ اٰلِکِتٰبِ اور پھر وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ یہ تاکید در تاکید اس امر کی صریح دلیل ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ یہود تحریف میں اس قدر جری اور دلیر ہیں کہ بے خوف و خطر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور بے باکی کا یہ عالم ہے کہ تعریض اور کنایہ پر کفایت نہیں کرتے بلکہ صراحت کے ساتھ تحریفیں کرتے ہیں اور علانیہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور بہتان لگاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ تحریف کرنے والے ایہام اور تعریض پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ صراحت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بالکل اللہ کی طرف سے نہیں نہ صراحت نہ اشارۃً نہ کنایتاً نہ تادیلاً نہ استنباطاً نہ لفظاً نہ معنیاً اور یہ لوگ بڑے ہی ڈھیٹ ہیں کہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں اور اُن کو یقین ہے کہ یہ ہمارا ملایا ہوا ہے۔ اللہ کی طرف سے بالکل نہیں۔

کتب سابقہ کی تحریف کے بارہ میں جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ان میں مسئلہ تحریف

تحریف لفظی ہوئی اور بعض شاذ و نادر علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے کتب سماویہ کے اصل حروف و الفاظ بعینہ محفوظ ہیں۔ جیسا کہ حضرت

دہب بن منبہ سے منقول ہے کہ توریت و انجیل اسی طرح محفوظ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اتارا تھا لیکن یہود تاویلات فاسدہ کے ذریعہ سے گمراہ کرتے ہیں (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳)

علماء محققین سب اس طرف ہیں کہ توریت و انجیل میں تحریف لفظی بھی ہوئی ہے اور تحریف معنوی بھی اور اہل کتاب نے فقط تراجم میں نہیں بلکہ اصل کتاب میں تغیر اور تبدل کیا ہے کمی بھی کی ہے اور زیادتی بھی علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ دہب بن منبہ کا یہ قول اگر اُن سے صحیح اور ثابت بھی ہو جائے تو یہ محض ان کی رائے اور گمان ہے جو ناقص استقراء اور ناقص تتبع سے ناشی ہوا ہے حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ کتب الہیہ میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہوا ہے اور آج وہ اس طرح موجود نہیں جیسا کہ نزول کے وقت تھیں اور پھر علامہ آلوسی نے اس کے دلائل اور شواہد بیان کئے ہیں (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) حافظ ابن کثیر و دہب بن منبہ کے قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ دہب بن منبہ کے اس قول سے کہ اللہ کی کتابیں محفوظ ہیں ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا کیا مراد ہے اگر ان کتابوں سے وہ کتابیں مراد ہیں جو فی الحال اُن کے ہاتھ میں موجود ہیں تو ان میں تو بلاشبہ تحریف اور تبدل اور کمی اور زیادتی سب موجود ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور اگر ان کتابوں کے تراجم مراد ہیں تو ان میں جو غلطیاں اور زیادتی اور کمی اور ادھام فاحشہ موجود ہیں تو وہ اس قدر کثیر ہیں کہ بیان سے باہر ہیں بلکہ اکثر بلکہ سب کا فہم اُن تراجم کے بارہ میں فاسد اور کاسد ہے اور اگر اس سے اللہ کی وہ کتابیں مراد ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں تو بے شک اُن کو محفوظ کہا جاسکتا ہے مگر اب ان کا کہیں نام و نشان نہیں اور نہ ان میں کلام ہے انتہی کلام ابن کثیر محصل (ص ۳۷۶ ج ۱)

اخرج ابن جرير عن عثمان بن عفان	حضرت عثمان غنی سے مروی ہے کہ
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
في قوله فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ	لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ
قال الويل جبل في النار وهو الذي	ویل جہنم میں ایک پہاڑ ہے اور یہ فرمایا کہ یہ
انزل في اليهود لا نهم حرفوا التوراة	آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی اس لیے
زادوا فيها ما احبوا ومحووا منها ما	کہ یہود نے توریت میں تحریف کی توریت
يكرهون ومحووا اسم محمد صلى الله	میں جس چیز کا اضافہ پسند کیا اس کو توریت

عنه قال وهب بن منبه ان التوراة والانجيل كما انزلهما الله تعالى لم يغير منها حرف ولكنهم يضلون بالتحريف والتاويل وكتب كانوا يكتبونها من عند انفسهم ويقولون هو من عند الله وما هو من عند الله فاما كتب الله فانها محفوظة ولا تحول رواه ابن ابي حاتم - (روح المعانی ص ۱۸۲ ج ۳) و تفسیر ابن کثیر ص ۳۸۶ ج ۱

اصل عبارت یہ ہے واما كتب الله فانها محفوظة ولا تحول (ابن کثیر ص ۳۸۶ ج ۱)

میں زیادہ کر دیا اور جو چیز توریث میں ناپسند

ہوئی اُس کو توریت سے مٹا دیا اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کا نام بھی تو ریت سے مٹا دیا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے۔

اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب

اور یہ کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز

یہ جو اللہ کی طرف سے پیغمبروں پر اتاری گئی۔

اس لیے کہ اُن کی کتاب محرف ہے اور حق اور باطل مخلوط ہے یہ متعین نہیں کرکونسا حصہ اللہ کا اتارا ہوا ہے اور کون سا حصہ ان محرّفین کی طرف سے ملایا ہوا ہے لہذا اہل کتاب کی مطلقاً تصدیق مت کرو مبادا کہ اس سے ان کی تحریف اور ملاوٹ کی تصدیق ہو جائے اور نہ مطلقاً اس کی تکذیب کرو ممکن ہے کہ وہ بات اللہ کی طرف سے ہو تو اس تکذیب سے اللہ کی بات کی تکذیب لازم آئے گی اجمالی طور پر یہ کہہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ نے جو اپنے پیغمبروں پر اتارا اس پر ایمان رکھتے ہیں اگر وہ حق ہوگا تو مَا أَتٰنَا اللّٰہُ مِیْنْ دَاخِلْ ہُوْکَا ورنہ نہیں باقی جو کتابیں اہل کتاب کے ہاتھ میں موجود ہیں ان میں چونکہ کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل سب کچھ ہو چکا ہے اور حق و باطل کا کوئی تمیز نہیں اس لیے ہم نہ اُن کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب اس لیے تمام علماء محققین کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ موجودہ توریت اور انجیل محرف ہے جس میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے کمی بھی ہوئی ہے اور زیادتی بھی ہوئی اور خود علماء توریت و انجیل کو بھی اس کا اعتراف اور اقرار ہے۔ قرآن کریم میں مراحت کے ساتھ اس امر کا ذکر ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفت اور نعت توریت اور انجیل میں مذکور ہے اور اسی طرح صحابہ کرام کے متعلق قرآن کریم میں منصوص ہے کہ ان کی صفات توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ کما قال تعالیٰ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُکْعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیمَا هُمْ فِیْ وُجُوْهِہُمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرَةِ وَ مَثَلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ حَقِّ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ صحابہ کرام کی یہ صفات توریت اور انجیل میں مذکور ہیں مگر موجودہ توریت و انجیل میں اس کا کہیں ذکر نہیں پس اگر توریت و انجیل کو تحریف لفظی سے محفوظ مانا جائے تو ان آیات قرآنیہ کی تکذیب لازم آتی ہے :

اور قرآن کریم میں جا بجا کتب سابقہ میں تحریف کی خبر دی گئی وہاں سب جگہ تحریف لفظی ہی مراد ہے کیونکہ تحریف معنوی تو قرآن کریم میں بھی ہوئی ہے بلکہ ملاحظہ اور زنادقہ قرآن کی تاویلات باطلہ میں یہود اور نصاریٰ سے بھی سبقت لے گئے۔ سرسید علی گڑھی اور غلام احمد قادیانی کی تحریفات اور تاویلات کو دیکھ لیجئے یہود اور نصاریٰ کے بھی کان گتر لیے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ

وَأَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ الحمد لله قرآن کریم جس طرح تحریف لفظی سے محفوظ ہے اسی طرح تحریف معنوی سے بھی محفوظ ہے اس لیے کہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ و تابعین کے بعد قرآن کریم کی مراد اس درجہ واضح ہو گئی ہے کہ اب اس میں کسی لمحہ زندقہ کی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی فلله الحمد والمنة

جس شخص کو کتب سابقہ کی تحریف لفظی و معنوی کی پوری تفصیل درکار ہو تو وہ

اطلاع

ازالۃ الشکوک اور ازالۃ الادلہ اور اظہار الحق ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ

کیرانویؒ کی مراجعت کرے۔

ایک ضروری تنبیہ عبداللہ بن عباسؓ اور امام بخاریؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ تحریف معنوی کے قائل ہیں اس لیے کہ صحیح بخاری میں ہے۔

قال ابن عباس یحرفون ویزیلون
ولیس احد یذیل لفظ کتاب
من کتب اللہ و لکنہم یحرفونہ
و یتأولونہ علی غیر تأویلہم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما یحرفون الکلم عن مواضعہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہود تحریف کرتے ہیں اور کتاب الہی کے الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور کسی مخلوق کی یہ مجال نہیں کہ اللہ کی کسی

کتاب کے کسی لفظ کو زائل اور فنا کر دے لیکن کتاب الہی میں تحریف اور اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔

اس عبارت سے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ عبداللہ بن عباسؓ تحریف لفظی کے منکر ہیں اور اسی کو امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔

یہ صحیح نہیں اس لیے کہ عبداللہ بن عباسؓ سے بطریق کثیرہ یہ منقول ہے کہ اہل کتاب نے توریت میں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات مذکور تھیں ان میں بڑا تغیر اور تبدل اور رد و بدل کر دیا تھا یہ روایتیں تفسیر درمنثور ص ۸۲، ۱۶۰ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہاں دیکھ لی جائیں۔

لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کتب سماویہ میں تحریف لفظی کے منکر ہیں خصوصاً جب کہ صحیح بخاری میں متعدد جگہ ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ اے گروہ مسلمین تم اہل کتاب سے کیوں دریافت کرتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن) ابھی خدا کی طرف سے تازہ بتاؤ نازل ہوئی ہے اور خالص ہے اور اس میں ذرہ برابر کوئی آمیزش نہیں ہوئی اور تحقیق اللہ نے تم کو خبر دے دی ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اور وہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کتب سابقہ میں بہت سی چیزیں ملاوٹ کی ہیں اور قرآن کریم خالص و مودھ ہے جس میں ذرہ برابر کسی قسم کی ملاوٹ نہیں۔

امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ کے قول کو ایک دوسری غرض سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے کسی مخلوق سے اُس کا زائل کرنا اور فنا کرنا ممکن نہیں البتہ بندہ اس میں تاویل اور

تحریف کر سکتا ہے اور بندہ کا یہ فعل تاویل اور عمل تحریف حادث اور مخلوق ہے اس لیے کہ بندہ کے تمام افعال مخلوق اور حادث ہیں۔

امام بخاریؒ نے کتاب التوحید میں اسی غرض کے لیے متعدد تراجم اور ابواب رکھے ہیں سب سے مقصد یہی ہے کہ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کا جو فعل کلام خداوندی سے متعلق ہو یعنی بندہ کا تلفظ اور اس کی قرأت اور اس کی تلاوت اور اس کی کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں۔ یعنی کلام ملفوظ اور مقرر اور کلام متلو قدیم اور غیر مخلوق ہے اور بندہ کا تلفظ اور قرأت اور کتابت سب حادث ہے اسی طرح بندہ کا یہ عمل یعنی تحریف اور تاویل فاسد بھی مخلوق اور حادث ہوگا۔

اہل کتاب کا حضرت انبیاء پر افتراء اور اس کی تردید

گزشتہ آیت میں یہ ذکر تھا کہ اہل کتاب اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اب اس آیت میں حضرات انبیاء پر ان کی افتراء پر دازی کا بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب یہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ حضرات انبیاء نے انہیت اور الوہیت کے عقیدہ کی تعلیم دی ہے چنانچہ عیسائی الوہیت مسیح اور تثلیث کے مسئلہ میں جب دلیل اور برہان کے پیش کرنے سے عاجز ہوتے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم کیا کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم کو ایسا ہی حکم دے گئے ہیں خود حضرت مسیحؑ نے اپنے کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے اور اس قسم کے اور کلمات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن سے اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ اور روح القدس کا شریک الوہیت ہونا ثابت کرتے ہیں اُنہ آیت یعنی مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ الْاِنْشَاءِ ان کی تردید اور جواب میں نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کتاب اور حکمت دے کر بھیجتے ہیں وہ خدا پرستی ہی کی دعوت دیتا ہے یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی لوگوں کو اپنی بندگی کی طرف بلائے اور توریت اور انجیل میں صد ہا مقامات پر خدا پرستی کی صریح تعلیم موجود ہے لہذا تمہارا یہ کہنا کہ حضرت مسیحؑ نے اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے صریح کذب اور افتراء ہے اور ان کی تصریحات کے صریح خلاف ہے بلکہ حضرت مسیحؑ نے توحید کے بعد تم سے اس بات کا بھی عہد اور اقرار لیا تھا کہ جب تم نبی آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور ان کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت اور اعانت کرنا اور ان کا وہی دین ہوگا جو تمام انبیاء و مرسلین کا دین ہے یعنی دین اسلام چنانچہ فرماتے ہیں کسی بشر کے لیے بشر ہوتے ہوئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور شریعت اور نبوت عطا فرمائیں باوجود اس کے پھر وہ لوگوں سے کہے اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اس لیے کہ بشر کے سامنے اپنی بشریت کی عاجزی اور در ماندگی ظاہر ہوگی اور عاجزی

اور در ماندگی کے ہوتے ہوئے ادنیٰ عقل والا بھی اپنی الوہیت کا گمان تک نہیں کر سکتا۔ اور پھر جس کو کتاب و حکمت اور نبوت عطا ہوگی وہ وہی شخص ہوگا جو لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دے بعثت کا مقصد ہی توحید و تفرید ہے جس کا امر بالشک کے ساتھ جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور لیکن وہ نبی تو یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ یعنی ایک خدا کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاؤ اس لیے کہ تم دوسروں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس وجہ سے بھی کہ تم خود بھی اس کتاب الہی کو پڑھتے رہتے ہو جو توحید و تفرید کی تعلیم سے بھری پڑی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ نبی تم کو ربانیت کے حکم کے بعد یہ حکم دے کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو پروردگار ٹھہراؤ۔ فرشتے اور پیغمبر معاذ اللہ خدا اور پروردگار نہیں بلکہ پروردگار تک پہنچنے کا واسطہ اور راستہ ہیں اور انبیاء کفر اور شرک کے مٹانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں کیا وہ نبی تم کو کفر اور شرک کی طرف لوٹنے کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسی کی تعلیم و تلقین سے مسلمان اور موحد ہو چکے ہو۔ ابن اسحاق اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب وفد نجران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی یہودی نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ایسی ہی پرستش کرنے لگیں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ اور اس پر مَا كَانَ لِبَشَرٍ مِّنْ مُّسْلِمُونَ تک آیت نازل ہوئی۔

شاہ صاحب موضح القرآن میں فرماتے ہیں یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تمہارا نبی ہم کو کہتا ہے کہ بندگی کرو اللہ کی ہم تو آگے سے اسی کی بندگی کرتے ہیں مگر وہ (یعنی تمہارا نبی) چاہتا ہے کہ میری بندگی کرو سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نبی کرے اور وہ لوگوں کو کفر سے (یعنی غیر اللہ کی عبادت سے) نکال کر مسلمانی میں لاوے پھر اُن کو کیونکر کفر سکھا دے مگر تم کو (اے اہل کتاب) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ (اب تم میں باقی) نہیں رہی اب میری صحبت میں وہی کمال حاصل کرو۔ انتہی۔ یعنی اب میری صحبت میں قرآن پڑھو اور پڑھاؤ اور سیکھو اور سکھاؤ اور عالم ربانی اور عارف یزدانی بنو۔

ف عبادت اور بندگی تو اللہ ہی کی ہے مگر اطاعت اور پیروی نبی کی بھی ضروری اور لازم ہے شاید اُس معترض نے عبادت اور اطاعت میں فرق نہ کیا اور اعتراض کر دیا کہ معاذ اللہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اپنی بندگی چاہتے ہیں یہ اعتراض بالکل لغو اور مہمل تھا عبادت اور اطاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے عبادت خالص اللہ کا حق ہے اور بے چون و چرا اطاعت اور پیروی نبی کا حق ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ

اور جب لیا اللہ نے اقرار نبیوں کا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا

مِّنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ

کتاب اور علم پھر آدے تم پاس کوئی رسول کریم بتا دے

لِّمَا مَعَكُمْ لَتَتَّوْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ط قَالَ

تمہارے پاس والی کوتوال پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا

ء أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ اٰصِرِي ط قَالُوْٓا

کہ تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر لیا میرا ذمہ ؟ بولے ہم

اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاَشْهَدُوْٓا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

نے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب شاہد رہو، اور میں بھی تمہارے ساتھ

الشَّٰهِدِيْنَ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلَّىٰۤ اٰۤیٰتِیْۤ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ

شاہد ہوں ۸۱۔ پھر جو کوئی میری آیتوں کے بعد، تو وہی لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲

ہیں بے حکم ۸۲۔

تذکرہ میثاق انبیاء و توبیخ براکھرف ازاں

قَالَ تَعَالٰی وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ اے فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ عبادت اور بندگی خاص اللہ کا حق ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم دے اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور بے چون و چرا اُن کی اطاعت کریں اور ہر قسم کی ان کی مدد کریں ہر نبی کے زمانہ میں

ہر امت سے یہی عہد لیا گیا ہے جس سے اہل کتاب اعراض اور روگردانی کر رہے ہیں اور پختہ عہد کے بعد روگردانی کرنا صریح فسق ہے اور اس آیت کے اخیر میں فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ میں فسق سے یہی بد عہدی مراد ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب اللہ نے عہد و پیمان لیا پیغمبروں سے کہ البتہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت یعنی شریعت کا علم دوں اور پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول جس کے ساتھ دلائل نبوت اور شواہد رسالت ہوں اور وہ رسول تصدیق کرنے والا ہو تمہاری اس کتاب اور شریعت کی جو تمہارے ساتھ ہے تو البتہ تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا اور فقط ایمان اور تصدیق پر اکتفا نہ کرنا بلکہ جان و مال سے اس کی پوری پوری مدد بھی کرنا اور اس کے دین اور شریعت کی تبلیغ اور ترویج میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھنا پھر اس عہد کے بعد مزید تاکید اور توثیق کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس کام پر میرے پختہ عہد و پیمان کو قبول کر لیا سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب شاہد اور گواہ رہو ایک دوسرے کے اقرار پر اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں میں سے گواہ ہوں۔ یہ تمام الفاظ عہد و میثاق کی تاکید و توثیق کے لیے فرمائے کہ جس عہد اور پیمان پر حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی گواہی ہو اور مدعا علیہ کا اقرار اور شہادت بھی اس کے ساتھ مقرون ہو تو اس دستاویز کے پختہ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے پس جو شخص پھر جائے ایسے پختہ عہد سے بھی جس پر خدا تعالیٰ کی اور اس کے تمام پیغمبروں کی گواہی ہو اور باوجود عہد اور اقرار کے نہ اس رسول پر ایمان لاوے اور نہ اس کی مدد کرے تو ایسے ہی لوگ پر لے درجہ کے بد عہد اور بدکار اور نافرمان ہیں جو ایسے پختہ عہد و پیمان کی بھی پرواہ نہیں کرتے جانا چاہیے کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرات صحابہ و تابعین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ میں رسول سے عام رسول اور عام نبی مراد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ میں رسول سے خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

تشریح قول اول اگر ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ میں رسول سے عام نبی اور پیغمبر کے معنی مراد ہوں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ہر نبی سے جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آئے یہ عہد لیا کہ جس کو ہم کتاب و حکمت دے کر بھیجیں اور اس کے بعد دوسرا نبی آئے جو پہلے انبیاء کی نبوت اور ان کی کتابوں اور حکمت کی اجمالاً یا تفصیلاً تصدیق کرنے والا ہو تو ضروری ہے کہ پہلا نبی بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے اور اس کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے یہ نہ ہو کہ پہلے نبی کا علم اور حکمت دوسرے نبی کی تصدیق اور نصرت سے مانع ہو اور اگر خود اس دوسرے نبی کا زمانہ نہ پائے تو اپنی امت کو اس کی پوری پوری ہدایت اور وصیت کر جائے کہ اگر بعد میں آنے والے پیغمبر کا زمانہ پاؤ تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ ایسی وصیت بھی آنے والے نبی کی نصرت اور اعانت میں داخل ہے۔

اور اس عموم میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی داخل ہوں گے کیونکہ جب عام طور پر اللہ تعالیٰ یہ

عہد لے چکا کہ جو نبی اپنے سے پہلی کتاب و حکمت کا مُصدق ہو اسکی تصدیق اور نصرت ضروری ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و نصرت بھی بطریق عموم اس عہد میں داخل ہوگی کیونکہ آپ بھی دلائل و شواہد کے ساتھ اللہ کے رسول ہیں اور سابقہ کتاب اور حکمت توریت و انجیل کے مصدق ہیں۔ لہذا یہود و نصاریٰ کو اپنے انبیاء کے عہد و پیمان کی بنا پر آپ پر ایمان لاکر آپ کی مدد کرنی چاہیے مقصود یہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو انبیاء سابقین کا عہد و پیمان یاد دلا کر ان کو معقول کیا جائے تاکہ معقول پسند طبعیتیں کفر اور انکار سے باز آکر آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت کریں۔

تشریح قول دوم

تشریح قول دوم | اور اگر تَشْرَجَاءُ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاُولَٰئِكَ مِثْلُ خٰلِدٍ اِلٰی عَذٰبٍ اَلِيْدٍ ۝۱۲۵

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور انبیاء نے اپنی قوموں اور امتوں سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں اور تم ان کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے آیت کے یہی معنی منقول ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آیات سابقہ سے لے کر آیت محولہ بالاتک برابر سلسلہ کلام آپ ہی کی نبوت کے اثبات میں چلا آ رہا ہے اور یہی قول جمہور مفسرین کے نزدیک مختار اور راجح ہے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ تَشْرَجَاءُ كُمْ رَسُولٌ میں حضرت علیؑ اور ابن عباسؓ کے قول کے مطابق خاص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں لفظ رسول اگرچہ نکرہ ہے مگر اشارہ معین اور مخصوص کی طرف ہے جیسے حق تعالیٰ کے قول صَدَّبَ اللّٰهُ مَثَلًا قُرْبٰیۃً کَاَنْتَ اِمْنَةً۔ اے قولہ۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَاٰذَنُوْهُمۡۤ اَلَا یَعْلَمُوْنَ میں رسول سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے (تفسیر قرطبی ص ۱۲۵ ج ۴)

ہاں اگر دو رسول بیک وقت ایک قوم میں بھیجے جائیں تو وہ دونوں شریعت کی ہر بات میں متفق ہوں گے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں کی شریعت کے احکام بالکل ایک تھے اور اگر ایک نبی اور رسول دوسرے نبی اور رسول کے بعد آئے تو جائز ہے کہ بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کے بہت سے احکام کو منسوخ کر دے مگر اصول دین میں تمام انبیاء و رسل ازل سے آخر تک متفق رہے ہیں۔ اور دوسرے قول کی بنا پر اگر رسولؐ سے خاص حضور پر نورؐ کی ذات بابرکات مراد لی جائے تو مقصود آیت سے آپؐ کی سیادت اور خاتمیت کو بیان کرنا ہوگا کہ آپؐ تمام اولین اور آخرین کے سردار ہیں کہ آپؐ کے اتباع اور نصرت کا عہد تمام انبیاءؑ سے لیا گیا جیسا کہ شب معراج میں آپؐ نے انبیاء کی امامت فرمائی اور قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کے مقام میں آپؐ ہی کھڑے ہوں گے اور تمام بنی آدم آپؐ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے یہ تو دلیل ہوئی آپؐ کی سیادت عامہ اور امامت کبریٰ کی۔ اور آپؐ کے خاتم النبیین ہونے کی دلیل یہ ہوئی کہ حق تعالیٰ کا تمام انبیاء سے یہ فرمانا شجرہ جلاء کھورسولؐ کہ تم سب کے بعد ایک عظیم الشان رسول آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان رسول کی آمد سب کے بعد ہوگی۔ اور اس کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا۔ یہی معنی خاتم النبیین کے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے پہلے نبی بن چکے ہیں۔ البتہ عمر اُن کی طویل ہے اخیر زمانہ میں آپؐ کی امت کی مدد کے لیے آپؐ کی شریعت کے تابع ہو کر آسمان سے نازل ہوں گے۔

یہ عہد یا تو عالم ارواح میں لیا گیا یا جس وقت حضرت آدمؑ کی پشت سے اُن کی ذریت کو نکالا گیا۔ اور پھر عالم شہادت میں ہر نبی کے زمانہ میں اس عہد کی تجدید ہوئی اور عہد الست کی طرح حضرات انبیاء نے اس عہد کو یاد دلایا تاکہ یاد کے بعد اُس عہد کا ایفا کریں۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ

اب کچھ اور دین ڈھونڈتے ہیں سوائے دین اللہ کے، اور اسی حکم میں ہے جو

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا قَدْ

کوئی آسمان اور زمین میں ہے، خوشی سے یا زور سے اور

إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ

اسی کی طرف پھر جا دیں گے۔ تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور جو کچھ اُترا

عَلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَ

ہم پر اور جو کچھ اُترا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور

إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ

اسحق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو

وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے

أَحَدٍ مِنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۳﴾ وَ

ان میں کسی کو اور اسی کے محکم پر ہیں :- اور جو

يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ

کوئی چاہے سوا حکم برداری کے اور دین، سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا، اور

هُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي

وہ آخرت میں خراب ہے :- کیونکہ راہ دے گا

اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا

اللہ ایسے لوگوں کو کہ منکر ہو گئے مان کر، اور بتا چکے کہ

أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ ۚ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَاللَّهُ

رسول سچا ہے، اور پہنچ چکے ان کو نشان - اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ

راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو :- ایسے لوگوں کی سزا یہ

أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ

ہے کہ ان پر لعنت اللہ کی، اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب

أَجْسَعِينَ ﴿۸۷﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

کی ۔۔۔ پڑے رہیں اس میں نہ ہلکا ہو اُن پر

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

عذاب، اور نہ ان کو فرصت ملے ۔۔۔ مگر جنہوں نے

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ

توبہ کی اس کے بعد، اور سنوار پکڑی تو البتہ اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ

بخشنے والا مہربان ہے ۔۔۔ جو لوگ منکر ہوئے مان کر پھر

ثُمَّ أَرَادُوا كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ

بڑھتے رہے انکار میں، ہرگز قبول نہ ہوگی اُن کی توبہ اور

أُولَئِكَ هُمُ الصَّاكُوتُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

وہی لوگ ہیں راہ بھولے ۔۔۔ جو لوگ منکر ہوئے اور

مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

مر گئے منکر ہی تو ہرگز قبول نہ ہوگا ایسے کسی سے

مِلٌّ أَرْضٍ ذَهَبًا وَلِيُوَفِّيَهُ أُُولَئِكَ

زمین بھر کر سونا اگرچہ بدلہ دیوے یہ کچھ ۔۔۔ ان کو



لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۙ

دکھ کی مار ہے ، اور کوئی نہیں ان کا مددگار ۛ

خلاصہ حقیقت اسلام وعدم قبول غیر دین اسلام

قال تعالى أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ اے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۙ
توحید اور رسالت کے بعد دین اسلام کی حقیقت کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں کہ اسلام اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین ہے اور اسلام ہی تمام کائنات کا دین ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جس کی طرف تمام انبیاء دعوت دیتے چلے آئے آخرت کی نجات کا دار و مدار یہی دین اسلام ہے اس کے سوا اللہ کے یہاں کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا چنانچہ فرماتے ہیں ۔

کیا یہ لوگ آنے والے رسول پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کا پختہ عہد اور پیمانہ کرنے کے بعد بھی اللہ کے دین کو چھوڑ کر کسی اور دین کو ڈھونڈتے ہیں اور اپنے عہد و پیمانہ کا پاس نہیں کرتے کہ جس دین کی وہ رسول دعوت دے رہا ہے اس کو قبول کریں حالانکہ زمین و آسمان کے کل باشندے حق تعالیٰ ہی کے سامنے سر تسلیم دنیا زخم کیے ہوئے ہیں کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے یعنی زبردستی سے اور قیامت کے دن سب اسی کھٹکے لوٹائے جائیں گے ۔

ف احکام کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی جیسے نماز و روزہ جن میں بندے کے اختیار کو دخل ہے اور دوسرے تکوینی جیسے جلانا اور مارنا اور بیمار کرنا ۔ احکام تکوینیہ کے تو سب مسخر ہیں کوئی اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا ۔ کرمہا سے یہی تسخیری اطاعت مراد ہے اور طوعاً سے احکام تشریعیہ کی اختیاری اطاعت مراد ہے اور خوشی سے اطاعت کرنے والے فرشتے ہیں اور جن اور انس میں ایماندار لوگ ہیں کہہ دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں وہی تمام انبیاء کا دین ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم پر یعنی قرآن پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی

علیہ اشارہ اس طرف ہے کہ آیت میں ہمزة استفہام انکار اور توبیخ کے لیے ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ایتولون بعد میثاق الایمان والنصرة فغیر دین اللہ یبغون یا تقدیر اس طرح ہے ۔ ایفسقون فغیر دین اللہ یبغون ۔

اولاد پر جن کو خدا نے نبی بنایا اور جن پر خدا کی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے اور اس پر بھی موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دی گئی اور اس چیز پر بھی جو تمام پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی اور ہم انبیاء میں تفریق نہیں کرتے جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کا حال ہے کہ کسی کی تصدیق کریں اور کسی کی تکذیب سب خدا کے برگزیدہ اور فرستادہ تھے اور سب دین حق پر تھے۔ دین سب کا ایک تھا اور ان کی شریعتوں کے قوانین اور احکام میں جو اختلاف تھا وہ وقتی طور اسی زمانہ اور اس ملک اور اس کے باشندوں کے لحاظ سے تھا اور ہم سب اسی ایک خدا کے خالص فرمانبردار ہیں خالص خدا کی بندگی یہ دین اسلام کا خلاصہ ہے اور جو شخص اسلام کے سوا یعنی اللہ کی خالص بندگی کے سوا کوئی اور دین طلب کرے تو وہ دوسرا دین اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس لیے کہ یہ دین وہ دین نہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہو اور اس کو پسند کیا ہو اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہو گا یعنی اُس کی نجات نہ ہوگی اللہ کے حکم کے سامنے گردن ڈال دینے کا نام اسلام ہے اور یہی تمام انبیاء کرام کا دین اور مذہب ہے اس کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں۔

بیان حکم مرتدین اب تک ان لوگوں کا بیان تھا جنہوں نے اسلام میں داخل ہونے سے اعراض کیا اب آئندہ آیت میں اُن لوگوں کا بیان ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر گئے ایسے لوگوں کو شریعت کی اصطلاح میں مرتد کہتے ہیں پھر یہ مرتدین دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو اپنے کفر اور ارتداد پر قائم رہے اور ایک قسم وہ ہے جو تائب ہو کر پھر صدق دل سے اسلام میں واپس آگئے آئندہ آیات میں دونوں کا بیان آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت اور توفیق اور عنایت سے نوازے جو دل سے ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور زبان سے اس شہادت اور اس اقرار کے بعد کہ یہ رسول اللہ کے برحق پیغمبر ہیں اور بعد اس بات کے کہ ان کے پاس آپ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کی واضح دلیلیں اور روشن نشان پہنچ چکے ہیں اسلام سے پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا کہ اقرار کرنے کے بعد پھر جائیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی ظالم سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہٹ دھرم اور ضدی ہیں ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ہوتی ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور تمام فرشتوں کی وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی رحمت سے دور رکھے اور ان پر تمام لوگوں کی لعنت ہے مومنین تو صراحتاً کفار پر لعنت بھیجتے ہیں اور کفار بھی حق بات نہ ماننے والے پر لعنت کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس لعنت کا مصداق وہ خود ہیں ہمیشہ رہیں گے اُس لعنت میں اور عذاب لعنت میں داخل ہونے کے بعد نہ تو عذاب میں ان سے کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی مگر جن لوگوں نے اس کفر اور ارتداد کے بعد توبہ کر لی اور اپنے ایمان کی اور اعمال کی اور نفس کی اصلاح کر لی اور خرابی کے بعد اُس کو درست کر لیا تو البتہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول

فرما کر اُن کے جرم سے درگزر کرے گا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انصار میں ایک شخص تھا اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا پھر نادم ہو کر اپنی قوم سے استغفار کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کرو کہ میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے اس پر یہ آیت کُفِّرُوا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ تَدْعُوهُمْ رَحِيْمٌ نازل ہوئی چنانچہ اس کی قوم نے اس کو بلوایا اور وہ پھر اسلام لایا۔ (نسائی وابن حبان وحاکم)

تحقیق جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور پھر کفر میں بڑھتے گئے اور ترقی کرتے رہے کہ مسلمانوں کے ستانے اور حق کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جان بوجھ کر اسلام کی دشمنی پر تلے رہے ایسے لوگوں کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اس لیے کہ سمجھ بوجھ کر حق کی دشمنی کرنے والوں کو اول تو توبہ ہی نصیب نہ ہوگی جو قبول ہو اور اگر مرنے کے وقت یا اور کسی وقت کسی مصلحت سے ظاہری طور پر رسمی الفاظ توبہ کے محض زبان سے کہہ بھی دے مگر دل حق کی عداوت سے صاف نہ ہوا تو ایسی توبہ کہاں قابل قبول ہو سکتی ہے اور ایسے ہی لوگ کامل اور پورے گمراہ ہیں جن کے دل حق کی عداوت سے لبریز ہیں اور اگر کسی وقت زبان سے کوئی لفظ توبہ کا نکلتا ہے تو وہ کسی مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے جیسے آج کل کی سیاسی توبہ۔ یہی کمال گمراہی ہے کہ اس گمراہی کے مقابلہ میں گویا کوئی گمراہی نہیں کیونکہ یہ لوگ ایسے گمراہ ہیں جن کی گمراہی سے نکلنے کی کوئی امید نہیں جیسے وہ بیمار جس کے اچھے ہونے کی امید ہو وہ اس بیمار کے مقابلہ میں کیا بیمار ہے جس کے شفاء پانے کی امید ہی نہ ہو تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور بدون توبہ کے کفر کی حالت میں مر گئے تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ایسے کسی شخص سے روئے زمین کے برابر سونا اگرچہ وہ سونے کی اتنی مقدار کو عذاب کے فدیہ اور معافیت میں لاکر پیش بھی کر دے اور یہ کہے کہ مجھ کو عذاب سے چھوڑ دے تب بھی نہیں قبول کیا جائے گا اور بدون پیش کیے تو پوچھتا ہی کون ہے یعنی اگر بالفرض والتقدیر کافر کے پاس روئے زمین کے برابر سونا موجود بھی ہو اور بطور فدیہ کے عذاب سے رہائی کے لیے پیش بھی کرنا چاہے تب بھی قبول نہیں چہ جائیکہ خالی ہاتھ ہو اور ایک ذرہ کا بھی مالک نہ ہو تو ایسے کو کون پوچھتا ہے ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا جو ان کو عذاب خداوندی سے بچا سکے۔

ف کافروں کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو کفر سے صحیح توبہ کریں اور اعمال صالحہ اختیار کریں۔ ایسے لوگوں کی توبہ قبول ہے اور اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے دوسرے وہ جو کفر سے توبہ تو کرتے ہیں مگر ان کی توبہ صحیح نہیں ہوتی بلکہ ان کی توبہ فاسد ہوتی ہے مثلاً یہ کہ دل سے توبہ نہ کریں محض زبان سے کسی مصلحت سے الفاظ توبہ کے کہہ دیں یا دقت نکلنے کے بعد توبہ کریں جیسے فرعون نے بالکل ڈوبتے وقت توبہ کی اسی طرح یہ لوگ ایسے وقت توبہ کریں جب موت بالکل سامنے آگئی تو ایسے لوگوں کی توبہ مقبول نہیں اس لیے کہ توبہ کی شرط مفقود ہے۔

دل میں ایمان نہیں۔ دل حق کی عداوت اور باطل کی محبت سے بریز رہے محض زبان سے یا کسی مصلحت سے توبہ کی جا رہی ہے یا توبہ کا وقت نکل چکا ہے اور وقت نکلنے کے بعد مجبور ہو کر توبہ کر رہے ہیں۔ اس آیت یعنی لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے اور تیسرے وہ کہ جو تمام عمر کفر پر قائم رہے اور دن بدن کفر میں ترقی کرتے رہے اور بالآخر بغیر توبہ کے مر گئے اس آخری آیت یعنی فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلُّ الْأَرْضِ ذَهَبًا ۖ میں یہی لوگ مراد ہیں پہلی آیت میں پہلی قسم کے کافروں کا حکم بیان ہوا اور دوسری آیت میں دوسری قسم کے کافروں کا اور اس آخری آیت میں تیسری قسم کے کافروں کا کہ ایسے لوگ اگر بالفرض والتقدير قیامت کے دن روٹے زمین کے برابر سونا بھی عذاب کے فدیہ میں دینا چاہیں تو وہ قبول نہ ہوگا اس لیے کہ آخرت میں ایمان اور اعمال صالحہ قبول ہوں گے مال و زر کی اس دن کوئی حقیقت نہیں۔

الحمد للہ کہ آج بروز دوشنبہ ۱۱ شوال ۱۳۷۸ھ بوقت چاشت شہر لاہور میں تیسرے پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ اَللّٰهُمَّ وَفَقْنَا لَا تَمَامُ التَّفْسِيرِ وَتَقْبَلُهُ مِنَّا وَتُبَّ عَلَيْنَا فَاِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَ اَنْتَ
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ آمین



ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دارالعلوم الحسینیہ شہدادپور کی مطبوعہ
تفسیر ”معارف القرآن“، مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
کی جلد اول از سورۃ الفاتحہ تا انتہاء پارہ سوم کے متن قرآن کریم
مطبوعہ پڑھا۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں
کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔
واللہ اعلم۔

علیم المسان شہدادپور
۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ

